مختصر القدوری کی جامع و جدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط و مناسبت

انوار القدوری

شرح اردو

مختصر القدوری

شارح

حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند

استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

دارالاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 32631861

مختصر القدوری کی جامع و جدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط و مناسبت

انوار القدوری

شرح اردو

مختصر القدوری

جلد ثانی

از کتاب البیوع تا کتاب الجنایات

شارح

حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی

استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 32213768

کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

پاکستان میں جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : جنوری ۲۰۱۱ء علمی گرافکس

ضخامت : 1344 صفحات 3 جلد میں

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

......ملنے کے پتے......

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

تأثرات

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم وبعد!

سعدنا كثيرًا بزيارة الجامعة الاسلامية ديرهی تاجفوره وسعدنا كثيرًا بالجهد المبذول والتفانی من اعضاء اسرة الجامعة والتی نأمل ان تنتشر جهودها لنشر الدين الاسلامی فی أرجاء المعمورة والله اسأل ان يقدر لهذا الكتاب «أنوار القدوری - شرح اردو - مختصر القدوری» لشارحه حضرت مولانا مفتی وسيم احمد صاحب قاسمی استاذ جامعة اسلامية ديرهی تاجفوره ان ينتفع به المسلمون فی كل العالم وأن يلقی ثواب هذا العمل الجليل عندالله ان شاء الله . والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

ديرهی تاجفوره فی السبت
۱۴/۴/۱۴۲۵ ھ
۱۳/۵/۲۰۰۶ م

عاطفا محمد الخضری (مصر)
مناحی محمد العتيبی (السعودية)
محمد مسحل العتيبی (السعودية)
لاحق لافی العتيبی (السعودية)

فہرست مضامین

کتاب البیوع	۱۱
ماقبل سے مناسبت	۱۱
بیع کی لغوی تعریف واصطلاحی تعریف	۱۱
بیع کا ثبوت	۱۱
فائدہ	۱۱
ثمن کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں	۱۱
ایجاب وقبول کی تعریف	۱۲
خیار مجلس کے ثبوت میں علماء کا اختلاف	۱۲
بیع کی شرطوں کا بیان	۱۴
بکری کے ریوڑ اور غلہ کے ڈھیر کے حکم میں فرق	۱۷
جو چیز بغیر تذکرہ کے بیع میں داخل ہوتی ہے اور جو نہیں ہوتی	۲۱
بدو صلاح کا کیا مطلب ہے؟	۲۲
بیع بشرط القطع	۲۳
بیع بشرط الترک	۲۳
بیع مطلق عن الشرط	۲۳
جواز کی صورت	۲۴
باب خیار الشرط	۲۷
ماقبل سے مناسبت	۲۷
خیار کی لغوی ،اصطلاحی تعریف	۲۷
خیار شرط کا ثبوت	۲۷
خیار شرط کی اقسام کا بیان مع اختلاف ائمہ	۲۷
بائع کے اختیار کا بیان	۲۸
مشتری کے اختیار کا بیان	۲۹
کیا خیار شرط ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا؟	۳۱
باب خیار الرؤیۃ	۳۳
خیار عیب پر تقدیم کی وجہ	۳۳
خیار رؤیت کی تعریف	۳۳
خیار رؤیت کا ثبوت	۳۳
خیار رؤیت کس کو حاصل ہے اور کس کو نہیں	۳۳
ایک اہم بات	۳۴
تنبیہ	۳۴
گھر کا خارجی حصہ دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط نہ ہوگا	۳۵
نابینا کا خیار رؤیت کب ساقط ہوگا؟	۳۶
بیع فضولی کا بیان	۳۶
باب خیار العیب	۳۸
عیب کی لغوی واصطلاحی تعریف	۳۸
خیار عیب کا ثبوت	۳۸
چند عیوب کا بیان	۳۹
خیار عیب کے باقی مسائل	۴۲
باب بیع الفاسد	۴۴
ماقبل سے مناسبت	۴۴
بیع غیر صحیح کی اقسام اربعہ مع امثلہ واحکام	۴۴
آزاد ام ولد، مدبر، مکاتب کی بیع کا عدم جواز	۴۶
مبیع قبل القبض فروخت کرنا جائز نہیں	۴۷
حمل اور حمل کے حمل کی بیع کا عدم جواز	۴۷
بیع مزابنہ کا عدم جواز	۴۹
عرایا کی حقیقت اور اس میں اختلاف ائمہ	۴۹
حنفیہ کی وجوہ ترجیح	۵۰
بیع القاء حجر اور بیع ملامسہ	۵۰
مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا درست نہیں	۵۱
متعارف شرط لگانا جائز ہے	۵۳
ادائیگی ثمن کی مدت مجہول ہونیکی صورت میں بیع کا عدم جواز	۵۴
بیع فاسد کا حکم مع اختلاف ائمہ مدلل ومفصل	۵۵
آزاد اور غلام، ذبح شدہ بکری اور مردہ بکری کی بیع کا عدم جواز	۵۶
بیوعات مکروھہ کا بیان	۵۸
بیع نجش کی ممانعت	۵۸
تلقی الجلب کا کیا مطلب ہے؟	۵۸
''ضرر'' اور ''غرر'' ممانعت کی علت ہیں	۵۹
بیع الحاضر للبادی	۵۹
باب الاقالہ	۶۰
ماقبل سے مناسبت	۶۰
اقالہ کی لغوی واصطلاحی تعریف	۶۱
اقالہ کا ثبوت وفضیلت	۶۱
باب المرابحۃ والتولیۃ	۶۳
مرابحہ کا ثبوت	۶۳
تولیہ کا ثبوت	۶۳
مرابحہ وتولیہ کی تعریف	۶۴
مرابحہ وتولیہ کے صحیح ہونے کی شرط	۶۴
مشتری مرابحہ وتولیہ میں خیانت پر مطلع ہو تو کیا حکم ہے؟	۶۶
بیع قبل القبض سے نہی کن کن چیزوں میں ہے	۶۷

قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کرنے کا کیا حکم ہے؟	۶۸
کیا قرض کی تاجیل درست ہے؟	۷۰
باب الربوٰ	۷۱
ماقبل سے مناسبت	۷۱
ربوٰ کی لغوی و اصطلاحی تعریف	۷۱
حرمت کی دلیل قرآن سے	۷۱
حرمت کی دلیل حدیث سے	۷۱
فائدہ	۷۱
علت ربوٰ کی تحقیق مع اختلاف مذاہب	۷۲
کیلی اور وزنی ہونے کا معیار	۷۶
احکام ربوٰ کی تفصیل	۷۷
بیع اللحم بالحیوان مع اختلاف ائمہ	۷۸
بیع الرطب بالتمر	۷۹
دار الحرب میں حربی اور مسلمان کے درمیان ربوٰ کا بیان	۸۱
باب السلم	۸۲
سلم کی لغوی و اصطلاحی تعریف	۸۲
بیع سلم کا ثبوت قرآن سے	۸۲
بیع سلم کا ثبوت حدیث سے	۸۲
نوٹ	۸۲
مکیلات، موزونات میں جائز ہونے کی دلیل	۸۳
عددی چیزوں میں بیع سلم جائز ہونے کی دلیل	۸۳
مذروعات میں بیع سلم جائز ہونے کی دلیل	۸۳
عقد سلم کے باقی احکام	۸۸
مسائل متفرقہ	۹۰
کتے کی بیع جائز ہے یا نہیں مع اختلاف الائمہ	۹۰
شراب اور خنزیر کی بیع کا عدم جواز	۹۱
الکحل کی خرید و فروخت	۹۱
کیا تنہا ریشم کی بیع جائز ہے؟	۹۲
کیا اہل ذمہ معاملات کرنے میں مسلمانوں کی طرح ہیں؟	۹۲
باب الصرف	۹۳
ماقبل سے مناسبت	۹۳
صرف کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور وجہ تسمیہ	۹۳
بیع صرف کا ثبوت	۹۳
بیع صرف کی صحت کی شرائط کا بیان	۹۳
احکام صرف کی تفصیل	۹۵
بیع صرف کے باقی احکام	۹۹
کھوٹے دراہم کے بدلہ خرید و فروخت کا بیان	۱۰۰
کتاب الرھن	۱۰۴
ماقبل سے مناسبت	۱۰۴
رہن کی لغوی و اصطلاحی تعریف	۱۰۴
رہن کا ثبوت قرآن سے	۱۰۴
رہن کی مشروعیت حدیث سے	۱۰۴
اجماع سے ثبوت	۱۰۴
شیٔ مرہون کے ضمان کا بیان	۱۰۶
جن چیزوں کا رہن رکھنا جائز ہے اور جن میں جائز نہیں ہے	۱۰۷
شیٔ مرہون کی بڑھوتری کے احکام	۱۱۶
رہن کے متفرق مسائل	۱۱۸
کتاب الحجر	۱۲۲
ماقبل سے مناسبت	۱۲۲
حجر کی لغوی و اصطلاحی تعریف	۱۲۲
حجر کا ثبوت	۱۲۲
اسباب حجر کا بیان	۱۲۳
محجورین کے تصرفات کے احکام	۱۲۴
ناسمجھ بیوقوف کے احکام مع اختلاف مذاہب	۱۲۷
مدت بلوغ کا بیان	۱۳۱
مفلس مقروض کے لئے حجر کے احکام	۱۳۲
مفلس مقروض کے باقی احکام	۱۳۵
کتاب الاقرار	۱۳۹
ماقبل سے مناسبت	۱۳۹
اقرار کی لغوی و اصطلاحی تعریف	۱۳۹
اقرار کا ثبوت قرآن و حدیث سے	۱۳۹
اقرار کے احکام بالتفصیل	۱۴۱
استثناء اور ہم معنی استثناء کا تذکرہ	۱۴۴
اقرار کے متفرق مسائل کا بیان	۱۴۷
بیمار کے اقرار کا بیان	۱۵۵
اقرار نسب کا بیان	۱۵۷
کتاب الاجارۃ	۱۶۰
ماقبل سے مناسبت	۱۶۰
اجارہ کی لغوی تحقیق	۱۶۰
اصطلاحی تعریف	۱۶۰
اجارہ کا ثبوت	۱۶۰
منافع معلوم ہونے کے تین طریقے	۱۶۲
اجارہ کی وہ صورتیں جو جائز ہیں	۱۶۳
اجیر کی قسموں کا بیان	۱۷۰
اجیر مشترک کا بیان	۱۷۰
اجیر خاص کا بیان	۱۷۳

استحقاق اجرت کا بیان	۱۷۴
دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط پر اجرت طے کرنے کا بیان	۱۷۶
مکان کے کرایہ کے احکام	۱۷۸
وہ افعال جن کی اجرت لینا جائز یا ناجائز ہے	۱۸۰
وہ صورتیں جن میں اجیر اجرت کیلئے عین شئی کو روک سکتا ہے	۱۸۴
درزی اور کپڑے والے میں اختلاف ہو جائے....؟	۱۸۵
ایک اختلافی صورت کا بیان	۱۸۶
اجارہ فاسد ہو جائے تو متعینہ اجرت دی جائیگی یا اجرت مثل؟	۱۸۷
اجارہ کے فسخ کرنے کا بیان	۱۸۸
ان صورتوں کا بیان جن سے اجارہ منسوخ ہو جاتا ہے....	۱۹۰
کتاب الشفعة	۱۹۱
شفعہ کی لغوی تحقیق	۱۹۱
اصطلاحی تعریف	۱۹۱
شفعہ کا ثبوت	۱۹۱
ثبوت شفعہ کی حکمت	۱۹۱
کن کن لوگوں کو حق شفعہ حاصل ہے	۱۹۲
کیا پڑوسی کو شفعہ کا حق ہے؟ اختلاف مذاہب بالتفصیل	۱۹۲
ترتیب شفع کا بیان	۱۹۳
حق شفعہ کب ہوگا؟	۱۹۴
طلب مواثبت، طلب اشہاد کا بیان	۱۹۵
کیا طلب خصومت میں تاخیر کی وجہ سے شفعہ باطل ہو جائیگا	۱۹۵
کن چیزوں میں شفعہ ہے اور کن چیزوں میں نہیں	۱۹۷
کیا اشیاء منقولہ میں شفعہ ہے؟	۱۹۸
مصالحت کی تین صورتوں کا بیان	۲۰۰
طلب خصومت کی کیفیت کا بیان	۲۰۱
کیا مجلس میں شفیع کو جائداد کی قیمت لے کر آنا ضروری ہے؟	۲۰۱
وہ صورتیں جن میں شفعہ باطل ہو جاتا ہے یا باطل نہیں ہوتا	۲۰۳
شفیع اور مشتری کا قیمت میں اختلاف اور کس کے گواہ معتبر؟	۲۰۷
متعدد شفیعوں کے درمیان تقسیم شفعہ کا بیان	۲۱۰
شفعہ کے متفرق مسائل	۲۱۰
تدابیر سقوط حق شفعہ کا بیان	۲۱۳
شفعہ کے باقی متفرق مسائل	۲۱۵
کتاب الشركة	۲۲۰
شرکت کی لغوی تعریف	۲۲۰
اصطلاحی تعریف	۲۲۰
شرکت کا ثبوت	۲۲۰
شرکت کی اقسام	۲۲۱
شرکت عقود و مفاوضہ کا بیان	۲۲۱
شرکت عنان کا بیان	۲۲۵
شرکت صنائع کا بیان	۲۲۹
شرکت وجوہ کا بیان	۲۳۰
شرکت فاسدہ کے احکام	۲۳۱
کتاب المضاربة	۲۳۴
مضاربت کی لغوی تحقیق	۲۳۴
وجہ تسمیہ	۲۳۴
اصطلاحی تعریف	۲۳۴
مضاربت کا ثبوت	۲۳۴
مضاربت کی شرطوں کا بیان	۲۳۵
مضارب کا دوسرے کو مضاربت پر مال دینے کا بیان۔	۲۳۸
چار مزید صورتوں کا بیان	۲۳۹
مضاربت کے باقی متفرق مسائل	۲۴۱
کتاب الوكالة	۲۴۵
لغوی تحقیق	۲۴۵
اصطلاحی تعریف	۲۴۵
وکالت کا ثبوت	۲۴۶
وکیل بنانے کے ارکان	۲۴۶
وکالت کی شرطیں	۲۴۶
الفاظ توکیل	۲۴۷
وکیل بالخصومت کا بیان	۲۴۷
وکالت کی شرائط کا بیان بالتفصیل	۲۴۹
وہ حقوق جو وکیل سے یا موکل سے متعلق ہوتے ہیں	۲۵۱
خرید و فروخت کے لئے وکیل کرنے کا بیان	۲۵۳
ایک شخص کا ایک کام سے دو وکیل مقرر کرنے کا بیان	۲۵۶
وہ امور جو وکالت کو باطل کر دیتے ہیں	۲۵۹
جنون مطبق کی حد میں اختلاف	۲۵۹
وہ امور جو خرید و فروخت کے وکیل کے لئے ناجائز ہیں	۲۶۲
وکیل بالخصومت وکیل بالقبض نہ ہوگا	۲۶۷
کیا وکیل بالخصومت اپنے موکل کے خلاف اقرار کر سکتا ہے	۲۶۸
کتاب الكفالة	۲۷۰
کفالت کا ثبوت	۲۷۰
کفالت کی لغوی و اصطلاحی تعریف	۲۷۰
کفالت میں چار الفاظ ہیں	۲۷۱
کفالت کا رکن	۲۷۱
کفالت کے اقسام	۲۷۱
کفالت بالنفس اور اس کے احکام	۲۷۲
مکفول بہ کو مجلس قضا میں سپرد کرنا	۲۷۳

کفالت بالمال اور اس کے احکام ۲۷۶
کتاب الحوالة ۲۸۶
ماقبل سے مناسبت ۲۸۶
تقدیم وتاخیر کی وجہ ۲۸۶
حوالہ کا ثبوت ۲۸۶
حوالہ کی لغوی واصطلاحی تعریف ۲۸۶
اصطلاحی الفاظ ۲۸۶
کیا حوالہ کے صحیح ہونے کیلئے محتال کی رضامندی شرط ہے؟ ۲۸۷
حوالہ مکمل ہونے کے بعد کیا محیل سے مطالبہ ساقط ہو جائیگا ۲۸۸
کتاب الصلح ۲۹۱
ماقبل سے مناسبت ۲۹۱
صلح کی لغوی تحقیق واصطلاحی تعریف ۲۹۱
صلح کا رکن ۲۹۱
اصطلاحی الفاظ ۲۹۱
صلح کا ثبوت ۲۹۱
صلح کی اقسام ثلثہ کا بیان ۲۹۲
وہ چیزیں جن کی طرف سے صلح جائز ہے یا نہیں ۲۹۵
دین سے صلح کرنے کا بیان ۲۹۸
صلح کے ساتھ تبرع اور صلح کے ساتھ وکیل کرنے کا بیان ۳۰۰
دین مشترک سے صلح کرنے کا بیان ۳۰۲
مسائل تخارج کا بیان ۳۰۳
کتاب الهبة ۳۰۵
ماقبل سے مناسبت ۳۰۵
لغوی تحقیق ۳۰۵
اصطلاحی تعریف ۳۰۶
ہبہ کا ثبوت ۳۰۶
اصطلاحی الفاظ ۳۰۶
فوائد ومسائل ۳۰۶
ہدیہ دینے کے کچھ آداب ۳۰۶
ہدیہ قبول کرنے کے آداب ۳۰۶
کن کن جملوں سے ہبہ کا انعقاد ہو جاتا ہے ۳۰۷
شی موہوب کو واپس لینے اور نہ لینے کا بیان ۳۱۱
عمریٰ کی اقسام ثلثہ کا بیان اور اس میں مذاہب ائمہ ۳۱۶
رقبیٰ کی تعریف اور اسکے حکم میں اختلاف، منشاء اختلاف ۳۱۸
صدقہ کا بیان ۳۱۸
کتاب الوقف ۳۲۰
ماقبل سے مناسبت ۳۲۰
لغوی واصطلاحی تعریف ۳۲۰
وقف کی حقیقت ۳۲۱
واقف کا وقف کب مکمل ہوگا؟ ۳۲۳
اشیائے منقولہ اور غیر منقولہ کے وقف کا بیان ۳۲۳
کتاب الغصب ۳۲۸
ماقبل سے مناسبت ۳۲۸
غصب کی لغوی واصطلاحی تعریف ۳۲۸
اصطلاحی الفاظ ۳۲۸
ضمان بالمثل وبالقیمۃ کی تفصیل ۳۲۹
کیا اشیائے غیر منقولہ کے غاصب پر ضمان ہوگا؟ ۳۲۹
وقف کی زمین کے غاصب پر ضمان ۳۳۰
شی مغصوب ہلاک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ۳۳۱
غاصب شی مغصوب میں تصرف کر دے تو؟ ۳۳۲
شی مغصوب کی بڑھوتری کس کی ہے؟ ۳۳۷
کتاب الودیعة ۳۳۸
ماقبل سے مناسبت ۳۳۸
ودیعت کی لغوی واصطلاحی تعریف ۳۳۸
ودیعت اور امانت میں فرق ۳۳۹
اصطلاحی الفاظ ۳۳۹
امانت کا ثبوت ۳۳۹
ودیعت کا حکم ۳۳۹
مودع نے اولاً تعدی کی پھر تعدی کو ختم کر دیا تو کیا ضامن ہوگا؟ ۳۴۱
کیا ودیعت سفر میں لے جا سکتا ہے ۳۴۴
مشترک چیز کے امانت رکھنے کا بیان ۳۴۵
منقسم اور غیر منقسم چیزوں کے امانت رکھنے کا بیان ۳۴۵
کتاب العارية ۳۴۷
ماقبل سے مناسبت ۳۴۷
عاریت کی لغوی تحقیق ۳۴۷
اصطلاحی تعریف ۳۴۷
اصطلاحی الفاظ ۳۴۷
عاریت کا رکن ۳۴۷
عاریت کا حکم ۳۴۷
عاریت کا ثبوت ۳۴۷
کن الفاظ سے عاریت ہو جاتی ہے ۳۴۸
حنفیہ کے نزدیک عاریت امانت، شافعیہ کے نزدیک مضمون ۳۴۹
احکام عاریت کی تفصیل ۳۵۰
کتاب اللقيط ۳۵۴
ماقبل سے مناسبت ۳۵۴
لقیط کی لغوی تحقیق ۳۵۴

اصطلاحی تعریف ۳۵۴
لقیط کا ثبوت ۳۵۵
لقیط کے احکام بالتفصیل ۳۵۵

کتاب اللقطہ ۳۵۸

ماقبل سے مناسبت ۳۵۸
لغوی تحقیق ۳۵۹
لقطہ کا ثبوت ۳۵۹
لقطہ کے احکام ۳۵۹
کونسی چیز اٹھانی چاہئے ۳۶۰
اگر معمولی چیز پڑی ہوئی ملے تو؟ ۳۶۰
کیا اونٹ کا پکڑنا درست ہے؟ ۳۶۱
حل اور حرم کا لقطہ برابر ہے ۳۶۴
لقطہ کب مالک کے حوالے کیا جائے؟ ۳۶۵

کتاب الخنثیٰ ۳۶۷

ماقبل سے مناسبت ۳۶۷
لغوی معنی ۳۶۷
وجہ تسمیہ ۳۶۷
اصطلاحی تعریف ۳۶۷
خنثیٰ کے احکام بالتفصیل ۳۶۹

کتاب المفقود ۳۷۳

ماقبل سے مناسبت ۳۷۳
اصطلاحی تعریف ۳۷۳
مفقود الحال کے احکام کا بیان ۳۷۴

کتاب الاباق ۳۷۶

ماقبل سے مناسبت ۳۷۶
لغوی تحقیق ۳۷۶
اصطلاحی تعریف ۳۷۶
جو بھگوڑے غلام کو پکڑ کر لائے اسے کتنی مزدوری ملے گی؟ ۳۷۶

کتاب احیاء الموات ۳۷۸

ماقبل سے مناسبت ۳۷۸
لغوی تحقیق ۳۷۸
اصطلاحی تعریفات ۳۷۸
کنویں چشمے وغیرہ کے حریم کا بیان ۳۸۱

کتاب الماذون ۳۸۳

ماقبل سے مناسبت ۳۸۳
لغوی تحقیق ۳۸۳
اصلاحی تعریف ۳۸۴
عبد ماذون کے احکام ۳۸۴

کتاب المزارعة ۳۹۱

ماقبل سے مناسبت ۳۹۱
لغوی تحقیق ۳۹۱
اصطلاحی تعریف ۳۹۱
مزارعت کا ثبوت ۳۹۱
مزارعت کے اقسام و مذاہب ائمہ ۳۹۱
مزارعت فاسدہ کا بیان ۳۹۳
مزارعت کے صحیح ہونے کی شرطیں ۳۹۳
اجرت مثل کا بیان ۳۹۵
مزارعت کے باقی احکام ۳۹۶

کتاب المساقات ۳۹۸

ماقبل سے مناسبت ۳۹۸
لغوی تحقیق ۳۹۸
اصطلاحی تعریف ۳۹۸
مساقات کے صحیح ہونے کی شرطیں ۳۹۸
کن چیزوں میں مساقات صحیح ہے ۳۹۹

کتاب النکاح ۴۰۰

ماقبل سے مناسبت ۴۰۰
نکاح کی لغوی تحقیق ۴۰۰
نکاح کی شرعی حیثیت ۴۰۰
نکاح کی اصطلاحی تعریف ۴۰۱
انعقاد نکاح کا بیان ۴۰۱
شرائط نکاح ۴۰۲
کیا بغیر گواہوں کے نکاح منعقد ہو جائے گا؟ ۴۰۲
نکاح کا نصاب شہادت ۴۰۳
محرمات ابدیہ کی تفصیل ۴۰۴
کن دو عورتوں کو ایک عقد میں جمع کرنا جائز نہیں ہے؟ ۴۰۶
زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ ۴۰۷
معتدہ کی بہن سے نکاح کا عدم جواز ۴۰۸
کیا کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے ۴۰۹
آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح کا عدم جواز ۴۰۹
صابیہ عورتوں سے نکاح کا جواز مختلف فیہ ہے ۴۱۰
بحالت احرام نکاح کرنے کا بیان ۴۱۰
باکرہ اور ثیبہ کے لئے ولی کے احکام ۴۱۱
اولیاء نکاح کا بیان ۴۱۷
عصبات کی عدم موجودگی میں ولایت کس کو ہے ۴۱۷
غیبت منقطعہ سے کیا مراد ہے ۴۲۰
کفائت کا بیان ۴۲۰

نکاح کا حکم (مہر کا بیان) ۴۲۱
مہر کی مقدار کا بیان ۴۲۲
مہر فاطمی قدیم اوزان سے ۴۲۴
مہر فاطمی موجودہ اوزان سے ۴۲۴
خلوت کا بیان ۴۲۷
موانع وطی کا بیان ۴۲۸
فائدہ ۴۲۸
نکاح شغار کی تعریف اور نکاح شغار میں مذاہب ائمہ ۴۳۰
کیا تعلیم قرآن کو مہر بنا سکتے ہیں؟ ۴۳۱
مہر کے متفرق مسائل ۴۳۳
نکاح متعہ وموقت کا بیان ۴۳۵
نکاح فضولی کے احکام ۴۳۵
مہر مثل کا بیان ۴۳۸
باندی سے نکاح کے جواز کا مسئلہ ۴۳۹
کیا آزاد کے رہتے ہوئے باندی سے نکاح کر سکتے ہیں ۴۳۹
خیار عتق کا بیان ۴۴۱
تباین دارین میں جمہور اور حنفیہ کا مذہب ۴۴۷
مرتدین کے نکاح کے احکام ۴۴۸
کافر کے نکاح کا بیان ۴۵۱
عورتوں کے درمیان باری کے احکام ۴۵۱

کتاب الرضاع ۴۵۴
ماقبل سے مناسبت ۴۵۴
رضاع کی لغوی تحقیق ۴۵۴
اصطلاحی تعریف ۴۵۴
دودھ کی کتنی مقدار سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی؟ ۴۵۴
مدت رضاعت سے متعلق اختلاف ائمہ ۴۵۶
لبن الفحل کا کیا مطلب ہے؟ ۴۵۹
رضاعت کے احکام ۴۵۹
حرمت رضاعت کے ثبوت کیلئے کن کی شہادت ضروری؟ ۴۶۵

کتاب الطلاق ۴۶۶
مشروعیت طلاق کی حکمت ۴۶۶
ماقبل سے مناسبت ۴۶۶
طلاق کی لغوی واصطلاحی تعریف ۴۶۶
طلاق کی اقسام ثلثہ کا بیان ۴۶۷
حکم الطلاق فی الحیض والاختلاف فیہ ۴۷۰
صریح طلاق کا بیان ۴۷۱
کنائی طلاق کا بیان ۴۷۳
طلاق کو کسی حصہ کی طرف منسوب کرنے کا بیان ۴۷۶
شرط کے ساتھ معلق کرنے کا بیان ۴۷۸
الفاظ شرط کا بیان ۴۷۹
غیر مدخول بہا عورت کی طلاق کا بیان ۴۸۴
کلمہ واو کے ذریعہ طلاق دینے سے کتنی واقع ہوں گی ۴۸۵

باب الرجعة ۴۹۱
ماقبل سے مناسبت ۴۹۱
لغوی تحقیق ۴۹۱
اصطلاحی تعریف ۴۹۱
رجعت کی شرطوں کا بیان ۴۹۱
رجعت کا ثبوت کتاب اللہ وسنت رسولؐ سے ۴۹۱
رجعت کا طریقہ ۴۹۲
حلالہ کے احکام ۴۹۷
نکاح بشرط التحلیل ۴۹۸

کتاب الایلاء ۵۰۰
ماقبل سے مناسبت ۵۰۰
ایلاء کی لغوی واصطلاحی تعریف ۵۰۰
ایلاء کا ثبوت ۵۰۰
ایلاء کا وقت گذرتے ہی تفریق ہوجائیگی یا قاضی کی ضرورت؟ ۵۰۱

کتاب الخلع ۵۰۶
ماقبل سے مناسبت ۵۰۶
خلع کے لغوی معنی ۵۰۶
خلع کی مشروعیت ۵۰۶
اصطلاحی تعریف ۵۰۶
ضروری نوٹ ۵۰۶
ماہیت خلع میں اختلاف ائمہ مدلل ومفصل ۵۰۷
خلع اور مبارات سے کون سے حقوق ساقط ہوں گے؟ ۵۱۲

کتاب الظہار ۵۱۳
ماقبل سے مناسبت ۵۱۳
لغوی تحقیق ۵۱۳
اصطلاحی تعریف ۵۱۳
ظہار کی شرط ۵۱۳
ضروری نوٹ ۵۱۳
چند بیویوں سے ظہار کرنے والا کتنے کفارے دے؟ ۵۱۶
کفارہ ظہار کا بیان ۵۱۷
کفارہ ظہار ادا کرنیوالا اگر بیچ میں وطی کرلے تو کیا حکم ہے؟ ۵۲۱
کفارہ میں کتنا غلہ دے؟ ۵۲۲

کتاب اللعان ۵۲۵

ماقبل سے مناسبت ۵۲۵
لعان کی لغوی تحقیق ۵۲۵
ضروری نوٹ ۵۲۵
شوہر پر لعان واجب ہونے کے لئے کتنی شرطیں ہیں؟ ۵۲۵
لعان کی کیفیت کا بیان ۵۲۷
لعان سے ثابت شدہ حرمت کی کیا حیثیت ہے؟ ۵۲۹

کتاب العدة ۵۳۲

ماقبل سے مناسبت ۵۳۲
عدت کی لغوی تحقیق ۵۳۲
اصطلاحی تعریف ۵۳۲
قرء کی مراد میں اختلاف ۵۳۳
عدت ابعد الاجلین کا بیان ۵۳۵
شوہر کے مرنے پر عورت کے سوگ منانے کا بیان ۵۳۹
حالت عذر میں معتدہ کے لئے سرمہ وغیرہ لگانے کا حکم ۵۴۰
کیا کتابیہ پر سوگ منانا واجب ہے؟ مع اختلاف مذاہب ۵۴۰
معتدہ کو دوران عدت پیغام نکاح دینا حرام ہے ۵۴۱
مطلقہ رجعیہ، بائنہ اور متوفی عنہا زوجہا باہر نکل سکتی ہیں؟ ۵۴۲
ثبوت نسب کا بیان ۵۴۴
ثبوت نسب سے متعلق بعض اختلافی صورتیں ۵۴۶
حمل کی مدت میں اختلاف مذاہب اور زنا سے حاملہ کا نکاح ۵۴۷

کتاب النفقات ۵۴۸

لغوی تحقیق اور مناسبت ۵۴۸
اصطلاحی تعریف ۵۴۸
نفقہ زوجیت کی قسمیں ۵۴۹
نفقہ اور اس کی مقدار میں کس کا حال معتبر ہے؟ ۵۴۹
وجوب نفقہ کی شرائط کا بیان ۵۵۰
غیر حاملہ کو دوران عدت نفقہ و سکنی دیا جائے گا یا نہیں؟ ۵۵۱
کن عورتوں کو نفقہ نہیں ملے گا، اس کی چند صورتیں ۵۵۳
اگر عورت شوہر کے گھر بیمار ہو جائے تو کیا نفقہ ملے گا؟ ۵۵۴
کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمہ داری نہیں ہے ۵۵۵
سکنیٰ کا کیا حکم ہے؟ ۵۵۶
کیا شوہر کو حق ہے کہ بیوی کے والدین کو اپنے گھر........ ۵۵۶
خاوند کی غیر موجودگی میں نفقہ عائد ہونے کا بیان ۵۵۷
غائب کے مال میں سے کن لوگوں کو نفقہ ملے گا اور کن کو نہیں ۵۵۸
اولاً شوہر غریب تھا پھر مالدار ہو گیا اب کونسا نفقہ دینا پڑیگا؟ ۵۵۸
گذشتہ ایام کا نفقہ ۵۵۹
پیشگی نفقہ دینے کا بیان ۵۶۰
اولاد کے نفقہ کا بیان ۵۶۱
شیر خوار بچہ کو قضاءً ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں ۵۶۱
مستحقین پرورش کی تفصیل ۵۶۳
لڑکا اور لڑکی میں حق پرورش کب تک ہے؟ ۵۶۵

کتاب العتاق ۵۷۲

ماقبل سے مناسبت ۵۷۲
عتاق کی لغوی تحقیق ۵۷۲
اصطلاحی تعریف ۵۷۲
آزاد کرنے کا ثبوت اور فضیلت ۵۷۲
کن الفاظ سے آزادی ہوگی اور کن سے نہیں ۵۷۳
کچھ حصہ آزاد کرنے کا بیان ۵۷۷
اعتاق کے باقی احکام ۵۷۹

باب التدبیر ۵۸۱

تدبیر کی لغوی تحقیق ۵۸۱
مدبر کے اقسام کا بیان ۵۸۲
مدبر مطلق کی بیع میں فقہاء کا اختلاف ۵۸۲

باب الاستیلاد ۵۸۵

ماقبل سے مناسبت ۵۸۵
استیلاد کے لغوی معنی ۵۸۵
اصطلاحی تعریف ۵۸۵

کتاب المکاتب ۵۹۰

ماقبل سے مناسبت ۵۹۰
مکاتب کی لغوی و اصطلاحی تحقیق ۵۹۰
مکاتب کا بدل کتابت کی ادئیگی سے عاجز ہو جانا ۵۹۳
ام ولد اور مدبر وغیرہ کی کتابت کا بیان ۵۹۸

کتاب الولاء ۶۰۰

ماقبل سے مناسبت ۶۰۰
ولاء کی لغوی تحقیق ۶۰۰
ولاء کی دو قسمیں ہیں ۶۰۰
ولاء عتاقہ کی تعریف ۶۰۰
ولاء موالاۃ کی تعریف ۶۰۱
ولاء کا ثبوت ۶۰۱
عصبہ نسبی کی تعریف مع اقسام ثلثہ ۶۰۵
جر ولاء کا مطلب کیا ہے؟ ۶۰۶
ولاء موالاۃ کا بیان ۶۰۷

کِتَابُ الْبُیُوْعِ

یہ کتاب خرید وفروخت کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت

انسان کی عملی زندگی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے (١) حقوق اللہ (٢) حقوق العباد۔ چونکہ حقوق اللہ میں عمومیت ہے اس لئے مصنف علامؒ نے پہلے عبادات کو بیان کیا ہے اب یہاں سے ان چیزوں کو بیان کریں گے جن کا تعلق خالص معاملات سے ہے۔ جیسے بیع، نکاح، وغیرہ۔

بیع کی لغوی تعریف: بیع: باع یبیع بیعاً سے مشتق ہے، بیچنا، مال کو مال کے بدلے میں دینا،

اصطلاحی تعریف: آپس کی رضامندی سے ایک مال کو دوسرے مال سے بدل لینے کو بیع کہتے ہیں۔ (عینی شرح ہدایہ، ص٢، ج٣)

بیع کا ثبوت: بیع جائز ہونے کی دلیل یہ آیتِ شریفہ ہے، وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو (پارہ٣، آیت ٢٧٥) اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خرید وفروخت جائز ہے۔

فائدہ: بیوع بیع کی جمع ہے یہ مصدر ہے اور مصدر کو تثنیہ وجمع نہیں لایا جاتا مگر یہاں صیغہ جمع کا استعمال اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ بیع مبیع اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے اور مبیع کی متعدد قسمیں ہیں۔ چنانچہ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ مبیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہے (١) مقایضہ (بیع العین بالعین) یعنی مبیع اور ثمن دونوں جنس مال ہوں مثلاً رومال کو چادر کے بدلے بیچنا (٢) بیع مطلق (بیع العین بالنقد) یعنی کسی چیز کو نقد کے بدلے بیچنا جیسے بائع ایک کوئنٹل چاول دے اور مشتری اس کی قیمت ١٥٠٠ روپئے ادا کرے عام طور سے یہ قسم رائج ہے۔

(٣) بیع صرف (بیع النقد بالنقد) یعنی نقد کا تبادلہ نقد سے کیا جائے جیسے سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو چاندی کے بدلے بیچنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔

(٤) بیع سلم (بیع النقد بالموجل) یعنی بائع قیمت ابھی لے اور مبیع کچھ دنوں کے بعد دے۔

ثمن کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں

(١) مرابحہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے میں خریدا بائع مشتری کو صاف بتائے کہ میں نے دس روپے میں یہ مبیع خریدی ہے اور دو روپے نفع لے کر بارہ روپے میں آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں۔

(۲) تولیہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کو بتائے کہ میں دس روپے میں یہ مبیع خریدی ہے اور دس ہی میں بیچتا ہوں۔

(۳) وضیعہ: اصل قیمت سے کم کے عوض بیچنا۔

(۴) مساومۃ: اس قیمت کے عوض فروخت کرنا جس پر بائع اور مشتری دونوں کا اتفاق ہو گیا ہو۔

عقد بیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں

(۱) نافذ (۲) موقوف (۳) فاسد (۴) باطل (تفصیلات آگے آرہی ہیں)

(۱/۸۲۱) اَلْبَیْعُ یَنْعَقِدُ بِالْاِیْجَابِ وَالْقَبُوْلِ اِذَا کَانَا بِلَفْظِ الْمَاضِیْ

ترجمہ: بیع منعقد ہو جاتی ہے ایجاب اور قبول سے جبکہ دونوں (ایجاب وقبول) فعل ماضی کے صیغہ سے ہوں۔

تشریح: بیع کا تحقق ایجاب وقبول سے ہوتا ہے یعنی ایک آدمی کہے کہ میں نے خریدا اور دوسرا کہے کہ میں نے بیچ دیا تو اس ایجاب وقبول سے بیع منعقد ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دونوں کلمات فعل ماضی کے ہوں، چونکہ معاملات میں بات پکی ہونی ضروری ہے اور فعل ماضی کے استعمال سے بات پکی ہوتی ہے اس لئے بات پکی کرنے کے لئے فعل ماضی کا صیغہ استعمال کرنا ہوگا۔

ایجاب وقبول کی تعریف: متعاقدین میں سے جس کا کلام پہلے مذکور ہو اس کو ایجاب کہتے ہیں اور جو اس کے بعد مذکور ہو اس کو قبول کہتے ہیں، ایجاب وقبول کا ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ بائع اور مشتری کی رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوتی اور رضامندی کا اظہار ایجاب وقبول سے ہوگا۔

(۲/۸۲۲) وَاِذَا اَوْجَبَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ الْبَیْعَ فَالْآخَرُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ قَبِلَ فِی الْمَجْلِسِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّہٗ

ترجمہ: (۲/۸۲۲) اور جب ایجاب کر لیا خرید وفروخت کرنے والوں میں سے ایک نے بیع کا تو دوسرے کو اختیار ہے اگر چاہے تو قبول کرے اسی مجلس میں اور اگر چاہے تو اس کو رد کر دے۔

تشریح: ایک کے بیع کے ایجاب کرنے کے بعد دوسرے کو اختیار ہے چاہے اس کو قبول کرے چاہے اس کو رد کر دے، لیکن قبول کرنے کا اختیار مجلس باقی رہنے تک ہوگا مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا کیونکہ اگر مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کرنے کا اختیار دیا جائے تو ایجاب کرنے والے کو بہت زیادہ انتظار کرنا پڑے گا جس سے اس کا حرج ہوگا اور مجلس کے ختم تک قبول کا اختیار اس لئے ہے کہ اگر فوراً قبول کرنے کی شرط لگا دی جائے تو قبول کرنے والے کو سوچنے کا موقع بھی نہیں ملے گا اس لئے شریعت مطہرہ نے دونوں کی رعایت رکھتے ہوئے مجلس

پر دارومدار رکھا اس قبول کو خیار قبول کہتے ہیں۔

(۳/۸۲۳) فَأَيُّهُمَا قَامَ مِنَ المَجْلِسِ قَبْلَ القَبُوْلِ بَطَلَ الإِيْجَابُ

ترجمہ چنانچہ جو بھی اٹھ کھڑا ہو مجلس سے، قبول سے پہلے تو ایجاب باطل ہو جائے گا

تشریح: متعاقدین میں سے ایک کے ایجاب کے بعد اگر ان میں سے کوئی ایک قبول کرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا تو ایجاب باطل ہو جائے گا اور قبول کرنے کا اختیار باقی نہ رہے گا چونکہ قبول کرنے کا اختیار مجلس تک ہی تھا اس لئے مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کا اختیار نہیں ہوگا اور ایجاب ختم ہو جائے گا کیونکہ مجلس سے اٹھ جانا ایجاب سے اعراض کی دلیل ہے اور ہر وہ عمل جو اعراض پر دلالت کرتا ہے اس سے بھی مجلس ختم ہو جاتی ہے اور ایجاب باطل ہو جائے گا مثلاً ایجاب کے بعد قبول کرنے والا مجلس ہی میں کسی اور کام میں مشغول ہو گیا جیسے کھانا پینا، گفتگو کرنا، نماز پڑھنے لگنا وغیرہ وغیرہ۔

(۴/۸۲۴) فَإِذَا حَصَلَ الإِيْجَابُ وَالقَبُوْلُ لَزِمَ البَيْعُ وَلَا خِيَارَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَّا مِنْ عَيْبٍ أَوْ عَدَمِ رُؤْيَةٍ

ترجمہ: جب حاصل ہو جائے ایجاب وقبول تو لازم ہو جائے گی بیع، اور اختیار نہیں ہوگا ان دونوں میں سے کسی کو، مگر عیب اور نہ دیکھنے کی وجہ سے۔

تشریح: بائع اور مشتری دونوں نے ایجاب اور قبول کر لیا اب بیع مکمل ہو گئی چاہے مجلس موجود ہو پھر بھی کسی کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہے ہاں اگر مبیع میں عیب ہو یا مبیع کو دیکھا نہ ہو تو خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے بیع توڑنے کی اجازت ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ حنفیہ کے نزدیک خیار مجلس کسی کو نہیں ہوگا۔

خیار مجلس

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بائع اور مشتری نے آپس میں ایجاب وقبول کر لیا تو اگر چہ عقد مکمل ہو گیا لیکن جب تک مجلس باقی ہے اس وقت تک فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ ایک طرفہ طور پر بیع کو فسخ کر دے لیکن اگر مجلس ختم ہو جائے گی تو یہ اختیار بھی ساقط ہو جائے گا اس خیار کو خیار مجلس کہتے ہیں۔

اختلاف الائمة

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عاقدین کو خیار مجلس حاصل ہوتا ہے یعنی قبول کرنے کے بعد اور بیع مکمل ہونے کے بعد بھی مجلس بیع موجود ہو تو دونوں کو اپنی اپنی بات واپس لینے اور بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

دلیل: حضرت حکیم بن حزام کی حدیث ہے اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا (بخاری ۱/۲۷۹) یعنی بائع اور

مشتری میں سے ہر ایک کو خیار مجلس حاصل ہے جب تک کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔

جواب (۱): یہ حدیث خبر واحد ہے جو کہ آیت قرآنیہ کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

(۲) اس حدیث میں خیار سے خیار قبول مراد ہے خیار مجلس مراد نہیں ہے یعنی بائع کو ایجاب واپس لینے کا اختیار اور مشتری کو قبول کرنے کا اختیار اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک مجلس باقی ہو اور جب مجلس ختم ہو جائے تو خیار قبول ختم ہو جاتا ہے اور مالم یتفرقا سے مراد تفرق بالابدان نہیں بلکہ تفرق بالاقوال (ایجاب وقبول) مراد ہے۔

حنفیہ ومالکیہ: حنفیہ ومالکیہ خیار مجلس کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب عاقدین کے درمیان ایجاب وقبول ہوگیا تو اب بیع تام ہوگئی اب کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔

دلیل: قرآن کریم میں ہے يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ رکوع ۱) اے ایمان والو! عقود کا ایفاء کرو۔ عقود عقد کی جمع ہے اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے لہٰذا جب ایجاب وقبول کرلیا تو عقد منعقد ہوگیا، اس آیت میں عقد تام ہونے کے بعد اس کے پورا کرنے کو لازم قرار دیا گیا ہے اب اگر ہم خیار مجلس کو ثابت کریں تو اس ایفاء کے لازم ہونے کی نفی ہو جائے گی اور مطلب یہ ہو جائے گا کہ عقد تام ہو جانے کے بعد ایفاء ضروری نہیں ہے بلکہ عاقدین کو اختیار ہے۔

(۸۲۵/۵) وَالْأَعْوَاضُ الْمُشَارُ اِلَيْهَا لَايَحْتَاجُ اِلَى مَعْرِفَةِ مِقْدَارِهَا فِى جَوَازِ الْبَيْعِ

لغت: الأعواض: عوض کی جمع ہے بدلے کی چیز یہاں مبیع یا ثمن مراد ہے

ترجمہ: اور بدلے کی چیز جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو، ضرورت نہیں اس کی مقدار پہچاننے کی بیع کے درست ہونے میں۔

بیع کی شرطوں کا بیان

تشریح: الاعواض سے مراد مبیع یا ثمن ہیں جو بدلے میں دیئے جاتے ہیں اگر مبیع یا ثمن سامنے موجود ہوں اور بیع کرتے وقت ان کی طرف اشارہ کر دیا ہو تو بیع کے جائز ہونے میں اس کو جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس کی مقدار کتنی ہے؟ کتنے کلو ہے؟ کتنی تعداد ہے؟ اس کے متعین کئے بغیر بھی بیع جائز ہو جائے گی کیونکہ اشارہ شناخت کے لئے کافی ہے ایسی صورت میں بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کا کوئی خوف نہیں ہے مثلاً خریدار کہے کہ میں نے سرسوں کا یہ ڈھیر ان پیسوں کے بدلے میں خریدا جو میرے ہاتھ میں ہیں تو یہ بیع جائز ہے حالانکہ مبیع یعنی سرسوں کی مقدار اور پیسوں کی مقدار معلوم نہیں ہے پھر بھی بیع جائز ہے۔

(۸۲۶/۶) وَالْاَثْمَانُ الْمُطْلَقَةُ لَاتَصِحُّ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ مَعْرُوْفَةَ الْقَدْرِ وَالصِّفَةِ

حل لغات: الأثمان المطلقة: جو ثمن غائب ہو یا اس کی مقدار یا صفت معلوم نہ ہو۔ القدر: مقدار مثلاً کتنے کوئنٹل ہے۔

ترجمہ: اور مطلق ثمن، صحیح نہیں ہے اس سے بیع مگر یہ کہ معلوم ہو اس کی مقدار اور صفت۔

تشریح: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز سامنے نہ ہو بلکہ غائب ہو اور اس کی طرف اشارہ نہ کیا جا رہا ہو کہ اس کی مقدار کتنے کلو ہے یا اس کی تعداد کتنی ہے اور صفت یعنی اچھی ہے یا خراب جب تک معلوم نہ ہو اس وقت تک اس سے بیع کرنا صحیح نہیں ہے۔

دلیل: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عن رسولِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أنهٗ نهٰی عَنْ بَیْعِ حَبْلِ الْحَبْلَةِ (مسلم ۲/۲ باب تحریم بیع حبل الحبلة)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ جانور کے حمل کو اور حمل کے حمل کو بیچنے سے منع فرمایا۔ چونکہ حاملہ جانور کے اندر کا بچہ دیکھا نہیں جا سکتا اور حمل کی صفت مجہول ہے، مقدار بھی معلوم نہیں اس لئے اس کا فروخت کرنا ناجائز قرار دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس غائب کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہو اس کو بیچنا یا اس سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں۔

(۸۲۷/۷) وَيَجُوْزُ الْبَيْعُ بِثَمَنٍ حَالٍّ وَمُؤَجَّلٍ اِذَا كَانَ الْاَجَلُ مَعْلُوْماً.

حل لغات: حال: حول سے مشتق ہے بمعنی نقد، الأجل: مدت جمع آجال، مؤجل: اسم مفعول باب تفعیل، مصدر تاجیل کسی چیز کی مدت مقرر کرنا یا مہلت دینا، مؤجل: ادھار

ترجمہ: اور جائز ہے بیع نقد اور ادھار ثمن کے ساتھ جب کہ مدت متعین ہو۔

تشریح: ثمن ادا کرنے کی تاریخ متعین نہ ہو تو مشتری ثمن ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے گا اور جھگڑا کرے گا اس لئے بیع کے وقت ہی ثمن دینے کی تاریخ متعین کرنا چاہئے۔

بیع نقد اور ادھار دونوں طرح اس لئے جائز ہے کہ آیت میں مطلق بیع کرنے کے لئے کہا گیا ہے أحل الله البيع وحرم الربوٰ اس میں نقد اور ادھار کی کوئی قید نہیں ہے اس لئے دونوں طرح جائز ہے۔

(۸۲۸/۸) وَمَنْ اَطْلَقَ الثَّمَنَ فِی الْبَيْعِ كَانَ عَلٰی غَالِبِ نَقْدِ الْبَلَدِ فَاِنْ كَانَتِ النُّقُوْدُ مُخْتَلِفَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ اِلَّا اَنْ يُّبَيِّنَ اَحَدَهَا.

لغت: نقد البلد: شہر کا سکہ

ترجمہ: اور جس نے ثمن مطلق رکھا بیع میں، تو محمول ہوگا شہر میں رائج ہونے والے سکہ پر چنانچہ اگر سکے مختلف رائج ہوں تو بیع فاسد ہوگی مگر یہ کہ کسی ایک کو بیان کر دے۔

تشریح: اگر کسی شہر میں مختلف سکے رائج ہوں اور بیع کرتے وقت کسی کو ایک متعین نہیں کیا تو اگر کسی ایک سکے

کارواج زیادہ ہوتو وہی سکہ مراد ہوگا کیونکہ جس کارواج زیادہ ہوتا ہے بیع کرتے وقت دونوں کا ذہن اسی طرف جاتا ہے اس لئے وہی مراد ہوگا، اور بیع درست ہو جائے گی مثلاً دہلی میں متعدد سکے چلتے ہیں جن میں ہندوستانی سکے کے علاوہ پاکستانی، نیپالی، انڈونیشی روپے بھی شامل ہیں اب کسی نے بیع کرتے وقت کہا کہ میں نے پندرہ روپے میں بیچا تو اس سے مراد ہندوستانی روپیہ ہی ہوگا کیونکہ یہی روپیہ متعارف ہے۔ لیکن اگر تمام ہی سکوں کارواج برابر ہے اور ہر ایک کی مالیت مختلف ہے تو اب جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی کیونکہ بائع اعلی سکہ مانگے گا اور مشتری ادنی سکہ دینا چاہے گا اور سکہ کوئی متعین نہیں ہے اس لئے جھگڑا ہی ہوگا اور بیع فاسد ہو جائے گی، ہاں جواز کی ایک شکل ہے کہ اگر وہ یہ مجلس ختم ہونے سے پہلے ہی کسی ایک سکے کی نشاندہی کر دی جائے تو وہی سکہ متعین ہو کر بیع جائز ہو جائے گی۔

(۸۲۹/۹) وَيَجُوْزُ بَيْعُ الطَّعَامِ وَالْحُبُوْبِ كُلِّهَا مُكَايَلَةً وَمُجَازَفَةً وَبِإِنَاءٍ بِعَيْنِهِ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهُ أَوْبِوَزْنِ حَجَرٍ بِعَيْنِهِ لَايُعْرَفُ مِقْدَارُهُ

حل لغات: الطعام: گیہوں اور اس کا آٹا مراد ہے، الحبوب، حب کی جمع ہے جو، مکئی، باجرہ وغیرہ مراد ہے۔ مکایلة: کیل کر کے، مجازفة: انکل سے، اندازہ سے فروخت کرنا، اناء: برتن، حجر، جمع احجار معنی پتھر۔

ترجمہ: اور جائز ہے بیع ہر قسم کے غلہ کی کیل کر کے اور انکل سے اور ایسے متعین برتن سے کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو یا متعین پتھر کے وزن سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تشریح: جو مبیع سامنے موجود ہو اور غلہ اور کھانے کی جنس سے ہو دراہم اور دنانیر نہ ہوں تو اس کو چار طریقوں سے بیچنا جائز ہے جس کا تذکرہ امام قدوری نے متن میں کیا ہے۔ (۱) برتن میں کیل کر کے بیچے (۲) مبیع کی مقدار معلوم نہ ہو صرف انکل سے بیچے تب بھی جائز ہے لیکن اسی وقت جائز ہوگا جب کہ اس کو خلاف جنس کے عوض بیچا ہو مثلاً گندم کو جو کے عوض فروخت کیا ہو اور اگر اس کی جنس کے عوض اندازے سے فروخت کرے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں سود کا احتمال ہے۔ (۳) ایک برتن ہے جس کا وزن یا کیل معلوم نہیں ہے کہ اس میں کتنے گیہوں سماتے ہیں لیکن بائع اور مشتری کے درمیان یہ طے ہو گیا کہ ہر برتن بھر غلہ کے بدلے پچاس روپے دونگا تو بیع جائز ہو جائیگی (۴) ایک پتھر ہے جس کی مقدار معلوم نہیں کہ کتنے کلو وزن کا ہے پھر بھی دونوں کے درمیان یہ طے ہو جائے کہ ہر پتھر کے وزن کے بدلے بیس روپے دونگا تو بیع جائز ہو جائیگی۔

یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ وہ برتن لوہے یا لکڑی یا کسی ایسی چیز کا بنا ہوا ہو کہ اس میں گھٹنے بڑھنے کا احتمال نہ ہو اسی طرح پتھر میں ٹوٹنے پھوٹنے کا احتمال نہ ہو اگر احتمال ہے تو بیع درست نہ ہوگی۔

(۸۳۰/۱۰) وَمَنْ بَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ كُلَّ قَفِيْزٍ بِدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ فِيْ قَفِيْزٍ وَاحِدٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَبَطَلَ فِي الْبَاقِيْ اِلَّا اَنْ يُسَمِّيَ جُمْلَةَ قُفْزَانِهَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ.

حل لغات: صبرة: جمع صبار غلے کا ڈھیر۔ قفیز: جمع قفزان ناپنے کا ایک پیمانہ۔

ترجمہ: اور جس شخص نے بیچا اناج کا ایک ڈھیر ہر قفیز ایک درہم میں تو جائز ہوگی بیع صرف ایک قفیز میں، امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور باطل ہوگی باقی میں مگر یہ کہ اس کے تمام قفیز متعین کردے اور صاحبین نے فرمایا کہ صحیح ہے دونوں صورتوں میں۔

تشریح: ایک غلہ کا ڈھیر ہے لیکن پورے غلہ کی قیمت بیک وقت نہیں لگائی گئی اور نہ یہ معلوم ہے کہ ڈھیر میں کتنے کلو غلہ ہے اور اس کی مجموعی قیمت کتنے روپئے ہے اس کا پتہ تو ناپنے کے بعد چلے گا ایسی صورت میں بائع کہتا ہے کہ ہر قفیز ایک درہم کا ہے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ایک قفیز میں بیع جائز ہوگی کیونکہ مبیع اور ثمن دونوں مجہول ہیں اس لئے کہ ابھی پورے ڈھیر کی نہ مقدار معلوم ہے نہ اس کی مجموعی قیمت معلوم ہے اس لئے ادنی درجہ کی طرف پھیرا جائے گا اور ایک قفیز ہی کی بیع ہوگی ہاں اگر پورا ڈھیر ناپ دے اور اس کی مجموعی قیمت بھی بتادے اور اس پر بعد میں متعاقدین راضی ہوجائیں تو اب پورے ڈھیر کی بیع جائز ہوجائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ ایجاب وقبول سے پہلے پوری مبیع اور اس کی پوری قیمت معلوم ہونا ضروری ہے اگر پورے ڈھیر کی مقدار کی مجہول ہو تو بیچنا ممنوع ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ناپ کر پورے ڈھیر کی مقدار اور اس کی مجموعی قیمت کا معلوم کرنا بائع اور مشتری کے ہاتھ میں ہے وہ فوراً ناپ لیں گے اور قیمت معلوم ہوجائے گی اور مجلس ختم ہونے سے پہلے یہ کام ہوجائے گا تو کوئی جھگڑا نہ ہوگا اس لئے دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہے۔

(۱۱/۸۳۱) وَمَنْ بَاعَ قَطِيعَ غَنَمٍ كُلَّ شَاةٍ بِدِرْهَمٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ فِي جَمِيعِهَا.

حل لغات: قطیع: بکریوں کا مجموعہ، بکریوں کا ریوڑ۔ غنم: بکری۔

ترجمہ: اور جس شخص نے بیچا بکریوں کا ریوڑ، ہر بکری ایک درہم کی تو بیع فاسد ہے تمام ہی بکریوں میں۔

تشریح: کسی نے بکریوں کا ایک ریوڑ بیچا اور کہا کہ ہر بکری ایک درہم کے عوض میں ہے تو امام صاحب کے نزدیک ایک بکری میں بھی بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ کوئی بکری موٹی ہوتی ہے اور کوئی دبلی، اس لئے اگر ایک بکری کی بیع جائز قرار دیں تو جھگڑا ہوگا بائع چاہے گا کہ دبلی اور کمزور دوں اور مشتری موٹی طاقتور لینا چاہے گا اس لئے ایک بکری کی بھی بیع درست نہیں ہوگی اور پورے ریوڑ کی بیع اس وجہ سے درست نہیں ہوگی کہ پورے ریوڑ کی تعداد معلوم نہیں۔

بکری کے ریوڑ اور غلہ کے ڈھیر کے حکم میں فرق

وجہ فرق یہ ہے کہ ہر بکری دوسری بکری سے وزن، قیمت اور قوت وضعف میں جداگانہ ہوتی ہے اگر وہ بیع میں متعین نہ ہو تو یہ جہالت مفضی الی النزاع ہوگی جو ممنوع ہے اور گیہوں کے تمام اجزاء برابر ہوتے ہیں وہاں اجزاء کی جہالت باعث نزاع نہیں ہے اس لئے اس کی بیع درست ہوگی۔

مذکورمسئلہ میں صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ بکریوں کے پورے ریوڑ میں بیع جائز ہے کیونکہ مبیع اور ثمن اگر چہ مجہول ہیں لیکن جہالت کو دور کرنا متعاقدین کے ہاتھ میں ہے اس طرح کہ ریوڑ کی بکریوں کو شمار کرلیں۔

(۱۲/۸۳۲) وَكَذالِكَ مَنْ بَاعَ ثَوْباً مُذَارَعَةً كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَلَمْ يُسَمِّ جُمْلَةَ الذُّرْعَانِ

حل لغات: مُذَارَعَةً: ذراع سے مشتق ہے ہاتھ سے ناپ کر، اَلذُّرْعَانُ، ذراع کی جمع گز۔

ترجمہ: اوراسی طرح جس نے کپڑا بیچا گزوں کے حساب سے ہرگز ایک درہم میں اور تمام گز بیان نہیں کئے۔

تشریح: کسی نے کپڑے کا تھان بیچا اور کہا کہ ہرگز ایک درہم کے عوض ہے اور تمام گز بیان نہیں کئے تو پورے تھان کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ نہ اس کی پوری مقدار معلوم ہے اور نہ مجموعی قیمت معلوم ہے اور ایک گز کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ ہرگز میں تفاوت ہے بائع گھٹیا دینا چاہے گا اور مشتری اعلیٰ گز لینا چاہے گا جھگڑے کی وجہ سے ایک گز کی بھی بیع نہ ہوگی۔

فائدہ: آج کل کی طرح پورا تھان ایک ہی انداز کا ہو تو ایک گز کی بیع ہو جائے گی یا دوبارہ پورا تھان ناپ کر پورے تھان کی بیع کرے تب بھی از سر نو رضامندی کی وجہ سے پورے تھان کی بیع جائز ہو جائے گی۔

(۱۳/۸۳۳) وَمَنِ ابْتَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ عَلىٰ أَنَّهَا مِائَةُ قَفِيزٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا أَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ كَانَ الْمُشْتَرِي بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَ الْمَوْجُوْدَ بِحِصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ وَإِنْ وَجَدَهَا أَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ فَالزِّيَادَةُ لِلْبَائِعِ.

ترجمہ: اور جس آدمی نے خریدا غلہ کا ڈھیر اس شرط پر کہ وہ سو قفیز ہے سو درہم میں پھر پایا مشتری نے اس کو اس سے کم تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو لیلے موجودہ غلہ کو اس کے حصہ کی قیمت دیکر اور اگر چاہے تو بیع کو فسخ کردے اور اگر پایا اس کو سو قفیز سے زیادہ تو زیادہ بائع کے لئے ہے۔

تشریح: ایک غلہ کا ڈھیر ہے اور اس میں سو قفیز گیہوں ہے اب بائع یہ کہتا ہے کہ سو درہم کے بدلے دونگا چونکہ مقدار بھی معلوم ہو چکی ہے اور مجموعی قیمت بھی سو درہم معلوم ہے اس لئے پورے ڈھیر کی بیع ہوئی لیکن ناپنے کے بعد نوے (۹۰) قفیز نکلا چونکہ بائع نے یہ بھی کہا تھا کہ سو قفیز ہے اور سو درہم کے عوض میں دونگا تو ایک قفیز ایک درہم کا ہوا تو نوے قفیز کے نوے درہم ہی لازم ہونگے جتنا گیہوں اتنا ہی ثمن لازم ہوگا لیکن بائع کی طرف سے سو قفیز کی بات تھی اور مشتری کو اس سے کم ملا تو وعدہ کے مطابق اس کو نہیں مل سکا اس لئے اس کو اختیار ہوگا چاہے تو نوے درہم سے نوے قفیز لے اور چاہے تو بیع فسخ کردے اور اگر گیہوں سو قفیز سے زیادہ نکلے تو چونکہ سو قفیز ہی دینے کی بات تھی اس لئے یہ زیادہ گیہوں بائع کے ہوں گے۔

(۱۴/۸۳۴) وَمَنِ اشْتَرىٰ ثَوْباً عَلىٰ أَنَّهُ عَشَرَةُ أَذْرُعٍ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ أَوْ أَرْضاً عَلىٰ أَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ

دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا أَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ فَالْمُشْتَرِي بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَ هَا بِجُمْلَةِ الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهَا وَإِنْ وَجَدَهَا أَكْثَرَ مِنَ الذِّرَاعِ الَّذِي سَمَّاهُ فَهِيَ لِلْمُشْتَرِي وَلَا خِيَارَ لِلْبَائِعِ.

ترجمہ : اور جس نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ وہ دس گز ہے دس درہم میں، یا زمین اس شرط پر کہ وہ سو گز ہے سو درہم میں پھر پایا اس نے اس کو اس سے کم تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو لیلے اس زمین اور کپڑے کو پوری قیمت میں اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے اور اگر اس سے زیادہ پایا جتنا متعین کیا تھا تو وہ سب مشتری کا ہے اور بائع کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

تشریح : مسئلہ کی وضاحت سے پہلے ''اصل'' اور ''وصف'' کی تعریف سمجھنا مناسب ہے تا کہ مسئلہ کی مکمل وضاحت ہو سکے۔

اصل: اگر کوئی چیز ٹکڑے کر دینے سے عیب دار نہ ہو تو اس میں کمی زیادتی کو اصل کہتے ہیں، جیسے کیلی اور وزنی چیزوں میں کمی زیادتی اصل ہے۔

وصف: اگر کوئی چیز ٹکڑے کر دینے سے عیب دار ہو جاتی ہے تو اس میں کمی زیادتی کو وصف کہتے ہیں جیسے پیمائشی چیزوں میں گز وصف ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وصف کے مقابلہ میں الگ سے کوئی قیمت نہیں ہوتی اور اصل کے مقابلہ میں قیمت ہوتی ہے۔ اب اصل مسئلہ سمجھیں۔

ایک شخص نے کپڑا اس شرط پر خریدا کہ یہ دس گز دس درہم کے بدلے ہے یا زمین اس شرط پر خریدی کہ یہ سو گز سو درہم کے عوض ہے لیکن جب اسے ناپ کر دیکھا گیا تو وہ بیان کردہ گزوں سے کم نکلی اور کپڑے اور زمین میں گز سے ناپنا ایک وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں الگ سے کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے دس گز یا سو گز صرف ترغیب کے لئے ہے ہر گز کے بدلے ایک درہم نہیں ہوا گویا کہ پورے تھان کی قیمت دس درہم ہے اور پوری زمین کی قیمت سو گز ہے خواہ تھان یا زمین میں گز زیادہ ہوں یا کم، اس لئے اگر مشتری لینا چاہتا ہے تو پورے دس درہم اور سو درہم دے کر پورا تھان اور پورا ٹکڑا زمین کا لے لے چاہے گز کم ہوں یا زیادہ، لیکن گز کم ہونے کی صورت میں خریدار کی رغبت کم ہے اس وجہ سے اسے چھوڑنے کا بھی اختیار ہوگا۔

اور اگر زمین یا کپڑا مقررہ گزوں سے زیادہ نکلا تو وہ زیادتی مشتری کے لئے ہوگی اور بائع کو روکنے کا اختیار اس لئے نہیں ہوگا کہ گز ایک وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں آتا اس لئے گز کے بڑھ جانے سے ثمن میں اضافہ نہیں ہوگا برخلاف گیہوں والے مسئلے کے کہ وہاں اگر مقررہ مقدار سے زیادہ نکلے تو وہ بائع کے ہونگے کیونکہ کیلی چیزوں میں کمی زیادتی اصل ہے اور اصل ہی کے مقابلے میں قیمت ہوا کرتی ہے۔

(۸۳۵/۱۵) وَإِنْ قَالَ بِعْتُكَهَا عَلَى أَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا نَاقِصَةً فَهُوَ

بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِحِصَّتِهَا مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَکَهَا وَاِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً کَانَ الْمُشْتَرِیْ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْجَمِیْعَ کُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَیْعَ.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ فروخت کی میں نے تجھ کو یہ زمین اس شرط پر کہ یہ سوگز ہے سو درہم میں ہر گز ایک درہم کے بدلے پھر اس کو کم پایا تو اسے اختیار ہے اس زمین کو لے لے اس کے حصہ کے مطابق ثمن سے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اگر زمین کو زیادہ پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پوری زمین کو لے ہر گز ایک درہم کے بدلے میں اور اگر چاہے تو بیع توڑ دے۔

تشریح: کپڑے اور زمین میں گز صفت ہے لیکن اگر صفت کو اصل بنا دیا جائے تو اس کے مقابلہ میں الگ سے قیمت ہوگی یہاں بائع نے جب یہ کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں تو ہر گز کو اصل بنا دیا اور اب ہر گز کے بدلے میں ایک درہم ہوگا اس لئے جتنے گز ہونگے اتنے ہی درہم لازم ہونگے کم ہونگے تو اس کے حساب سے کم اور اگر زیادہ ہونگے تو اس کے حساب سے زیادہ درہم ہونگے، البتہ گز کم ہونے کی صورت میں مشتری کو وعدہ کے مطابق زمین نہیں ملی اس لئے اسے لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

(۱۶/۸۳۶) وَلَوْ قَالَ بِعْتُ مِنْکَ هٰذِهِ الرِّزْمَةَ عَلٰی اَنَّهَا عَشَرَةُ اَثْوَابٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ کُلُّ ثَوْبٍ بِعَشَرَةٍ فَاِنْ وَجَدَهَا نَاقِصَةً جَازَ الْبَیْعُ بِحِصَّتِهٖ وَاِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً فَالْبَیْعُ فَاسِدٌ.

حل لغات: الرِزْمَة: گٹھری جمع رِزَمٌ، ثَوْبٌ کپڑا، تھان۔

ترجمہ: (۸۳۶)(۱۵) اور اگر کہا کہ بیچ دی میں نے تجھ کو یہ گٹھری اس شرط پر کہ اس میں دس کپڑے ہیں سو درہم کے بدلے ہر کپڑا دس درہم کے بدلے پھر اگر پائے ان کو کم تو جائز ہوگی بیع اس کے حصہ کے مطابق اور اگر پائے اس کو زائد تو بیع فاسد ہوگی۔

تشریح: ایک گٹھری میں دس تھان کپڑے کے تھے اور ہر تھان الگ الگ انداز کا تھا، بائع نے کہا کہ اس شرط پر پوری گٹھری فروخت کرتا ہوں کہ دس تھان کپڑے کے ہیں اور ہر تھان دس درہم کا ہے اب گٹھری میں نو تھان نکلے تو مشتری نو درہم کے نو تھان لے اور چونکہ کپڑے کم ہیں اس لئے چھانٹنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوگا اور اگر گیارہ کپڑے نکلے تو ایک کپڑے کے چھانٹنے میں اختلاف ہوگا مشتری بڑھیا لینا چاہیگا اور بائع گھٹیا دینا چاہے گا لڑائی جھگڑا ہوگا اس لئے اس صورت میں بیع فاسد ہوگی۔

(۱۷/۸۳۷) وَمَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ بِنَاؤُهَا فِی الْبَیْعِ وَاِنْ لَمْ یُسَمِّهٖ.

حل لغات: دار: گھر، مکان، رہنے کی جگہ، جمع دُوْرٌ۔ بناء: عمارت۔

ترجمہ: (۸۳۷)(۱۶) اور جس نے بیچا گھر تو داخل ہوگی اس کی عمارت بیع میں اگر چہ اس کا نام نہ لیا ہو۔

جو چیزیں بغیر تذکرہ کے بیع میں داخل ہوتی ہیں اور جو داخل نہیں ہوتیں

تشریح: کسی نے گھر بیچا تو وہ چیزیں جو گھر کے ساتھ عرف میں شامل ہوتی ہیں اور ہمیشہ اور دوام کے طور پر اس کے ساتھ چپکی رہتی ہیں وہ تمام چیزیں خود بخود داخل ہو جائیں گی چاہے بیع کرتے وقت ان کا نام نہ لیا ہو جیسے عمارت، زینہ، بیت الخلاء۔

قاعدہ: جو چیز مبیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل ہو وہ چیز اس کا نام لئے بغیر ہی بیع میں داخل ہو جائے گی۔

(۸۳۸/۱۸) وَمَنْ بَاعَ أَرْضاً دَخَلَ مَافِيْهَا مِنَ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ فِي الْبَيْعِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهْ

حل لغات: النخل: کھجور کا درخت، واحد نخلۃ۔ الشجر: درخت جمع اشجار۔

ترجمہ: (۸۳۸)(۱۸) کسی نے زمین بیچی تو اس میں جو کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہیں سب بیع میں داخل ہوں گے چاہے ان کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح: ایک شخص نے زمین فروخت کی اور اس زمین میں درخت ہیں تو یہ درخت زمین کی بیع میں داخل ہوں گے درخت خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے پھل دار ہوں یا نہ ہوں صراحۃً ان کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

دلیل: کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہمیشہ کے لئے زمین پر لگے رہتے ہیں کھیتی اور کاشتکاری کی طرح چار چھ ماہ میں کاٹ نہیں لئے جاتے، اس لئے وہ زمین کے جز کی طرح ہیں اس لئے جب زمین کی بیع کی تو درخت خود بخود داخل ہو جائیں گے لیکن اگر باقاعدہ بیع سے الگ کر دے تو پھر بیع میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۸۳۹/۱۹) وَلَا يَدْخُلُ الزَّرْعُ فِي بَيْعِ الْأَرْضِ إِلَّا بِالتَّسْمِيَةِ.

لغت: الزرع: کھیتی، کاشتکاری۔

ترجمہ: (۸۳۹)(۱۹) اور داخل نہیں ہوگی کھیتی زمین کی بیع میں مگر اس کا نام لینے سے

تشریح: زمین کے اندر کھیتی کھڑی ہوئی ہے تو زمین کی بیع میں کھیتی داخل نہ ہوگی ہاں اگر عقد بیع کے وقت زمین کے ساتھ کھیتی کا ذکر کر دیا تو کھیتی داخل ہو جائیگی۔

دلیل: کاشتکاری اور کھیتی وقتی طور پر زمین کے ساتھ متصل ہے وہ تو دو چار ماہ میں کٹ جائے گی اس لئے زمین کی بیع میں جب تک اس کا نام نہ لیا جائے کھیتی داخل نہ ہوگی۔

(۸۴۰/۲۰) وَمَنْ بَاعَ نَخْلًا أَوْ شَجَراً فِيْهِ ثَمَرَةٌ فَثَمَرَتُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهَا الْمُبْتَاعُ وَيُقَالُ لِلْبَائِعِ اِقْطَعْهَا وَسَلِّمِ الْمَبِيْعَ

لغت: المُبتَاعُ، اسم فاعل مصدر ابتیاع، خریداری۔

ترجمہ: (۸۴۰)(۲۰)اور جس نے بیچا کھجور کا درخت یا اور کوئی درخت جس میں پھل ہے تو اس کے پھل بائع کے لئے ہونگے مگر یہ کہ شرط کر لے اس کی خریدار، اور بائع سے کہا جائے گا ان کو توڑ لو اور مبیع کو حوالے کرو۔

تشریح: اگر کسی نے پھل دار درخت فروخت کیا تو اس کے پھل بائع کے ہونگے یعنی درخت کی بیع ہونے کی صورت میں اس درخت پر لگا ہوا پھل خود بخود بیع کے اندر داخل نہیں ہوگا البتہ اگر مشتری صاف صاف یہ کہہ دے کہ میں درخت بھی خرید رہا ہوں اور اس کا پھل بھی خرید رہا ہوں تو اس صورت میں پھل بیع کے اندر داخل ہو جائے گا۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ آپنے فرمایا کہ جس نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس میں پھل آچکا ہو تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے مگر یہ کہ مشتری شرط لگا دے (کہ میں پھل بھی لونگا تو مشتری کا ہو جائے گا) (بخاری شریف باب من باع نخلاً قد اُبِّرَت ص۲۹۳ ج۱)

آگے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب درخت پر لگا ہوا پھل خود بخود بیع کے اندر داخل نہیں ہوا تو پھل بائع کا رہا اور درخت مشتری کا ہو گیا اور بائع کی ملکیت نے مشتری کی ملکیت کو مشغول کر رکھا ہے حالانکہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہونی چاہئے اس لئے بائع سے کہا جائے گا کہ پھل توڑ دو اور درخت خالی کر کے مشتری کے حوالے کر دو۔

(۲۱/۸۴۱) وَمَنْ بَاعَ ثَمَرَةً لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا أَوْ قَدْ بَدَا جَازَ الْبَيْعُ وَوَجَبَ عَلَى الْمُشْتَرِي قَطْعُهَا فِي الْحَالِ فَإِنْ شَرَطَ تَرْكَهَا عَلَى النَّخْلِ فَسَدَ الْبَيْعُ

حل لغات: يَبْدُ فعل مضارع مصدر بُدُوًّا، ظاہر ہونا، صلاح مصدر باب، ك، ف، ن، درست ہونا فساد کا زائل ہونا لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا جو پھل کار آمد نہ ہوا ہو اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو۔

ترجمہ: (۸۴۱)(۲۱)اور جس نے بیچے ایسے پھل جو کار آمد نہیں ہوئے تھے یا ہو گئے تھے تو جائز ہے بیع اور ضروری ہے مشتری پر ان کا توڑ لینا فوراً پھر اگر شرط لگائی ان کو درخت پر چھوڑ دینے کی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

بدو صلاح کا کیا مطلب ہے؟

تشریح: صلاح کا ظاہر ہونا ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پھل آندھی وغیرہ کی آفت اور پالے وغیرہ کے فساد سے محفوظ ہو جائے پورا پکنا اور اس میں مٹھاس کا پیدا ہونا ضروری نہیں ہے اور شوافع کے نزدیک گدرانا اور مٹھاس کا شروع ہو جانا صلاح کا ظاہر ہو جانا ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع صحیح ہے خواہ کار آمد ہو گئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔

دلیل: یہ بائع کا مال ہے اور اپنا مال وہ بیچ سکتا ہے اور کسی نہ کسی کام میں آئے گا تب ہی تو مشتری اس کو خرید رہا ہے اس لئے جو پھل کار آمد نہ بھی ہوئے ہوں ان کو بھی بائع فروخت کر سکتا ہے پھلوں کی بیع وشراء کے سلسلے میں یہاں چند

بحثیں ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) بیع بشرط القطع، اگر پھل درخت پر ظاہر ہو چکا ہو لیکن ابھی پکا نہ ہو تو ایسے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہیں پہلی صورت کو بیع بشرط القطع کہتے ہیں یعنی پھلوں کی بیع ہو جانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ یہ پھل ابھی توڑ کر لے جاؤ اور پھل فوراً توڑ کر لے جانا بیع کے اندر مشروط ہو بیع کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) بیع بشرط الترك، دوسری صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری بیع تو ابھی کر لیں لیکن عقد بیع کے اندر ہی یہ شرط لگا دیں کہ یہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا پکنے کے بعد مشتری یہ پھل توڑ کر لے جائے گا یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ آج کل لوگوں میں رواج یہ ہے کہ پھل آنے کے بعد فصل فروخت کی جاتی ہے اور عرف میں یہ شرط کے درجہ میں ہو گیا ہے کہ پھل پکنے تک توڑے گا نہیں تو فصل کی فروختگی کی یہ شکل شرعاً بیع فاسد کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز نہیں ہے، ہاں البتہ جواز کی یہ شکل نکل سکتی ہے کہ بلا شرط کے فصل فروخت ہو جائے اور خریدار مالک سے یہ اجازت لیلے کہ پکنے تک کے لئے پھلوں کو درختوں پر چھوڑے رکھے یا مالک خود ہی زبانی اجازت دیدے تو شرعاً جائز ہے مگر معاملہ طے کرتے وقت یا اس سے قبل کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے بلکہ بعد میں اجازت شرط ہے۔ ہدایہ ص ۲۶، ج ۳۔

(۳) مطلق عن الشرط، تیسری صورت یہ ہے کہ بیع تو ابھی مکمل کر لیں اور چھوڑنے یا کاٹنے کی کوئی شرط نہ لگائیں اس صورت کے جواز وعدم جواز کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہو رہا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع کی یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا . (بخاری ۱/۲۹۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یعنی کارآمد نہ ہو جائے۔

جواب: اس حدیث میں جو نہی وارد ہوئی ہے وہ نہی تحریم نہیں ہے بلکہ آپ نے مشورے کے طور پر فرمایا کہ ایسی بیع مت کرو لیکن حرام قرار نہیں دیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل میں بیچنا جائز ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ مذکورہ نہی مشورے پر محمول ہے، اس کی دلیل بخاری کی روایت کے الفاظ میں "فلا تَبْتَاعُوْا حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُ الثَّمَرِ كَالْمَشْوَرَةِ يُشِيْرُ بِها لِكَثْرَةِ خُصُوْمَتِهِمْ" (بخاری ۲۹۲/۱ باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحها) یعنی اگر جھگڑے سے نہیں رکتے تو مت بیچو جب تک کہ پھل کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یہ حکم مشورے کے طور پر تھا جس کی طرف اشارہ کیا ان کے جھگڑوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے۔

پھل ظاہر ہونے سے پہلے بیع کرنا

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر پھل ابھی درخت پر ظاہر ہی نہیں ہوا تو اس کی بیع بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ آج کل

پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دیدیا جاتا ہے اور بائع مشتری سے کہہ دیتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو پھل آئیگا وہ میں آپ کو فروخت کرتا ہوں یہ صورت ناجائز ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہو رہی ہے جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی بلکہ معدوم ہے اس کی ایک اور خطرناک صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ باغ کئی سال کے ٹھیکے پر دیدیتے ہیں مثلاً تین سال، پانچ سال، دس سال کے لئے وہ باغ ٹھیکے پر دے دیا اور بائع نے مشتری سے آئندہ آنے والے پھلوں کی قیمت آج ہی وصول کرلی یہ صورت بالکل ناجائز اور نص صریح کے خلاف ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال تک کی بیع کرنے سے منع فرمادیا۔ (درس ترمذی ۴/ ۸۸)

جواز کی صورت

باغات کو اس طرح کرایہ پر دیا جائے کہ مثلاً سالانہ ایک ہزار روپیہ کرایہ مقرر ہو جائے اور باغات میں پھلوں کے ساتھ ساتھ زمین میں کوئی چیز بو کر فائدہ اٹھانے کا بھی اختیار حاصل ہو جائے تو اس طرح کا معاملہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

(۲۲/۸۴۲) وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّبِيْعَ ثَمَرَةً وَيَسْتَثْنِيَ مِنْهَا اَرْطَالًا مَعْلُوْمَةً.

حل لغات: ارطالاً: رطل کی جمع ہے ایک رطل موجودہ کلوگرام کے حساب سے ۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام کا ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کہ پھل بیچے اور مستثنیٰ کرے ان میں سے متعین ارطال کا۔

تشریح: مثلاً پچاس درختوں کے پھل بیچ رہا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ ان پر کتنے پھل ہیں بائع ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ان میں سے ایک کوئنٹل پھل نہیں بیچوں گا تو ایسا استثناء کرنا جس سے باقی مبیع مجہول ہو جائے جائز نہیں ہے ہاں استثناء کے بعد مبیع معلوم رہے تو بیع جائز ہے

(۲۳/۸۴۳) وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ فِيْ سُنْبُلِهَا وَالْبَاقِلٰى فِيْ قِشْرِهَا.

حل لغات: الحنطة: گیہوں، جمع حِنَطٌ۔ سنبل: گیہوں وغیرہ کا گچھا، بال یہ واحد ہے اس کی جمع سنابل ہے۔ الباقلی: لوبیا۔ قشر: چھلکا جمع قشور۔

ترجمہ: (۸۴۳)(۲۳) اور جائز ہے گیہوں کا بیچنا اس کی بالوں میں اور لوبیا کا اس کی پھلیوں میں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ گندم کا اس کی بالوں میں اور لوبیا کا اس کے چھلکے یعنی اس کی پھلی میں بیچنا جائز ہے یعنی ہر وہ دانہ جو چھلکے میں ہو اور بہت زیادہ چھپا ہوا نہ ہو تھوڑا بہت چھپا ہوا ہو تو عموم بلوی کی وجہ سے اس چیز کو چھلکے کے ساتھ بیچنے کی اجازت ہے۔

دلیل: عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ النَّخْلِ حَتّٰی یَزْھُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰی یَبْیَضَّ وَیَامَنَ الْعَاھَۃَ (مسلم ۲/۷) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک پک نہ جائے اور گچھے کی بیع سے روکا جب تک سفید نہ ہو جائے اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے۔

یہ بات یادر ہے کہ متن میں ذکر کردہ مسئلہ کا جواز اس وقت ہے جب کہ خلاف جنس کے ساتھ بیچا جائے اور اگر اسی کی جنس کے عوض بیچا جائے مثلاً گیہوں کی بالیوں کو گیہوں کے عوض بیچا تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں سود کا احتمال ہے معلوم نہیں کہ بالوں میں کس قدر گیہوں ہیں اس کے عوض سے کم ہیں یا زائد یا برابر ہیں۔ (اللباب ۱/۲۰۱)

(۸۴۴/۲۴) وَمَنْ بَاعَ دَاراً دَخَلَ فِی الْبَیْعِ مَفَاتِیْحُ اَغْلَاقِھَا.

حل لغات: مفاتیح: اس کا واحد مفتاح معنی چابی، کنجی۔ أغلاق: اس کا واحد غلق (لام کے فتحہ کے ساتھ) تالا، تالے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ تالے جو دروازوں کے ساتھ چپکا دیئے جاتے ہیں جن کو اردو میں ہضمی تالے کہتے ہیں دوسرے وہ جو کنڈے میں ڈال کر بند کیے جاتے ہیں یہاں قسم اول مراد ہے

ترجمہ: (۸۴۴)(۲۴) اور جس نے بیچا مکان تو داخل ہوں گی بیع میں اس کے تالوں کی چابیاں۔

تشریح: وہ تالا جو دروازے کے ساتھ چپکا ہوتا ہے وہ تالا دروازے کا جز ہو گیا اور جز بغیر نام لئے بھی بیع میں داخل ہوتا ہے اس لئے گھر کی بیع میں تالا داخل ہوگا اور چابی تالے کا حصہ ہے اس لئے چابی بھی بیع میں داخل ہوگی۔

(۸۴۵/۲۵) وَاُجْرَۃُ الْکَیَّالِ وَنَاقِدِ الثَّمَنِ عَلَی الْبَائِعِ وَاُجْرَۃُ وَازِنِ الثَّمَنِ عَلَی الْمُشْتَرِیْ.

حل لغات: الکیال: وہ شخص جو ناپنے کا پیشہ اختیار کرے۔ ناقد: جمع نقدۃ، ثمن درہم، دنانیر کو پرکھنے والا کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ وازن: گیہوں وغیرہ تولنے والا۔

ترجمہ: ناپنے اور ثمن پرکھنے والے کی مزدوری بائع کے ذمہ ہے اور قیمت جانچنے والے کی مزدوری مشتری کے ذمہ ہے۔

تشریح: بائع کی ذمہ داری ہے کہ کیلی مبیع کو کیل کر کے مشتری کے حوالہ کرے اس لئے بائع کو ہی کیل کرانا ہوگا تو کیل کرنے والے کی اجرت بھی بائع پر ہی ہوگی کیونکہ اسی کے لئے کیل کیا ہے اسی طرح ثمن کو پرکھوانے کی ضرورت پڑے گی تو بائع تجربہ کار آدمی کو بلا کر لائے گا کہ میرا ثمن پرکھ دے کہ کھرا ہے یا کھوٹا تو بائع کے لئے ثمن کے کھرے کھوٹے کو پرکھا اس لئے ثمن پرکھنے کی اجرت بائع پر ہوگی اور ثمن چونکہ خریدار کو ادا کرنا ہے اس لئے وہ ثمن کو وزن کروائیگا لہٰذا وزن کرنے والے کی اجرت بھی اسی کو دینی ہوگی جس کے لئے کام کیا اجرت اسی پر ہوگی دلیل یہ حدیث پاک ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِحْتَجَمَ النَّبِیُّ وَاَعْطَی الْحَجَّامَ اَجْرَہٗ (بخاری ۱/۳۰۴ باب خراج الحجام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا اور آپ صلی اللہ علیہ سلم نے حجام کو اس کی اجرت دی۔

(۲۶/۸۴۶) وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ قِيلَ لِلْمُشْتَرِیْ اِدْفَعِ الثَّمَنَ اَوَّلاً فَاِذَا دَفَعَ قِيلَ لِلْبَائِعِ سَلِّمِ الْمَبِيْعَ.

حل لغات: سلعة: سامان، ثمن: درہم اور دنانیر کو پیدائشی ثمن کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۸۴۶)(۲۶)اور جس نے بیچا سامان کو ثمن کے بدلے تو کہا جائے گا مشتری سے کہ پہلے ثمن دے جب وہ دیدے تو بائع سے کہا جائے گا کہ مبیع سپرد کر۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ درہم اور دینار جن کو پیدائشی ثمن کہتے ہیں وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے مثلاً پانچ کے نوٹ سے بیع کی اور بعد میں پانچ کا سکہ گلٹ کا دیدیا تو بیع درست رہے گی کیونکہ پانچ کے نوٹ اور پانچ سکے دونوں کی مالیت برابر ہے البتہ قبضہ کرنے کے بعد متعین ہوتے ہیں دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ سامان مثلاً غلہ، دانہ متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں مثلاً ایک کوئٹل چاول دینا طے ہوا تو دوسرے ایک کوئٹل چاول نہیں دے سکتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ خراب ہو جب یہ قاعدہ سمجھ گئے تو اب سمجھیں صورت مسئلہ یہ ہے کہ سامان، درہم یا دینار کے بدلے بیچا اور سامان اسی جگہ موجود ہے دونوں میں اختلاف ہوگیا بائع کہتا ہے کہ پہلے مشتری ثمن میرے حوالے کرے پھر میں مبیع سپرد کروں گا اور مشتری کہتا ہے کہ پہلے مبیع میرے سپرد کی جائے تب میں ثمن دوں گا ایسی صورت میں مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے آپ ثمن پیش کردیں چونکہ سامان تو پہلے سے متعین ہے اور ثمن یعنی درہم، دنانیر، اور نوٹ پہلے سے متعین نہیں ہیں تاکہ درہم ودنانیر قبضہ کرنے سے متعین ہو جائیں اور بائع ومشتری دونوں کے حقوق برابر ہو جائیں اس لئے مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے تم ثمن سپرد کرو بعد میں بائع سے کہا جائے گا کہ آپ سامان دیں یہ فیصلہ جھگڑے کے وقت ہے ورنہ رضا مندی سے کوئی بھی پہلے دیگا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

(۲۷/۸۴۷) وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِسِلْعَةٍ اَوْ ثَمَناً بِثَمَنٍ قِيلَ لَهُمَا سَلِّمَا مَعاً.

ترجمہ: (۸۴۷)(۲۷) جس نے بیچا سامان کو سامان کے بدلے یا ثمن کو ثمن کے بدلے میں تو دونوں سے کہا جائے گا کہ ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ دو

تشریح: مبیع بھی سامان کی قسم سے ہے اور ثمن بھی سامان کی قسم سے ہے اس لئے دونوں متعین ہیں چونکہ دونوں کے درجے برابر ہیں اس لئے بائع اور مشتری دونوں سے کہا جائیگا ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ دو، ایک کو پہلے اور دوسرے کو بعد میں لینے کا حق نہیں ہے، یہی حکم اس وقت ہوگا کہ جب ثمن کی بیع ثمن کے عوض ہے یعنی دونوں کو ایک ساتھ لینے اور ایک ساتھ دینے کے لئے کہا جائے گا۔

باب خیار الشرط

(یہ باب خیار شرط کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: بیع کی دو قسمیں ہیں (۱) لازم (۲) غیر لازم۔

لازم کی تعریف: لازم وہ ہے جس میں اختیار ہو، بیع لازم چونکہ اصل ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا اور بیع غیر لازم خلاف اصل ہے اس لئے اس کو مؤخر کیا گیا (عینی شرح ہدایہ ۳/۳۵)۔

خیار کی لغوی تعریف: پسندیدگی، خیار اختیار کے معنی میں ہے۔

اصطلاحی تعریف: ایجاب وقبول ہونے کے بعد مجلس میں رہتے ہوئے بائع یا مشتری دونوں یہ کہیں کہ ہمیں تین دن کا اختیار ہے اگر چاہوں بیع نافذ کردوں اور چاہوں تو بیع کو رد کردوں اور سامنے والا اس پر ہاں کردے اب اس کو اختیار ہوگا چاہے تو بیع جائز قرار دے اور چاہے تو بیع توڑ دے اگر تین دن تک بیع کو نہیں توڑا تو بیع تام ہو جائے گی۔

خیار شرط کا ثبوت: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے الفاظ، او یکون البیع خیاراً، (یا بیع میں خیار شرط ہو) سے ہے۔ (بخاری ۱/۲۸۳)

(۱/۸۴۸) خِيَارُ الشَّرْطِ جَائِزٌ فِي الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ وَلَهُمَا الْخِيَارُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَمَا دُوْنَهَا وَلَا يَجُوْزُ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجُوْزُ اِذَا سَمّٰى مُدَّةً مَعْلُوْمَةً.

ترکیب: ثلاثة ایام: ظرف کی بناپر منصوب ہے ای فی ثلاثة ایام، یا مرفوع ہے مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے ای مدة الخیار ثلاثة ایام.

ترجمہ: خیار شرط جائز ہے بیع میں بائع اور مشتری دونوں کے لئے اور ان دونوں کو اختیار ہے تین دن یا اس سے کم کا اور نہیں جائز ہے اس سے زیادہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور کہا امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے کہ جائز ہے جبکہ مدت معلوم متعین کردے۔

خیارِ شرط کی اقسام کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ خیار شرط صرف بائع کے لئے بھی جائز ہے اور صرف مشتری کے لئے بھی اور دونوں کے لئے بھی جائز ہے خیار شرط کی تین قسمیں ہیں (۱) بالاتفاق فاسد مثلاً خریدار نے کہا کہ میں نے یہ چیز اس شرط پر خریدی کہ مجھ کو ہمیشہ کا خیار ہے (۲) بالاتفاق جائز مثلاً تین دن یا تین دن سے کم کا خیار لیا (۳) مختلف فیہ مثلاً تین دن

سے زیادہ کا اختیار لیا، اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام زفر کے نزدیک تین دن سے زیادہ کا اختیار نہیں ملے گا۔ (عینی ۳/۳۶)

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان بن منقذ کو تین دن کے لئے ہی خیار شرط دیا تھا۔

فَقُلْ لَا خَلَابَةَ وَلِیَ الْخِیَارُ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ (عینی شرح ہدایہ ۳/۳۵)

تو کہہ دیا کر کہ کوئی دھوکہ نہیں میرے لئے تین دن کا اختیار ہے یعنی تین دن تک میرے لئے غور و فکر کا موقع ہے اگر مناسب ہوا عقد کو جائز کر دونگا ورنہ فسخ کر دونگا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف تین دن کا اختیار ملے گا۔

عقلی دلیل: تین دن سے زیادہ اختیار لینے میں سامنے والے آدمی کو نقصان ہوگا کہ بہت دنوں تک اس کا انتظار کرنا ہوگا کہ بیع ہوئی یا نہیں اس لئے تین دن سے زیادہ اختیار نہ دیا جائے۔

دوسرا مذہب: صاحبین اور امام احمد کے نزدیک خیار شرط کا معاملہ بائع اور مشتری کے اختیار پر ہے اس لئے اگر وہ دونوں زیادہ دنوں تک اختیار دینے پر راضی ہیں تو کسی کو کیا اشکال، بشرطیکہ مدت معلوم ہو کہ کتنے دنوں کا اختیار لینا چاہتے ہیں مجہول نہ ہو۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے دو ماہ تک خیار کو جائز رکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت خیار تین دن کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس سے زائد بھی ہو سکتی ہے۔

(۲/۸۴۹) وَخِیَارُ الْبَائِعِ یَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِیْعِ مِنْ مِلْکِہٖ

ترجمہ: اور بائع کا اختیار روکتا ہے مبیع کے نکلنے کو اس کی ملکیت سے۔

بائع کے اختیار کا بیان

تشریح: بائع نے خیار شرط لیا تو چاہے مبیع مشتری کے ہاتھ میں جا چکی ہو بائع کی ملکیت سے نہیں نکلے گی کیونکہ اختیار لینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مبیع کو ابھی اپنی ملکیت میں رکھنا چاہتا ہے جب وہ بیع نافذ کرے گا تب اس کی ملکیت سے مبیع نکلے گی یہی وجہ ہے کہ اگر بائع اس دوران آزاد کرنا چاہے تو آزاد کر سکتا ہے۔

(۳/۸۵۰) فَاِنْ قَبَضَہُ الْمُشْتَرِیْ فَھَلَکَ بِیَدِہٖ فِیْ مُدَّۃِ الْخِیَارِ ضَمِنَہٗ بِالْقِیْمَۃِ.

ترجمہ: پھر اگر قبضہ کر لیا تھا مشتری نے مبیع پر اور ہلاک ہوگئی اس کے ہاتھ سے مدت خیار میں تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

تشریح: بائع نے تین دن کا خیار شرط لیا تھا اور مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لیا مدت خیار میں مشتری کے ہاتھ میں مبیع ہلاک ہوگئی تو جو ثمن بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوا تھا وہ تو لازم نہ ہوگا لیکن بازار میں اس مبیع

کی جو قیمت ہوگی وہ مشتری پر لازم ہوگی۔

دلیل: حضرت عمرؓ نے ایک آدمی سے گھوڑا خریدا کہ اگر پسند آئے گا تو رکھ لونگا پھر ایک آدمی کو اس پر سوار کر دیا جس کی وجہ سے گھوڑے میں عیب پیدا ہو گیا حضرت عمر اور بائع کے درمیان اختلاف ہو گیا فیصل قاضی شریح عراقی کو بنایا قاضی صاحب نے حضرت عمر سے فرمایا جو گھوڑا آپ نے خریدا وہ اپنے پاس رکھ لیجئے اور اس کی قیمت کے ضامن بن جائیے یا یہ کہ اس کو صحیح سالم گھوڑا واپس کر دیجئے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲۲۴/۸ بحذف یسیر)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مشتری کو قیمت دینی پڑے گی کیونکہ اس کی حرکت سے مبیع ہلاک ہوئی ہے۔

(۴/۸۵۱) وَخِيَارُ الْمُشْتَرِىْ لَايَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ مِنْ مِلْكِ الْبَائِعِ اِلَّا اَنَّ الْمُشْتَرِىْ لَايَمْلِكُهُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَمْلِكُهُ.

ترجمہ: اور مشتری کا خیار شرط نہیں روکتا ہے مبیع کے نکلنے کو بائع کی ملکیت سے مگر یہ کہ مشتری اس کا مالک نہیں ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ مالک ہو جائے گا۔

مشتری کے اختیار کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خیار شرط مشتری نے لیا ہے بائع نے نہیں لیا ہے تو مبیع بائع کی ملک سے نکل جائے گی رہی یہ بات کہ جب مبیع بائع کی ملکیت سے نکل گئی تو آیا مشتری کی ملک میں داخل ہوگی کہ نہیں اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مشتری کے خیار شرط کے وقت مبیع مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوگی کیونکہ مشتری نے ابھی اپنی طرف سے بیع مکمل طے نہیں کی ہے نیز اگر اس کی ملک میں داخل ہو جائے تو مشتری کا نقصان ہے مثلاً اگر اپنے بیٹے کو خریدا اور خیار شرط لے لیا اس کے باوجود بیٹا اس کی ملک میں داخل ہو گیا اب مشتری کے نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹا آزاد ہو گیا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی کیونکہ بائع کی ملکیت سے نکل گئی اور مملوک چیز کسی نہ کسی کی ملک میں داخل ہونی چاہئے ورنہ وہ مملوک کیسے ہوگی اس لئے چاہے مشتری نے خیار شرط لیا ہو پھر بھی وہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

(۵/۸۵۲) فَاِنْ هَلَكَ بِيَدِهٖ هَلَكَ بِالثَّمَنِ

لغت: ثمن: وہ مقدار جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہو جائے چاہے وہ بازاری بھاؤ سے کم ہو یا زیادہ۔ قیمت بازاری ریٹ اور بھاؤ کو کہتے ہیں۔

ترجمہ: پھر اگر مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو ہلاک ہوگی ثمن کے بدلے۔

تشریح: خیار اگر مشتری کے لئے ہو تو مبیع اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے لیکن جب مبیع ہلاک ہونے لگے تو ہلاک ہونے سے پہلے وہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہوگئی اور بیع مکمل ہوگئی اب مشتری پر ثمن لازم ہوگا یعنی وہ قیمت جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوئی تھی۔

لیکن یہاں ایک بات بہت اہم ہے جس کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگر خیار بائع نے لیا ہے اور بائع کی اجازت سے مشتری نے قبضہ کرلیا پھر مدت خیار میں مبیع ہلاک ہوگئی تو مشتری پر قیمت لازم ہوگی جیسا کہ مسئلہ نمبر (۸۵۰)(۳) میں مفصلاً گذرا۔

اور یہاں اس مسئلہ میں مشتری پر ثمن لازم ہوگا ایسا کیوں؟

وجہ فرق: مبیع جب مشتری کے قبضہ میں عیب دار ہوئی اور خیار بھی مشتری کو ہے تو جیسے ہی مبیع پر قبضہ کیا تھا اس کا اسی طرح واپس کرنا مشکل ہوگیا ہے تو اب خیار باطل اور بیع لازم ہوگئی اور بیع نافذ اور لازم ہونے کی صورت میں مشتری پر ثمن واجب ہوتا ہے نہ کہ قیمت اور جس صورت میں اختیار بائع کو ہے اور مبیع مشتری کے قبضہ میں ہے اس میں کوئی عیب پیدا ہوگیا تو اس صورت میں مبیع کا واپس کرنا مشکل نہیں ہے کیونکہ اختیار بائع کیلئے ہے نہ کہ مشتری کیلئے چنانچہ مبیع میں عیب پیدا ہونے کی وجہ سے بائع کا خیار ساقط نہ ہوگا بلکہ اگر وہ اپنے خیار کے تحت عیب دار مبیع کو واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے اب اگر مبیع ہلاک ہوئی تو بائع کی ملک پر ہلاک ہوگی اور عقد ختم ہوجائے گا۔ حالانکہ عقد موقوف تھا اور مشتری کا قبضہ عقد کے اعتبار سے ہے اور مقبوض بجھة العقد مضمون بالقیمة ہوتا ہے لہٰذا مشتری پر قیمت لازم ہوگی ثمن لازم نہ ہوگا۔

(۶/۸۵۳) وَكَذٰلِكَ اِنْ دَخَلَهٗ عَيْبٌ.

ترجمہ: ایسے ہی اگر مبیع میں عیب پیدا ہوگیا۔

تشریح: مشتری نے خیار لیا تھا اور مبیع پر قبضہ بھی کرلیا تھا اب مبیع مشتری کے ہاتھ میں رہتے ہوئے عیب دار ہوگئی تو عقد بیع مکمل ہوگیا اس لئے مشتری کو ثمن دینا ہوگا

(۷/۸۵۴) وَمَنْ شَرَطَ لَهُ الْخِيَارُ فَلَهٗ اَنْ يَفْسَخَ فِىْ مُدَّةِ الْخِيَارِ وَلَهٗ اَنْ يُجِيْزَهٗ فَاِنْ اَجَازَهٗ بِغَيْرِ حَضْرَةِ صَاحِبِهٖ جَازَ وَاِنْ فَسَخَ لَمْ يَجُزْ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْآخَرُ حَاضِراً.

لغت: الا ان یکون الآخر حاضراً: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرا فریق حاضر ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ حاضر نہ ہو لیکن اس کو بیع ختم کرنے کی اطلاع دے دیجائے

ترجمہ: اور جس شخص کے لئے خیار شرط ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ مدت خیار میں بیع فسخ کردے اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اس کو نافذ کردے۔

تشریح: جس کو خیار حاصل ہے خواہ وہ بائع ہو خواہ مشتری ہو مدت خیار میں اس کو بیع فسخ کرنے کا بھی اختیار ہے اور جائز کرنے کا بھی اختیار ہے مثلاً بائع نے خیار شرط لیا تو مشتری سامنے نہ بھی ہو یا اس کو علم نہ بھی ہو تو بھی بائع بیع کو جائز قرار دے سکتا ہے

دلیل: بیع جائز قرار دینے میں مشتری کا نقصان نہیں ہے وہ تو چاہ ہی رہا ہے کہ بیع جائز ہو جائے تب ہی تو اس نے خیار شرط نہیں لیا اور اگر بائع بیع فسخ کرنا چاہتا ہو تو جب تک مشتری کو اس کی خبر نہ دے فسخ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مشتری کو فسخ کرنے سے نقصان ہوگا وہ سمجھ رہا تھا کہ بائع بیع جائز کر دے گا اس لئے دوسری مبیع تلاش نہیں کی اور انتظار میں بیٹھا رہا اس لئے اگر فسخ کرنا ہو تو دوسرے فریق کو اطلاع دینا ضروری ہے تا کہ اس کو نقصان نہ ہو یہ مذہب طرفین کا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک دوسرے کو اطلاع دیئے بغیر بھی فسخ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

دلیل: دوسرے فریق نے اختیار لینے والے کو بیع توڑنے کا بھی اختیار دیا ہے اس لئے وہ جس طرح غائبانہ بیع جائز قرار دے سکتا ہے اسی طرح توڑ بھی سکتا ہے۔

(۸/۸۵۵) وَاِذَا مَاتَ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ بَطَلَ خِيَارُهُ وَلَمْ يَنْتَقِلْ اِلٰى وَرَثَتِهٖ.

ترجمہ: اور اگر مر گیا وہ شخص جس کے لئے خیار شرط تھا تو خیار باطل ہو جائے گا اور اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا

کیا خیارِ شرط ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا؟

تشریح: بائع یا مشتری جس نے خیار شرط لیا تھا وہ مر گیا اب یہ اختیار اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا چونکہ پہلے ایجاب وقبول ہو چکے ہیں اس لئے بیع لازم ہو جائے گی۔

دلیل: اختیار ارادے اور چاہت کا نام ہے کہ بیع جائز قرار دیں یا نہ دیں اور ارادہ معنوی شئی ہے وہ منتقل نہیں ہوتا اس لئے اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ امام شافعی وامام مالک فرماتے ہیں کہ جس طرح خیار عیب اور خیار تعیین ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے اسی طرح خیار شرط بھی ورثہ کی طرف منتقل ہوگا اور اس کو بھی بیع توڑنے اور جائز قرار دینے کا حق ہوگا۔

امام شافعی اور امام مالک کی دلیل کا جواب

خیار عیب بطور میراث کے میت کی طرف سے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ عقد بیع کی وجہ سے میت ایسی مبیع کا مستحق ہوا تھا جو بے عیب ہو لیکن جب وہ مر گیا تو اس کا وارث بھی بے عیب مبیع کا مستحق ہوگا اسی طرح خیار تعیین وراثت کے طور پر وارث کی طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ خیار تو میت کے مرتے ہی ساقط ہو گیا مگر چونکہ وارث، وارث ہونے کی

حیثیت سے مبیع کا مالک ہوا اور مبیع غیر مبیع کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے مجہول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وارث کے لئے جو خیار تعیین ثابت ہے وہ اس کا غیر ہے جو مورث کے لئے ثابت تھا لہٰذا خیار شرط اور خیار تعیین دونوں میں فرق ہے۔
(باقی تفصیل ہدایہ میں دیکھی جائے)

(۹/۸۵۶) وَمَنْ بَاعَ عَبْداً عَلٰی اَنَّهٗ خَبَّازٌ اَوْ کَاتِبٌ فَوَجَدَهٗ بِخِلَافِ ذٰلِكَ فَالْمُشْتَرِیْ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِیْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَکَهٗ.

لغت: خباز: روٹی پکانے والا، نانبائی اسم فاعل باب (ض) مصدر خبزاً۔

ترجمہ: (۸۵۶)(۸) اور جس نے غلام بیچا یہ کہہ کر کہ وہ روٹی پکانے والا ہے یا کاتب ہے پھر اس کو اس کے خلاف پایا تو مشتری کو اس کا اختیار ہے کہ اگر چاہے تو پورا ثمن دیکر لے لے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔

تشریح: کسی نے غلام بیچا یہ کہہ کر کہ یہ روٹی پکانے والا ہے یا کاتب ہے بعد میں پتہ چلا کہ یہ نہ روٹی پکانے والا ہے نہ کاتب ہے تو مشتری کو بیع جائز قرار دینے اور بیع توڑنے کا اختیار ہوگا کیونکہ وہ صفت نہ ہونے کی وجہ سے مشتری کی رغبت کم ہوگئی اور بائع نے وعدہ کے خلاف کیا اس لئے اس کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

اور اگر غلام لینا ہی چاہے تو جو قیمت آپس میں طے ہوئی تھی وہی قیمت دے کر لینا ہوگا۔ کیونکہ روٹی پکانا اور کتابت کا فن جاننا یہ وصف ہے اور ماقبل میں گذر چکا کہ وصف کے مقابلہ میں قیمت نہیں ہوتی اس لئے اس صفت کی کمی کی وجہ سے قیمت میں کمی نہ ہوگی۔

باب خیار الرؤیة

(یہ باب خیار رویت کے بیان میں ہے)

خیار عیب پر تقدیم کی وجہ: خیار رؤیت کو خیار عیب پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ خیار رؤیت خیار عیب سے اقویٰ ہے کیونکہ خیار رؤیت بیع کو مکمل ہونے سے روکتا ہے اور خیار عیب کی صورت میں بیع تو مکمل ہو جاتی ہے مگر حکم بیع یعنی ملکیت لازم نہیں ہوتی اور جو چیز تمام بیع کے لئے مانع ہو وہ اس سے اقویٰ ہوتی ہے جو لزوم حکم سے مانع ہو۔

خیار رؤیت کی تعریف: کسی چیز کو دیکھے بغیر خرید لے تو اس وقت دیکھنے کے بعد چاہے تو خریدے اور چاہے تو نہ خریدے ایسے اختیار کو خیار رویت کہتے ہیں۔

خیار رؤیت کا ثبوت: عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَنِ اشْتَرىٰ شَيْئاً لَمْ يَرَهُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اذا رَآهُ. (عینی شرح ہدایہ ۳/۵۱)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی ایسی چیز کو خریدا جس کو دیکھا نہیں ہے تو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مبیع کو نہ دیکھا ہو تو دیکھنے کے بعد اس کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

(۱/۸۵۷) وَمَنِ اشْتَرىٰ مَالَمْ يَرَهُ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ وَلَهُ الْخِيَارُ اذا رَآهُ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهُ.

ترجمہ: اور جس نے خریدا ایسی چیز کو جس کو دیکھا نہیں ہے تو بیع جائز ہے اور اسے اختیار ہے جب مبیع کو دیکھے اگر چاہے تو اس کو لے لے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کر دے۔

خیارِ رؤیت کس کو حاصل ہے؟

تشریح: اگر کسی شخص نے بغیر دیکھے ہوئے کسی چیز کو خریدا تو یہ بیع ہمارے نزدیک جائز ہے مگر مشتری جب اس مبیع کو دیکھے گا تو اس کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا کیونکہ دیکھنے سے قبل اس کی رغبت کامل نہیں ہے نیز اوپر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت گذر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

(۲/۸۵۸) وَمَنْ بَاعَ مَالَمْ يَرَهُ فَلَاخِيَارَ لَهُ.

ترجمہ: اور جس نے فروخت کر دی ایسی چیز جس کو دیکھا نہیں تو اس کو اختیار نہیں ہے۔

خیارِ رؤیت کس کو حاصل نہیں ہے؟

تشریح: اگر کسی نے بغیر دیکھے کوئی چیز فروخت کر دی اس طریقے سے کہ کسی چیز کا وارث ہوا اور دیکھنے سے

پہلے اس کو بیچ دیا تو یہ بیع درست ہے اب بائع بعد میں خیار رؤیت لینا چاہتا ہے اور دیکھنے کے بعد خیار رؤیت کے تحت بیع توڑنا چاہتا ہے تو اس کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا کیونکہ مبیع تو اسی کے پاس تھی اس نے بیع سے پہلے کیوں نہیں دیکھی یہ نہ دیکھنا اس کی غلطی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں من اشتریٰ شیئاً فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خریدار کو اختیار ہوگا بائع کو نہیں۔

(۳/۸۵۹) وَاِنْ نَظَرَ اِلٰی وَجْهِ الصُّبْرَةِ اَوْ اِلٰی ظَاهِرِ الثَّوْبِ مَطْوِیاً اَوْ اِلٰی وَجْهِ الْجَارِیَةِ اَوْ اِلٰی وَجْهِ الدَّابَّةِ وَکَفَلِهَا فَلَاخِیَارَ لَهٗ.

حل لغات: مطویاً: اسم مفعول باب (ض) لپٹا ہوا۔ الجاریۃ: باندی۔ الدابۃ: سواری کا جانور۔ کفل: چوپایہ کا چوتڑ، جمع اکفال

ترجمہ: اور اگر دیکھے ڈھیر کے اوپر کا حصہ یا لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہری حصہ کو یا باندی کے چہرے کو یا جانور کے چہرے کو یا اس کے پچھلے حصہ کو تو اس کے لئے خیار رؤیت نہیں ہے۔

تشریح: مبیع کے ہر ہر عضو کو دیکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ عرف عام میں جس عضو یا حصہ کو دیکھنا شمار کیا جاتا ہو اس حصہ کو دیکھنا کافی سمجھا جائے گا اور اسی کو دیکھنے سے خیار رؤیت ختم ہو جائے گا مثلاً غلہ کے ڈھیر کے اوپر کے حصہ کو دیکھنے سے پورے ڈھیر کی معلومات ہو جاتی ہے اس لئے اوپر کے حصہ کو دیکھنا کافی ہوگا اسی طرح تھان میں لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہری حصہ کو دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا اسی طرح باندی کے چہرہ کو دیکھنے سے پوری باندی کا علم ہو جاتا ہے اس لئے چہرہ دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا اور سواری کے جانور مثلاً گھوڑے گدھے اور خچر وغیرہ کے چہرے اور سرین کو دیکھنے سے پورا علم ہو جاتا ہے کیونکہ جانوروں میں یہی مقصود ہوتا ہے اس لئے انہیں کو دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائیگا۔ خلاصہ یہ کہ جس حصے کو دیکھنے سے پوری مبیع کا علم ہو جائے اس حصے کو دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا۔

ایک اہم بات

ظاہر روایت میں کپڑے کے تھان کو اوپر سے دیکھ لینے سے خیار رؤیت ساقط ہو جاتا ہے جبکہ امام زفرؒ کے نزدیک جب تک پورا تھان کھول کر نہ دیکھ لیا جائے خیار رؤیت ساقط نہ ہوگا۔ بعض مشائخ نے امام زفرؒ کے اس قول کو اس لئے راجح قرار دیا ہے کہ ان کے زمانے میں کپڑوں کے ظاہر و باطن میں بڑا فرق ہوا کرتا تھا۔

تنبیہ: اس مسئلہ کا مدار اس عرف پر ہے کہ کپڑوں کے ظاہر و باطن میں فرق ہوتا ہے یا نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے زمانہ میں فرق نہیں ہوتا تھا اس لئے انھوں نے لپٹے ہوئے کپڑوں کو اوپر سے دیکھ لینا کافی قرار دیا۔ مشائخ کے زمانہ

میں عرف بدل گیا اور کپڑوں میں اندر و باہر فرق ہونے لگا تو انھوں نے امام زفر کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا۔
آج کے زمانہ میں عرف پھر بدل گیا اور وہی عرف لوٹ آیا جو ائمہ ثلاثہ کے زمانہ میں تھا یعنی اب کپڑوں کے تھان میں ظاہر و باطن میں فرق نہیں ہوتا ہے اس لئے آج کل امام زفرؒ کے قول پر نہیں بلکہ ظاہر مذہب پر فتویٰ دیا جائے گا حضرت مصنف نے بھی متن میں ظاہر مذہب کو بیان کیا ہے۔ (شامی ۴/۹۱، والبحر الرائق ۶/۳۱) واللہ اعلم بالصواب
وسیم احمد غفرلہ

(۸۶۰/۴) وَاِنْ رَآی صَحْنَ الدَّارِ فَلَاخِیَارَلَهٗ وَاِنْ لَّمْ یُشَاهِدْ بُیُوْتَهَا .

ترجمه: اور اگر دیکھ لے گھر کا صحن تو اسے اختیار نہیں ہے اگر چہ اس نے اس کے کمروں کو نہ دیکھا ہو۔

گھر کا خارجی حصہ دیکھنے سے خیارِ رؤیت ساقط نہ ہوگا

تشریح: اگر گھر خریدا تو اس کا محض خارجی حصہ دیکھ لینے سے مشتری کا خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا۔ چونکہ مصنف کے ملک میں مکانات ایک طرح کے ہوا کرتے تھے اور صحن کو دیکھنے سے اندر کے کمروں کا اندازہ ہو جاتا تھا اس لئے فرمایا کہ صحن دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا چاہے کمروں کو نہ دیکھا ہو۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مکان خریدتے وقت داخل بیت دیکھے بغیر خیار رویت ساقط نہ ہوگا اس لئے کہ گھروں کے اندرونی حصہ میں اب یکسانیت باقی نہیں رہی ہے فتویٰ اسی قول پر ہے۔ (شامی ۴/۹۲، البحر الرائق ۶/۳۱-۳۲)

(۸۶۱/۵) وَبَیْعُ الْاَعْمٰی وَشِرَائُهٗ جَائِزٌ اِذَا اشْتَرٰی:

لغت: الاعمیٰ، اندھا، جمع، عُمْیٌ۔
ترجمه: نابینا کا بیچنا اور اس کا خریدنا جائز ہے اور اس کے لئے خیار رؤیت ہوگا جب خریدے۔
تشریح: نابینا کا بیچنا اور خریدنا اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ انسان ہے عاقل و بالغ ہے انسانی ضرورت اس کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے لیکن آنکھ نہ ہونے کی وجہ سے مبیع کو دیکھا نہیں اس لئے اس کو خیار رؤیت ہوگا اور خیار رؤیت ساقط ہونے کے مختلف طریقے ہیں جس کی تفصیل اگلے مسئلے میں آرہی ہے۔

(۸۶۲/۶) وَیَسْقُطُ خِیَارُهٗ بِاَنْ یَجُسَّ الْمَبِیْعَ اِذَا كَانَ یُعْرَفُ بِالْجَسِّ اَوْ یَشُمَّهٗ اِذَا كَانَ یُعْرَفُ بِالشَّمِّ اَوْ یَذُوْقَهٗ اِذَا كَانَ یُعْرَفُ بِالذَّوْقِ.

حل لغات: یجسّ فعل مضارع باب (ن)(م) جسّا معلوم کرنے کے لئے ہاتھ سے چھونا، ٹٹولنا، یشمه، باب (ن)(م) شما سونگھنا، یذوق باب (ن)(م) ذوقاً، چکھنا۔
ترجمه: اور اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا مبیع کو ٹٹولنے سے جب کہ وہ معلوم ہو جائے ٹٹولنے سے یا اس کو سونگھ

لے جب کہ سونگھنے سے معلوم ہو جاتی ہو یا اس کو چکھ لے جب کہ چکھنے سے معلوم ہو جاتی ہو۔

نابینا کا خیارِ رؤیت کب ساقط ہوگا؟

تشریح: اس عبارت میں امام قدوری یہ بتلا رہے ہیں کہ نابینا کا خیار رؤیت کب ساقط ہوگا تو اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع اگر ایسی چیز ہو جس کو ہاتھ سے ٹٹول کر پہچانا جا سکتا ہے تو مبیع ٹٹول کر چھونے سے نابینا کا خیارِ رؤیت ساقط ہو جائے گا اور اگر سونگھ کر مبیع کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اور سونگھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا اور اگر چکھ کر معلوم کی جا سکتی ہے تو جب چکھ کر دیکھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا، یا پھر مبیع دیکھنے کا کسی کو وکیل بنالے اور وکیل دیکھ لے تو نابینا کا دیکھنا شمار کیا جائے گا اور اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

(۸۶۳/۷) وَلَايَسْقُطُ خِيَارُهُ فِي الْعَقَارِ حَتّٰى يُوْصَفَ لَهُ.

لغت: العقار، جائداد ہر منقول چیز، جمع عقارات۔

ترجمہ: اور ساقط نہ ہوگا اس کا اختیار زمین میں یہاں تک اس کی حالت بیان کر دی جائے۔

تشریح: نابینا نے زمین خریدی اب اس کو ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر معلوم نہیں کر سکتا اس لئے خیار ساقط کرنے اور مکمل رضامندی کا طریقہ یہ ہے کہ بائع زمین کی پوری حقیقت بیان کر دے اور پورا وصف بیان کر دے اس کو سن کر اندھا راضی ہو جائے تو خیار ساقط ہو جائے گا

(۸۶۴/۸) وَمَنْ بَاعَ مِلْكَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ اَمْرِهِ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَجَازَ الْبَيْعَ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ وَلَهُ الْاِجَازَةُ اِذَا كَانَ الْمَعْقُوْدُ عَلَيْهِ بَاقِياً وَالْمُتَعَاقِدَان بِحَالِهِمَا.

حل لغات: معقود علیه: جس پر عقد ہوا ہو یعنی مبیع، المتعاقدان: عقد کرنے والے یعنی بائع اور مشتری

ترجمہ: اور جس نے بیچی دوسرے کی چیز اس کے حکم کے بغیر تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو بیع کو نافذ کرے اور چاہے تو فسخ کر دے اور اس کو نافذ کرنے کا حق ہے جب تک معقود علیہ (مبیع) باقی ہو اور بائع و مشتری اپنی حالت پر ہوں۔

بیع فضولی کا بیان

تشریح: کسی نے دوسرے کی چیز اس کی بغیر اجازت کے بیچ دی تو اس کا بیچنا جائز ہے کیونکہ یہ آدمی عاقل و بالغ ہے اور چیز مملوک و مبیع ہے اور مالک ہی کے لئے بیچا ہے اب اصل مالک کو اختیار ہے چاہے بیع کو نافذ کر دے اور پسند نہ ہو تو بیع فسخ کر دے اس بیع کو بیع فضولی کہتے ہیں اس کا ثبوت بخاری شریف میں مذکور اس حدیث سے ہے۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہ کو ایک دینار دیا تا کہ اس سے ایک بکری خریدے انہوں نے اس ایک دینار سے دو بکریاں خرید لیں پھر ایک بکری کو ایک دینار میں بیچا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لیکر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعاء کی (بخاری کتاب المناقب ۱/۵۱۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عروہ نے بغیر آپ کی اجازت کے دو بکریاں خریدی پھر بغیر حکم کے ہی ایک بکری بیچ دی اس سے معلوم ہوا کہ فضولی کی بیع جائز ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مالک کو بعد میں بیع باقی رکھنے اور توڑنے کا اختیار ہے امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مالک کو بیع نافذ کرنے کا اختیار اس وقت ہے جب کہ مبیع موجود ہو چنانچہ اگر مبیع موجود نہ ہو تو بیع کس چیز پر ہوگی؟ اسی طرح اگر بائع اور مشتری موجود ہونگے اور وہ اپنی حالت پر ہوں یعنی اجازت کے وقت عاقل بالغ مالک ہوں تب بیع ہوگی ورنہ نہیں ہوگی مثلاً وہ عاقل ہی نہ رہے مجنوں ہو جائے تو اب بیع اس کی جانب سے کیسے ہوگی۔

(۸۶۵/۹) وَمَنْ رَاى أَحَدَ الثَّوْبَيْنِ فَاشْتَرَاهُمَا ثُمَّ رَاى الْآخَرَ جَازَ لَهُ اَنْ يَرُدَّهُمَا.

ترجمہ: اور جس نے دیکھا دو کپڑوں میں سے ایک کو پھر دونوں کو خرید لیا پھر دیکھا دوسرا کپڑا تو اس کے لئے جائز ہے کہ دونوں کپڑوں کو واپس کردے۔

تشریح: صرف ایک کپڑے کو دیکھا اور ایک ہی بیع میں دوسرے کپڑے کو خرید لیا جس کو دیکھا نہیں تو دوسرے کپڑے کے خیار رؤیت کے ماتحت دونوں کپڑوں کو واپس کر سکتا ہے۔

دلیل: دونوں کپڑے مختلف ہیں ایک کو دیکھنا دوسرے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے دوسرے کپڑے میں خیار رؤیت ملے گا اور چونکہ بیع ایک ہی ہے اگر ایک کپڑے کو واپس کرے گا تو آدھی بیع رہ جائے گی اور آدھی واپس ہوگی اس لئے واپس کرے گا تو دونوں کپڑے اور رکھے گا تو دونوں کپڑے۔

(۸۶۶/۱۰) وَمَنْ مَاتَ وَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ بَطَلَ خِيَارُهُ.

ترجمہ: اور اگر مر گیا وہ جس کو دیکھنے کا اختیار تھا تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا۔

تشریح: خیار رؤیت ایک معنوی چیز ہے اور معنوی چیز دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی ہے اس لئے مرنے کے بعد یہ اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

(۸۶۷/۱۱) وَمَنْ رَاى شَيْئاً ثُمَّ اشْتَرَاهُ بَعْدَ مُدَّةٍ فَإِنْ كَانَ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي رَاهُ فَلَاخِيَارَ لَهُ وَإِنْ وَجَدَهُ مُتَغَيِّراً فَلَهُ الْخِيَارُ.

ترجمہ: اور جس نے دیکھی کوئی چیز پھر خریدا اس کو ایک مدت کے بعد پس اگر اسی حالت پر رہے جس پر دیکھی

تھی تو اس کے لئے اختیار نہیں ہے اور اگر اس کو بدلا ہوا پایا تو اس کے لئے خیار رؤیت ہے

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز دیکھی پھر ایک مدت کے بعد اس کو خریدا اب اگر یہ چیز اسی صفت پر ہے جس صفت پر اس کو دیکھا تھا تو مشتری کے لئے خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا مثلاً چھ ماہ قبل ایک چیز کو دیکھا تھا اور اسی حال پر وہ مبیع موجود ہے تو پہلی رؤیت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے اس لئے مشتری کو خیار رؤیت نہیں ملے گا اور اگر مبیع کی حالت بدل گئی تو پہلی رؤیت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے مشتری کو خیار رؤیت ملے گا اور اس کے ماتحت مبیع کو واپس کرنے کا حق ہوگا۔

باب خیار العیب

(یہ باب خیار عیب کے بیان میں ہے)

عیب کی لغوی تعریف: لغت میں عیب ہر وہ چیز ہے جس سے فطرت سلیمہ خالی ہو یعنی جو اصل پیدائش میں داخل نہ ہو اور اس کی وجہ سے وہ چیز ناقص شمار کی جانے لگے۔

اصطلاحی تعریف: جس سے سوداگروں کے یہاں قیمت گھٹ جائے جیسے غلام کا بھاگنا یا چوری کرنا وغیرہ وغیرہ۔

خیار عیب کا ثبوت: مبیع میں عیب ہو جائے جس کے تحت مبیع کو واپس کرنے کا اختیار ہو اس کا ثبوت حدیث کے ان الفاظ سے ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلاً اِبْتَاعَ غُلَاماً فَاَقَامَ عِنْدَهٗ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يُقِيْمَ ثُمَّ وَجَدَ بِهٖ عَيْباً فَخَاصَمَهٗ اِلَى النَّبِيِّ فَرَدَّهٗ عَلَيْهِ. (ابو داؤد باب فیمن اشتری عبداًفاستعمله ۲/۴۹۵)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا پھر اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرا رہا پھر اس میں عیب پایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا لے گیا تو غلام کو بائع پر واپس کر دیا گیا

(۱/۸۶۸) اِذَا اطَّلَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلٰی عَيْبٍ فِی الْمَبِيْعِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهٗ وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يُمْسِكَهٗ وَيَاخُذُهُ النُّقْصَانَ.

حل لغت: یمسکه: فعل مضارع، مصدر امساکاً باب افعال روکنا۔

ترجمہ: جب مطلع ہو جائے مشتری کسی عیب پر مبیع میں تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن سے اس کو لے لے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کر دے اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ مبیع کو روک لے اور نقصان لے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا یہ سمجھ کر کہ اس میں عیب نہیں ہے بعد میں عیب کا پتہ

چلاتو مشتری کو اختیار ہے جی چاہے تو اس کو پورے ثمن کے بدلے لے اور جی چاہے تو پوری مبیع واپس کر دے لیکن یہ نہیں ہوگا کہ مبیع رکھ لے اور بائع سے ثمن کی وہ مقدار واپس لے لے جو عیب کی وجہ سے کم ہوگئی ہے مثلاً مبیع غیر معیب کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے اور معیب کی قیمت آٹھ سو روپیہ ہے تو مقدار نقصان دو سو روپیہ کہلائیں گے مشتری پوری مبیع اس وقت واپس کر سکتا ہے جب خریدتے وقت اس عیب کو نہ دیکھا ہو اور اس عیب پر راضی نہ ہوا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایسا عیب ہو جس کو تجار عیب کہتے ہیں تب عیب کے ماتحت واپس کر سکتا ہے مبیع واپس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشتری کا حق ضائع ہوا اس لئے مبیع واپس کر کے اپنا پورا حق وصول کرے گا نقصان وصول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عیب ایک صفت ہے اور صفت کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے عیب کے لئے الگ سے قیمت نہیں دی جائے گی۔

(۲/۸۶۹) وَكُلُّ مَا اَوْجَبَ نُقْصَانَ الثَّمَنِ فِي عَادَةِ التُّجَّارِ فَهُوَ عَيْبٌ

ترجمہ: اور ہر وہ عیب جو ثمن کا نقصان واجب کرتا ہو تاجروں کی عادت میں وہ عیب ہے

تشریح: تاجر جس کو عیب کہتے ہیں اور جس عیب کی وجہ سے قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہے وہ عیب ہے اصل میں عیب میں وہاں کے محاورے کا اعتبار ہے

(۳/۸۷۰) وَالْاِبَاقُ وَالْبَوْلُ فِي الْفِرَاشِ وَالسَّرَقَةُ عَيْبٌ فِي الصَّغِيْرِ مَالَمْ يَبْلُغْ فَاِذَا بَلَغَ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِعَيْبٍ حَتّٰى يُعَاوِدَهُ بَعْدَ الْبُلُوْغِ.

حل لغات: الاباق: مصدر باب (س) بھاگنا۔ البول: مصدر باب (ن) پیشاب کرنا۔ السرقة: مصدر باب (ض) چرانا۔ یعاوده: فعل مضارع باب مفاعلة امر اول کی طرف واپس آنا، دوبارہ ظاہر ہونا۔

ترجمہ: بھاگنا اور بستر پر پیشاب کرنا اور چوری کرنا عیب ہے بچہ میں جب تک بالغ نہ ہو پھر جب بالغ ہو جائے تو یہ عیب نہیں ہے یہاں تک کہ بالغ ہو جانے کے بعد دوبارہ کرے۔

چند عیوب کا بیان

تشریح: غلام کا بھگوڑا ہونا، مدت سفر کے برابر بھی عیب ہے اور مدت سفر سے کم بھی کیونکہ دونوں صورتوں میں آقا کے منافع فوت ہو جاتے ہیں۔ بچہ کا بستر پر پیشاب کرنا اسی وقت عیب شمار ہوگا جب کہ بچہ اتنا سمجھدار ہو کہ وہ اکیلا کھا پی سکتا ہو اور اگر اتنا سمجھدار نہ ہو تو اس کا بستر پر پیشاب کرنا عیب شمار نہ ہوگا۔ چوری کرنا دس درہم ہو یا اس سے کم دونوں صورتوں میں عیب ہے۔

اس عبارت میں امام قدوری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بچپن کے زمانے میں بھاگنا، پیشاب کرنا، چوری کرنا کسی اور وجہ سے ہوتے ہیں اور بالغ ہونے کے بعد کسی اور وجہ سے، اس لئے اگر مذکورہ چیزیں بچپن کے زمانے میں پائی گئیں

اور مشتری نے بچپنے ہی میں خرید لیا پھر بالغ ہونے کے بعد یہ تمام عیوب ظاہر ہوئے تو ان عیوب کی وجہ سے مشتری مبیع بائع کو واپس نہیں کرسکتا کیونکہ مشتری کے یہاں نئے عیوب ظاہر ہوئے ہیں بائع کے یہاں کے نہیں ہیں۔

بچپن کے زمانہ میں بستر پر پیشاب کرنا مثانہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے اور بالغ ہونے کے بعد پیٹ کی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے، بچپن میں بھاگنا کھیل کود سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور بالغ ہونے کے بعد سمجھدار ہوگیا ہے اب بھاگنا خباثت کی وجہ سے ہے، بچپن میں چوری لاپرواہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور بالغ ہونے بعد فطری گندگی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۴/۸۷۱) وَالْبَخَرُ وَالذَّفَرُ عَيْبٌ فِي الْجَارِيَةِ وَلَيْسَ بِعَيْبٍ فِي الْغُلَامِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مِنْ دَاءٍ.

حل لغات: البخر: منھ کی بدبو، باب (س) مصدر بخر اً گندہ دہن ہونا۔ الذفر: بغل کی بدبو۔ داء: بیماری

ترجمہ: منھ کی بدبو اور بغل کی بدبو عیب ہے باندی میں اور نہیں ہے عیب غلام میں مگر یہ کہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ منھ کی بدبو اور بغل کی بدبو باندی میں عیب شمار ہوگی لیکن غلام میں نہیں کیونکہ باندی کے ساتھ آقا رات گزارے گا اور کبھی کبھی بوس وکنار اور جماع بھی کرنا مقصود ہوتا ہے چنانچہ اگر باندی میں یہ چیزیں ہونگی تو رات گزارنا مشکل ہوگا اور نفع اٹھانے سے محروم رہے گا اس لئے باندی میں یہ عیب ہے ان کی وجہ سے باندی کو واپس کرسکتا ہے البتہ غلام کے ساتھ رات گزارنا نہیں ہے بلکہ اس سے خدمت لینا ہے اور یہ بدبو اس مقصد میں مخل نہیں ہوگی اس لئے اس میں بدبو ہو تو کوئی حرج نہیں ہاں اگر بیماری کی وجہ سے ہو تو بیماری خود عیب ہے اس لئے بیماری کی وجہ سے غلام واپس کرسکتا ہے۔

(۵/۸۷۲) وَالزِّنَا وَوَلَدُ الزِّنَا عَيْبٌ فِي الْجَارِيَةِ دُوْنَ الْغُلَامِ.

ترجمہ: اور زنا اور حرامی ہونا باندی میں عیب ہے غلام میں نہیں

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ باندی کا زانیہ ہونا اور اس کا زنا کے نطفہ سے پیدا ہونا دونوں باتیں باندی میں عیب ہیں اور غلام میں دونوں باتیں عیب نہیں ہیں۔ باندی میں عیب اس لئے ہے کہ زنا والی عورت ہوگی تو اس سے جو نسل چلے گی وہ خراب عادت کی ہوگی اور باندی سے نسل بڑھانا ہے تو گویا خراب عادت ڈالنے والی عورت آگئی اس لئے باندی میں زنا کار ہونا عیب ہے، اسی طرح باندی تو خود زنا کار نہیں ہے لیکن اس کی ماں نے زنا کر کے اس کو پیدا کیا ہے اور یہ باندی حرامی ہے اب اس سے جو نسل ہوگی وہ بھی حرامی اور عیب دار کہلائے گی اس لئے باندی میں زنا کار ہونا حرامی ہونا عیب ہے۔ غلام سے نسل بڑھانا نہیں ہے بلکہ غلام سے مقصود خدمت لینا ہے اس لئے اس میں یہ دونوں باتیں عیب نہیں ہیں ہاں غلام زنا میں اتنا مشغول ہے کہ خدمت کرنے میں خلل انداز ہوتا ہے تو پھر یہ عیب شمار ہوگا کیونکہ اس عادت

کی وجہ سے یہ غلام عورتوں کے چکر میں پڑا رہے گا تو آقا کی خدمت کیا خاک کرے گا اس لئے اس عیب کے تحت بائع کو واپس کیا جائے گا

(۶/۸۷۳) وَاِذَا حَدَثَ عِنْدَ الْمُشْتَرِیْ عَیْبٌ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ عِنْدَ الْبَائِعِ فَلَهٗ اَنْ یَّرْجِعَ بِنُقْصَانِ الْعَیْبِ وَلَا یَرُدَّهُ الْمَبِیْعَ اِلَّا اَنْ یَّرْضَی الْبَائِعُ اَنْ یَّأْخُذَهٗ بِعَیْبِهٖ.

ترجمہ: اور جب پیدا ہو جائے مشتری کے پاس کوئی عیب پھر وہ مطلع ہو اس عیب پر جو بائع کے پاس تھا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ رجوع کرے عیب کی کمی کا اور واپس نہیں کر سکتا مبیع کو مگر یہ کہ راضی ہو بائع، اس کو بعینہ واپس لینے پر۔

تشریح: مشتری نے مبیع خریدی پھر اس کے یہاں نیا عیب پیدا ہو گیا بعد میں پتہ چلا کہ بائع کے یہاں بھی ایک عیب تھا تو اب دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ صحیح سالم مبیع اور عیب دار مبیع کے درمیان جو فرق ہے وہ فرق بائع سے وصول کرے اور مبیع اپنے پاس رکھ لے مثلاً عیب قدیم سے سلامتی کی صورت میں مبیع کی قیمت دس روپیہ ہیں اور عیب قدیم کے ساتھ آٹھ روپیہ تو دو روپیہ نقصان عیب کہلائے گا اور مشتری کو بائع سے دو روپیہ لینے کا اختیار ہوگا دوسری صورت یہ ہے کہ اگر بائع راضی ہو تو نئے عیب کے باوجود مبیع کو واپس کر دے لیکن اس صورت میں اس عیب دار مبیع کو لینے کے لئے بائع کا راضی ہونا ضروری ہے کیونکہ مشتری کے یہاں بھی ایک عیب پیدا ہو چکا ہے۔

(۷/۸۷۴) وَاِنْ قَطَعَ الْمُشْتَرِیْ الثَّوْبَ وَخَاطَهٗ اَوْ صَبَغَهٗ اَوْلَتَّ السَّوِیْقَ بِسَمْنٍ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهٖ وَلَیْسَ لِلْبَائِعِ اَنْ یَّأْخُذَهٗ بِعَیْنِهٖ.

حل لغات: خاطه: باب (ض) مصدر خیطاً بمعنی سینا۔ صبغه: باب (ن ض ف) مصدر صبغاً بمعنی رنگنا۔ لت السویق: ستو کو پانی سے تر کرنا، ستو میں گھی ملانا۔ سمن: گھی جمع اَسْمُنٌ۔

ترجمہ: اور اگر مشتری کپڑا کاٹ دے اور اس کو سی لے یا رنگ دے یا ستو کو گھی میں ملا دے پھر عیب پر مطلع ہو تو اس کے نقصان کا رجوع کرے گا اور بائع کے لئے جائز نہیں ہے کہ بعینہٖ مبیع کو لے لے۔

تشریح: اس مسئلہ کا دارومدار اس قاعدہ پر ہے کہ مشتری کے پاس جانے کے بعد مبیع میں ایسی زیادتی ہوگئی جو مبیع سے الگ نہیں ہو سکتی اگر مبیع کو واپس کرتے ہیں تو زیادتی کے ساتھ واپس ہوتی ہے اس صورت میں سود کا شبہ ہے کہ بائع نے سود لیا اس لئے یہی ایک صورت ہے کہ صحیح سالم اور عیب دار مبیع میں جو فرق ہے وہ وصول کرے اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے خرید کردہ کپڑا کاٹ کر سی لیا تو کپڑے میں زیادتی ہوگئی یا رنگ دیا تو زیادتی ہوگئی یا ستو کو گھی میں ملا دیا تو ستو میں ایسی زیادتی ہوگئی کہ الگ نہیں ہو سکتی اس لئے نقصان کا رجوع کرے گا اور بائع اس مبیع کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا اگرچہ بائع اور مشتری دونوں مبیع کی واپسی پر رضامند بھی ہوں کیونکہ اس مبیع میں زیادتی ہوگئی اب اگر اس کو واپس کریگا تو

زیادتی کی وجہ سے ربٰو اور سود کا شائبہ ہوگا اس لئے واپس نہیں لے سکتا۔

(۸/۸۷۵) وَمَنِ اشْتَرىٰ عَبْداً فَاَعْتَقَهُ اَوْ مَاتَ عِنْدَهُ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلىٰ عَيْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهِ.

ترجمہ: کسی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کردیا یا وہ اس کے پاس مرگیا پھر مطلع ہوا کسی عیب پر تو عیب کا نقصان لے سکتا ہے۔

خیارِ عیب کے باقی مسائل

تشریح: اگر کسی نے غلام خرید کر آزاد کردیا یا غلام مشتری کے پاس آکر مرگیا پھر مشتری اس عیب پر مطلع ہوا جو بائع کے یہاں پیدا ہوا تھا تو اس صورت میں مشتری اپنے بائع سے نقصان عیب لے سکتا ہے غلام مرجانے کی صورت میں تو اسلئے کہ مشتری غلام کو واپس نہیں کرسکتا لیکن مشتری کا حق بائع کے پاس رہ گیا جس کو واپس کرنا ہے تو یہی صورت ہوسکتی ہے کہ نقصان کا رجوع کرے اور مشتری نے کہیں جان بوجھ کر مارا ہے کہ یہ کہہ سکے کہ مشتری اس عیب پر راضی تھا بلکہ قدرتی طور پر مرا اس لئے رجوع بالنقصان کرے گا ایسے ہی اگر غلام آزاد کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

دلیل: عَنِ الشَّعْبِي اَنَّ رَجُلاً اِبْتَاعَ عَبْداً فَاَعْتَقَهُ وَوَجَدَ بِهٖ عَيْباً فَقَالَ يُرَدُّ عَلىٰ صَاحِبِهٖ فَضْلُ مَا بَيْنَهُمَا. (مصنف عبدالرزاق ۸/۱۶۴)

حضرت شعبی سے منقول ہے کہ کسی آدمی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کردیا بعد میں اس میں عیب پایا فرمایا بائع پر دونوں کے درمیان فرق لوٹایا جائے گا (صحیح اور عیب دار کے درمیان قیمت کا جو فرق ہو وہ بائع سے لیا جائے گا)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے کے بعد عیب کا پتہ چلا تو نقصان وصول کرے گا۔

(۹/۸۷۶) فَاِنْ قَتَلَ الْمُشْتَرِيْ الْعَبْدَ اَوْ كَانَ طَعَاماً فَاَكَلَهُ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلىٰ عَيْبِهٖ لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يَرْجِعُ بِنُقْصَانِ الْعَيْبِ.

ترجمہ: پس اگر قتل کردیا مشتری نے غلام کو یا مبیع کھانا تھا اس کو کھا گیا پھر مطلع ہوا اس کے عیب پر تو کچھ بھی رجوع نہیں کریگا بائع پر امام ابوحنیفہ کے قول میں اور صاحبین نے فرمایا کہ عیب کا نقصان لے سکتا ہے

تشریح: ایک شخص نے غلام خرید کر اس کو قتل کردیا پھر غلام کے اندر ایسے عیب پر واقف ہوا جو عیب بائع کے پاس پیدا ہوا تھا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بائع سے مشتری کو نقصان عیب واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا۔

دلیل: قتل کرنا اس بات پر دلیل ہوسکتا ہے کہ وہ اس عیب سے راضی تھا اس لئے نقصان لے سکتا ہے اس عبارت میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کھانے کی کوئی چیز خرید کر اس کو کھا ڈالا پھر عیب پر مطلع ہوا تو امام صاحب

کے نزدیک بائع سے نقصان وصول نہیں کرے گا کیونکہ جب اس نے خود کھالیا تو اب اگر بائع اس مبیع کو واپس مانگے تو مشتری نہیں دے سکے گا اور یہ مشتری کے کرتوت سے ہوا تو گویا مشتری کے عمل نے مبیع کو واپس نہیں ہونے دیا اس لئے مشتری کو نقصان لینے کا حق نہیں ہوگا صاحبین فرماتے ہیں کہ نقصان لے گا کیونکہ مشتری کو کیا معلوم کہ مبیع میں عیب تھا اس لئے وہ عیب سے راضی نہیں تھا۔

نیز حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے باندی خریدی اور اس سے صحبت کی پھر اس میں عیب پایا تو فرمایا کہ باندی مشتری کو لازم ہوگئی اور بائع تندرست اور عیب کے درمیان جو فرق ہے وہ واپس کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۵۲/۸)

(۸۷۷/۱۰) وَمَنْ بَاعَ عَبْداً فَبَاعَهُ ثُمَّ رُدَّ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ فَاِنْ قَبِلَهُ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ فَلَهُ اَنْ يَرُدَّهُ عَلٰى بَائِعِهِ الاَوَّلِ وَاِنْ قَبِلَهُ بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِيْ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَرُدَّهُ عَلٰى بَائِعِهِ الاَوَّلِ۔

ترجمہ: کسی نے غلام بیچا پھر اس غلام کو خریدار نے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا پھر مشتری کو واپس کردیا گیا عیب کی وجہ سے پس اگر خریدار نے اس غلام کو قاضی کے فیصلہ سے قبول کیا ہو تو اس کو حق ہے کہ اس غلام کو بائع اوّل کو واپس کردے اور اگر اس کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر قبول کیا تو مشتری کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس کو بائع اوّل پر واپس کرے۔

تشریح: ایک شخص (رحیم) نے اپنا غلام فروخت کیا پھر مشتری (زید) نے غلام پر قبضہ کرکے کسی دوسرے (خالد) کو فروخت کردیا پھر مشتری ثانی (خالد) نے غلام کے اندر موجود عیب کی وجہ سے اس کو مشتری اول (زید) کی طرف واپس کردیا تو مشتری اول (زید) بائع اول (رحیم) کو واپس کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر زید نے عیب کا انکار کیا مشتری ثانی خالد نے مدعی ہونے کی حیثیت سے زید کے اقرار عیب پر گواہ پیش کردیئے قاضی نے عیب کے ثبوت کی وجہ سے غلام کو واپس کرنے کا فیصلہ دیا جس سے مجبور ہوکر زید نے غلام کو قبول کیا تو اس صورت میں زید کو حق ہے کہ اس عیب کی وجہ سے بائع اول رحیم کی طرف واپس کردے۔

دلیل: قاضی نے جب غلام واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو زید اور خالد کے درمیان کی بیع بالکل ختم ہوگئی گویا کہ کوئی بیع ہوئی ہی نہیں اور زید نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے غلام (رحیم) کو واپس کرنا مشکل ہو اس لئے مشتری (زید) بائع اول (رحیم) کی طرف مبیع واپس کردے گا اور اگر زید نے خالد سے غلام قاضی کے فیصلہ کے بغیر لیا تو زید اور خالد کے درمیان بیع بالکل ختم نہیں ہوئی اس کے اثرات باقی ہیں اور وہ یہ ہے کہ زید کے بیچنے کی وجہ رحیم کو واپس کرنا مشکل ہوگیا کیونکہ مشتری اول زید نے اس غلام کو بغیر قاضی کے فیصلہ کے قبول کیا ہے اس لئے عیب پر زید کی رضامندی ظاہر بھی ہوگئی ہے اور جب زید غلام کے عیب پر راضی ہوگیا تو اب اس کو اپنے بائع کی طرف واپس کرنے کا حق نہ ہوگا اور نہ نقصان عیب لینے کا اختیار ہوگا۔

(۸۷۸/۱۱) وَمَنِ اشْتَرٰى عَبْداً وَشَرَطَ الْبَائِعُ الْبَرَاءَةَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّرُدَّهُ بِعَيْبٍ جُمْلَةَ الْعُيُوْبِ وَلَمْ يَعُدَّهَا۔

ترجمہ: کسی نے غلام خریدا اور شرط لگائی بائع نے ہر عیب سے بری ہونے کی تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ واپس کردے اس کو عیب کی وجہ سے چاہے تمام عیبوں کا نام نہ لیا ہو اور نہ ان کو گنوایا ہو۔

تشریح: کسی نے غلام بیچا اور مشتری سے کہا کہ مبیع دیکھ لو میں تمام عیوب سے بری ہوں پھر واپس نہیں کرونگا بائع نے ہر ہر عیب کو نہ گنوایا اور نہ تمام عیوب کا نام لیا مشتری نے اس شرط کو قبول کر لیا تو اب بائع تمام عیوب سے بری ہوگا اور مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے بائع کو واپس نہیں کرسکتا۔

دلیل: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهُ كَانَ يَرىٰ الْبَرَاءَةَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ جَائِزاً.
یعنی حضرت زید بن ثابت تمام عیوب سے براءت کو جائز سمجھتے تھے۔ (سنن للبیہقی ۵/۵۳۶)

امام شافعی کے نزدیک جن جن عیوب کا نام لے گا انھیں عیوب سے بری ہوگا اور جن عیوب کا نام نہیں لیگا ان عیوب سے بائع بری نہیں ہوگا ان عیوب کی وجہ سے مشتری کو مبیع لوٹانے کا حق ہوگا۔

دلیل: عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ فِي الرَّجُلِ يَبِيْعُ السِّلْعَةَ وَيَبْرَءُ مِنَ الدَّاءِ قَالَ هُوَ يَرىٰ مِمَّا سَمّٰى. (بیہقی ۵/ ۵۳۷)

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا جو آدمی سامان فروخت کرتا ہو اور بیماری سے براءت لیتا ہو تو جن جن عیوب کا نام لیا ہو ان عیوب سے بری ہوگا۔

باب البیع الفاسد

(یہ باب بیع فاسد کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: بیع صحیح کی دونوں قسموں لازم اور غیر لازم کے بیان سے فارغ ہو کر اس باب میں بیع غیر صحیح کے احکام ذکر کر رہے ہیں بیع صحیح چونکہ اصل ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا ہے، اور بیع غیر صحیح بعد میں۔

بیع غیر صحیح کی چار قسمیں ہیں (۱) بیع باطل (۲) بیع فاسد (۳) بیع موقوف (۴) بیع مکروہ۔

باطل باب (ن) سے (م) بطلان بیکار ہونا۔

بیع باطل وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے مشروع نہ ہو یعنی اس بیع کا وجود ہی نہیں ہے جیسے کوئی آزاد کو بیچ دے تو آزاد مال نہیں ہے اس لئے یہ بیع ہوگی ہی نہیں اس کا حکم یہ ہے کہ نہ بائع اس ثمن کا مالک ہوگا جو مشتری سے لیا ہے اور نہ مشتری مبیع کا مالک ہوگا کیونکہ یہ بیع سرے سے ہوئی ہی نہیں۔

بیع فاسد: فاسد فساد سے مشتق ہے خراب ہونا بگڑ جانا، بیع فاسد وہ ہے جو ذات کے اعتبار مشروع ہو لیکن وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو جیسے گھر فروخت کرے اور کہے کہ دو ماہ تک اس میں رہوں گا تو یہ بیع شرط فاسد لگانے

کی وجہ سے فاسد ہوگی اس کا حکم یہ ہے کہ حتی الامکان: اس بیع کو توڑ دینا چاہئے لیکن بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور بیع کو بحال رکھا اور کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا تو کراہیت کے ساتھ اس بیع کو جائز قرار دیں گے اور مشتری مبیع کا مالک بن جائے گا اور بائع ثمن کا مالک ہو جائے گا۔

نسبت: فاسد اور باطل میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے یعنی فاسد کا اطلاق فاسد اور باطل دونوں پر ہوتا ہے اور باطل کا اطلاق صرف باطل پر ہوتا ہے ہر باطل فاسد ہے لیکن ہر فاسد باطل نہیں ہے۔

(الجوہرۃ النیرۃ، ۱/۲۴۴)

بیع موقوف: وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے درست ہو مگر اس کا نفاذ عاقدین کے علاوہ کسی تیسرے کی اجازت پر منحصر ہو جیسے کسی نے دوسرے کا غلام اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا اس کا حکم یہ ہے کہ اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی وہ اگر اجازت دیدے تو درست ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

بیع مکروہ: وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے درست مشروع ہو مگر کسی دوسری چیز کے اتصال کی وجہ سے ممنوع ہو جیسے اذانِ جمعہ کے بعد فروخت کرنا۔

(۱/۸۷۹) اِذَا كَانَ اَحَدُ الْعِوَضَيْنِ اَوْ كِلَاهُمَا مُحَرَّماً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ كَالْبَيْعِ بِالْمَيْتَةِ اَوْ بِالدَّمِ اَوْ بِالْخَمْرِ اَوْ بِالْخِنْزِيْرِ.

حل لغات: فاسد، لغۃً، فسادٌ سے مشتق ہے، بگڑ جانا خراب ہو جانا، المیتۃ، مردار، جمع میتاتٌ، الخمر، انگوری شراب، ہر نشیلی چیز۔

ترجمہ: جب ہوں عوضین میں سے ایک یا دونوں حرام چیزیں تو بیع فاسد ہے جیسے بیع مردار کے بدلے یا خون کے بدلے یا شراب کے بدلے یا خنزیر کے بدلے۔

تشریح: صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ مبیع یا ثمن یا دونوں اگر شرعاً حرام ہوں تو بیع فاسد ہے جیسے مردار یا خون یا شراب یا خنزیر کو ثمن بنایا ہو امام قدوریؒ نے ان تمام صورتوں کو بیع فاسد قرار دیا ہے حالانکہ ان میں بعض بیع فاسد ہیں اور بعض باطل صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر مردار یا خون یا آزاد آدمی کو ثمن بنایا اور کپڑے وغیرہ کسی چیز کو مبیع بنایا تو ان صورتوں میں بیع باطل ہوگی کیونکہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں اور بیع کا رکن مبادلۃ المال بالمال ہے چنانچہ بیع کا رکن ختم ہو گیا اس لئے مذکورہ صورتوں میں بیع باطل ہوگی اور اگر شراب یا خنزیر کو ثمن بنایا گیا تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ شراب اور خنزیر اہل ذمہ کے نزدیک مال شمار ہوتے ہیں لہٰذا مبادلہ المال بالمال پائے جانے کی وجہ سے بیع کی حقیقت پائی گئی لیکن مسلمان شراب اور خنزیر کے نہ سپرد کرنے پر قادر ہے اور نہ قبضہ کرنے پر قادر ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

(۲/۸۸۰) وَكَذٰلِكَ اِذَا كَانَ الْمَبِيْعُ غَيْرَ مَمْلُوْكٍ كَالْحُرِّ وَبَيْعُ اُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ فَاسِدٌ.

ترجمہ: اور ایسے ہی جب مبیع مملوک نہ ہو جیسے آزاد ام ولد، مدبر، مکاتب کی بیع فاسد ہے۔

تشریح: ام ولد، وہ باندی ہے جس کے ساتھ اس کے آقا نے صحبت کی ہو اور اس کے نتیجہ میں اس نے بچہ جنا ہو یہ باندی آقا کے انتقال کے بعد فوراً آزاد ہو جائے گی۔

مدبر: مدبر کی دو قسمیں ہیں (۱) مدبر مطلق (۲) مدبر مقید

مطلق: مدبر مطلق وہ ہے کہ آقا نے یہ کہہ دیا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔

مقید: مدبر مقید وہ ہے کہ آقا نے اس کی آزادی کسی مخصوص موت پر معلق کر دی مثلاً یہ کہہ دیا کہ اگر میں اس بیماری میں مر گیا جس میں مبتلا ہوں تو تو آزاد ہے۔

مکاتب: وہ ہے کہ آقا نے اس سے یہ کہہ دیا کہ تم ایک ہزار روپئے ادا کر دو تو تم آزاد ہو ان اصطلاحات کو سمجھنے کے بعد مسئلہ سمجھئے۔

وہ یہ کہ امام قدوری کے بقول ام ولد، مدبر، اور مکاتب کی بیع فاسد ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں فاسد سے مراد باطل ہے یعنی مذکورہ اشخاص کی بیع باطل ہے تفصیل یہ ہے کہ (۱) آزاد آدمی کی بیع کرے تو آزاد مملوک ہی نہیں ہے اس لئے اس کی بیع باطل ہے دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے کہا قیامت کے دن تین آدمیوں کا خصم ہوں گا ایک وہ آدمی جس نے مجھے عہد دیا اور دھوکہ دیا دوسرے وہ جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ تیسرے وہ آدمی جس نے کسی کو مزدوری پر رکھا اس سے پورا کام کرایا اور اس کو اس کی مزدوری نہیں دی۔

(بخاری ۱/ ۲۹۷ باب اثم من باع)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد آدمی کو بیچنا حرام ہے اور اس کا ثمن کھانا بھی حرام ہے (۲) ام ولد میں آزادی کا شائبہ آچکا ہے وہ مولیٰ کے مرتے ہی آزاد ہو جائے گی اس لئے ام ولد کا بیچنا جائز نہیں ہے وہ گویا کہ مال ہی نہیں ہے۔

(۳) مدبر مقید کی بیع تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے البتہ مدبر مطلق، کی بیع میں فقہاء کا اختلاف ہے شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ (مزید تفصیل باب التدبیر مسئلہ (۲) کے تحت ملاحظہ فرمائیں)

(۴) مکاتب کو بیچنا اس لئے جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے کچھ بدل کتابت ادا کر کے مولیٰ سے آزاد ہونے کا پروانہ اور عہد لے لیا ہے اب اگر اس کو بیچ دیا جائے تو عہد کے خلاف ہوگا اور آزادگی کا شائبہ ختم ہو جائے گا اس لئے مکاتب کو بیچنا جائز نہیں ہاں اگر وہ خود راضی ہو کہ مجھے بیچ دیا جائے اور مکاتبت توڑ دی جائے تو اس کو بیچا جا سکتا ہے۔

(۳/۸۸۱) وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ السَّمَكِ فِيْ الْمَاءِ قَبْلَ اَنْ يَصْطَادَهُ وَلَابَيْعُ الطَّائِرِ فِي الْهَوَاءِ

حل لغات: السمك، مچھلی جمع اسماك، يصطاده، باب افتعال سے مصدر اصطياداً شکار کرنا الهواء فضاء۔

ترجمه: اور نہیں جائز ہے مچھلی کی بیع پانی میں اس کو شکار کرنے سے پہلے، اور نہ پرندے کی بیع فضاء میں

مبیع قبل القبض فروخت کرنا جائز نہیں

تشریح: مبیع اگر مال تو ہے مگر اپنے قبضہ میں نہیں ہے کہ فوراً مشتری کے حوالے کر سکے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ مچھلی پانی میں ہے ابھی اس کا شکار نہیں کیا ہے اسی طرح پرندہ ہوا میں ہے اس کا شکار نہیں کیا ہے یا وہ قبضہ میں نہیں ہے تو اس کی بیع کرنا فاسد ہے کیونکہ اس کو حوالے کرنا مشکل ہے مگر چونکہ مچھلی اور پرندہ مال ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی لیکن اگر ان پر قبضہ کر کے بعد میں مشتری کے حوالے کر دیا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور خریدار نے قبول کر لیا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

(۴/۸۸۲) وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ الْحَمْلِ فِي الْبَطْنِ وَلَاالنِّتَاجِ.

حل لغات: الحمل: پیٹ کا بچہ جمع حِمَالٌ. النتاج: حمل کا جو بچہ ہو، یعنی حمل کا حمل۔

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے حمل کی بیع پیٹ میں اور نہ حمل کے حمل کی بیع

حمل کی اور حمل کے حمل کی بیع جائز نہیں

تشریح: ابھی حمل پیٹ میں ہو اور اس کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے مثلاً بائع کہے کہ اس بھینس کے پیٹ میں جو بچہ ہے میں نے پانچ سو روپیہ میں بیچ دیا مشتری نے قبول کر لیا تو یہ بیع باطل ہے اسی طرح حمل میں جو بچہ ہے اس بچہ کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے مثلاً خریدار کہے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں اگر مادہ بچہ ہو اور وہ بڑا ہو کر بچہ جنے وہ میں نے خرید لیا بائع نے اس کو منظور کر لیا یہ بیع بھی باطل ہے۔

دلیل: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْحَبْلَةِ وَكَانَ بَيْعاً يَتَبَاعَهُ الْجَاهِلِيَّةُ (بخاری ۱/ ۲۸۷ باب بیع الغرر و حبل الحبلة)

آپ نے حمل کے بچہ کی بیع سے منع کیا جاہلیت کے لوگ ایسی بیع کیا کرتے تھے لوگ اس طرح بیع کرتے تھے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ جب بچہ جنے اس کی بیع کرتا ہوں۔

اس حدیث میں حمل اور حمل کے بچہ کو بیچنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

(۵/۸۸۳) وَلَا الصُّوْفِ عَلٰى ظَهْرِ الْغَنَمِ.

حل لغات: الصوف: اون جمع اصواف. ظهر: پیٹھ۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے اون کا بیچنا بکری کی پیٹھ پر

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ بکری اور بھیڑ کی پیٹھ پر اون کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کاٹنے کی جگہ متعین نہیں ہے اس میں جھگڑا ہو سکتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے نیز حدیث میں بھی ممانعت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک طویل روایت ہے جسے علامہ بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں دارقطنی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس کے اندر ہے وَلَایُبَاعُ صُوْفٌ عَلٰی ظَهْرٍ . (عینی ۳/۸۵) اور نہ بیچا جائے اون کو پیٹھ پر

(۶/۸۸۴) وَلَابَیْعُ اللَّبَنِ فِی الضَّرْعِ.

لغت: الضرع: جمع ضروع تھن۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے دودھ کی بیع تھن میں

تشریح: تھن کے دودھ کا فروخت کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے اور دھوکہ اس وجہ سے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ تھن ہوا کی وجہ سے پھولا ہو مشتری اس کو دودھ خیال کرے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ دوہنے کی کیفیت میں جھگڑا ہوگا کیونکہ خریدار چاہے گا کہ ایک ایک قطرہ نچوڑلوں اور بائع چاہے گا کہ تھنوں میں کچھ دودھ باقی رہنا چاہئے۔

(۷/۸۸۵) وَلَایَجُوْزُ بَیْعُ ذِرَاعٍ مِّنْ ثَوْبٍ وَلَابَیْعُ جِذْعٍ مِنْ سَقْفٍ.

لغات: ذراع: گز۔ جذع: شہتیر جو چھت میں لگی ہوتی ہے وہ ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے۔ سقف: چھت۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے گز کی بیع تھان میں سے اور نہ شہتیر کی بیع چھت میں سے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی ایسے کپڑے سے ایک گز کا بیچنا جس سے کاٹنا مضر ہو جائز نہیں ہے خواہ دونوں نے کاٹنے کی جگہ کا ذکر کردیا ہو یا نہ کیا ہو یہ مسئلہ اس قاعدہ پر ہے کہ مبیع بائع کے مال کے ساتھ ملی ہوئی ہو اس لئے مبیع کو الگ کرنے میں بائع کے مال کا نقصان ہوتا ہو جیسے ایک گز کو تھان سے کاٹنے میں باقی تھان کا نقصان ہے کیونکہ وہ کسی کام کا نہیں رہے گا اس لئے یہ بیع فاسد ہے لیکن اگر گز کو الگ کرنے میں تھان کا نقصان نہیں ہے جیسا کہ اس زمانے میں ہوتا ہے تو ایک دو گز کی بیع جائز ہوگی اسی طرح شہتیر چھت میں لگا ہوا ہے اس کو نکالنے سے پوری چھت کے گرنے یا کمزور ہونے کا خطرہ ہے تو ایسے شہتیر کی بیع جائز نہ ہوگی۔

(۸/۸۸۶) وَضَرْبَةِ الْقَانِصِ.

حل لغات وترکیب: اس عبارت کا عطف ماقبل میں مذکور لفظ جذع پر ہے اصل عبارت یوں ہے ولا یجوز بیع ضربة القانص، القانص: اسم فاعل باب (ض) مصدر قَنْصاً پرندہ کا شکار کرنا۔ ضربۃ القانص سے مراد ایک مرتبہ جال پھینکنے سے جو شکار آئے۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے جال کا ایک پھینک۔

تشریح: ایک شخص نے یوں کہا کہ ایک مرتبہ پانی میں جال پھینکتا ہوں اس میں جتنی مچھلی آجائے ان کی قیمت سو روپیہ ہوگی تو اس طرح کی بیع جائز نہیں ہے۔

دلیل: اس صورت میں مبیع مجہول ہے معلوم نہیں کتنی مچھلی جال میں آئے یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بھی مچھلی نہ آئے بلکہ جال میں سانپ بچھو وغیرہ پھنس جائے اس لئے یہ بیع جائز نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۸۶)

(۹/۸۸۷) وَلَا بَیْعُ الْمُزَابَنَةِ وَهُوَ بَیْعُ الثَّمرِ عَلَی النَّخلِ بِخَرْصِه.

لغات: المزابنة: باب مفاعلة کا مصدر ہے ایک دوسرے کو ہٹانا، ایک دوسرے سے ٹکرانا، درخت پر پھل بیچنا۔ النخل: کھجور کا درخت۔ خرص: اندازہ

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع مزابنہ اور وہ بیچنا ہے درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے عوض اندازہ کر کے۔

بیع مزابنہ کا عدم جواز

تشریح: کھجور کے درخت پر کھجور لگی ہوئی ہو ان کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے عوض میں بیچے تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ ٹوٹی ہوئی کھجور کا وزن ممکن ہے اور درخت پر لگی ہوئی کھجور کا وزن ممکن نہیں ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ جب کھجور کی بیع کھجور سے ہو تو اس صورت میں برابری ضروری ہے تفاضل حرام ہے اور انکل اور اندازے سے بیچنے کی صورت میں مساوات کا پایا جانا یقینی نہیں بلکہ کمی زیادتی کا احتمال باقی رہے گا اور اموال ربویہ میں کمی زیادتی کے احتمال کے ساتھ بیع کرنا حرام ہے۔

امام شافعی کا مذہب

امام شافعی پانچ وسق سے کم میں بیع مزابنہ کرنے کو عرایا کہتے ہیں جو کہ جائز ہے اور اگر پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو تو وہ مزابنہ ہے اور حرام ہے لہٰذا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو پانچ وسق سے کم کھجوروں کے عوض فروخت کرتا ہے تو یہ جائز ہے یہ بیع عرایا ہے گویا ان کے نزدیک عرایا اور مزابنہ میں فرق صرف یہ ہے کہ مزابنہ پانچ وسق سے زیادہ میں ہوتی ہے اور عرایا پانچ وسق سے کم میں ہوتی ہے۔

دلیل: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِی بَیْعِ الْعَرَایَا فِی خَمْسَةِ اَوْسُقٍ اَوْ دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ قَالَ نَعَمْ. (بخاری ص: ۲۹۲ باب بیع الثمر علی رؤس النخل)
آپ نے عرایا کی بیع میں رخصت دی پانچ وسق یا اس سے کم میں فرمایا ہاں۔

حنفیہ کا مذہب اور تفسیر

امام ابوحنیفہ نے بیع العرایا کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات باغ کا مالک اپنے باغ کے ایک درخت کا پھل کسی فقیر اور محتاج کو ہبہ کر دیتا تھا لیکن کھجور پکنے تک وہ صبر نہیں کر پاتا تھا اس لئے مالک اس فقیر سے کہتا کہ تم اس درخت کا پھل مجھ کو فروخت کر دو اور اس کے عوض مجھ سے ٹوٹی ہوئی کھجوریں لے لو چناں چہ وہ فقیر ٹوٹی ہوئی کھجور لے کر چلا جاتا یہ صورت میں بیع ہے لیکن حقیقت میں پہلے والا ہدیہ ہی ٹوٹی ہوئی کھجور کی صورت میں دینا ہے تقریباً یہی تفسیر امام بخاری نے بھی بیان کی ہے (بخاری ص:۲۹۲)

حنفیہ کی وجوہ ترجیح

عرایا کے بارے میں امام صاحب نے جو تشریح بیان کی ہے وہ لغۃً اور درایۃً ہر اعتبار سے راجح ہے لغۃً اس لئے کہ عرایا جمع ہے عریۃ کی اور عریۃ کے معنی ہیں عطیہ اور یہ بات لغت میں مشہور ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ہدیہ کر دینا عریہ کہلاتا ہے جب کہ شوافع نے جو تفسیر بیان کی ہے اس میں عطیہ کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے۔

درایۃً اس لئے راجح ہے کہ مزابنہ حقیقت میں سود کا ایک حصہ ہے اور سود کے اندر قلیل و کثیر کا کوئی فرق نہیں ہوتا کہ قلیل میں جائز ہو اور کثیر میں ناجائز ہو اور حنفیہ کی تفسیر لینے کی صورت میں قلیل میں بھی سود کا احتمال باقی نہیں رہتا اس لئے حنفیہ کا مذہب راجح ہے۔

(۱۰/۸۸۸) وَلَایَجُوْزُ الْبَیْعُ بِالْقَاءِ الحَجَرِ وَالْمُلَامَسَۃِ.

لغت: الملامسۃ: کپڑا چھو کر بیع کو واجب سمجھنا۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع پتھر پھینکنے کے ساتھ اور چھونے کے ساتھ۔

تشریح: کسی جگہ مبیع رکھی ہے مشتری نے پتھر پھینکا اور ایک مبیع پر لگ گیا جس مبیع پر پتھر لگا وہ مشتری کی ہو گئی اور گویا کہ ایجاب و قبول ہو گیا یہ القاء حجر کی بیع ہے

ملامسہ کی شکل یہ ہے کہ کئی قسم کی مبیع رکھی ہوئی ہیں مشتری نے ایک کو چھو دیا تو وہ مبیع مشتری کی ہو گئی یہ ملامسہ کی بیع ہوئی یہ دونوں بیع ناجائز ہیں۔

دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بیع منابذہ سے اور یہ ہے کہ آدمی کپڑا بیع کے لئے پھینکے آدمی کی طرف اس سے پہلے کہ اس کو پلٹے یا اس کو دیکھے اور منع فرمایا بیع ملامسہ سے اور ملامسہ یہ ہے کہ کپڑا چھوئے اور اس کو دیکھے نہیں اور بیع لازم ہو جائے۔ (بخاری ج:۱،ص:۲۸۷، باب بیع الملامسۃ)

اس حدیث میں بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے بصراحت منع فرمایا ہے اور بیع بالقاء الحجر چونکہ ان دونوں کے ہم معنی

ہے اس لئے یہ بھی ان کے ساتھ لاحق ہو جائے گی۔

(۱۱/۸۸۹) وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ ثَوْبٍ مِنْ ثَوْبَيْنِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع۔

تشریح: دو کپڑے مختلف طرح کے ہیں اور ایجاب کرتے وقت بائع یہ نہیں بتا رہا ہے کہ دونوں میں سے کس کپڑے کی بیع ہو رہی ہے صرف یوں کہہ رہا ہے کہ دونوں کپڑوں میں سے ایک کی بیع ہو رہی ہے تو چونکہ مبیع مجہول ہے بعد میں کپڑا اسپرد کرنے میں جھگڑا ہوگا اس لئے یہ بیع فاسد ہوگی۔

مجلس ختم سے پہلے ایک کپڑے کی تعیین ہو جائے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

(۱۲/۸۹۰) وَمَنْ بَاعَ عَبْداً عَلَى اَنْ يُعْتِقَهُ الْمُشْتَرِي اَوْ يُدَبِّرَهُ اَوْ يُكَاتِبَهُ اَوْ بَاعَ اَمَةً عَلَى اَنْ يَسْتَوْلِدَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ.

ترجمہ: کسی نے غلام بیچا اس شرط پر کہ آزاد کرے گا اس کو مشتری یا اس کو مدبر بنائے گا یا اس کو مکاتب بنائے گا یا بیچی باندی اس شرط پر کہ اس کو ام ولد بنائیگا تو بیع فاسد ہے۔

مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا درست نہیں

تشریح: متن میں ذکر کردہ تمام مسائل اس قاعدہ پر متفرع ہیں کہ بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائی جو بیع کے موافق نہیں ہے اور اس میں خود مبیع کا فائدہ ہو اور مبیع غلام یا باندی ہو جو قاضی تک جا کر مقدمہ دائر کر سکتا ہو تو وہ بیع فاسد ہوگی اس قاعدہ کے بعد اب متن پر نظر ڈالئے کہ غلام کو آزاد کرنے، اس کو مدبر بنانے اور مکاتب بنانے میں خود مبیع کا فائدہ ہے اور مبیع انسان ہے اس لئے جھگڑا بھی کر سکتا ہے لہٰذا بیع فاسد ہوگی۔

(۱۳/۸۹۱) وَكَذٰلِكَ لَوْ بَاعَ عَبْداً عَلَى اَنْ يَسْتَخْدِمَهُ الْبَائِعُ شَهْراً اَوْ دَاراً عَلَى اَنْ يَسْكُنَهَا الْبَائِعُ مُدَّةً مَعْلُوْمَةً اَوْ عَلَى اَنْ يُقْرِضَهُ الْمُشْتَرِي دِرْهَماً اَوْ عَلَى اَنْ يُهْدِيَ لَهُ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر بیچا غلام اس شرط پر کہ خدمت لے گا اس سے بائع ایک ماہ تک یا گھر بیچا اس شرط پر کہ رہے گا اس میں بائع ایک مدت معلوم تک یا اس شرط پر کہ قرض دے گا اس کو مشتری کچھ درہم یا اس شرط پر کہ مشتری اس کو کچھ ہدیہ دے گا۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ اگر بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائے جو بیع کے موافق نہیں ہے نیز اس میں بائع کا فائدہ ہے تو اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی مثلاً بائع نے کہا میں یہ چیز فروخت کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم میرے باغ

میں روزانہ ایک ماہ تک پانی دو گے ظاہر ہے کہ اس شرط میں بائع کا نفع ہے متن کے مسائل اسی قاعدہ پر مبنی ہیں مثلاً بائع نے غلام بیچا اس شرط پر کہ غلام ایک ماہ تک بائع کی خدمت کرے گا تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ غلام تو بکتے ہی مشتری کا ہوگیا تو بائع کی خدمت کیوں کرے؟

یا اس شرط پر گھر بیچا کہ بائع اس میں ایک مدت معلوم مثلاً ایک ماہ تک مقیم رہے گا یا اس شرط پر کہ مشتری بائع کو کچھ روپیے قرض دے گا یا ہدیہ دے گا تو یہ شرطیں فاسد ہیں ان سے بیع فاسد ہوجائے گی۔

(۱۴/۸۹۲) وَمَنْ بَاعَ عَيْناً عَلٰى اَنْ لَّا يُسَلِّمَهَا اِلٰى رَأْسِ الشَّهْرِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ.

حل لغات: عیناً: بیع سلم کے خلاف فوری بیع، بعته عیناً بعین یعنی موجود کو موجود سے بیچا۔ رأس الشهر: مہینے کے شروع میں یا ایک ماہ پر۔

ترجمه: اور جس نے بیچی کوئی چیز اس شرط پر کہ سپرد نہ کرے گا اس کو ایک ماہ تک تو بیع فاسد ہے۔

تشریح: اگر کسی نے مال عین یعنی دراہم ودنانیر کے علاوہ کسی متعینہ چیز کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ مبیع پہلی تاریخ کو یا آخری تاریخ کو حوالے کروں گا تو یہ بیع فاسد ہو ہوگی کیونکہ مہلت آسانی کے لئے دی گئی ہے تاکہ اس مدت میں اس چیز کا حاصل کرنا آسان ہوجائے اور مال عین تو بالفعل موجود ہوتا ہے اور دراہم ودنانیر آہستہ آہستہ تلاش کئے جاتے ہیں لہٰذا معینہ موجودہ مبیع میں میعاد کا ذکر کرنا باطل ہوگا اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہوجاتی ہے اس لئے اس شرط کے ساتھ بیع فاسد ہوجائے گی۔

عیناً کی قید کا فائدہ

لفظ عین بڑھا کر مسلم فیہ کو خارج کردیا ہے کیونکہ بیع سلم میں مسلم فیہ مبیع تو ہوتی ہے مگر عین نہیں ہوتی بلکہ مسلم الیہ کے ذمہ میں واجب ہوتی ہے اور اس کی سپردگی مہینوں کے بعد ہوتی ہے اس لئے مسلم فیہ کے لئے میعاد مناسب ہے

(۱۵/۸۹۳) وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً اَوْ دَابَّةً اِلَّا حَمْلَهَا فَسَدَ الْبَيْعُ.

ترجمه: اور جس نے بیچی باندی یا جانور مگر ان کا حمل تو بیع فاسد ہے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کو تنہا فروخت کرنا جائز ہے اس کا عقد بیع سے استثناء کرنا بھی جائز ہے اور جس چیز کا تنہا فروخت کرنا جائز نہیں ہے اسکا عقد بیع سے استثناء کرنا بھی جائز نہیں ہے حمل بھی اسی قسم سے ہے اسی قاعدہ پر متن کا مسئلہ متفرع ہے مثلاً باندی بیچی اور کہا کہ اس کا حمل نہیں بیچتا ہوں اسکا بیع سے استثنا کرلیا اسی طرح جانور بیچا لیکن اس کے حمل کا استثناء کرلیا، تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ بچہ جب تک پیدا نہیں ہوا ہے ماں کے عضو کی طرح جزء ہے اس لئے جب ماں کی بیع ہوگی تو عضو اور جزء کی بھی بیع ہوگی اس لئے حمل کا استثناء کرنے سے بیع فاسد ہوجائے گی۔

(۸۹۴/ ۱۶)وَمَنِ اشْتَرىٰ ثَوْباً عَلٰی اَنْ یَقْطَعَهُ الْبَائِعُ وَیَخِیْطُهُ قَمِیْصاً اَوْ قَبَاءً اَوْ نَعْلاً عَلٰی اَنْ یَحْذُوَهَا اَوْ یُشَرِّکَهَا فَالْبَیْعُ فَاسِدٌ.

حل لغات: قباءً: ایک قسم کا آگے سے کھلا ہوا کوٹ یا اچکن۔ نعلاً: ہر وہ چیز جس سے قدم کو بچایا جائے، جوتہ، چپل، یحذو: فعل مضارع باب (ن) مصدر حِذَاءً ایک چپل کو دوسرے چپل کے برابر کاٹنا جوتہ بنانا۔ یشرك: باب تفعیل سے ہے چپل میں پٹی لگانا یا چپل کو گانٹھنا

ترجمہ: اور جس نے خریدا کپڑا اس شرط پر کہ کپڑا کاٹ کر دے گا اس کو بائع اور اس کا قمیص سی کر دے گا یا قبا سی کر دیگا یا چپل خریدی اس شرط پر کہ اس کو برابر کر دے گا یا پٹی لگا دے گا تو بیع فاسد ہوگی۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ اگر بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائی جو بیع کے مخالف ہے اور اس میں مشتری کا فائدہ ہے مثلاً اس شرط پر خریدتا ہوں کہ مجھے مزید قرض دوگے تو اس صورت میں بیع فاسد ہوگی اس قاعدہ کی روشنی میں متن دیکھئے مثلاً کپڑا خریدا اور یہ بھی شرط لگائی کہ بائع اس کو کاٹ کر قمیص یا قبا سی کر دے گا تو خریدنے کے علاوہ یہ الگ شرط ہے جس میں مشتری کا فائدہ ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی نیز اس صورت میں ایک تو بیع ہوئی اور الگ سے سینے اور کاٹنے کی شرط لگائی تو یہ اجارہ ہوا اور ایک ہی بیع میں دو معاملہ کرنا ممنوع ہے۔

متعارف شرط لگانا جائز ہے

اسی طرح اگر کوئی شرط عقد کے اندر ایسی لگا دی جو مقتضائے عقد کے تو خلاف ہے لیکن تاجروں کے عرف میں وہ شرط عقد کے اندر داخل شمار ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں میں تنازع نہیں پیدا ہوتا تو اس صورت میں وہ شرط گویا کہ مقتضائے عقد کے اندر داخل ہوگئی ہے ایسی شرط لگانا بھی جائز ہے مثلاً مشتری نے یہ کہا کہ میں یہ جوتا تم سے اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تم اس میں مجھے پٹی لگا کر اور گانٹھ کر دو گے تو چونکہ یہ شرط ایسی ہے جس کا رواج ہو چکا ہے اس لئے ایسی شرط لگانا عقد کے اندر جائز ہے ایسے ہی اس زمانے میں کچھ ایسی شرطیں پائی جاتی ہیں جن کا پہلے وجود نہیں تھا مثلاً مشینری (فرج، سلائی مشین پنکھے وغیرہ) خریدتے وقت بائع کی طرف سے ایک سال یا چند سالوں کے لئے گارنٹی دی جاتی ہے کہ اس دوران اگر مبیع میں کوئی خرابی آئے تو اس کا ذمہ دار بائع ہوگا وہ اسے ٹھیک کر کے دیگا یا بدل کر دے گا اس میں اگرچہ خریدار کا نفع ہی نفع ہے، لیکن اب چونکہ عرف عام ہو چکا ہے اس لئے ایسی شرط لگانا اصولاً جائز ہے، کیوں کہ یہ شرط نہ کسی نص سے ٹکراتی ہے اور نہ مفضی الی النزاع ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۶۳۵)

(۸۹۵/ ۱۷)وَالْبَیْعُ اِلَی النَّیْرُوْزِ وَالْمِهْرَجَانِ وَصَوْمِ النَّصَارىٰ وَفِطْرِ الْیَهُوْدِ اِذَا لَمْ یَعْرِفِ الْمُتَبَایِعَانِ ذٰلِكَ فَاسِدٌ.

حل لغات: النیروز: یہ لفظ نوروز کا معرّب (وہ لفظ جسے عربی بنالیا گیا ہواور دراصل وہ لفظ دوسری زبان کا ہو) ہے شمسی سال کا پہلا دن ہے المھرجان: مہرگان کا معرب ہے موسم خریف (پت جھڑ کا موسم) کا پہلا دن پارسیوں کی عید کا پہلا دن صوم النصاریٰ: صاحب عنایہ کے بقول پچاس روزے ہیں اور بقول علامہ ابن الہمام پچپیس روزے ہیں لہٰذا روزہ رکھنے کا دن مجہول ہے اوران کی عید کا دن معلوم ہے۔

ترجمہ: اور بیچنا نیروز کے دن تک اور مہر جان کے دن تک اور نصاریٰ کے روزے کے دن تک اور یہودیوں کے افطار کے دن تک جب کہ بائع اور مشتری انکو نہ جانتے ہوں تو بیع فاسد ہے۔

ادائیگی ثمن کی مدت مجہول ہونے کی صورت میں بیع کا عدم جواز

تشریح: اگر کسی نے کوئی سامان خریدا اور ثمن ادا کرنے کے لئے نوروز اور مہرگان کا دن متعین کرلیا یا یہ کہا کہ جس دن نصاری روزے شروع کریں گے یا یہود کی عید ہوگی اس دن ادا کروں گا ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہے لیکن فساد اس وقت ہے جب کہ بائع اور مشتری کو ان ایام کا علم نہ ہو اور اگر متعاقدین کو ایام مذکورہ معلوم ہیں کہ کب نوروز ہے اور کب مہرگان ہے نصاری کب روزے شروع کرتے ہیں یہود کی عید کب ہوتی ہے تو بیع فاسد نہ ہوگی۔

(۸۹۶/۱۸) وَلَایَجُوْزُ الْبَیْعُ اِلَی الْحَصَادِ وَالدِّیَاسِ وَالْقِطَافِ وَقُدُوْمِ الْحَاجِّ فَاِنْ تَرَاضِیَا بِاِسْقَاطِ الْاَجَلِ قَبْلَ اَنْ یَاخُذَ النَّاسُ فِی الْحَصَادِ وَالدِّیَاسِ وَقَبْلَ قُدُوْمِ الْحَاجِّ جَازَ الْبَیْعُ.

حل لغات: الحصاد: درانتی سے کھیتی کاٹنا۔ الدیاس: باب (ن) کا مصدر ہے کھیتی کو گاہنا۔ القطاف: میوہ توڑنے کا موسم۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع کھیتی کٹنے تک اور گاہنے تک اور پھل توڑنے تک اور حاجیوں کے آنے تک پھر اگر راضی ہو گئے متعاقدین ان مدتوں کے ساقط کرنے پر قبل اس کے کہ لوگ کھیتی کاٹیں یا گاہیں اور حاجیوں کے آنے سے پہلے تو جائز ہو جائے گی بیع۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے یوں کہا کہ میں نے یہ چیز پچاس روپیہ میں خریدی اس شرط پر کہ ثمن کھیتی کٹنے کے دن دوں گا یا گیہوں گاہنے کے دن دوں گا یا پھل توڑنے کے دن دوں گا یا حاجیوں کے آنے کے دن دوں گا تو یہ دن متعین نہیں ہیں پہلے بھی ہو سکتے ہیں اور بعد میں بھی کس دن کھیتی وغیرہ کاٹے معلوم نہیں ہے اس لئے مدت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے اگر یہ دن متعین ہو جائے تو جائز ہو جائے گی ہاں اگر یہ دن آنے سے پہلے ان مدتوں کو ختم کردے تو بیع میں فساد شامل ہونے سے پہلے ساقط ہو گیا اس لئے بیع جائز ہو جائے گی چونکہ ان شرطوں میں مدت مجہول تو ہے لیکن کم مجہول ہے اس لئے اگر وقت سے پہلے جہالت ساقط کردے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

(۸۹۷/۱۹) وَإِذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِیْ الْمَبِیْعَ فِی الْبَیْعِ الْفَاسِدِ بِأَمْرِ الْبَائِعِ وَفِی الْعَقْدِ عِوَضَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالٌ مَلَكَ الْمَبِیْعَ وَلَزِمَتْهُ قِیْمَتُهُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَاقِدَیْنِ فَسْخُهُ فَإِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِیْ نَفَذَ بَیْعُهُ.

ترجمه: اور جب قبضہ کرلیا مشتری نے مبیع پر بیع فاسد میں بائع کے حکم سے دراں حالیکہ عقد کے دونوں عوضوں میں سے ہرایک مال ہے تو وہ مبیع کا مالک ہوجائے گا اور لازم ہوگی اس کو قیمت اور بائع اور مشتری میں سے ہرایک کے لئے جائز ہے کہ بیع کو توڑ دے چناں چہ اگر بیچ دے اس کو مشتری تو نافذ ہوجائے گی اس کی بیع۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ بیع فاسد کا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ اگر تین شرطیں پائی جائیں تو بیع فاسد میں مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے (۱) مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا (۲) بائع کی اجازت سے قبضہ کیا خواہ صراحۃً یا دلالۃً (۳) مبیع اور ثمن دونوں ہی مال ہوں یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے اور اس پر مبیع کی بازاری قیمت لازم ہوگی بہرحال ہمارے نزدیک بیع فاسد میں مبیع پر مشتری کا قبضہ مفید ملک ہے

ائمہ ثلاثہ کا مذہب

بیع فاسد میں قبضہ مفید ملک نہیں ہے یعنی اگر مشتری نے بیع فاسد میں بائع کی اجازت سے بھی قبضہ کیا ہوتب بھی مشتری مبیع کا مالک نہ ہوگا

دلیل: بیع فاسد کی تمام صورتوں کو بیع باطل کی صورتوں پر قیاس کرکے ائمہ ثلاثہ کا کہنا ہے کہ کسی نے کوئی چیز مردار کے عوض بیچی اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا تو احناف کے نزدیک بھی مشتری کے لئے ملک ثابت نہیں ہوتی چنانچہ جس طرح اس صورت میں بیع کے غیر مشروع ہونے کی صورت میں بیع مفید ملک نہیں ہوتی اسی طرح بیع فاسد کی صورت میں بھی عدم مشروعیت کی وجہ سے بیع فاسد مفید ملک نہ ہوگی گویا کہ ان کے نزدیک بیع فاسد اور باطل کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۱۰)

جواب: چونکہ مردار مال نہیں ہے اس لئے مردار کے بدلے بیچنے کی صورت میں احد العوضین یعنی ثمن مال نہ ہوا لہٰذا بیع کا رکن یعنی مبادلۃ المال بالمال معدوم ہوگیا اور جب بیع کا رکن ہی ختم ہوگیا تو بیع منعقد ہی نہیں ہوئی ہے، تو وہ مفید ملک بھی نہ ہوگی نہ قبضہ سے پہلے نہ قبضہ کے بعد اس کے برخلاف بیع فاسد کہ وہ منعقد ہوجاتی ہے لیکن شرط فاسد کی وجہ سے اس میں فساد پیدا ہوجاتا ہے چنانچہ دونوں کے درمیان فرق ہے اس لئے بیع فاسد کو بیع باطل پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل: بیع فاسد کے اندر اصل عقد میں کوئی کمی نہیں ہے کیونکہ دونوں جانب مال ہے اس لئے ملکیت ثابت ہوجائے گی یہاں خامی تو شرط میں ہے کہ کسی بیع میں بائع کا فائدہ ہے تو کسی میں مشتری کا۔ کسی بیع

میں دھوکا ہے اور کہیں جھگڑا ہے انہیں چیزوں کی روک تھام کے لئے بیع فاسد کی گئی ہے لیکن اگر جھگڑا نہیں ہوا اور مشتری نے قبضہ کر ہی لیا تو آخر بیع جائز قرار دے دی جائے گی۔

پھر صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ بیع فاسد میں مشتری نے قبضہ کی ہوئی مبیع کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا تو دوسری بیع نافذ ہوگئی کیونکہ پہلی بیع کے اصل عقد میں خامی نہیں تھی صرف اس کے وصف اور شرط میں خامی تھی اور وہ بھی جھگڑے کے بغیر ختم ہوگئی تو پہلی بیع بھی نافذ ہوگئی۔

(۲۰/۸۹۸) وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ اَوْ شَاةٍ ذَكِيَّةٍ وَمَيْتَةٍ بَطَلَ الْبَيْعُ فِيْهِمَا.

لغت: ذكية: ذبح کی ہوئی

ترجمہ: اور جس نے جمع کیا آزاد اور غلام کو یا ذبح کی ہوئی بکری اور مردہ بکری کو تو باطل ہوگی بیع دونوں میں۔

آزاد اور غلام ذبح شدہ بکری اور مردہ بکری کی بیع کا عدم جواز

تشریح: آزاد مبیع ہی نہیں ہے اسی طرح مردہ بکری مبیع ہی نہیں ہے اس لئے ان کی بیع ہی نہیں ہوئی اور عقد ایک ہے اس لئے اس کا اثر دوسری مبیع یعنی غلام اور ذبح شدہ بکری پر بھی پڑے گا اور ان کی بیع بھی نہیں ہوگی اس بارے میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ آزاد آدمی اور اپنے غلام کو ملا کر فروخت کیا یا مذبوحہ بکری اور مردار بکری کو ملا کر فروخت کیا اور ثمن الگ الگ بیان نہیں کیا تو تمام میں بیع باطل ہوگی مگر اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ اگر ہر ایک کے ثمن کو الگ الگ بیان کر دیا جائے تو بیع ہو جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

اختلاف الائمہ

(۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں دونوں کی بیع باطل ہے خواہ دونوں کا ثمن علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو، اسی کے قائل امام مالک ہیں یہی ایک قول امام شافعی کا ہے (عینی ۳/ ۱۰۸)

(۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت الگ بیان کی ہو اور آزاد کی قیمت الگ بیان کی ہو ایسے ہی مذبوحہ بکری کی قیمت الگ بیان کی ہو اور مردار بکری کی قیمت الگ بیان کی ہو تو غلام اور مذبوحہ بکری کی بیع جائز ہو جائے گی چاہے دونوں ایک عقد میں بکے ہوں اور آزاد اور مردار بکری کی بیع باطل ہو جائے گی۔ امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے (عینی ۳/ ۱۰۸)

دلیل: دونوں کی قیمت الگ الگ ہونے کی وجہ سے آزاد کی بیع نہیں ہوئی تو غلام کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے غلام کی بیع فاسد نہیں ہوگی اسی طرح ذبح شدہ بکری کی قیمت الگ بیان کی گئی ہو تو مردہ بکری کی بیع نہیں ہوئی

تب بھی ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے ذبح شدہ بکری کی بیع ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل اور صاحبین کی دلیل کا جواب

آزاد آدمی اور مردار جانور مال نہ ہونے کی وجہ سے بیع کے تحت قطعاً داخل نہیں ہیں اس لئے یہ غیر مبیع ہو گئے اور جو غلام اور مذبوحہ بکری ان کے ساتھ ملا کر بیچے گئے ہیں وہ مبیع ہوئے گویا کہ بائع نے مبیع یعنی غلام اور مذبوحہ بکری کے اندر بیع قبول کرنے کے لئے غیر مبیع یعنی آزاد آدمی اور مردار بکری کے اندر بیع قبول کرنے کی شرط لگائی ہے اور یہ شرط، شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے چونکہ بیع فاسد ہو جاتی ہے اس لئے غلام کے اندر بھی بیع فاسد ہوگی۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۰۸)

(۲۱/۸۹۹) وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ عَبْدٍ وَمُدَبَّرٍ اَوْ بَيْنَ عَبْدِهٖ وَعَبْدِ غَيْرِهٖ صَحَّ الْبَيْعُ فِي الْعَبْدِ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ.

ترجمہ: اور جس نے جمع کیا غلام اور مدبر کو یا اپنے غلام اور غیر کے غلام کو تو صحیح ہوگی بیع غلام میں اس کے حصہ کی قیمت سے۔

تشریح: غلام اور مدبر غلام کو جمع کیا یا اپنے اور غیر کے غلام کو بیع میں جمع کیا دوسرے کی اجازت کے بغیر تو مدبر کی بیع تو نہ ہوگی لیکن خالص غلام کی بیع ہو جائے گی اور جو قیمت اس کے حصہ کی ہوگی وہ مشتری پر لازم ہوگی۔ مثلاً چار ہزار کے غلام اور مدبر تھے تو مشتری پر ایک ہزار روپے لازم ہوں گے ایسے ہی دوسرے کا غلام اس کی اجازت کے بغیر بیع میں داخل نہ ہوگا بلکہ بیع موقوف رہے گی لیکن اپنے غلام کی بیع ہو جائے گی اور جو اس کے حصے کی قیمت ہے وہ مشتری پر لازم ہوگی

مسئلہ (۲۰) اور (۲۱) میں فرق

مسئلہ (۲۰) میں قاعدہ یہ تھا کہ شروع ہی سے آزاد کی بیع نہیں ہوئی تھی اس لئے اس کے ساتھ غلام کی بیع فاسد ہوگئی اور یہاں مسئلہ (۲۱) میں مدبر من وجہ مال ہونے کی وجہ سے بیع میں داخل ہو گیا اور بعد میں قیمت کی تقسیم ہوئی۔

(۲۲/۹۰۰) وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجَشِ.

حل لغات: النجش: نجش باب (ن) مصدر نجشاً۔ مبیع کی تعریف کر کے بائع کی موافقت کرنا اور بقول بعض بغیر ارادۂ خریداری دوسروں کو پھنسانے کے لئے قیمت بڑھانا۔

ترجمہ: اور روکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش کرنے سے۔

☆☆☆

بیوعاتِ مکروہہ کا بیان

بیع نجش کی ممانعت

تشریح: نجش کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کوئی سامان خرید رہا ہے اب تیسرا شخص آکر اس سامان کی زیادہ قیمت لگاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز فروخت کردو حالانکہ اس کا مقصد سامان کو خریدنا نہیں ہے بلکہ قیمت لگا کر خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھا رہا ہے تاکہ دوسرا آدمی مہنگا خریدے حدیث میں اس کی ممانعت ہے اور ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے تاہم بیع ہوجائے گی کیونکہ اصل عقد میں خامی نہیں ہے۔

(۲۳/۹۰۱) وَعَنِ السَّوْمِ عَلٰی سَوْمِ غَیْرِہٖ.

حل لغات: السوم: بھاؤ کرنا باب (ن) سَامَ یَسُوْمُ سَوْماً وَسَوَاماً فروخت کے لئے پیش کرنا اور قیمت بتلانا۔

ترجمہ: اور (روکا) دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے۔

تشریح: ایک شخص دوسرے سے بیع کرنے کے لئے بھاؤ تاؤ کر رہا ہے اور بائع اس کو بیچنے پر تقریباً آمادہ ہوگیا ہے لیکن دوسرا شخص بیچ میں آکر یہ کہے کہ میں اس سے زیادہ پیسے لگاتا ہوں یہ چیز مجھے فروخت کردو تو یہ صورت جائز نہیں ہے ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے

دلیل: حضرت ابوہریرہ کی روایت میں آخری ہے وَلَا یَبِیْعُ الرَّجُلُ عَلٰی بَیْعِ اَخِیْہِ. (بخاری ۱/۲۸۷) اور نہ آدمی بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرے۔

(۲۴/۹۰۲) وَعَنْ تَلَقِّی الْجَلَب.

لغت: تلقی: آگے بڑھ کر کسی سے ملنا۔ جلب: کھینچنا یا منفعت کو کھینچنا، جنب جمع ہے جالب کی اور جالب کے معنی کھینچ کر لانے والا۔

ترجمہ: اور روکا آپ نے سوداگروں سے مل جانے سے۔

تشریح: تلقی الجلب کا مطلب یہ ہے کہ کوئی تاجر باہر سے سامان تجارت فروخت کرنے کے لئے شہر کے اندر لا رہا ہے اور دوسرا آدمی اس کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس سے ملاقات کرے وہ سامان تجارت اس سے خرید لے تاکہ بعد میں وہ سامان شہر والوں کو مہنگی قیمت میں بیچے ایسا کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اگر کسی نے ایسا کر ہی لیا تو حنفیہ کے نزدیک بیع منعقد ہوجائے گی اور مشتری اس چیز کا مالک ہوجائے گا لیکن

ایسا کرنا مکروہ ہوگا

تلقی الجلب سے ممانعت کی وجہ

تلقی الجلب سے ممانعت کی دو وجہ ہیں۔(۱)ضرر(نقصان)(۲)غرر(دھوکہ)

۱:- جو شخص باہر جا کر آنے والے تاجر سے سامان خریدے گا وہ تنہا اس سامان کا مالک بن جائے گا ور جب اس سامان کی قیمت زیادہ ہوجائے گی اس وقت وہ اپنی من مانی قیمت پر اس کو بازار میں فروخت کرے گا جس کے نتیجہ میں مہنگائی ہوجائے گی اور لوگ اس قیمت پر اس سے خریدنے پر مجبور ہوں گے تو اس صورت میں شہر والوں کا نقصان ہوگا

۲:- غرر(دھوکہ) عموماً جو لوگ شہر سے باہر جا کر آنے والے تاجر سے سامان تجارت خریدتے ہیں اکثر و بیشتر وہ آنے والے تاجر کو دھوکہ بھی دیا کرتے ہیں اس لئے کہ آنے والے تاجر کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بازار میں اس چیز کے کیا دام چل رہے ہیں مثلاً ایک چیز کے دام بازار میں پچاس روپیہ ہیں اور اس نے تاجر سے جھوٹ بول کر وہ چیز چالیس میں خرید لی اور بتایا کہ بازار میں اس کے دام چالیس روپیہ ہیں تو اس نے اس تاجر کو دھوکہ دیا۔

نوٹ: اگر اہل شہر کو اس غلہ کی ضرورت نہیں اور آنے والے قافلے کو بھی قیمت بتانے میں دھوکہ نہیں دیا تو پھر ممانعت نہیں ہے۔

(۹۰۳/۲۵) وَعَنْ بَیْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِیْ.

لغت: الحاضر: جمع حُضَّارٌ، شہر کا رہنے والا۔ البادی: دیہات والے۔

ترجمہ: اور(آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرمایا شہر والوں کی بیع دیہات والوں سے

تشریح: ایک دیہاتی اپنے دیہات سے کوئی سامان فروخت کرنے کے لئے شہر آرہا ہے ایک شہری نے اس کو کہا کہ تم خود یہ سامان بازار لے جا کر فروخت مت کرو بلکہ یہ سامان مجھے دیدو اور مجھے اپنا وکیل بنادو اور پھر جس وقت اس سامان کو فروخت کرنا تمہارے حق میں زیادہ مفید ہوگا اس وقت میں فروخت کردوں گا اگر تم ابھی بازار میں فروخت کردگے تو زیادہ نفع نہ ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے شہر والوں کو نقصان ہوگا وہ محتاج ہیں اور ان کا زیادہ حق ہے۔

(۹۰۴/۲۶) وَالْبَیْعِ عِنْدَ اَذَانِ الْجُمُعَةِ.

ترجمہ: اور(منع کیا) جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت سے۔

تشریح: جمعہ کی اذان اول ہوگئی ہو اس وقت بیع کرنا مکروہ ہے۔

دلیل: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ اور خرید و فروخت چھوڑ دو(آیت ۹ سورۃ الجمعہ)

(۹۰۵/ ۲۷)وَكُلُّ ذٰلِكَ يُكْرَهُ وَلَايَفْسُدُ بِهِ الْبَيْعُ.

ترجمہ: اور یہ سب مکروہ ہے اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی

تشریح: اوپر پانچ صورتیں بیان کی گئی ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ بیع مکروہ ہوگی لیکن فاسد نہیں ہوگی کیونکہ اصل عقد میں کوئی خامی نہیں ہے بلکہ شرائط اور دیگر چیزوں میں ہے، اس لیے بیع فاسد نہ ہوگی بلکہ صرف مکروہ ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مشتری مبیع پر قبضہ کر لے تو مشتری مبیع کا مالک ہو جائے گا البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے، نہیں کرنا چاہئے تھا۔

(۹۰۶/ ۲۸)وَمَنْ مَلَكَ مَمْلُوْكَيْنِ صَغِيْرَيْنِ اَحَدُهُمَا ذُوْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْآخَرِ لَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَهُمَا وَكَذَالِكَ اِذَا كَانَ اَحَدُهُمَا كَبِيْراً وَالْآخَرُ صَغِيْراً فَاِنْ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا كُرِهَ ذٰلِكَ وَجَازَ الْبَيْعُ وَاِنْ كَانَا كَبِيْرَيْنِ فَلَابَأْسَ بِالتَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور جو مالک ہو دو چھوٹے غلاموں کا ان میں سے ایک ذو رحم محرم ہو دوسرے کا، تو ان دونوں میں جدائی نہ کی جائے اور ایسے ہی جب ہو ان میں سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا اگر ان کے درمیان جدائی کی تو مکروہ ہے اور بیع جائز ہوگی اور اگر ہوں دونوں بڑے تو کوئی حرج نہیں ان کی جدائی میں۔

تشریح: دونوں غلام چھوٹے ہوں یا ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا، اور دونوں ذو رحم محرم ہوں تو ان کو بیچ کر یا ھبہ کرکے جدا کرنا مکروہ ہے کیونکہ چھوٹا دوسرے سے انسیت حاصل کرتا ہے مثلاً ماں اور بیٹا ہے تو ماں کو بیٹے سے انسیت ہوتی ہے اور پرورش کرتی ہے اب اگر جدا کردیں تو دونوں پریشان ہوں گے اور پرورش میں بھی کمی آئے گی اس لئے جدا کرنا مکروہ ہے لیکن دونوں ایک آقا کے مملوک ہیں اس لئے بیچنا وغیرہ جائز ہوگا۔

اور اگر دونوں مملوک بالغ ہوں تو ان کے درمیان تفریق کرنے میں کوئی کراہت اور قباحت نہیں ہے۔

دلیل: اسکندریہ کے بادشاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ حضرت ماریہ اور سیرین دو باندیاں جو آپس میں بہنیں تھیں بھیجیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرین حسان بن ثابت کو اور ماریہ کو اپنے پاس رکھا تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

باب الاقالة

یہ باب اقالہ کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: بیع فاسد اور بیع مکروہ: گناہ کی وجہ سے واجب الرد ہیں اور بیع کا ختم کرنا اقالہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے باب الاقالہ کو ان کے بعد بیان کیا ہے، نیز دونوں میں فسخ عقد کے ذریعہ مبیع بائع کی طرف

واپس ہوتی ہے۔

اقالہ کی لغوی تحقیق: اقالہ قول سے مشتق ہے اور اجوف واوی ہے معنی ہوں گے بیع کو فسخ کرنا اور توڑنا۔ اقالہ باب افعال کا مصدر ہے معنی ہیں بیع توڑنا۔

اصطلاحی تعریف: بائع کو مبیع بیچنے کے بعد شرمندگی ہو کہ میں نے یہ سامان غلط بیچ دیا، پھر مشتری سے کہے کہ میرا سامان مجھے واپس کردے اور ثمن واپس لے لے اور مشتری ایسا کردے یا مشتری خریدنے کے بعد نادم ہو جائے اور بائع سے کہے کہ مبیع واپس لے لے اور ثمن دے دے اور بائع ایسا کردے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں ایسا کرنا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔

اقالہ کا ثبوت

(۱/۹۰۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَقَالَ مُسْلِماً أَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ. (ابوداؤد ۲/ ۴۹۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کسی نے مسلمان سے اقالہ کیا تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کردے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقالہ کرنا جائز ہے بلکہ سامنے والے کی مجبوری ہو تو اقالہ کرنے میں ثواب ملے گا۔

(۲/۹۰۸) اَلْاِقَالَةُ جَائِزَةٌ فِی الْبَیْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِیْ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ.

ترجمہ: (۸۹۹)(۱) اقالہ جائز ہے بیع میں بائع اور مشتری کے لئے ثمن اول کے مثل سے۔

تشریح: اقالہ جائز ہے یعنی نص سے ثابت ہے اور بائع ومشتری دونوں کو اقالہ کرنے کا حق حاصل ہے لیکن جس قیمت میں بیع ہوئی تھی بائع اتنی ہی قیمت واپس کرے گا نہ کم اور نہ زیادہ بائع نے جتنی قیمت لی ہے وہی قیمت واپس کرے اسی کو امام قدوریؒ نے بمثل الثمن الاول کہا جاتا ہے۔

(۳/۹۰۹) فَاِنْ شَرَطَ اَکْثَرَ مِنْهُ أَوْ اَقَلَّ مِنْهُ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَیُرَدُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ.

ترجمہ: (۹۰۰)(۲) پھر اگر شرط لگائی اس (پہلی قیمت) سے زیادہ کی یا اس سے کم کی تو شرط باطل ہے اور لوٹایا جائے گا ثمن اول کو ہی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر اقالہ میں ثمن اول سے زیادہ کی شرط کی یا کم کی شرط کی تو یہ شرط باطل ہے اور بائع پر ثمن اول واپس کرنا واجب ہے مثلاً چار سو روپے میں کوئی چیز بیچی گئی اور بائع نے ثمن پر اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا تو اب اگر اقالہ کرنا ہو تو بائع پر چار سو روپے واپس کرنا واجب ہوگا چار سو سے زائد مثلاً مشتری پانچ سو روپے

مانگے یا بائع کہے کہ تین سو دوں گا تو یہ کمی زیادتی کی شرط باطل ہے البتہ اس میں شرط لگانے سے اقالہ باطل نہ ہوگا بلکہ ثمن اول ہی پر اقالہ ہوگا۔

(۴/۹۱۰) وَهِيَ فَسْخٌ فِيْ حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَيْعٌ جَدِيْدٌ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِمَا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ.

ترجمہ: (۹۰۱)(۳) اور اقالہ فسخ ہے متعاقدین کے حق میں بیع جدید ہے ان دونوں کے علاوہ کے حق میں امام ابوحنیفہ کے قول میں۔

تشریح: جب اقالہ کیا تو بائع اور مشتری کے درمیان پہلی ہی بیع کا فسخ ہے وہی بیع ٹوٹی ہے لیکن ان دونوں کے علاوہ جو لوگ ہیں ان کے حق میں بیع جدید ہے۔

عاقدین کے حق میں فسخ ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ اقالہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا اگر اقالہ ان دونوں کے حق میں بیع ہوتا تو شروط فاسدہ سے باطل ہو جاتا جیسا کہ بیع شروط فاسدہ سے باطل ہو جاتی ہے معلوم ہوا کہ اقالہ عاقدین کے حق میں فسخ بیع ہے۔ بیع نہیں ہے۔ اور اقالہ، غیر عاقدین کے حق میں بیع جدید ہے یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر کوئی حق شفعہ کا دعویٰ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جیسے ایک آدمی نے مکان خریدا اگر شفیع نے حق شفعہ کا دعویٰ نہ کر کے اپنا حق چھوڑ دیا پھر بائع و مشتری نے اقالہ کیا اور مکان بائع کی ملک میں آ گیا تو وہی شفیع اگر شفعہ کا مطالبہ کرنا چاہے تو اس کو یہ اختیار ہے کیونکہ شفیع کے حق میں اقالہ بیع جدید ہے۔ (مزید تفصیل کتاب الشفعہ میں)

ماقبل کی پوری تفصیل امام صاحب کے مذہب کے مطابق ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اقالہ بیع ہے لیکن اگر اس کو بیع قرار دینا ممکن نہ ہو تو فسخ قرار دیا جائے گا اور اگر فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو اقالہ باطل ہو جائے گا۔

مثلاً ایک شخص نے ایک ہزار روپے کے بدلے غلام خریدا مشتری نے غلام پر قبضہ کیا اور پھر دونوں نے اقالہ کیا تو یہ اقالہ بیع ہے اور اگر غلام پر قبضہ سے پہلے ہی اقالہ کیا تو اس اقالہ کو بیع قرار دینا ناممکن ہے اور اگر غلام پر قبضہ سے پہلے ایک کوئنٹل گیہوں پر اقالہ کر لیا تو اس صورت میں اقالہ باطل ہو جائے گا۔

امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ اقالہ فسخ بیع ہے اگر فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو اس کو بیع قرار دیا جائے گا ورنہ اقالہ باطل ہو جائے گا دلائل وغیرہ ہدایہ جلد ثالث میں ملاحظہ کریں۔

(۵/۹۱۱) وَهَلَاكُ الثَّمَنِ لَايَمْنَعُ صِحَّةَ الْإِقَالَةِ وَهَلَاكُ الْمَبِيْعِ يَمْنَعُ صِحَّتَهَا.

ترجمہ: (۹۰۲)(۴) اور ثمن کا ہلاک ہونا نہیں روکتا اقالہ کے صحیح ہونے کو اور مبیع کا ہلاک ہونا روک دیتا ہے اس کے صحیح ہونے کو۔

تشریح: ثمن ہلاک ہوجائے بائع کے پاس نہ رہے تب بھی اقالہ ہوسکتا ہے لیکن مشتری کے پاس سے مبیع ہلاک ہوجائے تو اقالہ نہیں ہوسکتا۔ چونکہ اقالہ میں اصل واپسی مبیع کی ہی ہوتی ہے وہی متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے روپیہ تو کوئی سا بھی دیدے گا اس لئے اگر مبیع ہلاک ہوجائے تو کس چیز کو واپس کرے گا اور روپیہ ہلاک ہوجائے تو دوسرا دیدے۔

(۶/۹۱۲) وَاِنْ هَلَكَ بَعْضُ الْمَبِيْعِ جَازَتِ الْاِقَالَةُ فِي بَاقِيْهِ.

ترجمہ: (۹۰۳)(۵) اور اگر مبیع کا کچھ حصہ ہلاک ہوجائے تو جائز ہوگا اقالہ باقی میں۔

تشریح: اقالہ اتنے میں ہوسکتا ہے جتنی مبیع موجود ہے اسی قاعدہ پر متن کا مسئلہ متفرع ہے مثلاً ایک کوئنٹل گیہوں سات سو روپئے میں خریدے پھر آدھے کوئنٹل گیہوں ہلاک ہوگئے تو باقی ماندہ آدھے کوئنٹل گیہوں واپس کرسکتا ہے اور تین سو پچاس روپئے واپس لے سکتا ہے۔

باب المرابحة والتولية

یہ باب بیع مرابحہ اور بیع تولیہ کے بیان میں ہے

اب تک ان بیوع کا بیان تھا جن کا تعلق مبیع سے ہوتا ہے اب یہاں سے ان بیوع کا بیان ہے جن کا تعلق ثمن سے ہوتا ہے یعنی مرابحہ اور تولیہ کا بیان ہے۔

مرابحہ کا ثبوت: رَأَيْتُ عَلٰى عَلِيٍّ اِزَاراً غَلِيْظاً قَالَ اِشْتَرَيْتُ بِخَمْسَةِ دَرَاهِمَ فَمَنْ اَرْبَحَنِيْ فِيْهِ دِرْهَماً بِعْتُهُ اِيَّاهُ (سنن للبیهقی باب المرابحة ۵/۵۳۸)

میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جسم پر ایک موٹی چادر دیکھی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پانچ درہم میں چادر خریدی تھی جو شخص ایک درہم نفع دے کر خریدے گا میں اس کو بیچ دوں گا اس اثر سے مرابحہ کا ثبوت ہوا۔

تولیہ کا ثبوت: قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَخُذْ بِاَبِيْ اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِحْدٰى رَاحِلَتَيَّ هَاتَيْنِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالثَّمَنِ. (بخاری شریف ۱/۵۵۳)

حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی قیمت سے لوں گا۔ اس سے بیع تولیہ کا ثبوت ہوا۔

(۱/۹۱۳) اَلْمُرَابَحَةُ نَقْلُ مَا مَلَكَهُ بِالْعَقْدِ الْاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْاَوَّلِ مَعَ زِيَادَةِ رِبْحٍ.

لغت: اَلْمُرَابَحَۃُ: باب مفاعلۃ کا مصدر نفع دینا۔

ترجمہ: (۹۰۴)(۱) مرابحہ منتقل کرنا ہے اس چیز کو جس کا مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اول پر کچھ نفع کی زیادتی کے ساتھ۔

تشریح: مرابحہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع نے جتنے میں خریدا مشتری کو صاف بتائے کہ میں نے یہ کتاب ایک ہزار روپیہ میں خریدی اور بیس روپیہ نفع لے کر آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اس میں بیس روپے نفع لیا اس لئے اس کو مرابحہ کہتے ہیں مرابحہ میں پہلی قیمت بتانا ضروری ہے اگر نہ بتائی تو اس کو مرابحہ نہیں کہیں گے بلکہ یہ تو عام بیع ہو جائیگی۔

(۲/۹۱۴) وَالتَّوْلِيَۃُ نَقْلُ مَا مَلَکَہٗ بِالْعَقْدِ الْاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْاَوَّلِ مِنْ غَيْرِ زِيَادَۃِ رِبْحٍ.

لغت: اَلتَّوْلِيَۃُ: مصدر ہے وَلّٰی تولیۃً والی مقرر کرنا۔

ترجمہ: (۹۰۵)(۲) اور تولیہ وہ منتقل کرنا ہے اس چیز کو جس کا مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اول پر بغیر نفع کی زیادتی کے۔

تشریح: تولیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کو بتائے کہ میں نے یہ سامان دس روپے میں خریدا اور دس ہی میں فروخت کرتا ہوں جتنے میں خریدا اتنے میں ہی مبیع کا ولی بناتا ہوں۔

(۳/۹۱۵) وَلَا تَصِحُّ الْمُرَابَحَۃُ وَالتَّوْلِيَۃُ حَتّٰی يَکُوْنَ الْعِوَضُ مِمَّا لَہٗ مِثْلٌ.

ترجمہ: (۹۰۶)(۳) اور صحیح نہیں ہے مرابحہ اور تولیہ یہاں تک ہو ان کا عوض مثلی چیزوں سے۔

مرابحہ وتولیہ کے صحیح ہونے کی شرط

تشریح: مرابحہ اور تولیہ اسی وقت صحیح ہوگا جب کہ اس کا ثمن مثلی ہو اگر ثمن مثلی نہ ہو تو مرابحہ اور تولیہ نہیں ہو سکے گا۔ مثلاً گیہوں، چاول، دراہم اور دنانیر ہوں جو دنیا میں اس جیسا مل سکتا ہو۔ کپڑا، غلام، گائے، بھینس وغیرہ نہ ہو کہ اس جیسا دنیا میں نہیں مل سکتا بڑا چھوٹا ضرور ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ثمن ذوات الامثال میں سے ہو ذوات القیم میں سے نہ ہو کیونکہ جب اس جیسا دوسرا مل سکتا ہے تب ہی تو دوسرا مشتری اس جیسا ثمن دے کر مبیع خریدے گا اور اگر اس جیسا نہیں مل سکتا تو اگلا مشتری کیا دے کر خریدے گا کیسے اس پر نفع دے گا۔

(۴/۹۱۶) وَيَجُوْزُ اَنْ يُّضِيْفَ اِلٰی رَاْسِ الْمَالِ اُجْرَۃَ الْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ وَالطَّرَّازِ وَالْفَتْلِ وَاُجْرَۃَ حَمْلِ الطَّعَامِ.

حل لغات: القصار اسم مبالغہ دھوبی، الصباغ رنگریز الطراز بیل بوٹے بنانے والا، نقش ونگار کرنے والا الفتل پھول بوٹے بنوانا دوپٹوں وغیرہ کے کنارے پر جھالر بنوانا۔

ترجمہ: (۹۰۷)(۴) اور جائز ہے یہ کہ ملالے راس المال کے ساتھ دھوبی کی اجرت رنگنے والے کی اجرت بیل بوٹے بنانے والے کی اجرت چھلوے باٹنے والے کی اجرت اور غلہ اٹھوانے کی اجرت۔

تشریح: مرابحہ اور تولیہ کرتے وقت رأس المال یعنی ثمن کے ساتھ دھوبی کی اجرت ملانا جائز ہے مثلاً ایک کپڑا دس روپئے میں خریدا پھر دھوبی کو دو روپیہ اجرت دے کر اس کو دھلوایا گیا تو اب ثمن بارہ روپئے ہو گئے مرابحہ یا تولیہ کرتے وقت کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ کپڑا بارہ روپئے میں پڑا ہے اور تولیہ میں بارہ روپئے میں دوں گا اور مرابحہ میں بارہ روپئے پر تین روپئے نفع لے کر پندرہ روپئے میں دوں گا۔ اسی طرح رنگ کی اجرت ملانا جائز ہے اسی طرح اگر کپڑے میں پھول بوٹے بنوائے تو اس نقش ونگار کرنے والے کی اجرت کو رأس المال کے ساتھ ملانا جائز ہے اور اسی طرح چھلوے باٹنے کی اجرت ملانا جائز ہے مثلاً ایک چادر سو روپئے میں خریدی پھر کسی کو دس روپئے اجرت دے کر اس کے دونوں جانب چھلوے بٹوائے تو مرابحہ کی صورت میں ایک سو دس روپئے پر نفع لے گا اور تولیہ کی صورت میں ایک سو دس روپئے کے عوض فروخت کرے گا اسی طرح غلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے کی اجرت بھی اصل ثمن میں ملائی جائے گی۔

قاعدہ یہ ہے کہ جن کاموں سے قیمت میں بڑھوتری ہوتی ہے ان کی اجرت ثمن میں شامل کی جائے گی دھوبی کی دھلائی سے کپڑے کی چمک زیادہ ہوتی ہے اسی طرح رنگریز کی رنگائی سے نقش ونگار کرنے والے کی نقش ونگاری سے اور چھلووں کو باٹنے سے ان کی قیمت میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۹۱۷/۵) وَيَقُوْلُ قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا وَلَا يَقُوْلُ اِشْتَرَيْتُهٗ بِكَذَا.

لغت: قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا مجھ کو اتنے میں پڑی ہے۔

ترجمہ: اور کہے کہ مجھ کو اتنے میں پڑی ہے اور نہ کہے کہ میں نے اس کو اتنے میں خریدی ہے۔

تشریح: مبیع کے اصل داموں کے ساتھ اجرت وغیرہ شامل کرنے کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے اتنے میں تو اس نے نہیں خریدی ہے یہ تو جھوٹ ہوگا اور تا کہ اعتماد بحال رہے اس لئے ہر حال میں سچ بولے اس لئے یوں کہے کہ مجھے یہ مبیع اتنے میں پڑی ہے۔

(۹۱۸/۶) فَاِنِ اطَّلَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلٰی خِيَانَةٍ فِي الْمُرَابَحَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهٗ.

ترجمہ: اگر مطلع ہو مشتری خیانت پر مرابحہ میں تو اس کو اختیار ہے امام صاحب کے نزدیک چاہے تو اس کو پورے ثمن سے لے اور چاہے تو اس کو واپس کر دے۔

اگر مشتری مرابحہ وتولیہ میں خیانت پر مطلع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

تشریح: ایک آدمی نے کوئی چیز مرابحۃً فروخت کی مثلاً یہ کہا کہ میں نے یہ کپڑا دس روپئے میں خریدا تھا پانچ روپئے نفع لے کر پندرہ میں بیچتا ہوں مشتری نے بھروسہ کر کے خرید لیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ میرے بائع نے یہ کپڑا آٹھ روپئے میں خریدا تھا اس نے مجھ سے پانچ نہیں بلکہ سات روپئے نفع لیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے کہ مبیع یعنی کپڑے کو پورے ثمن پندرہ روپئے میں لے لے یا بیع کو چھوڑ دے۔ کیونکہ تیرہ روپئے میں لے تب بھی مرابحہ ہے اور پندرہ روپئے میں لے تب بھی مرابحہ ہے اور بائع نے لفظ مرابحہ بولا ہے جس میں سچ ہے اس لئے خریدے تو پندرہ میں خریدے لیکن دو روپیہ کا جھوٹ بولا ہے اس لئے مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہے۔

(۹۱۹/۷) وَاِنِ اطَّلَعَ عَلٰى خِيَانَةٍ فِي التَّوْلِيَةِ اَسْقَطَهَا مِنَ الثَّمَنِ.

ترجمہ: اور اگر مطلع ہوا خیانت پر تولیہ میں تو کم کر دے ثمن خیانت کے بقدر۔

تشریح: بیس روپیہ میں کتاب خریدی اور جھوٹ بولا کہ پچیس میں خریدی ہے اور پچیس روپے پر ہی تولیہ کرتا ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پانچ روپئے کم کر کے بیس ہی میں لے گا۔ کیونکہ تولیہ کہتے ہیں اس بیع کو کہ جتنے میں خریدا ہے اتنے میں ہی دوں گا اور حقیقت میں بیس میں خریدا تھا اور جھوٹ بولا کہ پچیس میں خریدا ہے۔ اس لئے جتنے میں خریدا تھا اتنے ہی میں مشتری لے گا۔

(۹۲۰/۸) وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَحُطُّ فِيْهِمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَحُطُّ فِيْهِمَا لٰكِنْ يُخَيَّرُ فِيْهِمَا.

حل لغت: يَحُطُّ باب (ن) مصدر حَطًّا کم کرنا۔

ترجمہ: اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کم کر دے اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کم نہ کرے لیکن اسے اختیار ہے دونوں میں۔

تشریح: امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ تولیہ اور مرابحہ دونوں صورتوں میں جتنی قیمت جھوٹ بول کر لی ہے اتنی قیمت کم کر کے مشتری کو لینے کا اختیار ہوگا اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں کم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ بائع نے ترغیب کے لئے مرابحہ اور تولیہ کا لفظ بولا ہے اصل مقصود وہ قیمت ہے جس پر بات طے ہوئی ہے بائع مرابحہ میں مثلاً پندرہ روپئے اور تولیہ میں پچیس روپئے سے کم پر دینے کے لئے راضی نہیں ہے۔

اور اسی پر بات طے بھی ہوئی ہے اس لئے اس سے کم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن چونکہ بائع نے جھوٹ بھی بولا ہے اس لئے مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

(۹/۹۲۱) وَمَنِ اشْتَرٰی شَیْئاً مِمَّا یُنْقَلُ وَیُحَوَّلُ لَمْ یَجُزْ لَهٗ بَیْعُهٗ حَتّٰی یَقْبِضَهٗ.

ترجمہ: اور جس نے خریدی ایسی چیز جو منتقل ہو سکتی ہے اور اس جگہ سے بدلی جا سکتی ہے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے۔

بیع قبل القبض سے نہی کن کن چیزوں میں ہے؟

تشریح: اگر کسی نے کوئی منقول چیز خریدی تو جب تک مشتری اس پر قبضہ نہ کرے مشتری کے لئے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے چاہے وہ چیز کیلی اور وزنی ہو۔ یا عددی ہو وہ طعام ہو یا غیر طعام۔ کیونکہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ چیز ضائع ہو جائے اور اس کے پاس نہ آئے تو کیسے بیچے گا۔

(۱۰/۹۲۲) وَیَجُوْزُ بَیْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَایَجُوْزُ.

ترجمہ: اور جائز ہے زمین کو بیچنا قبضہ سے پہلے شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

تشریح: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ شیخینؒ کے نزدیک غیر منقولہ چیزوں کی بیع قبضہ کرنے سے پہلے جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے یہی قول امام زفر، امام شافعی اور امام احمدؒ کا ہے۔

امام محمد کی دلیل: لِاَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ نَهٰی عَنْ بَیْعِ مَالَمْ یَقْبِضْ. (عینی ۳/۱۳۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جس پر قبضہ نہیں کیا۔

وجہ استدلال: اس حدیث میں لفظ ما منقول اور غیر منقول دونوں کو عام ہے۔

جواب: ممانعت کا حکم ایسی چیز کے بارے میں ہے جس کے تلف ہو جانے کا گمان غالب ہو جس سے عقد اول کے فسخ ہونے کا خوف اور دھوکہ ہو اور عقد اول کے فسخ ہونے کا خوف اور دھوکہ شئ منقول میں ہوتا ہے نہ کہ شئ غیر منقول میں اسلئے قبضہ کرنے سے پہلے شئ منقول کی بیع تو بلا شبہ ناجائز ہے لیکن شئ غیر منقول کی بیع جائز ہوگی۔ (عینی ج ۱/ ۱۳۸)

شیخین کی دلیل: زمین منقولی چیز نہیں ہے اس میں ہلاک ہونے کا خطرہ نہیں ہے اس لئے اگر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دیا تو جائز ہے۔ (۲) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قبضہ کرنے کی شرط غلہ وغیرہ میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ زمین وغیرہ پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے۔ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ اَمَّا الَّذِیْ نَهٰی عَنْهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ اَنْ یُبَاعَ حَتّٰی یُقْبَضَ. (بخاری ۱/۲۸۶)

نوٹ: اگر ایسی زمین ہے جو قابل ہلاکت ہے مثلاً وہ زمین دریا کے کنارے پر ہے اور اندیشہ اس بات کا ہے کہ دریا اس پر چڑھ آئے گا تو ایسی صورت میں زمین کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں بلکہ اس کا ضمان کے اندر آنا ضروری ہے۔ (درس ترمذی ۴/۱۱۷)

(۱۱/۹۲۳) وَمَنِ اشْتَرىٰ مَكِيلاً مُكَايَلَةً أَوْ مَوْزُوْناً مُوَازَنَةً فَاكْتَالَهُ اَوِ اتَّزَنَهُ ثُمَّ بَاعَهُ مُكَايَلَةً أَوْ مُوَازَنَةً لَمْ يَجُزْ لِلْمُشْتَرِىْ مِنْهُ اَنْ يَبِيْعَهُ وَلَا اَنْ يَاْكُلَهُ حَتّٰى يُعِيْدَ الْكَيْلَ وَالْوَزْنَ.

ترجمہ: کسی نے خریدی کیلی چیز کیل کر کے یا وزنی چیز وزن کر کے پھر اس کو ناپ لیا یا تول لیا پھر بیچ دیا اس کو کیل یا وزن کے لحاظ سے تو جائز نہ ہوگا مشتری کے لئے یہ کہ اس کو بیچے اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کو کھائے یہاں تک کہ دوبارہ کیل یا وزن کرے۔

تشریح: اگر کسی آدمی نے کوئی مکیلی چیز مثلاً گیہوں، چاول، جو، کیل کرنے کی شرط کے ساتھ خریدی مثلاً یہ کہا کہ میں نے یہ گیہوں ایک سو روپئے کے بدلے اس شرط کے ساتھ خریدے کہ یہ دس کلو ہیں یا وزنی چیز مثلاً درہم، دینار، لوہا وزن کی شرط کے ساتھ خریدا مثلاً اس طرح کہ یہ لوہا دس من ہے سو روپئے میں خریدتا ہوں۔ پھر مشتری نے اس مکیلی چیز کو کیل کر کے اور موزونی چیز کو وزن کر کے لے لیا پھر مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد مشتری نے اس کو کیل یا وزن کی شرط کے ساتھ فروخت کر دیا تو مشتری ثانی کو اس مبیع میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے یہاں تک مشتری ثانی کیل یا وزن کا اعادہ کرے چنانچہ مشتری ثانی کیل یا وزن کرنے سے پہلے نہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ اس کو کھا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے مشتری اول نے اپنے لئے کیل یا وزن کیا تھا مشتری ثانی بھی اپنے لئے کیل یا وزن کرے۔

دلیل: جب مشتری اول نے کیل یا وزن کر لیا تو ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی ناپ تول میں دھوکہ کھایا ہو اور جس قدر مبیع مقرر کی ہے اس سے زیادہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ زیادتی بائع یعنی مشتری اول کا مال ہے اور دوسرے کے مال میں چونکہ تصرف کرنا حرام ہے اس وجہ سے مشتری ثانی کے واسطے اس میں تصرف کرنے سے احتراز کرنا واجب ہے۔ اور یہ احتمال اسی وقت دور ہو سکتا ہے جب کہ مشتری ثانی خود کیل یا وزن کر کے اطمینان حاصل کرے۔ عینی شرح ہدایہ ۳/۱۳۹

نوٹ: اگر کیل یا وزن کر کے نہ بیچے بلکہ اٹکل اور اندازے سے بیچے تو دوبارہ کیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۲/۹۲۴) وَالتَّصَرُّفُ فِي الثَّمَنِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ

ترجمہ: اور تصرف کرنا ثمن میں قبضہ سے پہلے جائز ہے۔

قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کرنے کا کیا حکم ہے؟

تشریح: بائع نے مبیع مشتری کے حوالے کر دی ہے لیکن مشتری نے ابھی ثمن نہیں دیا ہے اور نہ بائع نے اس پر

قبضہ کیا ہے اس سے پہلے اس ثمن کے ذریعہ کوئی چیز خریدنا چاہے تو خرید سکتا ہے یا ثمن کو ہبہ کرنا چاہے تو ہبہ کر سکتا ہے۔ چونکہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے اگر یہ ثمن نہیں دے سکا تو اپنی طرف سے دوسرا روپیہ دیدے یہی ثمن دینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اثر میں اس کا ثبوت ہے عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ اِذَا بِعْتَ شَيْئاً بِدِيْنَارٍ فَحَلَّ الْاَجَلُ فَخُذْ بِالدِّيْنَارِ مَا شِئْتَ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْعِ وَغَيْرِهٖ. (مصنف عبدالرزاق ۱۶/۸)

ابن سیرین نے فرمایا اگر آپ نے کسی چیز کو دینار کے بدلے بیچا پھر مدت آ گئی تو دینار کے بدلے جو چاہے لو اسی قسم میں سے یا اس کے علاوہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ثمن دینار ہو تو اس کے بدلے کوئی چیز لے سکتا ہے۔

(۱۳/۹۲۵) وَيَجُوْزُ لِلْمُشْتَرِيْ اَنْ يَزِيْدَ لِلْبَائِعِ فِي الثَّمَنِ

ترجمہ: اور جائز ہے مشتری کے لئے یہ کہ زیادہ دیدے بائع کو ثمن۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری بائع کے لئے ثمن میں کچھ اضافہ کر دے تو جائز ہے مثلاً ایک بکری ۸۰۰ روپئے میں خریدی اب مشتری خوش ہو کر ۱۰۰۰ روپئے دینا چاہتا ہے تو دے سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مشتری کی ملکیت ہے اس کو جیسے چاہے خرچ کر سکتا ہے۔

(۱۴/۹۲۶) وَيَجُوْزُ لِلْبَائِعِ اَنْ يَزِيْدَ لِلْمُشْتَرِيْ فِي الْمَبِيْعِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَحُطَّ مِنَ الثَّمَنِ

ترجمہ: اور جائز ہے بائع کیلئے یہ کہ زیادہ دے مبیع میں اور جائز ہے یہ کہ کم کر دے ثمن سے۔

تشریح: اگر بائع مبیع میں اضافہ کر دے یعنی جتنی مبیع طے ہوئی ہے اس سے زیادہ دے اور یہ بھی جائز ہے کہ جتنا ثمن طے ہوا ہے اس سے کم لے۔

(۱۵/۹۲۷) وَيَتَعَلَّقُ الْاِسْتِحْقَاقُ بِجَمِيْعِ ذٰلِكَ

ترجمہ: اور متعلق ہوگا استحقاق ان سب کے ساتھ

تشریح: زیادہ دی ہوئی قیمت یا زیادہ دی ہوئی مبیع یا کم کی ہوئی قیمت اصل کے ساتھ لاحق ہو کر اصل بن جائے گی اب تمام حقوق ان ہی کے ساتھ متعلق ہوں گے چنانچہ ثمن کے اندر اضافہ کی صورت میں بائع کو مبیع روکنے کا حق اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ وہ اصل ثمن اور اضافہ شدہ وصول نہ کرے اور اسی طرح مشتری کو مبیع کے مطالبہ کا اختیار اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ وہ اصل ثمن اور اضافہ شدہ بائع کے حوالے نہ کر دے اور ثمن کم کرنے کی صورت میں مشتری مابقیہ ثمن سپرد کرنے کے بعد پوری مبیع کے مطالبہ کا حقدار ہے۔

امام شافعی وامام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ شروع میں جو قیمت یا مبیع طے ہوئی تھی وہی اصل ہے اس کے ساتھ تمام

حقوق متعلق ہوں گے اور بعد میں جو مبیع زیادہ کی یا ثمن زیادہ کیا وہ بعد کا ہدیہ ہے اس کا تعلق اصل مبیع اور ثمن کے ساتھ نہیں ہے اس لئے اس زیادتی کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہوں گے۔ (عینی ۳/۱۴۱)

(۹۲۸/۱۶) وَمَنْ بَاعَ بِثَمَنٍ حَالٍّ ثُمَّ أَجَّلَهُ أَجَلًا مَعْلُومًا صَارَ مُؤَجَّلًا.

حل لغت: حال ابھی فوری، نقد اجلاً تاخیر کے ساتھ

ترجمہ: اور جس نے بیچی کوئی چیز فوری ثمن کے ساتھ (نقد) پھر اس کو مہلت دیدی میعاد معین کر کے تو یہ میعادی ہو جائے گی۔

تشریح: ایک آدمی نے اس طرح بیع کی کہ ابھی قیمت دے گا مگر بعد میں متعین تاریخ کے ساتھ مؤخر کر دیا تو اب مؤخر ہو جائے گا اور متعین تاریخ پر قیمت دینی ہوگی۔

دلیل

بخاری کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی قوم میں ایک آدمی کی روح فرشتہ نے قبض کرنی چاہی تو انہوں نے کہا تم نے کوئی بھلا کام کیا ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ میں اپنے خادم کو حکم دیتا تھا کہ تنگدستوں کو مہلت دیں اور درگذر کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ (بخاری شریف باب من انظر مؤسرًا. ۱/۲۷۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیمت لینے میں مہلت دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ تاریخ معلوم ہو ورنہ لڑائی جھگڑا ہوگا۔

(۹۲۹/۱۷) وَكُلُّ دَيْنٍ حَالٍّ إِذَا أَجَّلَهُ صَاحِبُهُ صَارَ مُؤَجَّلًا إِلَّا الْقَرْضَ فَإِنَّ تَأْجِيلَهُ لَا يَصِحُّ.

ترجمہ: اور ہر وہ دین جو فوری ہو جب اس کا مالک اس کو مؤخر کر دے تو مؤخر ہو جائے گا مگر قرض کہ اس کی تاخیر صحیح نہیں ہے۔

کیا قرض کی تاجیل درست ہے؟

تشریح: قرض اور دین میں فرق یہ ہے کہ قرض وہ مال کہلاتا ہے جو آدمی اپنے اموال سے جدا کر کے دوسرے کو نفع اٹھانے کی غرض سے دے۔ اور دین وہ مال کہلاتا ہے جو ذمہ میں واجب ہو خواہ عقد کی وجہ سے خواہ کسی کی کوئی چیز ہلاک کر دینے کی وجہ سے۔

مسئلہ یہ ہے کہ مبیع کی قیمت مشتری پر فوری ہو اس کو مؤخر کر دیا تو وہ مؤخر ہو جائے گی اب بائع تاریخ سے پہلے لینا چاہے تو نہیں لے سکے گا کیونکہ دین صاحب دین کا حق ہے وہ اپنے حق کو بالکلیہ ساقط بھی کر سکتا ہے۔ اور مدیون کی سہولت کے پیش نظر دین کے مطالبہ کو مؤخر بھی کر سکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک اگر قرض ادا کرنے کے لئے کوئی تاریخ

متعین کی تو یہ درست نہیں ہے بلکہ میعاد مقرر کرنے کے بعد قرضخواہ قرضدار سے فوری مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ قرض شروع سے تبرع اور احسان ہے اس لئے جب چاہے قرض دینے والا واپس لے سکتا ہے البتہ تاریخ پر لے تو بہتر ہے۔

باب الربوٰ

یہ باب ربوٰ کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: سابقہ ابواب سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں ان بیوع کا بیان تھا جن کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس باب میں ان بیوع کا بیان ہے جن سے خداوند کریم نے منع فرمایا ہے۔ اور اس باب کو باب المرابحہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ربوٰ اور مرابحہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں زیادتی ہوتی ہے البتہ مرابحہ کی زیادتی حلال ہوتی ہے اور ربوٰ کی زیادتی حرام ہوتی ہے اور چونکہ چیزوں کے اندر حلت اصل ہے اس وجہ سے مرابحہ کے احکام پہلے اور ربوٰ کے احکام بعد میں بیان کئے ہیں۔ (اشرف الہدایہ ۸/۳۵۵)

ربوٰ کی لغوی تعریف: لغۃً زیادتی کے معنی میں ہے۔

اصطلاحی تعریف: اس مالی زیادتی کا نام ہے جو عوض سے خالی ہو۔ یہاں مخصوص زیادتی کو ربوٰ کہا ہے جو حرام ہے۔

حرمت کی دلیل قرآن سے: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (آیت ۲۷۵ سورۃ البقرۃ) اس آیت میں سود کو حرام کہا گیا ہے۔

حرمت کی دلیل حدیث سے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملے میں گواہ بننے والے اور سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

(ترمذی، ج:۱، ص:۱۴۵، باب ماجاء فی اکل الربوٰ)

تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ربوٰ کی حرمت کا منکر کافر ہے۔

فائدہ: قرآن حکیم میں جس چیز کو بلفظ ربوٰ حرام قرار دیا ہے اس کا ترجمہ اُردو زبان کی تنگ دامانی کے باعث عام طور پر لفظ سود سے کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ربوٰ اور سود دونوں عربی اور اُردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں بلکہ ربوٰ ایک عام اور وسیع مفہوم رکھتا ہے مروجہ سود بھی اسی کی ایک قسم یا فرد کی حیثیت میں ہے مروجہ سود روپیہ کی ایک متعین مقدار متعین مدت کے لئے ادھار دے کر متعین شرح کے ساتھ نفع یا زیادتی لینے کا نام ہے اور بلاشبہ یہ بھی ربوٰ کی تعریف میں داخل ہے مگر ربوٰ اس میں منحصر نہیں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اس میں بہت سے معاملات بیع وشراء کے بھی داخل ہیں۔ (ماخوذ مسئلہ سود/۱۴)

(۱/۹۳۰) اَلرِّبٰوا مُحَرَّمٌ فِی کُلِّ مَکِیْلٍ اَوْ مَوْزُوْنٍ اِذَا بِیْعَ بِجِنْسِہٖ مُتَفَاضِلاً.

حل لغت: بِجِنْسِہٖ ایک ہی قسم کی چیز دونوں طرف ہوں مثلاً مبیع بھی گیہوں اور ثمن بھی گیہوں ہوں۔

ترجمہ: (۹۲۱)(۱) ربٰو حرام ہے ہر کیلی اور وزنی چیز میں جب بیچی جائے اس کی جنس کے بدلے میں کمی بیشی کر کے۔

تشریح: کیلی چیز وہ ہے جو پہلے زمانہ میں صاع میں بھر کر فروخت کرتے تھے جیسے گیہوں، چاول اور وزنی چیز وہ ہے جو ترازو سے تولی جاتی ہے جیسے درہم، دینار اور لوہا وغیرہ۔

چنانچہ کیلی یا وزنی چیز ہو اور مبیع اور ثمن ایک جنس کے ہوں مثلاً دونوں طرف گیہوں ہوں یا چاول کے بدلے چاول لے رہا ہو یا درہم کے بدلے درہم لے رہا ہو یا دینار کے بدلے دینا لے رہا ہو چونکہ ان بیوع میں دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے اس لئے برابر سرابر لینا ہوگا کمی بیشی کرے گا تو حرام ہوگا اور نقد قبضہ کرنا ہوگا دونوں میں سے ایک بھی اُدھار ہوگا تو سود ہو جائے گا۔

(۲/۹۳۱) فَالْعِلَّۃُ فِیْہِ الْکَیْلُ مَعَ الْجِنْسِ اَوِ الْوَزْنُ مَعَ الْجِنْسِ.

ترجمہ: تو علت ربٰو میں کیل ہے جنس کے ساتھ یا وزن ہے جنس کے ساتھ۔

علت ربٰو کی تحقیق میں اختلافِ مذاہب

تشریح: نفس ربٰو کی حرمت تو آیت وَحَرَّمَ الرِّبٰوا سے ثابت ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن آیت ربٰو میں انتہائی اجمال ہے اس کی تفصیل کے لئے زبان نبوت پر یہ کلمات جاری ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۱) سونا سونے کے بدلے .... میں۔

(۲) چاندی چاندی کے بدلے .... میں۔

(۳) گیہوں گیہوں کے بدلے .... میں۔

(۴) جو جو کے بدلے .... میں۔

(۵) کھجور کھجور کے بدلے .... میں۔

(۶) نمک نمک کے بدلے .... میں۔

برابر سرابر، ہاتھوں ہاتھ چنانچہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو سود لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہیں۔ (مسلم شریف ۲/۲۵)

اب سوال یہ ہے کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا حرمت کا یہ حکم عام ہے؟ اگر عام ہے تو پھر کن چیزوں میں یہ حکم جاری ہوگا۔ اور کن میں جاری نہیں ہوگا اس بارے میں فقہاء کے درمیان آپس میں اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ حکم معلول بعلۃ ہے یعنی ایک علت ہے جو ان چھ چیزوں کے درمیان مشترک ہے اب وہ علت جہاں کہیں پائی جائے گی حرمت کا حکم وہاں منطبق ہو جائے گا اور کمی بیشی اور ادھار حرام ہوگا پھر اس علت کی تعیین میں جمہور کے درمیان آپس میں اختلاف ہو گیا اور اس بارے میں تین مذاہب ہیں۔

اختلاف الائمة

(۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ علت "قدر" اور جنس ہے۔ قدر کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا کیلی یا وزنی ہونا لہٰذا جو چیز کیل یا وزن کے ذریعہ فروخت کی جاتی ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جائیگا کہ اس کے اندر "قدر" موجود ہے۔

جنس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا تبادلہ اس کے ہم جنس سے کرنا لہٰذا جس جگہ پر یہ دو چیزیں پائی جائیں گی حرمت تفاضل اور نسیئہ کا حکم آ جائے گا چنانچہ جس طرح گیہوں کو گیہوں کے عوض فروخت کرتے وقت کمی زیادتی اور اُدھار حرام ہے اس طرح چاول کو چاول کے بدلے فروخت کریں تو بھی یہی حکم ہوگا اسی طرح مکئی کو مکئی کے بدلے فروخت کریں اور باجرہ کا تبادلہ باجرہ سے کریں سیب کا تبادلہ سیب سے کریں آم کو آم کے عوض فروخت کریں تمام صورتوں میں یہی حکم ہوگا امام صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث میں جن چھ چیزوں کا تذکرہ آیا ہے ان میں سے چار چیزوں میں "کیل" پایا جاتا ہے۔ (۱) گیہوں (۲) جو (۳) کھجور (۴) نمک اور سونے اور چاندی میں وزن پایا جاتا ہے لہٰذا جہاں کہیں کیل یا وزن پایا جائے گا اور جنس کا تبادلہ جنس سے ہوگا حرمت کا حکم آئے گا۔

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت کی علت

امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرمت کی علت طعم یا ثمنیت کا پایا جاتا ہے جب کہ جنس کا تبادلہ جنس سے ہو کیونکہ ان چھ چیزوں میں آخری چار چیزوں میں طعم پایا جاتا ہے لہٰذا جو چیز کھانے کے لائق ہو اس کے اندر بھی حرمت کی علت موجود ہے۔ لہٰذا ایک انڈے کو دو انڈوں کے عوض بیچنا ناجائز ہے کیونکہ ربوٰ کی علت طعم موجود ہے۔ اور سونے چاندی میں ثمنیت پائی جارہی ہے لہٰذا جو چیز ثمن بن رہی ہو اس میں بھی حرمت کی علت موجود ہے۔

(۳) امام مالک کے نزدیک حرمت کی علت

امام مالک فرماتے ہیں کہ ربوٰ کی علت اقتیات اور ادّخار ہے یعنی جن چیزوں کو کھایا جاتا ہو اور ان کو ذخیرہ بنا کر رکھا

جا سکتا ہو اور وہ چیز خراب ہونے والی نہ ہو لہٰذا جن چیزوں میں یہ علت پائی جائے گی وہاں حرمت کا حکم آ جائے گا۔ ورنہ نہیں چنانچہ تربوز وغیرہ جن کو خشک کر کے ذخیرہ نہیں کیا جاتا ہے ان میں اگر اتحاد جنس بھی ہو تب بھی امام مالک کے نزدیک ایک تربوز کو دو تربوزوں کے عوض بیچنا جائز ہے۔

احناف کے مذہب کی وجوہ ترجیح

احناف نے قدر اور جنس کو جو علت قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے حضرات فقہاء کے پاس کوئی نص موجود نہیں ہے احناف کے پاس نص موجود ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی علت مقرر کی جائے جس کی وجہ سے تفاضل کی حرمت زیادہ عام اور وسیع ہو جائے اور اس کی وجہ سے زیادہ چیزوں میں تفاضل حرام ہو جائے طعم یا اقتیات کو علت قرار دینے میں حرمت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے ان وجوہات کی بنا پر حنفیہ نے قدر اور جنس کو ربوٰ کی علت قرار دیا ہے۔

(۳/۹۳۲) فَاِذَا بِيْعَ الْمَكِيْلُ بِجِنْسِهِ اَوِ الْمَوْزُوْنُ بِجِنْسِهِ مِثْلاً بِمِثْلٍ جَازَ الْبَيْعُ وَاِنْ تَفَاضَلَا لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: پھر جب بیچی جائے کیلی چیز اس کی جنس کے بدلے یا وزنی چیز اس کی جنس کے بدلے برابر سرابر تو جائز ہے بیع اگر کمی بیشی کرے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: مبیع اور ثمن دونوں ایک قسم کی چیزیں ہوں مثلاً دونوں طرف کھجور ہوں یا دونوں طرف وزنی چیز سونا ہو تو دونوں کو برابر سرابر بیچے تو جائز ہے اور کمی بیشی سے فروخت کرے تو ناجائز ہے۔ کیونکہ ماقبل میں جو چھ چیزوں کے بارے میں روایت گذری ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برابر سرابر بیچو تو ٹھیک ہے اور جائز ہے اور کمی بیشی کی تو جائز نہیں ہے۔

(۴/۹۳۳) وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ الْجَيِّدِ بِالرَّدِيِّ مِمَّا فِيْهِ الرِّبٰوا اِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ.

حل لغت: الجید عمدہ، کھرا الردی گھٹیا، کھوٹا مما فیه الربو جن چیزوں میں ربوٰ جاری ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور جائز نہیں عمدہ کو بیچنا ردی کے بدلے ربوٰ چیزوں میں سے مگر برابر سرابر۔

تشریح: جن چیزوں میں ربوٰ جاری ہوتا ہے مثلاً گیہوں تو چاہے عمدہ گیہوں کو گھٹیا گیہوں کے بدلے بیچے پھر بھی برابر ضروری ہے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث ربوٰ میں اسکی کوئی تفصیل نہیں بلکہ وہ مطلق ہے۔

جواز کی ایک صورت

اگر برابر سرابر نہیں بیچنا چاہتا ہے تو اس طرح کرے کہ مثلاً گھٹیا گیہوں ۱۵/روپئے کے دو کلو مشتری کے ہاتھ بیچ دے اور اسی مشتری سے ۱۵/روپئے کے ایک کلو عمدہ گیہوں خرید لے اس صورت میں گیہوں گیہوں کے بدلے میں نہیں

ہوا بلکہ دوکلو گھٹیا گیہوں کے بدلے ۱۵؍روپئے آئے اور ایک کلو عمدہ گیہوں ۱۵؍روپئے کے بدلے لئے گئے اس طرح یہ لین دین جائز ہوجائے گا۔

(۵/۹۳۴) وَإِذَا عَدِمَ الْوَصْفَانِ الْجِنْسُ وَالْمَعْنَى الْمَضْمُوْمُ إِلَيْهِ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَآءُ.

حل لغت: التفاضل کمی وزیادتی، النساء اُدھار

ترجمہ: اور جب نہ رہیں دونوں وصف یعنی جنس اور وہ معنی جو اس کے ساتھ ملائے گئے ہیں تو کمی بیشی اور اُدھار جائز ہیں۔

تشریح: ماقبل میں تفصیلاً یہ بات آچکی ہے کہ سود کی دو علتیں تھیں اگر یہ دونوں علتیں نہ ہوں تو کمی بیشی بھی حلال ہوگی اور اُدھار لینا بھی حلال ہوگا مجلس میں مبیع اور ثمن پر قبضہ کرنا ضروری نہ ہوگا چنانچہ اگر گیہوں کو جو کے بدلے بیچے تو کمی زیادتی کرکے بیچ سکتا ہے اسی طرح سونے کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی کرکے بیچ سکتا ہے۔

(۶/۹۳۵) وَإِذَا وُجِدَا حَرُمَ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَآءُ.

ترجمہ: اور اگر دونوں علتیں پائی جائیں تو زیادتی اور اُدھار دونوں حرام ہیں۔

تشریح: دونوں چیزیں ایک جنس کی ہوں اور دونوں کیلی یا وزنی ہوں تو کمی بیشی بھی حرام اور ادھار بھی حرام ہوگا۔

(۷/۹۳۶) وَإِذَا وُجِدَ أَحَدُهُمَا وَعَدِمَ الْآخَرُ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَحَرُمَ النَّسَاءُ.

ترجمہ: اور اگر دونوں علتوں میں سے ایک پائی جائے اور دوسری نہ ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اُدھار حرام ہے۔

تشریح: اگر ایک وصف موجود ہو اور ایک معدوم ہو تو کمی بیشی حلال ہے لیکن ادھار حرام ہوگا دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے جیسے گیہوں کے بدلے چاول دونوں کیلی ہیں مگر جنس الگ الگ ہے یا سونے کے بدلے چاندی دونوں وزنی ہیں مگر دونوں ایک جنس کے نہیں ہیں تو کمی بیشی حلال ہوگی لیکن ادھار جائز نہیں ہوگا اور اگر مبیع اور ثمن کیلی اور وزنی نہ ہوں البتہ ایک ہی قسم کی دونوں چیزیں ہو تو کمی زیادتی جائز ہے لیکن اس صورت میں ادھار حرام ہوگا مثلاً اخروٹ کے بدلے اخروٹ خریدے تو اخروٹ عددی ہے اس لئے ایک اخروٹ دے کر دو اخروٹ لے سکتا ہے لیکن ادھار جائز نہیں ہے۔

(۸/۹۳۷) وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ كَيْلاً فَهُوَ مَكِيْلٌ أَبَداً وَإِنْ تَرَكَ النَّاسُ فِيْهِ الْكَيْلَ مِثْلُ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمَرِ وَالْمِلْحِ وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ وَزْناً فَهُوَ مَوْزُوْنٌ أَبَداً وَإِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْوَزْنَ فِيْهِ

مِثْلُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ.

ترجمہ: اور ہر وہ چیز کہ تصریح کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمی بیشی کے حرام ہونے پر اس میں کیل کے اعتبار سے تو وہ کیلی رہے گی ہمیشہ اگر چہ چھوڑ دیں لوگ اس میں کیل کرنا جیسے گیہوں، جو، کھجور اور نمک اور ہر وہ چیز کہ تصریح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمی زیادتی کے حرام ہونے پر اس میں وزن کے اعتبار سے تو وہ وزنی رہے گی ہمیشہ اگر چہ چھوڑ دیں لوگ اس میں وزن کرنا جیسے سونا اور چاندی۔

کیلی اور وزنی ہونے کا معیار

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چیزیں کیلی تھیں وہ قیامت تک کیلی ہی رہیں گی اور کمی بیشی کا اعتبار کیل کے اعتبار سے ہوگا چاہے بعد میں لوگوں نے ان چیزوں کو کیل کرنا چھوڑ دیا ہو مثلاً گیہوں، جو، کھجور، نمک وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیل سے بیچے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کی ہے کہ یہ کیلی ہیں اس لئے ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی اور جو چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وزنی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ وزنی ہے تو وہ قیامت تک وزنی ہی رہے گی، اور مساوات کا اعتبار کیلی میں کیل کے ساتھ ہوگا اور وزن میں وزن کے ساتھ ہوگا کیونکہ آپ کی حدیث قیامت تک کے لئے ہے اور آپ کا دین قیامت تک کے لئے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کا اعتبار بھی قیامت تک رہے گا۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عادت بدل گئی ہو تو اب عادت کے مطابق فیصلہ ہوگا مثلاً اب گیہوں، کو کیل کے بجائے کلو سے بیچنے لگے ہیں تو اب سود کا مدار کلو پر ہوگا کیل پر نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی عادت کے مطابق فیصلہ کیا گیا تھا اب عادت بدل گئی تو فیصلہ بھی بدل جائے گا۔ (ہدایہ جلد ثالث، ص: ۸۰)

(۹۳۸/۹) وَمَا لَمْ يُنَصَّ عَلَيْهِ فَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى عَادَاتِ النَّاسِ.

ترجمہ: اور جس چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تصریح نہیں فرمائی ہے تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہے۔

تشریح: جن چیزوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے کہ وہ کیلی ہیں یا وزنی تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہوں گی لوگ اگر کیلی طور پر استعمال کرتے ہیں تو کیلی ہوں گی اور وزنی طور پر استعمال کرتے ہیں تو وزنی ہوں گی۔

(۹۳۹/۱۰) وَعَقْدُ الصَّرْفِ مَا وَقَعَ عَلٰى جِنْسِ الْاَثْمَانِ يُعْتَبَرُ فِيْهِ قَبْضُ عِوَضَيْهِ فِي الْمَجْلِسِ وَمَا سِوَاهُ مِمَّا فِيْهِ الرِّبٰوا يُعْتَبَرُ فِيْهِ التَّعْيِيْنُ وَلَا يُعْتَبَرُ فِيْهِ التَّقَابُضُ.

ترجمہ: اور عقد صرف جو واقع ہوا اثمان (سونا چاندی) کی جنس پر معتبر ہے اس میں اس کے دونوں عوضوں پر قبضہ ہونے کا مجلس میں اور جو اس کے علاوہ ہے جس میں ربوٰ ہے اس میں اعتبار کیا جائے گا تعیین کا اور نہیں اعتبار کیا جائے گا اس میں قبضہ کا۔

تشریح: باب الصرف مستقل آنے والا ہے تفصیل تو وہیں پر بیان کی جائے گی یہاں پر صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ جن جن صورتوں میں سود ہوتا ہے ان صورتوں میں دونوں طرف سونا ہو یا چاندی ہو یا ایک طرف سونا ہو اور دوسری طرف چاندی ہو تو ماقبل میں گذر چکا ہے کہ ادھار جائز نہیں ہے نقد ضروری ہے اور نقد میں بھی یہ ہے کہ مجلس میں دونوں پر قبضہ کرے صرف تعیین کرنا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ ثمن یعنی سونا چاندی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے جب تک کہ قبضہ نہ کرلیا جائے سود اور ادھار سے بچنے کے لئے ان دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔ ان کے علاوہ جو غلہ جات ہیں جن میں سود ہوتا ہے ادھار سے بچنے کیلئے ان پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے مجلس میں صرف متعین ہو جائے۔ کہ یہ گیہوں یا یہ کھجور دینا ہے اتنا ہی کافی ہے۔ باضابطہ قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۱۱/۹۴۰) وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ بِالدَّقِيْقِ بِالسَّوِيْقِ وَكَذٰلِكَ الدَّقِيْقُ بِالسَّوِيْقِ.

حل لغات: الدقیق آٹا السویق ستو۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے گیہوں کی بیع آٹے سے اور نہ ستو سے اور ایسے ہی آٹے کی بیع ستو سے۔

احکام ربوٰ کی تفصیل

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک گندم کی بیع اس کے آٹے کے عوض اور گندم کی بیع اس کے ستو کے عوض جائز نہیں ہے نہ برابر کر کے اور نہ کمی زیادتی کے ساتھ۔ کیونکہ گیہوں اور آٹے اور ستو کو ناپنے کا پیمانہ کیل ہوتا ہے اور کیل کے ذریعہ گندم اور اس کے آٹے اور ستو کے درمیان برابری پیدا کرنا ناممکن ہے کیونکہ پیمانے میں آٹے کو ٹھوس ٹھوس کر بھرا جا سکتا ہے مگر گیہوں کے دانوں کے درمیان چونکہ خلا باقی رہتا ہے اس لئے اس کو ٹھوس کر کے نہیں بھرا جا سکتا ہے تو برتن کے بھرنے کے اعتبار سے برابر ہے لیکن وزن کے اعتبار سے بہت فرق ہوگا اس لئے مساوات نہیں ہوئی اور دونوں ایک ہی قسم کی چیز اور جنس ہیں اس لئے برابری ضروری تھی اور وہ ہوئی نہیں اس لئے گیہوں کو آٹے کے بدلے یا ستو کے بدلے بیچنا جائز نہیں ہے اور بیچنا ہی ہو تو روپے کے بدلے بیچے جواز کی صورت مسئلہ (۹۲۴) کے تحت دیکھئے۔ اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ گیہوں کے آٹے کی بیع گیہوں کے ستو کے بدلے نہ برابر کر کے جائز ہے اور نہ کمی زیادتی کے ساتھ جائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک ستو اور آٹا دو جنس ہیں کیونکہ آٹے سے روٹی پکاتے ہیں پراٹھے پکاتے ہیں اور ستو گھول کر پیتے ہیں گھی اور شکر ملا کر کھاتے ہیں معلوم ہوا کہ ستو اور آٹا دو الگ الگ جنس ہیں اس لئے آٹا ستو کے

عوض بیچنا جائز ہے۔

(۱۴/۹۴۱) وَيَجُوْزُ بَيْعُ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوْزُ حَتّٰی يَكُوْنَ اللَّحْمُ اَكْثَرَ مِمَّا فِی الْحَيَوَانِ فَيَكُوْنُ اللَّحْمُ بِمِثْلِهٖ وَالزِّيَادَةُ بِالسَّقَطِ.

حل لغت: السقط جمع اسقاط ہرنا کارہ چیز یہاں پر ہڈی سینگ اور اوجھڑی، کھال، پائے وغیرہ مراد ہیں۔

ترجمہ: اور جائز ہے گوشت کی بیع حیوان کے بدلے شیخین کے نزدیک اور فرمایا امام محمد نے نہیں جائز ہے یہاں تک کہ ہو گوشت زیادہ اس سے جو حیوان میں ہے تو ہو جائے گا گوشت گوشت کے بدلے میں اور زائد گوشت ہڈی اور سینگ وغیرہ کے مقابلہ میں۔

بیع اللحم بالحیوان

تشریح: مثلاً گائے کا گوشت ہو اور زندہ گائے بدلے میں فروخت کرنا چاہتا ہے تو شیخین کے نزدیک جائز ہے چاہے گائے میں گوشت پچاس کلو ہو اور کٹا ہوا گوشت پچیس کلو ہو۔

دلیل: گوشت وزنی ہے اس کی خرید وفروخت وزن کے ذریعہ کی جاتی ہے اور گائے عددی ہے اس کا وزن نہیں کیا جاتا اور وزن کرنا ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ کبھی جانور اپنا بوجھ ہلکا کرتا ہے اور کبھی بھاری کر لیتا ہے تو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ جانور نے اپنا بوجھ ہلکا کر رکھا ہے یا بھاری کر رکھا ہے۔ تو گائے اور کٹا ہوا گوشت دو الگ الگ جنس ہوئیں اس لئے کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

امام محمدؒ کا مذہب

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو کٹا ہوا گوشت ہے وہ اس گوشت سے زیادہ ہونا چاہئے جو زندہ گائے میں ہے تب تو جائز ہے ورنہ نہیں مثلاً زندہ گائے میں پچاس کلو ہے تو کٹا ہوا گوشت ساٹھ کلو ہونا چاہئے تا کہ پچاس کلو پچاس کلو کے برابر ہو جائے اور دس کلو کٹا ہوا گوشت گائے کی ہڈی، سینگ، کلیجی، گردہ وغیرہ کے بدلے ہو جائے۔

دلیل: اگر الگ کیا ہوا گوشت زندہ گائے کے گوشت سے زیادہ نہ ہو بلکہ برابر ہو یا اس سے کم ہو تو ربوٰ متحقق ہو جائے گا کیونکہ اگر برابر ہو تو زندہ گائے کے باقی اجزاء کھال وغیرہ زیادہ ہیں اور الگ کیا ہوا گوشت کم ہو تو اس صورت میں زندہ گائے کا کچھ گوشت اور کھال وغیرہ زیادہ ہوں گے اور ان دونوں صورتوں میں ربوٰ ہے۔

(۱۳/۹۴۲) وَيَجُوْزُ بَيْعُ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ مَثَلًا بِمَثَلٍ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَكَذٰلِكَ الْعِنَبُ بِالزَّبِيْبِ.

حل لغات: الرطب تر کھجور العنب انگور الزبیب کشمش، سوکھے ہوئے انگور کو کشمش کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور جائز ہے تر کھجور کی بیع خشک کھجور کے بدلے برابر سرابر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور ایسے ہی انگور کی بیع کشمش کے بدلے۔

بیع الرطب بالتمر

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا کمی زیادتی کے ساتھ بالاجماع ناجائز ہے اور متساویاً یعنی برابر سرابر بیچ سکتے ہیں یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے برابر سرابر بیچنا جائز ہے۔

دلیل: دونوں ہی کھجور ہیں اس لئے ایک جنس ہیں برتن میں بھر کر دونوں کو برابر کر کے بیچے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کی تازہ کھجور پیش کی گئی ان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أو کل تمر خیبر هکذا کیا خیبر کی تمام کھجور ایسی ہی ہیں؟۔عینی ۳/۱۵۸

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رطب کو تمر فرمایا معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی جنس ہیں اور جنس کا تبادلہ جنس کے ساتھ برابر سرابر جائز ہے۔اسی طرح انگور اور اس سے خشک ہو کر کشمش ایک ہی جنس ہیں اس لئے دونوں کو برتن میں بھر کر برابر کردے اور بیچے تو جائز ہے۔

(۲) صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا جائز نہیں ایسے ہی انگور کو خشک انگور (کشمش) کے عوض نہ متساویاً بیچنا جائز ہے اور نہ متفاضلاً۔

دلیل: یہ حضرات فرماتے ہیں کہ دونوں کی جنس ایک ہے اور برتن میں بھر کر بیچیں گے تو ابھی تو دونوں برابر ہو جائیں گے لیکن بعد میں تر کھجور خشک ہو کر اس کی مقدار کم ہو جائے گی تو بعد میں برابری باقی نہ رہے گی اس لئے بیچنا ممنوع ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس آدمی سے جس نے کھجور کو تر کھجور کے بدلے میں خریدا فرمایا کیا تر کھجور کم ہو جاتی ہے جب خشک ہو جاتی ہے؟ لوگوں نے فرمایا ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بیع سے روکا۔
(عینی ۳/۱۵۸)

جواب: اس حدیث کا دار و مدار زید بن عیاش پر ہے جو ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف اور مجہول راوی ہیں اس لئے یہ روایت حدیث مشہور کے مقابلہ میں قابل استدلال نہ ہوگی۔

(۱۴/۹۴۳) وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الزَّيْتُوْنِ بِالزَّيْتِ وَالسِّمْسِمِ بِالشَّيْرَجِ حَتّٰى يَكُوْنَ الزَّيْتُ وَالشَّيْرَجُ أَكْثَرَ مِمَّا فِي الزَّيْتُوْنِ وَالسِّمْسِمِ فَيَكُوْنُ الدُّهْنُ بِمِثْلِهِ وَالزِّيَادَةُ بِالشَّجِيْرَةِ.

حل لغات: الزیتون ایک مشہور درخت کا نام جس پر پھل لگتے ہیں، الزیت زیتون کا تیل السمسم تل

واحد سمسمة، الشیرج تل کا تیل الدھن کسی چیز کا تیل الشجیرۃ کھلی۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے زیتون کی بیع زیتون کے تیل ساتھ اور تل کی بیع تل کے تیل کے ساتھ یہاں تک کہ ہو زیتون کا تیل اور تل کا تیل زیادہ اس سے جو زیتون اور تل میں ہے چنانچہ ہوگا تیل تیل کے مقابلہ میں اور زائد تیل کھلی کے بدلے میں۔

تشریح: اگر زیتون کو زیتون کے تیل کے بدلے یا تل کو اس کے تیل کے بدلے بیچا گیا اور زیتون کا تیل اس تیل سے زیادہ ہے جو زیتون میں ہے اور خالص تیل اس تیل سے زیادہ ہے جو تلوں میں ہے مثلاً دو کلو زیتون کا خالص تیل ہے اس کو چھ کلو زیتون پھل کے بدلے میں بیچنا چاہتا ہے اور چھ کلو زیتون میں ڈیڑھ کلو تیل موجود ہے تو بیع جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ نکالا ہوا ڈیڑھ کلو تیل اس تیل کے برابر ہو جائے گا جو زیتون کے پھل میں ڈیڑھ کلو تیل ہے اور باقی آدھا کلو تیل زیتون کی کھلی کے مقابلے میں ہو جائے گا اس طرح ڈیڑھ کلو تیل ڈیڑھ کلو تیل کے مقابلہ میں ہو گیا اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے مساوات اور برابری ہوگئی اور اگر زیتون کے پھل میں جتنا تیل ہے نکالا ہوا تیل اس سے کم یا اس کے برابر ہو تو یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ خالص تیل بھی وزنی ہے اور جو تیل زیتون اور تلوں میں ہے وہ بھی وزنی ہے اس لئے قدر مع الجنس کے پائے جانے کی وجہ سے بیع جائز ہونے کے لئے دونوں عوضوں کا برابر ہونا ضروری ہے۔

(۱۵/۹۴۴) وَيَجُوْزُ بَيْعُ اللُّحْمَانِ الْمُخْتَلِفَةِ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً.

حل لغت: اللُحمان لحم کی جمع ہے گوشت

ترجمہ: اور جائز ہے بیع مختلف گوشت کی بعض کی بعض کے ساتھ کمی بیشی کر کے۔

تشریح: اگر گوشت مختلف اجناس کا ہو مثلاً اونٹ کا گوشت ہے، گائے کا گوشت ہے، اور بکری کا گوشت ہے، ان میں سے اگر ایک کو دوسرے کے عوض کی زیادتی کے ساتھ بیچا گیا تو جائز ہے کیونکہ بکری الگ جنس ہے گائے الگ جنس ہے اونٹ الگ جنس ہے اور اختلاف جنس کی صورت میں چونکہ کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہوتا ہے اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔

(۱۶/۹۴۵) وَكَذٰلِكَ اَلْبَانُ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً.

حل لغات: البان لبن کی جمع ہے دودھ الابل اونٹ۔

ترجمہ: اور ایسے ہی اونٹنی گائے، اور بکری کا دودھ بعض کا بعض کے ساتھ کمی بیشی کر کے (بیچنا جائز ہے)

تشریح: شیخ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اونٹنی گائے اور بکری کے دودھ میں بھی اختلاف جنس ہے لہٰذا ایک کا دودھ دوسرے کے دودھ کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

(۱۷/۹۴۶) وَخَلُّ الدَّقَلِ بِخَلِّ الْعِنَبِ مُتَفَاضِلاً.

حل لغات: خل سرکہ جمع خلال، الدقل ردی اور ادنیٰ قسم کی کھجور۔

ترجمہ: (۹۳۷)(۱۷)(اور اسی طرح جائز ہے) کھجور کے سرکہ کی انگور کے سرکہ کے عوض کمی زیادتی سے۔

تشریح: کھجور کا سرکہ اور انگور کا سرکہ ان دونوں کی الگ الگ جنس ہے کیونکہ دونوں دو الگ الگ جنس سے ہے لہٰذا اس وجہ سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اگرچہ دونوں کا نام سرکہ ہے۔

(۹۳۷/۱۸) وَيَجُوزُ بَيْعُ الْخُبْزِ بِالْحِنْطَةِ وَالدَّقِيْقِ مُتَفَاضِلاً.

حل لغات: الخبز روٹی جمع اخباز، الدقیق آٹا۔

ترجمہ: اور جائز ہے روٹی کی بیع گیہوں سے اور آٹے سے کمی بیشی کر کے۔

تشریح: روٹی اگرچہ گیہوں کے آٹے کی ہو پھر بھی اس کو الگ جنس قرار دیا گیا ہے کیونکہ روٹی عدد سے گن کر بکتی ہے اور گیہوں و آٹا کیلی ہیں اسی طرح روٹی کا مصرف الگ ہے اور گیہوں کا مصرف الگ ہے اس لئے دونوں الگ الگ دو جنس ہو گئیں اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

(۹۴۸/۱۹) وَلَا رِبٰوا بَيْنَ الْمَوْلٰى وَعَبْدِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں ہے سود آقا اور اس کے غلام کے درمیان۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ غلام اور اس کے آقا کے درمیان ربوٰ متحقق نہ ہوگا یعنی اموال ربوٰیہ میں اگر یہ دونوں کمی زیادتی کے ساتھ خرید و فروخت کریں تو یہ ربوٰ نہ ہوگا۔ مثلاً آقا اپنے غلام سے ایک درہم کے بدلے دو درہم لے تو یہ سود نہیں ہے۔ لے سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ غلام پر لوگوں کا اس قدر قرض نہ ہو جو اس کے رقبہ کا احاطہ کر لے کیونکہ غلام پر قرض ہوگا تو غلام کا روپیہ صرف غلام کا نہیں ہے بلکہ قرض دینے والے کا ہے اور اگر غلام پر قرض نہیں ہے تو غلام کے پاس جو روپیہ ہے وہ سب مولیٰ کا ہے اس لئے ایک درہم دے کر دو درہم لے تو گویا کہ آقا نے اپنا ہی روپیہ لیا اس لئے یہ سود نہیں ہوگا۔

(۹۴۹/۲۰) وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ.

ترجمہ: اور نہیں ہے سود مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں۔

دار الحرب میں حربی اور مسلمان کے درمیان ربوٰ کا بیان

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان ربوٰ نہیں ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان امان لیکر دار الحرب میں گیا اور کسی حربی کے ہاتھ ایک درہم دو درہم کے عوض فروخت کیا تو یہ حلال اور جائز

ہے، امام ابو یوسف وامام شافعی کے نزدیک مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں ربو ہوتا ہے، یعنی ایک درہم کا دو درہم کے عوض بیچنا ناجائز ہے، اور یہی قول امام مالک واحمد کا ہے۔

باب السَّلم

یہ باب بیع سلم کے بیان میں ہے

سلم کی لغوی تعریف: ایک قسم کی بیع کا نام ہے جس میں ثمن پہلے دی جائے۔

اصطلاحی تعریف: قیمت ابھی لے اور مبیع کچھ دنوں کے بعد دے۔

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو مبیع تمہارے پاس نہ ہو اس کو مت بیچو لیکن غریب لوگوں کے لئے سہولت دی گئی ہے کہ وہ مالداروں سے قیمت ابھی لیں اور اس قیمت سے خرید وفروخت کرتے رہیں اور نفع کماتے رہیں پھر جب مبیع دینے کا وقت آئے مبیع خرید کر مشتری کے حوالے کردیں۔

بیع سلم کا ثبوت: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُم بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ.

(آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم متعین مدت تک دین کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ بیع سلم بھی دین کا ایک معاملہ ہے اس لئے اس کا جواز بھی اس آیت میں شامل ہے۔

بیع سلم کا ثبوت حدیث سے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور لوگ پھل میں دو سال اور تین سال کے لئے بیع سلم کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے تو کیل معلوم ہو وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔ (بخاری شریف ۱/ ۲۹۸)

نوٹ: باب السلم میں بائع کو مسلم اليه، مشتری کو رب السلم، مبیع کو مسلم فيه اور ثمن کو رأس المال کہتے ہیں۔

(۹۵۰/۱) اَلسَّلَمُ جَائِزٌ فِي الْمَكِيْلَاتِ وَالْمَوْزُوْنَاتِ وَالْمَعْدُوْدَاتِ الَّتِيْ لَاتَتَفَاوَتُ كَالْجَوْزِ وَالْبَيْضِ وَالْمَذْرُوْعَاتِ.

حل لغات: تتفاوت دو چیزوں میں اختلاف اور دوری ہونا الجوز اخروٹ البیض انڈا

ترجمہ: سلم جائز ہے کیلی وزنی اور ایسی عددی چیزوں میں جن کے افراد میں تفاوت نہیں ہوتا ہے جیسے اخروٹ اور انڈے اور گز سے ناپی جانے والی چیزوں میں۔

تشریح: جو چیزیں کیل سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں جیسے گیہوں چاول وغیرہ اسی طرح جو چیزیں وزنی ہوں یا عدد سے گن کر بیچی جاتی ہوں لیکن ان کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو جیسے اخروٹ اور انڈے ان کے افراد میں زیادہ فرق نہیں ہوتا ان کے چھوٹے بڑے دینے سے جھگڑا نہیں ہوتا اسی طرح جو چیزیں ہاتھ یا گز سے ناپ کر بیچی جاتی ہیں جیسے کپڑا وغیرہ ان تمام میں بیع سلم جائز ہے۔

وزنی چیزوں میں دراہم اور دنانیر بھی ہیں ان کی بیع سلم جائز نہیں کیونکہ ان کی صفات متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی اس لئے وزنی سے وہ چیزیں مراد ہیں جو وزن کی جاتی ہوں لیکن دراہم اور دنانیر نہ ہوں جیسے لوہا وغیرہ۔

مکیلات اور موزونات میں جائز ہونے کی دلیل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَفِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ. (بخاری ۱/ ۲۹۹)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نے کسی چیز میں بیع سلم کی تو کیل معلوم ہو وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

عددی چیزوں میں بیع سلم جائز ہونے کی دلیل

فَكَانَ يَأْخُذُ الْبَعِيْرَ بِالْبَعِيْرَيْنِ اِلٰى اِبِلِ الصَّدَقَةِ. (ابوداؤد ۲/ ۴۷۷ باب فی الرخصۃ)

ترجمہ: یعنی عبد اللہ بن عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلے میں لیتے تھے، صدقہ کے اونٹ کے آنے تک، اس حدیث سے عددی چیزوں میں بیع سلم کا پتہ چلتا ہے۔

مذروعات میں بیع سلم جائز ہونے کی دلیل

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سوت کے کپڑوں کے سلم کے بارے میں فرمایا اگر گز معلوم ہو اور مدت معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۴/ ۲۹۸)

(۲/۹۵۱) وَلَايَجُوْزُ السَّلَمُ فِي الْحَيَوَانِ وَلَا فِيْ أَطْرَافِهِ وَلَا فِي الْجُلُوْدِ عَدَداً.

حل لغات: اطراف طرف کی جمع ہے اعضاء جلود جلد کی جمع ہے کھال عدداً گن کر۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے سلم حیوان میں اور نہ اس کے اطراف میں اور نہ کھال میں گن کر۔

تشریح: قیمت ابھی دیدے اور جانور کی ساری صفات متعین کر کے چار ماہ بعد لے اسی طرح حیوان کے سر،

پاؤں وغیرہ کی بیع سلم کرے یا اس کی کھال میں بیع سلم کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔ حیوان میں بیع سلم کا حکم کیا ہے اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

اختلاف الائمة

شوافع کے نزدیک: حیوان میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ جب جانور کی تمام صفات اور عمر وغیرہ متعین کردی جائیں تو کافی حد تک تعین ہو جاتا ہے اس لئے جانور اس کے اعضاء اور کھال کی بیع سلم جائز ہے۔ اسی کے قائل امام مالکؒ واحمدؒ ہیں۔ (عینی ۳/۱۸۲)

حنفیہ کا مذہب: حنفیہ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بیع سلم کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ چیز کیلی ہو۔ یا وزنی ہو یا عددیات متقاربہ میں سے ہو لہٰذا اگر کوئی چیز عددی ہے لیکن اس کے افراد میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے تو اس میں بیع سلم جائز نہ ہوگی چونکہ دو حیوانوں کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے بعض مرتبہ ظاہری طور پر دو بھینس ایک جیسی ہوں گی لیکن ایک بھینس زیادہ دودھ دینے والی ہوگی اور دوسری کم ایک زیادہ بچے دے گی اور دوسری کم اس لئے جانور میں صفت متعین کرنا مشکل ہے ایسے ہی ان کے سر اور پاؤں میں بھی بہت فرق ہوتا ہے اور ان کی کھال کے چھوٹے بڑے ہونے میں فرق ہوتا ہے اس لئے ان میں جھگڑے کا امکان ہے جب ادائیگی کا وقت آئے گا تو بائع کہے گا کہ میں نے گھٹیا چیز میں بیع سلم کی تھی اور مشتری کہے گا کہ "نہیں" اعلیٰ اور عمدہ چیز میں بیع سلم کی تھی۔ اس لئے جانور اس کے اعضاء اور اس کی کھال میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۸۳)

(۳/۹۵۲) وَلَا فِي الْحَطَبِ حُزَماً وَلَا فِي الرَّطْبَةِ جُرَزاً.

حل لغات: الحطب ایندھن کی لکڑی جمع احطاب، حزماً لکڑی وغیرہ کا گٹھڑ الرطبة سبز گھاس تازہ سبزی جرزاً واحد جرزة گڈی، گٹھا، بنڈل

ترجمه: اور نہیں جائز ہے بیع سلم لکڑیوں میں گٹھڑ کے اعتبار سے اور نہ سبزیوں میں گڈی کے اعتبار سے۔

تشریح: ایندھن کی لکڑیوں کا گٹھڑ بناتے ہیں اور بیچتے ہیں بعض گٹھڑ میں زیادہ لکڑیاں ہوتی ہیں اور بعض میں کم بالکل ایک طرح کا گٹھڑ نہیں بن پاتا ایسے ہی ساگ، سبزیوں کی گڈی بناتے ہیں کسی میں زیادہ ہوتی ہے اور کسی میں کم اس لئے ان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

فائدہ: اگر آرا مشین سے ایک طرح کی لکڑی کاٹی جائے اور اس کی بیع سلم کرے تو جائز ہے کیونکہ صفات متعین ہوگئیں۔

(۴/۹۵۳) وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْمُسْلَمُ فِيْهِ مَوْجُوْداً مِنْ حِيْنِ الْعَقْدِ اِلٰى حِيْنِ الْمَحَلِّ.

حل لغات: المسلم فیہ مبیع المحل مبیع دینے کا وقت

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے سلم یہاں تک کہ مسلم فیہ موجود ہو عقد کے وقت سے دینے کے وقت تک۔

تشریح: یہاں سے بیع سلم ہونے کے لئے اس کی شرائط کا بیان ہے ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع سلم جائز ہے جو عقد کے وقت سے جس دن مبیع مشتری کے حوالے کرنی ہے اس وقت تک بازار میں موجود ہو اور ملتی ہو اگر وہ چیز ایسی ہے کہ جو بازار میں نہیں ملتی یا فی الحال بازار میں نہیں ہے دینے کے دنوں میں ملے گی تو ایسی چیز میں بیع سلم جائز نہیں ہے حدیث میں ایسی چیز کی بیع سلم سے منع فرمایا جو ابھی بازار میں نہ ملتی ہو۔

(۵/۹۵۴) وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ اِلَّا مُؤَجَّلًا وَلَا يَجُوْزُ اِلَّا بِأَجَلٍ مَعْلُوْمٍ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے سلم مگر مہلت دے کر اور نہیں جائز ہے مگر مدت معلومہ کے ساتھ۔

تشریح: بیع سلم کا مطلب ہی یہ ہے کہ جس میں مبیع بعد میں دی جائے اور اگر فوراً دینے کی بات ہو تو اس کو بیع سلم نہ کہیں گے اسی طرح بیع سلم میں یہ بھی ضروری ہے کہ مدت معلوم ہو ورنہ مشتری پہلے لینا چاہے گا اور بائع بعد میں دینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا اس لئے مبیع دینے کی تاریخ طے ہونا ضروری ہے۔

(۶/۹۵۵) وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ بِمِكْيَالِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع سلم کسی خاص آدمی کے پیمانے سے۔

تشریح: شیخ فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کے متعین برتن سے جس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ اس میں کتنا کلو آتا ہے ایسے برتن کی ناپ سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ برتن گم ہو جائے تو کس برتن سے ناپ کر مبیع دیں گے کیونکہ مبیع مہینوں بعد ادا کرنی ہے۔ (عینی ۳/۱۸۸)

(۷/۹۵۶) وَلَابِذِرَاعِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ.

ترجمہ: اور نہ کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے۔

تشریح: کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے بیع سلم کی اب وہ مر گیا یا کہیں چلا گیا تو کس آدمی کے ہاتھ سے کپڑا ناپ کر دیں گے اس لئے یہ بھی جائز نہیں ہے۔

(۸/۹۵۷) وَلَا فِيْ طَعَامِ قَرْيَةٍ بِعَيْنِهَا.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع سلم کسی متعین گاؤں کے غلہ میں۔

تشریح: کسی متعین گاؤں کے گیہوں یا چاول یا چنا وغیرہ میں بیع کرے یہ بھی جائز نہیں ہے۔ ممکن ہے اس

گاؤں میں غلہ ہی پیدا نہ ہو تو ایسے گیہوں کہاں سے لا کر دے گا۔

(۹/۹۵۸) وَلَا فِیْ ثَمَرَةِ نَخْلَةٍ بِعَیْنِهَا.

ترجمہ: اور نہ کسی خاص کھجور کے پھل میں۔

تشریح: کسی متعین درخت کی بیع سلم کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ متعین درخت پر پھل نہ آئے تو کیسے دیگا۔

(۱۰/۹۵۹) وَلَا یَصِحُّ السَّلَمُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا بِسَبْعِ شَرَائِطَ تُذْكَرُ فِی الْعَقْدِ جِنْسٌ مَعْلُوْمٌ وَنَوْعٌ مَعْلُوْمٌ وَصِفَةٌ مَعْلُوْمَةٌ وَمِقْدَارٌ مَعْلُوْمٌ وَأَجَلٌ مَعْلُوْمٌ وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِ رَأْسِ الْمَالِ اِذَا كَانَ مِمَّا یَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ عَلٰى مِقْدَارِهٖ كَالْمَكِیْلِ وَالْمَوْزُوْنِ وَالْمَعْدُوْدِ وَتَسْمِیَةِ الْمَكَانِ الَّذِیْ یُوْفِیْهِ فِیْهِ اِذَا كَانَ لَهٗ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ.

حل لغت: حمل و مؤنۃ اٹھانا اور اس کی اجرت

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے سلم امام ابوحنیفہ کے نزدیک مگر سات شرطوں کے ساتھ جو ذکر کی جائیں عقد میں جنس کا معلوم ہونا، نوع کا معلوم ہونا، صفت کا معلوم ہونا، مقدار کا معلوم ہونا، ثمن کی مقدار کا معلوم ہونا جب متعلق ہو عقد اس کی مقدار سے جیسے کیلی، وزنی اور عددی چیزیں اور اس جگہ کا متعین کرنا جس میں مبیع سپرد کرے گا جب کہ مبیع کو اٹھانے کی زحمت اور اجرت لگتی ہو۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک متن میں ذکر کردہ سات شرطیں جب پائی جائیں تو بیع سلم درست ہوگی ورنہ نہیں، ہر ایک کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) مسلم فیہ کی جنس معلوم ہو یعنی یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کس چیز کی بیع کر رہا ہے گیہوں کی، جو کی، کشمش کی، کھجور کی۔

(۲) نوع معلوم ہو کیونکہ گیہوں بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں مثلاً ۴۳۳، ڈبلو پچھتر وغیرہ وغیرہ۔
اس لئے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ کس قسم کے گیہوں چاہئے یا کس قسم کے چاول چاہئے۔

(۳) صفت معلوم ہو یعنی یہ بھی طے ہو کہ عمدہ قسم کے گیہوں ہو یا گھٹیا قسم کے ورنہ مشتری عمدہ لینا چاہے گا اور بائع ردی دینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔

(۴) مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو یعنی مبیع کتنے کلو ہوگی تاکہ جھگڑا نہ ہو۔

(۵) مدت معلوم ہو یعنی مسلم فیہ کب دو گے تاکہ یہ نہ ہو کہ بائع دیر کر کے دے اور مشتری جلدی مانگے۔

(۶) رأس المال یعنی ثمن کی مقدار معلوم ہو کہ وہ کتنے کلو ہے یا کتنے عدد ہے کیونکہ اگر مبیع نہ دے سکا اور ثمن کو

لوٹانے کی ضرورت پڑی تو اگر ثمن کی مقدار معلوم نہیں تو کیسے لوٹائے گا۔ اس لئے اگر ثمن کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو تو ثمن کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے چاہے ثمن کی طرف اشارہ کر کے بیع سلم طے کی ہو لیکن اگر ثمن ذراعی ہو جیسے کپڑا تو چونکہ ذراع صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے کپڑا کتنا گز ہے اس کو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۷) سپرد کرنے کی جگہ معلوم ہو یعنی اگر مسلم فیہ کو اٹھا کر لے جانے کا کرایہ لگتا ہو تو مبیع کو کس مقام پر مشتری کو دے گا اس جگہ کی تعیین بھی ضروری ہے کیونکہ اگر جگہ متعین نہ ہو تو بائع کی خواہش ہوگی کہ اپنے قریب مسلم فیہ سپرد کرے اور مشتری کی چاہت ہوگی کہ اپنے قریب لے لڑائی جھگڑے تک نوبت آئے گی ہاں اگر مبیع کے اٹھانے کا کرایہ نہ لگتا ہو تو اس صورت میں جگہ کی تعیین ضروری نہیں ہے۔

(۱۱/۹۶۰) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَحْتَاجُ اِلٰى تَسْمِيَةِ رَأْسِ الْمَالِ اِذَا كَانَ مُعَيَّنًا وَلَا اِلٰى مَكَانِ التَّسْلِيْمِ وَيُسَلِّمُهٗ فِيْ مَوْضِعِ الْعَقْدِ.

حل لغت: موضع العقد معاملہ کرنے کی جگہ۔

ترجمہ: اور صاحبین نے فرمایا کہ ضرورت نہیں رأس المال کے متعین کرنے کی جب کہ وہ متعین ہو اور نہ سپرد کرنے کی جگہ کا متعین کرنا بلکہ حوالے کرے گا مبیع کو عقد کی جگہ میں۔

تشریح: ماقبل میں جو سات شرطیں بیان کی گئیں ہیں ان میں سے اول کی پانچ شرطوں پر امام اور صاحبین کا اتفاق ہے آخری دو شرطوں میں اختلاف ہے انہیں دو کا بیان اس عبارت میں ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ رأس المال یعنی ثمن سامنے ہے تو عام بیوع میں اس کی مقدار کی تعیین ضروری نہیں ہوتی صرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جاتا ہے اس لئے بیع سلم میں بھی اس کی طرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جائے گا۔ ایسے ہی مبیع ادا کرنے کی جگہ متعین کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ جس جگہ بیع کی بات ہوئی وہی جگہ مبیع دینے کے لئے خود بخود متعین ہو جائے گی اس لئے الگ سے جگہ کی تعیین ضروری نہیں ہے البتہ کر لے تو اچھا ہے۔

(۱۲/۹۶۱) وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ حَتّٰى يَقْبِضَ رَأْسَ الْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُّفَارِقَهٗ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے سلم یہاں تک کہ قبضہ کر لے رأس المال پر جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح: بیع سلم طے ہونے کے بعد بائع اور مشتری کے جدا ہونے سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہے اگر ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ مبیع اور ثمن دونوں اُدھار ہوں حدیث میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ چونکہ بیع سلم میں مبیع یقینی طور پر بعد میں دے گا اس لئے کم از کم ثمن پر قبضہ ضروری ہے ورنہ تو مبیع بھی اُدھار اور ثمن

بھی اُدھار ہوگی۔

(۱۳/۹۶۲) وَلَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِي رَأْسِ الْمَالِ وَلَا فِي الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ الْقَبْضِ..

ترجمه: اور نہیں جائز ہے تصرف کرنا رأس المال میں اور نہ مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے۔

عقد سلم کے باقی احکام

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مسلم الیہ کے لئے رأس المال میں اس پر قبضہ کرنے سے قبل تصرف کرنا جائز نہیں ہے مثلاً ایک شخص نے کسی سے سو روپے کے ۱۵ر کیلو گندم کی بیع سلم کی اور ابھی مسلم الیہ نے سو روپے پر قبضہ نہیں کیا کہ دوسرے سے سو روپے میں کوئی سامان خرید لیا تو مسلم الیہ کا یہ تصرف جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں اس قبضہ کا فوت کرنا لازم آتا ہے جو نفس عقد کی وجہ سے ضروری ہے۔ ایسے ہی مشتری (رب السلم) کے لئے مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے مثلاً رب السلم نے ابھی گندم پر قبضہ نہیں کیا کہ اس سے پہلے ہی ان کو بیچ دیا یا ہبہ کر دیا تو یہ تصرف جائز نہیں ہے کیوں کہ مسلم فیہ مبیع ہے اور مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

(۱۴/۹۶۳) وَلَا يَجُوْزُ الشَّرِكَةُ وَلَا التَّوْلِيَةُ فِي الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ قَبْضِهِ.

ترجمه: اور نہیں جائز ہے شرکت اور نہ تولیہ مسلم فیہ میں اس کے قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح: مسلم فیہ یعنی مبیع پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس میں کسی کو شریک کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا ہے شرکت کی صورت یہ ہے کہ رب السلم کسی سے یوں کہے کہ میں نے فلاں کو ایک ہزار روپے دے رکھے ہیں تو مجھ کو پانچ سو روپے دیدے اور مسلم فیہ میں میرا برابر کا شریک بن جا۔ ایسے ہی مسلم فیہ پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس میں بیع تولیہ کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا تولیہ کی صورت یہ ہے کہ رب السلم کسی سے یوں کہے کہ اگر تم میرا سارا رأس المال دیدو جو میں نے فلاں کو دے رکھا ہے تو مسلم فیہ مکمل تمہاری ہے۔ شرکت اور تولیہ کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ بیع تولیہ کرنا یا کسی کو شریک کرنا مسلم فیہ میں تصرف کرنا ہے اور مبیع پر قبضہ سے قبل تصرف کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

(۱۵/۹۶۴) وَيَصِحُّ السَّلَمُ فِي الثِّيَابِ إِذَا سَمّٰى طُوْلاً وَعَرْضاً وَرُقْعَةً..

حل لغت: رقعة کپڑے کا پیوند، مراد کپڑے کی حقیقت ہے۔

ترجمه: اور صحیح ہے بیع سلم کرنا کپڑوں میں جب کہ بیان کر دی جائے لمبائی، چوڑائی اور حقیقت۔

تشریح: کپڑے کی لمبائی، کہ کتنے گز ہے اور چوڑائی، کہ کتنے انچ چوڑا ہے اور کس قسم کا کپڑا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ ہلکا ہے، بھاری ہے، سب چیزیں بیان کر دی جائیں اور اگر کپڑا ریشمی ہے تو اس کا وزن بھی بیان کر دیا

جائے تو کپڑے میں بھی بیع سلم جائز ہے اس زمانہ میں مشین ایک ہی قسم کے ہزاروں گز بنا دیتی ہے اس لئے بیع سلم کے جواز میں کوئی شبہ کی بات نہیں ہے۔ گذشتہ زمانہ میں چونکہ کپڑے ہاتھ سے بُنے جاتے تھے اس لئے ان کی صفات کو متعین کرنا مشکل تھا اور بیع سلم کے جواز میں شبہ تھا لیکن آج اس مشینی دور میں یہ بات نہیں ہے۔

(۹۶۵/۱۶) وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ فِي الْجَوَاهِرِ وَلَا فِي الْخَرَزِ.

حل لغات: الجواھر جوہر کی جمع ہے ہر وہ پتھر جس سے مفید چیز نکالی جائے۔ قیمتی پتھر الخرز شیشے وغیرہ کے سوراخ دار دانے، پتھر کے نگینے، موتی۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے سلم جواہر اور موتیوں میں۔

تشریح: جواہر اور موتی بڑے اور چھوٹے ہوتے ہیں اور ان میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ اور وزن سے نہیں بکتے بلکہ گن کر بکتے ہیں اس لئے ان کی صفات کو منضبط نہیں کر سکتے اس وجہ سے ان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

(۹۶۶/۱۷) وَلَا بَأْسَ بِالسَّلَمِ فِي اللَّبِنِ وَالْآجُرِّ إِذَا سَمّٰى مِلْبَناً مَعْلُوْماً.

حل لغات: اَللَّبِنُ واحد لَبِنَةٌ اینٹیں الاجر پکی اینٹ ملبنا اینٹ بنانے کا سانچہ، فرما، لبن سے اسم آلہ ہے۔

ترجمہ: اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے سلم کرنے میں کچی اور پکی اینٹوں کے اندر جب کہ مقرر کر دیا جائے ان کا سانچہ۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر اینٹ بنانے کا سانچہ متعین کر دیا جائے تو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کتنی بڑی اینٹ ہے اس لئے ان کی مقدار کی معلومات ہو جائے گی اس لئے اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے خواہ پکی اینٹیں ہوں یا کچی۔

(۹۶۷/۱۸) وَكُلُّ مَا أَمْكَنَ ضَبْطُ صِفَتِهٖ وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِهٖ جَازَ السَّلَمُ فِيْهِ وَمَا لَا يُمْكِنُ ضَبْطُ صِفَتِهٖ وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِهٖ لَا يَجُوْزُ السَّلَمُ فِيْهِ.

ترجمہ: اور ہر وہ چیز جس کی صفت محفوظ کرنا اور اس کی مقدار کا پہچاننا ممکن ہو تو اس میں بیع سلم جائز ہے اور ہر وہ چیز جس کی صفت کا محفوظ کرنا اور اس کی مقدار کا پہچاننا ممکن نہ ہو تو اس میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

تشریح: کن چیزوں میں بیع سلم جائز ہے اور کن چیزوں میں جائز نہیں ہے؟ اس بارے میں امام قدوری ایک قاعدہ کلیہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ جن چیزوں کی صفات ضبط کرنا ممکن ہو مثلاً ان کا عمدہ یا ردی ہونا اور ان کی مقدار معلوم کرنا ممکن ہو جیسے مکیلات، موزونات، مذروعات، اور ایسے ہی وہ عددی چیزیں جن کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو جیسے اخروٹ، انڈے وغیرہ ہر ایسی چیز میں بیع سلم جائز ہے اور جن چیزوں میں یہ بات نہیں ہے ان میں بیع سلم

صحیح نہیں ہے جیسے جواہر، موتی، کھال، حیوان، لکڑی وغیرہ۔

(۱۹/۹۶۸) وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْكَلْبِ وَالْفَهْدِ وَالسِّبَاعِ.

حل لغات: الکلب کتا جمع کلاب، الفهد چیتا السباع سبع کی جمع ہے پھاڑ کھانے والے جانور۔

ترجمہ: اور جائز ہے کتے، چیتے اور پھاڑ کھانے والے جانور کی بیع۔

مسائل متفرقہ

تشریح: کتے، چیتے اور درندے مثلاً شیر، بھیڑیئے وغیرہ کو فروخت کرنا جائز ہے۔ اصل اختلاف کتے کے متعلق ہے کہ اس کی بیع جائز ہے یا نہیں؟۔ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام شافعی امام احمد کے نزدیک کتے کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے اگر کوئی شخص بیع کرے تو بائع کیلئے اس کی قیمت لینا حرام ہوگا۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس کتے کو پالنا جائز نہیں اس کی بیع بھی جائز نہیں اور جس کتے کو پالنا جائز ہے جیسے شکاری کتا، حفاظت کے لئے کتا پالنا اس کی بیع بھی جائز ہے اور اس کی قیمت لینا بھی جائز ہے امام مالک کی مشہور روایت یہ ہے کہ بیچنا جائز ہے مع الکراہت۔ (اعلاء السنن ۱۴/ ۴۲۶ تا ۴۲۷ و ۱۴/ ۴۳۰)

شوافع کا استدلال

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ الخ (ترمذی ۱/ ۱۵۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شوافع وغیرہ کا کہنا ہے کہ کتے کی بیع جائز نہیں۔ نیز شوافع کے نزدیک کتا نجس العین ہے اور نجس العین کی بیع جائز نہیں اس لئے کتے کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔

جواب: اس حدیث میں وہ کتا مراد ہے جس کا پالنا جائز نہیں ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وہ احادیث ہیں جن میں "الا کلب صید" کا استثناء موجود ہے۔

حنفیہ کا استدلال: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ. (نسائی ۲/ ۲۰۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی بیع سے منع فرمایا مگر شکاری کتے کی بیع کی اجازت دی۔ اس حدیث میں شکاری کتے کے ثمن کی اجازت دی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے اسی لئے تو اس کے ثمن کی اجازت ہے۔

(۲۰/۹۶۹) وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيْرِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے شراب اور خنزیر کی بیع۔

شراب اور خنزیر کی بیع کا عدم جواز

تشریح: شراب اور خنزیر نجس العین ہیں اس لئے ان کی بیع جائز نہیں ہے۔ حدیث میں شراب بیچنے کی ممانعت ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا۔ حُرِّمَتِ التِّجَارَةُ فِی الْخَمْرِ (بخاری شریف ۱/۲۹۷) شراب کی تجارت حرام کردی گئی ہے۔ نیز شراب اور خنزیر بیچنے کی ممانعت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ. (مسلم ۲/۲۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن فرماتے ہوئے سنا دراں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کو بیچنا حرام کردیا ہے۔

الکحل کی خرید وفروخت

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسی حکم میں تین اور شرابیں داخل ہوجاتی ہیں (۱) طلاء (۲) نقیع زبیب (۳) نقیع تمر (ان کا بیان کتاب الاشربۃ میں آئے گا) ان کی بیع بھی ناجائز ہے البتہ ان کے علاوہ جتنی شرابیں ہیں اگر ان کی بیع کے اغراض درست ہوں تو پھر امام صاحب کے نزدیک بالکل جائز ہے دوسرے ائمہ کے نزدیک ان کی بیع بھی ناجائز ہے مثلاً الکحل ہے یہ بہت سی دواؤں میں، رنگوں میں، کیمیکلز وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے، چونکہ اس کا جائز استعمال موجود ہے۔ اس لئے امام صاحب کے قول کے مطابق اس کی خرید وفروخت کی گنجائش ہے اور اسی پر فتویٰ ہے البتہ پینے کے معاملہ میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے قلیلہ ،حرام، بیع کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا جائز استعمال ممکن ہو اس کی بیع جائز ہے اور جس چیز کا جائز استعمال ممکن نہ ہو تو اس کی بیع جائز نہیں اسی سے افیون، بھنگ اور چرس کا حکم بھی نکل آیا کہ ان کا کھانا تو ناجائز ہے، کیونکہ نشہ آور ہوتی ہیں لیکن بعض دواؤں میں یہ چیزیں استعمال ہوتی ہیں اس لئے ان کی بیع جائز ہے اب اگر کوئی ان کو ناجائز استعمال کرتا ہے تو وہ اس کا اپنا فعل ہے اس کی ذمہ داری بائع پر عائد نہیں ہوگی۔

(۲۱/۹۷۰) وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ دُوْدِ الْقَزِّ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَعَ الْقَزِّ وَلَا النَّحْلِ اِلَّا مَعَ الْكُوَّارَاتِ.

حل لغات: دود واحد دودة کیڑا القز ریشم النحل: شہد کی مکھی (مذکر مؤنث واحد نحلة) الکورات: کوارة کی جمع ہے شہد کی مکھیوں کے چھتے۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے ریشم کے کیڑوں کی بیع مگر یہ کہ ہوں ریشم کے ساتھ اور نہ شہد کی مکھیوں کی بیع مگر یہ کہ

ہوں چھتوں کے ساتھ۔

تشریح: ریشم کی بیع جائز ہے مگر تنہا ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں ہاں ریشم کے ساتھ کیڑے ہوں تو ریشم کے ساتھ کیڑوں کی بیع جائز ہو جائے گی کیونکہ ریشم کا کیڑا مال نہیں ہے اس لئے تنہا اس کی بیع جائز نہیں البتہ ریشم کے تابع کر کے اس کی بیع جائز ہو جائے گی اسی طرح شہد کی مکھی مال نہیں ہے اس لئے تنہا ان کی بیع بھی جائز نہیں ہے البتہ شہد کے چھتے کے ساتھ مل کر جائز ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ریشم کے کیڑوں کی بیع تنہا بھی جائز ہے اور اسی طرح شہد کی مکھیوں کی بیع بھی تنہا جائز ہے۔ کیونکہ یہ قابل انتفاع ہیں ان سے ریشم اور شہد نکلتے ہیں اس لئے یہ مال کے درجہ میں ہوئے ان کی بیع تنہا بھی جائز ہوگی۔

(۲۲/۹۷۱) وَاَهْلُ الذِّمَّةِ فِي الْبِيَاعَاتِ كَالْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا فِي الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيْرِ خَاصَّةً فَاِنَّ عَقْدَهُمْ عَلَى الْخَمْرِ كَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْعَصِيْرِ وَعَقْدَهُمْ عَلَى الْخِنْزِيْرِ كَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَى الشَّاةِ.

حل لغات: اهل الذمة جو کافر دار الاسلام میں ٹیکس دے کر رہتے ہیں ان کو ذمی کہتے ہیں العصیر رس، شربت، نچوڑ۔

ترجمہ: ذمی لوگ خرید و فروخت میں مسلمانوں کی طرح ہیں مگر شراب اور خنزیر میں خاص طور پر اس لئے کہ ان کا معاملہ شراب پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمانوں کا معاملہ شربت پر اور ان کا معاملہ خنزیر پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمانوں کا معاملہ بکری پر۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ذمی لوگ عام معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہیں خواہ خرید و فروخت ہو یا اس کے علاوہ یعنی جو چیز مسلمانوں کے لئے جائز ہے وہ ان کے لئے بھی جائز ہے اور جو چیز مسلمانوں کے لئے ناجائز ہے وہ ان کے لئے بھی ناجائز ہے، بخاری کی روایت ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفار سے خرید و فروخت کی ہے حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک مشرک آدمی آیا جو مضبوط اور لمبا تھا بکری ہانکتے ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا بیچنے کی ہے یا عطیہ دینے کی؟ یا آپ نے فرمایا ہبہ کرنے کی؟ اس نے کہا نہیں بلکہ بیچنے کیلئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک بکری خریدی۔ (بخاری ۱/۲۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کو بیع کرنے کی اجازت ہے تو ذمیوں کو بدرجہ اولی خرید و فروخت کی اجازت ہوگی کیونکہ انہوں نے دار الاسلام میں ٹیکس ادا کر کے جملہ حقوق حاصل کر لئے ہیں۔ البتہ دو چیزوں کا استثناء ہے (۱) شراب (۲) خنزیر، ذمیوں کو اپنے طور پر ان دونوں چیزوں کے بیچنے کی اجازت ہوگی کیونکہ ان کے اعتقاد میں یہ چیزیں مال ہیں اس لئے جس طرح مسلمان شربت کی خرید و فروخت کرتے ہیں اس طرح وہ آپس میں شراب کی خرید و فروخت کرتے ہیں، اور ہم مسلمان جس طرح بکری کی خرید و فروخت کرتے ہیں اسی طرح وہ آپس میں خنزیر کی خرید و فروخت کریں گے۔

باب الصرف

یہ باب بیع صرف کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: مبیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں تفصیل کتاب البیوع کے شروع میں دیکھئے مصنفؒ ان چار میں سے تین کو بیان کر چکے اب چوتھی قسم بیع الدین بالدین جو سب سے کمزور ہے اس کو بیان کرتے ہیں۔

صرف کی لغوی تعریف اور وجہ تسمیہ: صرف کے معنی زیادتی اور پلٹنے کے ہیں چونکہ دراہم اور دنانیر کے اِدھر اُدھر کرنے میں نفع کی زیادتی ہے اور ہمہ وقت الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس عقد کو صرف کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: دونوں طرف سونا ہو، دونوں طرف چاندی ہو یا ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو آپس میں بیچنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔

بیع صرف کا ثبوت: باب الربٰو مسئلہ (۹۲۲) (۲) میں مذکور حدیث سے بیع صرف کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۱/۹۷۲) اَلصَّرْفُ هُوَ الْبَيْعُ اِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ عِوَضَيْهِ مِنْ جِنْسِ الْاَثْمَانِ.

حل لغت: الاثمان ثمن کی جمع ہے سونا اور چاندی۔

ترجمہ: صرف وہ بیع ہے جب کہ ہو اس کے عوضین میں سے ہر ایک ثمنوں کی جنس سے۔

تشریح: اس عبارت میں بیع صرف کی اصطلاحی تعریف کا بیان ہے وہ یہ ہے کہ سونے کو، سونے کے بدلے، چاندی کو، چاندی کے بدلے، یا ہر ایک کو دوسرے کے بدلے، فروخت کرنے کا نام بیع صرف ہے۔

(۲/۹۷۳) فَاِنْ بَاعَ فِضَّةً بِفِضَّةٍ اَوْ ذَهَباً بِذَهَبٍ لَمْ يَجُزْ اِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ وَاِنِ اخْتَلَفَا فِي الْجَوْدَةِ وَالصِّيَاغَةِ.

حل لغات: الجودة عمدگی، کھرا پن الصیاغة پگھلانا، ڈھالنا، گھڑائی، رنگ وروغن۔

ترجمہ: چنانچہ اگر بیچے چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو سونے کے بدلے تو نہیں جائز ہے مگر برابر سرابر اگرچہ عمدگی اور گھڑائی میں مختلف ہوں۔

بیع صرف کی صحت کی شرائط کا بیان

تشریح: جاننا چاہئے کہ بیع الصرف کی صحت کے لئے دو شرطیں ہیں: (۱) عدم النسیئہ مطلقاً یعنی اس بیع میں

ادھار تو ہر حال میں نا جائز ہے، خواہ دونوں متحد الجنس ہوں یا مختلف الجنس مجلس میں قبضہ ضروری ہے۔ (۲) عدم تفاضل: یہ صرف اس وقت جبکہ عوضین متحد الجنس ہوں مثلاً دونوں چاندی ہوں یا دونوں سونا اور اگر جنس کا اتحاد نہ ہو تو تفاضل جائز ہے۔ اس عبارت میں شرط ثانی پر تفریع ہے چنانچہ فرمایا چاندی کو چاندی کے بدلے بیچے یا سونے کو سونے کے بدلے بیچے یہ بیع اسی وقت جائز ہوگی جب کہ دونوں وزن میں برابر ہوں اگر چہ ایک زیادہ عمدہ ہو اور دوسرا ردی ہو یا ایک میں گھڑائی اچھی ہو اور دوسرے میں گھڑائی خراب ہو جس کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو پھر بھی وزن کے اعتبار سے دونوں کو برابر کر کے بیچنا ہوگا کمی بیشی حرام ہے۔

(۳/۹۷۴) وَلَا بُدَّ مِنْ قَبْضِ الْعِوَضَيْنِ قَبْلَ الْاِفْتِرَاقِ.

حل لغت: العوضین مراد مبیع اور ثمن ہیں۔

ترجمه: اور ضروری ہے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح: عقد صرف میں برابری کے ساتھ ساتھ جدا ہونے سے پہلے مبیع اور ثمن پر قبضہ کرلے کیونکہ حدیث میں ہے یداً بید یعنی ہاتھوں ہاتھ ہو۔

(۴/۹۷۵) وَاِذَا بَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ جَازَ التَّفَاضُلُ وَوَجَبَ التَّقَابُضُ.

ترجمه: اور جب بیچے سونے کو چاندی کے بدلے تو جائز ہے کمی بیشی اور ضروری ہے دونوں طرف سے قبضہ کا ہونا۔

تشریح: اس عبارت میں بیع صرف کی شرط اول پر تفریع ہے، سونا اور چاندی دونوں دو جنس ہیں اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا لیکن چونکہ دونوں وزنی ہیں اس لئے مجلس میں دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

(۵/۹۷۶) وَاِنِ افْتَرَقَا فِي الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِ الْعِوَضَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا بَطَلَ الْعَقْدُ.

ترجمه: اور اگر جدا ہو گئے بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنے سے پہلے یا دونوں میں سے ایک پر قبضہ کرنے سے پہلے تو عقد باطل ہو جائے گا۔

تشریح: بائع اور مشتری نے بیع صرف کی اور مبیع اور ثمن دونوں پر قبضہ نہیں کیا یا ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے پر نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو بیع صرف باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ حدیث کا ٹکڑا یداً بید کی بنیاد پر دونوں پر قبضہ ضروری تھا اور اس نے قبضہ نہیں کیا حدیث کے خلاف کیا اس لئے عقد باطل ہو جائے گا۔

(۶/۹۷۷) وَلَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِي ثَمَنِ الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِهِ.

ترجمه: اور نہیں جائز ہے تصرف کرنا ثمن صرف میں اس پر قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح: بیع صرف کے ثمن پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے اور اس میں تصرف کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی نے ایک دینار دس درہم کے عوض بیچا اور ان دراہم پر قبضہ کرنے سے پہلے ان کے عوض کھجور خرید لی تو ان کھجوروں کی بیع فاسد ہوگی کیونکہ بیع صرف میں دونوں جانب ثمن ہیں اس لئے کسی ایک کو ترجیح دیئے بغیر دونوں کو مبیع کا درجہ حاصل ہے اور قبضہ کرنے سے پہلے مبیع کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

امام زفرؒ کی رائے

چونکہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے اگر بیع صرف کے ثمن پر قبضہ نہ بھی ہوا تو اپنی طرف سے دوسرے دراہم یا دنانیر دیدے گا اس لئے بیع صرف کے ثمن سے کوئی بھی چیز خریدنا جائز ہوگا۔

(۹۷۸/۷) وَيَجُوزُ بَيْعُ الذَّهَبِ بِالْفِضَّةِ مُجَازَفَةً.

حل لغت: مجازفة اندازہ، اٹکل۔

ترجمہ: اور جائز ہے سونے کی بیع چاندی کے عوض اندازہ سے۔

تشریح: سونے کو چاندی کے بدلے بیچے گا تو زیادہ سے زیادہ کمی زیادتی ہوگی اور دو جنس الگ الگ ہیں اس لئے سونے کو چاندی کے بدلے اٹکل سے بیچنا جائز ہے۔

(۹۷۹/۸) وَمَنْ بَاعَ سَيْفاً مُحَلًّى بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَحِلْيَتُهُ خَمْسُوْنَ دِرْهَماً فَدَفَعَ مِنْ ثَمَنِهِ خَمْسِيْنَ دِرْهَماً جَازَ الْبَيْعُ وَكَانَ الْمَقْبُوْضُ مِنْ حِصَّةِ الْفِضَّةِ وَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ ذَالِكَ وَكَذَالِكَ اِنْ قَالَ خُذْ هٰذِهِ الْخَمْسِيْنَ مِنْ ثَمَنِهِمَا.

حل لغات: سیف تلوار محلّٰی اسم مفعول، زیور سے آراستہ مراد چاندی کا زیور ہے الحلية زیور، خوبصورتی کی کوئی چیز۔

ترجمہ: اور جس نے بیچی چاندی سے آراستہ ایک تلوار سو درہم کے بدلے اور اس کا زیور پچاس درہم کا ہے اور دیدیئے اس کی قیمت میں سے پچاس درہم تو جائز ہوگی بیع اور قبضہ کی ہوئی رقم وہ چاندی کے حصے میں سے ہوگی اگرچہ اس نے یہ بیان نہ کیا ہو اور ایسے ہی جائز ہوگی بیع اگر کہے کہ لے لے یہ پچاس دونوں کی قیمت سے۔

احکام صرف کی تفصیل

تشریح: ایک شخص نے سو درہم میں لوہے کی تلوار بیچی جس میں پچاس درہم کا زیور لگا ہوا تھا مشتری نے پچاس درہم نقد دیدیئے اور باقی پچاس کو ادھار کیا تو پوری تلوار اور زیور کی بیع جائز ہو جائے گی۔ چونکہ زیور کی قیمت مجلس میں

دینی ضروری تھی کیونکہ وہ چاندی ہے اور چاندی کی بیع چاندی سے ہو رہی ہے اس لئے برابری بھی ضروری ہے اب جو پچاس درہم دیئے وہ زیور کا بدل شمار ہوگا خواہ مشتری نے اس کو بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو بلکہ اگر وہ اس کی تصریح کر دے کہ یہ پچاس درہم دونوں کی قیمت کی طرف سے دے رہا ہوں تب بھی زیور ہی کا بدل ہوگا اور باقی پچاس لوہے کی تلوار کے بدلے میں ہے جو اُدھار ہے اس لئے مجلس میں جو پچاس دیئے وہ زیور کے بدلے میں سمجھے جائیں گے تا کہ بیع درست ہو جائے اور اگر پچاس میں سے آدھے تلوار کے بدلے میں کریں تو زیور کے بدلے پر مجلس میں قبضہ نہیں ہوگا اور پورے کی بیع فاسد ہو جائے گی۔

(۹۸۰/۹) فَإِنْ لَّمْ يَتَقَابَضَا حَتَّى بَطَلَ الْعَقْدُ فِي الْحِلْيَةِ وَإِنْ كَانَ يَتَخَلَّصُ بِغَيْرِ ضَرَرٍ جَازَ الْبَيْعُ فِي السَّيْفِ وَبَطَلَ فِي الْحِلْيَةِ.

حل لغت: یتخلص جدا ہو سکے ضرر نقصان۔

ترجمہ: پھر اگر دونوں نے قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ جدا ہو گئے تو باطل ہو جائے گا عقد زیور میں اور اگر زیور علیحدہ ہو سکتا ہو بغیر کسی نقصان کے تو جائز ہو جائے گی بیع تلوار میں اور باطل ہوگی زیور میں۔

تشریح: بائع کو زیور کی قیمت پچاس درہم پر قبضہ کرنا چاہئے تھا لیکن اس پر قبضہ نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو اگر زیور تلوار کو نقصان دیئے بغیر الگ ہو سکتا ہو تو تلوار کی بیع ہو جائے گی کیونکہ تلوار کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے اور زیور کی بیع نہیں ہوگی کیونکہ اس کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا اور اگر زیور تلوار سے نقصان دیئے بغیر الگ نہ ہو سکتا ہو تو زیور کی بیع نہ ہوگی اور اس کی وجہ سے تلوار کی بیع بھی نہیں ہوگی۔

(۹۸۱/۱۰) وَمَنْ بَاعَ إِنَاءَ فِضَّةٍ ثُمَّ افْتَرَقَا وَقَدْ قَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِهِ بَطَلَ الْعَقْدُ فِيمَا لَمْ يَقْبَضْ وَصَحَّ فِيمَا قَبَضَ وَكَانَ الْإِنَاءُ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور جس نے بیچا چاندی کا برتن پھر دونوں جدا ہو گئے حالانکہ کچھ قیمت لے لی تو عقد باطل ہو جائے گا جس میں قبضہ نہیں کیا تھا اور صحیح ہوگا جتنے پر قبضہ کیا تھا اور مشترک رہے گا برتن دونوں کے درمیان۔

تشریح: ایک شخص نے چاندی کا ایک برتن سو درہم میں بیچا مشتری نے پچاس درہم مجلس میں دیئے اور پچاس درہم نہیں دیئے اس کے بعد عاقدین جدا ہو گئے تو جتنے دیئے تھے اس کی بیع ہوگی اور جتنے نہیں دیئے تھے اس کی بیع باطل ہو جائے گی۔

دلیل: کیونکہ دونوں طرف چاندی ہے اس لئے دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا اور یہاں آدھے پر مجلس میں قبضہ ہوا تو جتنے حصہ میں شرط پائی گئی اتنے ہی حصہ میں بیع صحیح ہوگی۔ اور مبیع یہاں پر برتن ہے اس لئے آدھے برتن کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے قیاس کے اعتبار سے پورے برتن کی بیع فاسد ہونی چاہئے لیکن فاسد اس وجہ سے نہ ہوگی کہ

پہلے بیع پورے برتن کی ہوئی ہے اور بعد میں فساد آیا ہے اس لئے آدھے کا فساد پورے میں سرایت نہیں کرے گا اور برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک رہے گا۔

(۱۱/۹۸۲) وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الْاِنَاءِ کَانَ الْمُشْتَرِیْ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْبَاقِیْ بِحِصَّتِہٖ مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّہٗ.

ترجمہ: اور اگر مستحق نکل آیا برتن کے کچھ حصہ کا تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو لے باقی کو اس کے حصہ کی قیمت میں اور اگر چاہے تو واپس کردے۔

تشریح: بائع اور مشتری میں بیع ہوجانے کے بعد کسی تیسرے نے کہا کہ اس برتن میں آدھا میرا حق ہے اور گواہوں وغیرہ کے ذریعہ اپنا حق ثابت کردیا تو اب آدھا تیسرے آدمی کا ہوگا اور آدھا برتن مشتری کا ہوگا اور برتن میں شرکت عیب ہے اس لئے مشتری کو اختیار ہوگا کہ برتن کا جتنا حصہ اس کے حق میں آتا ہے اتنی قیمت دے کر لے لے اور چاہے تو پورے کی بیع فسخ کردے۔

(۱۲/۹۸۳) وَمَنْ بَاعَ قِطْعَۃَ نُقْرَۃٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُھَا اَخَذَ مَابَقِیَ بِحِصَّتِہٖ وَلَا خِیَارَ لَہٗ.

حل لغت: نقرۃ چاندی سونے کا پگھلا ہوا ٹکڑا، چاندی کی ڈلی، قطعۃ کی اضافت نقرہ کی جانب ایسی ہے جیسے عام کی اضافت خاص کی طرف ہوتی ہے۔

ترجمہ: کسی نے بیچی چاندی کی ڈلی پھر نکل آیا کوئی مستحق اس کے بعض حصہ کا تو لے باقی کو اس کے حصہ سے اور مشتری کو اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح: کسی نے سو روپئے میں چاندی کی ڈلی خریدی بعد میں آدھے کا مستحق کوئی اور آدمی نکل آیا تو مشتری پچاس روپئے دے کر آدھی ڈلی لے لے اور اس صورت میں مشتری کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ چاندی کی ڈلی ٹکڑا ہوسکتی ہے لہٰذا ٹکڑا کرکے ایک حصہ دوسرے کو دیا جاسکتا ہے اس لئے اس میں شرکت عیب نہیں ہے اس لئے مشتری کو لینا ہی پڑے گا اور اس کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ البتہ جتنا حصہ مشتری کے حق میں آئے گا۔ اتنی ہی قیمت دینی ہوگی زیادہ نہیں کیونکہ اتنا ہی حق اس کو ملا ہے۔

(۱۳/۹۸۴) وَمَنْ بَاعَ دِرْھَمَیْنِ وَدِیْنَاراً بِدِیْنَارَیْنِ وَدِرْھَمٍ جَازَ الْبَیْعُ وَجُعِلَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْجِنْسَیْنِ بَدَلاً مِنَ الْآخَرِ.

ترجمہ: اور جس نے بیچے دو درہم اور ایک دینار دو دینار اور ایک درہم کے بدلے تو جائز ہے بیع اور کرلیا جائے گا جنسین میں سے ہر ایک کو بدل دوسری جنس کا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دو درہم اور ایک دینار کو ایک درہم اور دو دینار کے عوض فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع جائز ہے اگر دو درہم کو ایک درہم کے بدلے اور ایک دینار کو دو دینار کے بدلے کر دیں تو بیع فاسد ہوگی اور سود ہوگا لیکن اگر دو درہم کو ایک دینار کے بدلے کر دیں اور ایسے ہی دو دینار کو ایک درہم کے بدلے کر دیں تو خلاف جنس ہونے کی وجہ سے کمی زیادتی جائز ہوگی اور بیع جائز ہو جائے گی حتی الامکان بیع جائز کرنے کے لئے یہی دوسری صورت اختیار کی جائے گی اور انسانی سہولت ملحوظ رکھی جائے گی۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عقد جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں مجموعے کا مقابلہ مجموعے کے ساتھ ہے اس لئے دو درہم ایک درہم کے مقابل اور ایک دینار دو دینار کے مقابل قرار دیئے جائیں گے اور ایک ہی جنس میں کمی زیادتی ہو جائے گی اور ربوٰ ہوگا، اس لئے یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔ اور دو درہم کو دو دینار کے عوض اور ایک دینار کو ایک درہم کے عوض قرار دینے میں عاقدین کے تصرف کو متغیر کرنا لازم آتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ہدایہ دیکھئے)

(۱۴/۹۸۵) وَمَنْ بَاعَ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَماً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَدِيْنَارٍ جَازَ الْبَيْعُ وَاكَانَتِ الْعَشَرَةُ بِمِثْلِهَا وَالدِّيْنَارُ بِدِرْهَمٍ.

ترجمہ: اور جس نے بیچے گیارہ درہم دس درہم اور ایک دینار کے بدلے میں تو جائز ہے بیع اور ہوں گے دس درہم دس کے مقابلہ میں اور دینار درہم کے مقابلہ میں۔

تشریح: ایک شخص نے گیارہ درہم، دس درہم اور ایک دینار کے عوض فروخت کئے تو یہ بیع جائز ہوگی دس درہم کو دس درہم کے بدلے کر دیں گے اور جو ایک درہم بچا اس کو ایک دینار کے بدلے کر دیں گے چونکہ خلاف جنس ہے اس لئے کمی زیادتی جائز ہوگی اور یہ بیع درست ہو جائے گی۔

(۱۵/۹۸۶) وَيَجُوْزُ بَيْعُ دِرْهَمَيْنِ صَحِيْحَيْنِ وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ بِدِرْهَمٍ صَحِيْحٍ وَدِرْهَمَيْنِ غَلَّةٍ.

حل لغات: درهم صحيح بغیر ریزگاری کا درہم درہم صحیح ہے جیسے ہمارے زمانے میں ایک روپیہ کا نوٹ یا ایک روپیہ کا سکہ درہم صحیح کے مرتبہ میں ہے۔ (درهم غلة) ایک درہم کے ان ٹکڑوں کو کہتے ہیں جو وزن اور مالیت میں ایک درہم کے برابر ہوں جیسے ہمارے زمانے میں ایک روپیہ کی ریزگاری، چونی، اٹھنی وغیرہ چار چونی ایک روپیہ کی مالیت کے برابر ہوتی ہے ایسے ہی دو اٹھنی ایک روپیہ کی مالیت کے برابر ہوتی ہے۔ اسی ریزگاری کو بعض علاقوں میں ٹوٹے پیسے، کھلے پیسے، پھٹ کر پیسے بولتے ہیں۔ درہم غلہ سے مراد کھوٹے درہم نہیں ہیں۔ صاحب ہدایہ کے بقول درہم غلہ سے مراد وہ درہم ہے۔ کہ تاجر اس کو قبول کرتا ہو لیکن بیت المال اس کو قبول نہ کرتا ہو۔ بیت المال کا قبول نہ کرنا ریزگاری کی وجہ سے ہے کہ ان کی حفاظت میں بڑی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

ترجمہ: اور جائز ہے بیع دو صحیح درہم اور ایک پھٹ گر درہم کی ایک صحیح درہم اور دو پھٹ گر درہم کے عوض۔
تشریح: صاحب جوہرۃ نیرۃ علامہ ابوبکر بن علی بن محمد فرماتے ہیں کہ صاحب قدوری کی عبارت درست نہیں ہے بلکہ صاحب ہدایہ کی عبارت صحیح ہے۔ یعنی وَيَجُوْزُ بَيْعُ دِرْهَمٍ صَحِيْحٍ وَدِرْهَمَيْنِ غَلَّتَيْنِ بِدِرْهَمَيْنِ صَحِيْحَيْنِ وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ (الجوہرۃ النیرہ ۱/۲۷۲) اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم صحیح اور دو درہم پھٹ گر کو دو درہم صحیح اور ایک درہم پھٹ گر کے بدلے بیچا تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ وزن کے اعتبار سے دونوں عوض برابر ہیں۔

(۱۶/۹۸۷) وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الدَّرَاهِمِ الفِضَّةُ فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الْفِضَّةِ وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الدَّنَانِيْرِ الذَّهَبُ فَهِي فِيْ حُكْمِ الذَّهَبِ فَيُعْتَبَرُ فِيْهِمَا مِنْ تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْجِيَادِ.

حل لغات: التفاضل: کمی، زیادتی الجیاد: جمع ہے جید کی عمدہ، کھرا۔
ترجمہ: اور اگر غالب ہو دراہم پر چاندی تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر غالب ہو دنانیر پر سونا تو وہ سونے کے حکم میں ہے تو اعتبار کیا جائے گا ان دونوں میں کمی بیشی کے حرام ہونے کا جو اعتبار کیا جاتا ہے عمدہ میں۔

بیع صرف کے باقی احکام

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ دراہم میں اگر چاندی غالب ہو تو یہ دراہم خالص چاندی کے حکم میں ہیں اور اگر دنانیر میں سونا غالب ہو تو یہ دنانیر خالص سونے کے حکم میں ہیں اور ان کی ہم جنس کی بیع میں کمی زیادتی ایسے ہی حرام ہے۔ جیسے خالص سونے اور چاندی کی ہم جنس کی بیع میں کمی زیادتی حرام ہے چنانچہ اگر خالص دراہم کو کھوٹ ملے ہوئے دراہم کے بدلے یا خالص دنانیر کو کھوٹ ملے ہوئے دنانیر کے بدلے بیچا گیا تو وزن کے اعتبار سے برابری ضروری ہوگی۔

(۱۷/۹۸۸) وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهِمَا الْغِشُّ فَلَيْسَا فِيْ حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ فَهُمَا فِيْ حُكْمِ الْعُرُوْضِ.

حل لغت: الغش کھوٹ۔
ترجمہ: اور اگر ہو غالب ان پر کھوٹ تو وہ دونوں دراہم اور دنانیر کے حکم میں نہیں ہیں بلکہ وہ سامان کے حکم میں ہیں۔
تشریح: درہم میں چاندی غالب نہیں ہے بلکہ کھوٹ غالب ہے تو چونکہ اکثر کھوٹ ہے اس لئے اس کا حکم سامان جیسا ہے اسی طرح دینار میں کھوٹ غالب ہے تو وہ اب سونے کے حکم میں نہیں ہے بلکہ سامان کے حکم میں ہے۔ مشہور قاعدہ ہے لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ.

(۱۸/۹۸۹) فَاِذَا بِيْعَتْ بِجِنْسِهَا مُتَفَاضِلاً جَازَ الْبَيْعُ.

ترجمہ: پھر اگر ان کو انہیں کی جنس کے بدلے میں کمی زیادتی کر کے بیچا گیا تو بیع جائز ہوگی۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں ایسے دراہم کہ جن میں کھوٹ غالب ہو اگر ان کو ان کے ہم جنس دراہم کے بدلے کمی، زیادتی کے ساتھ فروخت کیا گیا تو جائز ہے۔ مثلاً چھ سکے بیچ رہا ہے جن میں کھوٹ غالب ہے ان چھ سکوں میں عمدہ دو سکوں کے برابر چاندی ہے اور چار سکوں کے برابر کھوٹ ہے چنانچہ ان چھ سکوں کو عمدہ تین سکوں کے بدلے فروخت کرے تو جائز ہے کیونکہ چھ سکوں میں دو سکوں کے برابر چاندی ہے۔ وہ عمدہ دو سکوں کے بدلے اور برابر ہو گئے اور باقی چار کھوٹ والے سکے ایک عمدہ سکے کے بدلے ہو گئے اس طرح خالص چاندی خالص چاندی کے برابر اور مزید چاندی کھوٹ کے بدلے ہو گئی اور بیع جائز ہوگی۔

(۱۹/۹۹۰) وَاِنِ اشْتَریٰ بِهَا سِلْعَةً ثُمَّ كَسَدَتْ فَتَرَكَ النَّاسُ الْمَعَامَلَةَ بِهَا قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا يَوْمَ الْبَيْعِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا آخِرَ مَا يَتَعَامَلُ النَّاسُ.

حل لغات: سلعة سامان، تجارت کا مال جمع سِلَعٌ، كسدت باب (ن،ک) ماضی معروف كساداً كسوداً، الشيء گاہکوں کی کمی کی وجہ سے رائج نہ ہونا جیسے كسدت السوق بازار کا مندا ہونا ما يتعامل الناس لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہوں، لوگوں میں اس کا رواج ہو۔

ترجمہ: اور اگر خریدا کھوٹے دراہم کے بدلے سامان پھر ان کا چلن بند ہو گیا اور لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا قبضہ سے پہلے تو باطل ہو جائے گی بیع امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے اس پر قیمت لازم ہے بیع کے دن کی اور فرمایا امام محمدؒ نے مشتری پر سکے کی قیمت لازم ہے آخری دن کی جب لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔

کھوٹے دراہم کے بدلہ خرید و فروخت کا بیان

تشریح: کسی نے ان دراہم یا دنانیر کے بدلے کوئی سامان خریدا جن میں کھوٹ غالب تھا ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ لوگوں میں ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا اور لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بیع باطل ہو جائے گی اور صاحبین، امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک بیع باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ مال کا تبادلہ مال سے ہونے کی وجہ سے بالاتفاق عقد بیع صحیح ہو چکا تھا لیکن چلن بند ہونے کی وجہ سے ثمن کا سپرد کرنا ناممکن ہو گیا اور ثمن کو سپرد کرنا اگر متعذر اور ناممکن ہو جائے۔ تو اس کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی لہٰذا بیع فاسد نہ ہوگی تو مشتری پر ان کی قیمت لازم ہوگی رہی یہ بات کہ کون سے دن کی قیمت لازم ہوگی اس بارے میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسف کا مذہب اور دلیل

آپ فرماتے ہیں کہ جس دن بیع ہوئی ہے اس دن میں۔
ان سکوں کی قیمت درہم سے کیا تھی، وہ مشتری پر واجب ہوگی کیونکہ بائع اور مشتری کے ذہن میں اسی وقت کی قیمت ملحوظ ہے اسی وقت کی قیمت کو ذہن میں رکھ کر بائع مبیع فروخت کرنے پر راضی ہوا ہے اس لئے بیچنے کے وقت ان سکوں کی جو قیمت تھی وہی مشتری پر لازم ہوگی۔

امام محمدؒ کا مذہب اور دلیل

وہ فرماتے ہیں کہ آخری دن جس میں لوگوں نے ان سکوں کو لینا دینا چھوڑا اس دن ان سکوں کی کیا قیمت تھی وہ دلوائی جائے گی کیونکہ جب تک سکے رائج تھے اس وقت تک سکے ہی دینے کا مجاز تھا لیکن جس دن چلن بند ہوگیا اسی دن کھوٹے سکوں سے منتقل ہوکر قیمت کی جانب آنا ہوا چنانچہ جس دن قیمت کی طرف انتقال ہوا ہے قیمت کے سلسلہ میں اسی دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اور مشتری وہی قیمت ادا کرکے مبیع لے لے گا۔

امام صاحبؒ کا مذہب اور دلیل

جن دراہم اور دنانیر میں کھوٹ غالب ہو ان کا ثمن ہونا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے تھا لیکن جب لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو وہ سامان بن گئے اور ان کی ثمنیت ختم ہوگئی اس لئے مبیع بغیر ثمن کے باقی رہی اور بیع بغیر ثمن کے ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے اس لئے یہ بیع فاسد ہو جائے گی اور چونکہ مبیع پر مشتری کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے مبیع بائع کے پاس ہی رہے گی اور مشتری کو کچھ نہیں دینا ہوگا۔

(۹۹۱/۲۰) وَيَجُوْزُ الْبَيْعُ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَاِنْ لَمْ يُعَيِّنْ وَاِنْ كَانَتْ كَاسِدَةً لَمْ يَجُزِ الْبَيْعُ بِهَا حَتّٰى يُعَيِّنَهَا.

حل لغات: فلوس فلس کی جمع ہے پیسہ فلوس چاندی، سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں تانبے، پیتل وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ النافقة رائج جس کا رواج ہو کاسدة وہ سکے جن کا رواج نہ ہو۔

ترجمہ: اور جائز ہے بیع رائج پیسوں سے اگر چہ متعین نہ کرے اور اگر سکے رائج نہ ہوں تو نہیں جائز ہے بیع یہاں تک ان کو متعین کرے۔

تشریح: رائج پیسوں کے بدلے خرید وفروخت جائز ہے چاہے ان پیسوں کو متعین نہ کیا ہو اس لئے کہ جب تک ان کا رواج رہے گا اس وقت تک ان کا حکم دراہم اور دنانیر کی طرح ہوگا یعنی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے اس قیمت کے کوئی بھی فلوس دیدے کافی ہو جائیں گے اور جس دن سے ان کا رواج ختم ہو جائے اس دن سے وہ سامان

کی طرح ہیں یعنی وہ متعین کرنے سے متعین ہو جائیں گے۔
بغیر متعین کئے بیع جائز نہیں ہوگی جس طرح سامان کو متعین کئے بغیر بیع جائز نہیں ہوتی ہے۔

(۲۱/۹۹۲) وَاِذَا بَاعَ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ ثُمَّ كَسَدَتْ قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اگر بیچا مروّج پیسوں سے پھر رواج ختم ہو گیا مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تو بیع باطل ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح: رائج پیسوں سے کوئی مبیع خریدی ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک بیع باطل نہ ہوگی بلکہ فلوس کی قیمت دے کر مشتری مبیع لے گا امام ابو یوسف کے نزدیک بیع کے دن کی قیمت اور امام محمد کے نزدیک اس آخری دن کی قیمت جس دن فلوس نافقہ کا رواج بند ہوا ہے اس اختلاف کی تفصیل مسئلہ (۹۸۱) (۱۹) کے تحت گذر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جاوے۔

(۲۲/۹۹۳) وَمَنِ اشْتَرٰى شَيْئًا بِنِصْفِ دِرْهَمٍ فُلُوْسٍ جَازَ الْبَيْعُ وَعَلَيْهِ مَا يُبَاعُ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ مِنْ فُلُوْسٍ.

ترجمہ: کسی نے خریدی کوئی چیز آدھے درہم کے پیسوں کے بدلے تو جائز ہے بیع اور مشتری پر اتنے پیسے لازم ہوں گے جو آدھے درہم میں بیچے جاتے ہیں۔

تشریح: کسی نے یوں کہا کہ آدھے درہم کے جتنے پیسے آتے ہیں ان کے بدلے میں یہ چادر خریدی تو یہ بیع جائز ہوگی اور آدھے درہم کے جتنے پیسے اس ملک میں بکتے ہیں اتنے پیسے مشتری پر لازم ہوں گے۔

دلیل: آدھے درہم کے بدلے کتنے پیس ملتے ہیں اس میں ہلکی سی جہالت ہے لیکن اس ملک میں کتنے ملتے ہیں تاجروں کے یہاں مشہور ہیں اسلئے یہ جہالت ختم ہو جائے گی اور ثمن مجہول نہیں رہے گا اس لئے بیع صحیح ہو جائے گی۔

(۲۳/۹۹۴) وَمَنْ اَعْطٰى صَيْرَفِيًّا دِرْهَمًا فَقَالَ اَعْطِنِيْ بِنِصْفِهٖ فُلُوْسًا وَبِنِصْفِهٖ نِصْفًا اِلَّا حَبَّةً فَسَدَتِ الْبَيْعُ فِي الْجَمِيْعِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا جَازَ الْبَيْعُ فِي الْفُلُوْسِ وَبَطَلَ فِيْمَا بَقِيَ.

حل لغات: صیرفیا روپیہ پرکھنے والا، نقدی کی تجارت کرنے والا۔ حبة دانہ رتی چھوٹا پیسہ۔

ترجمہ: کسی نے دیا صراف کو ایک درہم اور کہا آدھے درہم کے پیسے دیدو اور آدھے درہم کا درہم مگر ایک رتی کم تو تمام میں بیع فاسد ہو جائے گی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور فرمایا صاحبین نے کہ جائز ہے بیع پیسوں میں اور باطل ہے باقی میں۔

تشریح: ایک آدمی نے سنار کو ایک درہم دے کر یوں کہا کہ آدھے درہم کے جو پیسے ہوتے ہیں وہ دو اور باقی درہم ہی دو مگر اس میں ایک رتی چاندی کم دو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پوری بیع فاسد ہوگی۔

دلیل: آدھے درہم کا مقابلہ آدھے درہم سے ہے اور اس میں ایک رتی کم ہے تو سود ہو گیا اس لئے اس آدھے درہم کی بیع فاسد ہو جائے گی اور چونکہ فساد قوی ہے اور شروع سے ہے اس لئے یہ سرایت کر کے درہم کے بدلے جو فلوس کی بیع تھی وہ بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ پوری بیع ایک ہی ہے۔ لہٰذا کل کے اندر عقد باطل ہوگا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ پیسوں میں بیع جائز ہے اور باقی میں بیع باطل ہے۔

دلیل: صاحبین فرماتے ہیں کہ اندرونی اعتبار سے یہاں دو بیع ہیں ایک بیع سے آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے اور دوسری بیع سے آدھے درہم کا مقابلہ آدھے درہم کے ساتھ مگر ایک رتی کم اس لئے جس آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے وہ بیع جائز ہوگی کیونکہ اس میں کوئی سود نہیں ہے اور جس آدھے درہم کا مقابلہ آدھے درہم کے ساتھ ہے مگر ایک رتی کم وہ بیع فاسد ہوگی کیونکہ اس میں دونوں طرف چاندی ہے اور آدھے درہم کے مقابلہ میں پورا آدھا درہم نہیں ہے بلکہ ایک رتی کم ہے اس لئے سود ہو گیا اس لئے یہ دوسری بیع فاسد ہوگی اور ایک کا فساد دوسرے میں سرایت نہیں کرے گا۔

(۹۹۵/۲۴) وَلَوْ قَالَ اَعْطِنِیْ نِصْفَ دِرْهَمٍ فُلُوْساً وَنِصْفاً اِلَّا حَبَّةً جَازَ الْبَیْعُ.

ترجمہ: اور اگر کہا دیدے مجھ کو آدھے درہم کے فلوس اور آدھے مگر ایک رتی کم درہم تو جائز ہوگی بیع۔

تشریح: صورت اس طرح ہے کہ ایک طرف ایک درہم ہے اور دوسری طرف پیسے ہیں اور آدھے درہم میں سے ایک رتی کم ہے اس لئے رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھے درہم کے مقابلے میں ہو جائے گا اور باقی ایک رتی زیادہ اور آدھے درہم کے مقابلے میں پیسے ہو جائیں گے اس لئے سود نہیں ہوگا اور پورے میں بیع جائز ہو جائے گی۔

(۹۹۶/۲۵) وَلَوْ قَالَ اَعْطِنِیْ دِرْهَماً صَغِیْراً وَزْنُهٗ نِصْفُ دِرْهَمٍ اِلَّا حَبَّةً وَالْبَاقِیْ فُلُوْساً جَازَ الْبَیْعُ وَكَانَ النِّصْفُ اِلَّا حَبَّةً بِاِزَاءِ الدِّرْهَمِ الصَّغِیْرِ وَالْبَاقِیْ بِاِزَاءِ الْفُلُوْسِ.

حل لغت: بازاء مقابلے میں، بدلے میں۔

ترجمہ: اور اگر کہا دیدے مجھ کو چھوٹا درہم جس کا وزن آدھے درہم سے ایک رتی کم ہو اور باقی کے پیسے دیدو تو جائز ہوگی بیع اور ہوگا آدھے درہم سے رتی کم چھوٹے درہم کے مقابلے میں اور باقی پیسوں کے مقابلے میں۔

تشریح: کسی نے صراف کو ایک درہم دینے کے بعد یوں کہا کہ اس درہم میں سے رتی کم آدھا درہم دو (چھوٹا درہم دو) اور باقی رتی زیادہ آدھا درہم جو بچا ہے اس کے بدلے پیسے دیدو تو بیع جائز ہو جائے گی کیونکہ رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھے درہم کے مقابلے میں ہو جائے گا، اور رتی زیادہ آدھے درہم کے مقابلے میں پیسے ہو جائیں گے اس لئے خلاف جنس ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہوگا اس لئے پوری بیع جائز ہو جائے گی۔

نوٹ: مسئلہ (۲۴) اور (۲۵) دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے۔

كِتَابُ الرَّهْنِ

یہ کتاب رہن کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: امام قدوری کتاب الرہن کو کتاب البیوع کے بعد اس لئے لارہے ہیں کہ جس طرح بیع ایجاب وقبول سے منعقد ہوتی ہے ایسے ہی رہن بھی ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے پھر بسا اوقات عقد بیع میں ثمن میسر نہ ہونے کی بنا پر رہن کی ضرورت پڑتی ہے۔ (رقم الحاشیہ/٦)

رهن کی لغوی تعریف: کسی چیز کو روک لینا مال ہو یا غیر مال۔

اصطلاحی تعریف: ایسی مالی چیز کو کسی حق کے بدلہ میں روک لینا جس کے ذریعہ پورا حق یا بعض حق وصول کرنا ممکن ہو۔ (اللباب ۲/۵) بالفاظ دیگر کوئی آدمی کسی سے کچھ روپئے بطور قرض لے اور اعتماد کے لئے کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس گروی رکھے۔

راهن جس نے اپنا مال رہن پر رکھا **مرتهن** جس کے پاس رہن رکھا **مرهون** جو چیز گروی رکھی گئی۔

رهن کا ثبوت قرآن سے: وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِباً فَرِهٰنٌ مَقْبُوْضَةٌ (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ) اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو۔ اس آیت سے رہن کی مشروعیت اور اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

رهن کی مشروعیت حدیث سے: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک یہودی (ابوالشحم) سے ایک مدت کے لئے غلہ خریدا اور اس کی وجہ سے زرہ رہن پر رکھی (بخاری شریف ۱/۳۴۱)

اجماع سے ثبوت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک سفر وحضر دونوں میں رہن کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔

(۱/۹۹۷) اَلرَّهْنُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ وَيَتِمُّ بِالْقَبْضِ فَإِذَا قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ مُحَوَّزاً مُفَرَّغاً مُمَيَّزاً تَمَّ الْعَقْدُ فِيْهِ .

ترجمہ: رہن منعقد ہوجاتا ہے ایجاب اور قبول سے اور پورا ہوجاتا ہے مرتہن کے قبضہ کرنے سے پھر جب قبضہ کرلیا مرتہن نے رہن پر درانحالیکہ تقسیم شدہ ہو، فارغ ہو، تمیز کیا ہوا ہو تو عقد تام ہوگیا۔

تشریح: رہن ایک معاملہ ہے اور معاملہ ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہوتا ہے لیکن چونکہ قرض کے بدلے رہن رکھنا ضروری نہیں ہے اس لئے رہن رکھنا احسان کے درجہ میں ہے اس لئے جب تک مرتہن اس پر قبضہ نہیں کرے گا رہن مکمل نہیں ہوگا اور مرتہن کے قبضہ ہونے کے لئے بھی مرہون کا تین باتوں سے خالی ہونا

ضروری ہے(۱)محوز ہو(۲)مفرغ ہو(۳)ممیز ہو یہ تینوں قیدیں احترازی ہیں اور یہ تینوں الفاظ ماقبل سے حال ہیں۔

محوز کا مطلب: مرہون دوسروں کی شرکت میں نہ ہو۔ دوسرے کی شرکت سے تقسیم ہو کر الگ ہو چکی ہو مثلاً ایک گھر دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا دونوں شریکوں نے گھر تقسیم کر کے الگ الگ کر لیا ہو اب جو راہن کا حصہ ہے اس پر مرتہن قبضہ کر لے۔

مفرغ کا مطلب: رہن میں رکھی ہوئی چیز راہن کے تصرف اور اس کے قبضہ سے خالی ہو مثلاً گھر رہن پر رکھنا ہے تو گھر میں راہن کا کوئی سامان نہ ہو ایسے گھر پر مرتہن قبضہ کرے تب قبضہ مکمل ہوگا۔

ممیز کا مطلب: مرہون پیدائشی طور پر راہن کے سامان کے ساتھ متصل نہ ہو جیسے درخت پر لگا ہوا پھل رہن پر رکھے تو اس پر مرتہن کا قبضہ مکمل نہیں ہوگا کیونکہ پھل قدرتی طور پر راہن کے درخت سے چپکا ہوا ہے۔ اس لئے پھل کو درخت سے جدا کر کے مرتہن کو قبضہ دے تب رہن پر مکمل قبضہ شمار ہوگا۔

(۲/۹۹۸) وَمَالَمْ يَقْبِضْهُ فَالرَّاهِنُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ سَلَّمَهُ اِلَيْهِ وَاِنْ شَاءَ رَجَعَ عَنِ الرَّهْنِ فَاِذَا سَلَّمَهُ اِلَيْهِ فَقَبَضَهُ دَخَلَ فِيْ ضَمَانِهِ.

ترجمہ: اور جب تک مرتہن مرہون پر قبضہ نہ کرے تو راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو حوالہ کرے اور چاہے تو رہن سے رجوع کر جائے پھر جب کہ مرتہن کو سپرد کر دیا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگئی۔

تشریح: اس سے پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے رہن مکمل نہیں ہوتا اس لئے قبضہ کرنے سے پہلے رہن رکھنے والا رہن رکھنے سے پھر جائے اور رجوع کر جائے تو رجوع کر سکتا ہے اور اگر رہن رکھنے والے نے شئ مرہون مرتہن کے حوالے کر دی اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگئی اب اگر ہلاک ہوگئی تو اس کے پیسے مرتہن کے قرض میں سے کاٹے جائیں گے۔

(۳/۹۹۹) وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ اِلَّا بِدَيْنٍ مَضْمُوْنٍ.

ترجمہ: اور صحیح نہیں رہن مگر دین مضمون کی وجہ سے۔

تشریح: جس دین کا ادا کرنا انسان پر ضروری ہو اس کی وجہ سے رہن رکھے تو صحیح ہے اور جس دین کا ادا کرنا واجب نہ ہو بلکہ احسان کے طور را پنے اوپر لازم کیا ہے اس دین کے بدلے رہن رکھنا صحیح نہیں ہے جیسے مکاتب اپنے اوپر مال کتابت واجب کرتا ہے لیکن اس کا ادا کرنا اس پر واجب نہیں ہے بلکہ جب عاجزی کا اظہار کر دے اور مال کتابت ساقط کر کے دوبارہ غلامیت میں آنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے لہٰذا مال کتابت کی وجہ سے رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔

(۴/۱۰۰۰) وَهُوَ مَضْمُوْنٌ بِالْاَقَلِّ مِنْ قِيْمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ فَاِذَا هَلَكَ الرَّهْنُ فِيْ يَدِ الْمُرْتَهِنِ وَقِيْمَتُهُ وَالدَّيْنُ سَوَاءٌ صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهِ حُكْمًا.

ترجمه: اور وہ (شئ مرہون) مضمون ہوگی اپنی قیمت اور دین سے کم کے عوض میں پھر جب ہلاک ہوجائے شئ مرہون مرتہن کے پاس اور اس کی قیمت اور قرض برابر ہیں تو مرتہن وصول کرنے والا ہوگیا اپنے قرض کو حکماً۔

شئ مرہون کے ضمان کا بیان

تشریح: شئ مرہون کا ضمان مرتہن پر لازم ہے لیکن اتنا ہی ضمان لازم ہوگا جتنا اس کا دین ہے اور اس سے زیادہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوگی اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر زیادتی کے ہلاک ہوجائے تو مالک کو واپس دینے کی ضرورت نہیں ہے متن کے مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ اگر شئ مرہون مرتہن کے پاس اس کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو دین اور مرہون کی قیمت میں سے جو کمتر ہو اس کا ضمان آئے گا چنانچہ اگر مرہون کی قیمت مرتہن کے قرض کے برابر ہو تو گویا مرتہن نے اپنا قرض راہن سے وصول کرلیا اب راہن سے کچھ وصول نہیں کرسکتا۔ مثلاً ایک سو روپئے مرتہن کا راہن پر قرض تھا۔ اور راہن نے ایک سو روپئے کی چیز گروی رکھ دی اس کے بعد وہ چیز مرتہن کے یہاں ہلاک ہوگئی تو اب معاملہ برابر سرابر ہوگیا۔

(۱۰۰۱/۵) وَاِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ اَكْثَرَ مِنَ الدَّيْنِ فَالْفَضْلُ اَمَانَةٌ.

حل لغت: الفضل جو زیادہ ہو، جو باقی بچے۔

ترجمہ: اور اگر رہن مرہون کی قیمت زیادہ قرض سے تو زیادہ امانت ہے۔

تشریح: اگر مرہون کی قیمت دین سے زیادہ ہو تو زائد مقدار امانت ہوگی یعنی اس کے ہلاک ہونے سے ضمان نہ ہوگا مثلاً قرض سو روپئے ہے اور شئ مرہون ایک سو پچاس روپئے کی ہے اب اگر شئ مرہون ہلاک ہوجائے تو مرتہن کے سو روپئے ساقط ہوجائیں گے اور باقی پچاس روپئے بھی راہن کی طرف دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ امانت تھی اور امانت بغیر زیادتی کے ہلاک ہوجائے تو اس کو ادا نہیں کرنا پڑتا ہے۔

(۱۰۰۲/۶) وَاِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهَا وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ.

ترجمہ: اور اگر ہو مرہون کی قیمت اس (دین) سے کم تو ساقط ہوجائے گا دین اس کے بقدر اور وصول کریگا مرتہن باقی دین۔

تشریح: اگر مرہون کی قیمت دین سے کم ہو تو قیمت کے بقدر دین ساقط ہوجائے گا۔ اور باقی دین مرتہن وصول کرے گا۔ مثلاً سو روپئے قرض تھا اور راہن نے اسی روپئے کی کوئی چیز رہن رکھی اور وہ ہلاک ہوگئی تو گویا کہ مرتہن نے اسی روپئے وصول کرلئے اب بیس روپئے جو باقی ہیں وہ راہن سے وصول کرے گا۔

(۱۰۰۳/۷) وَلَا يَجُوزُ رَهْنُ الْمُشَاعِ.

حل لغت: المشاع مشترک، غیر تقسیم شدہ

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے مشترک چیز کو رہن رکھنا۔

جن چیزوں کے عوض میں رہن رکھنا جائز ہے اور جن میں جائز نہیں ہے

تشریح: جو چیز راہن اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی ہے اس کو رہن پر رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مشترک چیز کو رہن پر رکھ سکتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مشترک چیز کو بیچ سکتے ہیں اسی طرح اس کو رہن پر بھی رکھ سکتے ہیں یعنی اگر راہن دین ادا نہ کر سکے تو مرتہن مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کر لے گا۔ احناف فرماتے ہیں کہ آیت "فَرِهَانٌ مَقْبُوْضَةٌ" سے معلوم ہوتا ہے کہ شئ مرہون پر مرتہن کا مکمل قبضہ ہو اور یہ بات اسی وقت ہوگی جب وہ چیز مشترک نہ ہو بلکہ تقسیم ہو کر خالص راہن کی ملکیت میں ہو چکی ہو اس لئے رہن مشاع کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ (الجوہرة النیرة ۱/۲۷۷)

(۱۰۰۴/۸) وَلَا رَهْنُ ثَمَرَةٍ عَلٰى رُؤُسِ النَّخْلِ دُوْنَ النَّخْلِ وَلَا زَرْعٍ فِي الْاَرْضِ دُوْنَ الْاَرْضِ.

حل لغات: ثمرة پھل زرع کھیتی۔

ترجمہ: اور نہیں (جائز ہے) پھل کا رہن رکھنا درخت کے اوپر بغیر درخت کے اور نہ کھیتی کا رہن رکھنا زمین میں بغیر زمین کے۔

تشریح: حنفیہؒ کے نزدیک مال مشترک کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے اس قاعدہ کے مطابق مسئلہ یہ ہے کہ پھل درخت پر لگے ہوئے ہیں صرف پھل رہن رکھ رہا ہے اور درخت رہن پر نہیں رکھ رہا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ پھل درخت کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہیں اس لئے شئ مرہون درخت سے الگ نہیں ہوئی لہٰذا مرتہن کا مکمل قبضہ نہیں ہو سکے گا حالانکہ مکمل قبضہ ضروری ہے۔ اسی طرح زمین میں کھیتی ہے صرف کھیتی رہن پر رکھے اور زمین رہن پر نہ رکھے تو جائز نہیں کیونکہ کھیتی بھی زمین کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے یہاں بھی مرتہن کا مکمل قبضہ نہیں ہو سکے گا۔ جو آیت کی رو سے ضروری تھا۔

(۱۰۰۵/۹) وَلَا يَجُوْزُ رَهْنُ النَّخْلِ وَالْاَرْضِ دُوْنَهُمَا.

حل لغت: دونهما اس سے مراد پھل اور کھیتی ہیں۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے درخت اور زمین کو رہن رکھنا بغیر پھل اور کھیتی کے۔

تشریح: درخت پر پھل لگے ہوئے ہیں اور زمین میں کھیتی کھڑی ہے اب صرف درخت بغیر پھلوں کے اور

صرف زمین بغیر کھیتی کے رہن رکھنا چاہے تو نہیں رکھ سکتا۔

(۱۰۰۶/۱۰) وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ بِالْاَمَانَاتِ كَالْوَدَائِعِ وَالْعَوَارِيْ وَالْمُضَارَبَاتِ وَمَالِ الشَّرِكَةِ.

حل لغات: الامانات، امانة کی جمع ہے، سپرد کی ہوئی چیز الودائع، ودیعة کی جمع ہے کوئی اپنا سامان کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے اس کو ودیعت کہتے ہیں۔ العواری، عارية کی جمع ہے مانگی ہوئی چیز، کسی چیز کو مفت استعمال کرنے کے لئے دے اور بعد میں اس کو واپس لے لے۔ المضاربات، مضاربة کی جمع ہے، وہ مال جو بیع مضاربت کرنے کے لئے لیا ہو مال الشرکة شرکت کا مال، اس میں آدھا دوسرے کی امانت ہوتا ہے اور آدھا یا تہائی اپنا مال ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے رہن رکھنا امانتوں کو جیسے ودیعتیں اور مانگی ہوئی چیزیں اور مضاربت کا مال اور شرکت کا مال۔

تشریح: وہ مال جو کسی کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے یا کسی سے کوئی چیز عاریت پر لایا ہے یا مال مضاربت ہے یا مال شرکت ہے تو ان مالوں کو رہن پر رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ رہن پر وہی مال رکھ سکتے ہیں جو خود راہن کا ہو اور یہ اموال دوسروں کے ہیں جو راہن کے پاس امانت ہیں اس لئے ان کو رہن پر نہیں رکھ سکتے۔

(۱۰۰۷/۱۱) وَيَصِحُّ الرَّهْنُ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيْهِ فَاِنْ هَلَكَ فِيْ مَجْلِسِ الْعَقْدِ تَمَّ الصَّرْفُ وَالسَّلَمُ وَصَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِحَقِّهِ حُكْمًا.

ترجمہ: اور صحیح ہے رہن رکھنا سلم کے رأس المال کے بدلے ثمن صرف کے بدلے اور مسلم فیہ کے بدلے پھر اگر ہلاک ہو جائے (شئ مرہون) مجلس عقد میں تو مکمل ہو جائے گا عقد صرف اور سلم اور ہوگا مرتہن وصول کرنے والا اپنا حق حکماً۔

تشریح: ایک آدمی نے بیع سلم کی اور مشتری نے بائع کو ثمن یعنی رأس المال دیا اور رأس المال کے بدلے بائع نے کوئی چیز رہن رکھی تو رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ وہ مال مضمون ہے ایسے ہی بیع صرف میں جو ثمن ہے وہ مال مضمون ہے اس لئے اس کے لئے رہن رکھے تو جائز ہے، اسی طرح بیع سلم میں جو مبیع ہے جس کو مسلم فیہ کہتے ہیں اگر اس کے بدلے رہن رکھے تو جائز ہے، چونکہ بیع کی ان تینوں صورتوں میں مجلس عقد میں ثمن پر قبضہ شرط ہے اور مرہون ثمن کے قائم مقام ہے اس لئے یہاں بھی مرہون پر مجلس عقد میں قبضہ لازم ہے۔ اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ کسی نے بیع صرف کی اور بائع نے مبیع دیدی اور ثمن کے بدلے مشتری نے کوئی چیز بائع کے پاس رہن رکھی مجلس عقد ہی میں رہن کی چیز بائع کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو گویا بائع نے ثمن وصول کر لیا اس لئے بیع صرف مکمل ہو جائے گی ایسے ہی بیع سلم میں رب السلم (مشتری) نے بائع کو ثمن دیا اور بائع نے اس کے بدلے کوئی چیز رب السلم کے پاس رہن رکھی اس کے

بعد شئ مرہون مشتری کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو گویا کہ مشتری نے مبیع وصول کر لی اور بیع سلم پوری ہوگئی اور مشتری کا یہ وصول کرنا حقیقتاً نہیں حکماً ہے۔

(۱۰۰۸/۱۲) وَإِذَا اتَّفَقَا عَلٰى وَضْعِ الرَّهْنِ عَلٰى يَدَىْ عَدْلٍ جَازَ وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ وَلَا لِلرَّاهِنِ اَخْذُهٗ مِنْ يَدِهٖ فَاِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ هَلَكَ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ.

ترجمہ: اور جب دونوں (راہن، مرتہن) متفق ہوجائیں رہن کے رکھنے پر کسی عادل آدمی کے ہاتھ میں تو جائز ہے اور نہیں جائز ہے مرتہن اور نہ راہن کے لئے اس (عادل) سے لینا پھر اگر ہلاک ہوجائے اس کے ہاتھ میں تو ہلاک ہوگی مرتہن کے ضمان سے۔

تشریح: راہن ومرتہن نے شئ مرہون کسی تیسرے قابل بھروسہ شخص کے پاس رہن رکھ دی تو یہ جائز ہے اب دونوں میں سے کوئی بھی شئ مرہون عادل سے نہیں لے سکتا، راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر اس لئے واپس نہیں لے سکتا ہے کیونکہ وہ مرتہن کے حق کی وجہ سے عادل کے ہاتھ میں ہے۔ اور مرتہن اس لئے نہیں لے سکتا ہے کہ راہن کو مرتہن پر اعتماد نہیں ہے اسی وجہ سے تو تیسرے کے پاس رہن رکھی گئی ہے۔ ہاں اگر راہن اس کی اجازت دے تو مرتہن عادل کے ہاتھ سے لے سکتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ شئ مرہون عادل کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو مرتہن پر اس کا ضمان ہوگا اور شئ مرہون کی قیمت قرض میں سے کاٹی جائے گی۔ اذا وضعہ علی ید غیرہ فہلک فہو بما فیہ (مصنف عبدالرزاق ۸/۲۴۱) کسی نے رہن دوسرے کے ہاتھ پر رکھا پھر وہ ہلاک ہوگیا تو وہ جس رہن میں تھا اس میں شمار کیا جائے گا۔ (رہن کے لئے اس میں شمار کی جائے گی)

(۱۰۰۹/۱۳) وَيَجُوْزُ رَهْنُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ.

ترجمہ: اور جائز ہے دراہم، اور دنانیر کیلی اور وزنی چیزوں کو رہن رکھنا۔

تشریح: دراہم اور دنانیر سے مراد سونا اور چاندی ہے، متن میں ذکر کردہ جملہ چیزوں کو رہن رکھنا اس لئے جائز ہے کہ مرتہن کو اعتماد ہوگا کہ میرا دین ملے گا ورنہ ان کو بیچ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہوں۔

(۱۰۱۰/۱۴) فَاِنْ رُهِنَتْ بِجِنْسِهَا وَهَلَكَتْ هَلَكَتْ بِمِثْلِهَا مِنَ الدَّيْنِ وَاِنِ اخْتَلَفَا فِي الْجَوْدَةِ وَالصِّيَاغَةِ.

حل لغات: الجودة عمدہ الصیاغۃ گھڑائی اور نقش ونگار۔

ترجمہ: پھر اگر رہن رکھی گئی کوئی چیز اپنی جنس کے عوض اور ہلاک ہوگئی تو ہلاک ہوجائے گی دین کے مثل سے اگرچہ مختلف ہو عمدگی اور گھڑائی میں۔

تشریح: اگر دین اور شئ مرہون متحد الجنس ہوں اور شئ مرہون ہلاک ہوگئی ہو تو وہ بمقابلہ مثل دین ہلاک ہوگی

جس میں مرہون کے گھٹیا اور بڑھیا ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔
مثلاً اچھے قسم کے سو درہم دین تھے اور اس کے بدلے میں گھٹیا قسم کے سو درہم رہن رکھے بعد میں رہن کے سو درہم ہلاک ہوگئے۔ تو چونکہ دونوں جنس ایک ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ مرتہن نے اپنے دین کے سو درہم وصول کر لئے اگرچہ دین کے سو درہم عمدہ تھے اور رہن کے سو درہم گھٹیا تھے۔

(۱۵/۱۰۱۱) وَمَنْ كَانَ لَهُ دَيْنٌ عَلٰى غَيْرِهٖ فَاَخَذَ مِنْهُ مِثْلَ دَيْنِهٖ فَأَنْفَقَهُ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهُ كَانَ زُيُوْفًا فَلَا شَيْءَ لَهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَرُدُّ مِثْلَ الزُّيُوْفِ وَيَرْجِعُ مِثْلَ الْجِيَادِ.

حل لغات: الزيوف کھوٹے درہم الجیاد اچھے۔
ترجمہ: کسی کا دین تھا دوسرے پر اس نے اس سے دین کے مثل لیا اور اس کو خرچ کر دیا پھر جانا کہ وہ کھوٹے تھے تو کچھ نہیں اس کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ کھوٹے کے مثل واپس کرے اور کھرے کے مثل وصول کر لے۔
تشریح: ایک شخص کا کسی کے ذمہ کچھ دین تھا اس نے وہ دین وصول کر کے خرچ کر دیا بعد میں معلوم ہوا کہ میرے دراہم عمدہ تھے اور یہ دراہم جو نے میں خرچ کئے گھٹیا تھے تو امام صاحب کے نزدیک اب مقروض سے مزید کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ عدد اور وزن کے اعتبار سے برابر ہو گیا اور جنس ایک ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ قرض خواہ نے اپنا پورا حق وصول کر لیا صاحبین فرماتے ہیں کہ قرضخواہ نے جیسا گھٹیا مقروض سے لیا تھا کہیں سے گھٹیا دراہم لاکر مقروض کو دے اور اپنے اچھے دراہم وصول کرے کیونکہ قرض وغیرہ میں صرف وزن اور عدد کے اعتبار سے برابر کر دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ مالیت اور قیمت کے اعتبار سے برابر کرنا بھی ضروری ہے اور اس کی صورت یہی ہے۔
نوٹ: صاحب جوہرۃ النیرۃ نے لکھا ہے کہ مشہور قول کے مطابق امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔
(الجوہرۃ النیرۃ ۱/۲۸۲)

(۱۶/۱۰۱۲) وَمَنْ رَهَنَ عَبْدَيْنِ بِاَلْفٍ فَقَضٰى حِصَّةَ اَحَدِهِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُ اَنْ يَقْبِضَهُ حَتّٰى يُؤَدِّيَ بَاقِيَ الدَّيْنِ.

ترجمہ: کسی نے رہن رکھے دو غلام ایک ہزار کے بدلے میں پھر ایک کا حصہ ادا کر دیا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے اس غلام پر قبضہ کرنا یہاں تک کہ ادا کر دے باقی دین۔
تشریح: کسی نے دو غلام ایک ہزار کے بدلے رہن پر رکھے تھے پھر پانچ سو روپے ادا کر دیئے اور چاہتا ہے کہ ایک غلام مرتہن سے واپس لے لوں تو وہ اس غلام کو واپس نہیں لے سکتا جب تک کہ پورے ایک ہزار ادا نہ کر دے

کیونکہ دونوں غلاموں کا مجموعہ ہزار کے بدلے رہن ہے۔ ہاں اگر مرتہن ایک غلام واپس لینے کی اجازت دیدے تو راہن واپس لے سکتا ہے۔

(۱۰۱۳/۱۷) فَاِذَا واكَّلَ الرَّاهِنُ الْمُرْتَهِنَ اَوِ الْعَدْلَ اَوْ غَيْرَهُمَا فِى بَيْعِ الرَّهْنِ عِنْدَ حُلُوْلِ الدَّيْنِ فَالْوَكَالَةُ جَائِزَةٌ.

ترجمہ: اگر وکیل بنادے راہن مرتہن کو یا کسی عادل کو یا ان کے علاوہ کو شئ مرہون بیچنے کا دین کی مدت گذرنے پر تو وکالت جائز ہے۔

تشریح: راہن چونکہ شئ مرہون کا مالک ہے اس لئے وہ جس کو چاہے وکیل بنا سکتا ہے کہ قرض کی مدت پوری ہو جائے اور میں قرض ادا نہ کرسکوں تو شئ مرہون کو بیچ دیا جائے اور اس سے مرتہن کے قرض کو ادا کیا جائے۔

(۱۰۱۴/۱۸) فَاِنْ شُرِطَتِ الْوَكَالَةُ فِىْ عَقْدِ الرَّهْنِ فَلَيْسَ لِلرَّاهِنِ عَزْلُهُ عَنْهَا فَاِنْ عَزَلَهُ لَمْ يَنْعَزِلْ وَاِنْ مَاتَ الرَّاهِنُ لَمْ يَنْعَزِلْ اَيْضاً.

ترجمہ: اور اگر وکالت شرط کرلی گئی تھی عقد رہن میں تو راہن کے لئے جائز نہیں ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کردے پھر اگر معزول کردیا تب بھی معزول نہیں ہوگا اور اگر راہن مرجائے تب بھی وکیل معزول نہیں ہوگا۔

تشریح: جب راہن نے رہن رکھا اس وقت مرتہن نے شرط لگائی کہ قرض کی مدت گزرنے پر شئ مرہون کے بیچنے کا وکیل بناؤ تا کہ وہ وکیل شئ مرہون کو فروخت کر کے میرا قرض ادا کرے تو راہن اب اس وکیل کو معزول نہیں کرسکتا کیونکہ شرط لگانے کی وجہ سے مرتہن کا حق متعلق ہوگیا بالفرض اگر راہن نے وکیل کو معزول کر بھی دیا تو وکیل معزول نہیں ہوگا اسی طرح اگر راہن اتفاقاً مر بھی جائے تب بھی وکیل کی وکالت ختم نہیں ہوگی بلکہ قرض کی مدت گزرنے پر شئ مرہون کو بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کرے گا۔ تا کہ اس کا حق ضائع نہ ہوجائے۔

(۱۰۱۵/۱۹) وَلِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يُطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهِ وَيُحْبِسَهُ بِهِ.

ترجمہ: اور مرتہن کے لئے جائز ہے کہ راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے اور قید کرا سکتا ہے اس کو اس قرض کی وجہ سے۔

تشریح: شئ مرہون مرتہن کے پاس تھی ابھی راہن نے قرض ادا نہیں کیا ہے اور شئ مرہون واپس لینا چاہتا ہے تو مرتہن کو حق ہے کہ اپنے دین کا مطالبہ کرے اگر بلا کسی وجہ کے راہن ٹال مٹول کرتا ہے تو راہن کو قید خانہ میں ڈلوا سکتا ہے۔

(۱۰۱۶/۲۰) وَاِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِى يَدِهٖ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُمَكِّنَهُ مِنْ بَيْعِهٖ حَتّٰى يَقْبِضَ الدَّيْنَ مِنْ ثَمَنِهٖ فَاِذَا قَضَاهُ الدَّيْنَ قِيْلَ لَهٗ سَلِّمِ الرَّهْنَ اِلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر شئ مرہون مرتہن کے ہاتھ میں ہو تو مرتہن پر ضروری نہیں ہے کہ راہن کو اس کے بیچنے کی قدرت دے یہاں تک کہ وصول کرلے دین اس کے ثمن سے پھر جب مرتہن کو دین ادا کردے تو مرتہن کو کہا جائے گا کہ شئ مرہون اس کے حوالے کر۔

تشریح: شئ مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہے اب راہن چاہتا ہے کہ اس کو بیچ کر دین ادا کردے تو اب مرتہن سے شئ مرہون راہن کے حوالے کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا ہاں دین ادا کردے۔ خواہ راہن اپنی جیب سے ادا کرے یا شئ مرہون کی بیع کرکے اس کی قیمت میں سے ادا کرے تب مرتہن کو کہا جائے گا کہ شئ مرہون راہن کے حوالے کر۔

وجہ: شئ مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اور اس کو اس وقت تک شئ مرہون روکنے کا حق ہے جب تک کہ اس کے ہاتھ میں پورا دین نہ آجائے۔

(۱۰۱۷/۲۱) وَإِذَا بَاعَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ بِغَيْرِ إِذْنِ الْمُرْتَهِنِ فَالْبَيْعُ مَوْقُوْفٌ فَإِنْ أَجَازَهُ الْمُرْتَهِنُ جَازَ وَإِنْ قَضَاهُ الرَّاهِنُ دَيْنَهُ جَازَ.

ترجمہ: اور جب بیچ دی راہن نے شئ مرہون مرتہن کی اجازت کے بغیر تو بیع موقوف رہے گی پھر اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دیدی تو جائز ہو جائے گی اور اگر راہن نے مرتہن کا دین ادا کردیا تب بھی بیع جائز ہو جائے گی۔

شئ مرہون میں تصرف کرنے کا بیان

تشریح: اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کی بغیر شئ مرہون بیچ دی تو بیع موقوف رہے گی اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دیدی یا راہن نے مرتہن کا دین ادا کردیا تو بیع جائز ہو جائے گی اور اگر اجازت نہ دی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

(۱۰۱۸/۲۲) وَإِنْ أَعْتَقَ الرَّاهِنُ عَبْدَ الرَّهْنِ بِغَيْرِ إِذْنِ الْمُرْتَهِنِ نَفَذَ عِتْقُهُ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کردے راہن رہن کا غلام بغیر مرتہن کی اجازت کے تو نافذ ہو جائے گی اس کی آزادی۔

تشریح: چونکہ آزادگی انسان کا فطری حق ہے اس لئے راہن کے آزاد کرتے ہی غلام آزاد ہو جائے گا اور آزادی مرتہن کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی۔

(۱۰۱۹/۲۳) فَإِنْ كَانَ الرَّاهِنُ مُوْسِرًا وَالدَّيْنُ حَالًا طُوْلِبَ بِأَدَاءِ الدَّيْنِ وَإِنْ كَانَ مُؤَجَّلًا أُخِذَ مِنْهُ قِيمَةُ الْعَبْدِ فَجُعِلَتْ رَهْنًا مَكَانَهُ حَتَّى يَحِلَّ الدَّيْنُ.

حل لغات: موسرا مالدار حالا فوری ادائیگی مؤجلا تاخیر کے ساتھ ادائیگی یحل الدین دین

ادا کرنے کا وقت آجائے۔

ترجمہ: اور اگر راہن مالدار ہو اور دین فوری ہو تو مطالبہ کیا جائے گا دین کی ادائیگی کا اور اگر قرض تاخیر والا ہو تو لے لی جائیگی اس (راہن) سے غلام کی قیمت اور کردی جائیگی رہن اس غلام کی جگہ یہاں تک کہ آجائے دین کی مدت۔

تشریح: ماقبل میں آچکا ہے کہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر راہن مالدار ہے اور دین کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت متعین نہیں ہے بلکہ فوری طور پر اس کو ادا کر دینا چاہئے تھا تو مطالبہ کیا جائے گا کہ فوری طور پر دین ادا کریں کیونکہ جب رہن ہی مرتہن کے ہاتھ سے نکل گیا تو اس کا اعتماد و بھروسہ بھی راہن سے ختم ہو گیا اس لئے فوری طور پر ادائیگی دین کا مطالبہ ہوگا اور اگر دین ادا کرنے کے لئے مدت متعین تھی تو راہن سے غلام کی قیمت لے کر اس قیمت کو غلام کی جگہ دین کی ادائیگی کی مدت کے آنے تک رہن رکھا جائے گا۔

(۱۰۲۰/۲۴) وَاِنْ كَانَ مُعْسِراً اسْتَسْعَى الْعَبْدُ فِي قِيْمَتِهٖ فَقَضٰى بِهِ الدَّيْنَ ثُمَّ يَرْجِعُ الْعَبْدُ عَلَى الْمَوْلٰى.

حل لغت: استسعٰی، غلام اپنی قیمت کما کر دے اس کو سعی کرنا اور استسعیٰ کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر وہ (راہن) تنگدست ہو تو کمائے گا غلام اپنی قیمت اور ادا کرے گا اس سے دین کو پھر وصول کرے گا غلام سے۔

تشریح: راہن کے آزاد کرنے کی وجہ سے غلام آزاد ہو جائے گا اب اگر راہن تنگدست ہے غلام کی قیمت لاکر رہن نہیں رکھ سکتا اور نہ دین ادا کر سکتا ہے تو چونکہ غلام رہن پر تھا اس لئے اس کو کہا جائے گا کہ اپنی قیمت اور دین میں سے جو کمتر ہو وہ کما کر مرتہن کو دے اس کے بعد غلام اپنے مولیٰ سے جب وہ صاحب حیثیت ہو جائے اس رقم کو وصول کرے کیونکہ غلام نے مولیٰ کا قرض ادا کیا ہے۔ غلام سے سعی اس لئے کروائی جائے گی کیونکہ رہن رکھنے کی وجہ سے مرتہن کا حق غلام کی گردن سے متعلق ہو گیا ہے اور غلام آزاد ہو گیا اور راہن سے بھی غربت کی وجہ سے دین ملنے کی امید نہیں ہے۔ اس لئے غلام سے ہی سعی کروا کر دین وصول کیا جائے گا۔ (الجوہرۃ النیر ۱/۲۸۵)

(۱۰۲۱/۲۵) وَكَذٰلِكَ اِنِ اسْتَهْلَكَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر ہلاک کر دے راہن شئی مرہون کو۔

تشریح: اگر راہن نے مرتہن کے پاس سے رہن ہلاک کر دیا تو راہن کو اس کی قیمت مرتہن کے پاس رہن رکھنی ہوگی کیونکہ جس ضرورت کی بنیاد پر عقد رہن ہوا تھا وہ ضرورت ابھی باقی ہے اور اگر فوری والا دین تھا تو مرتہن فوراً وصول کرنے کا مطالبہ کرے گا۔

(۱۰۲۲/۲۶) وَاِنِ اسْتَهْلَكَهٗ اَجْنَبِيٌّ فَالْمُرْتَهِنُ هُوَ الْخَصْمُ فِي تَضْمِيْنِهٖ فَيَأْخُذُ الْقِيْمَةَ فَيَكُوْنُ الْقِيْمَةُ

رَهْناً فِيْ يَدِهٖ.

ترجمہ: اور اگر ہلاک کردے رہن کو اجنبی تو مرتہن ہی مدمقابل ہوگا اس کا ضمان لینے میں چنانچہ مرتہن قیمت وصول کرے گا اور یہ قیمت رہن رہے گی اس کے ہاتھ میں۔

تشریح: مرتہن کے قبضہ میں شئ مرہون تھی اسی حال میں کسی اجنبی نے اس کو ہلاک کردیا۔ تو مرتہن ہی اس کا ضمان لینے کا مدعی بنے گا اور وہی ضمان لینے کی ساری کارروائی کرے گا اور مرہون کے ہلاک ہونے کے دن اس کی جو قیمت تھی وہ قیمت ہلاک کرنے والے سے وصول کرے گا اور یہ قیمت اس کے قبضہ میں رہن رہے گی پہلے اصل شئ رہن پر تھی اب اس کا نائب اور قیمت رہن پر رہیں گے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ نائب کا حکم بھی اصل جیسا ہوتا ہے۔ اس لئے قیمت رہن پر رہے گی جب تک دین ادا نہ ہوجائے۔

(۱۰۲۳/۲۷) وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُوْنَةٌ.

حل لغت: مضمونة سبب ضمان ہے، تاوان، ڈنڈ

ترجمہ: اور راہن کی جنایہ شئ مرہون پر سبب ضمان ہے۔

شئ مرہونہ میں نقصان پیدا کرنے اور دوسروں کے ذمہ مرہونہ کی جنایت کئے جانے کا بیان

تشریح: راہن اگر مرہون غلام کو قتل کرڈالے یا اس کا کوئی عضو تلف کردے تو راہن پر ضمان واجب ہوگا کیونکہ شئ مرہون اگرچہ راہن کی ہے لیکن ابھی اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے لہٰذا ضمان کے حق میں مالک کو اجنبی ٹھہرایا جائے گا اور رہن میں سے راہن نے جتنا نقصان کیا ہے وہ رہن کے لئے دینا پڑے گا مثلاً شئ مرہون سو روپے تھی راہن نے قصور کیا اب وہ پچاس روپے کی رہ گئی تو اب راہن پچاس روپے مرتہن کو دے تاکہ وہ دین ادا ہونے تک اس کو رہن پر رکھے۔

(۱۰۲۴/۲۸) وَجِنَايَةُ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ تُسْقِطُ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهَا.

ترجمہ: اور مرتہن کی جنایت رہن پر ساقط کردیتی ہے دین سے اس کی مقدار۔

تشریح: اگر مرتہن مرہون پر کوئی جنایت کرے تو اس پر تاوان لازم ہوگا کیونکہ اس نے غیر کی ملک کو تلف کیا ہے اب اس نے جس قدر جنایت کی ہے اسی قدر دین ساقط ہوجائے گا مثلاً ایک ہزار روپیہ مرتہن کا دین تھا اور ایک

ہزار روپیہ ہی کی چیز گروی رکھی ہوئی تھی مرتہن نے اس میں سے تین سو روپیہ کا نقصان کر دیا اور اب شئی مرہون سات سو روپیہ کی رہ گئی تو تین سو روپیہ دین سے ساقط ہو جائیں گے اور راہن پر مرتہن کا دین اب سات سو روپیہ ہی رہے گا۔

(۱۰۲۵/۲۹) وَجنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ وَعَلَى الْمُرْتَهِنِ وَعَلَى مَالِهِمَا هَدْرٌ.

لغت: هَدْرٌ، رائیگاں، بیکار

ترجمہ: اور رہن کی جنایت راہن اور مرتہن پر اور ان دونوں کے مال پر رائیگاں ہے۔

تشریح: شئی مرہون مثلاً غلام ہے اس نے راہن کا نقصان کر دیا تو یہ نقصان رائیگاں ہے غلام سے کچھ نہیں لیا جائے گا کیونکہ غلام راہن کا ہے اب اگر اس کو بیچ کر نقصان وصول کرے تو اپنا ہی مال بیچے گا اس لئے غلام کے اس نقصان کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اگر غلام نے مرتہن کا نقصان کیا تو مرتہن کی ذمہ داری تھی کہ غلام کی حفاظت کرتا، حفاظت نہ کر کے اس نے غلطی کی ہے اب اگر مرتہن غلام کو بیچ کر نقصان وصول کرے تو غلام میں یا اس کی قیمت میں جتنی کمی آتی جائے گی اتنا ہی مرتہن کے قرض سے کٹتا رہے گا تو غلام بیچ کر نقصان وصول کرنے کا مرتہن کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔
(اللباب فی شرح الکتاب ۲/۹)

(۱۰۲۶/۳۰) وَأُجْرَةُ الْبَيْتِ الَّذِي يُحْفَظُ فِيهِ الرَّهْنُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ.

ترجمہ: اس گھر کا کرایہ جس میں رہن کی حفاظت کی جا رہی ہو مرتہن کے ذمہ ہے

تشریح: جس گھر میں شئی مرہون کو حفاظت سے رکھ رہا ہے اس کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی کیونکہ رہن اس کے ضمان میں ہے۔

(۱۰۲۷/۳۱) وَأُجْرَةُ الرَّاعِي عَلَى الرَّاهِنِ.

لغت: الراعی چرواہا، چرانے والا

ترجمہ: اور چرواہے کی اجرت راہن پر ہوگی

تشریح: اصول یہ ہے کہ ہر وہ صورت جس سے شئی مرہون باقی رہے یا اس میں زیادتی ہو تو اس کی اجرت راہن پر ہوگی اب جانور کو کھلانے، پلانے اور چرانے سے جانور بڑھتا ہے اور باقی رہتا ہے اس لئے چرواہے کی اجرت راہن پر ہوگی۔

(۱۰۲۸/۳۲) وَنَفَقَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ

ترجمہ: اور رہن کا نفقہ راہن پر ہوگا۔

تشریح: شئی مرہون کو کھلانے پلانے کا خرچ راہن پر ہوگا کیونکہ شئی مرہون اس کا مال ہے اور مال کی

بڑھوتری اور بقا کا خرچ راہن پر ہوتا ہے۔

(۳۳/۱۰۲۹) وَنَمَاؤُهُ لِلرَّاهِنِ فَيَكُوْنُ النَّمَاءُ رَهْناً مَعَ الْأَصْلِ.

لغت: نماء بڑھوتری جیسے پھل، دودھ، بچہ، اون۔

ترجمہ: اور رہن کی بڑھوتری راہن کی ہوگی جو اصل کے ساتھ رہن رہے گی۔

شئ مرہون کی بڑھوتری کے احکام

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مال رہن میں جو اضافہ اور بڑھوتری ہوتی ہے وہ راہن کی ہوگی، کیونکہ وہ راہن کے مال سے نکلی ہے اور رہن کو بڑھانے کا خرچ راہن پر پڑا ہے اس لئے بڑھوتری بھی راہن کی ہوگی مثلاً بکری سے بچہ پیدا ہوا یا دودھ نکلا یہ سب راہن کے ہیں

(۳۴/۱۰۳۰) فَإِنْ هَلَكَ النَّمَاءُ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ

ترجمہ: اگر بڑھوتری ہلاک ہوگئی تو بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی

تشریح: اگر رہن میں اضافہ شدہ چیز ہلاک ہوگئی تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہوگا مثلاً نوسو روپے قرض تھے جس کے بدلے ایک بکری رہن پر رکھی بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت پانچ سو روپئے تھی اب نوسو روپئے کے بدلے دونوں رہن ہیں اس کے بعد بچہ مرگیا تو قرض میں سے کچھ نہیں کاٹا جائے گا مرتہن کے نوسو روپئے برقرار رہیں گے اور اس کے بدلے بکری رہن پر رہے گی۔

(۳۵/۱۰۳۱) وَإِنْ هَلَكَ الْأَصْلُ وَبَقِيَ النَّمَاءُ اِفْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِحِصَّتِهِ وَيُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيْمَةِ الرَّاهِنِ يَوْمَ الْقَبْضِ وَعَلَى قِيْمَةِ النَّمَاءِ يَوْمَ الْفِكَاكِ فَمَا أَصَابَ الْأَصْلَ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهِ وَمَا أَصَابَ النَّمَاءَ اِفْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِهِ.

ترجمہ: اور اگر ہلاک ہوگئی اصل، اور باقی رہی بڑھوتری تو چھڑائے اس کو راہن اس کا حصہ دے کر اور دین تقسیم کیا جائے گا رہن کی قیمت پر قبضہ کے دن اور بڑھوتری کی قیمت پر چھڑانے کے دن چنانچہ جو اصل کے مقابلہ میں آئے ساقط ہو جائے گی دین سے اس کی مقدار اور جو بڑھوتری کے مقابلہ پر آئے چھڑائے گا اس کو راہن ادا کر کے۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ اگر اصل شئی مرہون ہلاک ہوگئی اور اضافہ شدہ چیز باقی رہی تو اس کو قرض کی مقدار کے حساب سے چھڑایا جائے گا کیونکہ اب تابع نہیں رہی بلکہ اس نے اصل کی حیثیت اختیار کرلی اور تابع جب اصل ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں قیمت آ جایا کرتی ہے۔ متن کے مسئلہ میں اصل اور بڑھوتری دونوں کو رہن مانا ہے لیکن

اصل ہلاک ہونے پر قرض کٹے گا اور بڑھوتری ہلاک ہونے پر قرض نہیں کٹے گا اصل کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن مرتہن نے اصل پر قبضہ کیا تھا اور بڑھوتری کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن بڑھوتری کی قیمت ادا کرکے مرتہن کے ہاتھ سے چھڑا رہا ہے کیونکہ بڑھوتری تو ہر دن بڑھ رہی ہے اس لئے آخری دن کی قیمت لگے گی مثلاً مرتہن کے راہن پر نوسو روپے قرض تھے راہن نے ایک ہزار روپے کی بکری رہن پر رکھی اس کے بعد بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ سو روپے تھی پھر بکری ہلاک ہوگئی جو ہزار روپے کی تھی تو اب دین کو دونوں کی قیمت پر تین تہائی میں تقسیم کیا جائے گا گویا کہ قرض کی دو تہائی ہلاک ہوگئی یعنی چھ سو روپے ساقط ہو جائیں گے اور دین کا ایک تہائی یعنی تین سو روپے راہن مرتہن کو ادا کرے گا اور بکری کا بچہ واپس لے گا۔

(۳۶/۱۰۳۲) وَيَجُوْزُ الزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ.

ترجمہ: اور جائز ہے اضافہ کرنا رہن میں۔

تشریح: راہن نے ایک کپڑا دس روپے میں رہن رکھا تھا اس کے بعد اس نے ایک اور کپڑا رہن رکھدیا تو یہ اضافہ درست ہے اب دونوں کپڑے دس روپے میں رہن رہیں گے اور جب ہلاک ہونگے تو دونوں کی قیمت پر دین کو کاٹا جائے گا ایک پر دین کو نہیں کاٹا جائے گا۔

(۳۷/۱۰۳۳) وَلَا يَجُوْزُ الزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَلَا يَصِيْرُ الرَّهْنُ رَهْناً بِهِمَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ هُوَ جَائِزٌ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے زیادہ کرنا دین میں طرفین کے نزدیک اور نہیں ہوگا رہن دونوں قرضوں کے بدلے میں اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے۔

تشریح: اگر قرض میں اضافہ کیا گیا تو اس صورت میں طرفین اور امام ابو یوسف کا اختلاف ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ نو روپے قرض لئے تھے اور اس کے بدلے دس روپے کی کتاب رہن پر رکھی اب اس مرہونہ کتاب کے بدلے مزید تین روپے قرض لینا چاہتا ہے تو طرفین کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے مرتہن تین روپے مزید قرض دیدے یہ ٹھیک ہے لیکن یہ کتاب کے بدلے نہیں ہونگے بلکہ یہ تین روپے بغیر رہن کے ہونگے

دلیل: آیت "فرھان مقبوضۃ" کا تقاضہ یہ ہے کہ کتاب پہلے دین میں مکمل مقبوض ہے اس لئے دوسرا دین اس میں شامل نہیں ہوگا

امام ابو یوسف کا مذہب

آپ فرماتے ہیں کہ دین میں زیادتی کرنا جائز ہے یعنی تین روپے دوسرا دین بھی مرہونہ کتاب کے تحت آجائے گا

دلیل: دین ثمن کی طرح ہے اور رہن مبیع کی طرح ہے تو جس طرح ثمن میں بعد میں اضافہ کر سکتے ہیں اور وہ اضافہ مبیع کے تحت شامل ہو جاتا ہے اسی طرح دین میں بھی بعد میں اضافہ کر سکتے ہیں اور وہ رہن کے تحت شامل ہو جائے گا۔

اختلاف کا ثمرہ

طرفین کے نزدیک اگر کتاب ضائع ہوگئی تو صرف پہلے دین نو روپے میں سے کٹے گا دوسرے دین تین روپے میں سے کچھ نہیں کٹے گا کیونکہ وہ بغیر رہن کے تھے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگر کتاب ہلاک ہوگئی تو دونوں دین سے اس کی قیمت کٹے گی پہلے دین سے بھی اور دوسرے دین سے بھی۔

(۱۰۳۴/۳۸) وَاِذَا رَهَنَ عَيناً وَاحِدَةً عِندَ رَجُلَينِ بِدَينٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنهُمَا جَازَ وَجَمِيعُهَا رَهنٌ عِندَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنهُمَا.

ترجمہ: اگر رہن رکھی ایک ہی چیز دو آدمیوں کے پاس دونوں میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے میں تو جائز ہے اور وہ پوری چیز دین رہے گی ان میں سے ہر ایک کے پاس۔

رہن کے متفرق مسائل کا بیان

تشریح: ایک شخص کے ذمہ دو آدمیوں کا دین تھا اس نے ان کے دین کے عوض میں کوئی چیز دونوں کے پاس رہن رکھ دی تو رہن صحیح ہے اور وہ چیز دونوں کے پاس پوری کی پوری مرہون ہوگی، مثلاً دو آدمیوں سے پانچ پانچ سو روپے لئے اور دونوں کے قرض کے بدلے ایک بکری دونوں کے پاس رہن رکھدی تو جائز ہے لیکن پوری بکری دونوں کے دین کے بدلے رہن ہوگی۔

دلیل: پہلے ایک کے قرض کے بدلے بکری رہن رکھتا پھر دوسرے کے قرض کے بدلے یہی بکری رہن رکھتا تو جائز نہ ہوتا کیونکہ پوری بکری پہلے قرض کے بدلے مرہون ہو چکی ہے لیکن یہاں دونوں کے قرض کے بدلے بیک وقت ایک بکری رہن پر رکھ رہا ہے صفقہ ایک ہے اس لئے بیک وقت دونوں کے دین کے بدلے میں ایک بکری رہن پر ہو جائے گی اور جب تک دونوں کا مکمل قرض ادا نہ ہو جائے پوری بکری مرہون ہی رہے گی۔

(۱۰۳۵/۳۹) وَالمَضمُونُ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنهُمَا حِصَّةُ دَينِهٖ مِنهَا.

ترجمہ: اور ضمان ان میں سے ہر ایک پر ان کے دین کے حصہ کے مطابق ہوگا۔

تشریح: مثلاً پانچ پانچ سو روپے دو آدمیوں سے قرض لیا تھا اور ایک بکری رہن رکھی تھی جس کی قیمت آٹھ سو

روپئے تھی بکری ہلاک ہوگئی تو دونوں آدمیوں کے حصہ سے چار چار سو روپئے کاٹے جائیں گے اور سو سو روپئے راہن مزید دے گا۔

(۱۰۳۶/۴۰) فَإِنْ قَضَى اَحَدُهُمَا دَيْنَهُ كَانَ كُلُّهَا رَهْناً فِي يَدِ الْآخَرِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ دَيْنَهُ.

لغت: يستوفي مِن الاستيفاء پورا پورا وصول کرنا

ترجمہ: پھر اگر چکا دے ان دونوں میں سے ایک کا دین تو کل کا کل رہن رہے گا دوسرے کے پاس یہاں تک کہ وصول کرے وہ اپنا دین۔

تشریح: ایک بکری دونوں کے دین کے بدلے رہن تھی پھر ایک کے دین کو ادا کر دیا تو آدھی بکری نہیں چھوٹے گی بلکہ پوری بکری دوسرے کے دین کے بدلے رہن رہے گی کیونکہ شئ مرہون جتنے کے بدلے رہن رہتی ہے تو جب تک پورا دین ادا نہ کر دیا جائے تو شئ مرہون رہن ہی رہتی ہے۔

(۱۰۳۷/۴۱) وَمَنْ بَاعَ عَبْداً عَلٰى اَنْ يَرْهَنَهُ الْمُشْتَرِيْ بِالثَّمَنِ شَيْئاً بِعَيْنِهٖ فَامْتَنَعَ الْمُشْتَرِيْ مِنْ تَسْلِيْمِ الرَّهْنِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ وَكَانَ الْبَائِعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ رَضِيَ بِتَرْكِ الرَّهْنِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ اِلَّا اَنْ يَدْفَعَ الْمُشْتَرِيْ الثَّمَنَ حَالًّا اَوْ يَدْفَعَ قِيْمَةَ الرَّهْنِ فَيَكُوْنُ رَهْناً.

ترجمہ: جس نے بیچا غلام اس شرط پر کہ رہن رکھے گا اسکے پاس مشتری ثمن کے بدلے کوئی متعین چیز پھر رک گیا مشتری رہن کے سپرد کرنے سے تو سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور بائع کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو رہن کو چھوڑنے پر راضی ہوجائے اور چاہے تو بیع فسخ کردے مگر یہ کہ دیدے مشتری قیمت فوراً یا دیدے رہن کی قیمت تا کہ رہن ہوجائے۔

تشریح: کسی نے اس شرط پر غلام بیچا کہ ثمن کے بدلے مشتری کوئی مخصوص اور متعین چیز رہن رکھے گا اور ثمن بعد میں دیگا لیکن مشتری نے وہ چیز رہن پر نہیں رکھی تو اس کو رہن رکھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا چونکہ بائع بغیر رہن کے مبیع دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس کو راہن پر بھروسہ نہیں ہے اس لئے بائع کو دو اختیار ہیں (۱) بغیر رہن رکھے ہوئے بیع قائم رکھے (۲) بیع فسخ کردے اور اگر مشتری بیع فسخ کروانا نہیں چاہتا تو اس پر ضروری ہے کہ فوراً مبیع کی قیمت ادا کرے یا رہن کی قیمت دے تا کہ رہن کی قیمت ہی رہن پر رکھدی جائے اور بائع کو مبیع دینے کا حکم کیا جائے۔

دلیل: متن کے مسئلہ میں کئی باتیں قابل لحاظ ہیں (۱) ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط خلاف قیاس ہے کیونکہ بیع کے ساتھ مزید شرط ہے جس میں بائع کا فائدہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں کسی دوسرے معاملہ کو داخل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهٗ اَوْكَسُهُمَا اَوِ الرِّبٰوا. (ابوداؤد ۳۴۹۰/۲)

آپ نے فرمایا جس نے ایک بیع میں رہن کی اس کے لئے اس کا کم درجہ ہے یا سود ہے، اس لئے ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط سے بیع فاسد ہونی چاہئے لیکن استحساناً جائز قرار دیا کیونکہ یہ شرط بیع کے موافق ہے (۲) رہن رکھنا تبرع ہے اس لئے اگر مشتری نہ رکھے تو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا (۳) بائع بغیر رہن کے مبیع دینے پر راضی نہیں ہے اس لئے بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہوگا ہاں اگر مشتری ثمن نقد دیدے یا رہن کی قیمت ادا کردے اور اس کو رہن کے بدلے رہن پر رکھدے تو پھر بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا

(۱۰۳۸/۴۲) وَلِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يَحْفَظَ الرَّهْنَ بِنَفْسِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهٖ وَخَادِمِهِ الَّذِیْ فِیْ عِيَالِهٖ.

لغت: خادم اس سے مراد خادم خاص ہے یعنی مرتہن جس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہو اس سے حفاظت کرواسکتا ہے ایک خادم وہ ہوتا ہے، جس نے نوکر کی طرح کام کیا اور چلا گیا وہ مراد نہیں ہے۔

ترجمہ: اور مرتہن رہن کی حفاظت خود کرے یا اپنی بیوی، اولاد اور اس خادم سے کرائے جو اس کی عیال داری میں ہے۔

تشریح: مرتہن مال رہن کی حفاظت خود کرسکتا ہے اپنی بیوی سے اپنی اولاد سے اور اپنے خاص خادم سے کرواسکتا ہے اگر اس طرح حفاظت کرتے ہوئے مال رہن ہلاک ہوجائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حفاظت کرنے میں کوتاہی کی۔

دلیل: انسان مختلف ضرورتوں کے لئے گھر سے باہر جاتا رہتا ہے اس لئے بیوی بچوں سے حفاظت کروانے کی ضرورت پڑے گی اس وجہ سے ان لوگوں سے حفاظت کرواسکتا ہے

(۱۰۳۹/۴۳) وَاِنْ حَفِظَهٗ بِغَيْرِ مَنْ هُوَ فِیْ عِيَالِهٖ اَوْ اَوْدَعَهٗ ضَمِنَ.

ترجمہ: اور اگر حفاظت کرائے رہن کی اس سے جو اس کی عیالداری میں نہیں ہے یا کسی کے پاس امانت رکھی تو ضامن ہوگا۔

تشریح: مرتہن نے اپنے عیال کے علاوہ سے شئی مرہون کی حفاظت کروائی یا مرتہن نے شئی مرہون کسی کو بطور امانت دیدی اور وہ ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ حفاظت وامانت میں لوگوں کا طور وطریق مختلف ہوتا ہے اور مالک کی جانب سے اس کو اس کی اجازت نہیں لہٰذا عیال کے علاوہ سے حفاظت کروانا تعدی ہے۔

(۱۰۴۰/۴۴) وَاِذَا تَعَدَّى الْمُرْتَهِنُ فِی الرَّهْنِ ضَمِنَهٗ ضَمَانَ الْغَصْبِ بِجَمِيْعِ قِيْمَتِهٖ.

ترجمہ: اور جب تعدی کردے مرتہن رہن میں تو ضمان دے گا غصب کا ضمان اس کی پوری قیمت کا۔

تشریح: مرتہن نے شئی مرہون پر زیادتی کی جس کی وجہ سے شئی مرہون ہلاک ہوگئی تو اس کی جتنی قیمت تھی

سب کا ضامن ہوگا جس طرح غصب کرنے کے بعد ہلاک کردے تو پوری قیمت کا ضامن ہوتا ہے مثلاً نو روپے قرض لیا تھا اور دس روپے کی کتاب رہن رکھی پھر تعدی اور زیادتی کرکے کتاب ضائع کردی تو کتاب کی پوری قیمت دس روپے کا ضامن ہوگا۔

(۱۰۴۱/۴۵) **وَاِذَا اَعَارَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ لِلرَّاهِنِ فَقَبَضَهُ خَرَجَ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ فَاِنْ هَلَكَ فِىْ يَدِ الرَّاهِنِ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ.**

ترجمہ: جب عاریت پر دیدی مرتہن نے شئی مرہون راہن کو اور راہن نے اس پر قبضہ کرلیا تو شئی مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل گئی پھر اگر وہ ہلاک ہوجائے راہن کے پاس تو ہلاک ہوگی بلاشئی۔

تشریح: مرتہن نے شئی مرہون راہن کو عاریت کے طور پر دی اور راہن نے اس پر قبضہ بھی کرلیا تو شئی مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل گئی جس کی چیز تھی اسی کے پاس چلی گئی اب اگر ہلاک ہوگی تو راہن کی چیز ہلاک ہوگی اس کو کچھ بھی نہیں دینا پڑے گا کیونکہ اسی کی چیز تھی اسی کے پاس ہلاک ہوئی ہے اس کی قیمت کس کو دے گا۔

نوٹ: اس صورت میں مرتہن سے کوئی دین ساقط نہیں ہوگا کیونکہ اس کے پاس شئی مرہون ہلاک نہیں ہوئی ہے۔

(۱۰۴۲/۴۶) **وَلِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يَسْتَرْجِعَهُ اِلٰى يَدِهٖ فَاِذَا اَخَذَهُ عَادَ الضَّمَانُ عَلَيْهِ.**

ترجمہ: مرتہن کے لئے جائز ہے کہ شئی مرہون کو اپنی طرف واپس لے لے جب اس نے لے لی تو ضمان اس پر واپس لوٹ آئے گا۔

تشریح: اگر مرتہن پھر شئی مرہون واپس لے کر اپنے قبضہ میں کرلے تو مرتہن پر پھر ضمان عائد ہوجائے گا۔

دلیل: راہن کے عاریت پر لینے سے رہن کا معاملہ ختم نہیں ہوا وہ چیز ابھی بھی رہن ہے اس لئے مرتہن کو راہن سے واپس مانگنے کا حق ہے اگر راہن واپس دیدے تو وہ چیز پہلے کی طرح رہن ہوجائے گی اور ہلاک ہونے کی صورت میں مرتہن پہلے کی طرح ضامن ہوگا۔

(۱۰۴۳/۴۷) **وَاِذَا مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ الرَّهْنَ وَقَضَى الدَّيْنَ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَصِيٌّ نَصَبَ الْقَاضِىْ لَهُ وَصِيًّا وَاَمَرَهُ بِبَيْعِهٖ.**

ترجمہ: جب مرجائے راہن تو بیچ دے اس کا وصی رہن کو اور ادا کرے دین اگر راہن کا کوئی وصی نہ ہو تو قاضی اس کے لئے کوئی وصی متعین کردے اور حکم دے اس کو شئی مرہون بیچنے کا۔

تشریح: راہن مرگیا تو راہن کے وصی کو حق ہے کہ شئی مرہون کو فروخت کرکے مرتہن کا قرض ادا کردے کیونکہ جب وصی کو راہن کی زندگی میں بیچ کر قرض ادا کرنے کا حق ہے تو راہن کے مرنے کے بعد تو بدرجۂ اولیٰ یہ حق ہوگا اس

کے بعد فرماتے ہیں کہ راہن کا انتقال ایسی حالت میں ہوا کہ دین بھی ادا نہیں کیا تھا اور شئی مرہون کے بیچنے کا کوئی وصی بھی متعین نہیں کیا تھا ایسی صورت میں قاضی شئی مرہون کو فروخت کرنے کے لئے اور مرتہن کا دین ادا کرنے کے لئے وصی متعین کرے کیونکہ قاضی اس لئے ہوتا ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو یہاں مرتہن کے حق کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا اس لئے قاضی وصی متعین کرے گا تا کہ مرتہن کا حق وصول ہو جائے۔

☆☆☆

كِتَابُ الْحَجَرِ

یہ کتاب قولی تصرفات سے روکنے کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: ماقبل میں امام قدوری نے رہن کے مسائل بیان فرمائے رہن کا خلاصہ ہے اپنی مملوکہ شئی میں تصرف کرنے سے رکنا اب رکنے کی دو صورتیں ہیں حسی جیسا کہ رہن میں ہوتا ہے۔ (۲) حکمی جیسا کہ حجر میں ہوتا ہے پس یہاں سے جنس حکمی کو شروع کیا جا رہا ہے۔

حجر کی لغوی تعریف: لغت کے اعتبار سے حجر کے معنی روکنے کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: کسی کو تصرف قولی سے روک دینا ایسے طریقے پر کہ غیر اس کے قائم مقام ہو جائے یا بالفاظ دیگر کسی آدمی کو خرید و فروخت اور معاملات کرنے سے روک دے تا کہ دوسرے کو نقصان نہ ہو جیسے بچے کو خرید و فروخت کرنے سے روک دے تا کہ اس کی بے وقوفی کی وجہ سے ولی کو نقصان نہ ہو۔

حجر کا ثبوت: وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ. (سورة النساء آیت ٦)

اور یتیموں کو آزماؤ یہاں تک کہ جب بالغ ہو جائیں وہ اور نکاح کے قابل ہو جائیں چنانچہ اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کو انکا مال دیدو۔

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اگر نابالغ یتیم میں عقل اور سمجھ کو محسوس کرو تو اس کو مال دیدو اور محسوس نہ کرو تو اس کا مال اس کے حوالے مت کرو اسی مال کو حوالے نہ کرنے کا نام حجر ہے۔

(۱/۱۰۴۴) اَلْاَسْبَابُ الْمُوْجِبَةُ لِلْحَجَرِ ثَلٰثَةُ الصِّغَرُ وَالرِّقُّ وَالْجُنُوْنُ.

حل لغات: الصغر بچپنا، الرق غلامیت

ترجمہ: وہ اسباب جو حجر کو واجب کرنے والے ہیں تین ہیں بچپنا، غلامیت، اور دیوانہ ہونا۔

اسباب حجر کا بیان

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ تین اسباب ایسے ہیں جن سے حجر ہوتا ہے اور انسان کو خرید و فروخت سے روک دیا جاتا ہے (۱) نابالغ ہونا چونکہ بچپن میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس کو اتنی خبر ہی نہیں ہوتی کہ اچھی چیز خرید رہا ہوں یا بری چیز اس لئے نابالغ کو خرید و فروخت کرنے سے روک دیا جائے گا (۲) باندی یا غلام ہونا ان میں عقل تو ہوتی ہے لیکن ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ ان کے آقا کا ہوتا ہے تو آقا کے حق کی رعایت کے پیشِ نظر ان کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا (۳) دیوانہ ہونا چونکہ مجنون میں بھی عقل نہیں ہے اس لئے اس کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔

(۲/۱۰۴۵) وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ الصَّغِيْرِ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيِّه.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بچہ کا تصرف مگر اس کے ولی کے اجازت سے۔

تشریح: بچے میں عقل کی کمی ہے لیکن بالغ ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ سمجھ بوجھ آجاتی ہے اور بعض مرتبہ اچھا معاملہ کر لیتا ہے اس لئے ولی اور سرپرست اگر مناسب سمجھیں تو خرید و فروخت کی اجازت دیدیں اجازت کے بغیر اس کا تصرف قابل اعتبار نہیں ہے۔

(۳/۱۰۴۶) وَلَايَجُوْزُ تَصَرُّفُ الْعَبْدِ اِلَّا بِاِذْنِ سَيِّدِه.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے غلام کا تصرف مگر اس کے آقا کی اجازت سے

تشریح: بالغ غلام میں عقل تو ہے لیکن اگر زیادہ تجارت کرے گا تو ہوسکتا ہے کہ اس کی گردن پر تجارت کا قرض آجائے اور آقا کو قرض بھرنا پڑے اس لئے اس کو نقصان ہوگا اس وجہ سے آقا کی اجازت سے غلام تجارت کرسکتا ہے۔

(۴/۱۰۴۷) وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِه بِحَالٍ.

ترجمہ: اور جائز نہیں تصرف کرنا ایسے مجنون کا جس کی عقل مغلوب ہو کسی حال میں۔

تشریح: مجنون دو طرح کے ہیں (۱) وہ مجنون جو کبھی دیوانہ ہو جاتا ہے اور کبھی ہوشیار ایسے مجنون کا معاملہ افاقہ کے وقت درست ہے (۲) وہ مجنون جس کی عقل مغلوب ہے اور اس کو کبھی بھی عقل نہیں آتی ایسے مجنون کا خرید و فروخت کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔

(۵/۱۰۴۸) وَمَنْ بَاعَ مِنْ هٰؤُلَاءِ شَيْئًا اَوِ اشْتَرَاهُ وَهُوَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَيَقْصِدُهُ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ

اَجَازَهُ اِذَا كَانَ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَهُ.

ترجمه: اور جس نے بیچی ان لوگوں میں سے کسی نے کوئی چیز یا اس کو خریدی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا ارادہ کرتا ہو تو اس کے ولی کو اختیار ہے اگر چاہے اسے نافذ کردے جبکہ اس میں کوئی مصلحت ہو اور اگر چاہے تو اس کو فسخ کردے۔

مجورین کے تصرفات کے احکام

تشریح: بچہ، غلام، اور وہ مجنون جو کبھی دیوانہ ہوجاتا ہے اور کبھی ہوشیار ان میں سے کسی نے خرید وفروخت کی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتا ہے اور اس کے کرنے کا ارادہ بھی کرتا ہے مذاق اور کھیل کے طریقہ سے نہیں تو اس کے ولی کو اختیار ہے اگر اجازت دینے میں مصلحت ہے تو عقد کو نافذ کردے اور اگر مصلحت نہیں ہے تو اس خرید وفروخت کو فسخ کردے۔ ولی سے مراد باپ، دادا، قاضی، آقا، اور وصی وغیرہ ہیں۔

نوٹ: امام قدوری نے عبارت میں "وَيَقْصِدُهُ" فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ خرید وفروخت کا ارادہ کرتے ہوں تب ہی بیع ہوگی تاکہ ایجاب اور قبول حقیقت میں پائے جائیں اور اگر مذکورہ لوگوں نے مذاق کے طور پر خرید وفروخت کی ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

(۱۰۴۹/۶) فَهٰذِهِ الْمَعَانِىْ الثَّلٰثَةُ تُوْجِبُ الْحَجَرَ فِي الْاَقْوَالِ دُوْنَ الْاَفْعَالِ.

ترجمه: یہ تین اسباب واجب کرتے ہیں حجر کو اقوال میں نہ کہ افعال میں۔

تشریح: جنون، بچپنا، اور غلامیت کی وجہ سے حجر واجب ہوتا ہے لیکن صرف قول میں حجر ہوگا اور اقوال بھی تین قسم کے ہیں (۱) وہ اقوال جن میں فائدہ بھی ہوسکتا ہے اور نقصان بھی جیسے خرید وفروخت ان کو موقوف رکھا جائے گا اگر ولی مصلحت دیکھے تو نافذ کردے اور اگر مناسب سمجھے تو رد کردے (۲) وہ اقوال جن میں مجنون اور بچہ کا نقصان ہی نقصان ہے جیسے طلاق دینا اور غلام آزاد کرنا یہ بالکل نہیں کرسکتے عبارت میں اقوال سے یہی دونوں قسمیں مراد ہیں (۳) وہ اقوال جن میں بچہ اور مجنون کا فائدہ ہی فائدہ ہے جیسے ہدیہ قبول کرنا یہ کرسکتے ہیں کیونکہ ان میں اُن کا فائدہ ہی فائدہ ہے چوں کہ ان کے افعال پر کوئی حجر نہیں ہے اس لئے اگر کسی کو قتل کردیا تو اس کی دیت لازم ہوگی یا چوری کی تو اس کا تاوان لازم ہوگا یا کسی کو مارا تو اسکا ضمان لازم ہوگا اور خارج میں کسی کا نقصان کیا تو نقصان ادا کرنا ہوگا تاکہ جس کا نقصان ہوا ہے وہ محفوظ ہوجائے البتہ ایسے افعال جن سے حدود وقصاص لازم ہوتے ہیں وہ مجنون اور بچہ پر لازم نہیں ہونگے کیونکہ یہ شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں اور ممکن ہے کہ مجنون اور بچہ نے ان کو شبہۃً کردیا ہو ان کے پختہ ارادے کا دخل نہ ہو اس لئے ان کے افعال سے حدود وقصاص لازم نہیں ہوں گے باقی افعال سے نقصان ہوا ہو تو وہ ولی

کو ادا کرنا ہوگا۔

(۱۰۵۰/۷) وَاَمَّا الصَّبِیُّ وَالْمَجْنُوْنُ لَا تَصِحُّ عُقُوْدُھُمَا وَلَا اِقْرَارُھُمَا وَلَا یَقَعُ طَلَاقُھُمَا وَلَا اِعْتَاقُھُمَا.

ترجمہ: بہر حال بچہ اور دیوانہ تو نہیں صحیح ہے ان کا عقد اور ان کا اقرار کرنا اور نہیں واقع ہوتی ہے ان کی طلاق اور نہ ان کا آزاد کرنا۔

تشریح: بچہ اور مجنون کو عقل نہیں ہے اس لئے ان کے اقوال کا اعتبار نہیں ہے اور اقرار کرنا، طلاق دینا، آزاد کرنا سب اقوال ہیں اس لئے انکا اعتبار نہیں البتہ عقد کرنا، مثلاً خرید و فروخت کرنے میں فائدہ اور نقصان دونوں ممکن ہیں اس لئے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا اقرار کرنے میں سراسر نقصان ہے اس لئے اس کا بھی اعتبار نہیں ہے اور طلاق دینے میں بیوی جائے گی اس لئے اگر طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور غلام آزاد کرنے میں غلام جائے گا اس لئے آزادی کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

(۱۰۵۱/۸) فَاِنْ اَتْلَفَا شَیْئًا لَزِمَھُمَا ضَمَانُہٗ.

ترجمہ: پھر اگر ان دونوں نے کوئی چیز ضائع کردی تو ان دونوں پر اس شیٔ کا ضمان لازم آئیگا۔

تشریح: مجنون اور بچے نے اپنی حرکتوں سے کسی کی کوئی چیز ضائع کردی تو ان دونوں پر تاوان لازم ہوگا اور ان کے ولی ان کا ضمان ادا کریں گے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ضمان ادا کیا جائے گا ورنہ دوسروں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔

(۱۰۵۲/۹) وَاَمَّا الْعَبْدُ فَاَقْوَالُہٗ نَافِذَۃٌ فِیْ حَقِّ نَفْسِہٖ غَیْرُ نَافِذَۃٍ فِیْ حَقِّ مَوْلَاہُ.

ترجمہ: بہر حال غلام تو اس کے اقوال نافذ ہیں اس کی ذات کے حق میں اور نافذ نہیں ہیں اس کے آقا کے حق میں۔

تشریح: اگر غلام بالغ ہے اور عقلمند ہے پھر بھی آقا کے نقصان اور اس کے حق کیوجہ سے غلام کے اقوال نافذ نہیں ہوں گے اور نہ اس کا خرید و فروخت کرنا نافذ ہوگا لیکن اس کی ذات کے حق میں اس کا اقرار وغیرہ نافذ ہو جائے گا۔

(۱۰۵۳/۱۰) فَاِنْ اَقَرَّ بِمَالٍ لَزِمَہٗ بَعْدَ الْحُرِّیَّۃِ وَلَمْ یَلْزَمْہُ فِی الْحَالِ.

ترجمہ: پھر اگر وہ مال کا اقرار کرے تو لازم ہوگا اس کو آزادی کے بعد اور لازم نہیں ہوگا اس کو فی الحال۔

تشریح: کسی کے غلام نے اقرار کیا کہ فلاں کے میرے ذمہ ایک ہزار روپے ہیں تو یہ ایک ہزار روپے اس وقت لازم نہیں ہوں گے کیونکہ آقا کے مال میں سے دینے ہوں گے اور آقا کا نقصان ہوگا لیکن چونکہ غلام عاقل بالغ ہے

اس لئے آزاد ہونے کے بعد ایک ہزار روپے ادا کرنے لازم ہوں گے جانبین کی رعایت کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہے۔ ماقبل کا مسئلہ اس وقت ہے جب کہ آقا نے غلام کو تجارت کی اجازت نہ دی ہو اگر اجازت دے رکھی ہو تو تجارت کے سلسلہ میں غلام کا اقرار کرنا جائز ہے۔

(۱۱/۱۰۵۴) وَاِنْ اَقَرَّ بِحَدٍّ اَوْ قِصَاصٍ لَزِمَهُ فِي الْحَالِ.

ترجمه: اور اگر غلام اقرار کرے حد کا یا قصاص کا تو اس کو لازم ہوگا فی الحال۔

تشریح: غلام نے ایسے جرم کا اقرار کیا جس کی وجہ سے حد یا قصاص لازم ہو جاتا ہے جیسے شراب پینے کا اقرار کیا یا کسی کو جان بوجھ کر مارنے کا اقرار کیا تو سزائیں فی الحال دی جائیں گی اس کے آزاد ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان جرموں میں غلام کی جان خطرے میں ہے اور اس کی جان کا نقصان ہے اور اپنی ذات کے سلسلے میں وہ خود مختار ہے اس لئے وہ ایسی چیزوں کا اقرار کر سکتا ہے لہٰذا یہ حدود و قصاص فی الحال جاری کئے جائیں گے۔

(۱۲/۱۰۵۵) وَيَنْفُذُ طَلَاقُهُ.

ترجمه: اور نافذ ہو جائے گی اس کی طلاق۔

تشریح: غلام اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو یہ اس کا ذاتی نقصان ہے اس لئے طلاق دے سکتا ہے حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ غلام کا قول اس کی ذات کے حق میں نافذ ہے ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ اِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ اَخَذَ بِالسَّاقِ (ابن ماجہ شریف باب طلاق العبد ص: ۲۹۹) یعنی طلاق دینے کا حق اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی نکاح کیا اور نکاح غلام کرتا ہے اس لئے اس کو طلاق دینے کا حق ہے۔

(۱۳/۱۰۵۶) وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلَى امْرَأَتِهِ.

ترجمه: اور واقع نہیں ہوگی غلام کے آقا کی طلاق غلام کی بیوی پر۔

تشریح: آقا غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو نہیں دے سکتا اس کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی بلکہ غلام کی طلاق ہی واقع ہوگی کیونکہ طلاق شوہر کی واقع ہوتی ہے اور آقا شوہر نہیں ہے اس لئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۱۴/۱۰۵۷) وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُحْجَرُ عَلَى السَّفِيْهِ اِذَا كَانَ عَاقِلًا بَالِغًا حُرًّا وَتَصَرُّفُهُ فِيْ مَالِهِ جَائِزٌ وَاِنْ كَانَ مُبَذِّرًا مُفْسِدًا يُتْلِفُ مَالَهُ فِيْ مَا لَا غَرَضَ لَهُ فِيْهِ وَلَا مَصْلَحَةَ مِثْلُ اَنْ يُتْلِفَهُ فِي الْبَحْرِ اَوْ يُحْرِقَهُ فِي النَّارِ.

حل لغات: السفیہ سفہ (س) سفہاً بے وقوف ہونا، بری عادت والا ہونا، صفت، سفیہ، جمع سفہاء، شریعت کے اعتبار سے سفہ اور سفاہت سے وہ فضول خرچی مراد ہے جس کا عقل اور شریعت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مبذراً، اسم فاعل فضول خرچی کرنے والا، مفسداً، یہ مبذر کی صفت ہے یہاں اسراف فی الخیر والشر دونوں مراد ہیں، یتلف (م) اتلافاً، برباد کرنا یحرقہ (م) احراقاً جلانا۔

ترجمہ: (۱۰۵۸)(۱۴) اور فرمایا امام ابوحنیفہؒ نے نہیں حجر کیا جائے گا بے وقوف پر جبکہ وہ عاقل، بالغ، آزاد ہو اور اس کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے اگرچہ وہ فضول خرچ اور مفسد ہو اپنے مال کو ضائع کرتا ہو ان چیزوں میں جن میں نہ کوئی اس کی غرض ہے اور نہ مصلحت مثلاً مال ڈبوتا ہو سمندر میں یا اس کو آگ میں جلاتا ہو۔

نا سمجھ، بیوقوف کے احکام کا بیان

تشریح: اس مقام پر علامہ بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں تحریر کیا ہے کہ اس سے قبل حجر فی التصرف کے تین متفق علیہ اسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے اب اس مقام پر اس کا چوتھا سبب ''سفاہت'' کو بیان کر رہے ہیں جو مختلف فیہ ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آزاد عاقل بالغ ہے لیکن بیوقوف ہے اور زیادہ خرچ کرتا ہے تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا اس لئے اگر وہ خرید وفروخت کرے تو وہ معتبر ہوگی پھر مزید فرماتے ہیں کہ اگر وہ بیوقوف ایسی جگہ مال خرچ کرتا ہو جہاں نہ کوئی غرض ہو اور نہ مصلحت ہو مثلاً سمندر میں مال پھینک دیتا ہے یا آگ میں جلا دیتا ہے پھر بھی اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: معاملات کرنے کا دارومدار عقل، بلوغ، اور آزادی پر ہے اور یہ تینوں چیزیں اس میں موجود ہیں ہاں اگر عقل ہی نہ ہو تو جنونیت کی وجہ سے حجر ہوگا۔

(۱۰۵۸/۱۵) اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ اِذَا بَلَغَ الْغُلَامُ غَیْرَ رَشِیْدٍ لَمْ یُسَلَّمْ اِلَیْهِ مَالُهٗ حَتّٰی یَبْلُغَ خَمْساً وَّعِشْرِیْنَ سَنَةً وَاِنْ تَصَرَّفَ فِیْهِ قَبْلَ ذَالِكَ نَفَذَ تَصَرُّفُهٗ فَاِذَا بَلَغَ خَمْساً وَّعِشْرِیْنَ سَنَةً سُلِّمَ اِلَیْهِ مَالُهٗ وَاِنْ لَمْ یُوْنَسْ مِنْهُ الرُّشْدُ.

لغت: رشید سیدھی راہ چلنے والا، ہدایت یافتہ، یونس مصدر ایناساً مانوس، لم یونس، محسوس نہ کیا گیا ہو، الرشد، ہدایت، راہِ حق پر برقراری، عقل وشعور۔

ترجمہ: مگر امام صاحب نے فرمایا کہ جب کوئی لڑکا بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہو تو اس کا مال اس کے حوالے نہ کیا جائے یہاں تک وہ پچیس سال کا ہو جائے اور اگر تصرف کرلے مال میں اس سے پہلے تو اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا پھر جب وہ پچیس برس کا ہو جائے تو اس کو اس کا مال سپرد کر دیا جائے گا اگرچہ اس میں سمجھداری محسوس نہ ہو۔

تشریح: ایک شخص نادان تھا اور اب بالغ ہوا اور بلوغیت کے بعد بھی نفع اور نقصان کے درمیان امتیاز پیدا

کرنے کی صلاحیت نہیں ہوئی تو اس کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر حجر تو نہ کیا جائے لیکن اس کو پچیس سال تک مال سپرد نہ کیا جائے تا کہ وہ مال کو غلط خرچ نہ کرے اور پچیس سال کے بعد چاہے سمجھداری کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں پھر بھی مال اس کے حوالے کر دیا جائے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ پچیس سال میں آدمی دادا بن جاتا ہے مثلاً بارہ سال کی عمر میں بالغ ہوا پھر اس نے کسی عورت سے شادی کی اور چھ ماہ میں بچہ ہو گیا اس بچہ نے بارہ سال کی عمر میں شادی کی پھر اس کو بچہ ہوا تو آدمی پچیس سال میں دادا بن جائے گا لہذا پچیس سال کے بعد مال روکنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔(الجوہرۃ النیرۃ ا/۲۹۵)

(۱۰۵۹/۱۶)وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُحْجَرُ عَلٰى سَفِيْهٍ وَيُمْنَعُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِيْ مَالِهٖ فَاِنْ بَاعَ لَمْ يَنْفُذْ بَيْعُهٗ فِيْ مَالِهٖ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ اَجَازَهُ الْحَاكِمُ.

ترجمہ: اور فرمایا امام ابو یوسف ومحمد رحمۃ اللہ علیہما نے کہ حجر کیا جائے گا بے وقوف پر اور روکا جائے گا اس کو مال میں تصرف کرنے سے چنانچہ اگر کوئی چیز فروخت کردے تو اس کی بیع اس کے مال میں نافذ نہ ہوگی ہاں اگر اس میں کوئی مصلحت ہو تو حاکم اس کو نافذ کردے۔

تشریح: صاحبین کے نزدیک بے وقوف پر حجر کیا جائے گا اور اس کو تصرف فی المال سے روکا جائے گا اور اگر اس نے خرید وفروخت کی تو وہ نافذ نہیں ہوگی البتہ قاضی اس کے مفاد کے پیش نظر بیع کو نافذ کر سکتا ہے۔

دلیل: حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ پر زیادہ خرچ کرنے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر کیا تھا۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر منقول ہے

(۱۰۶۰/۱۷) وَاِنْ اَعْتَقَ عَبْداً نَفَذَ عِتْقُهٗ عَلٰى عَبْدٍ اَنْ يَّسْعٰى فِيْ قِيْمَتِهٖ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کردے غلام کو تو اس کی آزادی نافذ ہوگی اور غلام پر لازم ہوگا کہ اپنی قیمت کی سعی کرے (کمائے)۔

تشریح: بیوقوف پر حجر کیا گیا اس کے باوجود اس نے اپنا غلام آزاد کر دیا تو صاحبین کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو حجر ہی صحیح نہیں ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا لیکن غلام پر لازم ہوگا کہ اس کی جتنی قیمت ہو سکتی ہے اس کو کما کر بیوقوف آقا کو دے تا کہ بیوقوف نقصان سے بچ جائے۔

(۱۰۶۱/۱۸) وَاِنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً جَازَ نِكَاحُهٗ فَاِنْ سَمّٰى لَهَا مَهْراً جَازَ مِنْهُ مِقْدَارُ مَهْرِ مِثْلِهَا وَبَطَلَ الْفَضْلُ.

ترجمہ: اور اگر شادی کرلے کسی عورت سے تو اس کا نکاح جائز ہوگا پھر اگر متعین کرے اس کے لئے مہر تو مہر مثل کی مقدار جائز ہے اور اس سے زیادہ باطل ہوگا۔

تشریح: بے وقوف نے حجر کے بعد کسی عورت سے شادی کر لی تو یہ شادی جائز ہوگی اور عورت کے لئے مہر متعین کیا تو مہر مثل کی مقدار تک جائز ہے اور مہر مثل سے زیادہ متعین کیا تو یہ باطل ہوگا۔

دلیل: شادی ضرورت اصلیہ میں داخل ہے اس لئے وہ کر سکتا ہے اور جب شادی کرنے کی اجازت ہے تو اس کے لئے مہر مثل سے زیادہ متعین کرنا بھی جائز ہے لیکن مہر مثل سے زیادہ کی ضرورت نہیں اس لئے مہر مثل سے زیادہ فضول خرچی میں داخل ہوگا اور وہ جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ: مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ خاندان کی قریبی عورتوں مثلاً بہن، پھوپھی، چچازاد بہن کا جو مہر ہے ان مہروں کے مثل اس کا مہر ہو۔

(۱۹/۱۰۶۲)وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهِ فِيْمَنْ بَلَغَ غَيْرَ رَشِيْدٍ لَا يُدْفَعُ اِلَيْهِ مَالُهُ اَبَداً حَتّٰى يُوْنَسَ مِنْهُ الرُّشْدُ وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُهُ فِيْهِ.

حل لغت: اَبَداً: یہ ظرف کی بنا پر منصوب ہے۔

ترجمہ: اور فرمایا صاحبین نے اس شخص کے بارے میں جو بے وقوفی ہی کی حالت میں بالغ ہوا ہو کہ اس کو اس کا مال نہیں دیا جائیگا کبھی بھی یہاں تک کہ اس سے عقلمندی کے آثار ظاہر ہوں اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

تشریح: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو آدمی بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہوا ہو اس کو اس وقت تک مال نہ دیا جائے جب تک کہ اس میں عقل مندی کے آثار نظر نہ آئیں چاہے عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو جائے کیونکہ بیوقوفی کی وجہ سے حجر کیا ہے اور وہ ابھی بھی موجود ہے اس لئے حجر جوں کا توں رہے گا نیز آیت قرآنی: فَاِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ پھر اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کو ان کا مال دیدو۔

مطلب یہ ہے کہ بیوقوفوں میں عقلمندی کا احساس ہو تو ان کو مال حوالے کر دو۔ اور اگر عقل مندی کے آثار ظاہر نہ ہوں چاہے پوری عمر گذر جائے پھر بھی ان کو مال حوالے مت کرو، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

(۲۰/۱۰۶۳) وَتُخْرَجُ الزَّكٰوةُ مِنْ مَالِ السَّفِيْهِ.

ترجمہ: اور زکوۃ نکالی جائے گی بے وقوف کے مال سے۔

تشریح: بیوقوف بالغ ہے، آزاد ہے اور تھوڑی بہت عقل بھی ہے اس لئے اگر وہ صاحب نصاب ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہے۔ چونکہ وہ مجنون کے درجے میں ہے اس لئے اس کے مال سے زکوۃ نکال کر ادا کی جائے گی لیکن زکوۃ کی ادائیگی کے لئے نیت ضروری ہے اس لئے زکوۃ کی مقدار مال نکال کر بے وقوف ہی کو دیا جائے گا تا کہ وہ خود مصرف میں خرچ کرے اور اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ غیر مصرف میں خرچ کر دے گا تو اس کے ساتھ ایک امین بھیج دے۔

(۲۱/۱۰۶۴) وَيُنْفَقُ عَلٰى اَوْلَادِهٖ زَوْجَتِهٖ وَمَنْ يَجِبُ نَفَقَتُهٗ عَلَيْهِ مِنْ ذَوِى الْاَرْحَامِ.

ترجمہ: اورخرچ کیا جائے گا اس کی اولاد، اس کی بیوی اور ان لوگوں پر جن کا نفقہ اس پر واجب ہے رشتہ داروں میں سے۔

تشریح: بے وقوف کی حاجت اصلیہ میں مال خرچ کیا جائے گا اور ان لوگوں پر خرچ کرنا حاجت اصلیہ میں داخل ہے اس لئے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ایک امین مقرر کردیا جائے جو ان لوگوں پر خرچ کرے تاکہ بیوقوف فضول خرچی نہ کرے۔

(۲۲/۱۰۶۵) فَاِنْ اَرَادَ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ لَمْ يُمْنَعْ مِنْهَا وَلَايُسَلِّمُ الْقَاضِىْ النَّفَقَةَ اِلَيْهِ وَلٰكِنْ يُسَلِّمُهَا اِلٰى ثِقَةٍ مِّنَ الْحَاجِّ يُنْفِقُهَا عَلَيْهِ فِىْ طَرِيْقِ الْحَجِّ.

ترجمہ: اگر وہ حج کرنا چاہے تو اس سے روکا نہیں جائے گا اور حوالہ نہ کرے قاضی سفر خرچ اس کے، بلکہ سپرد کردے حاجیوں میں سے کسی قابل اعتماد حاجی کو جو اس پر خرچ کرتا ہے، حج کے راستے میں۔

تشریح: بے وقوف حج فرض کرنا چاہے تو قاضی اس کو منع نہیں کرے گا، کیونکہ حج اللہ کے واجب کرنے کی وجہ سے واجب ہے البتہ حج میں جانے والے کسی قابل اعتماد آدمی کو حج کا خرچ دے گا، تاکہ وہ بے وقوف پر راستہ میں خرچ کرتا ہے اور بے وقوف کو سفر خرچ نہ دے کہ کہیں وہ فضول خرچی نہ کرے۔

(۲۳/۱۰۶۶) فَاِنْ مَرِضَ فَاَوْصٰى بِوَصَايَا فِى الْقُرَبِ وَاَبْوَابِ الْخَيْرِ جَازَ ذٰلِكَ مِنْ ثُلُثِ مَالِهٖ.

حل لغات: وصایا وصیت کی جمع ہے، سفر کو جاتے وقت یا زندگی کے آخری لمحوں میں ہدایت کرنا کہ میرے بعد ایسا کرنا، القرب (قاف کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ) قربۃ کی جمع ہے، نیک افعال جن سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہو۔

ترجمہ: پھر اگر وہ بیمار ہو جائے اور کچھ وصیتیں کرے نیک افعال اور اچھے موقعوں میں خرچ کرنے کی تو یہ جائز ہیں اس کے تہائی مال سے۔

تشریح: بے وقوف کے انتقال کا وقت قریب ہے اور خیر کے کاموں کے لئے کچھ مالوں کی وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کی وصیت کرنا جائز ہے لیکن وہ وصیتیں اس کے تہائی مال سے پوری کی جائیں گی اور باقی دو تہائی مال ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

نوٹ: ابواب الخیر کا عطف القرب پر ہے اور یہ عطف العام علی الخاص کی قبیل سے ہے کیونکہ ابواب الخیر عام ہے قرب سے۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ قربت، بالواسطہ عبادت ہوتی ہے جیسے مساجد، پل اور مسافر خانوں کی تعمیر اور ابواب خیر قربت اور غیر قربت سب کو شامل ہے۔

(۲۴/۱۰۶۷) وَبُلُوْغُ الْغُلَامِ بِالْاِحْتِلَامِ وَالْاِنْزَالِ وَالْاِحْبَالِ اِذَا وَطِئَ فَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ ذٰلِكَ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهٗ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

حل لغات: بلوغ باب (ن) پہنچنا، اصطلاحی اعتبار سے بچپن کی حد کا ختم ہو جانا۔ الاحتلام سونے کی حالت میں صحبت کرنا اور منی کا نکلنا، خواب میں ناپاک ہونا۔ الانزال منی کا نکلنا۔ الاحبال حاملہ کرنا۔

ترجمہ: اور لڑکے کا بالغ ہونا احتلام، انزال اور حاملہ کر دینے سے ہے جب وہ وطی کرے اگر ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو جب اٹھارہ سال کا ہو جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔

مدتِ بلوغ کا بیان

تشریح: لڑکے کے بالغ ہونے کی تین علامتیں ہیں (۱) احتلام (۲) انزال منی کا ہونا (۳) وطی کے نتیجہ میں عورت کو حاملہ بنا دینا۔ ان تینوں میں اصل انزال ہے کیونکہ احتلام بلا انزال معتبر نہیں ہے، نیز عورت بلا انزال حاملہ نہیں ہوتی، تو انزال اصل اور احبال و احتلام اس کی علامات ہیں اگر ان تین علامتوں میں سے کوئی بھی علامت نہ پائی جائے تو جب لڑکا اٹھارہ سال کا ہو جائے اس کو بالغ سمجھا جائے گا کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے لڑکے سے یہاں تک کہ احتلام ہو جائے پھر اگر احتلام نہ ہو تو یہاں تک کہ اٹھارہ سال کا ہو جائے۔ (سنن بیہقی ۶/۹۴ باب البلوغ بالسن)

(۲۵/۱۰۶۸) وَبُلُوْغُ الْجَارِيَةِ بِالْحَيْضِ وَالْاِحْتِلَامِ وَالْحَبْلِ فَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهَا سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً.

ترجمہ: اور لڑکی کا بالغ ہونا حیض کی وجہ سے اور احتلام کی وجہ سے اور حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو جب سترہ برس کی ہو جائے۔

تشریح: حیض آنے سے لڑکی بالغ ہو جاتی ہے اور جس کو حیض آئے گا وہی حاملہ ہوگی اس لئے حاملہ ہونا حیض کی علامت ہے ایسے ہی احتلام کی وجہ سے لڑکی بالغ سمجھی جائے گی اور یہ علامتیں نہ ہوں تو سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے گی اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت جلدی بالغ ہوتی ہے اس لئے جب مرد کے لئے اٹھارہ سال متعین کئے تو عورت کے لئے ایک سال کم کر دیا اس وجہ سے سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے گی

(۲۶/۱۰۶۹) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا تَمَّ لِلْغُلَامِ وَالْجَارِيَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَقَدْ بَلَغَا.

ترجمہ: اور صاحبینؒ نے فرمایا جب پورے ہو جائیں لڑکے کیلئے اور لڑکی کیلئے پندرہ سال تو وہ بالغ ہو گئے۔

تشریح: صاحبین کے نزدیک لڑکی اور لڑکے کے پندرہ سال کے ہو جانے پر بالغ ہو جانے کا حکم لگا دیا جائیگا یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ اکثر اتنی مدت میں بلوغ کی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں۔

(۱۰۷۰/ ۲۷) وَاِذَا رَاهَقَ الْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ فَاَشْكَلَ اَمْرُهُمَا فِي الْبُلُوْغِ فَقَالَا قَدْ بَلَغْنَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُمَا وَاَحْكَامُهُمَا اَحْكَامُ الْبَالِغِيْنَ.

حل لغت: راهق، مراهقة جوانی کے قریب پہنچنا۔

ترجمہ: اور اگر لڑکا اور لڑکی قریب البلوغ ہو جائیں اور بالغ ہونے کے بارے میں ان دونوں کا معاملہ دشوار ہو اور وہ دونوں کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے تو دونوں کا قول معتبر ہوگا اور دونوں کے احکام بالغین کے احکام ہونگے۔

تشریح: اس مقام پر صاحب اللباب نے ۲/۱۹ پر ابوالفضل موصلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لڑکے کے حق میں کم سے کم مدت جس میں وہ بالغ ہوسکتا ہے بارہ سال ہے اور لڑکی کے حق میں نو سال، اب لڑکا یا لڑکی قریب البلوغ ہوں اور یہ معلوم نہ ہوتا ہو کہ بالغ ہو چکے ہیں یا نابالغ ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم بالغ ہو چکے ہیں تو ان کی باتوں کا اعتبار کر کے بالغ سمجھا جائے گا اور ان پر بالغ کے احکام جاری ہونگے۔

(۱۰۷۱/ ۲۸) وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا اَحْجُرُ فِي الدَّيْنِ عَلَى الْمُفْلِسِ.

حل لغات: المفلس: غریب، کنگال، فی الدین: کلمہ فی سببیہ ہے۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں حجر نہ کروں گا دین کے سبب غریب پر۔

مفلس مقروض کے لئے حجر کے احکام

تشریح: یہ عبارت مختصر ہے اگلی عبارت میں اس کی تفصیل ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی پر کافی قرض ہو اور قرض دینے والے اس پر حجر کا مطالبہ کریں تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں اس پر حجر نہیں کروں گا۔

(۱۰۷۲/۲۹) وَاِذَا وَجَبَتِ الدُّيُوْنُ عَلٰى رَجُلٍ مُفْلِسٍ وَطَلَبَ غُرَمَاؤُهُ حَبْسَهُ وَالْحَجْرَ عَلَيْهِ لَمْ اَحْجُرْ عَلَيْهِ.

حل لغات: الديون دین کی جمع ہے قرض۔ غرماء یہ غریم کی جمع ہے، قرض خواہ

ترجمہ: اور جب بہت سا قرض ہو جائے مفلس آدمی پر اور مطالبہ کریں اس کے قرض خواہ اس کو قید کرنے کا

اوراس پر حجر کرنے کا تو اس پر حجر نہیں کروں گا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی پر کافی قرض ہو چکے ہوں اور قرض دینے والے مطالبہ کرتے ہوں کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر حجر کیا جائے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں اس پر حجر نہیں کروں گا کیونکہ حجر کرنے کی وجہ سے وہ خرید وفروخت نہیں کر سکے گا اور عقل ہوتے ہوئے اس طرح کی پابندی لگانا اس پر ظلم ہوگا اور انسانی اہلیت ختم کرنے کے مرادف ہوگا اس لئے اس پر حجر نہیں کروں گا۔

(۳۰/۱۰۷۳) وَاِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ لَمْ يَتَصَرَّفْ فِيهِ الْحَاكِمُ وَلٰكِنْ يَحْبِسُهُ اَبَداً حَتّٰى يَبِيْعَهُ فِيْ دَيْنِهِ.

حل لغات: ابداً لمبا عرصہ، طویل، مدت، ابداً ظرف کی بناء پر منصوب ہے۔

ترجمہ: اور اگر ہو اس کے پاس کچھ مال تو تصرف نہ کرے اس میں حاکم لیکن اس کو قید رکھے ہمیشہ یہاں تک کہ وہ اس کو بیچ دے دین کی ادائیگی میں۔

تشریح: مفلس کے پاس مال ہو تو حاکم اس کو نہیں بیچے گا بلکہ خود مفلس اس کو بیچے گا کیونکہ بیع ہوتی ہے بائع اور مشتری کی رضامندی سے جب حاکم بیچے گا تو مفلس کی رضامندی نہیں ہوگی حالانکہ مفلس کا مال ہے حاکم کا مال نہیں ہے اس لئے حاکم نہیں بیچے گا لیکن قرض دینے والے کا قرض بھی ادا ہو جائے اس لئے مفلس کو قید میں رکھا جائے گا تاکہ وہ مجبور ہو کر مال بیچے اور قرض ادا کرے کیونکہ مقروض پر قرض کی ادائیگی واجب ہے اور ٹال مٹول ظلم ہے تو ظلم ختم کرنے کے لئے قاضی اس کو قید کر سکتا ہے۔

(۳۱/۱۰۷۴) وَاِنْ كَانَ لَهُ دَرَاهِمُ وَدَيْنُهُ دَرَاهِمُ قَضَاهُ الْقَاضِيْ بِغَيْرِ اَمْرِهِ.

ترجمہ: اور اگر اس کے پاس دراہم ہوں اور اس کا دین بھی دراہم ہوں۔ تو ادا کر دے اس کو قاضی بغیر اس کی اجازت کے۔

تشریح: مفلس پر کسی کا قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس بھی دراہم ہوں تو قاضی مفلس سے اجازت لئے بغیر قرض والے کا قرض ادا کر دے گا۔ کیونکہ قرض خواہ کا جو حق ہے وہی مفلس کے پاس موجود ہے۔ اس لئے قرض خواہ مفلس کی رضامندی کے بغیر بھی لے سکتا ہے۔

(۳۲/۱۰۷۵) وَاِنْ كَانَ دَيْنُهُ دَرَاهِمَ وَلَهُ دَنَانِيْرُ اَوْ عَلٰى ضِدِّ ذٰلِكَ بَاعَهَا الْقَاضِيْ فِيْ دَيْنِهِ.

ترجمہ: اور اگر اس کا قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس دنانیر ہوں یا اس کے برعکس تو بیچ دے اس کو قاضی اس کے دین میں۔

تشریح: مفلس کے پاس دنانیر ہیں اور اس کے اوپر دین دراہم ہیں یا اس کا الٹا ہے یعنی مفلس کے پاس دراہم ہیں اور اس کے اوپر دین دنانیر ہیں تو قاضی ان کو فروخت کر کے قرض ادا کرے۔

دلیل: دنانیر اور دراہم دونوں ثمن ہیں تو گویا ایک ہی جنس ہیں اس لئے قرض خواہ کا جس جنس میں حق ہے گویا وہی جنس مقروض کے پاس ہے اور قاضی کو اختیار زیادہ ہوتا ہے اس لئے دینار کو درہم کے قرض میں یا درہم کو دینار کے قرض میں بیچ سکتا ہے۔

(۳۳/۱۰۷۶) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا طَلَبَ غُرَمَاءُ الْمُفْلِسِ الْحَجْرَ عَلَيْهِ حَجَرَ الْقَاضِيْ عَلَيْهِ وَمَنَعَهُ مِنَ الْبَيْعِ وَالتَّصَرُّفِ وَالْاِقْرَارِ حَتّٰى لَا يَضُرَّ بِالْغُرَمَاءِ.

ترجمہ: اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب مطالبہ کریں مفلس کے قرضخواہ اس پر حجر کرنے کا تو قاضی اس پر حجر کر دے اور روک دے اس کو بیع کرنے، تصرف کرنے اور اقرار کرنے سے تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔

تشریح: مفلس پر قرض ہو اور قرض دینے والے قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس پر حجر کر دیں تو قاضی اس پر حجر کر دے گا اور بیع، تصرف اور کسی غیر کے لئے مال کا اقرار کرنے پر پابندی عائد کر دے تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں کے مطالبہ پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر پابندی عائد کر دی تھی۔ (دار قطنی ۴/ ۱۴۸) فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

(۳۴/۱۰۷۷) وَبَاعَ مَالَهُ اِنِ امْتَنَعَ الْمُفْلِسُ مِنْ بَيْعِهِ وَقَسَمَهُ بَيْنَ غُرَمَائِهِ بِالْحِصَصِ..

حل لغت: الحصص، حصة کی جمع ہے حصہ۔

ترجمہ: اور بیچ دے اس کا مال اگر رک جائے مفلس اس کے بیچنے سے اور تقسیم کر دے اس کو قرض خواہوں کے درمیان حصوں کے مطابق۔

تشریح: اگر مفلس اپنے مال کو فروخت کر کے قرض خواہوں کا قرض ادا نہ کرے تو قاضی اس کے مال کو بیچ کر قرض خواہوں کے قرضوں کو ادا کر دے گا۔ اور ہر ایک کو اس کے حصہ کے مطابق دے گا مثلاً کل قرض پانچ ہزار تھا زید کا تین ہزار عمر کا ایک ہزار بکر کا پانچ سو اور خالد کا پانچ سو اور مفلس کے پاس پچیس سو روپے کا مال نکلا تو اس کو فروخت کر کے ہر ایک کو اس کے قرض کا آدھے ملیں گے زید کو پندرہ سو عمر کو پانچ سو بکر کو ڈھائی سو اور خالد کو ڈھائی سو، تاکہ ہر ایک کو مناسب حق مل جائے اور کسی کو شکوہ وشکایت نہ رہے۔

(۳۵/۱۰۷۸) فَاِنْ اَقَرَّ فِيْ حَالِ الْحَجْرِ بِاِقْرَارِ مَالٍ لَزِمَهُ ذٰلِكَ بَعْدَ قَضَاءِ الدُّيُوْنِ.

ترجمہ: اگر وہ اقرار کرے بحالت حجر کسی مال کا تو یہ لازم ہوگا اس کو قرضوں کی ادائیگی کے بعد۔

تشریح: مفلس پر قاضی نے حجر کر دیا تھا اسی دوران کسی کے لئے اپنے اوپر قرض کا اقرار کیا تو یہ اقرار کرنا درست ہے لیکن اس کی ادائیگی پہلے تمام قرضوں کی ادائیگی کے بعد کی جائے گی کیونکہ پہلے والوں کا حق مقدم ہے اس لئے پہلے والوں کو پہلے ہی دیا جائے گا۔

(۱۰۷۹/۳۶) وَيُنْفَقُ عَلَى الْمُفْلِسِ مِنْ مَالِهِ وَعَلَى زَوْجَتِهِ وَ اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَذَوِي الْاَرْحَامِ.

ترجمہ: اور خرچ کیا جائے گا مفلس پر اس کے مال سے اور اس کی بیوی چھوٹے بچوں اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ داروں پر۔

مفلس مقروض کے باقی احکام

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ مفلس کی حاجت اصلیہ مقدم رکھی جائے گی اور مفلس کی ذات پر خرچ کرنا حاجت اصلیہ ہے ایسے ہی اس کی بیوی، چھوٹی اولاد اور وہ ذی رحم محرم رشتہ دار جن کا نفقہ مفلس پر واجب ہے۔ ان تمام پر مفلس کے مال سے خرچ کیا جائے گا پھر جو بچے گا اس مفلس کا قرض ادا کیا جائے گا۔

(۱۰۸۰/۳۷) وَاِنْ لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُفْلِسِ مَالٌ وَطَلَبَ غُرَمَاؤُهُ حَبْسَهُ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا مَالَ لِيْ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ فِيْ كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَهُ بَدَلاً عَنْ مَالٍ حَصَلَ فِيْ يَدِهٖ كَثَمَنِ الْمَبِيْعِ وَبَدَلِ الْقَرْضِ وَفِيْ كُلِّ دَيْنٍ اِلْتَزَمَهُ بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ.

حل لغات: بدل القرض دراہم وغیرہ نقد جو قرض کے طور پر لیا گیا ہو اب اس کی ادائیگی بصورت بدل لازم ہوگی المهر اس جگہ مہر معجل مراد ہے کفالة دوسرے کے قرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لینا۔

ترجمہ: اور اگر نہ پتہ چلتا ہو کہ مفلس کے پاس مال ہے اور مطالبہ کریں اس کے قرض خواہ اس کو قید کرنے کا اور وہ کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے تو قید کرے حاکم اس کو ہر ایسے دین میں جو لازم ہوا ہو اس کو ایسے مال کے بدلے میں جو حاصل ہوا ہو اس کے ہاتھ میں جیسے مبیع کا ثمن اور قرض کا بدلہ اور ہر ایسے دین میں جو لازم کیا ہو اس نے کسی عقد کے ذریعہ جیسے مہر اور کفالہ۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوری یہ بتلا رہے ہیں کہ مفلس مدیون جس پر پابندی عائد کی گئی ہے اگر اس سے قرض کی وصولیابی مشکل ہو اور یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ اس کے پاس مال ہے یا نہیں اور قرض خواہوں کا تقاضہ ہے کہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے اور مفلس یہ بیان دے کہ میرے پاس مال نہیں ہے کہ قرض ادا کرسکوں تو قاضی

اس کو دو طرح کے قرضوں میں قید کر سکتا ہے۔

(۱) ایسا قرض جو کسی کے مال پر قبضہ کرنے کی وجہ سے لازم ہوا ہو جیسے کسی سے کوئی چیز خریدی اور اس کی قیمت ادا نہیں کی یا کسی سے قرض لیا اور اس کو خرچ کر دیا تو اس کا بدل یعنی بدل قرض اگر قرض خواہ اس کو قید کروانا چاہتا ہے تو حاکم قید کرے گا کیونکہ مفلس کے ہاتھ میں مبیع آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے کوئی اور مال نہ صحیح کم از کم مبیع تو ہے اسی کو بیچ کر دین ادا کرے یا قید میں جائے۔

(۲) ایسا قرض جو کسی عقد کی وجہ سے لازم ہوا ہو جیسے مہر کا قرض سر پر آیا ہو تو اس کے بدلے میں بضع ہاتھ میں آتا ہے جو من وجہ مال شمار کیا جاتا ہے شادی پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے ورنہ مہر کا اقرار کیسے کیا اس لئے قید کیا جائے گا اسی طرح کسی آدمی کا کفیل بنا کہ وہ رقم ادا نہیں کرے گا تو میں ادا کروں گا تو اس عقد کفالہ کی وجہ سے سر پر قرض آیا اور مفلس کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے پھر بھی حاکم اس کو قید کرے گا کیونکہ ایسے عقد پر اقدام کرنا کہ جس کی وجہ سے سر پر قرض آتا ہو اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔

(۱۰۸۱/۳۸) وَلَمْ يَحْبِسْهُ فِيْمَا سِوىٰ ذٰلِكَ كَعِوَضِ الْمَغْصُوْبِ وَاَرْشِ الْجِنَايَاتِ اِلَّا اَنْ تَقُوْمَ الْبَيِّنَةُ بِاَنَّ لَهٗ مَالاً.

حل لغات: ارش تاوان البینۃ گواہی۔

ترجمہ: اور اس کے علاوہ میں قید نہ کرے جیسے غصب کا بدلہ اور جنایت کا تاوان مگر یہ کہ گواہ قائم کرے اس بات پر کہ اس کے پاس مال ہے۔

تشریح: جن قرضوں کے بدلے ہاتھ میں مال نہ آتا ہو جیسے غصب کی ہوئی چیز خرچ کر دی تو اس کا عوض یا جیسے جنایت کا بدلہ کہ کسی کا نقصان کر دیا اور اس کے بدلہ میں مال دینا پڑا اور قرض سر پر آیا تو اس قرض کے بدلے میں ہاتھ میں کوئی مال نہیں آتا ہے نقصان کرنے کی وجہ سے قرض لازم ہوتا ہے اس لئے اس کے ہاتھ میں مال ہونے کی کوئی ظاہری دلیل نہیں ہے اس لئے حاکم اس کو قید نہیں کرے گا۔ ہاں قرض خواہ شہادت پیش کر دے کہ اس کے پاس مال ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا۔

(۱۰۸۲/۳۹) وَيَحْبِسُهُ الْحَاكِمُ شَهْرَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةَ اَشْهُرٍ سَأَلَ عَنْ حَالِهٖ فَاِنْ لَمْ يَنْكَشِفْ لَهٗ مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَهٗ.

ترجمہ: اور قید رکھے اس کو حاکم دو مہینے یا تین مہینے تک اور تحقیق کرتا رہے اس کے حالات کے بارے میں

چنانچہ اگر مال ظاہر نہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے (رہا کر دے)۔

تشریح: مفلس مذکور کو حاکم دو ماہ یا تین ماہ تک قید کرے گا اور اس کی حالت کے متعلق تحقیق کرتا ہے اگر اس مدت کے درمیان اس کے پاس مال کا سراغ نہ لگے تو حاکم اس کو رہا کر دے قید کرنا مال کی تحقیق کے لئے تھا سزا دینے کے لئے نہیں تھا اب تحقیق ہو گئی کہ مال نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دے۔

نوٹ: مفلس مذکور کو کتنی مدت قید میں رکھا جائے اس میں مختلف اقوال ہیں صحیح یہ ہے کہ اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے بلکہ قیدی کی حالت پر مبنی ہے کیونکہ بعض مجرم تھوڑی سی تنبیہ سے گھبرا جاتے ہیں اور بعض ایسے بے خوف ہوتے ہیں کہ عرصہ دراز بھی جیل میں رہنے کے بعد صحیح بات نہیں بتاتے اس لئے یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے وہ جتنی مدت تک مناسب سمجھے قید میں رکھے۔

(۴۰/۱۰۸۳) وَكَذٰلِكَ اِذَا قَامَ الْبَيِّنَةُ عَلٰى اَنَّهُ لَامَالَ لَهُ.

ترجمہ: اور ایسے ہی جب قائم کر دیا بینہ اس بات پر کہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔

تشریح: دو ماہ سے پہلے ہی مفلس نے شہادت پیش کر دی کہ اس کے پاس مال نہیں چونکہ قید کرنے کا مقصد مال کی تحقیق تھی اور وہ تحقیق ہو چکی اس لئے اس کو دو ماہ سے پہلے بھی رہا کر دیا جائے گا۔

(۴۱/۱۰۸۴) وَلَا يَحُوْلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غُرَمَائِهِ بَعْدَ خُرُوْجِهِ مِنَ الْحَبْسِ وَيُلَازِمُوْنَهُ.

حل لغت: یلازمون مصدر ملازمۃ پیچھا کرنا، بعض نسخوں میں "لایلازمون" ہے جو درست نہیں ہے۔

ترجمہ: اور نہ حائل ہو اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان اس کے قید سے نکلنے کے بعد اور وہ اس کے پیچھے لگے رہیں گے۔

تشریح: مفلس کے پاس مال کا پتہ نہیں لگا اس وجہ سے قاضی نے اس کو قید سے رہا کر دیا تو اب قاضی مقروض اور قرض خواہوں کے معاملہ میں نہ پڑے بلکہ ان کو چھوڑ دے کہ وہ مفلس کے پیچھے لگے رہیں اور جب اس کے ہاتھ میں کہیں سے رقم آ جائے تو اس سے اپنا قرض وصول کر لے۔

(۴۲/۱۰۸۵) وَلَا يَمْنَعُوْنَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ وَالسَّفَرِ.

ترجمہ: اور نہ روکیں اس کو تصرف کرنے اور سفر کرنے سے۔

تشریح: اگر مقروض خرید و فروخت نہیں کرے گا اور سفر نہیں کرے گا تو قرضخواہوں کا دین کیسے ادا کرے گا اس

لئے خرید وفروخت اور سفر سے نہیں روکیں گے۔

(۱۰۸۶/۴۳) وَيَاْخُذُوْنَ فَضْلَ كَسْبِهٖ فَيَقْسِمُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ.

حل لغت: فضل کسبہ اس سے مراد یہ ہے کہ آمدنی میں سے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے۔

ترجمہ: اور لیتے رہیں اس کی کمائی کی بچت اور تقسیم کرتے رہیں آپس میں حصہ کے مطابق۔

تشریح: مفلس کی آمدنی میں سے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے بعد جو بچے گا اس کو قرض خواہ آپس میں اپنے حصے کے مطابق تقسیم کریں گے تقسیم کرنے کا طریقہ مسئلہ ۳۴ میں گزر چکا ہے۔

(۱۰۸۷/۴۴) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِذَا فَلَّسَهُ الْحَاكِمُ حَالَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ غُرَمَائِهٖ اِلَّا اَنْ يُقِيْمُوْا الْبَيِّنَةَ اَنَّهٗ قَدْ حَصَلَ لَهٗ مَالٌ.

حل لغات: فلس لام کی تشدید کے ساتھ، فلس القاضی فلاناً قاضی کا کسی کو مفلس یعنی دیوالیہ قرار دینا، کسی کے غریب ہونے کا حکم لگانا۔

ترجمہ: اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جب حاکم اس کی غربت کا فیصلہ کردے تو حائل ہو جائے اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان مگر یہ کہ قرض خواہ اس بات پر شہادت قائم کردیں کہ اس کو مال حاصل ہو گیا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر قاضی کسی پر غریب ہونے کا حکم لگا دے، تو وہ ہمیشہ مفلس باقی نہیں رہتا اس لئے قرض خواہوں کو اس کے پیچھے لگنے کی اجازت ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک اگر حاکم نے کسی کو مفلس قرار دیا تو وہ ہمیشہ مفلس ہی سمجھا جائے گا۔ اس لئے حاکم مفلس اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہوگا اور ہمہ وقت تقاضہ نہیں کرنے دے گا۔ کیونکہ قاضی کا کسی کے حق میں افلاس کا فیصلہ کرنا صاحبین کے نزدیک درست ہے۔ چنانچہ وہ مالداری تک مہلت دیئے جانے کا مستحق ہو گیا امام صاحب کے نزدیک افلاس کا فیصلہ درست نہیں ہے کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے۔ آج ہے کل نہیں۔

(۱۰۸۸/۴۵) وَلَا يُحْجَرُ عَلَى الْفَاسِقِ اِذَا كَانَ مُصْلِحاً لِمَالِهٖ وَالْفِسْقُ الْاَصْلِيُّ وَالطَّارِئُ سَوَاءٌ.

حل لغات: الطاری عارضی، الفسق الطاری وہ فسق جو بلوغیت کے بعد عارض ہوا ہو۔

ترجمہ: اور حجر نہیں کیا جائے گا فاسق پر جب کہ وہ اپنے مال کا خیال کرنے والا ہو اور فسق اصلی وفسق طاری برابر ہیں۔

تشریح: فاسق دینی کاموں میں فسق کرتا ہے لیکن مال کو صحیح طریقہ سے کماتا ہے اور خرچ کرتا ہے تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا کیونکہ حجاج بن یوسف فاسق تھا لیکن فسق کی وجہ سے اس پر حجر نہیں کیا گیا۔

(۱۰۸۹/۴۶) وَمَنْ أُفْلِسَ وَعِنْدَهٗ مَتَاعٌ لِرَجُلٍ بِعَيْنِهٖ ابْتَاعَهٗ مِنْهُ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ فِيْهِ.

حل لغات: متاع سامان اسوة برابر کا حصہ دار الغرماء، غریم کی جمع ہے قرض دینے والے، قرض خواہ

ترجمہ: کسی کو مفلس قرار دے دیا گیا اور اس کے پاس کسی کا کوئی سامان بعینہٖ موجود ہو جس کو اس نے خریدا تھا تو سامان والا اس میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے۔

تشریح: ایک شخص پر مفلس کا حکم لگا دیا گیا اس نے اس سے پہلے کسی آدمی سے مثلاً ایک بھینس خریدی تھی اور بھینس والے کو قیمت نہیں دی تھی۔ اور وہ بھینس بعینہ مفلس کے پاس موجود ہے تو جس طریقے سے اور قرض خواہوں کو ان کے حصے کے مطابق مال ہونے پر قرض دیا جائے گا اسی طرح بھینس والے کو حصے کے مطابق بھینس کی قیمت ملے گی بھینس والا اپنی پوری بھینس نہیں لے جا سکتا بلکہ بھینس بیچ کر سب کا قرض ادا کیا جائے گا تقسیم کا طریقہ مسئلہ ۳۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ مذکورہ مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ بھینس کی بیع ہونے کے بعد یہ بھینس مفلس کی ہوگئی اب مفلس پر اس کی قیمت واجب ہے جو اس پر قرض ہوگی تو جیسے دیگر قرضخواہ مال آنے پر اپنے اپنے حصے کے مطابق لیں گے اس طرح یہ بھینس والا بھی اپنا حصہ لے گا۔ (مزید تحقیق درس ترمذی ۴/۱۹۳)

كِتَابُ الْاِقْرَارِ

(یہ کتاب اقرار کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت

کتاب الاقرار کو کتاب الحجر کے بعد اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ حجر کے بعض مسائل کا تعلق اقرار سے ہے۔

اقرار کی لغوی تعریف: اقرار باب افعال کا مصدر ہے ثابت کرنا۔

اصطلاحی تعریف: اخبار عن ثبوت الحق للغير على نفسه (عینی ۳/۴۷۷) یعنی اپنی ذات پر کسی دوسرے شخص کے حق واجب کی اطلاع دینے کو اقرار کہتے ہیں۔

اقرار کا ثبوت قرآن سے: قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا. (آیت ۸۱ سورۃ آل عمران)

یعنی فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟ وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔

اقرار کا ثبوت حدیث سے: حضرت ماعزؓ نے اپنے اوپر زنا کا اقرار کیا پھران پر حد رنا جاری کی گئی اس سے اقرار کا ثبوت ہوا۔ والتفصیل فی البخاری ۲/۱۰۰۶)

اقرار کرنیوالے کو مُقِرْ اور جس کیلئے اقرار کیا گیااس کو مُقَرلَہٗ اور جس چیز کا اقرار کیا گیااس کو مُقَربہ کہتے ہیں۔

(۱/۱۰۹۰) اِذَا اَقَرَّ الْحُرُّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ بِحَقٍّ لَزِمَهٗ! اِقْرَارُهٗ مَجْهُوْلاً كَانَ مَا اَقَرَّ بِهٖ اَوْ مَعْلُوْماً.

ترجمه: اگر اقرار کرے آزاد، بالغ، عاقل، کسی حق کا تو وہ اقرار اس پر لازم ہو جائے گا خواہ مجہول ہو وہ چیز جس کا اقرار کیا ہے یا معلوم۔

تشریح: کوئی عاقل بالغ آزاد شخص بیداری میں اپنی خوشی سے اپنے اوپر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے تو وہ حق لازم ہو جائے گا اقرار معلوم ہو جیسے یوں کہے کہ فلاں کے مجھ پر سو روپئے ہیں یا اقرار مجہول ہو جیسے یوں کہے کہ فلاں کے مجھ پر کچھ روپئے ہیں دونوں صورتوں میں اقرار درست ہے۔

آزاد کی قید اس وجہ سے لگائی کہ اگر غلام مال کا اقرار کرے تو وہ مال آقا پر لازم ہوگا اور آقا کا نقصان ہوگا اس لئے اگر تجارت کی اجاز ت نہ دی ہو تو غلام اپنے اوپر مال کا اقرار نہیں کر سکتا۔

بالغ اور عاقل کی قید اس وجہ سے لگائی کہ بچے اور مجنوں کی باتوں اور ان کے اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔ مجہول اقرار کا اعتبار اس لئے ہے کہ کبھی دوسرے کا نقصان کر دیتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کتنا نقصان ہوا لیکن اقرار کرتا ہے کہ جو نقصان ہوا میں ادا کروں گا اس لئے مجہول نقصان کا اقرار کرنا جائز ہے۔

(۲/۱۰۹۱) وَيُقَالُ لَهٗ بَيِّنِ الْمَجْهُوْلَ فَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى الْبَيَانِ.

ترجمه: اور اس سے کہا جائے گا کہ مجہول کو بیان کر اگر بیان نہ کرے تو مجبور کرے اس کو حاکم بیان کرنے پر۔

تشریح: مُقِرّ نے جب اقرار کیا تو دوسرے کا حق اس پر لازم ہو گیا اس لئے حاکم اس کو مجبور کر کے بیان کروائے گا اور حق والے کا حق دلوائے گا۔

(۳/۱۰۹۲) فَاِنْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ شَيْءٌ لَزِمَهٗ اَنْ يُّبَيِّنَ مَالَهٗ قِيْمَةٌ.

ترجمه: اگر کہے فلاں کی مجھ پر ایک چیز ہے تو ضروری ہوگا ایسی چیز کا بیان کرنا جس کی کوئی قیمت ہو۔

تشریح: کسی نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر کچھ ہے تو لفظ کچھ مجہول ہے اس لئے ایسی چیز کا اقرار کرنا ہوگا جس کی کچھ قیمت ہو اور اگر ایسی چیز بیان کی جس کی کوئی قیمت نہیں تو یہ اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے اور اقرار کے بعد رجوع کرنا چاہے تو رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا۔

(۴/۱۰۹۳) وَالْقَوْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ مَعَ يَمِيْنِهٖ اِنِ ادَّعَى الْمُقَرُّ لَهٗ اَكْثَرَ مِنْهُ.

ترجمہ: اور قول اس میں (جو اس نے وضاحت کی ہے) اقرار کرنے والے کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اگر مقر لہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے۔

تشریح: مقر پچاس روپے کا اقرار کرتا ہے اور مقر لہ ستر روپے کا تو مقر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی قاعدہ یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعیٰ علیہ اور منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے اور مقر یہاں مدعیٰ علیہ ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

(۵/۱۰۹۴) وَاِذَا قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مَالٌ فَالْمَرْجِعُ فِيْ بَيَانِهٖ اِلَيْهِ وَيُقْبَلُ قَوْلُهٗ فِي الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ مال ہے تو رجوع کیا جائے گا اس کے بیان میں اس کی طرف اور قبول کیا جائے گا اس کا قول تھوڑے اور زیادہ میں۔

اقرار کے احکام بالتفصیل

تشریح: مال میں اجمال ہے اس لئے بیان کی ضرورت ہے اس بارے میں مقر سے ہی معلوم کیا جائے گا اور کم زیادہ جو بھی مقدار بیان کرے گا اسی کی بات مان لی جائے گی البتہ ایک درہم سے کم میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ ایک درہم سے کم کو عرف میں مال نہیں کہتے۔

(۶/۱۰۹۵) فَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مَالٌ عَظِيْمٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ.

حل لغت: مال عظیم مال موصوف، عظیم صفت، مقر نے عظیم کو مال کی صفت بنایا ہے۔

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کا مجھ پر مال عظیم ہے تو تصدیق نہیں کی جائے گی دو سو درہم سے کم میں۔

تشریح: اگر مقر نے کہا کہ مجھ پر فلاں کا مال عظیم ہے تو نصاب زکوٰۃ یعنی دو سو درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ شریعت میں دو سو درہم یا بیس دینار کو مال عظیم کہتے ہیں لہٰذا دو سو درہم سے کم میں اقرار قبول نہیں ہے اتنا یا اس سے زیادہ اقرار کرنا ہوگا۔

(۷/۱۰۹۶) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ دَرَاهِمُ كَثِيْرَةٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر بہت سے دراہم ہیں تو تصدیق نہیں کی جائے گی دس درہم سے کم میں۔

تشریح : اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر دراہم کثیرہ ہیں تو امام صاحب کے نزدیک دس درہم لازم ہوں گے۔

دلیل: دراہم جمع کا صیغہ ہے پھر دراہم کے ساتھ کثیرہ کی صفت ہے عربی گنتی میں جمع کا سیغہ دس تک بولا جاتا ہے یہ عدد جمع کثرت کا ادنی درجہ ہے اور جمع قلت کا منتہی ہے تو لفظ کے اعتبار سے یہی اکثر ٹھہرا۔

صاحبین کا مذہب: یہ ہے کہ دوسو درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ شریعت کی نگاہ میں مالدار وہی شخص کہلاتا ہے جو صاحب نصاب ہو اس لئے دوسو درہم کا اقرار ضروری ہے۔

(۱۰۹۷/۸)فَإنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ دَرَاهِمُ فَهِيَ ثَلٰثَةٌ اِلَّا اَنْ يُبَيِّنَ اَكْثَرَ مِنْهَا.

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر دراہم ہیں تو یہ تین ہوں گے مگر یہ کہ اس سے زیادہ بیان کردے۔

تشریح: اگر مقر کہتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں کے دراہم ہیں تو تین دراہم شمار ہوں گے کیونکہ دراہم جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے ہاں اگر اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو اس کی مرضی ہے جو بھی زائد ہوگا وہ لازم ہوگا کیونکہ جمع کا صیغہ زیادہ کو بھی شامل ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ۲/۲۰)

(۱۰۹۸/۹) وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ كَذَا كَذَا دِرْهَماً لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَماً.

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اتنے درہم ہیں تو نہیں تصدیق کی جائے گی گیارہ سے کم میں۔

تشریح: اتنے اتنے دومرتبہ بولا ہے تو عدد میں دومرتبہ کا عدد گیارہ میں آتا ہے اور درمیان میں حرف عطف واؤ بھی نہیں ہے تو یہ شکل گیارہ میں ہوتی ہے کہتے ہیں احد عشر درہما اس لئے گیارہ سے کم درہموں میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

(۱۰۹۹/۱۰) وَاِنْ قَالَ كَذَا وَكَذَا دِرْهَماً لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ اَحَدٍ وَّعِشْرِيْنَ دِرْهَماً.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اور اتنے درہم ہیں تو تصدیق نہیں کی جائے گی اکیس درہموں سے کم میں۔

تشریح: دو عدد مبہم کو حرف عطف کے ساتھ بیان کیا ہے اور دونوں کو ایک اسم بنادیا گیا اور اس کا کم سے کم مصداق اکیس درہم ہے۔

(۱۱۰۰/۱۱) وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ اَوْ قِبَلِيْ فَقَدْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر یا میری طرف ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

تشریح: اگر مقر کہتا ہے کہ فلاں کے میرے ذمہ یا میری طرف ہیں تو اس صورت کو دین اور قرض کا اقرار کہا جائے گا کیونکہ عربی میں "علی کا لفظ" اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور قبلی ضمان پر دلالت کرتا ہے۔ قبلی امانت کے طور پر مال رکھنے کے لئے بھی آتا ہے مگر وہ معنی دوسرے درجے میں ہے اس لئے پہلے معنی یعنی دین کا اقرار لیا جائے گا۔

(۱۲/۱۱۰۱) وَاِنْ قَالَ لَهُ عِنْدِيْ اَوْ مَعِيْ فَهُوَ اِقْرَارٌ بِاَمَانَةٍ فِيْ يَدِهٖ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو یہ اس کے ہاتھ میں امانت کا اقرار ہے۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مقر کہتا ہے کہ فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو امانت پر رکھنے کا اقرار ہوگا کیونکہ لفظ "عندی اور معی" الزام کے لئے نہیں ہیں بلکہ امانت ہونے کی خبر دیتے ہیں اب اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ چیز اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مقر پر اس کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

(۱۳/۱۱۰۲) وَاِنْ قَالَ لَهُ رَجُلٌ لِيْ عَلَيْكَ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ اِتَّزِنْهَا اَوِ انْتَقِدْهَا اَوْ اَجِّلْنِيْ بِهَا اَوْ قَدْ قَضَيْتُكَهَا فَهُوَ اِقْرَارٌ.

ترجمہ: اگر کوئی آدمی کسی سے کہے کہ میرے تجھ پر ہزار درہم ہیں اس نے کہا ان کو تول لے یا ان کو پرکھ لے یا مجھے ان کی مہلت دے یا میں نے ان کو ادا کر دیا ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

تشریح: ایک شخص نے زید سے کہا کہ میرے تجھ پر ایک ہزار درہم ہیں زید نے ان کا انکار نہیں کیا بلکہ جواب میں ایسے جملے استعمال کرتا ہے جن سے اشارہ ملتا ہے کہ آپ کا دین مجھ پر ہے مثلاً زید نے جواب میں کہا کہ ان کو وزن کرلو جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار دین ہیں اگر اقرار نہ کرنا ہوتا تو صراحتاً منع کر دیتا یا زید نے جواب میں یوں کہا کہ ان کو پرکھ لو کہ کھرے ہیں یا کھوٹے؟ اس لفظ سے بھی ہزار کے دین ہونے کا اقرار ہوا یا جواب میں یوں کہا کہ مجھ کو ان ہزار کے بارے میں مہلت دیدو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہزار تو ہیں لیکن ادائیگی کے لئے مہلت چاہئے یا یوں کہا کہ میں نے ہزار ادا کر دیئے ہیں اور ادائیگی پر کوئی گواہ نہیں ہے اس لئے ادا کرنا نہیں مانا جائیگا اور دین کا اقرار مانا جائے گا۔ ان چاروں جوابوں میں "ھا" کا استعمال کیا جس کا مرجع وہی ہزار ہے۔

(۱۴/۱۱۰۳) وَمَنْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ مُؤَجَّلٍ فَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ فِي الدَّيْنِ وَكَذَّبَهُ فِي التَّاجِيْلِ لَزِمَهُ الدَّيْنُ حَالاً وَيُسْتَحْلَفُ الْمُقَرُّ لَهُ فِي الْاَجَلِ.

حل لغت: التاجیل تاخیر کسی چیز کی مدت مقرر کرنا یا مہلت دینا یستحلف قسم لی جائے گی۔

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا دین موجل کا اور تصدیق کردی اس کی مقرلہ نے دین میں اور اس کی تکذیب کی تاخیر میں تو مقر کو دین فی الحال لازم ہوگا اور مقرلہ سے قسم لی جائے گی تاخیر کے متعلق۔

تشریح: خالد نے ساجد کے لئے اقرار کیا کہ مجھ پر آپ کے ایک ہزار درہم قرض ہیں ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ایک ماہ کی تاخیر کے ساتھ ہیں ساجد نے تصدیق کی کہ ایک ہزار درہم قرض ہیں لیکن کہا کہ وہ دین تو فوری ادا کرنے کی شرط کے ساتھ ہے تاخیر کے ساتھ نہیں ہے تو خالد پر فوری قرض ادا کرنا لازم ہوگا تاخیر قابل قبول نہ ہوگی البتہ ساجد مقرلہ تاخیر کا انکار کرتا ہے اس لئے اس پر انکار کے سلسلے میں قسم لازم ہوگی۔ کیونکہ ساجد تاخیر کا منکر ہے اور مدعی خالد کے پاس تاخیر کے ثبوت کے لئے گواہ نہیں ہیں اس لئے منکر ساجد پر عدم تاخیر کے لئے قسم لازم ہوگی۔

(۱۱۰۴/۱۵) وَمَنْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ وَاسْتَثْنٰى شَيْئًا مُتَّصِلاً بِاِقْرَارِهٖ صَحَّ الْاِسْتِثْنَاءُ وَلَزِمَهُ الْبَاقِي وَسَوَاءٌ اِسْتَثْنَى الْاَقَلَّ اَوِ الْاَكْثَرَ.

حل لغت: الاستثناء چند چیزوں سے کچھ نکالنے کے بعد باقی ماندہ کے تکلم کو استثناء کہتے ہیں۔

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا دین کا اور استثناء کرلیا کسی شئ کا اپنے اقرار کے ساتھ ہی تو استثناء صحیح ہوگا اور لازم ہوگا اس کو باقی چاہے کم کا استثناء کرے یا زائد کا۔

استثناء اور ہم معنی استثناء کا تذکرہ

تشریح: مقر نے دین کا اقرار کیا اور اس میں سے بعض کا استثناء کرلیا تو یہ صحیح ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اقرار کے ساتھ ہی استثناء کرے تب اس کا اعتبار ہوگا خواہ استثناء کم کا ہو یا زیادہ کا اور اگر جملہ پورا ہونے کے بعد استثناء کرے تو یوں سمجھا جائے گا کہ پورے کا اقرار کرکے اب رجوع کررہا ہے۔ اس لئے منفصل استثناء کا اعتبار نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے کسی کے لئے سو روپے کا اقرار کیا لیکن اقرار کے متصل ہی دس روپے کا استثناء کرلیا تو استثناء کے بعد جو نوے باقی بچے وہ لازم ہوں گے۔

(۱۱۰۵/۱۶) فَاِنِ اسْتَثْنَى الْجَمِيْعَ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ وَبَطَلَ الْاِسْتِثْنَاءُ.

ترجمہ: اگر استثناء کردے پورے کا تو اس کو پورا اقرار لازم ہوگا اور استثناء باطل ہوگا۔

تشریح: استثناء کا مطلب ہے کہ پوری تعداد میں سے کچھ کم کرکے باقی لازم ہو اور یہاں استثناء کے بعد کچھ نہیں بچا تو گویا اپنے اقرار سے رجوع کررہا ہے اس لئے اقرار سے رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا اور استثناء سے پہلے کی

تعداد لازم ہوگی۔(اللباب ۲/۲۱)

(۱۱۰۶/۱۷) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا دِيْنَارًا اَوْ اِلَّا قَفِيْزَ حِنْطَةٍ لَزِمَهٗ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا قِيْمَةَ الدِّيْنَارِ اَوِ الْقَفِيْزِ.

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر ایک سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا مگر گیہوں کا ایک قفیز تو لازم ہوں گے اس کو سو درہم مگر دینار یا قفیز کی قیمت (لازم نہ ہوگی)

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ قریب قریب جنس کے ہوں تو استثناء درست ہے ورنہ نہیں جیسے دینار اور درہم کہ یہ دونوں قریب قریب جنس کے ہیں کیونکہ دونوں ثمن ہیں۔ ایسے ہی گیہوں درہم کی جنس کے قریب ہے کیونکہ کیلی وزنی اور متقارب عددی چیزیں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو درہم سے گیہوں، چاول، آٹا ان کا استثناء درست ہوگا اس قاعدہ کے اعتبار سے اب سمجھئے اگر کسی نے یوں کہا کہ فلاں کے میرے اوپر سو درہم ہیں مگر ایک دینار تو سو درہم میں سے ایک دینار کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے ایسے ہی اگر کہا کہ مجھ پر فلاں کے سو درہم ہیں مگر ایک قفیز گیہوں تو سو درہم میں سے ایک قفیز گیہوں کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے کیونکہ ثمنیت کے اعتبار سے دونوں ایک جنس ہیں مذکورہ مسئلہ شیخین کے نزدیک ہے۔

(۱۱۰۷/۱۸) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مِائَةٌ وَدِرْهَمٌ فَالْمِائَةُ كُلُّهَا دَرَاهِمُ.

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہیں تو پورے ایک سو درہم لازم ہوں گے۔

تشریح: اصل میں حرف عطف کے ساتھ جو درہم ہے وہ سو کی تفسیر ہے کہ پہلے جو سو بولا ہے وہ درہم ہی ہیں کوئی اور چیز نہیں ہے اس لئے اس تفسیر کی وجہ سے پورے سو درہم لازم ہوں گے عام طور پر لفظ درہم ماۃ کا بیان ہوتا ہے کیونکہ لوگ لفظ درہم کو دوبار بولنا ثقیل جانتے ہیں اور صرف ایک بار ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ ان چیزوں میں ہوتا ہے جو کثیر الاستعمال ہوں اور کثرت استعمال کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب کثرت اسباب کی وجہ سے وجوب فی الذمہ بکثرت ہو جیسے دراہم ودنانیر۔(اللباب ۲/۲۲)

(۱۱۰۸/۱۹) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مِائَةٌ وَثَوْبٌ لَزِمَهٗ ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَالْمَرْجِعُ فِيْ تَفْسِيْرِ الْمِائَةِ اِلَيْهِ.

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر سو اور کپڑا ہے تو اس پر ایک کپڑا لازم ہوگا اور رجوع کیا جائے گا سو کی تفسیر میں مقر کی طرف۔

تشریح: اس صورت میں بھی کپڑے کا عطف سو پر ہے اور معطوف معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے اس لئے

کپڑا سو سے الگ ہونا چاہئے اور عام استعمال میں سو بول کر درہم اور دینار تو مراد لیتے ہیں کپڑا مراد نہیں لیتے اس لئے کپڑا سو کی تفسیر نہیں بن سکے گا۔ اس وجہ سے ایک کپڑا لازم ہوگا اور سو کے بارے میں مقر سے پوچھا جائے گا جو وہ کہے گا وہی لازم ہوگا۔

(۲۰/۱۱۰۹) وَمَنْ اَقَرَّ بِحَقٍّ وَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلاً بِاِقْرَارِهٖ لَمْ يَلْزَمْهُ الْاِقْرَارُ.

ترجمہ: جس نے اقرار کیا کسی حق کا اور کہہ دیا ان شاء اللہ اپنے اقرار کے ساتھ ہی تو اس کو اقرار لازم نہ ہوگا۔

تشریح: اگر مقر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے اور ساتھ ہی انشاء اللہ کہتا ہے تو اقرار باطل ہو جائے گا مقر پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنے اقرار کو اللہ کے چاہنے پر معلق کیا اور اللہ کا چاہنا معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ اللہ کیا چاہتے ہیں اس لئے اقرار باطل ہو جائے گا اور اقرار کا صرف وعدہ ہوگا جس کا اعتبار نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اقرار کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ کہہ دے اگر منفصل کر کے کہا تو اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا اور اقرار واجب ہوگا۔

(۲۱/۱۱۱۰) وَمَنْ اَقَرَّ وَشَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهٖ لَزِمَهُ الْاَقْرَارُ وَبَطَلَ الْخِيَارُ.

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا اور اپنے لئے خیار شرط لیا تو اس کو اقرار لازم ہوگا، اور خیار باطل ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر ایک ہزار روپے ہیں لیکن مجھ کو تین دن تک سوچنے اور غور وفکر کا موقع دیں کہ میں اقرار کروں یا نہ کروں تو اقرار کے مطابق ایک ہزار روپے دینے پڑیں گے اور اقرار کرے یا نہ کرے اس کے لئے تین دن تک سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

دلیل: اقرار کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ واقعتاً اس پر قرض ہے جس کا ادا کرنا واجب ہے اور سوچنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دین نہیں ہے صرف احسان کرتے ہوئے میں سوچ کر اس کا اقرار کروں گا تو پہلے اقرار کی نفی ہوگی اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار کے بعد رجوع نہیں کر سکتا۔

(۲۲/۱۱۱۱) وَمَنْ اَقَرَّ بِدَارٍ وَاسْتَثْنٰى بِنَاءَ هَا لِنَفْسِهٖ فَلِلْمُقَرِّ لَهُ الدَّارُ وَالْبِنَاءُ جَمِيْعاً.

ترجمہ: جس نے اقرار کیا مکان کا اور استثناء کیا اس کی عمارت کا اپنے لئے تو مقر لہ کے لئے گھر اور عمارت سب ہوں گے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ اقرار میں جو جو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں ان کا استثناء صحیح نہیں ہے اس قاعدہ کی روشنی میں مسئلہ ملاحظہ فرمائیں، عمارت ہی کا نام گھر ہے عمارت نہ ہو تو اس جگہ کو گھر کیسے کہیں گے اس لئے عمارت کا اپنے لئے استثناء کر لیا تو گویا کہ گھر ہی کا انکار کر رہا ہے اس لئے استثناء باطل ہوگا گھر اور عمارت دونوں مقر لہ کے لئے ہوں

گے۔ یہ مسئلہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ انگوٹھی کا کسی کے لئے اقرار کیا اور نگ کا استثناء کرے تو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نگ انگوٹھی کا بنیادی جزو ہے۔(عینی شرح ہدایہ۳/۴۹۰)

(۲۳/۱۱۱۲) وَاِنْ قَالَ بِنَاءُ هٰذِهِ الدَّارِ لِیْ وَالْعَرْصَةُ لِفُلَانٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ.

حل لغت: العرصة گھر کا صحن، وہ جگہ جس میں کوئی عمارت نہ ہو جمع عِرَاصٌ اَعْرَاصٌ عَرَصَاتٌ.

ترجمہ: اگر کہے کہ اس گھر کی عمارت میرے لئے ہے اور صحن فلاں کے لئے تو یہ اس کے قول کے مطابق ہوگا۔

تشریح: اس طرح کہا کہ گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے ہے تو گھر کی عمارت مقر کے لئے اور صحن مقرلہ کے لئے ہوگا۔ کیونکہ گھر کی عمارت الگ چیز ہے اور صحن الگ چیز ہے صحن عمارت کا بنیادی جز نہیں ہے اس لئے یوں نہیں کہا جائے گا کہ مقر نے صحن کے اقرار سے رجوع کیا۔

(۲۴/۱۱۱۳) وَمَنْ اَقَرَّ بِتَمْرٍ فِیْ قَوْصَرَّةٍ لَزِمَهُ التَّمْرُ وَالْقَوْصَرَّةُ.

حل لغات: تمر: کھجور، قوصرة: ٹوکری جس میں کھجور وغیرہ رکھی جاتی ہیں، کھجور کی ٹوکری اس وقت تک کہیں گے جب تک اس میں کھجور ہوں ورنہ اس کے معنی زنبیل (تھیلا) کے آتے ہیں۔

ترجمہ: جس نے اقرار کیا کھجور کا ٹوکری میں لازم ہوگی اس کو کھجور اور ٹوکری۔

اقرار کے متفرق مسائل کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں کیلئے کھجور ٹوکری میں واجب ہیں تو اس صورت میں دونوں چیزیں لازم ہوں گی۔ اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ظرف ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اور اس کو منتقل کرنا ممکن ہو تو ایسی چیز کے اقرار میں ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوتے ہیں۔ جیسے کھجور کا اقرار ٹوکری میں۔

(۲۵/۱۱۱۴) وَمَنْ اَقَرَّ بِدَابَّةٍ فِیْ اِصْطَبْلٍ لَزِمَهُ الدَّابَّةُ خَاصَّةً.

حل لغت: اصطبل گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ۔

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا گھوڑے کا اصطبل میں تو لازم ہوگا اس کو صرف گھوڑا

تشریح: گھوڑے کے ساتھ اصطبل منتقل نہیں ہوتا بلکہ صرف گھوڑا منتقل ہوتا ہے اس لئے جب کہا کہ گھوڑے کو اصطبل میں غصب کیا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ صرف گھوڑا غصب کیا اور اپنے گھر لایا اور اصطبل اپنی جگہ ہی رہا اس کو غصب نہیں کیا اس وجہ سے صرف گھوڑا واپس کرنا لازم ہوگا۔ مگر امام محمدؒ کے نزدیک دونوں چیزیں لازم ہوں گے۔ یعنی

جانور اور اصطبل۔

(۲۶/۱۱۱۵) وَاِنْ قَالَ غَصَبْتُ ثَوْباً فِیْ مِنْدِیْلٍ لَزِمَاهُ جَمِیْعاً.

ترجمہ: اگر کہے کہ میں نے غصب کیا کپڑا رومال میں تو اس کو دونوں لازم ہوں گے۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کپڑا رومال میں لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو غصب کیا یہاں ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہیں اس لئے دونوں دینے لازم ہوں گے۔

(۲۷/۱۱۱۶) وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَیَّ ثَوْبٌ فِیْ ثَوْبٍ لَزِمَاهُ جَمِیْعاً.

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو دونوں لازم ہوں گے۔

تشریح: جب کہا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو ایک کپڑا ظرف ہوا اور دوسرا کپڑا مظروف ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ ایک کپڑا دوسرے کپڑے میں لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو لیا ہے اس لئے دونوں کپڑے لازم ہوں گے۔

(۲۸/۱۱۱۷) وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَیَّ ثَوْبٌ فِیْ عَشَرَةِ اَثْوَابٍ لَمْ یَلْزَمْهُ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی یَلْزَمُهُ اَحَدَ عَشَرَ ثَوْباً.

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو نہیں لازم ہے اس پر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مگر ایک کپڑا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ لازم ہوں گے اس پر گیارہ کپڑے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے اس بات کا اقرار کیا کہ میرے ذمہ دس کپڑوں کے اندر فلاں کا کپڑا ہے تو شیخین کے نزدیک صرف ایک کپڑا لازم ہوگا اور امام محمد کے نزدیک گیارہ کپڑے لازم ہوں گے۔

شیخین کی دلیل: عام طور سے ایک کپڑا دس کپڑوں میں لپیٹ کر نہیں رکھا جاتا ہے اس لئے دس کپڑے ایک کپڑے کا ظرف نہیں بنیں گے۔ فتوی اسی قول پر ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل: اگر ریشم کا قیمتی کپڑا ہو تو دس کپڑوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں اس لئے ایک کپڑے کے لئے دس کپڑے ظرف بن سکتے ہیں۔ (اللباب فی شرح الکتاب (۲۳/۲)

(۲۹/۱۱۱۸) وَمَنْ اَقَرَّ بِغَصَبِ ثَوْبٍ وَجَاءَ بِثَوْبٍ مَعِیْبٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ فِیْهِ مَعَ یَمِیْنِهٖ.

حل لغت: معیب، عیب دار، یہ ثوب کی صفت ہے۔

ترجمہ: جس نے اقرار کیا کپڑا غصب کرنے کا پھر لایا ایک عیب دار کپڑا تو اس میں مقر کی بات مانی جائیگی۔ قسم کے ساتھ۔

تشریح: ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے زید کا کپڑا غصب کیا ہے اس کے بعد ایک عیب دار کپڑا لے کر آیا کہ یہ غصب کیا ہے اور مقرلہ کے پاس اس کے خلاف کوئی گواہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مقر کا قول معتبر ہوگا۔ اور وہی عیب دار کپڑا مقرلہ کو قبول کرنا پڑے گا۔

دلیل: لفظ کپڑا عام ہے عیب دار اور صحیح دونوں کو شامل ہے اس لئے عیب دار کے اقرار سے انکار نہیں ہوا اور مقرلہ کے پاس اس کے خلاف کوئی گواہ نہیں ہے۔

اس لئے مقر کی بات مان لی جائے گی لیکن چونکہ منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

(۳۰/۱۱۱۹) وَكَذَالِكَ لَوْ اَقَرَّ بِدَارَاهِمَ وَقَالَ هِيَ زُيُوْفٌ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر اقرار کیا دراہم کا اور کہا کہ وہ کھوٹے ہیں۔

تشریح: زید نے اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر پچاس درہم ہیں بعد میں کہنے لگا کہ وہ کھوٹے ہیں تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی کیونکہ درہم تو دونوں ہی قسم کے ہوتے ہیں کھرے بھی اور کھوٹے بھی۔

(۳۱/۱۱۲۰) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ خَمْسَةٌ فِيْ خَمْسَةٍ يُرِيْدُ بِهِ الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ لَزِمَهٗ خَمْسَةٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ: اگر کہا فلاں کے مجھ پر پانچ ہیں پانچ میں مراد لیتا ہے اس سے ضرب اور حساب تو اس پر صرف پانچ لازم ہوں گے۔

تشریح: اس عبارت کے تین مطلب ہیں اور تین حکم ہیں۔

(۱) پانچ کو پانچ میں ضرب دیا جائے اور یہی مراد لیا جائے تو پچیس لازم ہوں گے حسن بن زیاد کا یہی قول ہے ایک قول امام احمدؒ وامام مالکؒ کا بھی یہی ہے۔ کما قال العلامةبدر الدین عینی.

(۲) فی کو مع کے معنی میں لیا جائے تو دس لازم ہوں گے یہی احناف کا مذہب ہے۔

(۳) پانچ کو پانچ میں ضرب دے کر اس کے اجزاء اور ٹکڑے بڑھائے جائیں۔ چنانچہ خمسة فی خمسة کا مطلب یہ ہوا کہ پانچوں میں سے ہر ایک کے پانچ پانچ جزء ہیں اس صورت میں عدد تو پانچ ہی رہیں گے البتہ ان کے اجزاء پچیس ہو جائیں گے یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ صاحب قدوری نے یہی مطلب اختیار کیا ہے اور پانچ ہی لازم کئے ہیں۔

(۳۲/۱۱۲۱) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ خَمْسَةً مَعَ خَمْسَةٍ لَزِمَهٗ عَشَرَةٌ.

ترجمہ: اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے پانچ کا پانچ کیساتھ تو دس لازم ہوں گے۔

تشریح: مقر نے فی کو مع کے معنی میں لیا اور اس سے نیت جمع کی کی تو دس درہم لازم ہوں گے۔

(۳۳/۱۱۲۲) وَاِذَا قَالَ لَهُ عَلَيَّ مِنْ دِرْهَمٍ اِلٰى عَشَرَةٍ لَزِمَهُ تِسْعَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَلْزَمُهُ الْاِبْتِدَاءُ وَمَا بَعْدَهُ وَيَسْقُطُ الْغَايَةُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَلْزَمُهُ الْعَشَرَةُ كُلُّهَا۔

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہیں تو لازم ہوں گے اس پر نو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یعنی ابتداء اور اس کا مابعد لازم ہوگا اور غایت ساقط ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا لازم ہوں گے اس پر دس۔

تشریح: ایک شخص نے اس بات کا اقرار کیا کہ میرے ذمہ فلاں کے ایک درہم سے دس درہم تک ہیں تو امام صاحب کے نزدیک نو درہم لازم ہوں گے دس لازم نہیں ہوں گے امام شافعیؒ کا ایک قول امام مالک کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

دلیل: تعداد میں ابتداء شامل ہوتی ہے اور درمیان والے عدد شامل ہوتے ہیں لیکن آخری عدد جو غایت ہے وہ شامل نہیں ہوتا مسئلہ مذکورہ میں دس آخری عدد ہیں اس لئے وہ شامل نہیں ہوگا جیسے لوگ کہتے ہیں کہ میری عمر چالیس سے پچاس تک ہے تو پچاس شامل نہیں ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کی عمر انچاس سال کی مانی جاتی ہے۔

دوسرا مذہب

صاحبین کے نزدیک کل دس دراہم لازم ہوں گے یعنی ابتداء اور نہتاء دونوں داخل ہوں گے۔ امام مالک کی ایک روایت اور امام شافعی کا قول بھی اسی طرح ہے۔

دلیل: دونوں حدوں کا موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ امر وجود کے لئے معدوم شئ حد نہیں ہوسکتی۔

تیسرا مذہب: امام زفرؒ کے نزدیک صرف آٹھ دراہم لازم ہوں گے ان کے نزدیک ابتداء اور انتہاء دونوں ساقط۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/ ۴۸۷)

(۳۴/۱۱۲۳) وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ اِشْتَرَيْتُهُ مِنْهُ وَلَمْ اَقْبِضْهُ فَاِنْ ذَكَرَ عَبْدًا بِعَيْنِهِ قِيْلَ لِلْمُقَرِّ لَهُ اِنْ شِئْتَ فَسَلِّمِ الْعَبْدَ وَخُذِ الْاَلْفَ وَاِلَّا فَلَا شَيْءَ لَكَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اس غلام کی قیمت کے جو میں نے اس سے خریدا ہے لیکن قبضہ نہیں کیا پھر اگر وہ متعین غلام کا ذکر کرے تو مقرلہ سے کہا جائے گا اگر چاہے تو غلام سپرد کر اور ہزار لے لے ورنہ تیرا اس پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ اگر اقرار کسی شرط کے ساتھ ہے تو شرط پوری کرنے پر اقرار کو جاری کیا جائے گا اب صورت مسئلہ سمجھئے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن وہ متعین غلام کی وجہ سے ہیں جس کو میں نے اس سے خریدا تھا اور ابھی تک میں نے غلام پر قبضہ نہیں کیا ہے اس صورت میں مقرلہ سے کہا جائے گا کہ اگر غلام مقر کے

حوالہ کرو گے تو ہزار درہم ملیں گے اور اگر غلام نہیں دو گے تو ہزار درہم نہیں ملیں گے چونکہ یہاں غلام کے بدلے میں ہزار ہیں اس لئے غلام دے گا تو ہزار لینے کا حقدار ہو گا ورنہ نہیں یہاں متعین غلام کی بیع ہے۔

(۱۱۲۴/۳۵) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ وَلَمْ یُعَیِّنْهُ لَزِمَهُ الْاَلْفُ فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار ہیں غلام کی قیمت کے اور اس کو متعین نہیں کیا تو لازم ہوں گے اس کو ہزار امام ابوحنیفہ کے قول میں۔

تشریح: زید نے اقرار کیا کہ خالد کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اور وہ غلام کی قیمت کے ہیں لیکن متعین غلام نہیں ہے تو غلام کو حوالہ کئے بغیر ہی زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے خواہ اس نے لم اقبضہ متصلاً کہا ہو یا منفصلاً امام ابوحنیفہؒ امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ اسی کے قائل ہیں۔

دلیل: چونکہ غلام متعین نہیں ہے اس لئے بیع نہیں ہوئی لہٰذا غلام حوالہ کرنا لازم نہیں ہے اور زید اقرار کر چکا ہے کہ مجھ پر ہزار ہیں اس لئے غلام کے بدلے کی قید ہزار درہم کے اقرار سے رجوع کرنا سمجھا جائے گا اور بعد اقرار رجوع درست نہیں ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر مقر نے دراہم کے اقرار کے بعد لم اقبضہ متصلاً کہا ہے تو اس کے بیان کی تصدیق کی جائے گی اور مال لازم نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے منفصلاً کہا ہے تو مقر کے کلام کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ (عینی ۳/۴۹۲)

(۱۱۲۵/۳۶) وَلَوْ قَالَ عَلَیَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ لَزِمَهُ الْاَلْفُ وَلَمْ یُقْبَلْ تَفْسِیْرُهٗ.

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں شراب یا خنزیر کی قیمت کے تو اس پر ہزار لازم ہوں گے اور اس کی تفسیر قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اس بات کا اقرار کیا کہ فلاں کے میرے ذمہ شراب یا خنزیر کی قیمت کے ایک ہزار دراہم ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقر پر ایک ہزار دراہم لازم ہوں گے اور مقر کا، من ثمن خمر او خنزیر سے تفسیر کرنا معتبر نہ ہوگا خواہ اس کی تفسیر متصلا ہو یا منفصلاً کیونکہ کلمہ علی وجوب پر دال ہے اور مقر کا شراب یا خنزیر کی قیمت سے تفسیر کرنا گویا اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے جو درست نہیں۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر اس کے تفسیری کلام میں اتصال ہے تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے تفسیری کلام سے یہ باور کرادیا کہ میرا مقصد ایجاب دراہم نہیں ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ۲/۲۴)

(۱۱۲۶/۳۷) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ وَهِیَ زُیُوْفٌ فَقَالَ الْمُقَرُّ لَهٗ جِیَادٌ لَزِمَهُ الْجِیَادُ

فِی قَوْلِ اَبِی حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی اِنْ قَالَ ذٰلِکَ مَوْصُوْلًا صُدِّقَ وَاِنْ قَالَہٗ مَفْصُوْلًا لَا یُصَدَّقُ.

حل لغات: متاع سامان زیوف زیف کی جمع ہے وہ درہم جسے تاجر لوگ لے لیں اور بیت المال نہ لے۔ جیاد کھرے۔

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار ہیں سامان کی قیمت کے اور وہ کھوٹے ہیں مقرلہ نے کہا کہ وہ کھرے ہیں تو کھرے ہی لازم ہوں گے امام ابوحنیفہ کے قول میں اور صاحبین نے فرمایا اگر اس نے یہ متصلا کہا تو تصدیق کی جائے گی اور منفصلا کہا تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح: مذکورہ مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف کی بنیاد یہ قاعدہ ہے کہ لفظ درہم کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے یا نہیں۔ صاحبین کے نزدیک دونوں کو شامل ہے اور امام صاحب کے نزدیک کھرے متعین ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں سامان کی قیمت کے لیکن وہ ہزار درہم کھوٹے ہیں کھرے نہیں ہیں اور مقرلہ کہتا ہے کہ وہ کھرے ہیں تو امام صاحب کے نزدیک ہزار درہم کھرے ہی لازم ہوں گے چونکہ عام طور سے سامان کی قیمت کھرے ہی لازم ہوتے ہیں اس لئے مقر کا یہ کہنا کہ وہ کھوٹے ہیں اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے جو درست نہیں صاحبین فرماتے ہیں کہ سامان کی قیمت دونوں طرح ہوتی ہے اس لے اول اقرار عام ہے کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے مقر ایک رخ کھوٹے کو متعین کر رہا ہے تو یہ اپنے اقرار سے رجوع نہیں ہے اس لئے کھوٹے درہم لازم ہوں گے لیکن شرط یہ ہے کہ کلام کے ساتھ متصل کر کے کھوٹے کا لفظ بولا ہو کیونکہ اگر منفصلا بولا تو پہلے اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا اور کھوٹے لازم نہیں ہوں گے بلکہ کھرے ہی لازم ہوں گے۔

(۱۱۲۷/۳۸) وَمَنْ اَقَرَّ لِغَیْرِہٖ بِخَاتَمٍ فَلَہُ الْحَلْقَۃُ وَالْفَصُّ.

حل لغات: خاتم انگوٹھی جمع خواتم، الفص نگینہ قیمتی پتھر یا شیشہ۔

ترجمہ: جس نے اقرار کیا دوسرے کے لئے انگوٹھی کا تو اس کے لئے حلقہ اور نگینہ دونوں ہوں گے۔

تشریح: حلقہ اور نگینہ دونوں کے مجموعے کا نام انگوٹھی ہے اور دونوں انگوٹھی کی بنیادی چیز ہیں اس لئے انگوٹھی کے اقرار میں دونوں چیزیں خود بخود شامل ہو جائیں گی۔ اور پوری انگوٹھی مع نگینہ کے مقرلہ کے لئے ہوگی۔ (عینی ۲۸۵/۳)

(۱۱۲۸/۳۹) وَاِنْ اَقَرَّ لَہٗ بِسَیْفٍ فَلَہُ النَّصْلُ وَالْجَفْنُ وَالْحَمَائِلُ.

حل لغات: سیف تلوار جمع سیوف، النصل پھلکا لوہے والا حصہ جمع نصال، الجفن نیام تلوار خنجر وغیرہ رکھنے کا خانہ جمع اجفان. الحمائل واحد حِمَالة پرتلہ چمڑے کی وہ پیٹی جس میں تلوار لٹکاتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر اقرار کیا کسی کے لئے تلوار کا تو اس کیلئے پھل نیام اور پرتلہ تینوں ہوں گے۔

تشریح: تلوار کے لئے اسکا پھل (لوہے والا آگے کا حصہ) بنیادی جز ہے۔ میاں جس میں تلوار رکھی جاتی ہے یہ بنیادی جز تو نہیں ہے لیکن تلوار بغیر میان کے نہیں رکھی جاسکتی اس لئے یہ بھی جز کے مانند ہوگیا اور پرتلہ کے بغیر تلوار لٹکانا مشکل ہے اس لئے یہ بھی تلوار کے جز کی طرح ہے اس لئے جب کسی کے لئے تلوار کا اقرار کیا تو تینوں چیزیں مقرلہ کے لئے ہوں گی۔

(۱۱۲۹/۴۰) وَاِنْ اَقَرَّ لَهٗ بِحَجَلَةٍ فَلَهُ الْعِيْدَانُ والْكِسْوَةُ.

حل لغات: حجلة حاء اور جیم کے فتحہ کے ساتھ، ایک قسم کی گول پالکی، مکان کے اندر دولہن کے لئے ڈالا ہوا پردہ دولہن کے لئے آراستہ کیا ہوا کمرہ جمع حجال۔ العیدان تثنیہ ہے واحد عود لکڑی الکسوۃ پردہ مراد ہے۔

ترجمہ: اگر اقرار کیا کسی کے لئے ڈولہ کا تو اس کے لئے لکڑیاں اور پردہ ہوگا۔

تشریح: دولہن کے لے جانے کا جو ڈولہ ہوتا ہے وہ لکڑی اور پردہ دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے اس لئے لکڑی اور کپڑا دونوں اقرار میں شامل ہوں گے۔

(۱۱۳۰/۴۱) وَاِنْ قَالَ لِحَمْلِ فُلَانَةٍ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَاِنْ قَالَ اَوْصٰى لَهٗ فُلَانٌ اَوْ مَاتَ اَبُوْهُ فَوَرِثَهٗ فَالْاِقْرَارُ صَحِيْحٌ.

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں چنانچہ اگر کہا کہ فلاں نے اس کے لئے وصیت کی تھی یا اس کا باپ مرگیا جس کا وہ وارث ہے تو اقرار صحیح ہے۔

تشریح: ایک شخص یوں کہتا ہے کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں تو اس قول کے چار مطلب ہوئے دو مطلب عبارت میں موجود ہے اور مزید دو صاحب اللباب نے بیان کئے ہیں۔ میں اولاً وہی مطلب بیان کرتا ہوں جو صاحب اللباب نے ذکر کئے ہیں۔

(۱) حمل نے مجھ سے خرید وفروخت کی ہے اس لئے اس کے ایک ہزار درہم ہیں یہ اقرار باطل ہے کیونکہ پیٹ کا بچہ خرید وفروخت کیسے کرے گا اس لئے اقرار باطل اور حمل کا مقر پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ (اللباب فی شرح الکتاب ۲/ ۲۵)

(۲) حمل نے قرض دیا ہے یہ اقرار بھی باطل ہے۔ اللباب فی شرح الالکتاب ۲/ ۲۵ ص

(۳) فلاں آدمی نے اس حمل کیلئے وصیت کی ہے اور اس وصیت کے ہزار درہم میرے پاس ہیں تو اقرار درست ہوگا۔

(۴) حمل کے والد یا اسکے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہوگیا ہے اور اسکی وراثت میں حمل کو جو رقم ملی تھی وہ ایک ہزار رقم

میرے پاس ہے یہ مطلب بھی درست ہے اور اقرار درست ہے آخری دو مطلب صاحب قدوری نے نقل فرمائے ہیں۔

(۴۲/۱۱۳۱) وان وَاِنْ اَبْهَمَ الْاِقْرَارَ لَمْ يَصِحَّ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَصِحُّ.

ترجمہ: اور اگر اقرار کو مبہم رکھا تو صحیح نہیں امام یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا درست ہے۔

تشریح: ایک شخص نے اقرار کیا کہ فلاں عورت کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم ہیں کس طرح حمل کے ہزار درہم اسکے ذمہ آئے؟ حمل تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہے۔ اگر مقر اس کی وضاحت نہ کرے تو حمل کے ہزار درہم کسی کے ذمہ ہونا ناممکن ہے اس لئے امام ابو یوسف کے نزدیک اقرار باطل ہوگا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عاقل بالغ آدمی نے اقرار کیا اس لئے اس جملہ کا صحیح رخ نکالا جائے گا خواہ اس نے وضاحت نہ کی ہو پھر بھی یہی سمجھا جائے گا کہ کسی نے وصیت کی ہے یا کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر اس کو وراثت میں یہ رقم ملی ہے اور مقر کے پاس موجود ہے لہٰذا اقرار درست ہو جائے گا، امام احمدؒ وامام شافعی کا اصح قول بھی یہی ہے۔ (عینی ۳/ ۴۸۷، اللباب ۲/ ۲۵، الجوہرۃ ۱/ ۳۱۱)

(۴۳/۱۱۳۲) وَاِنْ اَقَرَّ بِحَمْلِ جَارِيَةٍ اَوْحَمْلِ شَاةٍ لِرَجُلٍ صَحَّ الْاِقْرَارُ وَلَزِمَهُ.

ترجمہ: اگر اقرار کرے کسی باندی کے حمل کا یا کسی بکری کے حمل کا کسی آدمی کے لئے تو اقرار صحیح ہے اور مقر کو لازم ہوگا۔

تشریح: زید اقرار کرتا ہے کہ فلاں باندی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کیلئے ہے یا فلاں بکری کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کے لئے ہے تو یہ اقرار جائز ہے اور پیدائش کے بعد باندی کا بچہ اور بکری کا بچہ عمر کو دیدیئے جائیں گے۔

دلیل: ممکن ہے کہ باندی کا اصل مالک مر رہا ہو اور مرتے وقت یہ وصیت کی ہو کہ باندی تو ورثہ کے لئے ہے لیکن اس کے بچہ کی عمر کے لئے وصیت کرتا ہوں اور زید بھی ورثہ میں تھا اس لئے زید نے مورث کے مرنے کے بعد اقرار کیا کہ باندی یا بکری کے بچے عمر کے لئے ہیں اس لئے یہ اقرار صحیح ہے باطل نہیں ہے۔ عینی شرح ہدایہ ۳/ ۴۸۸)

(۴۴/۱۱۳۳) وَاِذَا اَقَرَّ الرَّجُلُ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ بِدُيُوْنٍ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ فِيْ صِحَّتِهِ وَدُيُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِيْ مَرَضِهِ بِاَسْبَابٍ مَعْلُوْمَةٍ فَدَيْنُ الصِّحَّةِ وَالدَّيْنُ الْمَعْرُوْفُ بِالْاَسْبَابِ مُقَدَّمٌ فَاِذَا قُضِيَتْ وَفَضَلَ شَيْئٌ مِنْهَا كَانَ فِيْمَا اَقَرَّ بِهٖ فِيْ حَالِ الْمَرَضِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دُيُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِيْ صِحَّتِهٖ جَازَ اِقْرَارُهٗ.

ترجمہ: اگر اقرار کیا کسی آدمی نے اپنے مرض موت میں دیون کا حالانکہ اس پر کچھ دیون ہیں تندرسی کے زمانہ کے اور کچھ دیون ایسے ہیں جو اس کو لازم ہوئے ہیں اس کے مرض الموت میں اسباب معلومہ کے ذریعہ تو تندرستی و الے دیون اور اسباب معلومہ والے قرض مقدم ہوں گے جب وہ ادا کر دیئے جائیں اور کچھ مال بچ جائے تو صرف کیا جائے اس دین میں جس کا اقرار کیا اس نے مرض وفات میں اور اگر نہیں ہے اس پر ایسے دین جو لازم ہوں اس کی صحت

کے زمانہ میں تو جائز ہے اس کا اقرار۔

بیمار کے اقرار کا بیان

تشریح: ایک شخص مرض الموت میں مبتلا ہے اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا تندرستی کے زمانہ میں کچھ قرض لئے وہ اس کے ذمہ تھے پھر مرض الموت کے زمانہ میں ایسے اسباب کے ذریعہ دین آئے جو لوگوں کو معلوم ہیں مثلاً کسی کا نقصان کر دیا جس کی وجہ سے اس پر دین آیا یا مہر مثل میں شادی کی اس کی وجہ سے اس پر دین آیا اور دین کے یہ اسباب سب کو معلوم ہیں ان دونوں دینوں کی موجودگی میں مثلاً زید کے لئے اپنے اوپر دین کا اقرار کرتا ہے، جس کا سبب معلوم نہیں تو اقرار درست ہوگا۔ لیکن اس دین کی ادائیگی مال بچنے کے بعد کی جائے گی اولاً وہ دین ادا کئے جائیں گے جو تندرسی کے زمانہ میں لئے گئے ہیں یا مرض الموت کے زمانہ میں لئے گئے ہیں اور ان کے اسباب سب کو معلوم ہیں اس سے بچنے کے بعد اقرار کے دین ادا کئے جائیں گے۔

دلیل: مرض الموت کے زمانہ میں اسباب بتائے بغیر کسی کے لئے دین کا اقرار کرتا ہے تو اس بات کا قوی خطرہ ہے کہ دوسرے قرضخواہوں کو نقصان دینا چاہتا ہے تاکہ مقرلہ کو زیادہ مل جائے اور تندرسی کے زمانہ کے قرضخواہوں اور مرض الموت میں اسباب معروفہ کے قرضخواہوں کو کم ملے اس تہمت کے خطرہ کے پیش نظر مقرلہ کو بعد میں دین ملے گا۔ (اللباب ۲/۲۵، الجوہرۃ ۱/۳۱۲) پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر تندرستی کے زمانہ کا دین اس آدمی پر نہ ہو تو چونکہ کسی کو نقصان دینے کا شک وشبہ نہیں ہے اس لئے مرض الموت میں کسی کے لئے دین کا اقرار کر سکتا ہے۔

(۱۱۳۴/۴۵) وَكَانَ الْمُقَرُّ لَهُ اَوْلٰى مِنَ الْوَرَثَةِ.

ترجمہ: اور مقرلہ اولیٰ (مقدم) ہے ورثہ سے۔

تشریح: جس کے لئے مرض الموت میں اقرار کیا ہے اس کو پہلے ملے گا اس سے بچے گا تب وارثین کو ملے گا۔

دلیل: حدیث میں ہے پہلے دین ادا کیا جائے گا پھر تہائی مال سے وصیت ادا کی جائے گی اس کے بعد جو بچے گا وہ وارثین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَاَنْتُمْ تَقْرَءُوْنَ الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الدَّيْنِ. (ترمذی شریف ۲/۳۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ادا کرنے کا فیصلہ کیا وصیت سے پہلے اور تم لوگ قرآن میں پڑھتے ہو وصیت کا تذکرہ دین سے پہلے۔

(۱۱۳۵/۴۶) وَاِقْرَارُ الْمَرِيْضِ لِوَارِثِهٖ بَاطِلٌ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهٗ فِيْهِ بَقِيَّةُ الْوَرَثَةِ.

ترجمہ: مریض کا اقرار اپنے وارث کے لئے باطل ہے مگر یہ کہ باقی ورثہ اس کی تصدیق کر دیں۔

تشریح: مرنے والا اپنے مرض الموت میں کسی ایک وراث کے لئے اقرار کرے خواہ وصیت کا خواہ قرض کا تو یہ باطل ہے لیکن اگر باقی وارثین اس کی تصدیق کردیں تو درست ہے۔

دلیل: وارث کے لئے اقرار کا باطل ہونا باقی ورثہ کے نقصان کی وجہ سے ہے کہ اس سے ان کا حق باطل ہوتا ہے لیکن باقی ورثہ نقصان برداشت کریں اور تصدیق کریں کہ مورث کا اقرار ٹھیک ہے تو اقرار درست ہوگا اور مقرلہ کو مال دیا جائے گا۔ (اللباب ۲/۲۶)

(۱۱۳۶/۴۷) وَمَنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيٍّ فِي مَرَضِ مَوْتِهٖ ثُمَّ قَالَ هُوَ اِبْنِيْ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَبَطَلَ اِقْرَارُهٗ لَهٗ.

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا اجنبی کے لئے اپنے مرض الموت میں پھر کہا وہ میرا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اس کے لئے اقرار کرنا باطل ہو جائے گا۔

تشریح: ایک شخص نے مرض الموت میں کسی اجنبی کے لئے اقرار کیا کہ مجھ پر اس کا قرض ہے پھر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اقرار باطل ہو جائے گا۔ بشرطیکہ وہ اجنبی ثابت النسب نہ ہو اور اس جیسے آدمی کا مقر کا بیٹا بننا ممکن ہو اور وہ مقر کی تصدیق کرے اور تصدیق کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو (لڑکا بول سکتا ہو اور بول کر تصدیق کردے کہ میں اس کا لڑکا ہوں)

دلیل: نسب کا دعویٰ ابتداء پیدائش کی طرف منسوب ہوتا ہے جب نسب ثابت ہو گیا تو وہ بچپنے سے وارث ہو گیا اور ابھی مسئلہ نمبر ۴۶ میں گذرا کہ وارث کے لئے اقرار نہیں کرسکتا اس لئے جو اقرار اجنبی کے لئے کیا تھا وہ بیٹا بننے کی وجہ سے باطل ہو گیا اب اس کو بیٹا ہونے کی وجہ سے مقر کی وراثت ملے گی۔ (اللباب ۲/۲۶)

(۱۱۳۷/۴۸) وَلَوْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيَّةٍ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَبْطُلْ اِقْرَارُهٗ لَهَا.

ترجمہ: اگر اقرار کیا کسی اجنبی عورت کیلئے پھر اس سے شادی کرلی تو عورت کیلئے اقرار باطل نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر مریض کسی اجنبیہ عورت کے لئے اقرار کرنے کے بعد اس سے نکاح کرلے پھر بھی اس عورت کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔

دلیل: جس وقت عورت کے لئے اقرار کیا تھا اس وقت وہ اجنبی تھی وہ بیوی بن کر وارث نہیں بنی تھی وارث تو شادی کے بعد بنی ہے اس وجہ سے اس کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔

(۱۱۳۸/۴۹) وَمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهٖ ثَلَاثًا ثُمَّ اَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ وَمَاتَ فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنَ الدَّيْنِ وَمِنْ مِيْرَاثِهَا مِنْهُ.

ترجمہ: جس نے طلاق دی اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں تین پھر اقرار کیا اس کے لئے دین کا اور مر گیا

تو عورت کے لئے دین اور شوہر سے میراث میں سے جو کم ہے وہ ملے گا۔

تشریح: ایک شخص نے اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں تین طلاقیں دیں ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ اس کے لئے اقرار کیا کہ اس کے مجھ پر دو ہزار روپے قرض ہیں پھر اس آدمی کا انتقال ہو گیا تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ عورت کو شوہر کی وراثت میں کم ملتا ہے یا اقرار میں، جس میں کم ملے گا وہی رقم عورت کو دی جائے گی مثلاً وراثت میں ایک ہزار روپے ملتے تھے تو وراثت ملے گی کیونکہ اقرار میں دو ہزار ملنے والے تھے جو زیادہ ہیں۔

دلیل: اس میں یہ تہمت ہے کہ شوہر بیوی کے لئے اچھی خاصی رقم دین کا اقرار کرنا چاہتا تھا مگر وارث ہونے کی وجہ سے ہچکچا رہا تھا اس لئے بیوی کو طلاق دے کر پہلے اجنبیہ بنایا پھر اس کے لئے اچھی خاصی رقم کا اقرار کیا اس تہمت کی وجہ سے اور باقی ورثہ کو نقصان سے بچانے کے لئے وراثت اور اقرار میں سے جو کمتر ہوگا وہ رقم بیوی کو ملے گی۔

تنبیہ: قدوری کی عبارت میں ثلاثا کی قید احترازی ہے کیونکہ ایک یا دو طلاق دینے کی صورت میں تو وہ اس کی بیوی رہتی ہی ہے۔ مذکورہ مسئلہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شوہر کا انتقال عدت کے دوران ہی ہوا ہو اگر عدت کے پورا ہونے کے بعد ہوا تو جو کچھ اقرار کیا وہ سب ملے گا اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ شوہر نے عورت کی طلب پر طلاق دی ہو اگر طلاق بلا طلب ہو تو عورت کو میراث ملے گی اور اس کے لئے اقرار درست نہ ہوگا۔ (ماخوذ، اللباب فی شرح الکتاب ۲/۲۶)

(۱۱۳۹/۵۰) وَمَنْ اَقَرَّ بِغُلَامٍ يُوْلَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ وَ لَيْسَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ اَنَّهُ اِبْنُهُ وَصَدَّقَهُ الْغُلَامُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ مَرِيْضاً وَيُشَارِكُ الْوَرَثَةَ فِي الْمِيْرَاثِ.

ترجمہ: جس نے اقرار کیا کسی ایسے لڑکے کے بارے میں کہ اس جیسا لڑکا اس جیسے آدمی کے یہاں پیدا ہو سکتا ہے اور اس کا کوئی نسب معلوم نہیں ہے (کہا) کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اگر چہ وہ (مقر) بیمار ہو اور شریک ہوگا ورثہ کے ساتھ میراث میں۔

اقرار نسب کا بیان

تشریح: ایک ایسا لڑکا ہے جس کا نسب معلوم نہیں اور ایک بڑے آدمی نے جس سے اس قسم کا لڑکا پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکا بول سکتا تھا اس لئے اس نے بھی تصدیق کی کہ میں اس کا لڑکا ہوں تو اس لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہو جائے گا چاہے یہ آدمی مرض الموت میں ہی کیوں نہ مبتلا ہو اور باپ کے مرنے پر جس طرح اور وارثوں کو وراثت ملے گی ایسے ہی اس بیٹے کو بھی وراثت ملے گی۔

فوائد قیود

(۱) **یولد مثله لمثله** یعنی لڑکا اس عمر کا ہو کہ اس آدمی کا بیٹا بن سکتا ہو اس لئے کہا کہ اگر لڑکے کی عمر پندرہ سال

ہو اور باپ کی عمر بیس سال ہو تو کیسے یہ لڑکا اس کا بیٹا بنے گا یہ تو ظاہر کے لحاظ سے جھوٹ ہو جائے گا اس لئے قید لگائی۔

(۲) **لیس له نسب معروف** یعنی لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو اس لئے کہا کہ اگر لڑکا ثابت النسب ہوگا تو مقر سے نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ ایک بیٹا دو آدمیوں کا نہیں ہو سکتا۔

(۳) **صدقه الغلام** یعنی بچہ اس کی تصدیق بھی کر دے کہ میں اس کا بیٹا ہوں اس لئے کہا کہ جب لڑکا بول سکتا ہے تو کسی سے نسب ثابت کرنا اس کا ذاتی حق ہے اگر لڑکا بیٹا ہونے کی تصدیق نہ کرے تو مرد سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

(۱۱۴۰/۵۱) وَيَجُوْزُ اِقْرَارُ الرَّجُلِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجَةِ وَالْوَلَدِ وَالْمَوْلٰى.

ترجمہ: اور جائز ہے آدمی کا اقرار کرنا کسی کے متعلق ماں باپ بیوی بچہ اور آقا ہونے کا۔

تشریح: ایک آدمی اقرار کرتا ہے کہ خالد اور اس کی بیوی میرے والدین ہیں یا ساجدہ میری بیوی ہے یا آفتاب میرا بیٹا ہے یا میرا آزاد کرنے والا ہے اور یہ لوگ بھی تصدیق کرتے ہوں کہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مقر کہتا ہے تو یہ اقرار درست ہے۔

دلیل: ان نسبوں کے اقرار کی وجہ دوسروں پر نسب کا الزام رکھنا نہیں ہے اور نہ دوسروں کا نسب ثابت کرنا ہے بلکہ صرف اپنے نسب کی نسبت کسی کی طرف کرنا ہے چونکہ دوسروں کا کوئی نقصان نہیں ہے اس لئے اقرار جائز ہے۔

(۱۱۴۱/۵۲) وَيُقْبَلُ اِقْرَارُ الْمَرْأَةِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ وَالْمَوْلٰى وَلَا يُقْبَلُ اِقْرَارُهَا بِالْوَلَدِ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهَا الزَّوْجُ فِيْ ذٰلِكَ اَوْ تَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا قَابِلَةٌ.

ترجمہ: اور قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار کسی کے متعلق والدین شوہر اور آقا ہونے کا اور قبول نہیں کیا جائے گا عورت کا اقرار کسی کے متعلق لڑکا ہونے کا مگر یہ کہ تصدیق کر دے شوہر اس کی اس بارے میں یا گواہی دے دایہ اس کی پیدائش کی۔

تشریح: عورت اقرار کرتی ہے کہ فلاں بچہ میرا بیٹا ہے تو عورت کا یہ اقرار اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا جب تک کہ اس کا شوہر تصدیق نہ کر دے کہ ہاں یہ اس کا بیٹا ہے یا دایہ گواہی دے کہ اس عورت کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔

دلیل: عورت کا یہ کہنا کہ یہ میرا بیٹا ہے گویا کہ اس کا نسب اپنے شوہر سے ثابت کرنا چاہتی ہے کیونکہ بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے اس لئے شوہر کی تصدیق ضروری ہے البتہ دایہ گواہی دے کہ اس عورت کو بچہ ہوا ہے اور اسی بچہ کے بارے میں عورت اقرار کرتی ہے تو شوہر اس کی تصدیق نہ بھی کرے تب بھی بیٹے کا نسب عورت سے ثابت ہوگا اور پھر چونکہ عورت شوہر کے لئے فراش ہے اس لئے شوہر سے بھی اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ جہاں مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے وہاں دایہ کی گواہی قابل قبول ہے اور اسی گواہی سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

(۱۱۴۲/۵۳) وَمَنْ اَقَرَّ بِنَسَبٍ مِنْ غَيْرِ الْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ مِثْلُ الْاَخِ وَالْعَمِّ لَمْ يُقْبَلْ اِقْرَارُهُ بِالنَّسَبِ.

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا نسب کا والدین اور اولاد کے علاوہ کا مثلاً بھائی کا یا چچا کا تو اس کے نسب کا اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: کسی آدمی نے کہا کہ فلاں شخص میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو یہ اقرار قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ بھائی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے تو دوسرے سے نسب ثابت کرنا لازم آیا اور ماقبل میں گذر چکا ہے کہ غیر پر نسب کا الزام نہیں رکھ سکتا اس لئے بھائی کا اقرار باطل ہے اسی طرح یہ کہے کہ یہ میرا چچا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے دادا کا بیٹا ہے تو دادا سے نسب ثابت کر دیا جو درست نہیں اس لئے چچا ہونے کا بھی اقرار نہیں کر سکتا۔

(۱۱۴۳/۵۴) فَاِنْ كَانَ لَهُ وَارِثٌ مَعْرُوْفٌ قَرِيْبٌ اَوْ بَعِيْدٌ فَهُوَ اَوْلٰى بِالْمِيْرَاثِ مِنَ الْمُقَرِّ لَهُ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَارِثٌ اِسْتَحَقَّ الْمُقَرُّ لَهُ مِيْرَاثَهُ.

ترجمہ: پھر اگر ہو اس کا کوئی وارث معروف النسب قریبی یا بعیدی تو وہ میراث کا زیادہ حقدار ہوگا مُقَر لہ سے ہاں اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو مقر لہ مستحق ہوگا اس کی میراث کا۔

تشریح: مسئلہ نمبر ۵۳ میں گذر چکا ہے کہ بھائی یا چچا ہونے کا اقرار قبول نہیں ہے اب اگر مقر کا کوئی وارث ہے خواہ وہ قریبی وارث ہو یا دور کا وارث ہو تو وہ مقر کی میراث کا حقدار ہوگا کیونکہ جن کے بھائی اور چچا ہونے کا اقرار کیا تھا ان کا نسب ہی ثابت نہ ہو سکا اس لئے وہ مرنے والے کے وارث بھی نہ بنیں گے ہاں اگر کوئی وارث ہی نہ ہو تو اب جن کے لئے بھائی یا چچا ہونے کا اقرار کیا ہے وہ وارث ہوں گے کیونکہ مقر کا اپنا مال ہے کوئی وارث نہ ہونے کے وقت جس کو چاہے دے سکتا ہے ان کو وراثت صرف اقرار کی بنیاد پر مل رہی ہے۔

(۱۱۴۴/۵۵) وَمَنْ مَاتَ اَبُوْهُ فَاَقَرَّ بِاَخٍ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُ اَخِيْهِ مِنْهُ وَيُشَارِكُهُ فِي الْمِيْرَاثِ.

ترجمہ: کسی کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس نے کسی کے متعلق بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس سے اس کے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن میراث میں اسکا شریک ہو جائے گا۔

تشریح: ایک شخص کے والد کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اس شخص نے کسی کے متعلق یہ اقرار کیا کہ وہ میرا بھائی ہے تو بھائی ہونے کا نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن بھائی کا اقرار کرنے والے کو والد کی میراث میں سے جتنا حصہ ملے گا۔ اس میں سے آدھا مقر لہ کو بھی دینا پڑے گا۔

دلیل: بھائی کے اقرار کرنے کے دو مقصد ہیں۔

(۱) باپ سے نسب ثابت کرنا یہ تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے معتبر نہ ہوگا۔

(۲) اس کو باپ کی میراث میں شریک کرنا یہ معتبر ہوگا لیکن صرف اقرار کرنے والے کی میراث میں سے آدھا حصہ دیا جائے گا دوسرے بھائیوں کے حصوں میں سے نہیں دیا جائے گا تا کہ ان کا نقصان نہ ہو اور اقرار کرنے کا دوسرا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ۲/ ۲۷)

كِتَابُ الإِجَارَةِ

یہ کتاب اجارہ کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: قوام دین عہدوں پاسداری پر موقوف ہے اور قوام دنیا عقود کی درستگی پر موقوف ہے پھر عقود کی دو قسمیں ہیں (۱) عقد معاوضہ (۲) عقد تبرع۔ پھر عقود معاوضہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عقد مع الاعیان جیسے بیوع (۲) عقد مع المنافع جیسے اجارات، پھر چونکہ عقود علی الاعیان زیادہ قوی ہیں اس لئے مصنف نے اولاً بیوع اور اس کے توابع کو بیان کیا پھر عقود اجارات کو پیچھے بیان کیا ان کے کمزور ہونے کی وجہ سے۔ (رقم الحاشیہ ۶)

اجارہ کی لغوی تحقیق: اجارہ لغت کے اعتبار سے اجرۃ کا اسم ہے۔ اس مزدوری کو کہتے ہیں کہ جس کا استحقاق عمل خیر پر ہو لیکن اکثر اس کا استعمال ایجار مصدر کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم فاعل اس معنی میں نہیں آتا بعض اہل لغت کے نزدیک اجارہ فعالہ کے وزن پر مفاعلت سے ہے الغرض اختلاف اس بات میں ہے کہ لفظ اجارہ باب افعال سے ہے یا باب مفاعلۃ سے صاحب کشاف علامہ زمخشری نے دونوں بابوں سے تسلیم کیا ہے۔ (حاشیہ قدوری ۶)

اصطلاحی تعریف: اجارہ وہ عقد ہے جو معلوم معاوضہ پر منافع معلومہ پر ہوتا ہے خواہ عوض مالی ہو یا غیر مالی مثلاً گھر کی رہائش کے منافع چوپایہ کی سواری کے عوض دینا۔ صاحب جوہرۃ النیرۃ نے یہ تعریف کی ہے۔ اجارہ ایسا عقد ہے جو منافع پر مال کے عوض ہوتا ہے اور منافع جس قدر پائے جائیں اسی حساب سے اجارہ منعقد ہوتا رہتا ہے۔

الحاصل: ایک جانب سے منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین چیز ہو مثلاً روپے، پیسے، دراہم، دینار، کیلی، وزنی چیز ہو تو اس کو اجارہ کہتے ہیں۔

اجارہ کا ثبوت

اجارہ میں منفعت معدوم ہوتی ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے اور احادیث کی وجہ سے کچھ شرائط کے ساتھ اجارہ جائز قرار دیا گیا اس کا ثبوت اس آیت میں ہے عَلٰی اَنْ تَاجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ (آیت ۲۷ سورۃ القصص پارہ ۲۰) یعنی حضرت شعیبؑ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا آپ سے نکاح کر دوں اس بدلے میں کہ آٹھ سال تک اجرت کا کام کریں۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی آٹھ سال تک بکری چرانے کی اجرت پر کی گئی ہے۔ نیز حدیث میں بھی ثبوت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

قیامت کے دن تین آدمیوں کا میں مدعی ہوں گا ایک وہ آدمی جس نے میری وجہ سے عہد کیا پھر دھوکہ دیا دوسرے وہ آدمی جس نے آزاد کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرے وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا اور اس سے پورا کام لیا پھر اس کو اجرت نہیں دی۔ (بخاری شریف ۱/۳۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجارہ جائز ہے۔ نیز عہد نبوی سے لے کر آج تک اس بات پر اجماع ہے کہ اجارہ جائز ہے۔

(۱/۱۱۴۵) اَلْاِجَارَةُ عَقْدٌ عَلَی الْمَنَافِعِ بِعِوَضٍ.

ترجمہ: اجارہ عقد ہے منافع پر عوض کے بدلے۔

تشریح: اجارہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانب منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین چیز ہو مثلاً درہم دینار وغیرہ اس کو عقد اجارہ کہتے ہیں۔

(۲/۱۱۴۶) وَلَاتَصِحُّ حَتّٰی تَكُوْنَ الْمَنَافِعُ مَعْلُوْمَةً وَالْاُجْرَةُ مَعْلُوْمَةً.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے اجارہ یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت بھی معلوم ہو۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب اجارہ کے صحیح ہونے کی شرط بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ منافع کتنے ہوں گے ان کی مقدار کیا ہوگی وہ بھی معلوم ہوں اور اس کے بدلے اجرت کتنی ہوگی وہ بھی معلوم ہو تب اجارہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اگر منافع اور اجرت معلوم نہ ہوں تو جھگڑا ہوگا۔ نیز ثَمٰنِیَ حِجَجٍ سے منافع معلوم ہوئے اور انکحك سے عوض بھی معلوم ہوا۔ اس لئے دونوں کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

(۳/۱۱۴۷) وَمَا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ اُجْرَةً فِي الْاِجَارَةِ.

ترجمہ: اور جو چیز جائز ہے کہ بیع میں ثمن ہو جائز ہے کہ وہ اجارہ میں اجرت ہو۔

تشریح: جو چیز بیع میں ثمن اور قیمت بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجارہ میں اجرت بن سکتی ہیں۔

دلیل: اجارہ میں اجرت بیع میں ثمن کی طرح ہے اس لئے جو چیزیں ثمن بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجرت بن سکتی ہیں مثلاً دراہم، دنانیر، کیلی اور وزنی چیزیں۔

(۴/۱۱۴۸) وَالْمَنَافِعُ تَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالْمُدَّةِ كَاسْتِيْجَارِ الدُّوْرِ لِلسُّكْنٰى وَالْاَرَضِيْنَ لِلزِّرَاعَةِ فَيَصِحُّ الْعَقْدُ عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ اَىَّ مُدَّةٍ كَانَتْ.

حل لغات: استیجار اجرت پر لینا، الدور دار کی جمع مکان، گھر، السکنیٰ رہنے کی جگہ، ارضین ارض کی جمع ہے حالت جری میں ہے زمین، زراعۃ کاشتکاری، ای مدۃ کانت اس جملہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے

مدۃ لمبی ہو یا مختصر دونوں جائز ہے۔

ترجمہ: اور منافع کبھی معلوم ہوتے ہیں مدت کے ذریعہ جیسے اجرت پر لینا مکانوں کو رہنے کے لئے اور زمینوں کو کاشتکاری کے لئے تو عقد صحیح ہوگا مدت معلومہ پر کوئی بھی مدت ہو۔

منافع معلوم ہونے کے طریقوں کا بیان

تشریح: اس عبارت میں پہلا طریقہ بیان کرر ہے ہیں چناں چہ فرمایا اجارہ کے صحیح ہونے کے لئے اجرت اور منفعت دونوں کا معلوم ہونا ضروری ہے مزدوری کے معلوم ہونے میں تو کوئی پوشیدگی نہیں تھی البتہ منفعت کے معلوم ہونے میں تھوڑی سی پوشیدگی ہے اس لئے اس کو بیان کرر ہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ منفعت معلوم ہونے کے کئی طریقے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مدت بیان کردی جائے کہ کتنی مدت کے لئے یہ چیز لے رہا ہے اس مدت سے منفعت کا پتہ چل جائے گا مدت کم ہو یا زیادہ جو بھی مدت متعین کردے اجارہ صحیح ہو جائے گا مثلاً مکان رہنے کے لئے ایک خاص مدت کیلئے کرایہ پر لینا یا زمین کا ایک متعین مدت کیلئے کاشتکاری کے لئے کرایہ پر لینا اس سے منفعت کا پتہ چل جائے گا۔

وقف کی جائیدادوں کو کرایہ پر اٹھانے کا مسئلہ

ظاہر مذہب یہ ہے کہ کوئی بھی آدمی اپنی جائداد کو خواہ صحرائی ہو یا سکنائی کسی بھی متعین مدت کے لئے کرایہ پر دے سکتا ہے اس کی کوئی تحدید نہیں ہے لیکن حضرات فقہاء نے فرمایا کہ وقف کی جائدادوں میں طویل مدت تک کرایہ پر دینے میں ناجائز قبضہ کا احتمال ہے لہٰذا وقف کی صحرائی جائداد میں یک بارگی صرف تین سال تک ہی کرایہ پر دی جاسکیں گی اور سکنائی جائدادیں (مکان دوکان وغیرہ) صرف ایک سال کے معاہدہ پر کرایہ کے بطور دی جاسکتی ہیں اس مدت کے بعد دوبارہ معاہدہ کی تجدید کرانی ہوگی تاکہ موقوفہ جائدادوں پر ناجائز قبضوں کی روک تھام ہوسکے۔ (شرح عقود رسم المفتی ۹۶/ درمختار ۶/ ۶)

(۵/۱۱۴۹) وَتَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالْعَمَلِ وَالتَّسْمِيَةِ كَمَنِ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا عَلَى صَبْغِ ثَوْبٍ اَوْ خِيَاطَةِ ثَوْبٍ اَوِ اسْتَأْجَرَ دَابَّةً لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا مَعْلُوْمًا اِلٰى مَوْضِعٍ مَعْلُوْمٍ اَوْ يَرْكَبَهَا مَسَافَةً مَعْلُوْمَةً.

حل لغات: صبغ مصدر باب (ن ض ف) رنگنا، خیاطۃ سینا۔

ترجمہ: اور منافع کبھی معلوم ہوتے ہیں عمل کے ذریعہ اور متعین کرنے کے ذریعہ جیسے کسی نے اجرت پر لیا ایک آدمی کو کپڑا رنگنے یا کپڑا سینے کے لئے یا اجرت پر لیا چوپایہ تاکہ لادے اس پر مقدار معلوم ایک معلوم جگہ تک یا اس پر سوار ہوگا مسافت معلومہ تک۔

دوسرے طریقے کا بیان

تشریح: منافع معلوم ہونے کے مختلف طریقے ہیں مثلاً کام متعین کر کے منفعت کی تعیین ہو جائے گی جیسے کپڑے کی رنگائی کے لئے آدمی کو اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اس کے بدلے اتنے کپڑے رنگنے ہیں اور سرخ زرد وغیرہ کی تعیین کردی جائے۔ یا اتنے کپڑے سینے ہیں اور سلائی کی قسم بیان کردی جائے یا جانور اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اور اس پر دو کوئنٹل گیہوں لاد کر پانچ کلومیٹر جانا ہے یا پچاس کلومیٹر تک اس پر سوار ہو کر سفر کروں گا۔ تو اس طرح تعیین کے ذریعہ سے منفعت کا پتہ چل جائے گا۔

(۱۱۵۰/۶) وَتَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالتَّعْيِيْنِ وَالْإِشَارَةِ كَمَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلاً لِيَنْقُلَ هٰذَا الطَّعَامَ اِلٰى مَوْضِعٍ مَعْلُوْمٍ.

ترجمہ: اور کبھی معلوم ہوتے ہیں تعیین اور اشارہ کرنے کے ذریعہ جیسے کسی نے اجرت پر لیا کسی آدمی کو تا کہ منتقل کرے وہ یہ غلہ فلاں جگہ تک۔

تیسرے طریقے کا بیان

تشریح: کبھی منافع اس طرح بھی معلوم ہو جاتے ہیں کہ کام کی تعیین کر دے اور اس کی طرف اشارہ کر دے مثلاً کسی کو اجرت پر لیا کہ اس غلہ کو فلاں جگہ تک لاد کر لے جانا ہے اور اتنی اجرت ملے گی تو منفعت معلوم ہوگی لہٰذا عقد درست ہو جائے گا۔

(۱۱۵۱/۷) وَيَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الدُّوْرِ وَالْحَوَانِيْتِ لِلسُّكْنٰى وَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ مَا يَعْمَلُ فِيْهَا وَلَهٗ اَنْ يَعْمَلَ كُلَّ شَيْئٍ اِلَّا الْحِدَادَةَ وَالْقِصَارَةَ وَالطَّحْنَ.

حل لغات: حوانیت واحد حانوت دوکان، الحدادۃ لوہار کا کام کرنا، القصارۃ دھوبی کا پیشہ، الطحن مصدر باب فتح سے پیسنا۔

ترجمہ: اور جائز ہے گھروں اور دوکانوں کو کرایہ پر لینا رہائش کے لئے اگر چہ نہ بیان کرے وہ کام جو اس میں کرے گا اور جائز ہے اس کے لئے کہ ہر کام کرے مگر لوہار کا دھوبی کا اور پسائی کا۔

اجارہ کی وہ صورتیں جو جائز ہیں

تشریح: مکان و دوکان کا اجارہ صحیح ہے گو وہ کام بیان نہ کرے جو اس میں کیا جائے گا اب مستاجر جو کام چاہے

کرسکتا ہے کیونکہ عقد مطلق ہے لیکن لوہا کوٹنے کا کام کپڑے دھونے کا کام اور آٹا پیسائی کا کام نہیں کرسکتا۔

دلیل: اگر پہلے سے طے نہ ہو کہ کیا کام کرنا ہے تو وہ تمام کام کرسکتا ہے جس میں گھر کی دیوار کو نقصان نہ ہو یا گھر کے فرش کا نقصان نہ ہو لیکن جن کاموں میں نقصان ہے وہ کام نہیں کرسکتا، مثلاً لوہاری کام سے دیواریں کمزور ہوتی ہیں کپڑا دھونے کے کام سے فرش خراب ہوتا ہے اور آٹا پیسائی کے کام سے فرش گندہ ہوتا ہے اور دیوار بھی کمزور ہوتی ہیں اس لئے یہ کام بغیر مالک مکان کی اجازت کے نہیں کرسکتا۔

(۸/۱۱۵۲) وَيَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الْاَرَاضِيْ لِلزِّرَاعَةِ وَلِلْمُسْتَاجِرِ الشُّرْبُ وَالطَّرِيْقُ وَاِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ.

حل لغات: الشرب پانی پلانا، پانی پلانے کی باری

ترجمہ: اور جائز ہے زمینوں کو کرایہ پر لینا کھیتی کے لئے اور مستاجر کے لئے ہوگی پانی کی باری اور راستہ اگرچہ اس کی شرط نہ لگائی ہو۔

تشریح: زمین کو کھیتی کرنے کے لئے اجرت پر لینا جائز ہے اور پانی سینچنے کی جو باری ہوتی ہے یا کھیت تک آنے کا جو راستہ رہتا ہے وہ بھی خود بخود مل جائیں گے چاہے کھیت اجرت پر لیتے وقت ان کی شرط نہ لگائی ہو کیونکہ یہ چیزیں بنیادی ہیں اس لئے بغیر شرط لگائے بھی یہ چیزیں اجارہ میں داخل ہوں گی۔

(۹/۱۱۵۳) وَلَا يَصِحُّ الْعَقْدُ حَتّٰى يُسَمِّيْ مَايَزْرَعُ فِيْهَا اَوْ يَقُوْلَ عَلٰى اَنْ يَزْرَعَ فِيْهَا مَاشَاءَ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے عقد یہاں تک کہ بیان کردے وہ چیز جو اس میں بوئے گا یا کہے کہ اس شرط پر کہ جو چاہو اس میں بوؤ۔

تشریح: زمین کرایہ پر لیتے وقت یہ بھی طے کرنا ضروری ہے کہ کیا چیز اس میں بوئے گا تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو یا کھیت والا یہ کہہ دے کہ جو چیزیں آپ چاہیں بوئیں تو کچھ بھی بو سکتا ہے۔

دلیل: بعض غلے ایسے ہیں کہ ان کے بونے سے زمین خراب ہوتی ہے جیسے مکئی اور بعض غلوں کے بونے سے زمین اچھی ہوتی ہے جیسے خربوزہ وغیرہ اس لیے اجرت پر لیتے وقت یہ طے کرنا ہوگا کہ کون سا غلہ اس میں بوئے گا یا کھیت والا عام اجازت دیدے۔ پھر عقد اجارہ درست ہوجائے گا۔ حاشیہ قدوری (۱۱)

(۱۰/۱۱۵۴) وَيَجُوْزُ اَنْ يَسْتَاجِرَ السَّاحَةَ لِيَبْنِيَ فِيْهَا اَوْ يَغْرِسَ فِيْهَا نَخْلًا اَوْ شَجَرًا فَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْاِجَارَةِ لَزِمَهٗ اَنْ يَقْلَعَ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ وَيُسَلِّمَهَا فَارِغَةً اِلَّا اَنْ يَخْتَارَ صَاحِبُ الْاَرْضِ اَنْ يَغْرَمَ لَهٗ قِيْمَةَ ذٰلِكَ مَقْلُوْعًا وَيَتَمَلَّكَهٗ اَوْ يَرْضٰى بِتَرْكِهٖ عَلٰى حَالِهٖ فَيَكُوْنُ الْبِنَاءُ لِهٰذَا وَالْاَرْضُ لِهٰذَا.

حل لغات: الساحۃ خالی زمین، یغرس: باب (ض) م غرساً پودہ لگانا، یقلع باب (ف) مصدر

قلعاً جڑ سے اکھیڑنا، یغرم باب (س) مصدر غرماً قرض وغیرہ ادا کرنا۔ تاوان دینا، لھٰذا جو پہلے ہے اس کا مشارالیہ مستاجر ہے اور جو آخر میں ہیں آ رہا ہے اس کا مشارالیہ مالک زمین ہے۔

ترجمہ: اور جائز ہے خالی زمین کو کرایہ پر لینا تا کہ اس میں عمارت بنائے یا کھجور کے درخت یا پھلدار درخت لگائے پھر جب اجارہ کی مدت ختم ہو جائے تو ضروری ہوگا اس کے لئے یہ کہ اکھاڑ لے عمارت اور درخت اور زمین والے کو خالی زمین سپرد کرے مگر یہ کہ زمین والا پسند کرے کہ اکھڑنے ہوئے کی قیمت دے اور (گھر یا درخت کا) مالک ہو جائے یا راضی ہو جائے اس کو چھوڑنے پر جوں کی توں (اس صورت میں) عمارت (اور درخت) اس (کرایہ دار) کے لئے اور زمین اس (مالک زمین) کے لئے ہوگی۔

تشریح: زمین عمارت بنانے یا درخت لگانے کے لئے کرایہ پر لینا درست ہے۔ مثلاً دس سال کے لئے خالی زمین اجرت پر لی تھی اور اس میں عمارت بنائی تھی یا درخت لگائے تھے تو دس سال پورے ہونے کے بعد مستاجر اپنی عمارت توڑ کر اور درخت اکھاڑ کر جیسی خالی زمین کرایہ کے وقت لی تھی ویسی ہی بالکل خالی کر کے زمین والے کو حوالے کرے ہاں اگر زمین والا اس بات پر راضی ہو جائے کہ ٹوٹے ہوئے گھر اور اکھڑے ہوئے درخت کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ مستاجر کو دیدے اور گھر اور درخت کا مالک ہو جائے تو ایسا کر سکتا ہے یہ الگ سے خرید وفروخت ہے جس میں کھیت والا اور کرایہ پر دینے والے دونوں کی رضامندی ضروری ہے اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کرایہ پر لینے کی مدت ختم ہوگئی تو کرایہ دار کو گھر توڑنا چاہئے اور درخت کاٹنا چاہئے لیکن دونوں اس بات پر راضی ہو جائیں کہ مزید زمانہ کے لئے گھر اور درخت زمین میں چھوڑ دو تو ایسا کرنے کی بھی گنجائش ہے اس صورت میں زمین زمین والے کی رہے گی اور مکان یا درخت مستاجر کے رہیں گے۔

(۱۱۵۵/۱۱) وَيَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الدَّوَابِّ لِلرُّكُوْبِ وَالْحَمْلِ فَاِنْ اَطْلَقَ الرُّكُوْبَ جَازَ لَهٗ اَنْ يُّرْكِبَهَا مَنْ شَاءَ وَكَذٰلِكَ اِنِ اسْتَاْجَرَ ثَوْبًا لِلُّبْسِ وَاَطْلَقَ.

حل لغات: دواب: دابة کی جمع سواری کا جانور، حمل بوجھ اٹھانا، اطلق مطلق چھوڑا ہو، کسی کو متعین نہ کیا ہو۔ یرکب، ارکاب سے ہے اور من شاء محل نصب میں ہے مفعول ہونے کی وجہ سے۔

ترجمہ: اور جائز ہے چوپایوں کو کرایہ پر لینا سوار ہونے اور بوجھ لادنے کے لئے پھر اگر مطلق رکھے سوار ہونے کو تو جائز ہے اس کے لئے کہ اس پر سوار کرائے جس کو بھی چاہے اور ایسے ہی اگر اجرت پر لے کپڑے کو پہننے کے لئے اور مطلق رکھے۔

تشریح: اگر کسی نے چوپایہ مثلاً گھوڑا وغیرہ سواری یا بوجھ لادنے کے لئے کرایہ پر لیا تو جائز ہے اب اگر کسی سواری کو متعین نہیں کیا تو کسی بھی آدمی کو اس پر سوار کرا سکتا ہے اسی طرح بوجھ لادنے کیلئے اجرت پر لیا کونسی چیز لادے گا

اس کی تعیین نہیں کی تو کوئی چیز بھی چوپایہ پر لادسکتا ہے البتہ ایسی چیز نہیں لادسکتا ہے جس سے جانور کی ہلاکت یا اس کے نقصان کا غالب گمان ہو ایسے ہی اگر کپڑا پہننے کے لئے اجرت پر لیا تو لے سکتا ہے اور پہننے والے کی تعیین نہیں کی تو کوئی بھی آدمی اس کپڑے کو پہن سکتا ہے۔

(۱۱۵۶/۱۲) فَإِنْ قَالَ لَهُ عَلىٰ اَنْ يَرْكَبَهَا فُلاَنٌ اَوْ يَلْبَسَ الثَّوْبَ فُلاَنٌ فَأَرْكَبَهَا غَيْرَهُ اَوْ اَلْبَسَهُ غَيْرَهُ كَانَ ضَامِناً اِنْ عَطِبَتِ الدَّابَّةُ اَوْتَلِفَ الثَّوْبُ.

حل لغات: عطبت (س)عطباً ہلاک ہونا، تلف (س)تلفاً برباد ہونا، ضائع ہونا۔

ترجمہ: اگر کہا چوپائے والے کو یہ کہ اس پر سوار ہوگا فلاں یا کپڑا پہنے گا فلاں پھر سوار کیا اس کے علاوہ کو یا پہنایا اس کے علاوہ کو تو ضامن ہوگا اگر ہلاک ہو گیا چوپایہ یا ضائع ہو گیا کپڑا۔

تشریح: کسی نے جانور کرایہ پر لیا اور اس پر کسی خاص آدمی کے سوار ہونے کو کرایہ پر لیتے وقت متعین کیا بعد میں اس کے خلاف کیا اور دوسرے آدمی کو سوار کیا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہو گیا یہ کپڑا کرایہ پر لیا اور کسی غیر کو پہنایا اور کپڑا پھٹ کر برباد ہو گیا تو اس صورت میں مستاجر جانور اور کپڑے کا ضامن ہوگا۔

دلیل: استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے استعمال کرنے میں فرق پڑتا ہے کوئی بھاری سوار ہوتا ہے کوئی ہلکا سوار ہوتا ہے گدھا بھاری سوار کو مشکل سے لے جائے گا جب کہ ہلکے سوار کو آسانی سے منزل تک لے جائے گا ایسے ہی ماہر سوار جانور کو آرام سے لے جاتا ہے جب کہ اناڑی سوار جانور کو تنگ کر دیتا ہے یہی حال کپڑے پہننے والے کا ہے اس لئے جب ایک خاص آدمی کو متعین کیا اور بعد میں اس کے خلاف کیا تو یہ بات شرط کے خلاف ہوئی اب وہ سواری یا کپڑا مستاجر کے ہاتھ میں امانت نہ رہا بلکہ ضمانت ہوگئی اس لئے ہلاک ہونے پر جانور کا تاوان دینا ہوگا یا جو نقصان ہوا ہے وہ بھرنا ہوگا۔

(۱۱۵۷/۱۳) وَكَذٰلِكَ كُلُّ مَايَخْتَلِفُ بِاِخْتِلاَفِ الْمُسْتَعْمِلِ.

ترجمہ: اور اسی طرح ہر وہ چیز جو مختلف ہوتی ہے استعمال کرنے والے کے اختلاف سے۔

تشریح: وہ چیزیں جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے بالکل مختلف ہو جاتی ہیں ہر ایک کا یہی معاملہ ہے کہ اگر ایک آدمی کو متعین کیا اور اس کے علاوہ دوسرے کو استعمال کے لئے دیدیا اور اس سے وہ چیز ہلاک ہوگئی تو تاوان دینا پڑے گا۔

(۱۱۵۸/۱۴) فَاَمَّا الْعَقَارُ وَمَالاَ يَخْتَلِفُ بِاِخْتِلاَفِ الْمُسْتَعْمِلِ فَاِنْ شَرَطَ سُكْنىٰ وَاحِدٍ بِعَيْنِهٖ فَلَهٗ اَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهٗ.

ترجمہ: بہر حال زمین اور ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے نہیں بدلتی تو اگر شرط لگائی کسی خاص آدمی کی رہائش کی تو اس کو اختیار ہے کہ اس میں کسی اور کو رکھے۔

تشریح: زمین ہے یا مکان ہے جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ یا کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔ جیسے زمین میں کوئی بھی آدمی کھیتی کرے زمین پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اس لئے زمین کو کھیتی کے لئے کرایہ پر لے اور خاص آدمی کو متعین کرے پھر دوسرا کھیتی کرنے لگ جائے اور نقصان ہو جائے تو کرایہ دار پر ضمان لازم نہیں ہوگا ایسے ہی اگر مستاجر نے کوئی مکان کرایہ پر لیا اور یہ شرط لگائی کہ اس میں فلاں شخص رہے گا تو اس صورت میں مستاجر کو اختیار ہوگا کہ وہ اس مکان کو کسی دوسرے کو رہائش کے لئے دیدے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

(۱۱۵۹/۱۵) وَاِنْ سَمّٰی نَوْعاً وَقَدْراً يَحْمِلُهُ عَلَي الدَّابَّةِ مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ خَمْسَةُ اَقْفِزَةِ حِنْطَةٍ فَلَهُ اَنْ يَّحْمِلَ مَاهُوَ مِثْلُ الْحِنْطَةِ فِي الضَّرَرِ اَوْ اَقَلُّ كَالشَّعِيْرِ وَالسِّمْسِمِ وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَحْمِلَ مَاهُوَ اَضَرُّ مِنَ الْحِنْطَةِ كَالْمِلْحِ وَالْحَدِيْدِ وَالرَّصَاصِ.

حل لغات: اقفزة: قفیز کی جمع ہے ایک خاص وزن، شعیر: جو، السمسم تل، الملح: نمک (مذکر ومؤنث تانیث غالب ہے) تصغیر مُلَيْحَةٌ جمع مِلاحٌ، الحديد: لوہا، الرصاص: واحد رَصَاصَةٌ سیسہ ایک دھات جس سے بندوق کی گولیاں اور چھرے وغیرہ بناتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر متعین کردے ایک نوع اور مقدار جو لادے گا جانور پر مثلاً یہ کہے گیہوں کے پانچ قفیز تو اس کے لئے جائز ہے کہ لادے ایسی چیز جو گیہوں جیسی ہو مشقت میں یا کم ہو جیسے جو اور تل اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ لادے ایسی چیز جو زیادہ نقصان دہ ہو گیہوں سے جیسے نمک لوہا اور سیسہ۔

تشریح: اگر مستاجر نے کوئی جانور کرایہ پر لیا اور اس پر جو کچھ لادنا ہے اس کی قسم اور مقدار بیان کردی مثلاً شرط لگائی کہ پانچ قفیز گیہوں لادوں گا تو پانچ قفیز جو اور تل لادسکتا ہے کیوں کہ یہ نقصان دہ میں گیہوں سے کم ہیں ایسے ہی مسور اور ارڈ لادسکتا ہے کیوں کہ یہ نقصان دہ میں گیہوں کے برابر ہیں، البتہ وہ چیز جس کا بوجھ گیہوں سے زیادہ سخت ہو جیسے نمک لوہا وغیرہ یہ چیزیں جانور کو زیادہ نقصان دیتی ہیں، نیز موجر ان سے راضی بھی نہیں ہے، اس لئے یہ چیزیں نہیں لادسکتا۔

(۱۱۶۰/۱۶) فَاِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا قُطْناً سَمَّاهُ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَحْمِلَ مِثْلَ وَزْنِهِ حَدِيْداً.

حل لغت: قطن: روئی۔

ترجمہ: اگر کرایہ پر لیا چوپایہ کو تا کہ اس پر معین مقدار روئی لادے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ لادے اس پر

روئی کے وزن کے برابر لوہا۔

تشریح: چونکہ روئی نرم ہوتی ہے اس سے جانور کی پیٹھ زخمی نہیں ہوگی اور ہلکی محسوس ہوگی کیوں کہ وہ پیٹھ پر پھیل جاتی ہے برخلاف لوہے کے کہ وہ پیٹھ پر ایک جگہ اکٹھا رہتا ہے اور جانور کے لئے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اس لئے روئی کے وزن کے مانند لوہا نہیں لاد سکتا اگر لاد لیا اور جانور ہلاک ہوگیا تو ضمان لازم ہوگا (اللباب فی شرح الکتاب ۲/۳۰)

(۱۱۶۱/۱۷) وَاِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَرْكَبَهَا فَأَرْدَفَ مَعَهُ رَجُلاً آخَرَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ نِصْفَ قِيْمَتِهَا اِنْ كَانَتِ الدَّابَّةُ تُطِيْقُهُمَا وَلَا يُعْتَبَرُ بِالثِّقَلِ.

حل لغات: اردف: مصدر ارداقا اپنے پیچھے سوار کرنا، الثقل: بوجھ۔

ترجمہ: اور اگر کرایہ پر لیا چوپایہ تا کہ اس پر سوار ہو اور اپنے پیچھے دوسرے کو بھی سوار کرلیا اور وہ ہلاک ہوگیا تو اس کی آدھی قیمت کا ضمان ہوگا اگر چوپایہ دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو اور بوجھ کا اعتبار نہ ہوگا۔

تشریح: چوپایہ اجرت پر لیا تا کہ اس پر ایک آدمی سوار ہو اب اپنے پیچھے ایک اور آدمی کو سوار کرلیا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہوگیا اگر جانور ایسا تھا کہ دونوں آدمیوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا تھا تاہم وہ ہلاک ہوگیا تو مستاجر جانور کی آدھی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر جانور ایسا تھا کہ دونوں آدمیوں کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو مستاجر کل قیمت کا ضامن ہوگا اور آدمی سوار ہونے میں آدمی کی تعداد کا اعتبار ہے خود آدمی کے وزن کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

دلیل: کیوں کہ بسا اوقات کم بوجھ والے انسان کا سوار ہونا جانور کی پیٹھ کے لئے تکلیف کا باعث ہوتا ہے جب کہ وہ گھوڑ سواری کے فن سے ناواقف ہو اور جو گھوڑ سواری کے فن سے واقف ہوتا ہے اس کو اٹھانا جانور کے لئے آسان ہوتا ہے اگر چہ وہ بھاری ہو اس لئے سواروں کے بوجھ کا اعتبار نہ کر کے ان کی تعداد کا اعتبار کیا گیا ہے

(اللباب ۲/۳۰، الجوہرة النیرة ۱/۳۲۰)

(۱۱۶۲/۱۸) وَاِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَاراً مِنَ الْحِنْطَةِ فَحَمَلَ عَلَيْهَا اَكْثَرَ مِنْهُ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ مَازَادَ مِنَ الثِّقْلِ.

ترجمہ: اگر کرایہ پر لیا چوپایہ تا کہ لادے اس پر گیہوں کی ایک مقدار لیکن لادا اس پر اس سے زیادہ اور وہ چوپایہ ہلاک ہوگیا تو ضامن ہوگا جتنا بوجھ زیادہ ہو۔

تشریح: امام ابوالحسین قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کوئی جانور گیہوں لادنے کے لئے کرایہ پر لیا اور گیہوں کی مقدار بھی بیان کردی لیکن مستاجر نے مقدار سے زیادہ لادا مثلاً سو کلو گیہوں لادنے کی بات کی تھی اور پھر اس نے شرط کی مخالفت کرتے ہوئے ایک سو پچیس کلو گیہوں لادا تو اس میں پچیس کلو بلا اجازت کے ہوئے بشرطیکہ جانور کے

اندر اتنا بوجھ اٹھانے کی طاقت ہو اب اگر جانور اس بوجھ کی وجہ سے ہلاک ہوگیا تو پچیس کلو جو زیادہ لادا اس کا حساب کرکے قیمت کا ذمہ دار مستاجر کو بنائیں گے مثلاً جانور کی قیمت ایک سو پچیس روپے تھی تو کرایہ پر لینے والا پچیس روپے کا ذمہ دار ہوگا اور باقی ایک سو روپے موجر کے گئے۔

اور اگر اتنا بوجھ ہو کہ اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں تھی تو خلاف عادت بوجھ لادنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے بصورت ہلاکت مستاجر جانور کی پوری قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔

(۱۱۶۳/۱۹)وَاِنْ كَبَحَ الدَّابَّةَ بِلِجَامِهَا اَوْ ضَرَبَهَا فَعَطِبَتْ ضَمِنَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالٰى وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَضْمَنُ.

حل لغات: كبح: (ف) كبحاً، چوپائے کو لگام کھینچ کر ٹھہرانا، لِجَام: لگام جمع لُجُم.

ترجمہ: اگر کھینچا چوپایہ لگام سے یا اس کو مارا اور وہ ہلاک ہوگیا تو ضامن ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: کسی نے چوپایہ کو کرایہ پر لیا اور اس کو اپنی طرف سختی سے لگام کھینچ کر کھڑا کرنا چاہا یا اس کو ملا جس سے چوپایہ ہلاک ہوگیا تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مستاجر ضامن ہوگا۔

دلیل: امام صاحب فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنے کا حق بشرط سلامت ہے اس طرح لگام کھینچنے کا حق نہیں ہے کہ جانور ہلاک ہوجائے اس نے احتیاط سے کام نہیں لیا اس لئے ضامن ہوگا (اللباب ۳۱/۲)

صاحبین فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنا اس کا ذاتی حق ہے اس کے بغیر تو جانور کو کھڑا ہی نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے یہ تعدی نہیں ہے لہٰذا کرایہ والے پر تاوان لازم نہیں ہوگا۔

دلیل: عرف عام کے اعتبار سے جو حقوق استعمال کئے تو چاہے جانور ہلاک ہوجائے اس پر تاوان نہیں ہے کیوں کہ معروف طریقے سے چلانے اور ٹھہرانے کا حق حاصل تھا، امام صاحب فرماتے ہیں کہ معروف طریقے پر جو حقوق استعمال کرنے کی اجازت ہے وہ اس شرط پر ہے کہ جانور سالم رہے ہلاک نہ ہو اگر جانور ہلاک ہوگیا تو حق استعمال کرنے کے باوجود ضامن ہوگا صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور اسی کی طرف امام صاحب کا رجوع بھی ثابت ہے (درمختار مع الشامی ۳۳/۵)

(۱۱۶۴/۲۰)وَالْاُجَرَاءُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ اَجِيْرٌ مُشْتَرَكٌ وَاَجِيْرٌ خَاصٌّ فَالْمُشْتَرَكُ مَنْ لَّا يَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ حَتّٰى يَعْمَلَ كَالصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ.

حل لغات: الاجراءُ: اَجِیر کی جمع مزدور، نوکر، الصَّبَّاغ: رنگریز، القصَّار: دھوبی۔

ترجمہ: اجیروں کی دو قسمیں ہیں اجیر مشترک اور اجیر خاص اجیر مشترک وہ ہے جو اجرت کا مستحق نہیں ہوتا

یہاں تک وہ کام کردے جیسے رنگریز اور دھوبی۔

اجیر کی قسموں کی بیان

تشریح: اجیر کی دو قسمیں ہیں (ا) اجیر مشترک جو کسی متعین شخص کا اجیر نہ ہو مثلاً درزی، دھوبی جو اپنی جگہ رہ کر کام کرتا ہے۔ ان کو اجرت کام کردینے پر ملے گی چونکہ یہ بیک وقت کئی آدمیوں کا کام لیتا ہے اس لیے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔

(۲۱/۱۱۶۵) وَالْمَتَاعُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِهٖ اِنْ هَلَكَ لَمْ يَضْمَنْ شَيْئًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَضْمَنُهٗ.

ترجمہ: اور سامان امانت ہے اس کے ہاتھ میں اگر ہلاک ہوجائے تو ضامن نہیں ہوگا امام صاحبؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ سامان کا ضامن ہوگا۔

تشریح: اجیر مشترک کے پاس اگر کوئی چیز جسے اس نے کام کرنے کیلئے لے رکھا تھا بغیر کسی تعدی اور عام آفت کے ہلاک ہوجائے تو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ امانت ہونے کی وجہ سے اجیر پر اس کے ضیاع کا کچھ ضمان نہ ہوگا۔

لیکن حضرات صاحبین نے فرمایا کہ اس زمانہ میں مشترک اجیر لوگوں کے اموال کی حفاظت میں سستی کرنے لگے ہیں اور یہی ان کا معمول بن گیا ہے اس لیے عام تباہی کے علاوہ صورت میں ایسے اجیروں پر حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر تاوان واجب کیا جائے گا تاکہ مفاسد کا سد باب ہوسکے (شامی ۵/۵۵)

نیز حضرت علیؓ ضمان لازم کرتے تھے رنگریز اور لوہار پر اور فرماتے تھے کہ لوگوں کے لئے اچھا نہیں ہے یہ (مصنف عبدالرزاق ۸/۲۱۷)

(۲۲/۱۱۶۶) وَمَا تَلِفَ بِعَمَلِهٖ كَتَخْرِيْقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهٖ وَزَلَقِ الْحَمَّالِ وَانْقِطَاعِ الْحَبْلِ الَّذِيْ يَشُدُّ بِهِ الْمُكَارِيْ الْحِمْلَ وَغَرْقِ السَّفِيْنَةِ مِنْ مَدِّهَا مَضْمُوْنٌ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَضْمَنُ بِهٖ بَنِيْ آدَمَ فَمَنْ غَرِقَ فِي السَّفِيْنَةِ اَوْ سَقَطَ مِنَ الدَّابَّةِ لَمْ يَضْمَنْهُ.

حل لغات: تخریق: باب تفعیل کا مصدر ہے پھاڑنا، دق: باب (ن) کا مصدر ہے کوٹنا مراد اس لکڑی کی ضرب اور چوٹ ہے جس سے دھوبی کپڑا پیٹتا ہے، زلق: باب (ن، س) پھسلنا، الحمال: بوجھ اٹھانے والا، قلی، المکاری: اسم فاعل باب مفاعلۃ مصدر مُكَارَاۃ کرایہ پر دینے والا، السفینۃ: کشتی، مد: باب (ن) کھینچنا لمبا کرنا، وماتلف الخ مبتدا ہے اور مضمون اس کی خبر ہے، الا انہ، مضمون سے استثناء ہے۔

ترجمہ: اور جو تلف ہوجائے اس کے عمل سے جیسے کوٹنے کی وجہ سے کپڑے کا پھاڑ دینا اور مزدور کا پھسل جانا اور اس رسی کا ٹوٹ جانا جس سے کرایہ پر دینے والا بوجھ باندھتا ہے اور کشتی کا ڈوب جانا رسی کے کھینچنے کی وجہ سے یہ سب

مضمون ہے مگر یہ نہیں ضامن ہوگا آدمی کا لہٰذا جو ڈوب جائے کشتی میں یا گر جائے سواری سے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: جو کام ہاتھ سے کئے جاتے ہیں ان میں نقصان ہو جائے تو اجیر پر ان کا تاوان لازم ہے مثلاً کپڑا دھونے کے لئے دیا دھوبی نے اس کو ایسا کوٹا کہ پھٹ گیا تو دھوبی پر اس کا تاوان ہوگا یا مزدور اور قلی پھسل گیا جس کی وجہ سے سر کا بوجھ نیچے گر گیا اور سامان ٹوٹ پھوٹ گیا تو مزدور پر اس کا تاوان لازم ہوگا یا جس رسی سے بوجھ باندھتے ہیں وہ ٹوٹ گئی اور سامان نیچے گر کر ٹوٹ گیا تو اس کا تاوان لازم ہوگا یا ملاح نے بے قاعدہ کشتی کھینچی اور وہ ڈوب گئی تو ان تمام صورتوں میں اسباب کے ضائع ہونے سے اجیر مشترک پر تاوان لازم آئے گا، یہ مسئلہ صاحبین کے مذہب پر ہے۔ اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کشتی کھینچنے کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی اور اس کی وجہ سے آدمی مر گیا تو آدمی کا ضمان اجیر پر نہیں ہوگا ایسے ہی لگام کھینچنے کی وجہ سے آدمی چوپایہ سے گر کر مر گیا تو اجیر پر آدمی کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

دلیل: اجیر سے غلطی ہوگئی آدمی کی جان گئی تو یہ قتل خطاء ہے اور قتل خطاء کا تاوان اجیر کے خاندان کے لوگ دیں گے اور قاعدہ ہے کہ اجیر کے خاندان کے لوگ جنایت کی وجہ سے جو قتل خطاء ہوا ہو اس کا تاوان دیں گے اور یہ قتل خطاء جنایت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ عقد اجرت کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے عاقلہ پر بھی تاوان نہیں ہے تو خود اجیر بھی انسانی ہلاکتوں کا تاوان نہیں دے گا۔ (عینی ۳/۴/۶۷۴، جوہرہ ۱/۳۲۲)

(۲۳/۱۱۶۷) وَاِذَا فَصَدَ الْفَصَّادُ اَوْ بَزَغَ الْبَزَّاغُ وَلَمْ يَتَجَاوَزِ الْمَوْضَعَ الْمُعْتَادَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا عَطِبَ مِنْ ذَالِكَ وَاِنْ تَجَاوَزَهٗ ضَمِنَ.

حل لغات: فصد: (ض) مصدر فصداً رگ کھول خراب خون نکالنا۔ الفصاد: فصد کھولنے والا، (بزغ: ب (ن) مصدر بزغاً، نشتر لگانا، جسم چیرنا، البزاغ: نشتر لگانے والا، الموضع المعتاد: جہاں جہاں تک جسم چیرنا مناسب ہو۔

ترجمہ: اگر فصد کھولنے والے نے فصد کھولی یا داغ لگانے والے نے داغ لگایا اور نہیں بڑھا معتاد جگہ سے تو ان دونوں پر ضمان نہیں ہے اس کا جو ان سے ہلاک ہوا اور اگر اس سے بڑھ گیا تو ضمان ہوگا۔

تشریح: فصد کھولنے والے کو جسم چیرنا پڑتا ہے اگر اس نے اتنا ہی چیرا جتنا چیرنا چاہئے تھا پھر بھی آدمی ہلاک ہو گیا تو فصد کھولنے والے پر کچھ تاوان نہ ہوگا اسی طرح داغ لگانے والے نے جسم پر اتنا ہی داغ لگایا جتنا لگانا چاہئے تھا پھر بھی ہلاک ہو گیا تو اس پر تاوان نہیں ہوگا اور اگر زیادہ لگا دیا جس کی وجہ سے ہلاک ہو گیا تو آدھی دیت لازم ہوگی۔

دلیل: مناسب مقام تک فصد لگانے اور جسم چیرنے کی اجازت ہے اس لیے اتنا چیرنے یا داغ لگانے سے ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہوگا ہاں زیادہ چیرنے سے ضامن ہوگا کیوں کہ اس کا حق نہیں تھا۔

(۲۴/۱۱۶۸) وَالْاَجِيْرُ الْخَاصُّ هُوَ الَّذِيْ يَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ بِتَسْلِيْمِ نَفْسِهٖ فِي الْمُدَّةِ وَاِنْ لَّمْ يَعْمَلْ كَمَنِ

اسْتَأْجَرَ رَجُلاً شَهْراً لِلْخِدْمَةِ اَوْ لِرَعْيِ الْغَنَمِ.

ترجمہ: اور اجیر خاص وہ ہے جو اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے اپنے آپ کو سپرد کر دینے سے مدت میں اگر چہ ابھی کام نہ کیا ہو جیسے مزدوری پر لیا کسی آدمی کو ایک ماہ خدمت کے لئے یا بکریاں چرانے کے لئے۔

اجیر خاص

تشریح: اجیر خاص جس کا دوسرا نام اجیر واحد بھی ہے اس کو کہتے ہیں جو ایک وقت معین تک صرف ایک مستاجر کا کام کرے اور کسی دوسرے کا نہیں جیسے صبح سے شام تک مزدور اجرت پر لیتے ہیں یا مثلاً ایک ماہ تک مالک کی خدمت کرے گا یا ایک ماہ تک مالک کی بکری چرائے گا تو یہ اجیر مشترک نہیں اجیر خاص ہے اس کا حکم یہ ہے کہ کام کم کرے یا زیادہ کرے یا نہ کرے صرف صبح سے شام تک مستاجر کو سپرد کر دے اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

(۱۱۶۹/۲۵) وَلَاضَمَانَ عَلَى الْاَجِيْرِ الْخَاصِّ فِيْمَا تَلِفَ فِيْ يَدِهٖ وَلَا فِيْ مَاتَلِفَ مِنْ عَمَلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّتَعَدّٰى فَيَضْمَنُ.

ترجمہ: اور نہیں ہے ضمان اجیر خاص پر اس کا جو ضائع ہو جائے اس کے اس کے ہاتھ میں اور نہ اس کا جو تلف ہو جائے اس کے عمل سے مگر یہ کہ زیادتی کرے تو وہ ضامن ہوگا۔

تشریح: اجیر خاص کے ہاتھ میں جا کر کوئی چیز ضائع ہو جائے یا جو منافع وجود میں آئے تھے ان میں سے کچھ نفع ضائع ہو گیا تو ان دونوں کے ضائع ہونے پر اجیر خاص پر تاوان نہیں ہے مثلاً بکری اس کے پاس سے بغیر اس کی تعدی کے ہلاک ہو گئی یا اس کے پاس سے غصب کر لی گئی تو اجیر پر بکری کا تاوان نہیں ہے یا بکری کے بچہ پیدا ہوا اور اجیر کے پاس مر گیا تو اس بچہ کا تاوان اجیر پر نہیں ہے کیوں کہ یہ مال امانت کے طور پر اس کے ہاتھ میں ہے اور بغیر تعدی کے امانت ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان لازم نہیں ہوتا (اللباب ۲/۳۳)

(۱۱۷۰/۲۶) وَالْاِجَارَةُ تُفْسِدُهَا الشُّرُوْطُ كَمَا تُفْسِدُ الْبَيْعَ.

ترجمہ: اور اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں شرطیں جیسا کہ وہ فاسد کر دیتی ہیں بیع کو۔

تشریح: جو شرطیں بیع کو فاسد کر دیتی ہیں وہ شرطیں اجارہ کو بھی فاسد کر دیتی ہیں مثلاً ایسی شرطیں لگانا کہ جن میں اجیر کا فائدہ ہو یا مستاجر کا فائدہ ہو، کیوں کہ اجارہ بھی بیع کی طرح ہے فرق یہ ہے کہ بیع میں عین شی کی بیع ہوتی ہے اور جارہ میں منافع کی بیع ہوتی ہے بہر حال عقد ہونے میں دونوں برابر ہیں اس لیے دونوں شروط فاسدہ سے فاسد ہو جائیں گے۔

(۱۱۷۱/۲۷) وَمَنِ اسْتَأْجَرَ عَبْداً لِلْخِدْمَةِ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يُّسَافِرَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ عَلَيْهِ ذَالِكَ فِي الْعَقْدِ.

ترجمہ: جس نے اجرت پر لیا غلام خدمت کے لئے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو ساتھ لے کر سفر کرے مگر یہ کہ شرط کرلے اس کی عقد میں۔

تشریح: کسی نے ایک غلام یا کسی آدمی کو اپنی خدمت کے لئے نوکر رکھا تو اس کو بغیر اس کی مرضی کے سفر میں نہیں لے جاسکتا ہاں عقد اجارہ کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ اس کو سفر میں لے جاؤں گا تو پھر لے جاسکتا ہے۔

دلیل: سفر میں مشقت ہوتی ہے اس میں خدمت کرنا مشکل کام ہے چناں چہ مطلق عقد اس کو شامل نہ ہوگا۔

(۱۱۷۲/۲۸) وَمَنِ اسْتَأْجَرَ جَمَلاً لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مَحْمِلاً وَرَاكِبَيْنِ اِلٰى مَكَّةَ جَازَ وَلَهُ الْمَحْمِلُ الْمُعْتَادُ وَاِنْ شَاهَدَ الْجَمَّالُ الْمَحْمِلَ فَهُوَ اَجْوَدُ.

حل لغات: جمل: اونٹ جمع جمالٌ، محمل: کجاوہ (اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں، المعتاد: عادة سے مشتق ہے جو عام عادت ہو، الجمال: اونٹوں کا مالک یا ساربان جمع جمّالۃٌ۔

ترجمہ: کسی نے اجرت پر لیا اونٹ کو تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار کرے مکہ تک تو جائز ہے اور اس کے لئے جائز ہے معتاد کجاوہ اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو اور اچھا ہے۔

تشریح: کسی نے اونٹ اجرت پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار ہوں تو یہ صورت جائز ہے اور مستاجر پر ضروری ہے کہ عام طور پر جو کجاوہ اونٹ پر رکھا جاتا ہے وہی کجاوہ رکھے نہ زیادہ بڑا ہو نہ زیادہ چھوٹا بلکہ معمولی بوجھ والا ہو اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو سفر سے پہلے ہی رضامندی ہو جائے گی اس لیے دیکھ لینا بہتر ہے۔

(۱۱۷۳/۲۹) وَاِنِ اسْتَأْجَرَ بَعِيْراً لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مِقْدَاراً مِّنَ الزَّادِ فَاَكَلَ مِنْهُ فِى الطَّرِيْقِ جَازَ لَهُ اَنْ يَرُدَّ عِوَضَ مَا اَكَلَ.

ترجمہ: اور اگر اجرت پر لیا اونٹ کو تا کہ لادے اس پر توشہ کی ایک مقدار پھر اس سے کچھ توشہ کھالیا راستہ میں تو جائز ہے اس کے لئے یہ کہ اتنا اور لوٹائے اس کے بدلے میں جو کھایا۔

تشریح: کسی نے اونٹ کرایہ پر لیا کہ اس پر ایک کونٹل توشہ لاد کر فلاں مقام تک لے جائے گا پھر راستہ میں دس کلو کھالیا تو اس کو حق ہے کہ الگ سے دس کلو اونٹ پر لادے کیوں کہ سو کلو لے جانے کی بات طے ہوئی تھی راستہ میں دس کلو کم ہو گیا تو اس کے بدلہ مزید دس کلو لادنے کا حق ہے۔

(۱۱۷۴/۳۰) وَالْاُجْرَةُ لَا تَجِبُ بِالْعَقْدِ وَتَسْتَحِقُّ بِاَحَدِ ثَلٰثَةِ مَعَانٍ اِمَّا بِشَرْطِ التَّعْجِيْلِ اَوْ بِالتَّعْجِيْلِ مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ اَوْ بِاسْتِيْفَاءِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ.

حل لغات: استیفاء: مصدر ہے باب استفعال سے پورا وصول کرنا، معقود علیہ: جس پر عقد ہوا ہو،

معان جمع ہے معنی کی۔

ترجمہ: اور اجرت نہیں واجب ہوتی عقد سے اور مستحق ہوتا ہے تین باتوں میں سے کسی ایک سے یا جلدی کا شرط لگانے سے یا بغیر شرط کے جلدی دے دینے سے، یا معقود علیہ حاصل کر لینے سے۔

استحقاق اجرت کا بیان

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اجرت اور کرایہ کی ادائیگی صرف معاملہ طے کرنے سے واجب نہیں ہوتی بلکہ تین باتوں میں سے ایک کے پائے جانے کی وجہ سے اجرت دینا واجب ہوگا (۱) معاملہ کرتے وقت ہی شرط لگادے کہ اجرت پہلے لوں گا (۲) پہلے دینے کی شرط تو نہیں لگائی لیکن مستاجر نے خود بخود اجرت پہلے دی (۳) مستاجر کا پوری منفعت حاصل کر لینا، تو مستاجر پر اجرت دینا واجب ہو جائے گا۔

(۱۱۷۵/۳۰) وَمَنِ اسْتَاجَرَ دَاراً فَلِلْمُوْجِرِ اَنْ يُّطَالِبَهٗ بِاُجْرَةِ كُلِّ يَوْمٍ اِلَّا اَنْ يُّبَيِّنَ وَقْتَ الْاِسْتِحْقَاقِ فِي الْعَقْدِ.

حل لغت: الموجر: اسم فاعل باب افعال سے کرایہ پر دینے والا۔

ترجمہ: کسی نے کرایہ پر لیا گھر تو اجرت پر دینے والے کو حق ہے کہ اس سے ہر دن کی اجرت طلب کرے مگر یہ کہ بیان کر دے استحقاق کا وقت عقد میں۔

تشریح: ایک آدمی نے کسی سے گھر کرایہ پر لیا اور ماہانہ یا سالانہ کرایہ طے نہیں کیا تھا تو مالکِ مکان کو حق ہے کہ ہر دن کا کرایہ مستاجر سے مانگے ہاں اگر اجرت ماہانہ یا سالانہ طے ہو تو مہینے میں یا سال میں طلب کرے گا۔

دلیل: ایک دن رات کا نفع قابل شمار ہے جس کا نفع مستاجر نے اٹھالیا ہے اس لیے ہر دن الگ الگ اجرت طلب کر سکتا ہے ہر گھنٹہ میں نہیں مانگ سکتا ورنہ پریشانی ہوگی۔

(۱۱۷۶/۳۲) وَمَنِ اسْتَاْجَرَ بَعِيْراً اِلٰى مَكَّةَ فَلِلْجَمَّالِ اَنْ يُّطَالِبَهٗ بِاُجْرَةِ كُلِّ مَرْحَلَةٍ.

حل لغات: بعیر: نو سال یا چار سال کا اونٹ یا اونٹنی جمع بُعْرانٌ، مرحلة: منزل، مسافت، مسافر کے ایک دن کا سفر جمع مراحل۔

ترجمہ: جس نے کرایہ پر لیا اونٹ مکہ تک تو اونٹ والے کے لئے جائز ہے کہ طلب کرے ہر منزل کا کرایہ۔

تشریح: کسی نے مکہ لے جانے کے لئے اونٹ کرایہ پر لیا اور طے نہیں کیا کہ سفر ختم ہونے کے بعد اجرت لے گا یا ہر ہر منزل پر اجرت طلب کرے گا تو اونٹ والے کو حق ہے کہ ہر ہر منزل پر اجرت الگ طلب کرے۔

نوٹ: اگر کسی جگہ کا عرف یہ ہے کہ سفر مکمل ہونے کے بعد اجرت دیتے ہیں یا سفر مکمل طے ہونے کے بعد

اجرت دینا طے پایا ہے تو سفر مکمل ہونے کے بعد ہی اجرت مانگ سکتا ہے۔

(۳۳/۱۱۷۷) وَلَيْسَ لِلْقَصَّارِ وَالْخَيَّاطِ اَنْ يُطَالِبَ بِالْاُجْرَةِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَ التَّعْجِيْلَ.

ترجمہ: دھوبی اور درزی کے لئے اس بات کا حق نہیں ہے کہ طلب کرے اجرت یہاں تک کہ فارغ ہوجائے کام سے مگر یہ کہ شرط لگائے پیشگی کی۔

تشریح: دھوبی اور درزی جب تک مکمل کام نہ کردے تب تک اجرت مانگنے کے حقدار نہیں ہیں ہاں اگر پہلے سے پیشگی اجرت لینے کی شرط لگادے تو لے سکتے ہیں کیوں کہ درمیان میں کپڑا نفع اٹھانے کے قابل ہی نہیں ہے بلکہ کپڑا درمیان دھلنے کے اور زیادہ گندہ ہوجاتا ہے اس لیے کام مکمل کرنے کے بعد ہی اجرت ملے گی اگر ایڈوانس کی شرط ہے تو مستاجر کی رضامندی سے پہلے بھی لے سکتا ہے۔

(۳۴/۱۱۷۸) وَمَنِ اسْتَأْجَرَ خَبَّازًا لِيَخْبِزَ لَهُ فِيْ بَيْتِهِ قَفِيْزَ دَقِيْقٍ بِدِرْهَمٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ الْاُجْرَةَ حَتّٰى يُخْرِجَ الْخُبْزَ مِنَ التَّنُّوْرِ.

حل لغات: خباز: روٹی پکانے والا، تخبز: مضارع (ض) مصدر خبزاً روٹی پکانا، دقیق: آٹا، قفیز: ایک پیمانہ کا نام جو غلہ کی قبیل سے بارہ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع کا وزن موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۳ کلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا بارہ صاع کا وزن ۳۸ کلو ۲۱۱ گرام ۲۶۴ ملی گرام ہوگا، التنور: جمع تنانیر ایک گول گڑھا جسے گرم کرکے اس میں روٹیاں پکاتے ہیں۔

ترجمہ: کسی نے اجرت پر لیا روٹی پکانے والے کو تاکہ پکائے اس کے لئے اس کے گھر میں روٹی ایک قفیز آٹے کی ایک درہم میں تو وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوگا یہاں تک کہ روٹی تنور سے نکال دے۔

تشریح: تنور سے نکالنے سے پہلے وہ گوندھا ہوا آٹا ہے روٹی نہیں ہے پکا کر تنور سے نکالنے کے بعد روٹی بنے گی اس لیے تنور سے نکالنے سے پہلے وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، اگر نکالنے سے پہلے جل گئی یا اس کے ہاتھ سے گر گئی تو چونکہ سپردگی سے قبل ہلاکت پائی گئی تو نان بائی کے لئے اس کے حساب سے اجرت ساقط ہوجائے گی اور اگر روٹی باہر نکال دی پھر اس کی تعدی کے بغیر جل گئی تو اس کو اجرت ملے گی اور کوئی تاوان لازم نہ ہوگا۔ (اللباب ۲/۳۴)

(۳۵/۱۱۷۹) وَمَنِ اسْتَأْجَرَ طَبَّاخًا لِيَطْبُخَ لَهُ طَعَامًا لِلْوَلِيْمَةِ فَالْغَرْفُ عَلَيْهِ.

حل لغت: غرف: چمچی ڈال کر کھانا نکالنا۔

ترجمہ: کسی نے باورچی اجرت پر لیا ولیمہ کا کھانا پکانے کیلئے تو پیالے میں ڈالنا بھی اسی پر ہے۔

تشریح: باورچی کو ولیمہ کا کھانا پکانے کے لئے اجرت پر لیا تو کھانا پکانے کے بعد کھانا برتن میں نکالنا اس کی ذمہ داری ہے، مصنفؒ کے معاشرہ میں اسی طرح کا عرف تھا، جہاں کوئی عرف نہ ہو وہاں کھانا پکا دینے سے باورچی کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔

(۱۱۸۰/۳۶) وَمَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلاً لِيَضْرِبَ لَهُ لَبِناً اِسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ اِذَا اَقَامَهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعالٰى لاَ يَسْتَحِقُّهَا حَتّٰى يُشَرِّجَه.

حل لغات: لبن: کچی اینٹ، یشرج: اینٹوں کو تہ بتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا چٹہ لگانا۔

ترجمہ: کسی نے اجرت پر لیا کسی کو تا کہ اس کے لئے اینٹ بنائے تو مستحق ہوگا اجرت کا جب ان کو کھڑی کر دے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، صاحبین نے فرمایا کہ نہیں مستحق ہوگا یہاں تک کہ ان کا چٹہ لگا دے۔

تشریح: اینٹ بنانے کے لئے کسی آدمی کو اجرت پر لیا تو امام صاحب کے نزدیک اینٹ سکھا لینے کے بعد جب کھڑی کر دے تو اس کا کام پورا ہو گیا اب وہ اجرت کا مستحق ہے کیوں کہ اینٹ قابل انتفاع بن گئی ان کو دیوار کی طرح کھڑی کرنا یہ زیادہ کام ہے اینٹ بنانے والے کی ذمہ داری نہیں ہے، یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ عرف عام میں اینٹوں کو تہ بتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا بھی شامل ہے اس لیے تہ بتہ لگانے کے بعد ہی اجرت کا مستحق ہوگا (عینی شرح ہدایہ ۳/۶۳۲)

(۱۱۸۱/۳۷) وَاِذَا قَالَ لِلْخَيَّاطِ اِنْ خِطْتَ هٰذَا الثَّوْبَ فَارِسِيًّا فَبِدِرْهَمٍ وَاِنْ خِطْتَهُ رُوْمِيًّا فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَاَیَّ الْعَمَلَيْنِ عَمِلَ اِسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ.

حل تراکیب: فبدرهم جواب شرط ہے فبدرهمین بھی جواب شرط ہے اور مصنف کا قول جاز یہ اذا کا جواب ہے۔

ترجمہ: اور اگر درزی سے کہا کہ اگر تو اس کپڑے کو فارسی طرز پر سیئے تو ایک درہم اور اس کو رومی طرز پر سیئے تو دو درہم تو یہ جائز ہے اب جونسا بھی عمل کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا۔

دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط پر اجرت طے کرنے کا بیان

تشریح: اجرت کے لئے دو الگ الگ انداز اختیار کئے اور دونوں کے لئے الگ الگ اجرت متعین کی تو جس انداز سے کام کرے گا اسی انداز کی اجرت ملے گی اور ایسا کرنا جائز ہے مثلاً کہا کہ اگر تو جبہ فارسیوں کے طرز پر سیئے تو اجرت ایک درہم ہوگی اور رومیوں کے طرز پر سیئے تو دو درہم ہوگی، اس میں کوئی جہالت نہیں ہے اس لیے اجارہ درست ہے امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس شرط پر اجارہ فاسد ہے کیوں کہ معقود علیہ فی الحال مجہول ہے۔

(۱۱۸۲/۳۸) وَاِنْ قَالَ اِنْ خِطْتَهُ الْيَوْمَ فَبِدِرْهَمٍ وَاِنْ خِطْتَهُ غَداً فَبِنِصْفِ دِرْهَمٍ فَاِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ وَاِنْ خَاطَهُ غَداً فَلَهُ اُجْرَةُ مِثْلِهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَا يَتَجَاوَزُ بِهِ نِصْفَ دِرْهَمٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الشَّرْطَانِ جَائِزَانِ وَاَيُّهُمَا عَمِلَ اِسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ اگر آج سیئے تو ایک درہم میں ہوگا اور اگر کل سیئے گا تو نصف درہم میں ہوگا اگر آج ہی سی دیا تو اس کے لئے ایک درہم ہے اور اگر کل سیا تو اس کے لئے اجرت مثل ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور نہیں بڑھے گی آدھے درہم سے اور کہا صاحبین نے کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور جونسا بھی کام کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا۔

تشریح: کسی نے درزی سے یوں کہا کہ اگر آج سیوگے تو ایک درہم اجرت ہوگی اور کل سیوگے تو آدھا درہم اجرت ہوگی تو امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر آج سی دیا تو ایک درہم ملے گا اور کل سیا تو آدھا درہم نہیں ملے گا بلکہ بازار میں اس کپڑے کو سینے کی جو اجرت ہوسکتی ہے وہ اجرت ملے گی البتہ وہ بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

دلیل: امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آج سیوگے تو ایک درہم یہ جلدی کرنے کے لئے ہے اس لیے اجارہ درست ہوگیا اور آج سینے پر ایک درہم مل جائے گا لیکن اگر کہا کہ کل سیئے گا تو آدھا درہم اجرت ہوگی یہ تعلیق کے لئے ہے اور اجارہ معلق ہوجائے تو بات طے نہیں ہوتی اس لیے اجارہ فاسد ہوگیا اور جب اجارہ فاسد ہوجائے تو قاعدہ یہ ہے کہ بازار میں جو اجرت ہوسکتی ہے وہ ملتی ہے اس لیے بازار کی اجرت ملے گی لیکن کل سینے پر دونوں کے درمیان آدھا درہم طے ہے اس لیے بازار کی اجرت بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

صاحبین کا مذہب: آج کی شرط لگائے یا کل کی دونوں شرطیں درست ہیں اس لیے جو بھی عمل کرے گا شرط کے مطابق وہ اجرت ملے گی (ماخوذ اللباب ۲/۳۵)

(۱۱۸۳/۳۹) وَاِنْ قَالَ اِنْ سَكَنْتَ فِیْ هٰذَا الدُّكَّانِ عَطَّاراً فَبِدِرْهَمٍ فِی الشَّهْرِ وَاِنْ سَكَنْتَهُ حَدَّاداً فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَاَیَّ الْاَمْرَيْنِ فَعَلَ اِسْتَحَقَّ الْمُسَمّٰی فِيْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الْاِجَارَةُ فَاسِدَةٌ.

حل لغات: عطار: عطر بیچنے والا، حداد: لوہاری کا کام کرنے والا۔

ترجمہ: اگر کہا کہ اگر اس دوکان میں عطر بیچنے والے کو ٹھہرایا تو مہینے میں ایک درہم ہوگا اور اگر لوہار کو ٹھہرایا تو دو درہم ہوں گے تو یہ جائز ہے اور دونوں معاملوں میں سے جو بھی کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ فرمایا کہ یہ اجارہ فاسد ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے دوکان کرایہ پر دی اور یوں کہا کہ اگر اس دوکان میں عطر فروش کو رکھوگے تو ماہانہ ایک درہم کرایہ دینا پڑے گا اور اگر اس دوکان میں لوہاری کا کام کراؤگے جو گندہ کام ہے تو ماہانہ دو درہم کرایہ ادا کرنا پڑے گا

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اجارے درست ہیں اور جو بھی وہ کام کرائے گا اسی کے مطابق اجرت لازم ہوگی۔

دلیل: اس صورت میں اجارہ کو معلق کرنا نہیں ہے بلکہ دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دینا ہے اور چونکہ دونوں کی الگ الگ اجرتیں واضح ہیں اس لیے اجارہ درست ہوگا اور جو کام کرے گا اسی قسم کی اجرت لازم ہو جائے گی رہ گیا یہ معاملہ کہ کیا کام کرے گا اس کی تعیین کام شروع کرتے وقت ہو جائے گی یہ مسئلہ رومی اور فارسی والے مسئلہ کے مانند ہے۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب مع دلیل: اجارہ کرتے وقت یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سا کام کرایہ پر لینے والا کرے گا کونسی اجرت ہم لازم کریں گے؟ اس لیے اجارہ کی اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہوگیا، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کیا کام کرے گا اس کا تعین کام شروع کرتے وقت ہو جائے گا۔ (اللباب ۳/۳۵ تا ۳۶)

(۱۱۸۴/۴۰) وَمَنِ اسْتَاجَرَ دَاراً كُلَّ شَهْرٍ بِدِرْهَمٍ فَالْعَقْدُ صَحِيْحٌ فِي شَهْرٍ وَاحِدٍ وَفَاسِدٌ فِي بَقِيَّةِ الشُّهُوْرِ اِلَّا اَنْ يُسَمِّيَ جُمْلَةَ الشُّهُوْرِ مَعْلُوْمَةً.

ترجمہ: کسی نے کرایہ پر لیا گھر ہر ماہ ایک درہم کے بدلے تو عقد صحیح ہے ایک ماہ میں اور فاسد ہوگا باقی مہینوں میں مگر یہ کہ مہینے معین کر کے بتادے۔

مکان کے کرایہ کے احکام

تشریح: ایک شخص نے ایک مکان ایک درہم ماہوار کرایہ پر دیا تو اجارہ صرف ایک ماہ میں صحیح ہوگا اور باقی مہینوں میں فاسد گھر والا اگلے ماہ کرایہ پر دینے سے انکار کرسکتا ہے ایسے ہی کرایہ دار اگلے ماہ اجرت پر لینے سے انکار کرسکتا ہے ہاں اگر تمام مہینے متعین کردیے جائیں تو سب میں اجارہ صحیح ہو جائے گا، مثلاً دو سال طے کیا تو دو سال کا اجارہ ہو جائے گا۔

دلیل: جب کلمہ "کل" ایسی چیزوں پر داخل ہو جن کی کوئی انتہا نہ ہو تو اس کے عموم پر عمل متعذر ہونے کی وجہ سے فرد واحد کی طرف پھیر دیا جاتا ہے اور ایک مہینہ معلوم ہے تو اجارہ ایک ہی مہینہ میں صحیح ہوگا اور تمام مہینوں کو متعین کردینے سے چونکہ کل مدت معلوم ہو جاتی ہے اس لیے تمام مہینوں میں اجارہ صحیح ہو جائے گا۔

(۱۱۸۵/۴۱) فَاِنْ سَكَنَ سَاعَةً مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِيْ صَحَّ الْعَقْدُ فِيْهِ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُؤجِرِ اَنْ يُخْرِجَهُ اِلٰى اَنْ يَنْقَضِيَ الشَّهْرُ.

ترجمہ: اب اگر ٹھہر گیا مستاجر ایک گھڑی دوسرے ماہ میں تو اس میں بھی عقد صحیح ہو جائے گا اور موجر (اجرت

پر دینے والا) کے لئے جائز نہیں ہے کہ مستاجر کو نکال دے یہاں تک کہ مہینہ (اجرت پر لیا ہوا مہینہ) گذر جائے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مستاجر اگلے ماہ میں بھی رہنا شروع کر دے اور گھر والا کچھ نہ کہے تو یہ از سر نو اجارہ ہوا یوں سمجھا جائے گا کہ بیع تعاطی کی طرح اشاروں اشاروں میں ہی اگلے ماہ کا اجارہ ہو گیا گویا کہ دینے والا بھی اس کرایہ پر راضی ہے اور لینے والا بھی اور اس پورے ماہ میں گھر والا کرایہ دار کو نہیں نکال سکتا۔

(۴۲/۱۱۸۶) وَكَذَالِكَ حُكْمُ كُلِّ شَهْرٍ يَسْكُنُ فِيْ اَوَّلِهٖ يَوماً اَوْسَاعَةً.

ترجمہ: اور ایسے ہی حکم ہے ہر اس مہینہ کا کہ ٹھہر جائے اس کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی۔

تشریح: اسی طرح جتنے مہینے بغیر انکار کے رہیں گے ہر ماہ نیا اجارہ ہوتا چلا جائے گا چناں چہ جب ہر ماہ کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی ٹھہر جائے گا تو گھر والے کی رضامندی سمجھی جائے گی اور اگلے ماہ کی اجرت طے ہو جائے گی، اور جس دن گھر والا یا کرایہ دار اجرت دینے یا لینے سے انکار کر دے اسی دن اگلا اجارہ ختم ہو جائے گا۔

(۴۳/۱۱۸۷) وَاِذَا اسْتَأْجَرَ دَاراً شَهْراً بِدِرْهَمٍ فَسَكَنَ شَهْرَيْنِ فَعَلَيْهِ اُجْرَةُ الشَّهْرِ الْاَوَّلِ وَلَاشَيْءَ عَلَيْهِ مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِيْ.

ترجمہ: جب کرایہ پر لیا مکان ایک ماہ کے لئے ایک درہم کے بدلے پھر ٹھہر گیا اس میں دو ماہ تو اس پر پہلے مہینہ کا کرایہ ہوگا اور اس پر کچھ لازم نہیں ہے دوسرے مہینہ کا۔

تشریح: جب صرف ایک ماہ کی اجرت طے ہوئی تو ایک ماہ بعد اجارہ ختم ہو گیا اب جو کرایہ دار رہا وہ اجرت کے طور پر نہیں بلکہ عاریت کے طور پر رہا ہے اور مالک کی جانب سے اجازت کے طور پر مفت رہا اس لیے دوسرے ماہ کی اجرت اس پر لازم نہ ہوگی مگر بہتر یہ ہے کہ مستاجر دوسرے مہینہ کی اجرت اپنی خوشی سے مالک مکان کو پیش کر دے۔

(۴۴/۱۱۸۸) وَاِذَا اسْتَأْجَرَ دَاراً سَنَةً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ جَازَ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ قِسْطَ كُلِّ شَهْرٍ مِنَ الْاُجْرَةِ.

لغت: قسط: ہر ماہ اجرت دینے کا تخمینہ اور حصہ۔

ترجمہ: جب کرایہ پر لیا مکان سال بھر کے لئے دس درہم میں تو جائز ہے اگر چہ نہ متعین کی ہو ہر ماہ کی قسط اجرت میں۔

تشریح: ایک شخص نے ایک مکان سال بھر کے لئے دس درہم میں کرایہ پر لیا ماہانہ کتنے پیسے ہوں گے یہ بیان نہیں کیا تب بھی اجارہ جائز اور درست ہے۔

دلیل: پوری مدت متعین ہوگئی اور پوری اجرت بھی متعین ہوگئی اور کوئی جہالت نہ رہی اس لیے جائز ہے اگر چہ ہر ماہ کی قسط نہ بیان کرے اور اگر کسی کو معلوم کرنا ہو تو حساب کر کے ہر ماہ کی قسط اتنے پیسے ہوں گے۔

(۱۱۸۹/۴۵)　وَيَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَةِ الْحَمَّامِ وَالْحَجَّامِ.

ترجمہ: اور جائز ہے حمام اور پچھنے لگانے کی اجرت لینا۔

وہ افعال جن کی اجرت لینا جائز یا ناجائز ہے

تشریح: پہلے زمانہ میں حمام (غسل خانے) کرائے پر دیئے جاتے تھے تاکہ لوگ ان میں جاکر غسل کریں اب میں ان دو چیزیں اصول کے خلاف تھیں ایک تو یہ کہ حمام میں رہنے کی مدت متعین نہ ہوتی تھی دوسرے یہ کہ ایک آدمی کتنا پانی نہانے میں استعمال کرسکتا ہے اس کی تعیین نہ ہوتی تھی اور یہ دونوں باتیں کرایہ داری کے معاملہ کو فاسد کرنے والی ہیں مگر حضرات فقہاء نے عرف وعادت کی بنا پر اس اجارہ کو جائز قرار دیا ہے۔ (شامی ۵/۴۳)

اور پچھنا لگانے کی اجرت لینا بھی جائز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پچھنا لگوایا اور اس کی اجرت بھی دی اس لیے جمہور علماء کے نزدیک ہر ایک کے لئے جائز ہے لیکن یہ کوئی اچھا پیشہ نہیں ہے کیوں کہ اس پیشہ میں انسان کو مسلسل نجاست میں ملوث رہنا پڑتا ہے اس لیے کہ حجام اپنے منہ سے انسان کے جسم کا گندہ اور ناپاک خون چوس کر کھینچتا ہے جس کی وجہ سے اس کے منہ میں بھی خون آجاتا ہے اس وجہ سے اس پیشہ میں ایک طرح کی خباثت ہے اس لیے بطور پیشے کے اس کو پسند نہیں فرمایا۔

(۱۱۹۰/۴۶)　وَلَا يَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَةِ عَسْبِ التَّيْسِ.

حل لغت: عسب التیس: نر کا مادہ پر چڑھانا، جفتی کرانا۔

ترجمہ: اور نہیں ہے نر کو مادہ پر کودانے کی اجرت لینا۔

تشریح: جفتی کرانے کا بدلہ جو طے کر کے دیا جاتا ہے وہ ناجائز ہے مثلاً کسی کے پاس بکری ہے بکرا دوسرے کا ہے اب بکری والا جفتی کرانا چاہتا ہے تو بکرے اور بکری والے یہ طے کریں کہ اتنی مقدار دو تو جفتی کرے یہ ناجائز ہے اس لیے کہ اگر اس کو بیع قرار دیا جائے تو مبیع یعنی منی مجہول ہے اس لیے کہ خبر نہیں نکلی یا نہیں؟ نکلی تو کتنی نکلی؟ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ نر کا کتنا پانی مادہ کے اندر گیا ہے، اور اگر اس کو اجارہ قرار دیا جائے تو چونکہ اجارہ وقت کی تعیین کے ساتھ ہوتا ہے اور یہاں وقت متعین نہیں ہوسکتا کہ وہ نر کتنی دیر میں فارغ ہوایسے ہی عمل بھی یقینی نہیں ہے کہ وہ تکمیل کو پہنچائے یا درمیان میں ہی ڈھیلا پڑجائے نیز یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کتنی ضربے لگائے اور کتنے دھکے مارے، بہر حال ہر صورت کے اندر اجرت ناجائز ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے البتہ عزت واحترام کی خاطر نر جانور کے مالک کو کچھ دے دے تو هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے طور پر اس کی گنجائش ہے (تقریر بخاری ۵/۵۶)

(۱۱۹۱/۴۷) وَلَا يَجُوْزُ الْاِسْتِيْجَارُ عَلَى الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَالْحَجِّ.

ترجمہ: اورنہیں جائز ہے اجرت لینا اذان اقامت قرآن کی تعلیم اور حج کرنے پر۔

تشریح: اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ متقدمین اصحاب مذہب کے نزدیک قرآن کریم کی تلاوت یا تعلیم امامت وغیرہ عبادات پر اجرت کا لین دین مطلقاً ناجائز ہے لیکن حضرات متاخرین نے فساد زمانہ کی وجہ سے اور عام ضرورت کے پیش آنے کی وجہ سے اور سلسلہ تعلیم وتعلم کے منقطع ہونے اور دین کے ضیاع کے خوف سے تعلیم قرآن پر اجرت لینا مباح قرار دیا ہے اسی طرح اذان وامامت میں بھی ضرورت کی بنیاد پر اجارہ کی صحت کا قول کیا ہے یہ مسئلہ کی اصل نوعیت ہے مگر صاحب السراج الوہاج والجوہرۃ النیرۃ کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے محض تلاوت قرآن کی اجرت کے جواز کو متاخرین کا مفتی بہ قول قرار دے دیا ان کے بعد جتنے بھی مصنفین آئے وہ سب اکثر اسی کی تائید اور نقل کرتے رہے حتی کہ بہت سے لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ متاخرین مطلقاً اطاعت پر اجرت کے جواز کے قائل ہیں اور بعض نے یہ تخریج کی کہ اجرت پر حج کو بھیجنے کا معاملہ بھی جائز ہے حالانکہ یہ سب تفصیل غلط ہے اجارہ کا جواز تعلیم قرآن کے ساتھ ہے نہ کہ تلاوت قرآن کے ساتھ اور متاخرین نے اجارہ علی الطاعات کی حرمت سے جن چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے ان میں تلاوت داخل نہیں ہے کیوں کہ اباحت کا مدار ضرورت پر ہے جو تعلیم وتعلم امامت اور اذان میں تو پائی جاتی ہے مگر تلاوت محضہ میں یہ ضرورت مبیحہ متحقق نہیں ہے بلکہ اجرت پر تلاوت کو جائز قرار دینے میں اور بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں، مثلاً اس کی بنا پر قرآن کو کمائی کا ذریعہ بنالیا ہے اور اللہ کے کلام کو محض ریاکاری اور دنیاداری کے طور پر پڑھا جانے لگا ہے وغیرہ وغیرہ اس مسئلہ کو علامہ شامی نے اپنے ایک مستقل رسالہ شفاء العلیل وبل الغلیل فی بطلان الوصیۃ بالختمات والتہالیل میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(۱۱۹۲/۴۸) وَلَا يَجُوْزُ الْاِسْتِيْجَارُ عَلَى الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ.

حل لغات: الغناء: گانا گانا، النوح: مردہ پر زور زور سے چلا کر بلاوجہ رونا، یا میت کے محاسن بیان کرکے رونا دونوں تفسیریں کی گئی ہیں اور دونوں ممنوع ہیں بغیر ذکر محاسن کے آنسوؤں سے رونا ثابت ہے۔

ترجمہ: اورنہیں جائز ہے اجرت لینا گانے اور نوحہ کرنے پر۔

تشریح: نوحہ کرنا اور گانا گانا حرام ہے اس لیے ان کی اجرت بھی جائز نہیں ہے حضرت ابراہیم نخعیؒ نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی اجرت مکروہ سمجھتے تھے مصنف عبدالرزاق ۱۱۶/۸)

(۱۱۹۳/۴۹) وَلَايَجُوْزُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ عِنْدَاَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ جَائِزَةٌ.

حل لغت: المشاع: مشترک اور غیر منقسم چیز۔

ترجمہ: اورنہیں جائز ہے مشترک چیز کا اجرت پر رکھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبین نے مشترک

چیز کا اجارہ جائز ہے

تشریح: زید اور خالد کے درمیان ایک مکان مشترک ہے ابھی تک تقسیم نہیں ہوا ہے اب زید اپنے حصہ کو اجرت پر رکھنا چاہتا ہے اور خالد نہیں رکھنا چاہتا تو امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں ہے صاحبین کے نزدیک مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

امام صاحب کی دلیل: جب خالد کا حصہ زید کے ساتھ ہے تو زید کرایہ دار کو اپنا گھر سپرد نہیں کر سکے گا جس کی وجہ سے کرایہ دار فائدہ نہیں اٹھا سکے گا لہٰذا مشترک چیز کو مکمل سپرد کرنا ممکن نہیں اس لیے اس کا اجارہ درست نہیں۔

صاحبین کی دلیل: اجارہ کا دار و مدار نفع پر ہے اور مشترک میں منفعت ہوتی ہے۔

نوٹ: اگر دونوں شریک مل کر اجرت پر رکھے تو جائز ہے کیوں کہ اب کرایہ دار کو مکمل حوالہ کرنا ممکن ہے۔

(۵۰/۱۱۹۴) وَيَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الظِّئْرِ بِاُجْرَةٍ مَعْلُوْمَةٍ.

حل لغت: الظئر: دوسرے کے بچہ کو دودھ پلانے والی۔

ترجمہ: اور جائز ہے دودھ پلانے والی کو اجرت پر لینا متعین اجرت کے ساتھ۔

تشریح: بچہ کو دودھ پلانے کے لئے کسی عورت کو اجرت پر رکھے اور متعین اجرت دے تو جائز ہے کیوں کہ آیت میں اس کا ثبوت ہے فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی اگر انہوں نے تمہارے لئے دودھ پلایا تو تم ان کو ان کی اجرت دو، اس آیت سے اجرت دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حلیمہ سعدیہ نے اجرت کے بدلے دودھ پلایا تھا۔

(۵۱/۱۱۹۵) وَيَجُوْزُ بِطَعَامِهَا وَكِسْوَتِهَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ.

لغت: کسوة: لباس جمع کُسیٌ۔

ترجمہ: اور جائز ہے اس کی خوراک اور پوشاک کے بدلہ امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: دودھ پلانے والی عورت کو کھانے اور کپڑے کے بدلہ اجرت پر لے تو جائز ہے۔

اصل میں اشکال یہ ہے کہ کھانا اور کپڑا متعین نہ ہونے کی وجہ سے اجرت مجہول ہوگی اس لیے معاملہ ناجائز ہونا چاہئے لیکن یہاں معاشرہ کا اعتبار ہے معاشرہ میں جو کھانا کپڑا دیا جاتا ہے وہی دینا ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ کھانا کبھی کم ہوگا کبھی زیادہ تو اجرت مجہول ہوگئی اس لیے جائز نہیں ہاں اجرت میں درہم مقرر کرے اور درہم کے بدلہ کھانا اور کپڑا دے تو اس طرح کا معاملہ درست ہے یا کپڑے اور کھانے کی جنس نوع اور مقدار متعین کر دے تو اجرت معلوم ہونے کی وجہ سے معاملہ درست ہے۔

(۵۲/۱۱۹۶) وَلَيْسَ لِلْمُسْتَاجِرِ اَنْ يَّمْنَعَ زَوْجَهَا مِنْ وَطْئِهَا.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے مستاجر کے لئے کہ روکے اس کے شوہر کو صحبت کرنے سے۔

تشریح: وطی کرنا شوہر کا فطری حق ہے اس خوف سے کہ عورت کو حمل ٹھہر جائے گا تو دودھ خراب ہوگا دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کو وطی کرنے سے روکنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(۵۳/۱۱۹۷) فَاِنْ حَبِلَتْ كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّفْسَخُوْا الْاِجَارَةَ اِذَا خَافُوْا عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ لَبَنِهَا.

ترجمہ: پھر اگر وہ حاملہ ہوتو ان کو (بچہ والوں) اختیار ہے کہ اجارہ کو فسخ کردیں جب انہیں بچہ کے متعلق خوف ہواس کے دودھ سے۔

تشریح: اگر دودھ پلانے والی عورت حاملہ ہوگئی اور بچہ والوں کو اس بات کا خوف ہو کہ بچہ دودھ پیئے گا تو اس کی صحت خراب ہوجائے گی تو ان کو حق ہے کہ اجارہ توڑ دے اور کسی دوسری دودھ پلانے والی کا انتظام کرے۔

(۵۵/۱۱۹۸) وَعَلَيْهَا اَنْ تَصْلُحَ طَعَامَ الصَّبِيِّ.

حل لغات: تَصْلُحَ اصلاح کرنا یہاں پر مراد کھانا بنانا۔

ترجمہ: انّا پر لازم ہے بچہ کے کھانے کو درست کرنا۔

تشریح: دودھ پلانے والی انّا اجرت کی وجہ سے دودھ تو پلائے گی ہی لیکن بچے کو کھانے کی ضرورت ہوگی تو اس کا کھانا بنانا اور کھلانا بھی اسی کے ذمہ ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ عرف میں کھانا بنانا اور کھلانا اجرت میں شامل ہو لیکن اگر کام کی تصریح ہوجائے کہ صرف دودھ پلانا اجرت میں شامل ہے یا عرف میں کھانا بنانا اور کھلانا شامل نہ ہو تو یہ دونوں کام اجرت میں شامل نہ ہوں گے۔

(۵۵/۱۱۹۹) وَاِنْ اَرْضَعَتْهُ فِي الْمُدَّةِ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلَا اُجْرَةَ لَهَا.

ترجمہ: اور اگر پلایا بچہ کو مدت اجارہ میں بکری کا دودھ تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے۔

تشریح: اجرت اپنا دودھ پلانے کی تھی بکری کا دودھ پلانے کی نہیں یہ کام تو بچے کے والدین بھی کرسکتے تھے اس لیے انا کو اجرت نہ ملے گی البتہ جو خدمت کی ہے اس کی اجرت مل جائے گی۔

(۵۶/۱۲۰۰) وَكُلُّ صَانِعٍ لِعَمَلِهٖ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ كَالْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ فَلَهٗ اَنْ يَّحْبِسَ الْعَيْنَ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ عَمَلِهٖ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْاُجْرَةَ.

ترجمہ: اور ہر وہ کاریگر جس کے عمل کا اثر ظاہر ہوشئی میں جیسے دھوبی اور رنگریز تو اس کو حق ہے کہ شئی کو روک

لے اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد یہاں تک کہ لے لے اجرت۔

وہ صورتیں جن میں اجیر اجرت لینے کے لئے عین شئ کو روک سکتا ہے

تشریح: جس کاریگر کے کام کا اثر عین شی میں ظاہر ہو جیسے رنگریز کا عمل کہ کپڑے کو اپنے رنگ سے رنگ دینا ہے اور کپڑا رنگین ہو جاتا ہے یا دھوبی کا عمل کہ اپنے سوڈے اور صابن سے کپڑے کو صاف کر دیتا ہے اور ان کے عمل کا اثر کپڑوں میں ظاہر ہوتا ہے ایسے کاریگروں کو حق ہے کہ کام پورا کرنے کے بعد اجرت لینے کے لئے اس چیز کو اپنے پاس روک لے اور جب تک اجرت وصول نہ کرے کپڑا واپس نہ دے کیوں کہ رنگریز کا اپنا رنگ ہے، دھوبی کا اپنا صابن اور اپنی چیز کو روکنے کا حق ہے اب اگر روکنے کے بعد وہ چیز ہلاک ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک اجیر (مزدور) پر تاوان لازم نہ ہوگا کیوں کہ اس کی جانب سے کوئی تعدی نہیں پائی گئی جیسے وہ چیز پہلے امانت تھی ایسے ہی باقی رہی لیکن اجیر کو اجرت نہ ملے گی کیوں کہ معقود علیہ سپرد کرنے سے قبل ہلاک ہو گیا۔

صاحبین کے نزدیک چونکہ شئ روکنے سے پہلے مضمون تھی تو روکنے کے بعد بھی مضمون ہوگی البتہ مالک کو اختیار ہوگا چاہے شی کی اس قیمت کا تاوان لے جو عمل سے پہلے تھی اور اجرت نہ دے اور چاہے اس قیمت کا تاوان لے جو عمل کے بعد ہے اور مزدوری دے (عینی شرح ہدایہ ۳/۶۳۲)

(۱۲۰۱/۵۷) وَمَنْ لَيْسَ لِعَمَلِهِ اَثَرٌ فِى الْعَيْنِ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَحْبِسَ الْعَيْنَ لِلْاُجْرَةِ كَالْحَمَّالِ وَالْمَلَّاحِ.

حل لغات: یحبس: باب (ض) مصدر حبساً روکنا، الحمال: بوجھ اٹھانے والا، الملاح: کشتی چلانے والا۔

ترجمه: اور جس کے عمل کا اثر ظاہر نہ ہو شئ میں تو اس کے لئے حق نہیں ہے کہ روکے عین شئ کو اجرت کے لئے جیسے بوجھ اٹھانے والا اور ملاح۔

تشریح: اگر ایسا اجیر ہے کہ جس کے عمل کا اثر عین شئ میں ظاہر نہیں ہوتا جیسے بوجھ اٹھانے والے کے عمل کا اثر سامان میں ظاہر نہیں ہوتا وہ اپنی اجرت وصول کرنے کے لئے سامان کو اپنے پاس قانونی طور پر نہیں رکھ سکتا کیوں کہ بوجھ اٹھانے والے اور کشتی چلانے والے کی کوئی چیز سامان کے ساتھ محبوس نہیں ہے ہاں اگر اجرت نہ دے تو قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر سکتا ہے۔

(۱۲۰۲/۵۸) وَاِذَا اشْتَرَطَ عَلَى الصَّانِعِ اَنْ يَعْمَلَ بِنَفْسِهِ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَسْتَعْمِلَ غَيْرَهُ.

ترجمه: اگر شرط لگائی کاریگر پر یہ کہ کام خود کرے گا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے سے کرائے۔

تشریح: کام کرانے والے نے یہ شرط لگائی کہ آپ ہی اس کام کو انجام دیں تو اب اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کام دوسرے سے کرائے کیوں کہ ایک آدمی کو کام کرنے کی مہارت ہے اور بعض مرتبہ دوسرا کاریگر اس کو خراب کردیتا ہے اس لیے دوسرے سے کام نہیں کرواسکتا۔

(۱۲۰۳/۵۹) وَاِنْ اَطْلَقَ لَهُ الْعَمَلَ فَلَهُ اَنْ يَّسْتَاْجِرَ مَنْ يَّعْمَلُهُ.

حل لغت: اطلق : مطلق چھوڑا قید نہیں لگائی۔

ترجمہ: اور اگر عمل کو مطلق رکھا تو وہ نوکر رکھ سکتا ہے، اس کو جو اس کام کو کرے۔

تشریح: کسی کام کرنے والے کو خاص نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مستاجر کو کام اچھا چاہئے چاہے کوئی بھی اس کام کو کردے اس لیے اجیر خواہ خود کرے یا دوسرے سے کرائے دونوں طرح درست ہے۔

(۱۲۰۴/۶۰) وَاِذَا اخْتَلَفَ الْخَيَّاطُ وَالصَّبَّاغُ وَصَاحِبُ الثَّوْبِ فَقَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ لِلْخَيَّاطِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَعْمَلَهُ قَبَاءً وَقَالَ الْخَيَّاطُ قَمِيْصاً اَوْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ للصَّبَّاغِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَصْبَغَهُ اَحْمَرَ فَصَبَغْتَهُ اَصْفَرَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ يَمِيْنِهِ فَاِنْ حَلَفَ فَالْخَيَّاطُ ضَامِنٌ.

ترجمہ: جب جھگڑا پڑ جائے درزی رنگریز اور کپڑے والے کے درمیان اور کہے کپڑے والا درزی سے کہ میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کی قباء بنائیں درزی کہے قمیص کے لئے کہا تھا یا کپڑے والا رنگریز سے کہے کہ میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کو سرخ رنگیں آپ نے اس کو زرد رنگ دیا تو قول کپڑے والے کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اگر وہ قسم کھالے تو درزی ضامن ہوگا۔

درزی اور کپڑے والے میں اختلاف کا بیان

تشریح: درزی اور کپڑے والے میں اختلاف ہوجائے کپڑے والا کہتا ہے کہ میں نے قباء سینے کے لئے کہا تھا تو نے قمیص سی دی درزی کہتا ہے کہ تم نے مجھے قمیص ہی سینے کے لئے کہا تھا اور درزی کے پاس گواہ نہیں اور نہ کسی کی بات کی تصدیق کے لئے کوئی علامت ہے تو اب کس کی بات مانی جائے؟ اس بارے میں صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی ایسے ہی کپڑے والے اور رنگریز میں اختلاف ہوگیا کپڑے والا کہتا ہے کہ سرخ رنگنے کے لئے کہا تھا لیکن تم نے زرد رنگ دیا اور رنگریز کہتا ہے کہ تم نے زرد رنگنے کے لئے ہی کہا تھا اور رنگریز کے پاس گواہ وغیرہ موجود نہیں ہے تو کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

دلیل: درزی اور رنگریز مدعی ہیں وہ دعویٰ کررہے ہیں کہ ہم نے جو کام کیا ہے وہ درست ہے ہم کو اجرت ملنی چاہئے اور کپڑے والا اجرت دینے سے انکار کررہا ہے اس لیے وہ منکر ہے مدعیان کے پاس اپنی بات کی سچائی کے لئے

کوئی گواہ نہیں اس لیے کپڑے والے یعنی مدعیٰ علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو درزی اور رنگریز نقصان کے ضامن ہوں گے۔

(۱۲۰۵/۶۱) وَاِنْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ عَمِلْتَهُ لِیْ بِغَیْرِ اُجْرَةٍ وَقَالَ الصَّانِعُ بِاُجْرَةٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ یَمِیْنِهٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ کَانَ حَرِیْفاً لَهٗ فَلَهُ الْاُجْرَةُ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ حَرِیْفاً لَهٗ فَلَا اُجْرَةَ لَهٗ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ کَانَ الصَّانِعُ مُبْتَذِلاً لِهٰذِهِ الصَّنْعَةِ بِالْاُجْرَةِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ مَعَ یَمِیْنِهٖ اَنَّهٗ عَمِلَهٗ بِاُجْرَةٍ۔

حل لغات: حریفاً: پیشہ والا ہونا، روزگار والا ہونا، ہنر والا ہونا، مبتذل: مشہور، الصنعة: کام۔

ترجمہ: اگر کپڑے والا کہے کہ تو نے کام کیا ہے میرے لئے بلا اجرت کاریگر نے کہا کہ اجرت کے ساتھ تو کپڑے والے کے قول کا اعتبار ہوگا اس کی قسم کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اگر اس کا پیشہ ہی یہ ہو تو اس کے لئے اجرت ہوگی اور اگر اس کا یہ پیشہ نہیں ہے تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کاریگر اس کام کو اجرت کے ساتھ کرنے میں مشہور ہو تو اسی کی بات مانی جائے گی اس کی قسم کے ساتھ کہ اس نے اجرت سے ہی کیا ہے۔

تشریح: کپڑے والا کہتا ہے کہ آپ نے یہ کام میرے لئے بغیر اجرت کے کیا ہے اور کام کرنے والا کہتا ہے کہ اجرت پر کیا ہے مفت نہیں کیا ہے اور کام کرنے والے کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو امام صاحب کے نزدیک کپڑے والے کا قول معتبر ہوگا اسی کی قسم کے ساتھ اور کام کرنے والے کو اجرت نہیں ملے گی۔

دلیل: اجیر کام کر کے اجرت کا دعویٰ کر رہا ہے اس لیے وہ مدعی ہے اور کپڑے والا اس کا انکار کر رہا ہے اس لیے وہ منکر ہے اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے اس لیے کپڑے والے کا قول معتبر ہوگا (اللباب ۲/۳۹، عینی ۳/۶۸۵)

امام ابویوسف کا مذہب: امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر اس کاریگر کا پیشہ ہی یہ ہے تو اجرت واجب ہوگی ورنہ نہیں پیشہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہی کام کرتا ہے اور ایک مطلب یہ ہے کہ کپڑے والے کو پہلے بھی ایک مرتبہ اجرت پر کام کر کے دیا تھا اس لیے کاریگر سمجھتا تھا کہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اجرت ملے گی۔

دلیل: پیشہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اجرت پر ہی کام کرتا ہے اس لیے اس ظاہری دلیل کی وجہ سے اس کو اجرت ملے گی۔ (عینی ۳/۶۸۵)

امام محمد کا مذہب: اگر کاریگر اس پیشہ کی دوکان کھولے ہوئے ہے اور اجرت پر کام کرنے میں مشہور ہے تو اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی کہ اس نے اجرت سے ہی وہ کام کیا ہے۔

دلیل: مشہور ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اجرت کے بدلے ہی کام کیا ہوگا مفت نہیں، درمختار میں فتویٰ امام صاحب کے قول پر نقل کیا ہے اور زیلعی تبیین الحقائق وغیرہ میں امام محمد کے قول پر فتویٰ لکھا ہے۔

(۶۲/۱۲۰۶) وَالْوَاجِبُ فِي الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ أُجْرَةُ الْمِثْلِ لَايَتَجَاوَزُ بِهِ الْمُسَمّٰی.

ترجمہ: اور واجب اجارہ فاسدہ میں اجرت مثل ہے جو نہیں بڑھے گی ٹھہرائی ہوئی سے۔

اجارہ فاسدہ کی صورت میں کونسی اجرت ہوگی؟

تشریح: اگر کسی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جائے تو اب بازار میں اس کام کی جو اجرت ہو سکتی ہے وہ اجرت اجیر کو ملے گی اسی کو اجرت مثل کہتے ہیں۔

دلیل: جب اجارہ ہی فاسد ہو گیا تو گویا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی معاملہ ہی نہیں ہوا ہے اس لیے اب بازار کے عرف پر اجرت طے ہوگی لیکن چونکہ اجیر پہلے ایک متعین اجرت پر راضی ہو گیا ہے اس لیے اجرت مثل اگر متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہو تو اجرت مثل نہ دی جائے بلکہ متعین کردہ اجرت دی جائے گی کیوں کہ اجیر کم اجرت پر راضی ہو گیا ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے نزدیک اجرت مثل دی جائے گی اگرچہ متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہو۔

دلیل: اگر بیع فاسد ہو جائے تو اس میں مبیع کی قیمت واجب ہوتی ہے خواہ کتنی ہی ہو ایسے ہی اجارہ فاسدہ میں بھی اجرت مثل ہی دی جائے گی خواہ متعین کردہ سے بڑھ جائے، اس دلیل کا دارومدار اس بات پر ہے کہ منافع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعیان کے مانند ہے۔

جواب: احناف یہ فرماتے ہیں کہ منافع اعراض ہیں یعنی قائم بالغیر ہیں اور اعراض دو زمانہ باقی نہیں رہتے اور جو چیز دو زمانہ باقی نہ رہتی ہو وہ محرز نہیں ہوتی یعنی اس کو وقت ضرورت کے لئے ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا اور جو چیز غیر محرز ہوتی ہے وہ غیر متقوم ہوتی ہے نتیجہ نکلا کہ منافع غیر متقوم ہیں لیکن عقد کی وجہ سے متقوم ہوتے ہیں اور عقد میں خود متعاقدین نے متعین اجرت پر اتفاق کر کے زائد مقدار کو ساقط کر دیا اس لیے زائد مقدار کا اعتبار نہ ہوگا (عینی شرح ہدایہ ۳/ ۶۲۸)

(۶۳/۱۲۰۷) وَاِذَا قَبَضَ الْمُسْتَاْجِرُ الدَّارَ فَعَلَيْهِ الْاُجْرَةُ وَاِنْ لَّمْ يَسْكُنْهَا فَاِنْ غَصَبَهَا غَاصِبٌ مِنْ يَدِهٖ سَقَطَتِ الْاُجْرَةُ.

ترجمہ: اور جب قبضہ کر لیا مستاجر نے گھر پر تو اس پر کرایہ واجب ہے اگرچہ وہ اس میں نہ رہے اور اگر غصب کر لیا گھر کو کسی غاصب نے اس کے ہاتھ سے تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: جب گھر پر مستاجر کا قبضہ ہو گیا رہے یا نہ رہے قبضہ والے دن سے کرایہ لازم ہو جائے گا اب اگر

درمیان مدت میں کسی نے غصب کرلیا تو وہ چیز مستاجر کے قبضہ میں نہ رہی اس لیے اتنی ہی اجرت ساقط ہوجائے گی اور اگر اجارہ کی پوری مدت ہی غصب کئے رکھا تو اس صورت میں کرایہ بالکلیہ ساقط ہوجائے گا۔

(۱۲۰۸/۶۴) وَاِنْ وَجَدَبِهَا عَيْباً يَضُرُّ بِالسُّكْنٰى فَلَهُ الْفَسْخُ.

ترجمہ: اور اگر پائے اس میں ایسا کوئی عیب جو نقصان دہ ہو رہنے کے لئے تو کرایہ دار کو فسخ کا حق ہے۔

تشریح: مکان میں کوئی ایسی کمی پیدا ہوگئی جو رہائش کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے تو کرایہ دار کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہے اب اگر مستاجر نے مکمل فائدہ حاصل کرلیا ہے تو گویا کہ عیب پر اس کی رضامندی ظاہر ہوچکی ہے اس لیے پورا کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا، صاحب اللباب ۲/۴۰ پر فرماتے ہیں کہ اگر مالک مکان نے عیب کو ختم کردیا مثلاً گھر کی دیوار گرگئی تھی اس کو درست کرادیا تو اب مستاجر کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار نہ رہے گا کیوں کہ جس کمی کی وجہ سے اختیار تھا وہ کمی ہی ختم ہوچکی انتہیٰ قولہ، قدوری کا مسئلہ اس وقت ہے جب کہ کرایہ پر لیتے وقت اس عیب کو نہ دیکھا ہو اور اس عیب پر راضی نہ ہوا ہو۔

(۱۲۰۹/۶۵) وَاِذَا خَرِبَتِ الدَّارُ اَوِ انْقَطَعَ شِرْبُ الضَّيْعَةِ اَوِ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنِ الرَّحٰى اِنْفَسَخَتِ الْاِجَارَةُ.

حل لغات: خربت: ماضی معروف باب (س) مصدر خَرْباً و خَرَاباً ویران ہونا، اجاڑنا، شِرْبٌ: سین کے کسرہ کے ساتھ پانی کا حق، الضیعة: کھیتی کی زمین اس کی تصغیر ضُيَيْعَةٌ جمع ضِيَعٌ، الرَّحٰى (مونث) پن چکی۔

ترجمہ: اگر گھر ویران ہوجائے یا کاشت کی زمین کا پانی بند ہوجائے یا پن چکی کا پانی بند ہوجائے تو اجارہ فسخ ہوجائے گا۔

اجارہ کے فسخ کرنے کا بیان

تشریح: عقد اجارہ چند امور سے فسخ ہوجاتا ہے (۱) کوئی ایسا عیب پیدا ہوجائے جس سے منفعت بالکلیہ فوت ہوجائے مثلاً کرایہ پر لیا ہوا گھر ویران اور کھنڈرات میں تبدیل ہوجائے یا زمین میں پانی آنے کا راستہ منقطع ہوگیا یا پن چکی سے پانی آتا تھا وہ بالکل بند ہوگیا جس سے اب کاشت کاری نہیں ہوسکتی اس لیے اجارہ خود بخود ختم ہوجائیگا۔

(۱۲۱۰/۶۶) وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَقَدْ عَقَدَ الْاِجَارَةَ لِنَفْسِهٖ اِنْفَسَخَتِ الْاِجَارَةُ وَاِنْ كَانَ عَقَدَهَا لِغَيْرِهٖ لَمْ تَنْفَسِخْ.

ترجمہ: اور اگر معاملہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک مرجائے اور حال یہ کہ اجارہ اس نے اپنے لئے کیا تھا تو

اجارہ فسخ ہوجائے گا اور اجارہ کسی اور کے لئے کیا تھا تو فسخ نہیں ہوگا۔

تشریح: مالک مکان اور کرایہ دار میں سے کوئی ایک انتقال کر جائے جب کہ مستاجر نے اجارہ اپنے لئے کیا تھا کسی دوسرے کا وکیل یا وصی یا امیر المومنین بن کر عقد اجارہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں اجارہ فسخ ہوجائے گا اگر کرایہ پر دینے والا مر جائے تو اس لیے فسخ ہوگا کہ اس کے مرنے کے بعد شئ مستاجر اس کے ورثہ کی ہوگئی اب اگر مستاجر اس سے نفع حاصل کرتا ہے تو دوسرے کی ملکیت سے نفع اٹھانا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں، اور اگر مستاجر مر جائے تو اجارہ اس لیے فسخ ہوگا کہ اس صورت میں دوسرے کی ملکیت سے اجرت کی ادائیگی لازم آتی ہے اور یہ بھی جائز نہیں (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۳۲) اور اگر وکیل یا وصی یا امیر المومنین بن کر دوسرے کے لئے اجارہ کیا اور یہ دوسرے لوگ موجود ہیں لیکن وکیل وصی وغیرہ کا انتقال ہوگیا ہے تو اس صورت میں اجارہ باقی رہے گا۔

دلیل: جن لوگوں کے لئے اجارہ کیا گیا ہے وہ موجود ہیں اور اس صورت میں دوسرے کی ملکیت سے نفع اٹھانا یا غیر کی ملکیت سے اجرت کی ادائیگی کی خرابی لازم نہیں آتی ہے، جیسا کہ پہلی صورت میں خرابی تھی لہذا عقد اجارہ باقی رہے گا۔ (اللباب ۲/۴۱)

(۱۲۱۱/۶۷) وَيَصِحُّ شَرْطُ الْخِيَارِ فِي الْإِجَارَةِ كَمَا فِي الْبَيْعِ.

ترجمہ: اور صحیح ہے خیار شرط اجارہ میں جیسا کہ صحیح ہے بیع میں۔

تشریح: اگر عقد اجارہ میں موجر یا مستاجر خیار شرط لے مثلاً یوں کہے کہ مجھے تین دن کا اختیار ہے میں معاملہ برقرار رکھ سکتا ہوں اور توڑ بھی سکتا ہوں تو اس طرح کا خیار لینا درست ہے جیسا کہ بیع میں خیار شرط لے سکتا تھا ایسے ہی یہاں بھی اجازت ہے۔

دلیل: اجارہ عقد معاوضہ ہے جس کے لئے مجلس میں قبضہ ہونا ضروری نہیں ہے تو بیع کی طرح اس میں بھی خیار شرط صحیح ہوگا (اللباب ۲/۴۱)

(۱۲۱۲/۶۸) وَ تَنْفَسِخُ الْإِجَارَةُ بِالْأَعْذَارِ كَمَنِ اسْتَأجَرَ دُكَّاناً فِي السُّوْقِ لِيَتَّجِرَ فِيْهِ فَذَهَبَ مَالُهُ.

ترجمہ: اور فسخ ہوجاتا ہے اجارہ عذروں کی وجہ سے۔

تشریح: معاملہ کرنے والے کا اس طرح عاجز ہوجانا کہ اگر وہ اجارہ کو باقی رکھے تو اس کا ایسا نقصان لازم آئے جو اس پر عقد اجارہ سے لازم نہیں آتا تھا، مثلاً مستاجر نے بازار میں دوکان کرایہ پر لی تاکہ اس میں تجارت کرے لیکن بعد میں تجارت کرنے کا مال ضائع ہوگیا اب اگر دوکان کرایہ پر رکھے تو بلا فائدہ مستاجر پر کرایہ چڑھے گا، مستاجر چوں کہ کرایہ کی وجہ سے بہت بڑی مصیبت و آفت میں پھنس گیا ہے اس لیے اجارہ ختم ہوجائے گا تاکہ انسان کو مشقت شدیدہ سے بچایا جاسکے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اجارہ بلا کسی عیب کے فسخ نہیں کیا جاسکتا جیسے بیع بلا کسی عیب کے فسخ نہیں

ہوسکتی۔

(۱۲۱۳/۶۹) وَكَمَنْ آجَرَ دَاراً اَوْ دُكَّاناً ثُمَّ اَفْلَسَ فَلَزِمَتْهُ دُيُوْنٌ لَا يَقْدِرُ عَلٰى قَضَائِهَا اِلَّا مِنْ ثَمَنِ مَا اٰجَرَ فَسَخَ الْقَاضِيْ الْعَقْدَ وَبَاعَهَا فِي الدَّيْنِ.

ترجمہ: یا کسی نے کرایہ پر دیا مکان یا دوکان کو پھر وہ مفلس ہو گیا اور اس کے ذمہ اتنا قرضہ ہو گیا کہ اس کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہے مگر اس چیز کی قیمت سے کہ جس کو کرایہ پر دے رکھا ہے تو فسخ کر دے قاضی عقد کو اور بیچ دے اس کو قرض میں۔

تشریح: ایک شخص نے مکان یا دوکان کرایہ پر دی بدقسمتی سے وہ شخص مفلس ہو گیا اور اس پر لوگوں کا اس قدر قرض ہو گیا کہ بغیر مکان یا دوکان کے فروخت کئے قرض کی ادائیگی کا کوئی راستہ نہیں ہے تو ایسی سورت میں قاضی عقد اجارہ کو فسخ کردے اور کرایہ پر دی گئی چیزوں کو بیچ کر ان کی قیمت سے لوگوں کا قرض ادا کرے گا، صاحب کتاب کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حاکم وقت ہی عقد اجارہ کو ختم کرے زیادات میں ایسا ہی مذکور ہے لیکن جامع صغیر کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے فیصلہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (اللباب ۲/۴۱)

نوٹ: اگر عذر پوشیدہ ہو اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو خود اجارہ توڑنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ قاضی کے ذریعہ ہی اجارہ ٹوٹ سکتا ہے اور اگر عذر ظاہر ہے جیسے لوگوں کا اس کے ذمہ قرض ہونا اب مستاجر مجبور ہو گیا تو خود بھی اجارہ توڑ سکتا ہے، (بحوالہ بالا)

(۱۲۱۴/۷۰) وَمَنِ اسْتَاْجَرَ دَابَّةً لِيُسَافِرَ عَلَيْهَا ثُمَّ بَدَا لَهٗ مِنَ السَّفَرِ فَهُوَ عُذْرٌ.

لغت: بدا: ماضی باب (ن) مصدر بُدُوّاً ظاہر ہونا، ارادہ ملتوی ہونا۔

ترجمہ: کسی نے کرایہ پر لیا چوپایہ تا کہ اس پر سفر کرے پھر ارادہ ملتوی ہو گیا تو یہ بھی عذر ہے۔

تشریح: کسی نے سفر کے لئے کرایہ پر جانور لیا بعد میں سفر پر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تو یہ بھی ایک قسم کا عذر ہے، جس کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے، مثلاً حج کے لئے جانا تھا ایک جانور کرایہ پر لیا اب حج کا وقت نکل گیا یا ایک جانور کرایہ پر لیا تا کہ مقروض سے قرض وصول کرنے جائے لیکن مقروض گھر ہی آ کر دے گیا یا ایک جانور کرایہ پر لیا تا کہ تجارت کرنے جائے بعد میں سارا مال ضائع ہو گیا اب اگر سفر میں جائے تو خواہ مخواہ اپنے سر مصیبت لے لینی ہے اس لیے یہ عذر ہے تو اجارہ فسخ کرنے کی گنجائش ہے (اللباب ۲/۴۱ عینی شرح ہدایہ ۳/۶۹۰)

(۱۲۱۵/۷۱) وَاِنْ بَدَا لِلْمُكَارِيْ مِنَ السَّفَرِ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِعُذْرٍ.

حل لغت: مکاری: اسم فاعل مصدر مکاراۃ کرایہ پر دینے والا آدمی۔

ترجمہ: اور اگر ارادہ ملتوی ہوگیا کرایہ پر دینے والے کا سفر سے تو یہ عذر نہیں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی سے یوں کہا کہ میں اپنے اونٹ پر بٹھا کر تم کو بیس کلومیٹر لے جاؤں گا اور پچاس روپے لوں گا بعد میں موجر کا ارادہ بدل گیا تو یہ عذر نہیں ہے یعنی اس کی وجہ سے اجارہ فسخ نہیں کر سکتا۔

دلیل: خود نہیں جا سکتا تو کسی مزدور کو اونٹ دے کر مستاجر کے ساتھ بھیج دے ہاں اگر موجر بہت زیادہ بیمار ہوگیا اور کوئی مزدور بھی جانے کے لئے تیار نہیں ہے یا اس بات کا خوف وخطرہ ہے کہ دوسرے کے ہاتھ میں جانور جا کر خراب ہو جائے گا تو یہ عذر ہے اس کی بنیاد پر اجارہ فسخ کر سکتا ہے (الجوہرة النیرة ۱/۳۳۳، اللباب ۲/۴۱، عینی ۳/۲۹۰)

کتاب الشفعة

(یہ کتاب شفعہ کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الاجارہ سے کتاب الشفعہ کو مناسبت یہ ہے کہ جیسے اجارہ کے انعقاد کے لئے کچھ شرائط ہیں اور کچھ اعذار سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے، ایسے ہی حق شفعہ کے ثبوت کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں، اور کچھ ایسے اعذار ہیں جن سے شفعہ فسخ ہو جاتا ہے، نیز دونوں میں غیر کا حق ثابت ہونے میں بھی اشتراک ہے۔

شفعہ کی لغوی تحقیق: شفعة فُعْلَةٌ کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے اس کے معنی ہے ملانا چوں کہ شفیع اپنی زمین کے ساتھ دوسرے کی زمین کو ملا لیتا ہے اس لیے اس کو شفعہ کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: دو شخص مثلاً کسی گھر میں شریک ہیں اب ایک شخص کسی دوسرے کے ہاتھ اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہے تو اب دوسرے شخص کو جو شریک ہے یہ حق ہے کہ اس کو روک دے اور خود خرید لے اس قیمت پر جس پر دوسرے کو بیچ رہا تھا۔

شفعہ کا ثبوت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِہٖ (ابوداؤد ۲/۴۹۶) پڑوس شفعہ کا زیادہ حق دار ہے۔

ثبوت شفعہ کی حکمت: آدمی دوسرے لوگوں کی تکلیف سے محفوظ رہے کیوں کہ اگر شفیع کو شفعہ نہ ملے تو دوسرے لوگ بیچ میں آجائیں گے اس لیے شریعت نے مناسب قیمت میں پہلے خریدنے کا حق دیا ہے۔

(۱۲۱۶/۱) اَلشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ لِلْخَلِيْطِ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ ثُمَّ لِلْخَلِيْطِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ ثُمَّ لِلْجَارِ.

حل لغات: واجبة: اس سے مراد ثبوت ہے یعنی حق شفعہ ثابت ہے، الخليط: شریک، شِرب: زمین میں پانی پلانے کا حق، تالی۔

ترجمہ: حق شفعہ ثابت ہے نفس مبیع میں شریک کے لئے پھر حق مبیع میں شریک کے لئے مثلاً پانی اور راستہ کا شریک پھر پڑوسی کے لئے۔

کن لوگوں کو شفعہ ملتا ہے؟

تشریح: جن لوگوں کو شفعہ ملتا ہے اتصال کی بنیاد پر ملتا ہے اور اتصال میں تین فریق شامل ہیں (۱) جس کی عین مبیع میں شرکت ہو مثلاً ایک مکان دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا آدھا ایک کا ہے اور آدھا دوسرے کا ہے اس کو مبیع میں شریک کہتے ہیں اب اگر ایک شریک اپنا حصہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے تو دوسرے شریک کو خریدنے کا زیادہ حق ہے اگر کسی دوسرے کو خریدنے کا حق دے دیا جائے تو اس کو نقصان ہوگا معلوم نہیں کہ اس کے عادات واخلاق کیسے ہوں۔

(۲) شرکت تھی مگر اب بٹوارہ ہو گیا اور سب نے اپنا حصہ علیحدہ کرلیا تھا لیکن زمین میں آنے کا راستہ یا زمین میں پانی آنے کی نالی میں شرکت باقی ہے ان کو حق مبیع میں شریک کہتے ہیں اب نفس مبیع میں شریک نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو حق مبیع میں جو شریک ہے اس کو شفعہ ملے گا۔

(۳) ایسا پڑوسی جو مشفوعہ مکان کی پشت پر ہو اگرچہ اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو (اس میں وہ پڑوسی شامل نہیں ہے جس کا مکان سامنے ہو اور درمیان میں آر پار راستہ ہو اگرچہ دونوں مکان کے دروازے قریب ہوں کیوں کہ درمیان کا آر پار راستہ کچھ نہ کچھ نقصان کو دور کرتا ہے) ان کو تیسرے نمبر پر حق شفعہ ملے گا مبیع میں شریک اور حق مبیع میں شریک نہ لیں تو اب پڑوسی کو حق ہوگا۔

صاحب کتاب کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان تینوں کے درمیان ترتیب ثابت ہے یعنی سب سے مقدم شریک فی نفس المبیع ہے پھر شریک فی حق المبیع اور پھر پڑوسی۔

اختلاف الائمۃ

شریک فی نفس المبیع اور شریک فی حق المبیع کے لئے حق شفعہ ہونا تو اجماعی مسئلہ ہے لیکن پڑوسی کو حق شفعہ ملے گا یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پڑوس کی وجہ سے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

دلیل: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ (بخاری شریف ۱/۳۰۰)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو پھر جب حدود متعین ہو جائیں اور

راستے بدل جائیں تو کوئی شفعہ نہیں ہے، اس حدیث میں جار جوار کا کوئی ذکر نہیں ہے صرف شریک کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ پڑوسی کو شفعہ نہیں ملے گا، نیز اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب شرکت ختم ہو جائے اور دونوں کے راستے الگ الگ ہو جائیں یعنی مبیع کے راستے میں بھی شرکت نہ ہو تو اب شفعہ نہیں ہوگا۔

جواب: مذکورہ حدیث میں جو 'فلاشفعة' کے ذریعہ شفعہ سے منع کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیں واقع ہو جانے اور تقسیم ہو جانے کے بعد اور راستے جدا ہو جانے کے بعد شرکت کی بنیاد پر شفعہ نہیں ملے گا کیونکہ تقسیم کی وجہ سے شرکت ختم ہو گئی البتہ پڑوس کی بنیاد پر شفعہ کا حق باقی ہے۔ (بذل المجہود ۴/۲۹۱، تنظیم الاشتات ۲/ ۱۴۷، درس ترمذی ۴/۳۱۵)

(۲) **دوسرا مذہب:** حنفیہ کے نزدیک جیسے شریک کو حق شفعہ ہے اسی طرح جار (پڑوسی) کو بھی حق شفعہ ہے۔

دلیل: حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جَارُ الدَّارِ اَحَقُّ بِدَارِ الْجَارِ وَ الْاَرْضِ (ابوداؤد ۲/ ۴۹۶:) گھر کا پڑوسی گھر اور زمین کا زیادہ حقدار ہے، اس حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پڑوسی بھی شفعہ کا حقدار ہوگا اس لیے شفعہ کو صرف شریک فی نفس المبیع اور شریک فی حق المبیع کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲/۱۲۱۷) وَلَیْسَ لِلشَّرِیْكِ فِی الطَّرِیْقِ والشِّرْبِ وَالْجَارِ شُفْعَةٌ مَعَ الْخَلِیْطِ فَاِنْ سَلَّمَ الْخَلِیْطُ فَالشُّفْعَةُ لِلشَّرِیْكِ فِی الطَّرِیْقِ فَاِنْ سَلَّمَ اَخَذَهَا الْجَارُ.

لغت: سلم: سپرد کردیا، چھوڑ دیا، لینے سے انکار کردیا۔

ترجمہ: اور نہیں ہے راستے اور پانی کے حق میں شریک کے لئے اور پڑوسی کے لئے شفعہ نفس مبیع میں شریک کے ہوتے ہوئے، پھر اگر شریک چھوڑ دے تو شفعہ راستے میں شریک کے لئے ہوگا، اگر وہ بھی چھوڑ دے تو اس کو پڑوسی لے لے۔

ترتیب شفع کا بیان

تشریح: سب سے پہلے مبیع میں شریک کو حق شفعہ ہے اس کے ہوتے ہوئے حق مبیع میں شریک یا پڑوسی کو حق نہیں ہے اگر وہ نہ لے تو حق مبیع میں شریک کو حق شفعہ ہے وہ بھی نہ ہو یا ہو مگر نہ لینا چاہتا ہو تو پڑوسی کو حق شفعہ ہے اور وہ بھی نہ ہو یا ہو مگر لینے سے انکار کردے تب دوسروں کو لینے کا حق ہے۔

دلیل: مذکورہ ترتیب پر دلیل یہ حدیث ہے: اَلْخَلِیْطُ اَحَقُّ مِنَ الشَّفِیْعِ وَالشَّفِیْعُ اَحَقُّ مِمَّنْ سِوَاهُ

(مصنف عبدالرزاق ۸/ ۷۸) شریک زیادہ حق دار ہے شفیع سے اور شفیع زیادہ حق دار ہے اس کے علاوہ سے، اس حدیث میں شفیع سے مراد شریک ہے یعنی پہلا حق شریک فی نفس المبیع کا دوسرا شریک فی حق المبیع کا اور تیسرا حق پڑوسی کا ہے۔

(۳/۱۲۱۸) وَالشُّفْعَةُ تَجِبُ بِعَقْدِ الْبَيْعِ وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ وَتَمْلِكُ بِالْأَخْذِ إِذَا سَلَّمَهَا الْمُشْتَرِىْ أَوْ حَكَمَ بِهَا حَاكِمٌ.

حل لغات: تستقر: فعل مضارع مصدر استقرار پختہ ہوجانا، مضبوط ہوجانا، اشہاد: گواہ بنانا، اخذ: لینا قبضہ کرنا۔

ترجمہ: اور شفعہ ثابت ہوتا ہے عقد بیع کے بعد اور پختہ ہوجاتا ہے گواہ بنانے سے اور مالک ہوجاتا ہے لے لینے سے جب دے دے اس کو مشتری یا حکم کردے اس کا حاکم۔

حق شفعہ کب ہوگا؟

تشریح: بعقد البیع: میں باء برائے سبب نہیں ورنہ یہ لازم آتا کہ بیع، سبب شفعہ ہے حالانکہ سبب، اتصال ہے یعنی شفعہ کا ثبوت عقد بیع کے بعد ہوتا ہے حق شفعہ کا سبب تو اتصال ملک ہے لیکن اس حق کے لینے کا سبب عقد بیع ہے۔

صاحب قدروی فرماتے ہیں کہ حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب بائع اس زمین یا مکان کو فروخت کر رہا ہو اور اپنی ملکیت سے نکال رہا ہو تب شفیع کو حق شفعہ کے ذریعہ سے اس کو لینے کا حق ہوتا ہے البتہ اس شفعہ میں پختگی اس وقت آئے گی جب کہ شفیع فروختگی کی اطلاع ملنے پر فوراً اسی مجلس میں شفعہ کے طلب پر گواہ قائم کرے کیوں کہ آگے اس کو قاضی کے یہاں اپنے لئے شفعہ کا فیصلہ بھی کروانا ہے اور اس کے ثبوت میں شہادت کی ضرورت پیش آئے گی، اگر اس نے اس بات پر گواہ نہیں بنایا (کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اس مکان میں شفعہ طلب کیا ہے) تو حق شفعہ باطل ہوجائے گا، پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ شفیع اس دار مشفوعہ پر قبضہ کرنے کے بعد مکمل مالک ہوجاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مشتری مبیع کو شفیع کے حوالہ کردے یا قاضی فیصلہ کردے کہ یہ مبیع شفیع کی ہے تب ہی شفیع اس مبیع کا مالک ہوگا کیوں کہ مشتری اس مکان کا مالک ہوچکا ہے اور اسکی ملکیت تام ہے اب اس مکان کو اس کی ملکیت سے نکالنے کے لئے رضامندی سے سپردگی پائی جائے یا حاکم کا فیصلہ پایا جائے۔

(۴/۱۲۱۹) وَإِذَا عَلِمَ الشَّفِيْعُ بِالْبَيْعِ أَشْهَدَ فِىْ مَجْلِسِهٖ ذَالِكَ عَلَى الْمُطَالَبَةِ ثُمَّ يَنْهَضُ مِنْهُ فَيُشْهِدُ عَلَى الْبَائِعِ إِنْ كَانَ الْمَبِيْعُ فِىْ يَدِهٖ أَوْ عَلَى الْمُبْتَاعِ أَوْ عِنْدَ الْعَقَارِ فَإِذَا فَعَلَ ذَالِكَ اِسْتَقَرَّتْ شُفْعَتُهٗ.

حل لغات: ینہض: فعل مضارع باب فتح مصدر نہوضاً اٹھنا، المبتاع: مشتری، العقار: زمین گھر کا سامان، ہر غیر منقول چیز جمع عقارات۔

ترجمہ: اور جب شفیع کو بیع کا علم ہو تو گواہ بنالے اسی مجلس میں مطالبہ پر پھر وہاں سے اٹھ کر گواہ بنائے بائع پر اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری پر یا زمین کے پاس جب شفیع یہ کام کر چکا تو اس کا حق شفعہ پختہ ہو گیا۔

تشریح: شفعہ کا ثبوت چوں کہ طلب پر موقوف ہے اس لیے اس عبارت میں اس کی کیفیت اور تقسیم بیان کر رہے ہیں، طلب کی تین قسمیں ہیں (۱) طلب مواثبت (۲) طلب اشہاد (۳) طلب خصومت، صاحب کتاب نے اس عبارت میں اول اور دوم کو بیان کیا ہے، سوم آگے بیان کریں گے۔

طلب مواثبت: جیسے ہی شفیع کو بکنے کا علم ہو کہ میرے شریک یا پڑوسی نے فلاں مکان فروخت کر دیا تو اس پر ضروری ہے کہ اسی مجلس میں فوراً اپنا شفعہ طلب کرے اس کی صورت یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو اپنا مکان فروخت کر دیا میں اس کا شفیع ہوں میں اس مکان کو خریدنا چاہتا ہوں اس طلب کو طلب مواثبت کہتے ہیں، چوں کہ یہ طلب عجلت اور فوریت کو چاہتی ہے اس۔ لیے اس کا نام طلب مواثبت ہے۔

طلب اشہاد: جب شفیع مجلس علم میں طلب مواثبت کر چکا تو اس کو چاہئے کہ اب باہر نکل کر بائع کے پاس آئے اور گواہ قائم کرے اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے پاس گواہ قائم کرے اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا پھر زمین جائداد کے پاس جا کر گواہ بنائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ فلاں نے اس گھر کو خرید لیا اور میں اس کا شفیع ہوں اور میں نے شفعہ طلب کیا تھا اور اب بھی کر رہا ہوں تم اس کے اوپر گواہ رہو اس طلب کو طلب تقریر اور طلب استحقاق بھی کہتے ہیں، ان دونوں طلبوں کے بعد شفعہ میں پختگی آجائے گی مگر مملوک نہیں ہوگا یہاں تک طلب کی دو قسموں کا ذکر آچکا ہے تیسری قسم طلب الخصومۃ ہے اور اسکا دوسرا نام طلب التملک ہے یہ طلب قاضی کے سامنے ہوگی اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

نوٹ: **اشهد فی مجلسه ذالك علی المطالبة** اس سے طلب مواثبت مراد ہے۔

فیشهد الی عند العقار اس سے طلب اشہاد مراد ہے اور طلب مواثبت پر گواہ بنانے کو صرف اس وجہ سے کہا ہے کہ اگر مشتری طلب مواثبت کا انکار کرنے لگے تو گواہوں سے اس کو ثابت کیا جا سکے۔

(۱۲۲۰/۵) وَلَمْ تَسْقُطْ بِالتَّاخِيْرِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ تَرَكَهَا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ شَهْراً بَعْدَ الْاِشْهَادِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ.

ترجمہ: اور ساقط نہیں ہوگا تاخیر کرنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا امام محمد نے اگر چھوڑ دیا شفعہ بغیر عذر کے ایک ماہ تک گواہ بنانے کے بعد تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

کیا طلب خصومت میں تاخیر کی وجہ سے شفعہ باطل ہے؟

تشریح: ماقبل میں گذر چکا ہے کہ طلب مواثبت اور طلب اشہاد کے بعد شفعہ میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے اب

مسئلہ یہ ہے کہ تیسری طلب (طلب خصومت) میں تاخیر ہو جانے سے شفعہ باطل ہوگا یا نہیں اس بارے میں تو میں اتفاق ہے کہ اگر عذر کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو شفعہ کا حق باقی رہے گا ساقط نہیں ہوگا لہٰذا اگر شہر میں قاضی نہ ہو اور اس کی وجہ سے تاخیر ہوگئی تو یہ تاخیر بالعذر ہے ایسی تاخیر کی وجہ سے بالاتفاق شفعہ باطل نہ ہوگا کیوں کہ جب قاضی ہی نہیں تھا تو وہ کہاں مخاصمت کرتا لیکن اگر تاخیر بغیر عذر کے ہو تو اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

اختلاف الائمة

(۱) شفعہ میں طلب مواثبت اور طلب اشہاد کے بعد خاموش بیٹھ جائے اور عرصہ دراز تک طلب خصومت نہ کرے یعنی اپنے حق شفعہ کے حصول کے لئے عدالتی چارہ جوئی نہ کرے خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے شفیع کا حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا شیخین کا یہی مذہب ہے۔

دلیل: دو جگہ گواہ بنانے کے بعد حق شفعہ مضبوط اور ثابت ہو گیا اب ثابت ہونے کے بعد ختم نہیں ہوگا ہاں صاحب حق ہی زبانی طور پر صراحتاً انکار کردے تو اور بات ہے اس لیے قاضی کے پاس جانے میں تاخیر ہونے سے حق ساقط نہیں ہوگا۔ (اللباب ۲/۴۳، الجوہرة النیر ۃ ۱/۳۳۶)

دوسرا مذہب: امام محمد و امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ اگر طلب خصومت میں ایک ماہ کی تاخیر کردی تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا لوگوں کو نقصان سے بچانے کے لئے یہی قول مفتی بہ ہے۔ (شامی ۵/۱۹۷)

دلیل: اگر کبھی تک بھی خصومت کی تاخیر سے شفعہ باطل نہ ہو تو اس میں مشتری کا نقصان ہے کیوں کہ وہ کبھی بھی اس میں تصرف نہ کر سکے گا اس لیے کہ اسے یہ خوف رہے گا کہ شفیع میرے تصرف کو توڑ دے گا تو ہم نے ایک ماہ کی میعاد مقرر کردی کہ اس سے پہلے پہلے تاخیر حق شفعہ کو ساقط کرنے والی نہیں ہے اور ایک ماہ تک تاخیر مسقط ہے، ایک ماہ سے کم کی مدت کو قلیلہ اور ایک ماہ سے زائد کی مدت کو بعیدہ شمار کیا جاتا ہے (اللباب ۲/۴۳)

(۶/۱۲۲۱) وَالشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعَقَارِ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ كَالْحَمَّامِ وَالرَّحٰى وَالْبِئْرِ وَالدُّوْرِ الصِّغَارِ.

حل لغات: الحمام: خاص قسم کا غسل خانہ، الرحی: پن چکی، البئر: کنواں، الدور الصغار: چھوٹے چھوٹے گھر جو تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہیں۔

ترجمہ: اور شفعہ ثابت ہوتا ہے زمین میں اگرچہ وہ ایسی ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے حمام، پن چکی کنواں اور چھوٹے گھر۔

کن چیزوں میں شفعہ ہے اور کن چیزوں میں نہیں

تشریح: اب تک امام قدوریؒ نے شفعہ کے ثبوت پر اجمالی کلام کیا ہے اب اس کا تفصیلی حکم بیان کررہے ہیں چناں چہ فرماتے ہیں کہ زمین میں شفعہ ثابت ہوتا ہے یہ بات متفق علیہ ہے پھر زمین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ زمین جو تقسیم کے قابل ہو جیسے دو ہزار گز زمین کا پلاٹ دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا اس کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا اس میں سب کے نزدیک حق شفعہ ہوگا۔

(۲) وہ زمین جو قابل تقسیم نہ ہو یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہے جیسے ایک تنگ غسل خانہ ہے اگر اس کا بٹوارہ کر دیا جائے تو وہ کسی کام کا بھی نہ رہے گا یا پن چکی اور اس کی زمین کہ اس کو تقسیم کرنے سے کسی کام کی نہ رہے گی ایسے ہی تنگ چھوٹا کنواں اور چھوٹے مکان دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے اس دوسری صورت میں حنفیہ و شافعیہ کا اختلاف ہے۔

اختلاف الائمۃ

احناف کا مذہب: جو زمین ہو یا زمین کی جنس سے ہو اس میں حق شفعہ ہوتا ہے خواہ وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو ہر حال میں شفعہ کا حق ہے جیسا کہ اس کی چند مثالیں قسم دوم میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

شوافع کا مذہب: جو چیزیں تقسیم ہونے سے استعمال کے قابل نہ رہیں ان میں حق شفعہ نہیں ہے۔

دلیل: شفعہ کی علت بٹوارہ کی مشقت سے بچانا ہے اور یہ چیز جب بٹوارہ کے قابل ہی نہ رہی یعنی بٹوارہ کے بعد قابل انتفاع نہ رہی تو بٹوارہ کی مشقت سے بچانے کا کیا مطلب؟

حنفیہ کی دلیل: شفعہ کی علت اتصال ملک ہے اور وہ یہاں بھی موجود ہے کیوں کہ شفعہ کی حکمت برے پڑوسی کے نقصان کو دور کرنا ہے اور یہ حکمت دونوں صورتوں میں موجود ہے نیز حضرت جابرؓ سے روایت ہے قضی النبیؐ بالشفعة فی کل مالم یقسم (بخاری ۳۰۰) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ چیز جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس میں بھی حق شفعہ ہے۔

(۱۲۲۲/۷) وَلَا شُفْعَةَ فِي الْبِنَاءِ وَالنَّخْلِ اِذَا بِيعَ بِدُوْنِ الْعَرْصَةِ.

لغت: لعرصة: میدان، زمین۔

ترجمہ: اور نہیں ہے شفعہ عمارت اور باغ میں جب بلاصحن کے فروخت ہوں۔

تشریح: اگر صرف عمارت فروخت ہو رہی ہو اس کی زمین نہ بک رہی ہو ایسے ہی باغ بک رہا ہے لیکن اس کی زمین نہیں بک رہی ہے تو حق شفعہ نہیں ہوگا کیوں کہ عمارت اور باغ بغیر زمین کے منقولی اشیاء کی طرح ہو گئے اس لیے

ان میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

(۸/۱۲۲۳) وَلَا شُفْعَةَ فِي الْعُرُوْضِ وَالسُّفُنِ.

حل لغات: عروض: واحد عَرْضٌ سامان، السفن: واحد سفينةٌ کشتی۔

ترجمہ: اور نہیں ہے شفعہ سامان اور کشتیوں میں۔

کیا اشیاء منقولہ میں شفعہ ہے؟

تشریح: سامان اور اسباب فروخت ہو رہے ہیں یا کشتیاں فروخت ہو رہی ہوں تو ان میں حق شفعہ نہیں ہوگا یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے۔

حنفیہ کی دلیل: کشتیاں اور سامان منتقل ہوتے رہتے ہیں اور حق شفعہ کے ثبوت کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ وہ اشیاء غیر منقولہ میں چلتا ہے جیسے زمین وغیرہ اور غیر منقولہ میں نہیں چلتا کیوں کہ ان میں شفعہ کی علت نہیں پائی جاتی اور وہ علت اتصال ملک دوام وقرار ہے لہٰذا ان چیزوں میں پڑوسیت کا نقصان نہیں ہے تو شفعہ بھی جاری نہ ہوگا۔

امام مالک کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک اگر شرکت ہو تو سامان میں بھی شفعہ ہوگا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم نہ ہوئی ہو، اس لیے سامان میں بھی اگر شرکت ہو تو اس میں شفعہ ہوگا ایسے ہی کشتیوں میں بھی شفعہ ہوگا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں یہ الفاظ ہیں قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ (مصنف عبدالرزاق ۸/۸۷)

جواب: الشفعة في كل شيءٍ، سے مراد یہ ہے کہ في كل شئ من غير المنقولات حدیث میں اگرچہ لفظ عام ہے مگر اس سے خصوص مراد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منقولہ اشیاء میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہو۔

(۹/۱۲۲۴) وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ فِي الشُّفْعَةِ سَوَاءٌ

ترجمہ: مسلمان اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں۔

تشریح: جیسے مسلمان کو شفعہ کا حق ہے ایسے ہی اگر پڑوس میں ذمی ہے تو اس کو بھی حق شفعہ حاصل ہوگا، کیوں کہ احادیث میں عموم ہے جن میں مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں ہے ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک ذمی کے لئے شفعہ نہیں ہے مگر احادیث کا عموم ان کے خلاف حجت ہے۔

(۱۰/۱۲۲۵) وَإِذَا مَلَكَ الْعَقَارَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ وَجَبَتْ فِيهِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور جب مالک ہو جائداد کا ایسی چیز کے بدلے جو مال ہو تو اس میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔

تشریح: اگر مشتری نے ایسی چیز کے بدلے زمین لی کہ جو چیز شفیع بھی دے سکتا ہے تو حق شفعہ ثابت ہوگا جیسے روپے پیسے کے بدلے یا گیہوں، چاول کے بدلے کہ ان چیزوں کو شفیع بھی دے سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ زمین کے بدلے میں مالی معاوضہ دیا گیا ہو ورنہ شفعہ ثابت نہ ہوگا، صاحب قدوری نے **ملك العقار** فرمایا **اشتریٰ العقار** نہیں فرمایا کیوں کہ اگر ہبہ بشرط العوض ہو تو وہاں بھی حق شفعہ ہوگا حالانکہ وہاں خریداری نہیں ہے کذا فی الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۳۳۷

(۱۱/۱۲۲۶) وَلَا شُفْعَةَ فِي الدَّارِ الَّتِيْ يَتَزَوَّجُ الرَّجُلُ عَلَيْهَا اَوْ تُخَالِعُ الْمَرْاَةُ بِهَا اَوْ يَسْتَاجِرُ بِهَا دَاراً اَوْ يُصَالِحُ مِنْ دَمِ عَمَدٍ اَوْ يُعْتِقُ عَلَيْهَا عَبْداً.

ترجمہ: اور نہیں ہے شفعہ اس گھر میں کہ شادی کرے مرد اس پر یا عورت خلع کرے اس کے بدلے یا کرایہ پر لے اس کے بدلے کسی گھر کو یا صلح کرے دم عمد کے بدلے یا آزاد کرے گھر کے بدلے غلام کو۔

تشریح: ماقبل کے مسئلہ میں یہ بات آچکی ہے کہ جہاں مال کا تبادلہ مال کے ساتھ ہوگا وہیں شفعہ ملے گا لہٰذا صاحب کتاب نے اس عبارت میں پانچ ایسے مسئلے بیان کئے ہیں کہ جن میں مبادلۃ المال بالمال نہ ہونے کی وجہ سے شفعہ نہیں ملے گا۔

(۱) ایک آدمی نے گھر کے بدلے شادی کی یعنی گھر مہر میں دیا تو اس گھر میں شفیع کو حق شفعہ نہیں ہے کیوں کہ مکان کا عوض بضع ہے اور شفیع بضع نہیں دے سکتا۔

(۲) عورت کسی مکان کے بدلے اپنے شوہر سے خلع کرے تو اس گھر میں کسی کو شفعہ کا حق نہیں ہے کیوں کہ مکان کا عوض اپنی بضع کی خلاصی ہے جو مال نہیں ہے۔

(۳) کسی نے اپنے مکان کے بدلے کوئی دوسرا مکان کرایہ پر لیا تو اس صورت میں بھی شفعہ نہ ہوگا کیوں کہ مکان کے منافع مال نہیں ہے۔

(۴) کسی آدمی نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کر دیا تھا قاتل نے مقتول کے وارثین کو گھر دے کر صلح کر لی تو اس گھر میں حق شفعہ نہیں ہے کیوں کہ قصاص مال نہیں ہے۔

(۵) کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ فلاں شخص کے مکان کے بدلے میں تجھے آزاد کرتا ہوں اور اس شخص نے وہ مکان غلام کو ہدیہ کر دیا اب وہ مکان غلام اپنے آقا کو دے تو ایسے مکان میں شفعہ نہیں ہے کیوں کہ آزادی مال نہیں ہے۔

(۱۲/۱۲۲۷) اَوْ يُصَالِحُ عَنْهَا بِاِنْكَارٍ اَوْ سُكُوْتٍ فَاِنْ صَالَحَ عَنْهَا بِاِقْرَارٍ وَجَبَتْ فِيْهِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: یا صلح کرے گھر کے بدلے انکار یا سکوت کے بعد اگر صلح کی گھر کے بدلے اقرار کے ساتھ تو اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔

مصالحت کی صورتیں

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ نے مصالحت کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ جس گھر میں تم رہتے ہو یہ میرا ہے اور تم اس مکان پر غلط طریقے سے قابض ہو مدعیٰ علیہ نے مدعی کی ملکیت کا صاف انکار کر دیا بعد میں مدعی علیہ نے جھگڑے کا شر دور کرنے کے لئے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو اب اس مکان میں کسی کو حق شفعہ نہیں ہے کیوں کہ مدعی علیہ کے خیال کے مطابق اس گھر کا مالک شروع سے وہی ہے اس کی ملک زائل ہی نہیں ہوئی اس نے تو جھگڑے کے خوف سے مال دیا ہے تو یہاں بیع کے معنی ہی نہیں پائے گئے۔

(۲) مدعی علیہ نے نہ مدعی کی ملکیت کا اقرار کیا نہ انکار کیا بلکہ خاموش رہا پھر ایک ہزار روپے دے کر صلح کر لی تو اس صورت میں حق شفعہ نہ ہوگا کیوں کہ اس بات کا امکان ہے کہ اس نے ہزار روپے اس لیے دیئے ہوں کہ اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکا تو مجھے قسم کھانی پڑے گی اور شریف لوگ حتی المقدور قسم کھانے سے گریز کیا کرتے ہیں خواہ قسم سچی ہی کیوں نہ ہوں تو یہاں ہزار روپے گویا کہ قسم کا فدیہ ہے اور قسم مال نہیں ہے۔

(۳) مدعی علیہ نے مدعی کی ملکیت کا اقرار کر لیا کہ ہاں مکان تمہارا ہی ہے اور پھر کچھ مال دے کر صلح کر لی اس صورت میں اس مکان میں حق شفعہ ہے کیوں کہ یہ کھلم کھلا بیع ہے گویا کہ مدعی علیہ نے ہزار روپے کے بدلے ملک کو حاصل کیا ہے۔

(۱۲۲۸/۱۳) وَاِذَا تَقَدَّمَ الشَّفِيْعُ اِلَى الْقَاضِىْ فادعى الشِّرَاءَ وَطَلَبَ الشُّفْعَةَ سَأَلَ الْقَاضِىْ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنْهَا فَاِنِ اعْتَرَفَ بِمِلْكِهِ الَّذِىْ يَشْفَعُ بِهِ وَاِلَّا كَلَّفَهُ بِاِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ فَاِنْ عَجَزَ عَنِ الْبَيِّنَةِ اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِىْ بِاللّٰهِ مَايَعْلَمُ اَنَّهٗ مَالِكٌ لِلَّذِىْ ذَكَرَهٗ مِمَّا يَشْفَعُ بِهٖ فَاِنْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِيْنِ اَوْ قَامَتْ لِلشَّفِيْعِ بَيِّنَةٌ سَأَلَهُ الْقَاضِىْ هَلِ ابْتَاعَ اَمْ لَا فَاِنْ اَنْكَرَ الْاِبْتِيَاعَ قِيْلَ لِلشَّفِيْعِ اَقِمِ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ عَجَزَ عَنْهَا اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِىْ بِاللّٰهِ مَا ابْتَاعَ اَوْ بِاللّٰهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلٰى هٰذِهِ الدَّارِ شُفْعَةً مِنَ الْوَجْهِ الَّذِىْ ذَكَرَهٗ.

ترجمہ: اور جب جائے شفیع قاضی کے پاس اور دعوی کرے خرید کا اور طلب کرے شفعہ تو پوچھے قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے اس کے بارے میں اگر اقرار کر لے وہ اس مکان کی ملکیت کا جس سے شفعہ کا دعوی کر رہا ہے تو بہتر ہے ورنہ مدعی کو مکلف بنائے گواہ قائم کرنے کا اگر وہ عاجز ہو جائے گواہوں سے تو قسم لے مشتری سے خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ میں اس مکان کا مالک ہوں جس کے شفعہ کا یہ دعوی کرتا ہے اگر وہ انکار کر دے قسم کھانے سے یا حاصل ہو جائیں شفیع کے لئے بینہ تو دریافت کرے قاضی مدعی علیہ سے کہ تم نے خریدا ہے یا نہیں اگر وہ انکار کرے خریدنے کا تو کہا جائے گا شفیع سے کہ ثبوت لا (اس خریدنے پر) اب اگر وہ اس سے عاجز ہو جائے تو قسم لے مشتری سے، خدا کی قسم میں نے نہیں خریدا یا بخدا یہ اس مکان پر اس طرح شفعہ کا مستحق نہیں ہے جس طرح اس نے ذکر کیا ہے۔

طلب خصومت کی کیفیت

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے طلب خصومت کی کیفیت بیان کی ہے چناں چہ فرمایا کہ جب شفیع قاضی کی عدالت میں پہنچ کر خریداری کا دعویٰ کر کے شفعہ طلب کرے تو قاضی مشتری سے تحقیق کرے گا کہ کیا واقعی وہاں شفیع کا ذاتی ملکیت کا گھر ہے جس کی وجہ سے یہ شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر مشتری اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ شفیع کا ذاتی مکان ہے تو ٹھیک (شفیع کا مطالبہ منظور ہوگا) لیکن اگر مشتری شفیع کے لئے ذاتی مکان ہونے کا انکار کرتا ہے تو قاضی شفیع سے کہے گا کہ اپنی ملکیت پر گواہ قائم کرو محض شفیع کا مکان پر قبضہ ذاتی ملکیت کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے کیوں ہوسکتا ہے کہ شفیع کے پاس وہ مکان کرایہ کا ہو یا کسی سے عاریتاً لے رکھا ہو اس لیے اپنی ذاتی ملکیت پر گواہ قائم کرنے ہوں گے جب قاضی نے شفیع سے ثبوت ملک پر گواہ مانگے اور وہ عاجز ہو گیا تو اس کا دعویٰ ثابت نہ ہوگا ہاں اگر شفیع مطالبہ کرے تو اس کی طلب پر قاضی مشتری سے قسم لے کہ تمہیں علم ہے یا نہیں کہ یہ اس گھر کا مالک ہے اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کر دے یا شفیع اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کر دے دونوں صورتوں میں سے جو بھی ہو شفیع کی ملکیت اس گھر میں ثابت ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا مستحق بن رہا ہے جب بات یہاں تک ثابت ہوگئی تو اب قاضی مشتری سے پوچھے گا کہ کیا واقعی فلاں شخص نے تم کو اپنا گھر فروخت کیا ہے یا نہیں اگر وہ اقرار کرے تو ٹھیک ہے، اور اگر مشتری انکار کر دے تو قاضی شفیع سے مشتری کے مکان خریدنے پر ثبوت مانگے گا اگر شفیع خرید پر ثبوت نہ لا سکا تو قاضی مشتری سے دوبارہ قسم لے صاحب کتاب نے یہاں قسم کے دو جملے استعمال کئے ہیں (۱) جس میں خرید کی نفی ہے (۲) جس میں شفیع کے استحقاق کی نفی ہے اول کا مطلب ہے بخدا میں نے مکان نہیں خریدا ثانی کا مطلب ہے بخدا شفیع اس مکان پر شفعہ کا دعویٰ کرنے کا مستحق نہیں ہے۔

(۱۴/۱۲۲۹) وَتَجُوْزُ الْمُنَازَعَةُ فِي الشُّفْعَةِ وَاِنْ لَمْ يُحْضِرِ الشَّفِيْعُ الثَّمَنَ اِلٰى مَجْلِسِ الْقَاضِيْ وَ اِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لَهٗ بِالشُّفْعَةِ لَزِمَهٗ اِحْضَارُ الثَّمَنِ.

ترجمہ: اور شفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے اگرچہ شفیع قاضی کی مجلس میں ثمن کو حاضر نہ کرے پھر جب قاضی فیصلہ کر دے اس کے لئے شفعہ کا تو لازم ہے اس پر ثمن پیش کرنا۔

کیا قاضی کی مجلس میں جائداد کی قیمت لے کر آنا ضروری ہے؟

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر شفیع قاضی کی مجلس میں جائداد کی قیمت لے کر نہ آیا ہو پھر بھی مطالبہ شفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے لیکن جس وقت قاضی شفعہ کا فیصلہ کر دے تو زمین کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔

دلیل: قاضی کے فیصلہ سے پہلے شفیع پر کوئی چیز واجب نہیں تو جس طرح ثمن کی ادائیگی ضروری نہیں ایسے ہی

قاضی کی عدالت میں ثمن لانا بھی ضروری نہیں ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ پہلے قیمت حاضر کرے تب قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ شفیع مفلس ہو اس کے پاس زمین کی قیمت ہی نہ ہو تو اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ کرنا غلط ہو جائے گا اور مشتری ثمن کے انتظار میں بیٹھا رہے گا (الجوہرۃ النیر ۱/۳۳۸)

(۱۵/۱۲۳۰) وَلِلشَّفِيعِ اَنْ يَرُدَّ الدَّارَ بِخِيَارِ الْعَيْبِ وَالرُّؤْيَةِ.

ترجمه: اور جائز ہے شفیع کیلئے کہ واپس کردے مکان خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے۔

تشریح: اگر شفیع نے حق شفعہ کے ماتحت مکان لے لیا پھر اس میں کوئی عیب دیکھا یا گھر نہیں دیکھا تھا اور حق شفعہ کے ماتحت خرید لیا تھا بعد میں پسند نہیں آیا تو خیار عیب اور خیار رویت کے ماتحت اس کو واپس کرسکتا ہے کیوں کہ شفعۃً مکان لینا درحقیقت خریدنا ہے تو جیسے عام بیوع میں خیار عیب اور خیار رویت ہوتا ہے ایسے ہی شفعہ میں ہوگا۔

(۱۶/۱۲۳۱) وَاِنْ اَحْضَرَ الشَّفِيعُ الْبَائِعَ وَالْمَبِيعُ فِيْ يَدِهٖ فَلَهٗ اَنْ يُخَاصِمَهٗ فِي الشُّفْعَةِ وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِيْ الْبَيِّنَةَ حَتّٰى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِيْ فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ بِمَشْهَدٍ مِّنْهُ وَيَقْضِيْ بِالشُّفْعَةِ عَلَى الْبَائِعِ وَيَجْعَلُ الْعُهْدَةَ عَلَيْهِ.

حل لغات: یخاصم: فعل مضارع باب مفاعلۃ مصدر مخاصمۃ جھگڑا کرنا۔ مشهد: مصدر میمی شہود و حضور کے معنی میں ذمہ داری سپرد کرنا یعنی اگر اس میں کسی کا استحقاق ثابت ہو جائے تو ثمن کا ضمان بائع پر ہوگا کیوں کہ ثمن پر قبضہ کرنے والا وہی ہے، العهدة: بیع وشراء میں ہونے والے امور۔

ترجمه: اور اگر حاضر کردے شفیع بائع کو اور مبیع اس کے قبضہ میں ہو تو شفیع کے لئے حق ہے کہ وہ جھگڑا کرے بائع سے شفعہ کے متعلق اور نہ سنے قاضی بینہ کو یہاں تک حاضر ہو جائے مشتری (عدالت میں) پھر فسخ کردے بیع کو اس کی موجودگی میں اور فیصلہ کردے شفعہ کا بائع پر اور ڈالدے ذمہ داری بائع پر۔

تشریح: مبیع پر مشتری کا قبضہ نہیں ہوا ابھی تک بائع کے قبضہ میں ہے تو شفیع کے لئے جائز ہے کہ بائع سے مخاصمت کرے اور اسی کو قاضی کے سامنے حاضر کرے اور لین دین کے سارے امور بائع اور شفیع کے درمیان طے ہوں گے لیکن چوں کہ بیع کی وجہ سے مبیع مشتری کی ہوچکی ہے اس لیے قاضی کو دو کام کرنے پڑیں گے ایک تو یہ کہ مشتری کی موجودگی کے بغیر شفیع کے گواہوں کی گواہی نہ سنے بلکہ اس کے آنے کے بعد ہی سنے گا دوسرے یہ کہ مشتری کی موجودگی میں پہلے بائع اور مشتری کے درمیان ہونے والی بیع کو توڑ دے بیع توڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی یوں کہے کہ میں نے مشتری کی خریداری کو ختم کردیا۔

یہ نہ کہے کہ میں نے بیع کو فسخ کردیا تاکہ شفعہ باطل نہ ہو جائے کیوں کہ شفعہ بیع پر قائم ہوتا ہے اور جب بیع کو فسخ کردیا گیا تو شفعہ کس پر ہوگا بہرحال اس بیع کو توڑنے کے بعد فیصلہ بائع پر ہوگا اور وہی اس کا ذمہ دار ہوگا لیکن دین کے

سارے امور بائع اور شفیع کے درمیان ہوں گے قدوری کی عبارت ویجعل العهدة کا مطلب یہی ہے۔
(الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۳۳۸)

(۱۲۳۲/ ۱۷) وَاِذَا تَرَكَ الشَّفِيْعُ الْاِشْهَادَ حِيْنَ عَلِمَ بِالْبَيْعِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى ذَالِكَ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ.

ترجمہ: اور اگر چھوڑ دے شفیع گواہ بنانا جب اسے بیع کا علم ہو حالانکہ وہ اس پر قادر تھا تو باطل ہو جائے گا اس کا شفعہ۔

وہ صورتیں جن میں شفعہ باطل ہو جاتا ہے یا باطل نہیں ہوتا، ان کا بیان

تشریح: عبارت کے اندر اشہاد سے مراد طلب اشہاد نہیں ہے بلکہ طلب مواثبت مراد ہے اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شفیع کو معلوم ہوا کہ فلاں زمین یا مکان بک رہا ہے اور وہ اس وقت طلب مواثبت (حق شفعہ کے طور پر لینے کے لئے گواہ بنانا) پر قادر تھا اس سے عاجز اور مجبور نہیں تھا اس کے باوجود بھی اس نے طلب مواثبت نہیں کی تو چوں کہ یہ شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے اس لیے اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

(۱۲۳۳/ ۱۸) وَكَذَالِكَ اِنْ اَشْهَدَ فِي الْمَجْلِسِ وَلَمْ يُشْهِدْ عَلٰى اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَلَا عِنْدَ الْعَقَارِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر گواہ بنائے وہ مجلس میں اور نہ گواہ بنائے بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کے پاس اور نہ زمین کے پاس۔

تشریح: اگر شفیع مجلس علم میں گواہ بنالے یعنی طلب مواثبت کر لے مگر بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کے پاس یا زمین کے پاس جا کر گواہ نہ بنائے یعنی طلب اشہاد چھوڑ دے تو اس سے بھی اعراض کا پتہ چلتا ہے لہٰذا شفعہ کا حق باطل ہو جائے گا۔

(۱۲۳۴/ ۱۹) وَاِنْ صَالَحَ مِنْ شُفْعَتِهٖ عَلٰى عِوَضٍ اَخَذَهٗ بَطَلَتِ الشُّفْعَةُ وَيَرُدُّ الْعِوَضَ.

ترجمہ: اور اگر صلح کرے اپنے شفعہ سے کسی عوض پر تو باطل ہو جائے گا شفعہ اور وہ عوض کو لوٹائے گا۔

تشریح: کسی کو حق شفعہ تھا لیکن زمین لینے کے بجائے مشتری سے مصالحت کی کہ میں ہزار روپے میں اپنا حق شفعہ چھوڑ دوں گا تو امام قدوری فرماتے ہیں کہ شفعہ بھی باطل ہو گیا اور جو ہزار روپے لئے ہیں ان کا بھی واپس کرنا ضروری ہے کیوں کہ یہ رشوت ہے جو کہ حرام ہے اور عوض لینے سے اعراض عن الشفعہ کا پتہ چلتا ہے اور جب اعراض پایا گیا تو حق شفعہ باطل ہو گیا تو عوض کس چیز کا لیا اس لیے جو عوض لیا وہ واپس کرنا ہو گا (اللباب فی شرح الکتاب ۲/ ۴۷)

(۱۲۳۵/۲۰) وَاِذَا مَاتَ الشَّفِيْعُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ.

ترجمہ: اور جب مرجائے شفیع تو باطل ہوجائے گا اس کا شفعہ۔

تشریح: اگر شفیع مرگیا اور ابھی قاضی نے اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا تھا تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا یعنی موت شفیع سے شفعہ اس وقت باطل ہوگا جب کہ طلب مواثبت اور طلب اشہاد کے بعد شفعہ کے فیصلہ سے پہلے پہلے شفیع کا انتقال ہوگیا اور اگر قاضی شفعہ کا فیصلہ کرچکا اور مکان وغیرہ کی قیمت لانے سے پہلے شفیع کا انتقال ہوگیا تو چوں کہ فیصلہ ہوچکا ہے صرف قیمت حاضر کرنا باقی ہے اس لیے شفیع کے وارثین اس چیز کی قیمت دے کر لے لیں گے اب شفیع کے ورثہ کو حق شفعہ ہوگا، ماقبل کی تفصیل مسلک احناف کے مطابق ہے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر شفیع قضاء قاضی سے پہلے مرجائے تو اس کا شفعہ میراث میں وارثین کو مل جائے گا جیسے خیار شرط میں میراث جاری ہوتی ہے حق شفعہ کے اندر بھی ہوگی اور احناف کے نزدیک جیسے خیار شرط میں میراث نہیں چلتی ایسے ہی حق شفعہ کے اندر بھی میراث نہیں چلتی۔ باقی تفصیل باب خیار الشرط مسئلہ (۸۵۵)(۷) کے تحت دیکھیں۔

(۱۲۳۶/۲۱) وَاِذَا مَاتَ الْمُشْتَرِیْ لَمْ تَسْقُطِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر مرجائے مشتری تو شفعہ ساقط نہ ہوگا۔

تشریح: اگر مشتری مرگیا تو چوں کہ حق شفعہ والا یعنی شفیع موجود ہے اور بیع ہوچکی ہے جس کی وجہ سے حق شفعہ ملتا ہے لہٰذا یہاں شفعہ باطل نہ ہوگا۔

(۱۲۳۷/۲۲) وَاِنْ بَاعَ الشَّفِيْعُ مَا يَشْفَعُ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰی لَهٗ بِالشُّفْعَةِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ.

ترجمہ: اور اگر بیچ دے شفیع وہ گھر جس کی وجہ سے وہ شفیع بنا تھا اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ کئے جانے سے پہلے تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا۔

تشریح: ابھی تک شفیع کے لئے قاضی نے شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ شفیع نے اپنا وہ گھر ہی بیچ دیا جس کی بنیاد پر اس کو حق شفعہ ملا تھا تو اب اس کو شفعہ نہیں ملے گا، کیوں کہ قاضی کا فیصلہ ہونے تک وہ مکان شفیع کے پاس رہنا چاہئے تھا اب نہیں رہا تو حق شفعہ کا فیصلہ کیسے ہوگا؟ کیوں کہ شفعہ ملنے کا جو سبب تھا وہی زائل ہوگیا لہٰذا شفعہ باطل ہوجائے گا۔

(۱۲۳۸/۲۳) وَ وَكِيْلُ الْبَائِعِ اِذَا بَاعَ وَهُوَ الشَّفِيْعُ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ.

ترجمہ: اور بائع کا وکیل جب بیچے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے دوسرے کو اپنا گھر بیچنے کا وکیل بنایا دوسرے نے وہ مکان بیچ دیا اتفاق سے پڑوسی ہونے کی وجہ سے وہی اس گھر کا شفیع تھا تو اب اس کو شفعہ نہیں ملے گا کیوں کہ بیچتے وقت خود خریدنے کا اظہار نہیں کیا تو گویا

اس نے لینے سے اعراض کیا اس لیے شفعہ نہیں ملے گا نیز اگر اس صورت میں شفعہ ملے تو یہ بات لازم آتی ہے کہ جو بیع کر رہا ہے وہی اس کو توڑ رہا ہے کیوں کہ بیع کا مآل ہے دینا اور شفعہ کا مآل ہے لینا، دینے اور لینے میں منافات ہے۔

(۲۴/۱۲۳۹) وَكَذٰلِكَ اِنْ ضَمِنَ الشَّفِيْعُ الدَّرْكَ عَنِ الْبَائِعِ.

لغت: الدرك: پانا، زمین وجائداد میں کسی کا حق ثابت ہونا تاوان، خسارہ۔

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر ضامن ہو جائے شفیع تاوان وخسارہ کا بائع کی جانب سے۔

تشریح: مشتری کو کوئی مکان خریدتا ہے مگر اس کو کچھ تردد ہے کہ اس میں کسی کا حق وغیرہ نہ ہو یا کوئی اور تاوان وخسارہ کی صورت سامنے آجائے ایک شخص نے بائع کی طرف سے ضمانت لی اور مشتری سے کہا کہ اگر اس مکان میں کسی کا حق وغیرہ نکلا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں تو بے فکر ہو کر خرید لے اور اتفاق سے یہی شخص اس گھر کا شفیع بھی ہے تو اب اس کو شفعہ کا حق نہیں ہوگا کیوں کہ اسی کی جانب سے بیع مکمل ہوئی تھی اور اس کی جانب سے اس کو توڑنا لازم آئے گا۔

(۲۵/۱۲۴۰) وَوَكِيْلُ الْمُشْتَرِىْ اِذَا ابْتَاعَ وَهُوَ الشَّفِيْعُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور مشتری کا وکیل جب خریدے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح: مشتری کے وکیل نے کوئی مکان خریدا اور یہ وکیل خود شفیع ہے تو اس کا حق شفعہ باقی رہے گا، کیوں کہ وکیل نے خریدا ہی اس لیے کہ یہ بیع ہوگی تو مجھے حق شفعہ حاصل ہوگا تو اس کے خریدنے سے اعراض نہیں پایا جاتا اس لیے شفعہ کا حق ہوگا۔

(۲۶/۱۲۴۱) وَمَنْ بَاعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ فَاِنْ اَسْقَطَ الْبَائِعُ الْخِيَارَ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور جس نے بیچا شرط خیار کے ساتھ تو شفعہ نہیں شفیع کے لئے اب اگر ساقط کر دے بائع خیار شرط کو شفعہ ثابت ہو جائے گا۔

تشریح: بائع نے زمین یا مکان تو فروخت کیا لیکن خیار شرط لیا ہے یعنی یہ کہا کہ مجھے تین دن سوچنے سمجھنے کا موقع دیں میں چاہوں گا تو بیچ دوں گا اور چاہوں گا تو رد کر دوں گا تو ابھی شفیع کو حق شفعہ کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ اگر خیار بائع کو ہو تو مبیع اس کی ملکیت سے نہیں نکلتی ہاں اگر بائع خیار شرط کو ختم کر کے بیع مکمل کر دے تو اب مبیع مشتری کی ملکیت میں چلی جائے گی اس لیے اب شفیع کو حق شفعہ ہوگا اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ شفیع کی طلب کس وقت شرط ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ طلب اس وقت شرط ہے جب کہ بائع خیار کو ساقط کر دے کیوں کہ بائع خیار کو ساقط کر دے گا اسی وقت یہ بیع شفعہ کا سبب بنے گی یہی قول صحیح ہے (اللباب ۲/۴۷)

(۲۷/۱۲۴۲) وَاِنِ اشْتَرٰى بِشَرْطِ الْخِيَارِ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر (مشتری) خیار شرط کے ساتھ خریدے تو حق شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح: مشتری نے کوئی زمین خریدی اور تین دن تک سوچنے کے لئے خیار شرط لیا اور بائع نے خیار شرط نہیں لیا بلکہ اس نے اپنی جانب سے بیع مکمل کر دی تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔

(۱۲۴۳/۲۸) وَمَنِ ابْتَاعَ دَاراً شِرَاءً فَاسِداً فَلَا شُفْعَةَ فِيهَا وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْفَسْخُ فَإِنْ سَقَطَ الْفَسْخُ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور جس نے خریدا گھر شراء فاسد کے ساتھ تو اس میں شفعہ نہیں ہے اور بائع و مشتری میں سے ہر ایک کو حق ہے بیع فسخ کرنے کا اگر فسخ ہونا ساقط ہو گیا تو شفعہ ثابت ہو جائے گا۔

تشریح: کسی نے کوئی گھر خریدا مگر شرط فاسد لگانے کی وجہ سے بیع فاسد ہو گئی تو اب اس مکان میں شفیع کو شفعہ نہیں ملے گا، کیوں کہ اگر اس مکان پر ابھی تک مشتری کا قبضہ نہیں ہوا ہے تو ابھی وہ گھر بائع کی ملکیت میں ہے اس لیے حق شفعہ نہیں ہوگا اور اگر مشتری قبضہ کر چکا ہے تو اب بھی شفعہ نہیں ملے گا کیوں کہ شریعت کی جانب سے حکم ہے کہ اس بیع کو توڑ دو تا کہ فساد بیع کی برائی دور ہو سکے اور اگر شفعہ کا حق دے دیا تو فساد دور ہونے کے بجائے اور پختہ ہو جائے گا اس وجہ سے حق شفعہ نہیں ملے گا، ماقبل کی تفصیل اس وقت ہے جب کہ بیع فاسد میں فسخ کا احتمال ہو اور اگر فسخ کا احتمال ختم ہو گیا مثلاً مشتری نے وہ مکان کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اب شفیع کو شفعہ ملے گا کیوں کہ جو رکاوٹ تھی وہ ختم ہو چکی۔

(۱۲۴۴/۲۹) وَإِذَا اشْتَرَى الذِّمِّيُّ دَاراً بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ وَشَفِيعُهَا ذِمِّيٌّ أَخَذَهَا بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ.

ترجمہ: اور جب خریدا ذمی نے کوئی گھر شراب یا خنزیر کے بدلے اور اس کا شفیع بھی کوئی ذمی ہے تو وہ لے لے اس کو اتنی ہی شراب اور خنزیر کی قیمت دے کر۔

تشریح: ایک ذمی کا مکان ہے جس کو دوسرے ذمی نے شراب یا خنزیر کے بدلے خریدا اور اتفاق سے اس مکان کا شفیع بھی ذمی ہے تو جتنی شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی ہی شراب دے کر گھر لے لے کیوں کہ شراب مثلی چیز ہے اس لیے جتنی شراب میں مشتری نے مکان لیا ہے اتنی ہی شراب شفیع مشتری کو دے کر گھر لے لے اور ذمی کے لئے شراب کا حکم ہمارے لئے سرکہ کے حکم کے مانند ہے اس لیے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر خنزیر کے بدلے گھر فروخت ہوا ہے تو خنزیر کی قیمت دے کر لے گا کیوں کہ خنزیر ذوات القیم میں سے ہے اس لیے خنزیر کی رقم دے کر گھر لے لے۔

(۱۲۴۵/۳۰) وَإِنْ كَانَ شَفِيعُهَا مُسْلِماً أَخَذَهَا بِقِيمَةِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ.

ترجمہ: اور اگر گھر کا شفیع مسلمان ہو تو لے گا گھر کو شراب اور خنزیر کی قیمت دے کر۔

تشریح: اگر اس گھر کا شفیع مسلمان ہو تو اس کو شفعہ ملے گا لیکن وہ مسلمان دونوں صورتوں میں شراب یا خنزیر کی قیمت دے گا رہا خنزیر کی قیمت دینا یہ تو ظاہر ہے اور رہ گیا مسئلہ شراب کا تو چوں کہ مسلمان شراب پر نہ قبضہ کر سکتا ہے اور نہ کرا سکتا ہے تو مسلمان کے حق میں شراب غیر مثلی کے حکم میں ہے اور غیر مثلی میں قیمت دی جاتی ہے اس لیے اس صورت میں بھی قیمت دی جائے گی۔

(۳۱/۱۲۴۶) وَلَاشُفْعَةَ فِي الْهِبَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ بِعِوَضٍ مَشْرُوْطٍ.

ترجمہ: اور ہبہ میں شفعہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مشروط عوض کے ساتھ ہو۔

تشریح: کسی نے اپنا گھر خالد کو ہبہ کر دیا تو کسی کو شفعہ نہیں ملے گا کیوں کہ مبادلۃ المال بالمال نہیں پایا گیا جو شفعہ ثابت ہونے کے لئے ضروری تھا۔

لیکن اگر ہبہ کرتے وقت مالک نے عوض کی شرط لگائی کہ اتنی رقم دو تب مکان ہبہ کروں گا اس صورت میں اگر چہ ظاہراً ہبہ ہے لیکن حقیقتاً بیع ہی ہے اس لیے اس صورت میں حق شفعہ ہوگا۔

فائدہ: اگر ہبہ کر دیا مگر عقد کے اندر عوض کی شرط نہیں لگائی اور بعد میں موہوب لہ (جسے ہدیہ دیا گیا ہے) نے واہب کو اس کا عوض دے دیا تو اب یہ مطلقاً ہبہ ہے اس کے اندر شفعہ جاری نہ ہوگا۔

(۳۲/۱۲۴۷) وَاِذَا اخْتَلَفَ الشَّفِيْعُ وَالْمُشْتَرِيْ فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِيْ فَاِنْ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الشَّفِيْعِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِيْ.

ترجمہ: اگر اختلاف کریں شفیع اور مشتری ثمن میں تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اگر ان دونوں (شفیع ومشتری) نے گواہ قائم کر دیئے تو شفیع کا بینہ معتبر ہوگا طرفینؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مشتری کا بینہ معتبر ہوگا۔

شفیع اور مشتری کا قیمت کے متعلق اختلاف

تشریح: مشتری اور شفیع کے درمیان ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو جائے مثلاً مشتری یہ کہے کہ میں نے یہ مکان ایک لاکھ روپے میں خریدا ہے او شفیع یوں کہے کہ تم نے اسی ہزار ۸۰۰۰۰ روپے میں خریدا ہے تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ شفیع مدعی ہے اور مشتری مدعی علیہ اور مدعی علیہ کا فریضہ ہے گواہ قائم کرنا اور یہاں شفیع کے پاس (اس بات پر گواہ نہیں کہ مشتری نے اسی ہزار روپے دے کر مکان خریدا ہے) گواہ نہیں اس لیے مشتری منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی ماقبل کی تفصیل اس وقت ہے جب شفیع گواہ قائم نہ کر سکے لیکن اگر دونوں نے گواہ قائم کر دیئے تو اب کس

کے گواہ معتبر ہوں گے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) کے حضرات طرفین کے نزدیک شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے (۲) امام ابو یوسف کے نزدیک مشتری کے۔

امام ابویوسف کی دلیل: گواہوں کا کام یہ ہے کہ جو چیز ثابت نہ ہو اس کو ثابت کریں اور جس میں اثبات کا پہلو زیادہ ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے اور یہ بات مشتری کے گواہوں میں ہے لہٰذا ان کا اعتبار ہوگا۔

طرفین کی دلیل: مشتری کے گواہ اگرچہ صورت کے اعتبار سے زیادتی کو ثابت کررہے ہیں لیکن معنیً شفیع کے گواہ اکثر الاثبات ہے۔

مطلب یہ ہے کہ گواہ کسی امر کو لازم کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور یہاں شفیع کے گواہ لازم کرنے والے ہیں مشتری کے نہیں کیوں کہ اگر شفیع کے گواہ معتبر مانے جائیں تو مشتری پر لازم ہے کہ مکان شفیع کے حوالے کرے اور اگر مشتری کے گواہ قبول کئے جائیں تو شفیع پر کچھ لازم نہیں ہوتا کیوں کہ اسے تو اختیار ہے خواہ لے خواہ چھوڑ دے۔

(اشرف النوری ۲/۱۴۲، اللباب ۲/ ۴۸)

(۳۳/۱۲۴۸)　وَإِذَا ادَّعَى الْمُشْتَرِیْ ثَمَناً اَكْثَرَ وَادَّعَى الْبَائِعُ اَقَلَّ مِنْهُ وَلَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِمَا قَالَ الْبَائِعُ وَ كَانَ ذَالِكَ حَطًّا عَنِ الْمُشْتَرِیْ.

ترجمہ: اگر دعوی کرے مشتری زیادہ ثمن کا اور بائع دعوی کرے اس سے کم کا حالانکہ اس نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو لے لے اس کو شفیع اس قیمت میں جو بائع نے کہی اور یہ مشتری کے ذمہ سے قیمت کم کرنا ہوگا۔

تشریح: اگر بائع اور مشتری کے درمیان قیمت کے متعلق اختلاف ہو جائے مشتری کہتا ہے کہ میں نے اس مکان کو بائع سے ایک ہزار روپے میں خریدا جس کا مطلب یہ ہوا کہ میں زید شفیع کو بھی یہ مکان ایک ہزار میں ہی دوں گا بائع کا کہنا ہے کہ میں نے اس مکان کو پانچسو روپے میں فروخت کیا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ بائع نے ابھی تک قیمت وصول نہیں کی ہے تو اس صورت میں شفیع کے حق میں بائع کا قول معتبر ہوگا اور شفیع اس مکان کو مشتری سے پانچ سو روپے میں لے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ مشتری سے بائع نے پانچ سو روپے کم کر دیئے کیوں کہ اس نے تو خود ہی اقرار کیا ہے۔

(۳۴/۱۲۴۹)　وَاِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ اَخَذَهَا بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِیْ وَلَمْ يَلْتَفِتْ اِلٰى قَوْلِ الْبَائِعِ.

لغت: لم یلتفت: توجہ نہیں دی جائے گی۔

ترجمہ: اور اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا ہے تو لے لے اس کو شفیع اس قیمت میں جو مشتری نے کہی اور نہ توجہ دی جائے گی بائع کے قول کی طرف۔

تشریح: اوپر کی گفتگو اس صورت میں تھی کہ بائع نے ثمن پر قبضہ نہ کیا اور اگر بائع ثمن پر قبضہ کر چکا ہے تو اب وہ اس معاملہ میں اجنبی ہو گیا گویا کہ درمیان سے بالکل نکل گیا اب اس کے قول کی جانب کوئی توجہ نہیں دی جائے گی اب

صرف اختلاف مشتری اور شفیع کا باقی رہ گیا۔
اور مسئلہ (۳۱) میں گذر چکا ہے کہ جب مشتری اور شفیع کے درمیان اختلاف ہو تو مشتری کا قول معتبر ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر شفیع مکان لینا چاہتا ہے تو مشتری کے کہنے کے مطابق ایک ہزار روپے ادا کر کے لے سکتا ہے۔

(۱۲۵۰/۳۵) وَاِذَ حَطَّ الْبَائِعُ عَنِ الْمُشْتَرِیْ بَعْضَ الثَّمَنِ یَسْقُطُ ذَالِكَ عَنِ الشَّفِیْعِ.

ترجمہ: اور جب کم کردے بائع مشتری سے کچھ قیمت تو کم ہوجائے گی اتنی ہی مقدار شفیع سے۔
تشریح: اگر بیع ہوئی دو ہزار پر پھر مشتری کے اوپر سے بائع نے ہزار کو کم کردیا تو یہ کمی شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگی اب وہ دو ہزار کے بجائے مشتری کو ہزار روپے دے گا خواہ شفیع کو شفعہ ملنے سے پہلے یہ کمی کردی جائے خواہ شفعہ لینے کے بعد پہلی صورت میں شفیع ہزار دے گا اور دوسری صورت میں اگرچہ دو ہزار روپئے دے چکا ہے لیکن مشتری سے ایک ہزار روپے واپس لے لے گا۔

(۱۲۵۱/۳۶) وَ اِنْ حَطَّ عَنْهُ جَمِیْعَ الثَّمَنِ لَمْ یَسْقُطْ عَنِ الشَّفِیْعِ.

ترجمہ: اور اگر پوری قیمت کم کردے تو شفیع سے کچھ ساقط نہ ہوگی۔
تشریح: پچاس ہزار روپے میں مکان بیچا بعد میں بائع نے کل کے کل معاف کردیئے تو یہ شفیع کے حق میں ساقط نہیں ہوں گے کیوں کہ اگر کچھ کم کرتا تو اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوجاتا اور شفیع سے بھی اتنے ہی کم ہوجاتے جیسا کہ پہلی صورت میں ہے لیکن پوری قیمت معاف کردینے سے اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی کیوں کہ پھر ثمن باقی نہیں اور شفیع بغیر ثمن کے لینے کا حقدار نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں شفیع کو وہ پوری رقم ادا کرنی ہوگی جو اصل عقد میں طے ہوئی تھی۔

(۱۲۵۲/۳۷) وَاِذَا زَادَ الْمُشْتَرِیْ لِلْبَائِعِ فِیْ الثَّمَنِ لَمْ تَلْزَمِ الزِّیَادَةُ لِلشَّفِیْعِ.

ترجمہ: اور اگر زیادتی کردے مشتری بائع کے لئے ثمن میں تو یہ زیادتی شفیع کے لئے لازم نہ ہوگی۔
تشریح: اگر مشتری نے بائع کے لئے ثمن میں اضافہ کردیا تو یہ اضافہ شفیع پر لازم نہ ہوگا، مثلاً کسی نے ستر ہزار روپے کا مکان بیچا مشتری نے اپنی خوشی سے پچھتر ہزار دیئے تو یہ پانچ ہزار روپے شفیع پر لازم نہ ہوں گے بلکہ شفیع پہلی ہی قیمت ستر ہزار روپے میں مکان لے گا، کیوں کہ ممکن ہے کہ مشتری نے مزید پانچ ہزار دے کر شفیع کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا ہو اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مسئلہ (۳۴) میں بائع کی کمی شفیع کے لئے فائدہ مند تھی اس لیے اس کا اعتبار کرلیا گیا۔

(۱۲۵۳/۳۸) وَاِذَا اجْتَمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشُّفْعَةُ بَیْنَهُمْ عَلٰی عَدَدِ رُؤُوْسِهِمْ وَلَا یُعْتَبَرُ بِاخْتِلَافِ الْاَمْلَاكِ.

ترجمہ: اور جب جمع ہو جائیں کئی شفیع تو شفعہ ان کے درمیان ان کی تعداد کے مطابق ہوگا اور ملکیتوں کے اختلاف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

متعدد شفیعوں کے درمیان تقسیم شفعہ کا بیان

تشریح: اگر برابر درجہ کے چند شفیع جمع ہو جائیں تو احناف کے نزدیک ان لوگوں کے درمیان شفعہ کی تقسیم افراد کے اعتبار سے ہوگی حصے کی کمی زیادتی سے حق شفعہ میں کمی زیادتی نہ ہوگی، مثلاً ایک مکان تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ایک کا آدھا دوسرے کا ثلث اور تیسرے کا سدس اب صاحب نصف نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو حنفیہ کے نزدیک باقی دونوں شریکوں کو برابر برابر ملے گا، اثر میں اس کا ثبوت ہے عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ الشُّفْعَةُ عَلٰی رُؤُوْسِ الرِّجَالِ وَكَذٰلِكَ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ. (مصنف عبدالرزاق ۸/۸۵) حضرت شعبی نے فرمایا شفعہ آدمیوں کی تعداد کے اعتبار سے ہے حضرت ابراہیم نے بھی ایسا ہی فرمایا نیز حق شفعہ اتصال کی وجہ سے ملتا ہے یا شرکت کی وجہ سے اور اتصال اور شرکت میں سب شفیع برابر ہیں اس لیے سب کو برابر برابر حصہ ملے گا، جس کو بالفاظ دیگر ایسے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک ہی رہ جائے اور دوسرے شرکاء شفعہ نہ لیں تو پورا شفعہ اسی کو ملے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جس شفیع کا جتنا حصہ ہے اس حصہ کی کمی زیادتی کی وجہ سے مکان بھی کم زیادہ ملے گا۔

دلیل: عَنْ عَطَاءٍ الشُّفْعَةُ بِالْحِصَصِ (مصنف عبدالرزاق ۸/۸۵) یعنی حضرت عطاء نے فرمایا شفعہ حصوں کے اعتبار سے ہے، مطلب یہ ہے کہ جس کا حصہ زیادہ ہوگا اس کو مکان بھی زیادہ ملے گا اور جس کا حصہ کم ہوگا اس کو مکان بھی کم ملے گا تو مثال مذکور میں ثلث والے کو دو تہائی اور سدس والے کو ایک تہائی ملے گا، نیز امام شافعی فرماتے ہیں کہ شفعہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ملکیت کے فوائد مکمل ہوں لہٰذا حق شفعہ ملکیت کی مقدار کے لحاظ سے ہوگا۔

(۳۹/۱۲۵۴) وَمَنِ اشْتَرٰی دَاراً بِعِوَضٍ اَخَذَهَا الشَّفِیْعُ بِقِیْمَتِهٖ.

ترجمہ: کسی نے خریدا گھر سامان کے بدلے تو لے لے اس کو شفیع اس کی قیمت سے۔

شفعہ کے متفرق مسائل کا بیان

تشریح: اب تک مصنف نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مشتری نے گھر یا زمین ثمن کے بدلے میں خریدے اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر سامان کے بدلے میں خریدے تو اس کا کیا حکم ہے چناں چہ فرمایا کہ اگر سامان کے بدلے یعنی سونا اور چاندی کے علاوہ اور سامان کے بدلے خریدے تو شفیع اس سامان کی قیمت دے کر زمین خریدے گا اس سامان کی جو بھی قیمت ہوگی کیوں کہ سامان ذوات القیم میں سے ہے لہٰذا سامان کی قیمت ہی دے گا۔

تنبیہ: عوض: سے مراد قیمتی سامان جو مثلی نہ ہو جیسے غلام وغیرہ، ذوات القیم سے مراد وہ چیز ہے جس کا مثل

بازاروں میں نہ پایا جائے۔

(۴۰/۱۲۵۵) وَ اِنِ اشْتَرَاهَا بِمَكِيلٍ اَوْ مَوْزُوْنٍ اَخَذَهَا بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: اور اگر خریدا اس کو کیلی یا وزنی چیز کے بدلے تو لے اس کو اس کے مثل کے بدلے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے مشفوعہ مکان کیلی یا وزنی چیز کے بدلے خریدا مثلاً دو کوئنٹل گیہوں یا دس کوئنٹل لوہے کے بدلے خریدا تو شفیع دو کوئنٹل گیہوں یا دس کوئنٹل لوہا دے کر گھر مشتری سے لے سکتا ہے کیوں کہ گیہوں کیلی ہے اور لوہا وزنی ہے اور یہ دونوں چیزیں ذوات الامثال میں سے ہیں، اس لیے اس کا مثل دے کر شفیع لے گا۔

(۴۱/۱۲۵۶) وَاِنْ بَاعَ عَقَاراً بِعَقَارٍ اَخَذَ الشَّفِيْعُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِقِيْمَةِ الْآخَرِ.

ترجمہ: اور اگر فروخت کیا ہو زمین کو زمین کے بدلے تو لے لیگا شفیع ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسری کی قیمت کے بدلے۔

تشریح: اگر کسی نے اپنی زمین فروخت کی اور اس کے بدلے میں دوسرے کی زمین لی اور ان دونوں زمینوں کے شفیع ہیں تو بائع کی زمین کا شفیع اس کے بدلے میں مشتری کی زمین کی قیمت دے گا اور مشتری کی زمین کا شفیع بدلہ میں بائع کی زمین کی قیمت دے گا کیوں کہ زمین ذوات القیم میں سے ہے مثلاً زید نے اپنی زمین دے کر عمر کی زمین خریدی اب زید کی زمین کے شفیع کھڑے ہوئے اور عمر کی زمین کے شفیع بھی کھڑے ہوئے زید کی زمین کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے اور عمر کی زمین کی قیمت اسی ہزار روپے ہے اس لیے زید کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ عمر کی زمین کی قیمت جو اسی ہزار ہے اس کے بدلے میں لیں گے اور عمر کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ زید کی زمین کی قیمت جو ایک لاکھ روپے ہے اس کے بدلے میں لیں گے کیوں کہ زید کی زمین کی قیمت عمر کی زمین ہے اس لیے زید کے شفیع کے لئے عمر کی زمین کی قیمت لگے گی اور عمر کی زمین کے شفیع کے لئے زید کی زمین کی قیمت لگے گی۔

(۴۲/۱۲۵۷) وَ اِذَا بَلَغَ الشَّفِيْعَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَلْفٍ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ اَوْ بِحِنْطَةٍ اَوْ شَعِيْرٍ قِيْمَتُهَا اَلْفٌ اَوْ اَكْثَرَ فَتَسْلِيْمُهُ بَاطِلٌ وَلَهُ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور جب خبر پہنچی شفیع کو کہ مکان ایک ہزار درہم میں بیچا گیا ہے اس لیے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر اس کو معلوم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا یا اتنے گیہوں یا اتنے جو میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار ہے یا اس سے زیادہ ہے تو اس کا چھوڑنا باطل ہے اور اس کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح: شفیع کو کسی نے خبر دی کہ مکان ایک ہزار درہم میں فروخت ہوا ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں بلکہ حقیقت میں بیع ہوئی پانچ سو درہم میں پہلی خبر سن کر شفیع نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا کیوں کہ شفیع نے کثرت ثمن

کی وجہ سے حق شفعہ چھوڑا تھا اس لیے اس کو اعراض نہیں کہا جا سکتا اور اگر اس کو خبر دی گئی کہ مکان ہزار درہم میں فروخت ہوا ہے حالانکہ وہ گیہوں یا جو یا کسی بھی مکیلی اور موزونی چیز کے بدلے میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار ہے شفیع نے پہلی خبر سن کر شفعہ چھوڑ دیا تھا اب معلوم ہوا کہ معاملہ یوں ہے تو پہلا چھوڑنا باطل ہوگا اور دوبارہ حق شفعہ ملے گا کیوں کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہزار درہم ادا کرنا مشکل لیکن گیہوں اور جو وغیرہ دینا اس کے لئے آسان ہوتا ہے خصوصاً کاشت کاروں کے لئے روپے دینا قدرے بھاری اور غلہ دینا آسان ہوتا ہے اس لیے جب گیہوں وغیرہ کی خبر ملی اور شفعہ کا دعویٰ کر دیا تو رغبت پیدا ہوگئی تو پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہے اس لیے اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

(۴۳/۱۲۵۸) وَاِنْ بَانَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِدَنَانِيْرَ قِيْمَتُهَا اَلْفٌ فَلَاشُفْعَةَ لَهٗ.

ترجمہ: اور اگر ظاہر ہوا کہ فروخت ہوا ہے دینار کے بدلے جن کی قیمت ایک ہزار ہے تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح: اگر شفیع کو اولاً معلوم ہوا کہ مکان ہزار درہم میں فروخت کیا گیا ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر ثانیاً معلوم ہوا کہ مکان دنانیر کے بدلے فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ہزار درہم ہیں تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شفعہ نہیں ملے گا کیوں کہ درہم اور دینار دونوں ثمن ہیں اور دونوں گویا ایک ہی جنس ہیں اسی وجہ سے تو زکوۃ میں ایک کو دوسرے کی طرف ملالیا جاتا ہے، چناں چہ جب اتحاد جنس ثابت ہوگیا تو دوبارہ ایک ہزار کی خبر ملنے پر کیسے شفعہ کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

(۴۴/۱۲۵۹) وَاِذَا قِيْلَ لَهٗ اِنَّ الْمُشْتَرِیْ فُلَانٌ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ غَيْرُهٗ فَلَهُ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر کہا گیا شفیع سے کہ خریدار فلاں ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ کوئی اور ہے تو اس کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح: اگر شفیع کو اولاً معلوم ہوا کہ مشتری فلاں ہے جو شریف اور اچھا آدمی ہے تو اس نے اپنا حق شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ اس کو تو فلاں بدمعاش نے خریدا ہے جو خطرناک آدمی ہے اور وہ مجھے ہمیشہ پریشان کرتا رہے گا تو شفیع کو شفعہ ملے گا اور پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہوگا کیوں کہ حق شفعہ پڑوسی کے نقصان سے بچانے کے لئے ہوتا ہے اور پڑوسی پڑوسی میں فرق ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

(۴۵/۱۲۶۰) وَمَنْ اشْتَرٰی دَارًا بِغَيْرِهٖ فَهُوَ الْخَصْمُ فِی الشُّفْعَةِ اِلَّا اَنْ يُّسَلِّمَهَا اِلَى الْمُوَكِّلِ.

حل لغت: الخصم: مدمقابل مدعیٰ علیہ۔

ترجمہ: اور جس نے مکان خریدا دوسرے کے لئے تو وہی مدعیٰ علیہ ہوگا شفعہ میں مگر یہ کہ سپرد کر دے گھر کو موکل کے۔

تشریح: زید نے عمر کا وکیل بن کر عمر کے لئے گھر خریدا تو شفیع حق شفعہ کے لئے زید ہی کو مدعی علیہ بنائے گا اور اسی پر مقدمہ دائر کرے گا لیکن اگر زید نے گھر عمر کے حوالے کر دیا تو اب شفیع عمر کو مدعی علیہ بنائے گا۔

دلیل: جو گھر خریدتا ہے مشتری وہی مانا جاتا ہے یہاں ظاہری طور پر زید ہی خریدار ہے بھلے ہی دوسرے کے لئے خریدا ہے اس لیے وہی مدعی علیہ بنے گا اور موکل کے ہاتھ میں جانے کے بعد اب نہ وکیل کا قبضہ رہا نہ ملکیت رہی اب تو اصل خریدار موکل بن گیا اس لیے وہی مدعی علیہ ہوگا مذکورہ تفصیل احناف کے یہاں ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک موکل ہی ابتداء سے مدعی علیہ بنے گا کیوں کہ وکیل تو بمنزلہ سفیر کے ہے كذا قال العلامة العيني في شرح الكنز.

(۱۲۶۱/۴۶) وَ اِذَا بَاعَ دَاراً اِلَّا مِقْدَارَ ذِرَاعٍ فِيْ طُوْلِ الْحَدِّ الَّذِيْ يَلِي الشَّفِيْعَ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ.

ترجمہ: اور جب کہ بیچ دیا گھر کو مگر اس میں سے ایک ہاتھ چھوڑ کر اس پٹی کی لمبائی سے جو شفیع سے متصل ہے تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تدابیر سقوط حق شفعہ کا بیان

تشریح: بسا اوقات شفیع اتنا بد معاش اور فاسق ہوتا ہے کہ جس کا لوگوں کو تکلیف پہنچانا مشہور و معروف ہے تو یہاں سے کچھ ایسے حیلے اور تدابیر ذکر کرتے ہیں جن سے شفیع کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا، مثلاً بائع اپنا سارا گھر مشتری کو فروخت کر دے مگر جس طرف شفیع کی زمین پڑتی ہے اور اس کی پڑوسیت لگتی ہے ادھر سے پوری پٹی ایک ہاتھ کی لمبائی میں چھوڑ دے یعنی اس کو فروخت نہ کرے تو اب شفیع کو حق شفعہ کا دعوی کرنے کا موقع نہیں ہوگا کیوں کہ پڑوسیت کی وجہ سے دعوی کر سکتا تھا اور یہاں ایسا ہوا کہ جتنا حصہ فروخت ہوا ہے اس حصہ کا اس کی ملکیت سے اتصال نہیں ہے اس لیے شفیع کو حق شفعہ نہیں ہوگا مذکورہ مسئلہ اس نقشہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

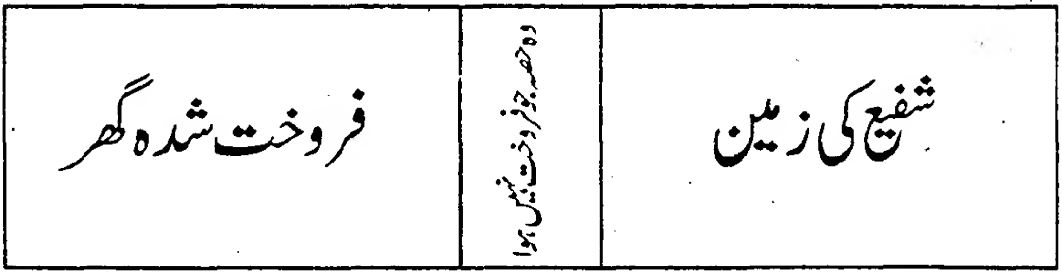

(۱۲۶۲/۴۷) وَاِنْ بَاعَ مِنْهَا سَهْماً بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِيَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِي السَّهْمِ الْاَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِي.

ترجمہ: اور اگر بیچا مکان کا کچھ حصہ قیمت کے عوض پھر خرید لیا گھر کے باقی حصہ کو تو شفعہ پڑوسی کے لئے پہلے

حصہ میں ہوگا دوسرے میں نہیں۔

تشریح: ایک مکان ہے جس کی قیمت آٹھ لاکھ روپے ہے بائع نے اس مکان کے آٹھ حصے بنائے اور ایک حصہ ایک لاکھ روپے کا فروخت کر کے مشتری کو گھر میں شریک کر لیا پھر بعد میں باقی سات حصے بھی اسی مشتری نے خرید لئے تو اب شفیع صرف پہلے حصہ میں شفعہ کا دعوی کر سکتا ہے باقی جو سات حصے فروخت ہوئے ہیں ان میں اس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا وہ سات حصے شریک کے ہی ہوں گے۔

دلیل: جب پہلی مرتبہ ایک حصہ فروخت ہو رہا تھا اس وقت اس گھر کا کوئی شریک نہیں تھا اس لیے پڑوسی کو حق شفعہ مل گیا لیکن دوسری مرتبہ جو حصے فروخت ہو رہے تھے اس وقت مشتری خرید اول سے بائع کا شریک ہو چکا تھا اور شریک حق شفعہ میں پڑوسی پر مقدم ہوتا ہے، یہ بھی شفیع کو محروم کرنے کا ایک حیلہ ہے۔

(۱۲۶۳/۴۸) وَاِذَا بَتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ اِلَيْهِ ثَوْباً عِوَضاً عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ دُوْنَ الثَّوْبِ.

ترجمہ: اور اگر خریدا گھر کو ثمن کے بدلہ پھر دے دیا بائع کو اس کے عوض کپڑا تو شفعہ قیمت سے ہوگا نہ کہ کپڑے سے۔

تشریح: ایک شخص نے ایک مکان فروخت کیا جس کی قیمت تین ہزار روپے ہے لیکن گھر کو بیس ہزار میں فروخت کیا گیا، اور پھر بیس ہزار کے بدلہ تھوڑے سے کپڑے لے لئے جن کی قیمت تین ہزار ہے تو اس سے شفعہ ساقط ہو سکتا ہے کیوں کہ شفیع مشتری سے گھر کو بیس ہزار میں ہی لے گا کپڑے دے کر نہیں لے گا، کیوں کہ کپڑوں کے لین دین کا مسئلہ بائع اور مشتری کے درمیان الگ عقد ہے اصل عقد سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو شفیع اتنا مہنگا مکان خریدنے کی جرأت نہ کرے گا۔

(۱۲۶۴/۴۹) وَلَا تُكْرَهُ الْحِيْلَةُ فِي اِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُكْرَهُ.

حل لغت: الحیلة: تدبیر۔

ترجمہ: اور مکروہ نہیں ہے حیلہ کرنا شفعہ کے ساقط کرنے میں امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا مکروہ ہے۔

تشریح: ایسی کوئی تدبیر اختیار کرنا جس سے شفیع مشفوع نہ لے سکے امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں ہے امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے ایسی تدبیر جس سے شفیع حق شفعہ حاصل نہ کر سکے دو قسم پر ہے (۱) حیلہ دفع ثبوت شفعہ (شفعہ ثابت ہونے کے بعد اس کو ساقط کرنے کی تدبیر کرنا) (۲) حیلہ دفع اسقاط شفعہ (ثبوت شفعہ سے پہلے حیلہ کرنا) دوسری صورت میں صاحبین کا اختلاف ہے اور اسی صورت کو صاحب قدوری نے نقل فرمایا تفصیل اس طرح ہے کہ امام

ابو یوسف فرماتے ہیں کہ شفیع کا حق ابھی ثابت نہیں ہوا ہے اس لیے اس کے نقصان کو دور کرنے کے لئے حیلہ کرسکتا ہے اگر شفیع کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور پھر اس کو دور کیا جاتا تبھی تو شفیع کا ضرر شمار کیا جاتا اور یہاں ابھی تک شفیع کا حق ہی ثابت نہ ہوا تھا کہ اس کے ثابت ہونے کے امکان کو ختم کر دیا، اس لیے بلا کراہت جائز ہے، اور اس مسئلہ میں امام ابو یوسف کے قول پر ہی فتوی ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ شفعہ کا ثبوت اس لیے ہوا ہے کہ شفیع کا ضرر دور ہو اگر اس طرح حیلوں کا دروازہ کھول دیا جائے تو حق شفعہ کا حکم ہی ختم ہو جائے گا اس لیے ایسا حیلہ کرنا مکروہ ہے، پہلی صورت میں صاحبین فرماتے ہیں کہ بالاتفاق مکروہ ہے یعنی ثبوت شفعہ کے بعد اس کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۱۲۶۵/۵۰) وَاِذَا بَنَى الْمُشْتَرِىْ اَوْ غَرَسَ ثُمَّ قُضِىَ لِلشَّفِيْعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِالثَّمَنِ وَقِيْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوْعَيْنِ وَاِنْ شَاءَ كَلَّفَ الْمُشْتَرِىْ بِقَلْعِهِ.

حل لغات: غرس: باغ لگایا درخت بویا مصدر غرساً باب (ض) پودا لگانا، مقلوعین: تثنیہ، اکھڑے ہوئے، قَلْعٌ باب (ف) سے مشتق ہے، جڑ سے اکھیڑنا، کلف: ماضی باب تفعیل سے مشکل کام کا حکم دینا۔

ترجمہ: اور جب کہ مشتری نے مکان بنالیا یا پودا لگالیا پھر فیصلہ کر دیا گیا شفیع کے لئے شفعہ کا تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس زمین کو لے لے قیمت کے بدلہ اور اکھڑے ہوئے مکان اور کٹے باغ کی قیمت دے کر اور اگر چاہے مشتری کو مجبور کرے اکھاڑنے پر۔

شفعہ کے باقی متفرق مسائل

تشریح: مشتری نے مکان خرید کر اس میں تعمیر بنالی یا باغ لگایا پھر شفیع کے لئے قاضی نے شفعہ کا فیصلہ کر دیا تو اب شفیع کے لئے دو حکم ہیں (۱) شفیع زمین کی قیمت دے گا اور ٹوٹے ہوئے مکان کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے گا اور زمین مکان اور باغ لے لے گا، (۲) شفیع مشتری کو مجبور کرے گا کہ اپنی تعمیر اور پودوں کو اکھاڑ کر لے جا اور زمین مکمل خالی کر کے میرے حوالے کر۔

دلیل: مشتری نے زمین بائع سے خریدی ہے حق شفعہ کے فیصلہ کے بعد پتہ چلا کہ وہ زمین حقیقت میں شفیع کی تھی اور مشتری نے شفیع کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کر دیا اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں کسی کا حق ہے اور صاحب حق نے کسی کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں دی پھر بھی کوئی تصرف کر بیٹھے تو اس کے تصرف کو توڑ دیا جاتا ہے، اس ضابطہ کے مطابق اس کو توڑنے کا حکم دیا جائے گا، یہ مکمل تشریح طرفین کے مذہب کے مطابق ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مشتری کو مکان توڑنے اور باغ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ شفیع کو دو اختیار ملیں گے:

(۱) زمین کی قیمت اور موجودہ حالت میں مکان اور باغ کی قیمت دے کر اس کو خرید لے۔

(۲) (شفعہ ہی کو چھوڑ دے۔

دلیل: یہ زمین پہلے بائع کی تھی اور اس سے خریدی ہے گویا کہ مشتری نے اپنی زمین میں مکان بنایا اور باغ لگایا ہے شفیع کا حق تو بہت بعد میں ظاہر ہوا ہے تو مشتری اس تصرف میں حق پر ہے پھر اسکو اکھاڑنے کا حکم دینا ظلم وزیادتی ہے۔

(۱۲۶۶/۵۱) وَاِنْ اَخذَهَا الشَّفِيْعُ فَبَنٰى اَوْغَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ رَجَعَ بِالثَّمَنِ وَلَايَرْجِعُ بِقِيْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ.

ترجمہ: اور اگر شفیع نے زمین لی پھر مکان بنایا یا باغ لگایا پھر زمین کسی مستحق کی نکل گئی تو یہ قیمت واپس لے گا اور نہیں واپس لے سکتا مکان اور باغ کی قیمت۔

تشریح: شفیع کے حق میں کسی زمین کا فیصلہ ہو گیا اور اس نے زمین میں مکان بنالیا یا باغ لگایا بعد میں کسی نے دعوی کر کے اس زمین میں اپنا حق ثابت کر دیا اور قاضی نے مستحق کے لئے فیصلہ کر دیا تو زمین مستحق کی ہو گئی اور شفیع کو کہا جائے گا کہ اپنی عمارت اور پودے اکھاڑ کر لے جا عمارت کی قیمت یا اس کے ٹوٹنے کا نقصان اس کو نہیں ملے گا بلکہ شفیع نے زمین کی جو قیمت دی تھی وہ ملے گی بائع سے لینے کی صورت میں بائع ادا کرے گا اور مشتری سے لینے کی صورت میں مشتری ادا کرے گا۔

دلیل: شفیع کو مشتری نے کچھ دھوکہ نہیں دیا اور نہ مشتری نے مکان بنانے اور باغ لگانے کو کہا تھا بلکہ مشتری نے تو مجبور ہو کر یہ زمین شفیع کے حوالہ کی ہے اس لیے مکان اور باغ کی قیمت وصول نہیں کر سکتا ہاں زمین کی قیمت شفیع نے دی تھی اور اب مستحق نے شفیع سے زمین مفت لی ہے اس لیے صرف زمین کی قیمت وصول کرے گا برخلاف پہلے مسئلہ کے کہ وہاں مشتری بائع کی جانب سے دھوکہ میں ہے اور بائع نے ہی مشتری کو اس پر تصرف کرنے کیلئے مسلط کیا ہے۔

(۱۲۶۷/۵۲) وَاِذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ اَوِ احْتَرَقَتْ بِنَاءُهَا اَوْ جَفَّ شَجَرُ الْبُسْتَانِ بِغَيْرِ عَمَلِ اَحَدٍ فَالشَّفِيْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ.

حل لغات: انہدمت: گر گیا منہدم ہو گیا انہدم البناء عمارت کا ویران وشکستہ ہونا، احترقت: مصدر احتراقاً جل جانا، جف: ماضی باب (ض) مصدر جفافاً خشک ہونا۔

ترجمہ: اور جب گھر گر گیا یا اس کی تعمیر جل گئی یا باغ کے درخت جل گئے بغیر کسی کے فعل کے تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے اس کو لے لے پوری قیمت سے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔

تشریح: اگر مشتری نے کوئی گھر یا باغ خریدا اور وہ گھر گر گیا یا جل گیا یا باغ تھا اس کے درخت سوکھ گئے اور شفیع نے یہاں شفعہ کا دعوی کر رکھا تھا تو اب شفیع کو دو اختیار ہیں (۱) اگر لینا چاہتا ہے تو پورا ثمن ادا کر کے لے کیوں کہ زمین اصل ہے مکان اور باغ اس کے تابع ہیں اس لیے ان چیزوں کے مقابلہ میں ثمن کی کوئی مقدار نہ ہوگی بلکہ زمین ہی کو اصل مان کر پوری قیمت اس پر لگے گی۔

(۲) شفعہ کو چھوڑ دے کیوں کہ اگر وہ اپنے مال کے بدلہ گھر کا مالک نہ بنے تو یہ اس کو حق ہے، یہ ساری تفصیلات اس وقت میں ہیں جب کہ یہ تغیر اور کمی آفت سماوی کی وجہ سے آئی ہو اس میں کسی کی کارکردگی کا دخل نہ ہو اور اگر کسی کے فعل سے ایسا ہوا تو پھر وہ حکم ہے جو اگلی عبارت میں بیان کر رہے ہیں۔

(۱۲۶۸/۵۳) وَاِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِیْ الْبِنَاءَ قِیْلَ لِلشَّفِیْعِ اِنْ شِئْتَ فَخُذِ الْعَرْصَةَ بِحِصَّتِهَا وَ اِنْ شِئْتَ فَدَعْ.

حل لغات: نقض: ماضی (ن) مصدر نقضاً توڑنا، العرصة: ہر وہ جگہ جہاں کوئی عمارت نہ ہو، دع: ودع یدع سے امر حاضر ہے چھوڑنا۔

ترجمہ: اور اگر مشتری نے عمارت توڑ دی تو شفیع سے کہا جائے گا اگر تو چاہے تو خالی جگہ کو اس کے حصہ کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے چھوڑ دے۔

تشریح: اگر مشتری نے خود اپنے فعل سے عمارت کو توڑ دیا تو اب عمارت مقصود ہوگئی کیوں کہ مشتری نے عمارت کو توڑنے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا اب وصف کے مقابلہ میں ثمن آئے گا اور اب مشتری کو دو اختیار ہوں گے۔

(۱) صرف زمین کی جو قیمت ہے وہ دے کر صرف خالی خالی زمین میں لے لے مثلاً زمین مع مکان دو لاکھ روپے کی تھی بعد میں مشتری نے خود مکان توڑ دیا جس کی وجہ سے پچاس ہزار روپے کم ہوگئے تو اب شفیع ڈیڑھ لاکھ روپے دے کر خالی خالی زمین لے لے۔

(۲) اگر چاہے تو شفعہ چھوڑ دے۔

(۱۲۶۹/۵۴) وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّاْخُذَ النُّقْضَ.

لغت: النقض: نون کے کسرہ کے ساتھ عمارت، ملبہ، جمع انقاض۔

ترجمہ: اور شفیع کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ٹوٹ پھوٹ لے۔

تشریح: مشتری کے مکان توڑنے کے بعد اینٹ لکڑی وغیرہ جو زمین سے الگ ہوگئی اس میں شفیع کا حق شفعہ نہیں ہے کیوں کہ یہ چیزیں زمین کے تابع نہیں رہیں الگ سے قیمت دیکر مشتری کی خوشی سے لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

(۱۲۷۰/۵۵) وَمَنِ ابْتَاعَ اَرْضاً وَعَلٰی نَخْلِهَا ثَمَرٌ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِثَمَرِهَا.

حل لغات: ابتاع: خریدا باع سے مشتق ہے، ارضاً: اس سے مراد باغ والی زمین ہے۔

ترجمہ: کسی نے باغ خریدا اور اس کے درختوں پر پھل ہیں تو شفیع اس کو پھل سمیت لے لے۔

تشریح: مشتری نے ایسی زمین خریدی جس میں باغ ہے اور باغ میں پھل بھی لگے ہوئے ہیں تو شفیع کو حق ہے

کہ پھل سمیت مشتری سے باغ لے یعنی جب کہ پھلوں کا بیع میں ذکر آیا ہو کیوں کہ بغیر ذکر کئے پھل بیع میں داخل نہیں ہوتے۔

(۱۲۷۱/۵۶) وَاِنْ جَدَّهُ الْمُشْتَرِیْ سَقَطَ عَنِ الشَّفِیْعِ حِصَّتُهٗ.

حل لغات: جد: ماضی باب (ض) مصدر جَدًا کاٹنا، یہاں توڑنے کے معنی ہیں۔

ترجمہ: اور اگر مشتری نے پھل توڑ لیا تو ساقط ہو جائے گا شفیع سے اس کے حصے کے مطابق۔

تشریح: مشتری نے پھلوں کے ساتھ باغ خریدا جس کی وجہ سے شفیع کو پھلوں کے ساتھ باغ لینے کا حق تھا لیکن شفیع کے قابض ہونے سے پہلے ہی مشتری نے پھلوں کو توڑ لیا تو پھر شفیع پھلوں کو لینے کا حقدار نہیں ہے رہا یہ مسئلہ کہ پھل توڑنے کی وجہ سے ثمن میں کچھ کمی کی جائے گی یا نہیں تو اس میں صاحب کتاب کا قول مجمل ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر عقد کے وقت پھل موجود تھا تو پھل بھی بیع کے اندر مقصود تھا لہٰذا اگر مشتری نے اس صورت میں پھل توڑ لیا ہو تو پھل کی قیمت کے بقدر ثمن میں کمی کر دی جائے گی اور اگر عقد کے وقت پھل نہیں تھا اور بعد میں آیا اور مشتری نے توڑ لیا تو اب شفیع کو نہ پھل ملے گا اور نہ ثمن میں سے کچھ کم کیا جائے گا، صاحب قدوری نے یہاں مطلقاً بیان کر دیا ہے کہ اگر مشتری نے پھل توڑ لئے تو ثمن کا حصہ اس کے بقدر ساقط ہو جائے گا حالانکہ یہاں تفصیل ہے جو ماقبل میں بیان کر دی گئی ہے۔

(۱۲۷۲/۵۷) وَاِذَا قُضِیَ لِلشَّفِیْعِ بِالدَّارِ وَلَمْ یَکُنْ رَاٰهَا فَلَهٗ خِیَارُ الرُّؤْیَةِ فَاِنْ وَجَدَبِهَا عَیْبًا فَلَهٗ اَنْ یَّرُدَّهَا بِهٖ وَاِنْ کَانَ الْمُشْتَرِیْ شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ.

ترجمہ: اور جب فیصلہ کر دیا گیا شفیع کے لئے مکان کا حالانکہ اس نے اس کو دیکھا نہیں تھا تو شفیع کے لئے خیار رؤیت ہے اور اگر اس میں عیب پائے تو شفیع کے لئے حق ہے کہ اس کو لوٹا دے عیب کی وجہ سے اگرچہ مشتری نے اس سے برأت کی شرط لگائی ہو۔

تشریح: جیسے بیع میں خیار رویت اور خیار عیب ملتا ہے تو شفعہ کے اندر بھی ملے گا گویا کہ شفیع مشتری سے خرید رہا ہے تو خریداری کے احکام یہاں جاری ہوں گے صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ شفیع نے گھر دیکھا نہیں تھا اور اس کے لئے حق شفعہ کی وجہ سے گھر کا فیصلہ ہو گیا تو اس کو دیکھنے کے بعد خیار رؤیت ملے گا یعنی خیار رویت کے ماتحت مبیع کو واپس کرنے کا حق حاصل ہے، ایسے ہی اگر مبیع میں عیب نکلے تو خیار عیب کے ماتحت شفیع اس مکان کو مشتری کی طرف واپس کر سکتا ہے اگرچہ مشتری نے عیب سے بری ہونے کی شرط لگا دی ہو مگر پھر بھی شفیع کو خیار عیب حاصل ہوگا۔

(۱۲۷۳/۵۸) وَاِذَا ابْتَاعَ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ فَالشَّفِیْعُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِثَمَنٍ حَالٍّ وَاِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتّٰی یَنْقَضِیَ الْاَجَلُ ثُمَّ یَاْخُذُهَا.

حل لغات: ینقضی الاجل: مدت ختم ہو جائے۔

ترجمہ: اور جب خرید اادھار ثمن کے ساتھ تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو نقد قیمت سے لے لے اور اگر چاہے تو صبر کرے یہاں تک مدت گذر جائے پھر اس کو لے لے۔

تشریح: بائع نے اپنا مکان پچاس ہزار روپے میں فروخت کر دیا اور قیمت کی ادائیگی ادھار ٹھہری اب شفیع اس گھر کو خریدنا چاہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ شفیع کو ثمن کی ادائیگی ابھی کرنی پڑے گی یا ادھار کی سہولت اسے بھی ملے گی اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام زفر امام مالک امام احمد امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ شفیع کو بھی یہ اختیار ہے کہ ثمن کی ادائیگی اسی وقت معین پر کرے جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہو چکا ہے۔

(۲) احناف کا مذہب یہ ہے کہ شفیع کو دو اختیار ہیں (۱) گھر کی قیمت نقد دے ادھار کی سہولت حاصل نہ ہوگی کیوں کہ بیع کا عام قاعدہ نقد ہی ادا کرنے کا ہے رہ گئی یہ بات کہ بائع نے تو مشتری کو ادھار دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بائع نے مشتری پر اعتماد اور بھروسہ کر کے ادھار کی سہولت دی ہے اس لیے اس کا تعلق بیع سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بائع کے اعتماد سے ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ مشتری بھی شفیع پر بھروسہ کرے اور ادھار دے اس لیے شفیع پر نقد قیمت دینا واجب ہوگا (۲) دوسرا اختیار شفیع کو یہ ہے کہ لینے سے صبر کرے رہی طلب وہ فی الحال کرنی پڑے گی صاحب کتاب کا قول حتی ینقضی الاجل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مدت گذرنے تک طلب شفعہ سے صبر کرے بلکہ طلب تو بیع کا علم ہوتے ہی کرنی پڑے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ ادھار کی مدت پورا ہونے کا انتظار کرے اور جب ادھار کی مدت ختم ہو جائے تو اس وقت نقد قیمت دے کر مشتری سے خرید لے۔

(۵۹/۱۲۷۴) وَ اِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الْعَقَارَ فَلَا شُفْعَةَ لِجَارِهِمْ بِالْقِسْمَةِ.

ترجمہ: اور اگر شرکاء زمین تقسیم کریں تو تقسیم کرنیکی وجہ سے ان کے پڑوسیوں کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

تشریح: چند شریکوں نے اپنی زمین کا بٹوارہ کیا تو ظاہر ہے کہ یہ بیع نہیں ہے بلکہ اپنا اپنا حصہ الگ الگ کیا ہے اور حق شفعہ ہوتا ہے زمین فروخت کرنے سے اور مبادلۃ المال بالمال پائے جانے کی وجہ سے اور یہاں ایسا نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی پڑوسی بٹوارہ کے وقت شفعہ کا دعوی کرے تو اس کو شفعہ نہیں ملے گا۔

(۶۰/۱۲۷۵) وَاِذَا اشْتَرٰى دَارًا فَسَلَّمَ الشَّفِيْعُ الشُّفْعَةَ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِىْ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ اَوْ بِشَرْطٍ اَوْ بِعَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ.

ترجمہ: اگر گھر خریدا اور شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا پھر مشتری نے خیار رویت خیار شرط یا خیار عیب کے باعث قاضی کے فیصلہ کے ساتھ گھر کو واپس کیا تو شفیع کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح: مشتری نے گھر خریدا اس وقت شفیع نے شفعہ لینے سے انکار کردیا تو اب اس کا شفعہ باطل ہو چکا ہے اب مشتری اس گھر کو واپس کرتا ہے یا تو خیار رؤیت کے سبب یا خیار شرط کے سبب یا عیب کے سبب اور جب اس نے واپس کیا تو قاضی کے فیصلہ سے کیا بہر حال ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت میں مکان بائع کے پاس آتا ہے شفیع نے پھر شفعہ کا دعوی کردیا یعنی اس واپسی کو بیع کا درجہ دے کر شفعہ طلب کرتا ہے تو کیا شفیع کو شفعہ ملے گا تو فرمایا کہ نہیں ملے گا کیوں کہ قاضی نے جب مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو پہلی بیع کو بالکلیہ ختم کردیا یہاں کوئی نئی بیع نہیں ہوئی بلکہ بائع پہلے بھی اس کا مالک تھا اور اب بھی اس کا مالک ہے تو جب شرط فوت ہوگئی تو شفعہ ملنے کا کیا سوال؟

(۱۲۷۶/۶۱) وَاِنْ رَدَّهَا بِغَيْرِ قَضَاءِ قَاضٍ اَوْ تَقَايَلَا فَلِلشَّفِيْعِ الشُّفْعَةُ.

حل لغات: تقایلا: اقالۃ سے مشتق ہے رضامندی سے مبیع کو واپس کرنا۔

ترجمہ: اور اگر واپس کیا گھر کو بغیر قضاء قاضی کے یا دونوں نے بیع کا اقالہ کرلیا تو شفیع کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح: ماقبل کے مسئلہ میں واپسی قاضی کے حکم سے تھی اس کا حکم گذر چکا اور اگر بغیر قاضی کے فیصلے کے مشتری نے بائع کی طرف گھر واپس کیا یا دونوں نے اقالہ کرلیا تو ان دونوں صورتوں میں شفیع کو شفعہ ملے گا کیوں کہ یہاں قاضی کا حکم تو ہے نہیں بلکہ دونوں کی رضامندی ہے اور دونوں عاقل بالغ ہیں اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے اس لیے ان دونوں کے حق میں یہ فسخ بیع ہے مگر ان کو شفیع پر کوئی ولایت نہیں ہے اس لیے تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے اور شفیع تیسرا آدمی ہے۔ بہر حال شفیع کو شفعہ ملے گا۔

كِتَابُ الشِّرْكَةِ

(یہ کتاب شرکت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: شفعہ کے بعض مسائل چوں کہ شرکت سے متعلق تھے اس لیے یہاں سے شرکت کے مسائل بیان کر رہے ہیں (رقم الحاشیۃ ۱)

شرکت کی لغوی تعریف: شرکت کا لفظ شین کے زیر اور را کے جزم کے ساتھ ہے اور یہی صورت زیادہ فصیح ہے، ایک مال کو دوسرے مال کے ساتھ اس طرح ملا دینا کہ دونوں میں امتیاز نہ رہے۔

اصطلاحی تعریف: اصل اور نفع میں دو حصہ داروں کا آپس میں شریک ہونا۔

شرکت کا ثبوت: اس آیت میں ہے فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ (آیت (۱۲) سورۃ النساء) اگر اس سے زیادہ بھائی ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً حدیث قدسی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں دو شریکوں میں تیسرا ہوتا ہوں جب تک کہ ان میں سے ایک ساتھی

دوسرے ساتھی کے ساتھ خیانت نہ کرے جب خیانت کی تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں (ابوداؤد،۲/۴۸۰، باب الشرکۃ) اس حدیث سے بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے اس لیے شرکت جائز ہے۔

(۱/۱۲۷۷) اَلشَّرِكَةُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ شِرْكَةُ اَمْلَاكٍ وَشِرْكَةُ عُقُوْدٍ فَشِرْكَةُ الْاَمْلَاكِ الْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ اَوْ يَشْتَرِيَانِهَا.

ترجمہ: شرکت دو قسموں پر ہے شرکت املاک اور شرکت عقود شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں یا دونوں مل کر ایک چیز خریدیں۔

تشریح: شرکت دو طرح کی ہوتی ہے شرکت املاک شرکت عقود شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص کسی امر میں بغیر کسی معاہدے کے شریک ہوں یعنی باضابطہ ایجاب وقبول کر کے کسی چیز میں شریک نہ ہوئے ہوں بلکہ اچانک شریک ہو گئے مثلاً والد کے انتقال پر ایک چیز دو لڑکوں کے درمیان وراثت میں آگئی اور دونوں بیٹے اس چیز میں وراثت کے طور پر شریک ہو گئے یا دو آدمیوں نے ایک چیز کو خرید لیا اور دونوں ایک چیز کے مالک بن گئے تو چوں کہ ملکیت کے اعتبار سے شرکت ہوئی اس لئے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔

(۲/۱۲۷۸) فَلَا يَجُوْزُ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْ نَصِيْبِ الْآخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيْ نَصِيْبِ صَاحِبِهٖ كَالْاَجْنَبِيِّ.

ترجمہ: تو کسی ایک کے لئے جائز نہیں یہ کہ تصرف کرے دوسرے کے حصے میں مگر اس کی اجازت سے اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہیں۔

تشریح: اس عبارت میں شرکت املاک کا حکم بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہیں اگرچہ ایک ہی چیز میں دونوں کی شرکت ہے لیکن دونوں کے حصے الگ الگ ہیں اس لیے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس کے لئے باری مقرر کر لیں اور باری باری استعمال کرتے رہیں۔

(۳/۱۲۷۹) وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ شِرْكَةُ الْعُقُوْدِ وَهِيَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ مُفَاوَضَةٍ وَعِنَانٍ وَشِرْكَةِ الصَّنَائِعِ وَشِرْكَةِ الْوُجُوْهِ.

ترجمہ: اور دوسری قسم شرکت عقود ہے اور یہ چار قسموں پر ہے شرکت مفاوضہ، عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ۔

تشریح: شرکت عقود یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص آپسی معاہدے کے ذریعہ کسی مال یا اس کے منافع میں

شرکت کریں، شرکت عقود کو عقود اس لیے کہتے ہیں کہ اس شرکت میں باضابطہ عقد کرتے ہیں اور ایجاب وقبول کے ذریعہ شرکت اور منفعت طے ہوتی ہے اس کی چار قسموں کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۴/۱۲۸۰) فَاَمَّا شِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ اَنْ يَّشْتَرِكَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوَيَانِ فِيْ مَالِهِمَا وَتَصَرُّفِهِمَا وَدِيْنِهِمَا.

ترجمہ: بہرحال شرکت مفاوضہ وہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں چناں چہ دونوں برابر ہوں مال میں تصرف میں اور مذہب میں۔

تشریح: اس عبارت میں شرکت مفاوضہ کی تعریف بیان کر رہے ہیں مفاوضہ کے معنی ہیں برابری یعنی شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ طور پر یہ معاہدہ کریں کہ وہ باہم مل کر کام کریں گے اور شرط یہ ہوگی کہ دونوں کا سرمایہ برابر ہوگا دونوں شریک خریدنے اور بیچنے میں برابر اختیار رکھیں گے نیز دونوں مذہب میں شریک ہوں۔

(۵/۱۲۸۱) فَيَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْمُسْلِمَيْنِ الْبَالِغَيْنِ الْعَاقِلَيْنِ.

ترجمہ: چناں چہ جائز ہے ایسے دو آدمیوں میں جو آزاد مسلمان بالغ اور عاقل ہوں۔

تشریح: دونوں آدمی آزاد ہوں دونوں مسلمان ہوں دونوں بالغ اور عاقل ہوں تو ان کے درمیان شرکت مفاوضہ صحیح ہوگی اصل میں شرکت مفاوضہ میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور کفیل بھی یعنی ایک شریک نے جو کچھ خریدا اس میں آدھا ایک کا ہے اور آدھا دوسرے کا ہوگا اور اگر ایک شریک پر کچھ قرض ہو جائے تو دوسرے شریک پر بھی آدھا لازم ہوگا دونوں ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل اس وقت بن سکتے ہیں جب کہ وہ تمام چیزیں موجود ہوں جو صاحب کتاب نے نقل فرمائی ہیں۔

(۶/۱۲۸۲) وَلَا يَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے آزاد اور غلام کے درمیان اور نہ بچے اور بالغ کے درمیان اور نہ مسلم اور کافر کے درمیان۔

تشریح: اس سے پہلے مسئلہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ شرکت مفاوضہ میں ہر ایک شریک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے اور کفیل بھی اس لیے اگر ایک مملوک اور غلام ہو تو وہ نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کفیل اس لیے آزاد اور غلام کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی ایسے ہی بچہ نہ کفیل بن سکتا ہے اور نہ وکیل اس لیے بچہ اور بالغ کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی، اور مسلمان اور کافر کے درمیان اس لیے نہیں ہوگی کہ شراب، سود اور خنزیر کی خرید وفروخت کافر کے لئے درست ہے اور مسلمان کے لئے حرام ہے چوں کہ بہت سے مقامات پر کافر مسلمان کی وکالت اور کفالت نہیں کر سکتا جو شرکت مفاوضہ میں ضروری ہے اس لیے کافر اور مسلمان کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہو سکتی۔

امام ابو یوسف کے نزدیک کافر کے ساتھ شرکت مفاوضہ جائز ہے البتہ مکروہ ہے کیوں کہ کافر عاقل و بالغ ہے اس لیے وکیل اور کفیل بن سکتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ شرکت مفاوضہ ہو سکتی ہے۔

(۱۲۸۳/۷) وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ.

ترجمہ: اور شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر۔

تشریح: شرکت مفاوضہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہو کہ جو کچھ خریدیں گے ان میں آدھا اپنا ہوگا اور آدھا وکالت کی وجہ سے شریک کا ہوگا ایسے ہی ایک دوسرے کا کفیل بھی ہو کہ جو قرض ایک کے سر پر آئے اس میں سے آدھا اپنے سر ہوگا اور آدھا کفیل ہونے کی وجہ سے شریک کے ذمہ ہوگا۔

(۱۲۸۴/۸) وَمَا يَشْتَرِيهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يَكُوْنُ عَلَى الشَّرْكَةِ اِلَّا طَعَامَ اَهْلِهٖ وَكِسْوَتَهُمْ.

ترجمہ: اور جو کچھ خریدے گا ان میں سے کوئی ایک وہ ہوگی شرکت پر سوائے بیوی بچوں کے کھانے اور کپڑے کے۔

تشریح: جب شرکت مفاوضہ منعقد ہو جائے تو دونوں شریکوں میں سے ہر ایک جو تجارت کے متعلقات خریدے گا وہ مشترکہ خرید متصور ہوگی البتہ بال بچوں کے کھانے اور کپڑے اور ان کی ضروریات زندگی کے سامان تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہیں، اس لیے یہ چیزیں جب ایک شریک خریدے گا تو وہ صرف اسی کے لئے ہوں گی شریک کے لئے نہیں ہوں گی، کیوں کہ ان چیزوں میں نہ وکالت ہے اور نہ کفالت۔

(۱۲۸۵/۹) وَمَا يَلْزَمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنَ الدُّيُوْنِ بَدَلًا عَمَّا يَصِحُّ فِيهِ الْاِشْتِرَاكُ فَالْآخَرُ ضَامِنٌ لَّهٗ.

ترجمہ: اور جو کچھ قرض لازم ہو ان میں سے کسی کو ایسی چیز کے بدلے میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا شریک اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح: تجارت وغیرہ کی وجہ سے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک پر قرض لازم ہو گیا تو دوسرا شریک بھی اس کا ذمہ دار ہوگا کیوں کہ دوسرا شریک اس کا کفیل ہے اس لیے کفالت کی وجہ سے وہ بھی ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

تنبیہ: عما یصح فیہ الاشتراك اس قید کو لگا کر صاحب قدوری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اشتراک انہیں امور میں جائز ہوگا جن میں شرکت مفاوضہ صحیح ہے جیسے خرید و فروخت کرایہ کا لین دین اور قرض وغیرہ اور جن چیزوں میں شرکت درست نہیں ہے ان میں اشتراک بھی نہ ہوگا جیسے جرم کا تاوان نکاح، خلع وغیرہ ان میں دوسرا ذمہ دار نہ ہوگا۔

(۱۲۸۶/۱۰) فَاِنْ وَرِثَ اَحَدُهُمَا مَالًا تَصِحُّ فِيهِ الشَّرْكَةُ اَوْ وُهِبَ لَهٗ وَوَصَلَ اِلٰى يَدِهٖ بَطَلَتِ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتِ الشَّرْكَةُ عِنَانًا.

حل لغات: وروصل الی یدہ: ہبہ کی چیز پر شریک کا قبضہ ہواس کی شرط اس لیے لگائی کہ ہبہ میں قبضہ سے پہلے انسان اس چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا اس لیے یہ قید لگائی کہ ہبہ ہوا ہو اور اس پر قبضہ بھی ہو گیا ہو تب شرکت مفاوضہ باطل ہوگی۔

ترجمہ: اگر وارث ہوا دونوں شریکوں میں سے کوئی ایک ایسے مال کا جس میں شرکت صحیح ہے یا اس کو ہبہ کر دیا گیا اور پہنچ گیا اس کے قبضہ میں تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور (بدل کر) شرکت عنان ہو جائے گی۔

تشریح: اگر دونوں شریکوں میں سے ایک دراہم، دنانیر یا رائج سکوں کا وارث بن گیا یا کسی نے اس کو ہبہ کر دیا اور اس نے ان پر قبضہ بھی کر لیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو کر شرکت عنان بن جائے گی کیوں کہ مفاوضہ میں جس طرح ابتداءً مالی مساوات شرط ہے اسی طرح بقاءً بھی شرط ہے اور یہاں وراثت اور ہبہ کے ذریعہ مالک ہونے کی وجہ سے دونوں کے مال برابر نہ رہے بلکہ ایک کا زیادہ ہو گیا اس لیے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی لیکن چوں کہ شرکت عنان میں مال کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ مال کم زیادہ ہو تب بھی شرکت عنان جائز ہے اس لیے یہ شرکت عنان بن جائے گی۔ (اللباب ۲/۵۵) ہاں اگر ایسے مال کا وارث بنا جس میں شرکت مفاوضہ درست نہیں جیسے سامان، زمین تو اس سے شرکت مفاوضہ باطل نہ ہوگی کیوں کہ ان میں شرکت ہی صحیح نہیں تو برابری بھی ضروری نہ ہوگی (رقم الحاشیہ ۴، الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۴۵)

(۱۲۸۷/۱۱) وَلَا تَنْعَقِدُ الشَّرْكَةُ اِلَّا بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَلَا يَجُوْزُ فِيْمَا سِوىٰ ذَالِكَ اِلَّا اَنْ يَتَعَامَلَ النَّاسُ بِهٖ كَالتِّبْرِ وَالنُّقْرَةِ فَتَصِحُّ الشَّرْكَةُ بِهِمَا.

حل لغات: الفلوس: فلس کی جمع پیسہ، النافقۃ: رائج، چالو، الفلوس النافقۃ: رائج الوقت سکہ، التبر: سونے کی ڈلی، النقرۃ چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا۔

ترجمہ: اور نہیں منعقد ہوتی شرکت مگر دراہم، دنانیر اور رائج سکوں سے اور نہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ ان کے علاوہ میں مگر یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں جیسے سونے چاندی کی ڈلی چنانچہ ان سے بھی شرکت صحیح ہو جائیگی۔

تشریح: جو چیزیں ثمن ہیں جیسے دراہم دنانیر اور رائج سکے ان میں شرکت مفاوضہ صحیح ہوگی ان کے علاوہ اور چیزوں میں درست نہیں ہے البتہ اگر لوگ کسی خاص چیز مثلاً سونے اور چاندی کی ڈلی میں شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہو جائے گی کیوں کہ سونے اور چاندی کی ڈلی بھی درہم اور دینار کے حکم میں ہے کہ وہ بھی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی، کما فی اللباب ۱/۵۵)

فائدہ: شیخین کے نزدیک فلوس نافقہ کے ذریعہ مشارکت ومضاربت درست نہیں ہے مگر امام محمد فرماتے ہیں کہ درست ہے امام صاحب کی بھی غیر مشہور روایت یہی ہے فتویٰ اسی قول پر ہے (عالمگیری ۲/۳۰۶)

(۱۲/۱۲۸۸) وَاِنْ اَرَادَ الشَّرْكَةَ بِالْعُرُوْضِ بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا نِصْفَ مَالِهٖ بِنِصْفِ مَالِ الْآخَرِ ثُمَّ عَقَدَ الشَّرْكَةَ.

ترجمہ: اور اگر ارادہ کرے شرکت کرنے کا سامان کے ذریعہ تو بیچے دونوں میں سے ہر ایک اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے بدلے پھر عقد شرکت کرے۔

تشریح: دراہم اور دنانیر کے علاوہ سامان اور زمین وغیرہ میں شرکت مفاوضہ درست نہیں ہے جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے لیکن اگر کوئی ان میں شرکت کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے سامان کے بدلے بیچے اور پھر برابر برابر درہم یا دینار ملائیں اور شرکت کریں تو درست ہے براہ راست سامان ملا کر شرکت مفاوضہ کرنا صحیح نہیں ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ کیلی اور وزنی چیز ہو اور دونوں شریکوں کی جنس ایک ہو مثلاً دونوں گیہوں ملا کر شرکت کریں تو جائز ہے۔

دلیل: حضرت ابن سیرینؒ نے فرمایا شرکت مفاوضہ تمام مالوں میں ہو سکتی ہے۔

(۱۳/۱۲۸۹) وَاَمَّا شِرْكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُوْنَ الْكَفَالَةِ.

حل لغات: عنان: عین کے کسرہ کے ساتھ اس کے معنی اعراض کرنا ہے چوں کہ اس شرکت میں کفالت سے اعراض کرنا ہے اس لیے اس کو شرکت عنان کہتے ہیں۔

ترجمہ: بہرحال شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر۔

شرکت عنان کا بیان

تشریح: شرکت مالی کی دوسری قسم شرکت عنان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمی تجارت کی مختلف چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی تجارت مشترکہ طور پر کریں مثلاً گیہوں کی تجارت میں شریک ہوں اس شرکت میں ہر ایک شریک سامان خریدنے میں دوسرے کا وکیل بنتا ہے کہ مال تجارت میں سے جو کچھ خریدے اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور آدھا شریک کے لئے ہوگا البتہ اس شرکت میں کفالت کی شرط نہیں رکھی جاتی یعنی فریقین ایک دوسرے کے نقصان یا مال کے ذمہ دار نہیں ہوتے بلکہ پورا قرض اسی کے ذمہ ہوگا جس نے قرض لیا یہ شرکت مسلمان اور کافر کے درمیان نیز نابالغ اور بالغ کے درمیان آزاد اور ماذون غلام (جسے تجارت کی اجازت دی گئی ہو) کے درمیان ہو سکتی ہے۔

(۱۴/۱۲۹۰) وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ وَيَصِحُّ اَنْ يَتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرِّبْحِ.

ترجمہ: اور صحیح ہے کمی زیادتی مال میں اور صحیح ہے یہ کہ دونوں برابر ہوں مال میں اور کمی بیشی ہو نفع میں۔

تشریح: شرکت عنان میں شرکت مفاوضہ کی طرح مال اور نفع میں برابر ہونا ضروری نہیں ہے اگر ایک شریک کا

مال کم ہو اور ایک کا مال زیادہ ہو یا دونوں کا برابر ہو ایسے ہی نفع میں کسی کو کم ملنے کی شرط ہو اور کسی کو زیادہ ملنے کی شرط ہو مثلاً شرکاء یہ طے کرلیں کہ ان میں سے ایک کو کارکردگی کے صلہ میں دو تہائی ملے گا اور دوسرے کو ایک تہائی اور نقصان بھی اسی نسبت سے ہوگا یہ تمام صورتیں شرکت عنان میں درست ہیں۔

(۱۵/۱۲۹۱) وَيَجُوْزُ اَنْ يَعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِه دُوْنَ بَعْضٍ.

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے عقد شرکت کرے نہ کہ پورے سے۔

تشریح: اگر شریکین میں سے ہر ایک کے بعض مال کے ذریعہ شرکت ہو تو یہ بھی درست ہے مثلاً کسی کے پاس دو لاکھ روپے ہیں ان میں سے ایک لاکھ روپے کے ذریعہ شرکت کرے اور باقی ایک لاکھ سے نہ کرے تو یہ جائز ہے کیوں کہ شرکت عنان میں دونوں شریکوں کا برابر برابر مال ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۱۶/۱۲۹۲) وَلَا تَصِحُّ اِلَّا بِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِه.

ترجمہ: اور صحیح نہیں ہے مگر ان چیزوں سے جن کو ہم نے بیان کردیا کہ مفاوضہ ان سے صحیح ہے۔

تشریح: ماقبل میں آچکا ہے کہ دراہم دنانیر اور رائج سکوں کے ذریعہ شرکت مفاوضہ صحیح ہے اور اگر سونے چاندی کی ڈلی سے لوگ شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو ان سے بھی صحیح ہے اسی طرح شرکت عنان بھی ان تمام چیزوں کے ذریعہ صحیح ہے۔

(۱۷/۱۲۹۳) وَيَجُوْزُ اَنْ يَشْتَرِكَا وَمِنْ جِهَةِ اَحَدِهِمَا دَنَانِيْرُ وَمِنْ جِهَةِ الْآخَرِ دَرَاهِمُ.

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ دونوں شریک ہوجائیں اور ایک کی طرف سے دنانیر ہوں اور دوسرے کی طرف سے دراہم ہوں۔

تشریح: ایک شریک کی جانب سے دراہم ہوں اور دوسرے شریک کی جانب سے دنانیر ہوں اور شرکت کرے تو جائز ہے، ہمارے یہاں شرکت عنان کے لئے مال کا خلط ملط کرنا ضروری نہیں ہے امام زفر کے نزدیک اختلاط شرط ہے اور درہم و دینار دو جنس ہونے کی وجہ سے خلط ملط نہیں ہوسکتے اس لیے ان کے یہاں درست نہیں ہے احناف یہ کہتے ہیں کہ بہت سے احکام میں دراہم و دنانیر کو ایک ہی جنس کے درجہ میں رکھا گیا ہے چناں چہ باب زکوۃ میں ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جاتا ہے لہٰذا دراہم دنانیر پر معاملہ کرنا گویا کہ جنس واحد پر ہی معاملہ کرنا ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۴۷، رقم الحاشیہ ۳)

(۱۸/۱۲۹۴) وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِلشِّرْكَةِ طُوْلِبَ بِثَمَنِه دُوْنَ الْآخَرِ وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِه

بِحِصَّتِهٖ مِنْهُ.

ترجمہ: جو کچھ خریدا دونوں میں سے کسی ایک نے شرکت کے لئے طلب کی جائے گی اس کی قیمت اس سے نہ کہ دوسرے سے اور وہ لے گا اپنے شریک سے اس کے حصۂ شرکت کے مطابق۔

تشریح: ایک شریک نے شرکت کے لئے مال خریدا تو اس کی قیمت خریدنے والے شریک پر ہی لازم ہوگی البتہ جتنی قیمت شریک کے حصہ میں آئے گی وہ اس سے وصول کرلے، کیوں کہ شرکت عنان میں شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے اس لیے جو کچھ بھی خریدا ہے اس کا آدھا دوسرے شریک کا ہوگا لیکن چوں کہ کفیل نہیں اس لیے بائع آدھا قرض دوسرے شریک سے وصول نہیں کرے گا لیکن چوں کہ آدھا مال شریک کے لئے ہے اس لیے اس کا حصہ اس سے وصول کرلے مطلب یہ ہے کہ جب ایک شریک نے بائع کو اپنے مال سے پوری قیمت دے دی تو اب یہ شریک اپنے ساتھی سے اس کے حصہ شرکت کے مطابق مطالبہ کرے۔

(۱۲۹۵/۱۹) وَإِذَا هَلَكَ مَالُ الشَّرِكَةِ أَوْ أَحَدُ الْمَالَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَا شَيْئاً بَطَلَتِ الشَّرِكَةُ.

ترجمہ: اگر ہلاک ہوجائے شرکت کا سارا مال یا کسی ایک کا مال کسی چیز کے خریدنے سے پہلے تو شرکت باطل ہوجائے گی۔

تشریح: شرکت کا سارا مال ہلاک ہوگیا تو ظاہر ہے کہ مال ہی نہیں رہا تو شرکت کس چیز میں ہوگی اس لیے شرکت ختم ہوجائے گی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں نے ابھی تک مال آپس میں ملایا بھی نہیں تھا اور نہ کوئی چیز خریدی تھی کہ ایک شریک کا مال ہلاک ہوگیا تب بھی شرکت ختم ہوجائے گی کیوں کہ جس کا مال تھا اگر اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تب تو ابھی شرکت ہی نہیں ہوئی اور مال ختم ہوگیا اور اگر دوسرے شریک کے ہاتھ سے مال ہلاک ہوا تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت تھا اور امانت ہلاک ہوجائے تو اس پر تاوان نہیں ہے اور مال آپس میں ملانے یا کوئی چیز خریدنے سے پہلے ہلاک ہوگیا تو اب شرکت کس چیز کے ذریعہ کرے اس لیے شرکت باطل ہوجائے گی۔ (رقم الحاشیۃ ۵)

(۱۲۹۵/۲۰) وَإِنِ اشْتَرىٰ أَحَدُهُمَا بِمَالِهٖ شَيْئاً وَهَلَكَ مَالُ الْآخَرِ بَعْدَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا عَلٰى مَا شَرَطَا وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْ ثَمَنِهٖ.

لغت: المشتریٰ: خریدی ہوئی چیز۔

ترجمہ: اور اگر خرید لے دونوں میں سے کوئی اپنے مال میں سے کوئی چیز اور ہلاک ہوجائے دوسرے کا مال خریدنے کے بعد تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان شرط کے مطابق مشترک ہوگی اور خریدنے والا اپنے شریک سے اس کے حصے کے مطابق ثمن وصول کرے گا۔

تشریح: دوشریکوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ سے کچھ خرید لیا دوسرے شریک نے ابھی کچھ نہیں خریدا تھا کہ اس کا مال ہلاک ہوگیا تو خریدی ہوئی چیز شرط کے مطابق دونوں کے درمیان مشترک ہوگی اور خریدار اپنے شریک سے اس کے حصہ شرکت کے بقدر اس چیز کی قیمت وصول کرے گا کیوں کہ شرکت میں چیز خریدی جا چکی ہے اس لیے وہ چیز شرکت ہی کی ہوگی۔

(۲۱/۱۲۹۶) وَيَجُوْزُ الشَّرْكَةُ وَاِنْ لَمْ يَخْلِطَا الْمَالَ.

لغت: یخلطا: باب (ض) خلطاً ملانا۔

ترجمہ: اور صحیح ہے شرکت اگرچہ انہوں نے مال نہ ملایا ہو۔

تشریح: اگر شرکاء عقد شرکت کے بعد مال کو آپس میں نہ ملائیں بلکہ ہر ایک اپنا مال اپنے قبضہ میں رکھے تو شرکت عنان میں اس کی گنجائش ہے کیوں کہ شرکت کا دارومدار تصرف پر ہے جو بھی شریک خریدے گا خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی اسی مناسبت سے شرط کے مطابق نفع ہوگا اس لیے مال ملانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے یہ تفصیل احناف کے یہاں ہے امام شافعیؒ و امام زفرؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی مال کو ملانا ضروری ہے۔

(۲۲/۱۲۹۷) وَلَا تَصِحُّ الشَّرْكَةُ اِذَا اشْتَرَطَ لِاَحَدِهِمَا دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً مِّنَ الرِّبْحِ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے شرکت جب شرط لگالے کسی ایک کے لئے متعین درہموں کے نفع کی۔

تشریح: اگر شریکین میں سے کسی ایک کے لئے آپس کی رضامندی سے مخصوص نفع کی شرط لگادی جائے تو ایسی صورت میں شرکت جائز نہیں ہے مثلاً اس طرح شرط لگائی کہ نفع میں سے پہلے سو روپے مجھے دو گے باقی جو بچیں گے ان میں سے آدھے آدھے ہوں گے تو اس شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے ہوسکتا ہے کسی موقع پر سو روپے ہی کا نفع ہو تو وہ تو ایک کو مل جائیں گے دوسرا اس کا منہ تکتا رہ جائے گا تو جب شرکت درست نہیں ہے لہٰذا نفع دونوں کے درمیان ملکیت کے اعتبار سے ہوگا یعنی اگر مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی ایسے ہی ہوگا۔

(۲۳/۱۲۹۸) وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُفَاوَضَيْنِ وَشَرِيْكَيِ الْعِنَانِ اَنْ يُّبْضِعَ الْمَالَ وَيَدْفَعَهُ مُضَارَبَةً وَيُوَكِّلُ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيْهِ وَيَرْهَنُ وَيَسْتَرْهِنُ وَيَسْتَاجِرُ الْاَجْنَبِيَّ عَلَيْهِ وَيَبِيْعُ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيْئَةِ.

حل لغات: شریکی: اصل میں شریکین تھا تثنیہ کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، **یبضع:** مصدر ابضاعاً کسی کو مال دینا کہ تم اس میں تجارت کرو اور اس کا نفع بڑھاؤ ہم کچھ اجرت دے دیں گے اس کو بضاعت کہتے ہیں، مضاربۃً: کسی کو مال دے کہ تم اس میں تجارت کرو اور نفع میں دونوں شریک ہوں گے اس کو مضاربت کہتے ہیں۔

ترجمہ: مفاوضہ اور عنان کے ہر شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو مال دیدے بضاعت کے طور پر اور

مضاربت کے طور پر اور وکیل بنائے ایسے آدمی کو جو تصرف کرے شرکت کے مال میں اور رہن رکھ دے یا رہن رکھ لے اور کسی اجنبی کو نوکر رکھ لے اور خرید وفروخت کرے نقد اور ادھار۔

تشریح: تجارت کرنے میں جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے یا وہ کام تجارت کے لئے نفع بخش ہیں شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریک وہ تمام کام کر سکتے ہیں مثلاً مال بضاعت کے طور پر کسی کو دے دے یا مضاربت کے طور پر کسی کو دے دے یا کسی کو مال خریدنے کا وکیل بنادے تاکہ وہ اس میں تصرف کرے یعنی خرید وفروخت کرے یا کسی کا قرض لازم ہوگیا اس کی وجہ سے مال شرکت رہن پر رکھ دیا یا کسی کو مال شرکت دیا جس کی وجہ سے اس کی کوئی چیز اپنے پاس رکھ لی یا کسی اجنبی شخص کو ملازمت پر رکھ لیا اسی طرح شرکت کا مال نقد اور ادھار بھی بیچ سکتے ہیں۔

(۱۲۹۹/۲۴) وَيَدُهُ فِي الْمَالِ يَدُ اَمَانَةٍ.

ترجمہ: اور شریک کا قبضہ مال میں امانت کا قبضہ ہے۔

تشریح: شریک کے قبضہ میں شرکت کا جو مال ہے وہ امانت کے حکم میں ہوتا ہے اگر بغیر زیادتی کے ہلاک ہوجائے تو اس پر تاوان لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ شریک کی اجازت سے اس کا قبضہ ہے اور کسی بدلے کے بغیر قبضہ ہے اس لیے امانت کا قبضہ ہوگا۔ (عینی شرح کنز)

(۱۳۰۰/۲۵) وَاَمَّا شِرْكَةُ الصَّنَائِعِ فَالْخَيَّاطَانِ وَالصَّبَّاغَانِ يَشْتَرِكَانِ عَلٰى اَنْ يَتَقَبَّلَا الْاَعْمَالَ وَيَكُوْنُ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوْزُ ذٰلِكَ وَمَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَيَلْزَمُ شَرِيْكَهُ فَاِنْ عَمِلَ اَحَدُهُمَا دُوْنَ الْاٰخَرِ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ.

حل لغات: صنائع: صنیعة کی جمع ہے پیشہ، کاریگری، خیاط: درزی، صباغ: رنگریز، اعمال: عمل کی جمع ہے کام، الکسب: کمائی، آمدنی، یتقبل: مضارع باب تفعل مصدر تقبلاً کام کو لازم کرنا۔

ترجمہ: (۱۲۹۰)(۲۵) اور بہرحال شرکت صنائع یہ ہے کہ دو درزی یا دو رنگریز شریک ہوجائیں اس بات پر کہ دونوں کام لیں گے اور تقسیم ہوگی کمائی دونوں میں چناں چہ یہ جائز ہے اب ان میں سے جو کوئی کام لے گا وہ اس پر اور اس کے شریک پر لازم ہوگا پھر اگر دونوں میں سے ایک نے کام کیا دوسرے نے نہیں پھر بھی کمائی آدھی آدھی ہوگی۔

شرکت صنائع کا بیان

تشریح: شرکت عقد کی تیسری قسم شرکت صنائع ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دو پیشہ ور مثلاً دو درزی یا دو رنگریز شریک ہوجائیں کہ ہم دونوں کام لیں گے اور کام کرکے دیں گے اور جو نفع ہوگا اس میں دونوں آدھا آدھا لیں گے یا شرط کے مطابق لیں گے چوں کہ کاریگری میں شرکت کی ہے اس لیے اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں اب شریکین میں سے ایک

شریک جو بھی کام لے گا وہ کام دونوں کو انجام دینا ہوگا اور اگر ایک نے وہ کام انجام دیا اور دوسرے نے کام بالکل نہ کیا تو جو آمدنی ہوگی وہ دونوں کے درمیان شرط کے مطابق آدھی آدھی ہوگی کام نہ کرے تو کام کرنے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے لیکن شرط آدھے آدھے نفع کی طے ہوئی ہے اس لیے شرط کے مطابق نفع آدھا آدھا ہی ہوگا۔

(۱۳۰۱/۲۶) وَاَمَّا شِرْكَةُ الْوُجُوْهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَلَامَالَ لَهُمَا عَلٰى اَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوْهِهِمَا وَيَبِيْعَا فَتَصِحُّ الشَّرْكَةُ عَلٰى هٰذَا.

ترجمه: اور بہر حال شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں اور ان دونوں کے پاس مال نہ ہو اس شرط پر کہ دونوں خریدیں گے اپنے اپنے تعلقات سے اور بیچیں گے تو اس طرح شرکت صحیح ہے۔

شرکت وجوہ کا بیان

تشریح: شرکت عقود کی چوتھی قسم شرکت وجوہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریک خالی ہاتھ ہوں اور اپنے اپنے تعلقات اعتماد اور اعتبار کے ذریعہ تاجروں کے یہاں سے مال ادھار خریدیں اور فروخت کریں اور نفع کمائیں شرکت کی یہ صورت بھی صحیح ہے اور اس شرکت کو وجوہ اس لیے کہتے ہیں کہ چہرہ اور رعب سے مال خرید رہا اور بیچ رہا ہے۔

(۱۳۰۲/۲۷) وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيْلُ الْآخَرِ فِيْمَا يَشْتَرِيْهِ.

ترجمه: اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس چیز میں جو وہ خریدے۔

تشریح: شرکت وجوہ میں ایک شریک جو خریدے گا اس میں سے آدھا اس کا ہوگا اور آدھا شریک کا ہوگا کیوں کہ اس شرکت میں بھی شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔

(۱۳۰۳/۲۸) فَاِنْ شَرَطَا اَنْ يَكُوْنَ الْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَفَاضَلَا فِيْهِ وَ اِنْ شَرَطَا اَنَّ الْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثاً فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ.

ترجمه: اگر شرط کر لیں دونوں اس بات کی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور اس سے کمی زیادتی جائز نہیں ہوگی اور اگر دونوں شرط کر لیں کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان تین تہائی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ شرکت وجوہ میں خریدی ہوئی چیز کے اعتبار سے نفع تقسیم ہوتا ہے یعنی اگر دونوں کا خریدا ہوا مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی دونوں کا آدھا آدھا ہوگا اگر کسی شریک نے زائد نفع کی شرط لگائی تو شرط باطل ہوگی اور اگر شرط لگائی کہ ایک آدمی کی خریدی ہوئی چیز ایک تہائی ہوگی اور دوسرے کی دو تہائی ہوگی تو نفع بھی ہر

ایک کو اسی مناسبت سے ملے گا یعنی جس کی ایک تہائی ہے اس کو ایک تہائی نفع ملے گا اور جس کی دو تہائی ہے اس کو دو تہائی نفع ملے گا اس سے کم زیادہ نفع کی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔

(۱۳۰۴/۲۹) وَلَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ فِي الْاِحْتِطَابِ وَالْاِحْتِشَاشِ وَالْاِصْطِيَادِ وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَوِ احْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُوْنَ صَاحِبِه.

حل لغات: الاحتطاب: باب افتعال کا مصدر ہے مادہ حَطْبٌ لکڑی جمع کرنا، الاحتشاش: مصدر ہے باب افتعال سے مادہ حشیش گھاس کاٹنا، الاصطیاد: مصدر باب افتعال سے مادہ صَیدٌ شکار کرنا۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے شرکت ایندھن لانے گھاس جمع کرنے اور شکار کرنے میں اور ان میں سے جو کوئی شکار کرے یا لکڑی جمع کرے تو وہ اسی کی ہوگی نہ کہ دوسرے کی۔

شرکت فاسدہ کے احکام

تشریح: یہاں سے شرکت فاسدہ کے احکام بیان کررہے ہیں، شرکت فاسد وہ ہے جس میں شرکت کی صحت کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے، اس مسئلہ کا دارومدار اس قاعدہ پر ہے جو چیزیں مباح ہیں ان پر جو قبضہ کرلے وہ مفت اسی کی ہوجاتی ہیں ان میں شرکت کی ضرورت نہیں اور نہ ان میں وکالت درست ہے اب کتاب کا مسئلہ سنئے ایندھن کی لکڑیاں جنگلوں میں مفت ملتی ہیں جو ان کو چنے گا اسی کی ہوجائیں گی، گھاس جنگلوں میں مفت ملتی ہے اس لیے جو کاٹے گا اسی کی ہوجائے گی، یہی حال شکار کے جانور کا ہے، ان چیزوں کے حاصل کرنے میں شرکت درست نہیں کیوں کہ شرکت وکالت کو شامل ہوتی ہے اور مباح چیزوں کی تحصیل میں وکالت نہیں ہوسکتی کیوں کہ مباح چیزوں کا خود موکل مالک نہیں ہوتا تو وہ اپنی جگہ دوسرے کو قائم مقام کیسے کرسکتا ہے۔

مزید وضاحت: جنگل سے لکڑیاں وغیرہ چننے میں دو آدمیوں کی شرکت کا معاملہ اصالۃً گو کہ فاسد ہے لیکن اگر اس پر عمل درآمد ہو تو پھر اس پر احکام شریعت مرتب ہوتے ہیں انہیں میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر دو آمیوں نے شرکت کی کہ ہم دونوں جنگل سے لکڑیاں چنیں گے اور آمدنی آپس میں آدھی آدھی تقسیم کریں گے اب صورت یہ پیش آئی کہ لکڑیاں تو ان دونوں میں سے ایک نے جمع کیں لیکن دوسرے نے اعانت کی مثلاً گٹھر بندھوایا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا تو اب استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ لکڑیاں تو صرف جمع کرنے والے کی ملکیت قرار دی جائیں اور مدد کرنے والے کو اس کے عمل کی اجرت دی جائے مگر اس کی مقدار لکڑیوں کی نصف قیمت سے زائد نہ ہو کیوں کہ نصف سے زائد قیمت کو وہ خود ہی نصف کی شرط لگا کر منع کرچکا ہے یہ امام ابو یوسف کا اختیار فرمودہ مذہب ہے، اس کے برخلاف قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ لکڑیاں جمع کرنے والے کی ہوں اور مدد کرنے والے کو بھرپور اجرت دی جائے خواہ وہ لکڑیوں کی نصف قیمت سے

بڑھ جائے اس لیے کہ اگر پہلے شخص کو لکڑیاں نہ ملتیں پھر بھی اس کے ساتھی کو مدد کرنے پر اجر ملتا یہ امام محمد کا قول ہے اور علماء نے اسی کو مختار قرار دیا ہے اور اگر دونوں نے مل کر لکڑیاں جنیں تو دونوں کو آدھی آدھی ملیں گی۔ (درمختار مع الشامی ۳/۴۸۳)

(۳۰/۱۳۰۵) وَإِذَا اشْتَرَكَا وَلِأَحَدِهِمَا بَغْلٌ وَلِلْآخَرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِي عَلَيْهَا الْمَاءَ وَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرِكَةُ وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِي اسْتَقَى الْمَاءَ وَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْبَغْلِ.

حل لغات: بغل: خچر، راویة: مشک، چرس چمڑے کا بڑا ڈول، استقی: مصدر استقاءٌ پانی پلانا سیراب کرنا۔

ترجمه: اگر دو آدمی شریک ہو جائیں ان میں سے ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا چرس کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہوگی تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے اور تمام کمائی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے ہاں اس پر خچر کی اجرت مثل واجب ہوگی۔

تشریح: ایک شخص کے پاس خچر ہے اور دوسرے کے پاس چمڑے کا بڑا ڈول ہے ان دونوں نے اس بات میں شرکت کی کہ ان دونوں کے ذریعہ پانی کھینچ کر پلائیں گے اور جو کمائی ہوگی آپس میں تقسیم کریں گے تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے اب جو کچھ کمائی ہوئی ہے وہ پوری اس کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی اگر خچر والے نے پانی کھینچا تو نفع اس کا ہوگا اور چرس والے کو چرس کی اجرت ملے گی اور اگر چرس والے نے کام کیا ہے تو نفع اس کا ہوگا اور خچر والے کو خچر کی اجرت ملے گی۔

دلیل: پانی مباح ہے اس کے نکالنے میں شرکت کرنا شرکت فاسدہ ہے اس لیے جس نے پانی پر قبضہ کیا پانی اسی کا ہو گیا اور نفع بھی اسی کا ہو گیا دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔

(۳۱/۱۳۰۶) وَكُلُّ شِرْكَةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيهَا عَلَى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ وَيَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ.

ترجمه: اور ہر شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی۔

تشریح: اگر کسی وجہ سے شرکت فاسد ہو جائے تو جس شریک کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم کیا جائیگا اب اگر سب مال ایک ہی شریک کا ہو تو دوسرے شریک کو اس کی محنت کی اجرت دی جائے گی اور اگر کسی ایک نے اپنے حصہ سے زیادہ نفع لینے کی شرط لگائی تو وہ باطل ہوگی، شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے تو جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم ہوگا۔

(۳۲/۱۳۰۷) وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ أَوِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الشِّرْكَةُ.

ترجمه: اگر شریک میں سے کوئی ایک مر جائے یا مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل

ہو جائے گی۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ شریکین میں سے کسی ایک کے انتقال کر جانے سے یا مرتد ہو کر دار الحرب میں داخل ہو جانے سے شرکت باطل ہو جاتی ہے کیوں کہ شرکت کے لئے شریک کا وکیل ہونا ضروری ہے اور مر جانے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اس لیے شرکت ختم ہو جائے گی ایسے ہی مرتد ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا تو گویا مرنے کے حکم میں ہو گیا اس لیے شرکت باطل ہو جائے گی۔ (اللباب ۲/۵۹)

(۱۳۰۸/۳۳) وَلَيْسَ لِوَاحِدٍ مِّنَ الشَّرِيكَيْنِ اَنْ يُؤَدِّيَ زَكوٰةَ مَالِ الْآخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ.

ترجمہ: شریک میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کے مال کی زکوۃ دے مگر اس کی اجازت سے۔

تشریح: دوسرے شریک کے حصہ میں جو مال آتا ہے اگر نصاب کے بقدر ہے تو پہلے شریک کے لئے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس کے مال کی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ شریکین میں سے ہر ایک کو جو دوسرے کی طرف سے تصرف کی اجازت ہے وہ امور تجارت میں ہے اور زکوۃ دینا تجارت کے اعمال میں سے نہیں ہے ہاں اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دے دے تو ادا کر سکتا ہے۔

(۱۳۰۹/۳۴) فَاِنْ اَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَنْ يُّؤَدِّيَ زَكوٰتَهٗ فَاَدّٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فَالثَّانِي ضَامِنٌ سَوَاءٌ عَلِمَ بِاَدَاءِ الْاَوَّلِ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ لَّمْ يَعْلَمْ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے دی پھر دونوں میں سے ہر ایک نے زکوۃ ادا کر دی تو بعد میں دینے والا ضامن ہو گا چاہے اس کو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر اسے معلوم نہ ہو تو ضامن نہیں ہو گا۔

تشریح: اگر شریکین میں سے ہر ایک نے دوسرے کو زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دے دی تھی پھر دونوں نے اپنی اپنی زکوٰۃ بھی ادا کی اور شریک کی بھی ادا کر دی تو جس شریک نے بعد میں اپنے شریک کی زکوٰۃ ادا کی وہ تو نفلی صدقہ ہو گیا واجب زکوٰۃ نہیں کیوں کہ پہلے شریک نے تو اپنی زکوۃ پہلے ہی ادا کر دی تھی اس لیے بعد والے کی ادائیگی نفلی صدقہ ہوا اور نفلی صدقہ کی اجازت نہ تھی اب بعد میں ادا کرنے والا پہلے والے کیلئے ضامن ہو گا خواہ بعد والے کو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو کیوں کہ پہلے شریک نے جیسے ہی زکوٰۃ ادا کی تو دوسرا شریک زکوٰۃ ادا کرنے کی وکالت سے معزول ہو گیا اس لیے جو کچھ شرکت کے مال سے ادا کیا اس کا شریک کے لئے ضامن ہو گا یہ مکمل تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین کا کہنا یہ ہے کہ اگر بعد والے کو پہلے کے دینے کی خبر ہو تب تو ضامن ہو گا اور اگر خبر نہ ہو تو ضامن نہیں ہو گا۔

کیوں کہ بعد میں ادا کرنے والے شریک کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کو مالک بنانے کی اجازت تھی چاہے وہ واجب زکوۃ کے طور پر ہو یا نفلی زکوۃ کے طور پر اور اس کے حکم کے مطابق اس نے کیا اور اس کو پہلے کے دینے کی خبر نہیں تھی اس لیے وہ ضامن نہیں ہوگا (رقم الحاشیہ ۸)

کِتَابُ الْمُضَارَبَةِ

(یہ کتاب مضاربت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: مضاربت ایک قسم کی شرکت ہے اس لیے صاحب کتاب نے کتاب الشرکۃ کے بعد مضاربت کے احکام بیان فرمائے ہیں۔

مضاربت کی لغوی تحقیق: مضاربت لغت کے اعتبار سے باب مفاعلت سے ہے اور ضرب فی الارض سے مشتق ہے زمین پر چلنا اور سفر کرنا۔

وجہ تسمیہ: مضارب زمین میں سفر کرتا ہے اور تجارت کر کے نفع کماتا ہے اس لیے اس عقد کو مضاربت کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: ایک آدمی کی جانب سے مال ہوتا ہے جس کو رأس المال کہتے ہیں اور دوسرے کی جانب سے کام ہوتا ہے جس سے نفع کماتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔

مضاربت کا ثبوت: ابن جعد بارقیؓ فرماتے ہیں کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا یا بکری خریدنے کے لئے دیا تو انہوں نے دو بکریاں خریدیں پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعا دی پھر ایسا ہوتا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی نفع ہوتا (ابوداؤد ۲/۴۸۰ باب فی المضارب)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مضاربت جائز ہے نیز لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے کیوں کہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی مالدار ہے مگر کاروبار کا بالکل تجربہ نہیں ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مالدار تو نہیں ہیں مگر تجارت میں اچھا خاصا تجربہ ہے تو عقد مضاربت کی مشروعیت ضروری ہے تاکہ سبھی لوگوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔

(۱/۱۳۱۰) اَلْمُضَارَبَةُ عَقْدٌ عَلَى الشَّرِكَةِ فِي الرِّبْحِ بِمَالٍ مِّنْ اَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ وَعَمَلٍ مِّنَ الْآخَرِ.

ترجمہ: مضاربت ایک عقد ہے شرکت پر نفع میں شریکین میں سے ایک کے مال اور دوسرے کے عمل کے ساتھ۔

تشریح: اس عبارت میں مضاربت کی اصطلاحی تعریف کا بیان ہے یعنی مضاربت کی صورت یہ ہے کہ ایک کی طرف سے مال ہو اور دوسرے کی طرف سے کام ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں جس کی طرف سے مال ہو اس کو رب المال اور کام کرنے والے کو مضارب اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔

(۲/۱۳۱۱) وَلَاتَصِحُّ الْمُضَارَبَةُ اِلَّا بِالْمَالِ الَّذِیْ بَیَّنَّا اَنَّ الشَّرْكَةَ تَصِحُّ بِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے مضاربت مگر اس مال سے جس کو ہم بیان کر چکے کہ شرکت اس سے درست ہے۔

مضاربت کی شرطوں کا بیان

تشریح: جس مال میں شرکت صحیح ہے یعنی دراہم دنانیر اور رائج سکوں میں ان میں مضاربت بھی صحیح ہے سامان کے ذریعہ درست نہیں ہاں اگر سامان دے دے اور کہے کہ اس کو فروخت کر کے جو دراہم یا دنانیر آئیں اس میں مضاربت کریں تو درست ہے کیوں کہ وکالت کے طور پر پہلے سامان بیچے گا پھر جو قیمت آئے گی وہاں سے مضاربت شروع ہوگی گویا درہم یا دینار سے مضاربت شروع ہوئی۔ (اللباب ۲/۶۱)

(۳/۱۳۱۲) وَمِنْ شَرْطِهَا اَنْ یَكُوْنَ الرِّبْحُ بَیْنَهُمَا مُشَاعاً لَا یَسْتَحِقُّ اَحَدُهُمَا مِنْهُ دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً.

ترجمہ: اور مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ نفع دونوں کے درمیان مشترک ہو اس طرح کہ ان میں سے کوئی ایک متعین دراہم کا مستحق نہ ہو۔

تشریح: ماقبل کے مسئلہ میں مضاربت کی پہلی شرط کو بیان کیا ہے اس عبارت میں دوسری شرط کو بیان کر رہے ہیں، وہ یہ کہ جو کچھ نفع ہو وہ رب المال اور مضارب دونوں کے درمیان مشترک ہو ایسا نہ ہو کہ نفع میں سے پہلے کچھ متعین رقم کسی ایک کو مل جائے اور پھر جو کچھ بچے وہ دونوں تقسیم کر لیں۔

(۴/۱۳۱۳) وَلَا بُدَّ اَنْ یَكُوْنَ الْمَالُ مُسَلَّماً اِلَی الْمُضَارِبِ وَلَا یَدَ لِرَبِّ الْمَالِ فِیْهِ.

ترجمہ: اور یہ بھی ضروری ہے کہ مال سپرد ہو مضارب کی طرف اور مال والے کا اس پر کسی طرح کا قبضہ نہ ہو۔

تشریح: اس عبارت میں تیسری شرط کا بیان ہے یعنی مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مال مضارب کو مکمل سپرد کر دیا جائے تا کہ وہ دل کھول کر تجارت کر سکے اور اس پر مال والے کا کسی طرح کا قبضہ نہ ہو، اگر مال والے کا قبضہ ہوگا تو مضارب اپنی مرضی کے مطابق تجارت کر کے نفع نہیں کما سکے گا۔

(۵/۱۳۱۴) فَاِذَا صَحَّتِ الْمُضَارَبَةُ مُطْلَقَةً جَازَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ یَشْتَرِیَ وَیَبِیْعَ وَیُسَافِرَ وَیُبْضِعَ وَیُوَكِّلَ.

ترجمہ: پھر جب مضاربت مطلقاً درست ہوگئی تو جائز ہے مضارب کے لئے کہ خریدے اور بیچے اور سفر

کرے اور بضاعت پر دے اور وکیل بنائے۔

مضاربت کی قسموں کا بیان

تشریح: مضاربت کی دو قسمیں ہیں (۱) مضاربت مطلقہ (۲) مضاربت مقیدہ۔
مضاربت مطلقہ کی صورت یہ ہے کہ اس میں کسی زمان مکان اور کسی خاص سامان کی قید نہ ہو مضارب وہ تمام کام کرسکتا ہے جو تجارت کے لئے نفع بخش ہو مثلاً رأس المال سے کوئی چیز خرید سکتا ہے پھر اس کو بیچ سکتا ہے اس مال کو لے کر سفر کرسکتا ہے اور اس مال کو بضاعت پر دے سکتا ہے کسی کو وکیل بنا سکتا ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مضاربت کے مال کو لے کر ایسا سفر نہیں کرسکتا جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

(۱۳۱۵/۶) وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَدْفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَةً اِلَّا اَنْ يَأْذَنَ لَهُ رَبُّ الْمَالِ فِيْ ذَالِكَ اَوْ يَقُوْلَ لَهُ اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ.

ترجمہ: اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ دے مال کو مضاربت پر مگر یہ کہ اجازت دے دے مال والا اس کی یا کہہ دے اس سے کہ اپنی رائے کے مطابق کام کر۔

تشریح: مال والے نے کسی کو مال مضاربت پر دیا ہے تو اب مضارب اپنے اختیار سے کسی کو مضارب نہیں بنا سکتا کیوں کہ رب المال نے مضاربت کے بارے میں مضارب پر بھروسہ کیا ہے کسی دوسرے پر نہیں ہاں اگر اس کو رب المال نے مضارب بنانے کا اختیار دے دیا ہو یا کہا ہو کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کر تو پھر اس مال کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔

(۱۳۱۶/۷) وَاِنْ خَصَّ لَهُ رَبُّ الْمَالِ التَّصَرُّفَ فِيْ بَلَدٍ بِعَيْنِهِ اَوْ فِيْ سِلْعَةٍ بِعَيْنِهَا لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَتَجَاوَزَ عَنْ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور اگر خاص کر دے مضارب کے لئے مال والا تصرف کرنا کسی متعین شہر میں یا متعین سامان میں تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے تجاوز کرے یعنی اس کے خلاف کرے۔

تشریح: اس عبارت میں مضاربت مقیدہ کا بیان ہے چناں چہ فرمایا کہ اگر مال والے نے یہ شرط لگائی کہ صرف فلاں شہر میں تجارت کروگے یا فلاں چیز کی تجارت کروگے مثلاً سہارنپور میں کپڑے کی تجارت کروگے تو اب مضارب کے لئے اس شرط کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، یہ شرطیں اس لیے لگائی جاتی ہیں کہ مال ہلاک نہ ہو یا نفع خوب ہو اس لیے ایسی شرطیں لگانا جائز ہے اور جب شرط لگادی تو اب اس کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱۳۱۷/۸) وَكَذَالِكَ اِنْ وَقَّتَ الْمُضَارَبَةَ مُدَّةً بِعَيْنِهَا جَازَ وَبَطَلَ الْعَقْدُ بِمُضِيِّهَا.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر مالک مضاربت کی مدت متعین کردے تو جائز ہے اور عقد باطل ہو جائے گا مدت

گزرنے سے۔

تشریح: مال والے نے یوں کہا کہ ایک سال کے لئے مضاربت پر مال لے سکتے ہو اس کے بعد مضاربت ختم تو اس طرح وقت کی تعیینکرنا درست ہے اور جب ایک سال گذر جائے گا تو مضاربت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

(۱۳۱۸/۹) وَلَيْسَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَشْتَرِیَ اَبَ رَبِّ الْمَالِ وَلَا اِبْنَهُ وَلَا مَنْ يَعْتِقُ عَلَيْهِ فَاِنْ اشْتَرَاهُمْ كَانَ مُشْتَرِياً لِنَفْسِهِ دُوْنَ الْمُضَارَبَةِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے مضارب کے لئے مال والے کے باپ اور اس کے بیٹے کو خریدنا اور نہ ایسے آدمی کو جو اس پر آزاد ہو جائے اگر ان لوگوں کو خریدا تو اپنے لئے خریدنے والا ہوگا نہ کہ مضاربت کے لئے۔

تشریح: مضارب ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے مال والے کو نقصان ہو مثلاً مال والے کے باپ کو خریدے گا تو وہ رب المال پر آزاد ہو جائے گا تو اس سے نفع کے بجائے نقصان ہوگا اسی طرح بیٹے کو خریدے یا ایسے آدمی کو خریدے جو مال والے پر آزاد ہو جائے مثلاً اس کے قریبی رشتہ دار کو خریدا تو ایسی صورت میں وہ مضاربت کے لئے نہیں ہوگا بلکہ خود مضارب کے لئے ہوگا، اور مضارب ہی اس کا ضامن ہوگا۔

(۱۳۱۹/۱۰) وَاِنْ كَانَ فِی الْمَالِ رِبْحٌ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَشْتَرِیَ مَنْ يَعْتِقُ عَلَيْهِ وَاِنْ اشْتَرَاهُمْ ضَمِنَ مَالَ الْمُضَارَبَةِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِی الْمَالِ رِبْحٌ جَازَ لَهُ اَنْ يَشْتَرِيَهُمْ.

ترجمہ: اور اگر مال میں نفع ہوا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ خریدے ایسے آدمی کو جو مضارب پر آزاد ہو جائے اور اگر اس کو خریدا تو مضاربت کے مال کا ضامن ہوگا اور اگر مال میں نفع نہ ہوا تو اس کے لئے جائز ہے کہ ان کو خرید لے۔

تشریح: اگر مال میں نفع ہے یعنی غلام کی قیمت رأس المال سے زائد ہو تو مضارب کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے ایسے رشتہ دار کو خریدے جو اس پر آزاد ہو جائے کیوں کہ رب المال کے حصہ میں فساد پیدا ہو جائے گا اور اس کو نقصان ہوگا اس طرح کہ اس کو بھی اپنا حصہ آزاد کرنا پڑے گا یا غلام سے سعی کروانی پڑے گی لیکن اگر پھر بھی مضارب نے اس غلام کو خرید لیا تو مال مضاربت کا ضامن ہوگا اور اگر مال میں کوئی نفع نہ ہو یعنی غلام کی قیمت رأس المال سے زیادہ نہ ہو بلکہ برابر ہو یا کم ہو تو اس میں مضارب کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے اس لیے اس صورت میں خریدنے سے مضارب کا رشتہ دار آزاد نہ ہوگا اور مضارب کا اپنے رشتہ دار کو خریدنا صحیح ہوگا اور غلام رأس المال کے ساتھ مشغول رہے گا۔

(۱۳۲۰/۱۱) فَاِنْ زَادَتْ قِيْمَتُهُمْ عَتَقَ نَصِيْبُهُ مِنْهُمْ وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئاً وَيَسْعَى الْمُعْتَقُ لِرَبِّ الْمَالِ فِیْ قِيْمَةِ نَصِيْبِهِ مِنْهُ.

حل لغات: یسعی: غلام مال کما کر آقا کو دے گا تا کہ مکمل آزاد ہو جائے۔

ترجمہ: پھر اگر ان کی قیمت بڑھ جائے تو آزاد ہو جائے گا مضارب کا حصہ ان سے اور مضارب رب المال کے لئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا بلکہ آزاد ہونے والا غلام رب المال کے لئے اس کے حصہ کی قیمت میں سعی کرے گا۔

تشریح: مال میں نفع نہیں تھا ایسی صورت میں مضارب نے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو خرید لیا تو اس کے لئے جائز تھا خریدنے کے بعد اس کی قیمت میں بڑھوتری ہوگئی تو مضارب کا حصہ آزاد ہو جائے گا لیکن چوں کہ آزاد ہونے میں مضارب کا کوئی دخل نہیں ہے خود بخود آزاد ہوا ہے اس لیے مضارب رب المال کے لئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا لیکن غلام رب المال کے حصہ کی قیمت میں سعی کرے گا اور پھر غلام مکمل آزاد ہو جائے گا مثلاً پانچ ہزار روپے میں غلام خریدا اب اس کی قیمت چھ ہزار روپے ہوگئی تو ایک ہزار روپے میں سے پانچسو کا نفع رب المال کا ہوا اور پانچ سو کا نفع مضارب کا ہوا اب مضارب کا جو حصہ ہے وہ آزاد ہو جائے گا اب غلام کا چھ ہزار میں سے پانچ سو آزاد ہو چکا ہے باقی پچپن سو روپے رب المال کے ہیں اس لیے غلام پچپن سو روپے کما کر رب المال کو دے گا اور پھر پورا آزاد ہو جائے گا۔

(۱۲/۱۳۲۱) وَإِذَا دَفَعَ الْمُضَارِبُ الْمَالَ مُضَارَبَةً عَلَى غَيْرِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَهُ رَبُّ الْمَالِ فِي ذَالِكَ لَمْ يَضْمَنْ بِالدَّفْعِ وَلَا بِتَصَرُّفِ الْمُضَارِبِ الثَّانِي حَتَّى يَرْبَحَ فَإِذَا رَبِحَ ضَمِنَ الْمُضَارِبُ الْأَوَّلُ الْمَالَ لِرَبِّ الْمَالِ.

ترجمہ: اور جب دیدے مضارب مال دوسرے کو مضاربت کے طور پر حالانکہ مال والے نے مضاربت پر دینے کی اجازت نہیں دی تھی تو صرف دینے سے ضامن نہیں ہوگا اور نہ مضارب ثانی کے تصرف سے یہاں تک کہ کچھ نفع ہو اور جب نفع ہو جائے تو مضارب اول مالک کے لئے مال کا ضامن ہوگا۔

مضارب کا دوسرے کو مضاربت پر مال دینے کا بیان

تشریح: رب المال نے مضارب کو مضاربت پر مال دینے کی اجازت نہیں دی تھی اس کے باوجود اس نے دوسرے کو مضاربت پر مال دے دیا تو مضارب پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں اس بارے میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تین مذاہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مضارب اول پر صرف مال دے دینے سے تاوان نہیں ہوگا بلکہ جب مضارب ثانی تجارت شروع کر دے اور اس میں نفع بھی کما لے تب مضاب اول رب المال کے لئے ضامن ہوگا امام حسن بن زیاد کا بھی یہی قول ہے۔

دلیل: صرف مال حوالہ کرنے سے ابھی مضاربت شروع نہیں ہوئی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ابھی امانت کے طور پر

مال مضارب ثانی کے پاس ہے اور جب کام شروع کرے گا تو کہا جا سکتا ہے کہ بضاعت کے طور پر کام کر رہا ہے لیکن جب نفع حاصل ہو گیا تو اب نفع میں شریک ہونے کی وجہ سے مضارب ثانی حقیقت میں مضارب بن گیا جس کی رب المال کی طرف سے اجازت نہیں تھی اس لیے مضارب اول رب المال کے لئے ضامن ہوگا (الشرح الثمیری ۲/۲٦۷)

دوسرا مذہب: حضرات صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ اگر مضارب ثانی کاروبار شروع کر دیتا ہے تو مضارب اول پر ضمان لازم آئے گا خواہ کاروبار میں نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

دلیل: مضارب اول کا مال دینا حقیقتاً امانت کے طور پر دینے کے درجہ میں ہے لیکن جب مضارب ثانی نے کام شروع کر دیا تو مضاربت شروع ہو گئی اس لیے کام شروع کرنے پر رب المال کے لئے ضامن ہو جائے گا۔

تیسرا مذہب: امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف مضارب ثانی کو مال دینے سے ضمان لازم ہو جائے گا۔

دلیل: مضارب کو صرف اتنی اجازت ہے کہ امانت کے طور پر کسی کو مال دے دے لیکن مضاربۃً دینے کا بالکل حق نہیں ہے اور یہاں اس نے رب المال کی اجازت کے بغیر مضاربت کے طور پر دے دیا لہٰذا دینے سے ہی ضامن بن جائے گا۔ (اشرف النوری ۲/۳۱)

(۱۳/۱۳۲۲) وَاِذَا دَفَعَ اِلَيْهِ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ فَاَذِنَ لَهٗ اَنْ يَدْفَعَهَا مُضَارَبَةً فَدَفَعَهَا بِالثُّلُثِ جَازَ.

ترجمہ: اگر دیا مال والے نے مضارب کو آدھے نفع پر بطور مضاربت کے پھر اس کو اجازت دے دی کہ کسی دوسرے کو مضاربت پر دے سکتا ہے پس اس نے تہائی نفع پر دیا تو جائز ہے۔

تشریح: مالک نے مضارب کو مال دیا اور کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان نفع آدھا آدھا ہوگا اور رب المال نے اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ وہ مال مضاربت کسی دوسرے کو کاروبار کے لئے دے سکتا ہے اب مضارب نے دوسرے کو تہائی نفع پر مال دیا تو جائز ہے اور اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں جو آگے عبارت میں آ رہی ہیں۔

(۱۴/۱۳۲۳) فَاِنْ كَانَ رَبُّ الْمَالِ قَالَ لَهٗ عَلٰى اَنَّ مَا رَزَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَهُوَ بَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِرَبِّ الْمَالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِىْ ثُلُثُ الرِّبْحِ وَلِلْاَوَّلِ السُّدُسُ.

ترجمہ: اگر مالک نے مضارب سے کہا کہ جو کچھ اللہ نفع دے گا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مالک کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے تہائی اور مضارب اول کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں ماقبل کے مسئلہ کی پہلی صورت کا بیان ہے وہ یہ ہے کہ مالک نے مضارب کو آدھے نفع پر مال دیا تھا اس نے مضارب ثانی کو تہائی نفع پر دے دیا چوں کہ مالک نے یہ کہا تھا کہ جو کچھ نفع ہوگا اس میں آدھا میرا

ہوگا تو رب المال کو اس شرط کے بموجب کل نفع کا آدھا ملے گا اور مضارب ثانی کو کل نفع کا ایک تہائی اب رہا چھٹا حصہ وہ مضارب اول کو ملے گا، مثلاً مضارب ثانی کو چھ درہم کا نفع ہوا تو تین درہم مالک کے ہو گئے اور دو درہم مضارب ثانی کے ہو گئے باقی ایک درہم مضارب اول کو ملے گا۔

(۱۵/۱۳۲۴) وَاِنْ كَانَ قَالَ عَلٰى اَنَّ مَارَزَقَكَ اللّٰهُ فَهُوَ بَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي الثُّلُثُ وَمَا بَقِيَ بَيْنَ رَبِّ الْمَالِ وَالْمُضَارِبِ الْاَوَّلِ نِصْفَانِ.

ترجمہ: اور اگر مالک نے کہا ہو کہ جو کچھ نفع تجھے خدا دے گا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مضارب ثانی کے لئے تہائی ہوگا اور جو نفع باقی رہا وہ مالک اور مضارب اول کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں دوسری صورت کا بیان ہے اگر رب المال نے مضارب اول کو مال دیتے ہوئے یہ کہا کہ اللہ رب العزت تم کو جو نفع دے گا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو اس صورت میں مضارب ثانی کو کل نفع کا ایک تہائی ملے گا اور باقی دو تہائی رب المال اور مضارب اول کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی چناں چہ اس صورت میں ہر ایک کو دو دو درہم ملیں گے۔

وجہ فرق: پہلے مسئلہ میں مالک نے مضارب سے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو اس پورے میں سے مجھے آدھا چاہئے باقی آپ جانیں، اور اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مالک نے مضارب سے کہا کہ جو کچھ تم کو نفع ہوگا اس نفع میں سے مجھے آدھا دیں اس لیے پہلے مسئلہ اور اس مسئلہ میں نفع تقسیم ہونے میں فرق ہو گیا۔

(۱۶/۱۳۲۵) فَاِنْ قَالَ عَلٰى اَنَّ مَارَزَقَ اللّٰهُ فَلِيْ نِصْفُهُ فَدَفَعَ الْمَالَ اِلٰى آخَرَ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِي نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَلَا شَيْءَ لِلْمُضَارِبِ الْاَوَّلِ.

ترجمہ: اور اگر مالک نے یہ کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس کا آدھا میرا ہے پھر بھی اس نے دوسرے کو مال نصف کے حساب سے مضاربت کے طور پر دیدیا تو مضارب ثانی کے لئے آدھا نفع ہوگا اور رب المال کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں تیسری صورت کا تذکرہ ہے مالک نے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو پورے میں سے آدھا میرے لئے ہے اس کے باوجود مضارب نے دوسرے کو آدھے نفع کی شرط پر مضاربت پر مال دے دیا تو اس صورت کل نفع میں سے آدھا یعنی تین درہم مالک کو ملیں گے اور آدھا نفع یعنی باقی تین مضارب ثانی کو ملیں گے اب کچھ بھی نہیں بچا مضارب خالی ہاتھ گھر کو چلتا بنے گا۔

(۱۷/۱۳۲۶) فَاِنْ شَرَطَ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِي ثُلُثَيِ الرِّبْحِ فَلِرَبِّ الْمَالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِلْمُضَارِبِ

الثَّانِيْ نِصْفُ الرِّبْحِ وَيَضْمَنُ الْمُضَارِبُ الْاَوَّلُ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِيْ مِقْدَارَ سُدُسِ الرِّبْحِ مِنْ مَالِهٖ.

ترجمہ: اور اگر شرط لگائے مضارب ثانی کے لئے نفع کے دوتہائی کی تو مالک کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب اول مضارب ثانی کے لئے نفع کے چھٹے حصے کی مقدار کا ضامن ہوگا اپنے مال میں سے۔

تشریح: اس عبارت میں چوتھی صورت کا بیان ہے، مالک نے کہا تھا کہ میں پورے نفع کا آدھا لوں گا اور مضارب اول نے دوسرے مضارب کو پورے نفع کے دوتہائی پر مال دے دیا تو آدھے نفع میں سے بھی ایک چھٹا حصہ زیادہ نفع دے دیا تو اس چھٹے حصہ کا ذمہ دار مضارب اول ہوگا مثلاً کل نفع ہوا تین سو روپے کا تو ایک سو پچاس روپے مالک کو ملیں گے اور ایک سو پچاس مضارب ثانی کو اور ایک سدس یعنی پچاس روپے مضارب اول اپنے مال میں سے مضارب ثانی کو دے گا تا کہ اس کے دوتہائی پورے ہو جائیں کیوں کہ مضارب اول نے ہی تو دوتہائی نفع دینے کا وعدہ کیا ہے تو وہ خود ہی بھرے گا۔

(۱۳۲۷/۱۸) وَ اِذَا مَاتَ رَبُّ الْمَالِ اَوِ الْمُضَارِبُ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ.

ترجمہ: اور جب مرجائے مال والا یا مضارب تو مضاربت باطل ہو جائے گی۔

مضاربت کے باقی متفرق مسائل کا بیان

تشریح: اگر رب المال یا مضارب مرجائے تو مضاربت باطل ہو جائے گی کیوں کہ مضارب کے عمل کے بعد مضاربت وکالت کے درجہ میں ہو جاتی ہے اور موکل یا وکیل کے مرجانے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لیے رب المال یا مضارب کے مرجانے سے مضاربت بھی باطل ہو جائے گی۔

(۱۳۲۸/۱۹) وَاِذَا ارْتَدَّ رَبُّ الْمَالِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ.

حل لغات: ارتد: مصدر ارتداداً دین سے پھر جانا مرتد ہو جانا۔

ترجمہ: اور جب پھر جائے مالک اسلام سے اور چلا جائے دارالحرب تو باطل ہو جائے گی مضاربت۔

تشریح: اگر مالک مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے تو مضاربت باطل ہو جائے گی اس مسئلہ کی دوصورتیں ہیں (۱) اگر حاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا ہو تو اس کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو کر ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے تو گویا یہ اس کے مرنے کے درجہ میں ہو گیا (۲) اور اگر حاکم نے حکم نہ لگایا ہو تو مضاربت موقوف رہے گی اگر وہ واپس آجائے تو باطل نہ ہوگی بلکہ برقرار رہے گی۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۵۶، اللباب ۲/۶۳، رقم الحاشیہ ۲)

(۱۳۲۹/۲۰)وَاِنْ عَزَلَ رَبُّ الْمَالِ الْمُضَارِبَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِعَزْلِهٖ حَتّٰى اشْتَرٰى اَوْ بَاعَ فَتَصَرُّفُهٗ جَائِزٌ.

حل لغات: عزل: ماضی باب (ض) مصدر عزلاً جدا کرنا۔

ترجمہ: اور اگر معزول کردے مالک مضارب کو اور اسے علم نہ ہوا ہو اپنے معزول ہونے کا یہاں تک کہ اس نے خریدا یا بیچا تو اس کا تصرف جائز ہے۔

تشریح: اگر مالک مال نے مضارب کو معزول کردیا اور مضارب کو اس کا علم نہیں ہوا تو مضارب اپنی مضاربت پر بحال رہے گا یہاں تک کہ اگر اس نے خرید و فروخت کرلی تو وہ جائز ہوگی کیوں کہ وہ رب المال کی طرف سے وکیل ہے اور بالا رادہ وکیل کو معزول کرنا اسکے علم پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا علم ہونے سے پہلے وہ معزول نہ ہوگا۔

(۱۳۳۰/۲۱) وَاِنْ عَلِمَ بِعَزْلِهٖ وَالْمَالُ عُرُوْضٌ فِيْ يَدِهٖ فَلَهٗ اَنْ يَّبِيْعَهَا وَلَا يَمْنَعُهُ الْعَزْلُ مِنْ ذَالِكَ ثُمَّ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا شَيْئاً آخَرَ.

ترجمہ: اور اگر علم ہوگیا اپنی معزولی کا حالانکہ مال سامان ہے اس کے قبضہ میں تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو بیچے اور معزول کرنا مضارب کو بیچنے سے نہیں روکے گا پھر جائز نہیں ہے اس کی قیمت سے اور کوئی چیز خریدنا۔

تشریح: مالک نے مضارب کو معزول کردیا اور اس کو اپنا معزول ہونا ایسی حالت میں معلوم ہوا کہ جب اس کے پاس مضاربت کا سامان ہے مال نقد نہیں ہے تو وہ مضارب سامان فروخت کرسکتا ہے معزول ہونا اس سامان کو فروخت کرنے سے مانع نہ ہوگا لیکن جب سامان کی قیمت آجائے تو اس قیمت سے مزید کوئی چیز نہ خریدے۔

دلیل: مضارب کے نفع کا حساب نقد مال میں ہی ہوسکتا ہے سامان میں نہیں ہوسکتا اور مضارب کا نفع میں حق ہے اس لیے سامان فروخت کرکے نقد بنا سکتا ہے تاکہ نقد ہونے کے بعد نفع کا حساب کرسکے لیکن اب اس قیمت سے دوسری چیز نہ خریدے تاکہ مضاربت کا معاملہ آگے نہ بڑھے اور مالک کو نقصان نہ ہو۔

(۱۳۳۱/۲۲) وَاِنْ عَزَلَهٗ وَرَأْسُ الْمَالِ دَرَاهِمُ اَوْ دَنَانِيْرُ قَدْ نَضَّتْ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْهَا.

لغت: نضت: باب (ض) نضاً سامان کے بعد نقد ہونا۔

ترجمہ: اور اگر مضارب کو معزول کیا اس حال میں کہ راس المال دراہم یا دنانیر نقد ہیں تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں تصرف کرے۔

تشریح: مضارب کو مالک نے معزول کردیا اور صورت حال یہ ہے کہ مال پہلے سے نقد درہم دینار یا سکہ رائج الوقت ہے تو اب اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے کیوں بغیر مالک کی مرضی کے مضاربت کی میعاد بڑھتی جائے گی اور مالک کا نقصان ہوگا۔

(۲۳/۱۳۳۲) وَ اِذَا افْتَرَقَا وَفِی الْمَالِ دُیُوْنٌ وَقَدْ رَبِحَ الْمُضَارِبُ فِیْهِ اَجْبَرَهُ الْحَاکِمُ عَلٰی اِقْتِضَاءِ الدُّیُوْنِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِی الْمَالِ رِبْحٌ لَمْ یَلْزَمْهُ الْاِقْتِضَاءُ وَیُقَالُ لَهٗ وَکِّلْ رَبَّ الْمَالِ فِی الْاِقْتِضَاءِ۔

حل لغات: دیون: دین کی جمع قرض ادھار، ربح: باب (س) رِبْحاً نفع حاصل کرنا، اقتضاء: وصول کرنا۔

ترجمہ: اور جب دونوں جدا ہو گئے (رب المال اور مضارب) اور مال ادھار میں ہے اور مضارب اس سے نفع لے چکا ہے تو ادھار وصول کرنے پر حاکم اس کو مجبور کرے اور اگر مال میں نفع نہ ہو تو ادھار وصول کرنا مضارب پر لازم نہیں ہے اور اس سے کہا جائے گا مالک مال کو وصول کرنے کا وکیل بنادے۔

تشریح: مالک اور مضارب مضاربت سے جدا ہو رہے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ کچھ مال مضاربت لوگوں پر قرض ہے تو اب اس ادھار کو کون وصول کرے؟

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مضارب اس مال سے نفع لے چکا ہے تو مضارب کو لوگوں سے قرض کی وصولیابی کے لئے مجبور کیا جائے گا کیوں کہ جب مضارب نے نفع حاصل کرلیا تو گویا وہ اجیر کے مانند ہو گیا اس نے بیچنے خریدنے اور ادھار وصول کرنے کی اجرت لے لی اس لیے ادھار وصول کرنا اس پر لازم ہو گا اور اگر نفع نہیں لیا ہے تو مضارب احسان کے طور پر بیچنے خریدنے کا وکیل بنا ہوا ہے اور احسان کرنے والے کو مزید کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے اس لیے حاکم حصول قرض کے لئے اس کو مجبور نہیں کریگا، البتہ اس صورت میں مضارب سے کہا جائے گا کہ تو رب المال کو قرض وصول کرنے کے لئے وکیل بنادے تاکہ اس کی وکالت میں وہ ادھار وصول کر سکے اور اس کا مال ضائع نہ ہو۔

(۲۴/۱۳۳۳) وَمَا هَلَکَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَهُوَ مِنَ الرِّبْحِ دُوْنَ رَأْسِ الْمَالِ۔

ترجمہ: اور جو کچھ ہلاک ہو جائے مضاربت کے مال سے تو وہ نفع سے ہو گا نہ کہ اصلی پونجی سے۔

تشریح: اگر مال مضاربت ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کو، اُس المال کے بجائے نفع سے پورا کیا جائے گا کیوں کہ پونجی اصل ہے اور نفع تابع ہے اور ہلاکت کو تابع کی طرف راجع کرنا بہتر ہے جیسے باب زکوۃ میں ہلاکت مقدار عفو کی طرف راجع ہوتی ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۳۵۷، رقم الحاشیہ ۶)

(۲۵/۱۳۳۴) فَاِنْ زَادَ الْهَالِکُ عَلَی الرِّبْحِ فَلَا ضَمَانَ عَلَی الْمُضَارِبِ فِیْهِ۔

ترجمہ: پھر اگر بڑھ جائے ہلاک ہونے والا مال نفع سے تو اس میں ضمان مضارب پر نہیں ہے۔

تشریح: اور اگر اتنا مال ہلاک ہو جائے کہ نفع سے بھی بڑھ جائے تو مضارب اس کا ضامن نہ ہو گا، مثلاً پانچ ہزار روپے اصل پونجی تھی پانچ سو روپے نفع کمایا بعد میں چھ سو روپے ہلاک ہو گئے تو پانچ سو روپے نفع میں سے پورے کئے

جائیں گے اور سو روپیہ اصل پونجی سے جائے گا مضارب اس کا ضامن نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ امین ہے اور بغیر عمل دخل کے امین سے اگر کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا ہے۔

(۱۳۳۵/۲۶) وَإِنْ كَانَا يَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ وَالْمُضَارَبَةُ عَلَى حَالِهَا ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ كُلُّهُ أَوْ بَعْضُهُ تَرَادَّا الرِّبْحَ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ رَبُّ الْمَالِ رَأْسَ الْمَالِ.

ترجمہ: اور اگر دونوں نفع تقسیم کر چکے ہوں اور مضاربت اپنی حالت پر ہو پھر سارا مال یا کچھ مال ہلاک ہو جائے تو دونوں نفع واپس لوٹا دیں یہاں تک کہ پوری کر لے مالک اصل رقم۔

تشریح: اگر مضاربت باقی رکھتے ہوئے نفع تقسیم کر چکے تھے، اسی دوران پورا مال یا کچھ مال ہلاک ہو گیا تو دونوں نے جو نفع تقسیم کیا تھا وہ واپس کرے اور اصل سرمایہ میں شامل کرے تاکہ مالک کی اصل رقم پوری ہو جائے کیوں کہ جب رأس المال ہلاک ہو گیا تو معلوم ہوا کہ نفع تقسیم کرنا صحیح نہیں تھا اس لیے کہ نفع اصل پونجی پوری ہونے کے بعد ہوتا ہے اور یہاں اصل پونجی میں کمی ہو گئی اس لیے نفع واپس کر کے اصل پونجی پوری کی جائے گی۔

(۱۳۳۶/۲۷) فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ كَانَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: پھر اگر کچھ نفع بچ جائے تو دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔

تشریح: اگر اصل رقم پوری ہونے کے بعد نفع میں سے کچھ رقم بچ جائے تو وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔

(۱۳۳۷/۲۸) وَإِنْ نَقَصَ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ لَمْ يَضْمَنِ الْمُضَارِبُ.

ترجمہ: اور اگر اصل رقم سے کچھ کم رہ جائے تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: نفع دونوں نے واپس کر دیا پھر بھی ہلاکت اتنی تھی کہ اصل رقم پوری نہ ہو سکی تو اب اس کمی کا ذمہ دار مضارب نہ ہوگا، مثلاً دس ہزار روپے اصل سرمایہ تھا ایک ہزار روپے کا نفع ہوا لیکن ہلاکت پندرہ سو روپے تھی اس لیے نفع کے ایک ہزار روپے واپس کیئے پھر بھی اصل رقم کے پانچ سو روپے رہ گئے تو ان پانچ سو روپے کا ضمان مضارب پر نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ امین ہے۔

(۱۳۳۸/۲۹) وَإِنْ كَانَا اقْتَسَمَا الرِّبْحَ وَفَسَخَا الْمُضَارَبَةَ ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ الْمَالُ أَوْ بَعْضُهُ لَمْ يَتَرَادَّا الرِّبْحَ الْأَوَّلَ.

ترجمہ: اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر لیا اور مضاربت توڑ دی اس کے بعد (دوبارہ) عقد مضاربت کر لیا پھر سارا مال یا کچھ ہلاک ہو گیا تو پہلا نفع (جو تقسیم ہو چکا) نہیں لوٹائیں گے۔

تشریح: رب المال اور مضارب نے نفع تقسیم کرلیا اور عقد مضاربت فسخ کردیا اس کے بعد پھر از سر نو مضاربت کی پھر مال ہلاک ہوگیا تو اب پہلا نفع جو تقسیم ہو چکا ہے نہیں لوٹایا جائے گا کیوں کہ پہلا عقد بالکل ختم ہوگیا ہے اور یہ دوسرا عقد جدید ہے اس لیے اس رأس المال کی ہلاکت پہلے نفع میں شامل نہ ہوگی اور پہلا نفع واپس کرکے اصل رقم پوری نہیں کی جائے گی۔ (اللباب ۲/ ۶۵، رقم الحاشیہ ۸)

(۱۳۳۹/ ۳۰) وَيَجُوْزُ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَبِيْعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيْئَةِ.

ترجمہ: اور جائز ہے مضارب کے لئے کہ نقد اور ادھار (دونوں طریقے سے) فروخت کرے۔

تشریح: مضارب کو نقد اور ادھار دونوں طرح بیچنے کا حق ہے کیوں کہ تجارت میں دونوں طرح بیچنے کا رواج ہے۔

(۱۳۴۰/ ۳۱) وَلَا يُزَوِّجُ عَبْداً وَلَا اَمَةً مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ.

ترجمہ: اور مضارب نکاح نہ کرے کسی غلام اور باندی کا مضاربت کے مال سے۔

تشریح: مضاربت کے مال سے غلام یا باندی خریدی اور اب مضارب ان کی شادی کرنا چاہے تو اصل مالک کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا غلام کی اس لیے نہیں کرسکتا کہ نکاح کرنے کی وجہ سے اس کے ذمہ مہر بصورت دین لازم ہوگا جو خواہ مخواہ مضاربت سے متعلق ہوگا اور باندی کی اس لیے نہیں کرسکتا کہ اس کی شادی کرنے سے اگرچہ مہر نفقہ وغیرہ ملے گا اور یہ سب فوائد بھی ہیں لیکن یہ تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہیں اور مالک کی طرف سے مضارب کو تجارت اور متعلقات تجارت ہی کی اجازت ہے اور نکاح متعلقات تجارت میں سے نہیں ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک باندی کا نکاح جائز ہے۔

كِتَابُ الْوَكَالَةِ

(یہ کتاب وکالت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: وکالت مضاربت کے احکام میں سے ہے اس لیے مضاربت کے بعد وکالت کے احکام بیان کررہے ہیں۔

لغوی تحقیق: لفظ وکالت واؤ کے کسرہ اور فتحہ دونوں طرح سے آیا ہے توکیل کا اسم ہے اور توکیل باب تفعیل سے ہے وکالت کے معنی محافظت قائم مقامی اور ذمہ داری کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: وکالت یہ ہے کہ ایک شخص جسے کوئی خاص اور جائز کام انجام دینے کا اختیار ہے

اس کی انجام دہی کے لئے کسی اور کو مقرر کرے۔
تعریف میں جائز کام جو آیا ہے اس سے یہ صورت نکل گئی کہ کوئی نابالغ شخص کسی کو اپنا مال ہبہ کرنے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے وکیل بنائے تو اس نابالغ کا یہ تصرف ناجائز ہوگا اور تعریف میں جو یہ قید ہے کہ ''اس کام کے انجام دینے کا اختیار ہو'' اس قید سے وہ صورت نکل گئی جب کہ موکل کسی ایسی شئ پر تصرف کے لئے وکیل بنائے جس پر اسے خود تصرف کا حق نہیں ہے۔

وکالت کا ثبوت: وکالت اس مفہوم کے اعتبار سے جس کا ذکر اوپر آیا ہے ایک جائز امر ہے اور اس کا جواز مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا اس کے جائز ہونے کی دلیل میں یہ ارشاد پیش کیا گیا ہے 'فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ' تم اپنے ایک آدمی کو درہم لے کر بھیج دو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو برقرار رکھا ہے کیوں کہ اس کے خلاف کوئی حکم نہیں آیا ہم سے پہلے کی شریعت کے احکام بھی اگر اس کی تنسیخ ہماری شریعت میں نہ ہو تو ہمارے لئے شرعی حکم ہے نیز یہ روایت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے شادی کرنے کے بارے میں ابورافع کو وکیل بنایا اور عمر بن امیہ کو ام حبیبہ سے شادی کے لئے وکیل بنایا (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ۳/۱۷۰،۱۷۱)

جاننا چاہئے کہ وکیل بنانے کے ارکان چار ہیں 'موکل' بکسر کاف (وکیل بنانے والا) موکل بفتح کاف (وکیل) موکل فیہ (جس کام کے لئے وکیل بنایا جائے) اور صیغہ (وکیل بنانے کے الفاظ یا طریقہ) حنفیہ کہتے ہیں کہ وکالت کا صرف ایک رکن ہے یعنی صیغہ (وکیل بنانے کے الفاظ جن کے استعمال سے کسی کا وکیل بن جانا ثابت ہو جاتا ہے) مثلاً ایک شخص کا کسی کو یہ کہنا کہ میں آپ کو اس اونٹ کے فروخت کرنے یا اس گائے کی خریداری کے لئے وکیل بناتا ہوں (کتاب الفقہ ۳/۱۷۱)

وکالت کی شرطیں: وکالت کی شرطوں کی چند قسمیں ہیں وہ شرائط جن کا تعلق موکل سے ہے وہ شرائط جن کا تعلق وکیل سے ہے وہ شرائط جن کا تعلق الفاظ تو کیل سے ہے اور وہ شرائط جن کا تعلق اس امر سے ہے جس کے لئے وکیل بنایا گیا، حنفیہ کہتے ہیں کہ جس شرط کا تعلق موکل سے ہے وہ یہ ہے کہ موکل اس کا مالک ہو جس کے لئے اس نے اپنے لئے کسی کو وکیل بنایا لہٰذا وہ شخص جو مسلسل حالت جنون میں رہتا ہو کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا یا بالکل ناسمجھ بچہ ہو کیوں کہ وہ بھی وکیل بنانے کا اہل نہیں ہے۔

وکیل کی متعلقہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ صاحب عقل و ہوش ہو لہٰذا پاگل یا نابالغ بے شعور بچے کو وکیل بنانا درست نہیں ہے وکیل بننے کی دوسری شرط یہ ہے کہ اس کو اپنے وکیل بنائے جانے کا علم ہو۔

اب ایسی شرائط کو لیجئے جن کا تعلق موکل فیہ سے ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کام ایسا نہ ہو جس کے انجام دینے کی عام اجازت ہو کہ جو چاہے بغیر کسی کے کہے انجام دے لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اس کام کے لئے

وکیل بنائے کہ وہ اس کے لئے لکڑیاں کاٹ کرلائے یا پانی بھر کے لائے یا لوہا تانبا پیتل وغیرہ کان سے کھود کرلائے ایسے ہی اگر کسی کو بھیک مانگ کرلانے کے لئے وکیل بنایا تو یہ توکیل درست نہ ہوگی اگر وکیل نے یہ سارے کام کر لئے تو وہ اسی کا حق ہوگا اب رہ گئیں وہ شرطیں جن کا تعلق الفاظ توکیل سے ہے وکیل بنانے کے الفاظ کی دو قسمیں ہیں صیغہ خاص اور صیغہ عام۔

صیغۂ خاص: وہ الفاظ جن کے ذریعہ کسی خاص کام کے لئے وکیل بنانا ہو مثلاً میں اس مکان کی خریداری کے لئے آپ کو وکیل بناتا ہو۔

صیغہ عام: ایسے الفاظ جن سے عام امور میں وکیل بنانا ہو مثلاً آپ میرے تمام معاملات میں وکیل ہیں، جس شخص کو مختار عام بنایا جائے اسے بقول مفتی بہ تمام امور انجام دینے کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے، مزید تفصیل وقتاً فوقتاً متن میں آتی رہے گی۔

(۱/۱۳۴۱) كُلُّ عَقْدٍ جَازَ اَنْ يَعْقِدَهُ الْاِنْسَانُ بِنَفْسِهٖ جَازَ اَنْ يُوَكِّلَ بِهٖ غَيْرَهٗ.

ترجمہ: ہروہ معاملہ جس کو انسان بذات خود کرسکتا ہو جائز ہے کہ اس کا دوسرے کو بھی وکیل بنائے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو کام انسان خود کرسکتا ہے اس کام کے کرنے کا دوسروں کو بھی وکیل بنا سکتا ہے، کیوں کہ کبھی انسان حالات وعوارض کی وجہ سے کام کرنے سے عاجز ہوتا ہے مثلاً خرید وفروخت کا تجربہ نہیں یا بڑھاپے کی وجہ سے بازار جانے کی طاقت نہیں ہوتی۔

(۲/۱۳۴۲) وَيَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْ سَائِرِ الْحُقُوْقِ وَاِثْبَاتِهَا.

ترجمہ: اور جائز ہے وکیل بنانا تمام حقوق میں جھگڑا کرنے کا اور ان کے ثابت کرنے کا۔

تشریح: تمام حقوق میں خصومت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے خصومت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرے پھر اس کو ثابت کرے گواہ پیش کرے اور اپنے حق میں فیصلہ کے لئے زور لگائے اسی طرح حق کو ثابت کرنے اور حق کو وصول کرنے کے لئے بھی وکیل بنا سکتا ہے کیوں کہ ہر آدمی صحیح طریقے سے مقدمات چلانے اور عدالت کی اونچ نیچ کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس ضرورت کو دور کرنے کے لئے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل بنانا درست ہے۔

(۳/۱۳۴۳) وَيَجُوْزُ بِالْاِسْتِيْفَاءِ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ فَاِنَّ الْوَكَالَةَ لَاتَصِحُّ بِاسْتِيْفَائِهَا مَعَ غَيْبَةِ الْمُوَكِّلِ عَنِ الْمَجْلِسِ.

ضروری وضاحت: الا فی الحدود والقصاص: یہ عبارت مصنف کے قول استیفاء سے استثنا

ہے نہ کہ ویجوز سے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر مؤکل عدالت میں موجود نہ ہو تو حدود وقصاص وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں، لیکن گواہ قائم کر کے حدود وقصاص کو ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: اور جائز ہے وکیل کرنا حقوق حاصل کرنے کے لئے مگر حدود اور قصاص میں کہ ان کو حاصل کرنے کے لئے وکالت صحیح نہیں ہے، اس مجلس میں مؤکل کے موجود نہ ہونے کی حالت میں۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ حقوق ادا کرنے اور حقوق کو وصول کرنے کے واسطے وکیل کرنا بھی جائز ہے مگر حدود وقصاص وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں ہے چناں چہ قاضی کی عدالت میں اگر مؤکل موجود نہ ہو تو وکیل کو حد یا قصاص وصول کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے، ہاں اگر مجلس میں مؤکل موجود ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کا وکیل بنایا جاسکتا ہے، یہ پوری تفصیل احناف کے نزدیک ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مؤکل کی عدم موجودگی میں بھی وکیل کے لئے حدود اور قصاص وصول کرنا جائز ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۳۷۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حدود اور قصاص حقوق العباد میں سے ہیں اور تمام حقوق العباد کو ادا کرنے اور وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے لہٰذا مؤکل عدالت میں موجود ہو یا نہ ہو بہر صورت حدود وقصاص کو وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔ (کفایہ علی فتح القدیر ۶/۵۵۷)

احناف کی دلیل: حدود اور قصاص عقوبات میں سے ہیں اور عقوبات شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور اگر عدالت میں مؤکل موجود نہ ہو تو یہ شبہ ہے کہ مؤکل نے اخیر وقت میں حدود یا قصاص لینے سے معاف کر دیا ہو، اس لیے مؤکل کی عدم موجودگی میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ (کفایۃ ۶/۵۵۷)

(۴/۱۳۴۴) وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ اِلَّا بِرِضَاءِ الْخَصْمِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مَرِيْضاً اَوْ غَائِباً مَسِيْرَةَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِداً وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِغَيْرِ رِضَاءِ الْخَصْمِ.

ضروری وضاحت: الا أن يكون الخ مصنف کے قول 'برضاء الخصم' سے استثنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مقابل کی رضامندی شرط ہے مگر یہ کہ مؤکل کو کوئی مجبوری ہو تو مقابل کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: اور فرمایا امام ابوحنیفہؒ نے کہ خصومت کی وکالت جائز نہیں ہے، مگر مقابل کی رضامندی سے مگر یہ کہ مؤکل بیمار ہو یا غائب ہو تین دن یا زیادہ کی مدت مسافت پر اور فرمایا امام ابو یوسف و محمد نے بغیر مقابل کی رضامندی کے وکیل بنانا جائز ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی نے بغیر مدعی علیہ کی رضامندی کے مقدمہ کی پیروی کا وکیل کیا تو بھی ناجائز ہے، اور اگر مدعی علیہ نے بغیر مدعی کی رضامندی کے جواب دہی کے لئے وکیل کیا تو بھی ناجائز ہے، ہاں اگر

مؤکل اتنا بیمار ہو کہ قاضی کی مجلس میں نہیں آسکتا یا وہ تین دن یا تین دن سے زائد مدت کی مسافت پر غائب ہو (۸۷ کلو میٹر ۷۸۲ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر) تو اس کے واسطے مدمقابل کی رضامندی کے بغیر وکیل کرنا جائز ہے۔

دلیل: آدمی آدمی کی چالاکی میں فرق ہوتا ہے اس لیے یہ ممکن ہے کہ وکیل اپنی چالاکی سے مدمقابل کو خواہ مخواہ نقصان دے اور حق فیصلہ کرانے میں دشواری پیدا کرے، اس لیے مجبوری یا رضامندی کے بغیر خصومت کا وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں بغیر مؤکل کی رضامندی کے وکیل بنانا جائز ہے۔

دلیل: وکیل بنانا مؤکل کا ذاتی حق ہے اور اپنے خالص حق میں تصرف کرنا کسی دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوتا، لہٰذا خصومت کے لئے وکیل کرنا مقابل کی رضامندی پر موقوف نہ ہوگا بلکہ بغیر اس کی رضامندی کے بھی خصومت میں وکیل بن سکتا ہے۔

نوٹ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اختلاف لزوم توکیل میں ہے نہ کہ جواز توکیل میں اب صاحب قدوری کی عبارت لایجوز التوکیل، لایلزم کے معنی میں ہوگی یعنی عدم جواز بول کر عدم لزوم مراد لیا گیا ہے اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مقابل کی رضامندی کے بغیر توکیل بالخصومت لازم نہ ہوگی۔

(۱۳۴۵/۵) وَمِنْ شَرْطِ الْوَكَالَةِ اَنْ يَكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مِمَّنْ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَيَلْزَمُهُ الْاَحْكَامُ.

ترجمہ: اور وکالت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مؤکل ان لوگوں میں سے ہو جو تصرف کے مالک ہیں، اور ان کو احکام لازم ہوتے ہوں۔

وکالت کی شرائط کا بیان بالتفصیل

تشریح: کتاب الوکالۃ کے شروع میں وکالت کی جو شرطیں بیان کی گئیں ہیں ان کو ذہن نشین رکھیں، اب سنیے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ وکالت کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وکیل بنانے والا جس چیز کا وکیل بنا رہا ہو خود اس کام کو کر سکتا ہو، کیوں کہ اگر وہ خود نہیں کر سکتا تو دوسروں کو کرنے کا حکم کیسے دے گا، اور دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت کے احکام اس پر لازم ہوتے ہوں یعنی وہ خود عاقل، بالغ، آزاد ہو اگر وہ عاقل بالغ آزاد نہیں ہے تو اس پر شریعت کے احکام لازم نہیں ہوں گے تو جب اس پر لازم نہیں ہیں تو دوسروں کو حکم کیسے دے؟

(۱۳۴۶/۶) وَالْوَكِيْلُ مِمَّنْ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَيَقْصِدُهُ.

ترجمہ: اور وکیل ان میں سے ہو جو بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا ارادہ کرتا ہو۔

تشریح: جس شرط کا وکیل میں پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وکیل ایسا شخص ہو جو عقد کے معنی اور مفہوم کو سمجھتا ہو یعنی وہ جانتا ہو کہ بیع کرنے کی وجہ سے مبیع سے بائع کی ملک ختم ہو جاتی ہے، اور خریداری کی وجہ سے مشتری کے لئے مبیع پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اور وکیل اس عقد کا قصد کرتا ہو یعنی خرید وفروخت کو مذاق اور کھیل نہ سمجھتا ہو بلکہ قصد وارادہ سے ارتکاب کرنے والا ہو۔

(۱۳۴۷/۷) وَإِذَا وَكَّلَ الْحُرُّ الْبَالِغُ أَوِ الْمَأذُوْنُ مِثْلَهُمَا جَازَ.

ترجمہ: اور اگر آزاد بالغ یا ماذون اپنے جیسوں کو وکیل بنائے تو جائز ہے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں، کہ اگر آزاد اور بالغ آدمی کسی کو وکیل بنائے یا تجارت کی اجازت دیا ہوا غلام یا تجارت کی اجازت دیا ہوا بچہ کسی اپنے درجہ کے آدمی کو یا اپنے سے اچھی حالت کے آدمی کو یا اپنے سے کم تر کو وکیل بنائے تو جائز ہے کیوں کہ مؤکل تصرف کا مالک ہے اور وکیل عبارت بیان کرنے کا اہل ہے لہٰذا وکالت درست اور جائز ہو جائے گی۔

(۱۳۴۸/۸) وَإِنْ وَكَّلَ صَبِيًّا مَحْجُوْرًا يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ أَوْ عَبْدًا مَحْجُوْرًا جَازَ وَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا الْحُقُوْقُ وَيَتَعَلَّقُ بِمُوَكِّلَيْهِمَا.

ترجمہ: اور اگر وکیل بنائے مجور بچہ کو جو خرید وفروخت کو سمجھتا ہو یا مجور غلام کو تو جائز ہے اور حقوق ان دونوں سے متعلق نہیں ہوں گے بلکہ ان کے مؤکلوں سے متعلق ہوں گے۔

تشریح: اگر کسی آزاد عاقل بالغ نے ایسے بچہ کو وکیل بنایا جو اتنا بڑا ہے کہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہے مگر اس کے سرپرست اور ذمہ دار نے اس کو خرید وفروخت کرنے کی اجازت نہیں دے رکھی ہے تو ایسے بچے کو وکیل بنانا جائز ہے لیکن لین دین کے سارے حقوق وکیل بنانے والے سے متعلق ہوں گے بچہ سے متعلق نہیں ہوں گے، اور نہ بچہ ان حقوق کا ذمہ دار ہوگا، کیوں کہ نابالغ ہونے کی وجہ سے اس کی اہلیت اور لیاقت ناقص ہے، ایسے ہی اگر مجور غلام کو وکیل بنادیا تو بھی وکیل بنانا جائز ہے اور غلام وکالت میں کام کرے گا، کیوں کہ وہ عاقل بالغ ہے لیکن خرید وفروخت کے حقوق وکیل بنانے والے کے ساتھ متعلق ہوں گے وہی لین دین کرے گا کیوں کہ اگر حقوق غلام سے ہی متعلق ہو جائیں تو آقا کا نقصان ہوگا لہٰذا آقا کے حق کی وجہ سے آقا سے نقصان دور کرنے کے لئے غلام پر بھی کوئی ذمہ داری لاگو نہ ہوگی۔

(۱۳۴۹/۹) وَالْعُقُوْدُ الَّتِيْ يَعْقِدُهَا الْوُكَلَاءُ عَلَى ضَرْبَيْنِ كُلُّ عَقْدٍ يُضِيْفُهُ الْوَكِيْلُ إِلَى نَفْسِهِ مِثْلُ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَالْإِجَارَةِ فَحُقُوْقُ ذَالِكَ الْعَقْدِ تَتَعَلَّقُ بِالْوَكِيْلِ دُوْنَ الْمُوَكِّلِ فَيُسَلِّمُ الْمَبِيْعَ وَيَقْبِضُ الثَّمَنَ وَيُطَالَبُ بِالثَّمَنِ إِذَا اشْتَرَى وَيَقْبِضُ الْمَبِيْعَ وَيُخَاصِمُ فِي الْعَيْبِ.

حل تراکیب: حقوق حق کی جمع ہے اور اس کا مرفوع ہونا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے اور تتعلق بالوکیل یہ مبتدا کی خبر ہے۔

ترجمہ: وہ معاملے جن کو وکیل لوگ کرتے ہیں دو قسم پر ہیں ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے خرید وفروخت اور اجارہ تو ان عقدوں کے حقوق وکیل سے متعلق ہوں گے نہ کہ مؤکل سے چناں چہ وہی مبیع کو سپرد کرے گا، اور وہی قیمت پر قبضہ کرے گا اسی سے قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا جب وہ کچھ خریدے، اور وہی مبیع پر قبضہ کرے گا اور اسی سے عیب میں جھگڑا ہوگا (یہی عیب ہونے کی صورت میں دعویٰ دائر کرے گا)۔

وہ حقوق جو وکیل یا مؤکل سے متعلق ہوتے ہیں

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ وہ عقود جن کو وکیل لوگ منعقد کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ معاملات جن کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں (۲) وہ معاملات جن کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اس عبارت میں قسم اول کو بیان کرتے ہیں اور اس کے لئے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرے، اور اس کا منسوب کرنا صحیح ہو مثلاً وکیل کہتا ہے کہ میں بیع کرتا ہوں یا میں خریدتا ہوں، یا میں اجارہ کرتا ہوں، تو ان میں عقود کے تمام حقوق خود وکیل سے متعلق ہوتے ہیں، مؤکل سے متعلق نہیں ہوتے مثلاً وکیل ہی مبیع مشتری کے حوالہ کرے گا وکیل ہی مبیع کی قیمت پر قبضہ کرے گا اگر وکیل نے کچھ خریدا ہے تو وکیل ہی سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر مبیع میں کوئی عیب نظر آیا تو وکیل ہی مقدمہ کی ساری کاروائی کرے گا، یعنی اگر وکیل نے کسی چیز کو بیچا اور مشتری مبیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا تو مشتری اس عیب کے سلسلے میں وکیل ہی سے گفتگو کریگا، اور اگر وکیل نے کسی چیز کو خریدا ہے اور پھر وکیل مبیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا تو اس عیب کے سلسلے میں بائع سے گفتگو وکیل ہی کریگا نہ کہ مؤکل کیوں کہ وہی عاقد ہے اور اس نے اپنی طرف معاملہ کی نسبت کی ہے اس لیے وہی حقوق کا ذمہ دار ہوگا۔

(۱۳۵۰/۱۰) وَكُلُّ عَقْدٍ يُضِيفُهُ الْوَكِيلُ اِلٰى مُوَكِّلِهٖ كَالنِّكَاحِ وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ فَاِنَّ حُقُوقَهٗ تَتَعَلَّقُ بِالْمُوَكِّلِ دُوْنَ الْوَكِيلِ فَلَا يُطَالَبُ وَكِيلُ الزَّوْجِ بِالْمَهْرِ وَلَايَلْزَمُ وَكِيلَ الْمَرْاَةِ تَسْلِيمُهَا.

لغت: صلح عن دم العمد: جان کر قتل کیا ہو جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم تھا لیکن اس کے بدلہ میں کچھ رقم پر صلح کر لی تو اس کو صلح عن دم العمد کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنے مؤکل کی طرف منسوب کرتا ہے جیسے نکاح خلع دم عمد سے صلح تو ان کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں نہ کہ وکیل کے ساتھ چناں چہ نہیں مطالبہ کیا جائے گا شوہر کے وکیل سے مہر کا اور لازم نہ ہوگا عورت کے وکیل پر عورت کو سونپنا۔

تشریح: اس عبارت میں دوسری قسم کا بیان ہے یعنی وہ عقد جس کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اسی کے لئے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جن، جن عقدوں میں وکیل عقد کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ مؤکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہو تو ان عقدوں کے حقوق کا ذمہ دار مؤکل ہوگا اور وکیل ذمہ دار نہ ہوگا، مثلاً شادی میں وکیل یوں کہتا ہے کہ میں آپ سے فلاں کی شادی کروار ہا ہوں یا خلع میں یوں کہتا ہے کہ میں فلاں کی جانب سے خلع کرر ہا ہوں تو ایسے عقدوں میں تمام حقوق مؤکل سے متعلق ہوں گے وکیل سے نہیں بلکہ وکیل معاملہ کر کے فارغ ہو جائے گا، اسی طرح صلح عن دم العمد میں اگر مقتول کے اولیاء کی طرف سے وکیل ہو تو قاتل سے بدل صلح اور بدل قصاص کے مطالبہ کا حق وکیل کو نہ ہوگا بلکہ اولیائے مقتول کو ہوگا اور اگر قاتل کی طرف سے وکیل ہو تو بدل قصاص کا مطالبہ قاتل سے کیا جائے گا نہ کہ وکیل سے، اسی طرح نکاح میں عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں کرے گی بلکہ شوہر سے کرے گی اور اگر عورت کی طرف سے وکیل ہو تو عورت کا سپرد کرنا وکیل پر لازم نہ ہوگا بلکہ خود عورت پر اپنے آپ کو سپرد کرنا لازم ہوگا، اور عقد خلع میں اگر عورت کی طرف سے وکیل ہو تو بدل خلع کا مطالبہ وکیل سے نہیں کیا جائے گا بلکہ عورت سے کیا جائے گا، اور اگر شوہر کی طرف سے وکیل ہو تو بدل خلع کے مطالبہ کا حق شوہر کو ہوگا نہ کہ وکیل کو۔

(۱۱/۱۳۵۱) وَاِذَا طَلَبَ الْمُوَكِّلُ الْمُشْتَرِيْ بِالثَّمَنِ فَلَهُ اَنْ يَمْنَعَهُ اِيَّاهُ فَاِنْ دَفَعَهُ اِلَيْهِ جَازَ وَلَمْ يَكُنْ لِلْوَكِيْلِ اَنْ يُطَالِبَهُ ثَانِياً.

ترجمه: اور جب مانگے مؤکل مشتری سے قیمت تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ مؤکل کو اس سے روک دے پھر اگر مشتری مؤکل کو ثمن دے دے تو جائز ہے اور اب وکیل کے لئے درست نہیں ہے کہ اس سے دوبارہ مطالبہ کرے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کو وکیل بالبیع مقرر کیا پھر وکیل نے وہ سامان کسی کو فروخت کر دیا، اب اگر مؤکل مشتری سے چیز کی قیمت مانگے تو مشتری کو حق ہے کہ مؤکل کو ثمن دینے سے انکار کر دے اور یوں کہے کہ میں آپ کے وکیل کو دوں گا، کیوں کہ عقد وکیل نے ہی کیا ہے مؤکل تو عقد اور حقوق عقد کے سلسلہ میں بالکل اجنبی ہے اس لیے مؤکل مشتری سے ثمن کے مطالبہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا، پھر آگے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مؤکل کے مطالبہ کرنے پر مشتری نے مؤکل کو ثمن دے دیا تب بھی جائز ہے اور اس صورت میں وکیل کو حق نہیں ہے کہ دوبارہ مشتری سے قیمت وصول کرے کیوں کہ وہ ثمن جس پر مؤکل نے قبضہ کیا ہے مؤکل ہی کا حق ہے اور وہ مؤکل کو پہنچ گیا اور جب ایسا ہے تو اب مشتری مؤکل سے لے کر وکیل کو دے پھر وکیل مؤکل کو دے اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔

(۱۲/۱۳۵۲) وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِشِرَاءِ شَيْءٍ فَلَا بُدَّ مِنْ تَسْمِيَةِ جِنْسِهٖ وَصِفَتِهٖ وَمَبْلَغِ ثَمَنِهٖ اِلَّا اَنْ يُوَكِّلَهُ وَكَالَةً عَامَّةً فَيَقُوْلُ ابْتَعْ لِيْ مَارَأَيْتَ.

حل لغات: مبلغ: مقدار، ابتع: ابتیاع سے امر حاضر ہے خریدنا، رأیت: یہ رؤیت سے نہیں بلکہ رأی سے ہے۔

ترجمہ: اور جس نے وکیل بنایا کسی آدمی کو کسی چیز کے خریدنے کا تو ضروری ہے اس کی جنس اس کی صفت اور اس کی قیمت کی مقدار بتانا مگر یہ کہ اس کو عام وکیل بنائے اور یہ کہہ دے کہ جو مناسب سمجھے میرے لئے خریدے۔

خرید وفروخت کے لئے وکیل کرنے کا بیان

تشریح: اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو مؤکل کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کے خریدنے کا وکیل بنا رہا ہے اس کی جنس متعین کردے. مثلاً بھینس خرید کر لائے اور اس کی صفت متعین کردے مثلاً ترکی ہو یا ہندی ہو، اور اس کی قیمت کی مقدار متعین کردے، مثلاً دس ہزار روپے کی خرید کر لاؤ تب وکالت درست ہوگی ہاں اگر اس کو مختار عام کردے اور یوں کہہ دے کہ تم اپنی مرضی کے مطابق جو چاہو خرید کر لاؤ تو پھر وکیل بنانا درست ہوگا۔

فائدہ: اگر ایسی جنس بیان کی کہ اس میں کافی جہالت ہے تو وکالت درست نہیں ہوگی، کیوں کہ وکیل اس کو کیسے انجام دے گا، مثلاً اگر چوپایہ خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو جہالت فاحشہ کی وجہ سے وکالت صحیح نہ ہوگی کیوں کہ لفظ دابہ کا اطلاق زمین پر چلنے والے ہر جاندار پر ہوتا ہے تو یہ بہت سی اجناس کو شامل ہے اس لیے مذکورہ صورت میں وکالت درست نہ ہوگی، ہاں اگر تھوڑی سی جہالت ہو تو وکالت صحیح ہوجائے گی، مثلاً گھوڑا خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو یہاں جہالت صرف صفت میں ہے اس لیے توکیل درست ہے۔

(۱۳/۱۳۵۳) وَاِذَااشْتَرَی الْوَکِیْلُ وَقَبَضَ الْمَبِیْعَ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ فَلَهٗ اَنْ یَّرُدَّهٗ بِالْعَیْبِ مَادَامَ الْمَبِیْعُ فِیْ یَدِهٖ فَاِنْ سَلَّمَهٗ اِلَی الْمُوَکِّلِ لَمْ یَرُدَّهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ.

ترجمہ: اگر وکیل نے خریدا اور مبیع پر قبضہ کرلیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے لئے جائز ہے کہ عیب کی وجہ سے لوٹا دے جب تک کہ مبیع اس کے قبضہ میں ہے چناں چہ اگر وہ مؤکل کو دے چکا تو اس کو نہیں لوٹائے گا مگر مؤکل کی اجازت سے۔

تشریح: وکیل بالشراء نے مؤکل کے حکم کے مطابق کوئی چیز خرید کر اس پر قبضہ کرلیا پھر معلوم ہوا کہ اس مبیع میں عیب ہے تو اب دو صورتیں ہیں اگر مبیع وکیل کے قبضہ میں ہے تو اس عیب کے ماتحت بائع کی طرف واپس کرسکتا ہے، کیوں کہ عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کرنا حقوق عقد میں سے ہے اور عقد کے تمام حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں، لہذا وکیل عیب کی وجہ سے مبیع بائع کی طرف واپس کرنے کا مجاز ہوگا، اور اگر مبیع کو مؤکل کے حوالے کر دیا تو اب مؤکل کی

اجازت کے بغیر مبیع کو عیب کے ماتحت بائع کی طرف واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا، کیوں کہ جیسے ہی مؤکل کے حوالہ کیا تو اس کی وکالت ختم ہوگئی اب وکالت ختم ہونے کے بعد مؤکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کرسکتا ہے۔

(۱۴/۱۳۵۴) وَيَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِعَقْدِ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ.

ترجمه: اور جائز ہے وکیل کرنا عقد صرف اور عقد سلم کے لئے۔

تشریح: جس طرح عام تجارت میں وکیل بنانا جائز ہے اسی طرح عقد صرف اور عقد سلم کے لئے وکیل کرنا بھی جائز ہے، یعنی اگر کسی شخص نے عقد صرف یا عقد سلم منعقد کرنے کا کسی کو وکیل کیا تو جائز ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عقد سلم منعقد کرنے کے لئے ''رب السلم'' وکیل کرسکتا ہے لیکن عقد سلم قبول کرنے کے لئے ''مسلم الیہ'' کی طرف سے وکیل کرنا ناجائز ہے۔

(۱۵/۱۳۵۵) فَاِنْ فَارَقَ الْوَكِيْلُ صَاحِبَهٗ قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْعَقْدُ وَلَايُعْتَبَرُ مُفَارَقَةُ الْمُوَكِّلِ.

ترجمه: پس اگر جدا ہوگیا وکیل معاملہ والے سے قبضہ سے پہلے تو عقد باطل ہوجائے گا اور نہیں اعتبار ہے مؤکل کے جدا ہونے کا۔

تشریح: اگر عقد صرف یا سلم کرنے والا وکیل اور اس کا وہ ساتھی جس نے اس کے ساتھ عقد صرف یا عقد سلم کیا ہے قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو یہ عقد باطل ہوجائے گا، کیوں کہ عقد صرف صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں دونوں عوضوں پر قبضہ متحقق ہوجائے اور عقد سلم درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں راس المال پر مسلم الیہ کا قبضہ متحقق ہوجائے، اور یہاں دونوں عقدوں میں صحت کی شرط نہیں پائی گئی تو عقد صرف اور عقد سلم باطل ہوجائے گا، پھر صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ قبضہ کرنے سے پہلے مجلس عقد سے مؤکل کے جدا ہونے کا اعتبار نہ ہوگا چوں کہ حقوق وکیل سے متعلق ہیں اور عقد بھی اسی نے کیا ہے اس لیے وکیل کے جدا ہونے کا اعتبار ہوگا۔

(۱۶/۱۳۵۶) وَاِذَا دَفَعَ الْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ الثَّمَنَ مِنْ مَالِهٖ وَقَبَضَ الْمَبِيْعَ فَلَهٗ اَنْ يَرْجِعَ بِهٖ عَلَى الْمُوَكِّلِ.

ترجمه: اور اگر دے دی خریدنے کے وکیل نے قیمت اپنے مال سے اور مبیع پر قبضہ کرلیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ مؤکل سے وہ قیمت وصول کرے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کو خریداری کا وکیل بنایا اس لیے اس نے وہ چیز خریدی اور قیمت اپنے پاس سے دی اور مبیع پر قبضہ کرلیا تو یہ قیمت ادا کرنا وکیل کی طرف سے احسان نہ ہوگا، بلکہ وکیل اس قیمت کو مؤکل سے وصول کرے پھر وہ چیز مؤکل کے حوالہ کرے قیمت وصول کرنے کے لئے مؤکل سے مبیع کو روک سکتا ہے، ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

دلیل: وکیل بائع کے مانند ہے اور مؤکل مشتری کے مانند ہے تو جس طرح بائع کو مبیع کی قیمت وصول کرنے کے لئے مبیع روکنے کا حق حاصل ہے ایسے ہی وکیل کو مؤکل سے مبیع روکنے کا حق حاصل ہے۔

(۱۷/۱۳۵۷) فَإِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ قَبْلَ حَبْسِهٖ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُوَكِّلِ وَلَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ وَلَهٗ اَنْ يَحْبِسَهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ.

ترجمہ: اب اگر مبیع ہلاک ہو جائے وکیل کے قبضہ میں وکیل کے اس کو روکنے سے پہلے تو مؤکل کے مال میں سے ہلاک ہوگی اور ثمن ساقط نہ ہوگا اور وکیل کو حق ہے کہ قیمت وصول کرنے تک مبیع کو روک لے۔

تشریح: اگر وکیل بالشراء نے اپنے مال میں سے ثمن ادا کر کے مبیع پر قبضہ کر لیا اور دی ہوئی قیمت موکل سے وصول کرنے کے لئے ابھی تک مبیع روکی نہیں تھی کہ مبیع وکیل کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو یہ مبیع مؤکل کے مال سے ہلاک ہوگی وکیل کے نہیں حتی کہ ثمن مؤکل کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اور وکیل کا حق رجوع باطل نہ ہوگا ابھی بھی اپنی جانب سے دی ہوئی قیمت مؤکل سے وصول کر سکتا ہے کیوں کہ مؤکل کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا اس لیے جو کچھ ہلاک ہوا وہ مؤکل کا ہلاک ہوا اس لیے وکیل اپنی دی ہوئی قیمت مؤکل سے لے سکتا ہے، پھر صاحب قدروی فرماتے ہیں کہ ثمن وصول ہونے سے پہلے پہلے وکیل مبیع کو اپنے پاس روک سکتا ہے خواہ وکیل نے بائع کو ثمن دیا ہو یا نہ دیا ہو بہرحال مؤکل سے ثمن وصول کرنے کی خاطر وکیل کو مبیع روکنے کی اجازت ہے۔

(۱۸/۱۳۵۸) فَإِنْ حَبَسَهٗ فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ كَانَ مَضْمُوْنًا ضَمَانَ الرَّهْنِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَضَمَانَ الْبَيْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: پس اگر وکیل نے مبیع کو روکا پھر وہ ہلاک ہوگئی تو مضمون ہوگی رہن کے ضمان کی طرح امام ابو یوسف کے نزدیک اور بیع کے ضمان کی طرح امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح: اگر وکیل بالشراء نے مؤکل سے ثمن وصول کرنے کی خاطر مبیع کو اپنے پاس روک لیا اور مبیع وکیل کے قبضہ سے ہلاک ہوگئی، تو اب یہ مبیع امانت نہ رہی بلکہ مضمون ہوگئی یعنی وکیل کے مال میں سے ہلاک ہوگی اب اس میں اختلاف ہے کہ کس طرح کا تاوان وکیل پر آئے گا؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رہن کا ضمان ہوگا جس کی تفصیل اس طرح ہے، کہ اگر مرتہن کے پاس شی مرہون ہلاک ہو جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ شی مرہون کی قیمت کتنی تھی، اور مرتہن کا راہن کے ذمہ قرض کتنا تھا جتنا قرض تھا اتنا ساقط ہو جائے گا اور راہن کو مرتہن سے مزید رقم کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا، مثلاً قرض دس ہزار روپے تھا اور شی مرہون کی قیمت پندرہ ہزار روپے تھی اور شی مرہون ہلاک ہوگئی تو مرتہن کا دس ہزار روپے قرض ساقط ہو جائے گا اور پانچ ہزار ...

جو زیادہ تھے وہ مرتہن کے پاس امانت ہے اور امانت کا کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا اس لئے مرتہن پر پانچ ہزار روپے کا تاوان واجب نہیں ہوگا (مزید تفصیل کتاب الرہن مسئلہ (۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳) کے تحت ملاحظہ کریں) یہی صورت یہاں ہوگی کہ اگر مبیع کی بازاری قیمت دیئے ہوئے ثمن سے کم ہو تو جتنی بازاری قیمت ہوگی وہ ساقط ہوجائے گی اور اس سے زائد جو ثمن ہوگا وہ وکیل مؤکل سے وصول کرے گا، مثلاً مبیع کی بازاری قیمت ایک ہزار روپے ہے اور جو ثمن وکیل نے دیا ہے وہ پندرہ سو روپئے ہیں تو پانچ سو روپے وکیل مؤکل سے وصول کرے گا۔

(۲) امام محمد اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ضمان بیع کی طرح مضمون ہوگی یعنی جس طرح مبیع اگر بائع کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے تو مشتری کے ذمہ سے اس کا ثمن ساقط ہوجاتا ہے، مبیع کی قیمت خواہ ثمن سے کم ہو خواہ زیادہ ہو، اسی طرح جب وکیل کے قبضہ سے مبیع ہلاک ہوگئی تو مؤکل کے ذمہ سے ثمن ساقط ہوجائے گا۔

(۱۹/۱۳۵۹) وَاِذَا وَكَّلَ رَجُلٌ رَجُلَيْنِ فَلَيْسَ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْمَا وُكِّلَا فِيْهِ دُوْنَ الْاٰخَرِ اِلَّا اَنْ يُوَكِّلَهُمَا بِالْخُصُوْمَةِ اَوْ بِطَلَاقِ زَوْجَتِهِ بِغَيْرِ عِوَضٍ اَوْ بِعِتْقِ عَبْدِهِ بِغَيْرِ عِوَضٍ اَوْ بِرَدِّ وَدِيْعَةٍ عِنْدَهُ اَوْ بِقَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب وکیل بنائے کوئی دو آدمیوں کو تو ان میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں ہے ان امور میں تصرف کرنا جن میں وہ دونوں وکیل بنائے گئے دوسرے کے بغیر مگر یہ کہ دونوں کو وکیل بنائے جواب دہی کا یا بلاعوض اپنی بیوی کو طلاق دینے کا یا بغیر عوض کے اپنے غلام کو آزاد کرنے کا یا اپنے پاس کی امانت کے واپس کرنے کا یا اس پر جو قرض تھا اس کو ادا کرنے کا۔

ایک شخص کا ایک کلام سے دو وکیل مقرر کرنے کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو ایک کلام کے ساتھ وکیل بنایا یعنی ایسے معاملات میں جن میں رائے اور مشورے کی ضرورت پڑتی ہے جیسے خرید وفروخت خلع، مضاربت وغیرہ تو ان دونوں وکیلوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کی رائے کے بغیر اس شئ میں کا اختیار نہ ہوگا جس میں ان دونوں کو وکیل بنایا گیا ہے، کیوں کہ مؤکل ان دونوں کی رائے سے راضی ہوا تھا نہ کہ ایک کی رائے سے اور مؤکل نے دونوں کی رائے پر بھروسہ کیا ہے ایک کی رائے پر نہیں اس لیے دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے، لیکن صاحب قدوری نے پانچ صورتیں ایسی بیان کی ہیں کہ جہاں دو شخصوں کو وکیل کرنے کے باوجود ایک وکیل کا تصرف کرنا جائز ہے چوں کہ ان پانچ مثالوں میں صرف مؤکل کی بات پیش کرنا ہے رائے مشورے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے ایک ہی وکیل کام کرلے تو درست ہے، ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وکیل

بنایا لیکن ان میں سے ایک نے دوسرے کے بغیر مقدمہ پیش کردیا تو یہ جائز ہے، کیوں کہ اگر دونوں ہی عدالت میں بولنے لگیں تو شور ہوگا اور آداب مجلس کے خلاف ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کو اس بات کا وکیل کرے کہ وہ دونوں بغیر عوض اس کی بیوی کو طلاق دے دے تو چوں کہ عوض کا کوئی لین دین نہیں ہے صرف شوہر کی بات کو نقل کرنا ہے جس سے طلاق پڑ جائے گی اس لیے اس میں دوسرے وکیل کی رائے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ اگر اپنے غلام کو بغیر عوض آزاد کرنے کا دو آدمیوں کو وکیل کیا تو بھی ان میں سے ایک وکیل آزاد کرنے کا مجاز ہے، چوتھی صورت یہ ہے کہ اپنے پاس کسی کی امانت ہے اور یہ آدمی دو آدمیوں کو اس امانت کے واپس کرنے کا وکیل کرے تو صرف ایک وکیل بھی اس امانت کو واپس کرسکتا ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مؤکل پر جو قرض ہے اس کو ادا کرنے کے لئے مؤکل نے دو آدمیوں کو وکیل کیا تو ان دونوں میں سے صرف ایک وکیل قرض ادا کرسکتا ہے۔

(۱۳۶۰/۲۰) وَلَيْسَ لِلْوَكِيْلِ اَنْ يُوَكِّلَ فِيْمَا وُكِّلَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَاذَنَ لَهُ الْمُوَكِّلُ اَوْ يَقُوْلَ لَهُ اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ.

ترجمہ: اور وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کام میں دوسرے کو وکیل کرے جس میں اس کو وکیل کیا گیا ہے مگر یہ کہ اجازت دے دے مؤکل یا کہہ دے مؤکل وکیل سے کہ اپنی رائے پر عمل کر۔

تشریح: وکیل کو جس کام میں وکیل کیا گیا ہے وہ وکیل اس کام میں دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہیں ہے کیوں کہ مؤکل کی طرف سے اسی کو تصرف کی اجازت ہے اور مؤکل نے اسی کی رائے پر اعتماد کیا ہے وکیل کے وکیل کی رائے پر نہیں، اس لیے وہ وکیل نہیں بنا سکتا، لیکن اگر مؤکل اپنے وکیل کو اس بات کی اجازت دے دے تو وکیل کے لئے وکیل کرنا جائز ہوگا یا مؤکل اپنے وکیل سے یہ کہہ دے کہ تو اپنی رائے پر عمل کر تو اس صورت میں بھی اس کے لئے وکیل کرنے کی اجازت ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں تصرف علی الاطلاق، وکیل کی رائے کے سپرد کیا گیا ہے لہٰذا مؤکل کی اجازت اور حکم کے تحت وکیل کا اپنے علاوہ کو وکیل کرنا بھی داخل ہوگا۔

(۱۳۶۱/۲۱) فَاِنْ وَكَّلَ بِغَيْرِ اِذْنِ مُوَكِّلِهٖ فَعَقَدَ وَكِيْلُهٗ بِحَضْرَتِهٖ جَازَ.

ترجمہ: اور اگر وکیل اول مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسرا وکیل کرے پھر وکیل اول کی موجودگی میں اس کے وکیل نے کوئی معاملہ کیا تو جائز ہے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر وکیل نے اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر کسی کو اسی معاملہ میں وکیل کردیا جس میں خود اس کو وکیل کیا گیا تھا اور وکیل ثانی نے وکیل اول کی موجودگی میں وہ کام کیا تو یہ عقد جائز اور

درست ہو جائے گا، کیوں کہ مؤکل کا مقصود تھا کہ وکیل اول کی رائے موجود ہو اور جب دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں کام کیا تو پہلے وکیل کی رائے اس کام میں شامل ہوگئی، تو مؤکل کا مقصود حاصل ہوگیا گویا کہ پہلے وکیل نے کام انجام دیا۔

(۲۲/۱۳۶۲) وَاِنْ عَقَدَ بِغَيْرِ حَضْرَتِهِ فَاَجَازَهُ الْوَكِيْلُ الْاَوَّلُ جَازَ.

ترجمہ: اور اگر وکیل ثانی وکیل اول کی غیر موجودگی میں عقد کرے پھر وکیل اول اس کی اجازت دے دے تو درست ہے۔

تشریح: وکیل نے بغیر مؤکل کی اجازت کے وکیل کرلیا تھا پھر وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں کام انجام دیا اور وکیل اول نے اس کام کو پسند کیا اور اجازت دے دی تو یہ عقد جائز اور نافذ ہو جائے گا، کیوں کہ وکیل اول کی رائے کا شامل ہونا اصل تھا وہ ہوگیا۔

(۲۳/۱۳۶۳) وَلِلْمُوَكِّلِ اَنْ يَعْزِلَ الْوَكِيْلَ عَنِ الْوَكَالَةِ.

ترجمہ: اور مؤکل کے لئے جائز ہے کہ معزول کردے وکیل کو وکالت سے۔

تشریح: امام ابوالحسین قدوری فرماتے ہیں کہ مؤکل کو اختیار ہے کہ وہ اپنے وکیل کو وکالت سے الگ تھلگ کردے کیوں کہ وکالت مؤکل کا حق ہے اور ہر صاحب حق کو اپنا حق ختم کرنے کا اختیار ہوتا ہے لہٰذا مؤکل کو بھی اپنا حق وکالت ختم کرنے کا پورا پورا اختیار ہوگا۔

(۲۴/۱۳۶۴) فَاِنْ لَّمْ يَبْلُغْهُ الْعَزْلُ فَهُوَ عَلٰى وَكَالَتِهِ وَتَصَرُّفُهُ جَائِزٌ حَتّٰى يَعْلَمَ.

ترجمہ: پھر اگر وکیل کو معزول ہونے کی خبر نہ پہنچے تو وہ اپنی وکالت پر ہے اور اس کا تصرف جائز ہے یہاں تک کہ اس کا علم ہو جائے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مؤکل نے اپنے وکیل کو معزول کیا اور وکیل کو اپنے معزول ہونے کی خبر نہ ہو تو وکیل معزول شمار نہ ہوگا بلکہ وہ اپنی وکالت پر باقی رہے گا اور اس درمیان اس کا خریدنا بیچنا جائز ہوگا، البتہ جب اس کو اپنا معزول ہونا معلوم ہو جائے تو وہ وکیل نہ رہے گا اور اس کے بعد اس کا تصرف جائز نہ ہوگا، وکیل کو اپنے معزول ہونے کا علم اس لیے ضروری ہے کہ اگر اس کو علم نہ ہو اور اس کی معزولی کا اعتبار بھی کرلیا گیا تو عزل کے بعد جو بھی تصرف ہوگا وہ خود وکیل ہی کے لئے واقع ہوگا اور وکیل ثمن ادا کرنے کی صورت میں ثمن کا ضامن ہوگا، اور مبیع سپرد کرنے کی صورت میں مبیع کا ضامن ہوگا اور اس ضمان کی وجہ سے وکیل نقصان میں مبتلا ہوگا اور شرعاً نقصان کو دور کیا جاتا ہے لہٰذا وکیل کے مذکورہ نقصان کو دور کرنے کے لئے بغیر وکیل کو اطلاع دیئے اس کو معزول کرنا معتبر نہ ہوگا۔

(۱۳۶۵/۲۵) وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ بِمَوْتِ الْمُوَكِّلِ وَجُنُوْنِهِ جُنُوْناً مُطْبِقاً وَلِحَاقِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَداً.

حل لغت: مطبقاً: میم کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ اور باء کے فتحہ کے ساتھ بھی منقول ہے، عقل کو ڈھانکنے والا جنون مکمل پاگل جس میں کافی دیر تک افاقہ نہ ہوتا ہو۔

ترجمہ: اور باطل ہو جاتی ہے وکالت مؤکل کے مرنے اور اس کے بالکل پاگل ہو جانے اور اس کے مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے۔

وہ امور جو وکالت کو باطل کر دیتے ہیں

تشریح: صاحب کتاب یہاں سے ان امور کو ذکر کرتے ہیں جو وکالت کو باطل کر دیتے ہیں چناں چہ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ چند صورتوں میں وکالت باطل ہو جاتی ہے، ایک یہ کہ مؤکل مر گیا دوم یہ کہ مؤکل چوبیس گھنٹہ دیوانہ رہنے لگا سوم یہ کہ مؤکل مرتد ہو کر دار الحرب میں رہنے لگا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا ان تینوں صورتوں میں وکیل کو معزول ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں ہے بغیر خبر ملے بھی وکیل کی وکالت باطل ہو جائے گی، کیوں کہ وکیل فرع ہے اور مؤکل اصل ہے اور اصل میں کام کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی تو وکیل جو فرع ہے اس میں کام کرنے کی اہلیت کیسے باقی رہے گی، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے جنون کو مطبق کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی ایسا جنون ہو جو چوبیس گھنٹہ موجود رہتا ہو، کیوں کہ اگر ایسا جنون ہے جو کچھ وقت کے لئے رہتا ہو اور ختم ہو جاتا ہو تو ایسے جنون کی وجہ سے وکالت باطل نہ ہوگی۔

جنون مطبق کی حد میں اختلاف

امام ابو یوسف کے نزدیک ایک ماہ ہے، کیوں کہ اگر کوئی ایک ماہ مجنون رہا تو اس کے ذمہ سے رمضان کے روزہ ساقط ہو جاتے ہیں، جب وہ عبادات الٰہی کے خطاب کا اہل نہیں ہے تو دنیاوی معاملات کا اہل بھی نہ ہوگا، امام محمدؒ نے فرمایا کہ جنون مطبق کی حد ایک سال کی مدت ہے، کیوں کہ پورے ایک سال مجنون رہنے والے آدمی سے تمام عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۳۲)

نوٹ: حاکم اور امیر کے جتنے وکیل ہیں ان کے مرنے سے وکیلوں کی وکالت ختم نہیں ہوگی وہ اپنی وکالت پر جوں کے توں رہیں گے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ تمام وکلاء اپنی اپنی جگہ پر کام کرتے رہے کوئی آپ کی وفات سے معزول نہیں ہوا۔

(۱۳۶۶/۲۶) وَإِذَا وَكَّلَ الْمُكَاتَبُ رَجُلاً ثُمَّ عَجَزَ أَوِ الْمَأْذُوْنُ لَهُ فَحُجِرَ عَلَيْهِ أَوِ الشَّرِيْكَانِ فَافْتَرَقَا

فَهٰذِهِ الْوُجُوْهُ كُلُّهَا تُبْطِلُ الْوَكَالَةَ عَلِمَ الْوَكِيْلُ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ.

ترجمہ: اور جب وکیل کیا مکاتب نے کسی کو پھر وہ عاجز ہوگیا یا ماذون غلام نے (وکیل بنایا) پھر وہ محجور ہوگیا یا دوشریکوں نے (وکیل بنایا) پھر وہ دونوں جدا ہوگئے تو یہ سب صورتیں وکالت کو باطل کردیتی ہیں وکیل کو علم ہو یا نہ ہو۔

تشریح: اگر مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا اور پھر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوگیا یعنی پھر سے غلام بن گیا، تو اس کا جو وکیل تھا وہ خود بخود معزول ہو جائے گا چاہے اس کو اپنے مؤکل کے عاجز ہونے کی خبر ہو یا نہ ہو، اسی طرح غلام کو تجارت کی اجازت تھی اس نے کسی کو وکیل کیا پھر آقا نے اس کو تجارت کرنے سے روک دیا تو روک لگاتے ہی غلام کے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی یا دوشریکوں میں سے ایک نے کسی تیسرے آدمی کو وکیل کیا پھر وہ دونوں جدا ہوگئے یعنی شرکت باقی نہ رہی، تو وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔

دلیل: وکیل بحال رکھنے کے لئے خود مؤکل میں اہلیت بحال رہنا ضروری ہے مذکورہ تمام صورتوں میں مؤکل میں عقد کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی اس لیے مذکورہ تمام صورتوں میں وکالت باطل ہو جائے گی، اور ان تمام صورتوں میں وکیل کے علم اور عدم علم میں فرق اس لیے نہیں کیا گیا کہ اگر مؤکل بالقصد اور بالاختیار اپنے وکیل کو معزول کرے تو معزول ہونے کے لئے وکیل کا جاننا ضروری ہے، اور اگر مؤکل کے اختیار اور ارادہ کے بغیر ہی وکیل معزول ہوا جیسا کہ متن میں مذکورہ صورتوں میں ہے تو پھر وکیل کا جاننا ضروری نہیں ہے یعنی مذکورہ تمام صورتوں میں وکیل کا معزول ہونا غیر اختیاری ہے اور وکیل کا جاننا عزل اختیاری کے لئے شرط ہے۔ (اشرف الہدایہ ۱۰/۳۸۱)

(۱۳۶۷/۲۷) وَاِذَا مَاتَ الْوَكِيْلُ اَوْ جُنَّ جُنُوْناً مُطْبِقاً بَطَلَتْ وَكَالَتُهٗ.

ترجمہ: اور اگر وکیل مرجائے یا بالکل دیوانہ ہو جائے تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی۔

تشریح: اس عبارت میں ان عوارض کا بیان ہے جو وکیل کی جانب سے وکالت باطل کرنے والے ہیں چناں چہ فرمایا کہ اگر وکیل مرگیا یا اس کو جنون مطبق ہوگیا تو وکالت باطل ہو جائے گی، کیوں کہ وکالت کی صحت کے لئے اہلیت تصرف کا ہونا ضروری ہے جب جنون مطبق اور مرجانے کے بعد اہلیت تصرف ختم ہوگئی تو وکالت خود بخود باطل ہو جائیگی۔

(۱۳۶۸/۲۸) وَاِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا اَنْ يَعُوْدَ مُسْلِماً.

ترجمہ: اور اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو اس کے لئے تصرف جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آجائے۔

تشریح: وکیل مسلمان تھا مرتد ہو کر دار الحرب میں جاملا اور قاضی نے اس کے دار الحرب میں چلے جانے کا فیصلہ کردیا، تو اب وہ وکیل نہیں رہے گا لیکن اگر مسلمان ہو کر واپس دار الاسلام آجائے تو کیا وہ دوبارہ بحال ہو سکتا ہے یا

نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام محمدؒ نے فرمایا کہ مسلمان ہو کر واپس آنے کی صورت میں دوبارہ وکیل بحال ہو سکتا ہے کیوں کہ وہ عاقل بالغ اور آزاد ہے تو اہلیت تصرف ختم نہیں ہوئی تھی صرف دارالحرب چلے جانے کی وجہ سے عقد کرنے سے عاجز تھا لیکن جب مسلمان ہو کر واپس آ گیا تو اب عاجز نہ رہا اس لیے عقد کر سکتا ہے، یعنی حالت ارتداد کی وکالت موقوف رہے گی مسلمان ہو کر واپس آنے پر بحال ہو جائے گی۔

(۲) امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دارالحرب چلے جانے کی وجہ سے گویا کہ وہ مردہ ہو گیا اس لیے پہلی وکالت ختم ہو جائے گی البتہ مؤکل نئے سرے سے وکیل بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے۔

لم یجز له التصرف: شیخ الاسلام نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ اگر وکیل مرتد ہو کر چلا گیا تو وہ تمام ائمہ کے نزدیک معزول عن الوکالۃ نہیں ہوگا جب تک کہ قاضی اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم نہ دے دے۔

(اللباب ۲/۷۲)

الا ان یعود مسلماً: وکیل مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر دوبارہ دارالاسلام آ گیا تو واپس آنے پر بالاتفاق وکالت بحال ہو جائے گی، اور اگر قاضی نے اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا اور پھر مسلمان ہو کر واپس آ گیا تو وہ دوبارہ بحال ہو سکتا ہے یا نہیں تو اس بارے میں دو مذہب ہیں جو ماقبل میں آ چکے ہیں۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۴)

(۱۳٦۹/۲۹) وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِشَيْءٍ ثُمَّ تَصَرَّفَ الْمُوَكِّلُ بِنَفْسِهٖ فِيْمَا وَكَّلَ بِهٖ بَطَلَتِ الْوَكَالَةُ.

ترجمہ: اگر کسی نے دوسرے کو کسی کام کا وکیل کیا پھر مؤکل نے خود ہی وہ کام کر لیا جس کام کا وکیل کیا تھا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

تشریح: اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو کسی کام کا وکیل کیا پھر جس کام کے لئے وکیل کیا تھا مؤکل نے اس کو خود ہی کر لیا تو وکالت باطل ہو گئی، کیوں کہ جب مؤکل نے خود ہی تصرف کر لیا تو وکیل کے لئے تصرف کرنا متعذر ہو گیا اس لیے وکالت باطل ہو جائے گی۔

(۱۳۷۰/۳۰) وَالْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لَايَجُوْزُ لَهٗ اَنْ يَعْقِدَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَعَ اَبِيْهِ وَجَدِّهٖ وَوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَعَبْدِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَجُوْزُ بَيْعُهٗ مِنْهُمْ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ اِلَّا فِيْ عَبْدِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ.

ترجمہ: بیچنے اور خریدنے کے وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عقد کرے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اپنے

باپ اپنے دادا اپنے بیٹے اپنے پوتے اپنی بیوی اپنے غلام اور اپنے مکاتب غلام کے ساتھ، اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے وکیل کا بیچنا ان کے ساتھ پوری قیمت پر مگر اپنے غلام اور مکاتب میں (جائز نہیں ہے)۔

وہ امور جو خرید و فروخت کے وکیل کے لئے ناجائز ہیں

تشریح: اگر ایک شخص نے کسی کو بیچنے یا خریدنے یا دونوں کا وکیل کیا تو وہ کن لوگوں کے ساتھ معاملہ کرے امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وکیل ان لوگوں کے ساتھ معاملہ نہ کرے جن کی گواہی وکیل کے حق میں مقبول نہیں ہے مثلاً اپنے باپ دادا اولاد پوتا بیوی غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ خرید و فروخت نہ کرے۔

دلیل: ان تمام لوگوں سے وکیل کا رشتہ بہت قریب کا ہے مؤکل کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں سے مہنگا خریدا ہو یا سامان انہیں سستا بیچا ہو چوں کہ اس تہمت کا امکان ہے اس بنیاد پر ان لوگوں سے خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو اتنی قیمت میں بیچ سکتا ہے یا خرید سکتا ہے جتنی بازار میں اس چیز کی قیمت ہے جس کو مثل قیمت کہتے ہیں البتہ اپنے غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ مثل قیمت پر خرید و فروخت کرنا صاحبین کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔

دلیل: مؤکل نے مطلقاً بیچنے خریدنے کا وکیل کیا ہے اور اس کا پابند نہیں بنایا کہ فلاں کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت ہے اور فلاں کے ساتھ اجازت نہیں ہے تو یہ توکیل ہر شخص کو شامل ہوگی اس لیے ان رشتہ داروں کے ساتھ مثل قیمت پر خرید و فروخت کر سکتا ہے، ہاں اپنے غلام اور مکاتب کے ساتھ خرید و فروخت درست نہیں ہے کیوں کہ غلام اور جو کچھ غلام کے قبضہ میں ہے وہ سب آقا کی ملک ہوتا ہے اس میں دوسرے کا کوئی حق نہیں ہوتا تو وکیل کا اپنے غلام کے ہاتھ فروخت کرنا ایسا ہے جیسا کہ وکیل کا خود اپنے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح وکیل کا اپنے مکاتب کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیوں آقا کا اپنے مکاتب کی کمائی میں حق ہوتا ہے تو آقا (وکیل) کا اپنے مکاتب کے ہاتھ فروخت کرنا بھی خود اپنے ہاتھ فروخت کرنا ہے اس لئے اپنے مکاتب کے ہاتھ خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔

(۱۳۷۱/۳۱) وَالْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ يَجُوْزُ بَيْعُهُ بِالْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَايَجُوْزُ بَيْعُهُ بِنُقْصَانٍ لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِیْ مِثْلِهٖ.

لغت: لایتغابن الناس: جتنے میں لوگ عام طور پر دھوکہ نہ کھاتے ہوں جتنے کا رواج نہ ہو۔

ترجمہ: اور بیچنے کے وکیل کے لئے جائز ہے فروخت کرنا کمی بیشی کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا نہیں جائز ہے اس کا بیچنا اتنی کمی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح: کسی آدمی نے دوسرے کوکسی چیز کے بیچنے کا وکیل بنایا تو امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ اس چیز کو کم قیمت میں بیچے یا زیادہ قیمت میں اور یا کسی سامان مثلاً اناج یا جانور کے عوض فروخت کرے نقد ادھار ہر طرح بیچنا درست ہے۔

دلیل: مؤکل نے مطلقاً وکیل بنایا ہے یعنی کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں ہے اس لیے کمی بیشی جیسے بھی فروخت کرے گا بیع درست ہوگی۔ (عینی شرح کنز ۱۲۶/۲)

صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنی کمی میں بیچنا درست نہیں ہوگا جتنی کمی میں اس جیسی مبیع کو بیچنے کا عام رواج نہ ہو۔

دلیل: **مؤکل** نے اگر چہ مطلقاً کہا ہے کہ اس چیز کو بیچو مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عرف عام میں اس چیز کی جتنی قیمت ہے اس کے عوض بیچواتنے میں مت بیچو جتنے کا رواج نہیں ہے۔ (عینی شرح کنز ۱۲۶/۲)

صاحب اللباب نے بزازیہ کے حوالہ سے فتوی صاحبین کے قول پر نقل کیا ہے مگر امام نسفی، امام محبوبی، صدرالشریعہ وغیرہ نے امام صاحب کے قول کو قابل اعتماد اور پسند کیا ہے۔ (اللباب ۷۲/۳)

(۳۲/۱۳۷۲) وَالْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ يَجُوْزُ عَقْدُهُ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ وَزِيَادَةٍ يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهَا وَلَا يَجُوْزُ بِمَا لَايَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهِ.

ترجمہ: خرید کے وکیل کا معاملہ کرنا جائز ہے برابر قیمت اور اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج ہو اور نہیں جائز ہے اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح: اگر کسی نے ایک شخص کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل بنایا تو اس وکیل کے لئے اتنی زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز ہوگا جتنے کا رواج ہے یا اتنی زیادتی کے ساتھ جس کو لوگ برداشت کر لیتے ہیں اس سے زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ یہاں تہمت کا امکان ہے یعنی اس بات کا امکان ہے کہ وکیل نے اپنے لئے خریدی مگر جب دیکھا کہ اس میں تو نقصان ہے تو مؤکل کے ذمہ ڈال دی۔

(۳۳/۱۳۷۳) وَالَّذِيْ لَايَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْهِ لَايَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيْمِ الْمُقَوِّمِيْنَ.

ترجمہ: اور وہ خسارہ جس کو لوگ نہیں اٹھاتے ہیں وہ ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت لگانے میں داخل نہ ہو۔

تشریح: غبن کی دو قسمیں ہیں (۱) غبن فاحش (۲) غبن یسیر، صاحب قدوریؒ نے لایتغابن الناس فیہ سے غبن فاحش کو تعبیر کیا ہے، غبن فاحش ایسے خسارہ کا نام ہے جو ماہرین تجارت کے اندازے میں داخل نہ ہو یعنی جو لوگ تجارت کے ماہر ہیں ان میں سے کوئی شخص اس قدر مال کے عوض اندازہ نہ کرے جب غبن فاحش کی تعریف مالا یدخل تحت تقویم المقومین ہے تو غبن یسیر کی تعریف مایدخل تحت تقویم المقومین ہوگی، یعنی جو قیمت لگانے کے ماہرین ہیں ان کی

قیمت لگانا جہاں تک پہنچے جو ماہرین تجارت کے اندازے میں آئے وہ غبن یسیر ہے۔

(۳۴/۱۳۷۴) وَاِذَا ضَمِنَ الْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ الثَّمَنَ عَنِ الْمُبْتَاعِ فَضَمَانُهُ بَاطِلٌ.

ترجمہ: اور اگر ضامن ہو جائے بیچنے کا وکیل قیمت کا مشتری کی طرف سے تو اسکا ضمان باطل ہے۔

تشریح: ایک شخص کسی چیز کے بیچنے کا وکیل تھا پھر اس کو بیچ کر مشتری کی جانب سے خود ہی قیمت کا ذمہ دار بن گیا کہ میں خود ہی قیمت دے دوں گا تم بے فکر رہنا تو اس طرح ضامن بننا باطل ہے، کیوں کہ وکیل کے پاس مبیع امانت کے طور پر تھی اور جب اس کی قیمت کا ذمہ دار بنا تو وہ ضمانت کے طور پر ہو جائے گی اور امانت و ضمانت میں تضاد ہے اس لیے ضامن بننا باطل ہے۔ (اللباب ۲/۷۳)

(۳۵/۱۳۷۵) وَاِذَا وَكَّلَهُ بِبَيْعِ عَبْدِهِ فَبَاعَ نِصْفَهُ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اگر وکیل بنایا اپنے غلام کے بیچنے کا وکیل نے اس کا آدھا بیچ دیا تو جائز ہے امام صاحب کے نزدیک۔

وکالت کے متفرق مسائل

تشریح: ایک شخص نے کسی کو مطلق غلام فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس وکیل نے پورا غلام فروخت نہ کر کے آدھا غلام فروخت کر دیا تو بیع صحیح ہوگی یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع درست ہے۔

دلیل: مطلق لفظ دونوں کو شامل ہے یعنی آدھا بیچنا اور پورا بیچنا دونوں کو شامل ہے اس لیے آدھا بھی بیچ سکتا ہے اور پورا بھی۔

(۲) صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اولاً آدھا بیچا اور جھگڑے سے پہلے باقی آدھا بیچا تو درست ہے اور اگر جھگڑے سے قبل باقی آدھا نہ بیچ سکا تو پہلا آدھا بیچنا درست نہیں، کیوں کہ آدھا غلام فروخت کرنے سے غلام موکل اور مشتری کے درمیان مشترک ہو گیا اور وکیل نے آدھا بیچ کر شرکت کا ضرر کیا اس لیے آدھا بیچنا جائز نہیں ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۲۶، الجوہرہ ۱/۳۷۰)

محقق طائی کا قول ہے کہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہے۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۳)

(۳۶/۱۳۷۶) وَاِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ وَاشْتَرٰى نِصْفَهُ فَالشِّرَاءُ مَوْقُوْفٌ فَاِنِ اشْتَرٰى بَاقِيَهُ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ.

ترجمه: اور اگر وکیل کرنے کسی غلام کے خریدنے کا اور وہ آدھا خریدے تو یہ خریداری موقوف ہوگی اب اگر وہ بقیہ آدھا خرید لے تو مؤکل کو لازم ہوگا۔

تشریح: ایک آدمی نے کسی کو غلام خریدنے کا وکیل بنایا لیکن وکیل نے پورا غلام خریدنے کے بجائے آدھا غلام خرید لیا تو بالاتفاق یہ خریداری موقوف ہوگی اب اگر اس وکیل نے باقی آدھا بھی خرید لیا تو مؤکل کو یہ غلام لازم ہوگا اور اگر باقی آدھا نہ خرید سکا تو یہ آدھا مؤکل کو لازم نہ ہوگا بلکہ یہ آدھا خود وکیل کے لئے ہو جائے گا۔

دلیل: یہاں اس بات کا قوی امکان ہے کہ آدھا وکیل نے اپنے لئے خریدا تھا لیکن پھر اس کو خسارہ نظر آیا تو مؤکل کے ماتھے پر ڈال دیا اور مؤکل کو شرکت کے نقصان میں پھنسا دیا اس لیے یہ آدھا خریدنا مؤکل کو لازم نہ ہوگا۔

(۱۲۷۷/۳۷) وَإِذَا وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَشَرَةِ اَرْطَالِ لَحْمٍ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرَىٰ عِشْرِيْنَ رِطْلًا بِدِرْهَمٍ مِنْ لَحْمٍ يُبَاعُ مِثْلُهُ عَشَرَةُ اَرْطَالٍ بِدِرْهَمٍ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ مِنْهُ عَشَرَةٌ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَلْزَمُهُ الْعِشْرُوْنَ۔

ترجمه: اور اگر وکیل بنایا دس رطل گوشت خریدنے کا ایک درہم میں اس نے خرید لیا بیس رطل ایک درہم میں ایسا گوشت جو بیچا جاتا ہو دس رطل ایک درہم کے بدلے تو مؤکل کو دس رطل گوشت آدھے درہم میں اس سے لینا لازم ہوگا امام صاحب کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا لازم ہوگا مؤکل کو بیس رطل۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کو ایک درہم میں دس رطل گوشت خریدنے کے لئے وکیل بنایا وکیل نے ایک درہم میں ایسا ہی عمدہ گوشت جو ایک درہم میں دس رطل بکتا ہو ہوشیاری سے ایک درہم میں بیس رطل خرید لیا تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بیس رطل مؤکل کو لازم ہوگا یا آدھے درہم کے بدلہ دس رطل لازم ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ اس بارے میں صاحب قدوری نے دو مذہب نقل فرمائے ہیں۔

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ آدھے درہم کے عوض دس رطل گوشت کی خریداری تو مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی اور دس رطل کی خریداری وکیل پر نافذ ہوگی۔

دلیل: مؤکل کو صرف دس رطل گوشت کی ضرورت تھی اسی لئے اس نے وکیل کو دس رطل گوشت خریدنے کا حکم دیا ہے اور مؤکل کا خیال یہ تھا کہ دس رطل گوشت ایک درہم میں مل جائے گا اس لیے ایک درہم دے دیا مگر اس کے گمان کے خلاف دس رطل گوشت آدھے درہم میں مل گیا اور وکیل نے دس رطل خریدنے کے بجائے بیس رطل خرید کر مؤکل کے حکم کی خلاف ورزی کی اس لیے دس رطل وکیل کو لینا پڑے گا اور آدھا درہم وکیل مؤکل کو جیب سے دے گا۔ (الجوہرة النیرۃ ۱/۳۷۰، اللباب ۲/۳۷، عینی شرح کنز ۲/۱۲۳)

(۲) صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ پورے بیس رطل گوشت کی خریداری ایک درہم کے عوض مؤکل پر لازم

اور نافذ ہوگی۔

دلیل: مؤکل نے وکیل کو گوشت خریدنے کے سلسلہ میں ایک درہم خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، کہ چاہے دس رطل آجائے یا بیس رطل آجائے مؤکل کا خیال تھا کہ ایک درہم کے عوض دس رطل ہی گوشت آتا ہوگا اس لیے دس رطل لانے کے لئے کہا اب اگر وکیل ایک درہم میں بیس رطل لے آیا تو مؤکل کے حق میں فائدہ ہی پہنچایا، لہٰذا وکیل کی پوری خریداری مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی۔ (اللباب ۲/۷۳)

نسخوں کا اختلاف: قدوری کے بعض نسخوں میں ہے کہ امام محمد کا قول امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے اور ہدایہ میں بھی اسی طرح ہے، لیکن اس کی شرح میں ہے کہ امام ابو یوسف امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں اور امام محمدؒ تنہا ہیں۔
(الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۷۱)

نوٹ: اگر وکیل نے ایک درہم میں بیس رطل گوشت ایسا گھٹیا خریدا کہ ایک درہم کے عوض بیس رطل ہی بکتا ہے یعنی اس گوشت جیسا نہیں ہے جو ایک درہم کے عوض دس رطل ہی بکتا ہے تو چوں کہ وکیل نے مؤکل کے حکم کی مخالفت کی ہے لہٰذا اس صورت میں پورے گوشت کی خریداری وکیل پر نافذ ہوگی، اور مؤکل پر نافذ نہ ہوگی۔ (عینی ۲/۱۲۳)

(۳۸/۱۳۷۸) وَاِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ شَيْءٍ بِعَيْنِهِ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَشْتَرِيَهُ لِنَفْسِهِ.

ترجمہ: اور اگر وکیل بنائے کسی متعین چیز کے خریدنے کے لئے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اپنے لئے خریدے۔

تشریح: اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو کسی متعین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو وکیل کے لئے اس متعینہ چیز کو اپنے واسطے خریدنا جائز نہیں ہے حتی کہ اگر وکیل نے اس چیز کو اپنے واسطے خرید بھی لیا تو یہ خریداری مؤکل کے لئے ہوگی نہ کہ وکیل کے لئے، اصل مسئلہ پر دلیل یہ ہے کہ متعینہ چیز کے خریدنے کے سلسلہ میں مؤکل نے وکیل پر بھروسہ کیا ہے مگر وکیل نے اپنے لئے خرید کر مؤکل کو دھوکہ دیا ہے اور دھوکہ دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا وکیل کا اس چیز کو اپنے واسطے خریدنا جائز نہ ہوگا۔

(۳۹/۱۳۷۹) وَاِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بِغَيْرِ عَيْنِهِ فَاشْتَرَىٰ عَبْداً فَهُوَ لِلْوَكِيْلِ اِلَّا اَنْ يَقُوْلَ نَوَيْتُ الشِّرَاءَ لِلْمُوَكِّلِ اَوْ يَشْتَرِيَهُ بِمَالِ الْمُوَكِّلِ.

ترجمہ: اور اگر وکیل بنائے کسی غیر معین غلام کو خریدنے کے لئے پھر خرید لے کسی غلام کو تو وہ وکیل ہی کے لئے ہوگا مگر یہ کہ کہے میں نے مؤکل کے لئے خریدنے کی نیت کی تھی یا یہ کہ اس کو مؤکل کے مال سے خریدے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو غیر معین غلام خریدنے کا وکیل کیا پھر وکیل

نے ایک غلام خرید لیا تو یہ خریداری وکیل کے لئے ہوگی اور وکیل ہی اس غلام کا مالک ہوگا کیوں کہ عموماً آدمی اپنے لئے ہی خریدتا ہے لیکن اگر وکیل یہ کہے کہ میں نے خریدتے وقت مؤکل کی نیت کی تھی یا وکیل اس غلام کو مؤکل کے مال سے خریدے تو ان دونوں صورتوں میں یہ غلام مؤکل کا ہوگا۔

(۱۳۸۰/۴۰) وَالْوَكِيلُ بِالْخُصُوْمَةِ وَكِيلٌ بِالْقَبْضِ عِندَ اَبِى حَنِيفَةَ وَاَبِى يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور جوابدہی کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے، امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

وکیل بالخصومت وکیل بالقبض نہ ہوگا

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص پر قرض کا دعویٰ کیا اور مدعی نے خصومت اور مقدمہ کی پیروی کے لئے کسی کو وکیل کیا اب اگر مدعی علیہ پر قرض ثابت ہوگیا تو یہ وکیل بالخصومت اس قرض کو وصول کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوسکتا ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) جمہور احناف کے نزدیک جو شخص خصومت کا وکیل بنایا جائے وہ خود بخود قبضہ کا وکیل بھی ہوتا جاتا ہے۔

دلیل: اگر کسی شخص کو کسی چیز کا مالک بنایا گیا تو وہ اس کو مکمل کرنے کا بھی مالک ہوگا، لہٰذا خصومت کا وکیل خصومت کو مکمل کرنے کا وکیل ہوگا اور خصومت کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے اس لیے قبضہ کرنے کا بھی وکیل ہوگا۔ (عینی شرح کنز ۲/ ۱۲۹، الجوہرۃ ۱/ ۳۷۲)

(۲) امام زفر فرماتے ہیں کہ خصومت کا وکیل قبضہ کا وکیل نہ ہوگا، اس لیے کہ آج کل وکیلوں یں خیانت زیادہ ہوگئی اور قبضہ کے بارے میں ہر شخص پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، متاخرین فقہاء نے فساد زمانہ کی وجہ سے امام زفر کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ (عینی ۲/ ۱۲۹، الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۳۷۲، البحر الرائق ۷/ ۱۷۸)

(۱۳۸۱/۴۱) وَالْوَكِيلُ بِقَبْضِ الدَّيْنِ وَكِيلٌ بِالْخُصُوْمَةِ فِيهِ عِنْدَ اَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور قرض پر قبضہ کا وکیل قرض کی بابت جواب دہی کا بھی وکیل ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا تو یہ شخص خصومت کا بھی وکیل ہوگا یا نہیں؟ اسکے متعلق دو مذہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرض کا وکیل مقدمہ اور خصومت کا بھی وکیل ہوگا۔

(۲) صاحبین کے نزدیک قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمہ کا وکیل نہیں ہوگا، ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کا مذہب بھی یہی ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/ ۱۲۹)

امام صاحب کی دلیل: قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بعض مرتبہ مقدمہ بھی لڑنا پڑتا ہے اور ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ اگر کسی آدمی کو کسی چیز کا مالک بنادیا تو وہ اس کو مکمل کرنے بھی مالک ہوگا، اس لیے قرض کا وکیل مقدمہ کا بھی وکیل ہوگا۔

صاحبین کی دلیل: قرض پر قبضہ کرنا الگ چیز ہے اور مقدمہ کرنا الگ چیز ہے قرض پر قبضہ کرنا دیانتدار اور امانت دار کا کام ہے اور مقدمہ کرنا ماہر قانون کا کام ہے بہت سے لوگ امانت و دیانت میں قابل اطمینان ہوتے ہیں لیکن مقدمات کی پیروی میں بالکل چوپٹ ہوتے ہیں، اس لیے قبضہ کا وکیل مقدمہ کا وکیل نہیں ہوگا۔ (الجوہرة النیر ۱/۲۷۲)

(۴۲/۱۳۸۲) وَاِذَا اَقَرَّ الْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ عَلٰى مُوَكِّلِهٖ عِنْدَ الْقَاضِيْ جَازَ اِقْرَارُهٗ وَلَايَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِيْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا اَنَّهٗ يَخْرُجُ مِنَ الْخُصُوْمَةِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِيْ.

ترجمہ: اور جب اقرار کرے جواب دہی کا وکیل کسی چیز کا اپنے مؤکل کے ذمہ قاضی کے پاس تو اس کا اقرار جائز ہے اور جائز نہیں ہے وکیل کا اقرار مؤکل کے ذمہ قاضی کے علاوہ کے پاس، طرفین کے نزدیک مگر وکیل وکالت سے خارج ہوجائے گا، اور امام ابو یوسف نے فرمایا جائز ہے وکیل کا اقرار کرنا مؤکل پر قاضی کے علاوہ کے پاس بھی۔

کیا وکیل بالخصومت اپنے مؤکل کے خلاف اقرار کرسکتا ہے؟

تشریح ایک شخص نے کسی کو وکیل کیا کہ آپ میری جانب سے قاضی کے سامنے خصومت اور مقدمہ کے وکیل ہیں، اب اس خصومت کے وکیل نے اپنے مؤکل کے خلاف قاضی کی عدالت میں اقرار کیا تو وکیل کا یہ اقرار مؤکل کے خلاف جائز ہے، وکیل اگر مدعی کا ہو تو وکیل کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ مدعی یعنی مؤکل نے مال پر قبضہ کرلیا ہے اور اگر مدعی علیہ کا وکیل ہو تو اقرار کا مطلب یہ ہے کہ وکیل اپنے مؤکل یعنی مدعی علیہ پر مال کے وجوب کا اقرار کرے یا وکیل اپنے مؤکل پر حدود و قصاص کے علاوہ کسی اور چیز کا اقرار کرے تو یہ سب اقرار درست ہیں اور اقرار کردہ شئی مؤکل پر لازم ہوگی اور قاضی کی عدالت سے باہر کسی اور کے سامنے اقرار غیر معتبر ہوگا لیکن وکیل وکالت سے خارج ہوجائے گا اور مدعی علیہ پر مال ثابت ہونے کی صورت میں وکیل کو یہ مال نہیں دیا جائے گا کیوں کہ وکیل کے خیال کے مطابق مدعی اپنے دعوی میں جھوٹا ہے تو پھر یہ مدعی کا وکیل کیسے ہوسکتا ہے اور جب وکیل نہیں رہا تو یہ مال پر قبضہ کرنے کا مجاز بھی نہ ہوگا۔

اصل مسئلہ پر دلیل یہ ہے کہ یہ خصومت کا وکیل ہے اور خصومت ہوتی ہے قاضی کی مجلس میں اس لیے قاضی کی مجلس میں ہی اقرار کا اعتبار ہوگا تاکہ خصومت ہو اس سے باہر اقرار کا اعتبار نہ ہوگا، اور وہ مطلق جواب کا وکیل ہے اس لیے اس

میں اقرار اور انکار سب شامل ہیں یعنی وکیل مؤکل کے خلاف اقرار کرے یا اس پر کسی کے حق ہونے کا انکار کرے سب صحیح ہے، ماقبل کی پوری تفصیل طرفین کے نزدیک ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وکیل کا اقرار قاضی کی مجلس کے علاوہ میں بھی معتبر ہے یعنی مجلس قاضی اور مجلس غیر قاضی دونوں صورتوں میں اقرار معتبر ہے۔

دلیل: وکیل مؤکل کا نائب ہے اور مؤکل کا اقرار کرنا قاضی کی مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مؤکل قاضی کی مجلس کے علاوہ کسی اور جگہ کسی چیز کا اقرار کرے تو اقرار ہو جاتا ہے تو اس کے نائب کا اقرار بھی مجلس قضاء کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔ (عینی ۲/۱۲۹)

(۴۳/۱۳۸۳) وَمَنِ ادَّعٰى اَنَّهٗ وَكِيْلُ الْغَائِبِ فِيْ قَبْضِ دَيْنِهٖ فَصَدَّقَهُ الْغَرِيْمُ اُمِرَ بِتَسْلِيْمِ الدَّيْنِ اِلَيْهِ فَاِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهٗ جَازَ وَاِلَّا دَفَعَ اِلَيْهِ الْغَرِيْمُ الدَّيْنَ ثَانِياً وَيَرْجِعُ بِهٖ عَلَى الْوَكِيْلِ اِنْ كَانَ بَاقِياً فِيْ يَدِهٖ.

ترجمہ: کسی نے دعویٰ کیا کہ وہ فلاں غائب کا وکیل ہے اس کے قرض کے وصول کرنے میں مقروض نے اس کی تصدیق کر دی تو مقروض کو حکم دیا جائے گا اس کی جانب قرض کی ادائیگی کا، اب اگر غائب حاضر ہو گیا اور اس نے وکیل کی تصدیق کر دی تو جائز ہو جائے گا ورنہ مقروض مؤکل کی طرف قرض دوبارہ دے گا اور یہ شخص اس کو وکیل سے وصول کرے گا اگر اس کے پاس موجود ہو۔

تشریح: ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے اس کا قرضہ وصول کرنے کا وکیل ہوں مقروض نے اس مدعی وکالت کے قول کی تصدیق کر دی کہ واقعی تم اس غائب کے وکیل ہو چوں کہ مقروض نے تصدیق کر دی اور مال بھی اسکا ذاتی ہے وہ اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے اس لیے قرض دار کو حکم دیا جائے گا کہ مذکورہ قرضہ اس مدعی وکالت کے سپرد کرو اس نے حوالہ کر دیا اس کے بعد غائب باہر سے واپس آیا اور تصدیق کر دی کہ ہاں یہ شخص میرا وکیل ہے تو مقروض نے جو قرضہ وکیل کو دیا ہے وہ ادا ہو گیا اور گویا اصل مالک تک پہنچ گیا اور اگر قرض خواہ نے وکیل کے قول کی تصدیق نہ کی یعنی یہ کہا کہ یہ میرا وکیل نہیں ہے تو قرض دار کو دوبارہ قرضہ ادا کرنے کو کہا جائیگا، اب رہ گیا وہ مال جو قرضہ دار نے اولاً مدعی وکالت کو دیا تھا اگر مدعی وکالت کے پاس موجود ہو تو قرض دار اس مال کو مدعی وکالت سے واپس لے گا کیوں کہ ادیئگی دین کا مقصد یہ تھا کہ مقروض کا ذمہ بری ہو جائے اور یہ مقصد حاصل نہیں ہوا لہٰذا وہ اس سے واپس لے لے گا اور اگر وہ مال مدعیٔ وکالت کے قبضہ سے ضائع ہو گیا تو مقروض مدعی سے واپس نہیں لے سکتا، کیوں کہ مقروض نے مدعی کے قول کی تصدیق کر کے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ مدعی قرضہ وصول کرنے میں حق پر ہے اور جو حق پر ہو اس سے شیٔ مقبوض کو واپس نہیں لیا جاتا ہے۔

(۴۴/۱۳۸۴) وَاِنْ قَالَ اِنِّیْ وَکِیْلٌ بِقَبْضِ الْوَدِیْعَةِ فَصَدَّقَهُ الْمُوْدَعُ لَمْ یُؤْمَرْ بِالتَّسْلِیْمِ اِلَیْهِ.

لغت: المودع: دال کے فتحہ کے ساتھ وہ آدمی جس کے پاس امانت کا مال رکھا گیا ہو۔

ترجمہ: کسی نے کہا کہ میں امانت کے قبضہ کرنے کا وکیل ہوں اور مودع نے اس کی تصدیق کر دی تو مودع کو نہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ اس وکیل کو امانت سپرد کرے۔

تشریح: ایک شخص نے آکر یہ دعویٰ کیا، کہ فلاں کی جو امانت آپ کے پاس ہے میں اس فلاں کی جانب سے وکیل ہوں، امین نے اس کی تصدیق کر دی کہ تم اس فلاں غائب کے وکیل ہو پھر بھی امین کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ امانت کی چیز وکیل کے حوالہ کرو، کیوں کہ یہاں امانت کی رقم دوسرے آدمی کی ہے امانت رکھنے والا اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں دے رہا ہے اس لیے دوسرے کی چیز حوالہ کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا برخلاف اوپر والے مسئلہ کے کہ وہاں قرض کی رقم خود مقروض ہی کی تھی اس لیے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

کِتَابُ الکِفَالَةِ

(یہ کتاب کفالت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: وکالت اور کفالت دونوں میں سے ہر ایک کے اندر دوسرے سے مدد لی جاتی ہے اس لیے کتاب الوکالۃ کے بعد کتاب الکفالہ کو بیان کررہے ہیں۔

کفالت کا ثبوت: قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ (سورہ یوسف آیت ۷۲)

یعنی ہم لوگ بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں اور جو اس کو لائے گا اس کو ایک اونٹ مال ملے گا اور میں اس کا کفیل ہوں، اس آیت میں زعیم کا لفظ ہے جس کے معنی ذمہ دار اور کفیل کے ہیں، اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔

کفالۃ اسم ہے جمع کفالات باب (ن،س،ک) کفلاً مصدر ہے ضامن ہونا، یہ لفظ 'ب' کے ساتھ مستعمل ہو تو متعدی ہو جاتا ہے، جیسے کَفَلْتُ بِالرَّجُلِ یعنی اس شخص کو میں نے اپنے کفالت میں لے لیا، اگر اس کا استعمال مقروض کے لئے ہو تو 'عن' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے کفلت عن المدیون میں نے مقروض کی ذمہ داری کو اوڑھ لیا، اور جب قرض خواہوں کے لئے ہو تو 'ل' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے کفلت للدائن میں نے قرضخواہوں کی ذمہ داری کو اوڑھ لیا۔ (کتاب الفقہ ۳/۲۶۲)

کفالت کی لغوی تعریف: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا۔

اصطلاحی تعریف: کسی شخص یا قرض یا شئی کے مطالبہ میں ایک کی ذمہ داری دوسرے کی ذمہ داری

سے وابستہ کر دینا، یعنی ایک کے بجائے دو کا ذمہ دار ہو جانا۔

کفالت میں چار الفاظ ھیں: (۱) کفیل: جو ذمہ دار بنا، اس کو زعیم اور حمیل بھی کہتے ہیں، (۲) مکفول عنہ جس کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل لے رہا ہے۔ (۳) مکفول لہ قرض خواہ جس کے لئے تیسرا آدمی کفیل بن رہا ہے۔ (۴) مکفول بہ وہ مال جس کے ادا کرنے کا ذمہ دار بن رہا ہے، یا وہ آدمی جس کو عدالت میں حاضر کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ ابھی اس کو ضمانت پر چھوڑ دیں مقررہ وقت پر میں اس کو عدالت میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں بشرطیکہ وہ زندہ ہو۔

کفالہ کارکن: طرفین کے نزدیک ایجاب وقبول ہے اسی بنا پر ضروری ہے کہ اس ضمانت کو قرض خواہ یعنی مکفول لہ قبول کرے خواہ وہ ضمانت مالی ہو یا شخصی، امام ابو یوسف کے نزدیک صرف وکیل کی طرف سے ایجاب ہے قبول پایا جائے، یا نہ پایا جائے اور اس کی شرط یہ ہے کہ کفیل مکفول بہ سپرد کرنے پر قدرت رکھتا ہو اور دین دین صحیح ہو (تفصیل آگے آئیگی) اور کفالہ کا حکم کفیل پر مطالبہ کا واجب ہونا ہے۔

(۱۳۸۵/۱) اَلْكَفَالَةُ ضَرْبَانِ كَفَالَةٌ بِالنَّفْسِ وَكَفَالَةٌ بِالْمَالِ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جَائِزَةٌ وَالْمَضْمُوْنُ بِهَا اِحْضَارُ الْمَكْفُوْلِ بِه.

ترجمہ: کفالت کی دو قسمیں ہیں کفالت جان کی اور کفالت مال کی اور کفالت جان کی بھی جائز ہے اور اس سے جس چیز کی کفالت ہوتی ہے وہ مکفول بہ کو حاضر کرنا ہے۔

کفالت کے اقسام

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کفالت کی دو قسمیں ہیں (۱) کفالت بالنفس (۲) کفالت بالمال کفالت بالنفس کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک کفالت بالنفس جائز ہے، حضرت امام شافعیؒ کا ضعیف قول یہ ہے، کہ کفالت بالنفس جائز نہیں ہے لیکن ان کا مشہور و معروف مذہب احناف کے مذہب کے موافق ہے جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں تحریر فرمایا ہے۔ (عینی ۳/ ۲۲۸)

والمضمون الخ: سے صاحب قدوری کفالت بالنفس کی تعریف بیان کرنا چاہتے ہیں، کفالت بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں شخص عدالت میں مقدمہ کے لئے مطلوب ہے اس کو ابھی چھوڑ دیں میں اس کو مقررہ وقت پر عدالت میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں کیوں کہ وہ اس کی ذات اور نفس کو حاضر کرنے کا ذمہ دار بنا اس لیے اس کو کفالت بالنفس کہتے ہیں۔

(۲/۱۳۸۶) وَتَنْعَقِدُ اِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِنَفْسِ فُلَانٍ اَوْ بِرَقَبَتِه اَوْ بِرُوْحِه اَوْ بِجَسَدِه اَوْ بِرَأسِه اَوْ بِنِصْفِه اَوْ

بثلثه.

ترجمہ: اور کفالت بالنفس منعقد ہو جاتی ہے جب کہ کفیل نے کہا کہ میں فلاں کی جان کا کفیل بنا یا اس کی گردن کا یا اس کی روح یا اس کے جسم یا اس کے سر یا اس کے آدھے یا اس کے تہائی کا۔

کفالت بالنفس اور اس کے احکام

تشریح: اس عبارت میں ان الفاظ کو ذکر کر رہے ہیں جن سے کفالت بالنفس ثابت ہو جائے گی، اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جن الفاظ سے پورا انسان مراد ہوتا ہو خواہ حقیقۃً جیسے نفس، روح، جسم ان سے پورا انسان مراد ہے خواہ عرفاً جیسے گردن بولنے سے پورا انسان مراد لیتے ہیں ایسے ہی سر، چہرہ ہے، آدھا اور تہائی کا لفظ پورے انسان میں شائع ہے اس لیے ان سے بھی پورا انسان مراد ہوگا، تو ان تمام الفاظ سے کفالت بالنفس ثابت ہو جائے گی۔

(۴/۱۳۸۷) وَ كَذَالِكَ اِنْ ضَمِنْتُهُ اَوْ هُوَ عَلَيَّ اَوْ اِلَيَّ اَوْ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ اَوْ قَبِيْلٌ بِهٖ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں اس کا ضامن ہوں یا وہ میرے اوپر ہے، یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار ہوں یا میں اس کا کفیل ہوں۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ ضمنته کہنے سے بھی کفالت منعقد ہو جائے گی کیوں کہ لفظ ضمان ادا کرنے سے عقد کفالہ کے حکم کی صراحت ہوگئی اس لیے کفالہ منعقد ہو جائے گا، ایسے ہی لفظ 'علی' بھی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آتا ہے اور "اِلَيَّ" کا لفظ بھی ذمہ داری اور کفالت کے لئے استعمال ہوتا ہے، "زعیم" کا لفظ کفیل کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے لئے قرآن کی آیت گذر چکی ہے اور قبیل کے معنی کفیل کے آتے ہیں اسی سے قبالہ آتا ہے چیک کے معنی میں اور انسان جو کچھ چیک میں لکھتا ہے وہ سب اپنے اوپر لازم کرتا ہے اور اپنے اوپر لازم کرنے والے کو ہی کفیل کہتے ہیں، اس لیے انا قبیل، انا کفیل کے معنی میں ہوگا۔

(۴/۱۳۸۸) فَاِنْ شُرِطَ فِي الْكَفَالَةِ تَسْلِيْمُ الْمَكْفُوْلِ بِهٖ فِيْ وَقْتٍ بِعَيْنِهٖ لَزِمَهُ اِحْضَارُهُ اِذَا طَالَبَهُ بِهٖ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ فَاِنْ اَحْضَرَهُ وَاِلَّا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ.

ترجمہ: پھر اگر شرط لگائی گئی مکفول بہ کو سپرد کرنے کی وقت معین میں تو کفیل پر مکفول بہ کو حاضر کرنا لازم ہوگا جب کہ مطالبہ کرے مکفول لہ اس وقت میں کفیل سے اگر وہ حاضر کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم کفیل کو قید کر لے۔

تشریح: اگر کفالت بالنفس میں یہ شرط لگائی گئی کہ مکفول بہ کو متعین وقت میں حاضر کرے گا تو کفیل پر اس معین وقت میں مکفول بہ کو سپرد کرنا لازم ہوگا، بشرطیکہ مکفول لہ کفیل سے اس وقت میں مطالبہ کرے، اگر اس نے حوالہ

کردیا تو بہتر ہے کفیل بری الذمہ ہو جائے گا، اور اگر کفیل مکفول بہ کو حاضر نہ کر سکا تو حاکم پہلی ہی مرتبہ میں کفیل کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈالنے کا حکم نہ کرے کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ کفیل کو یہی معلوم نہ ہو کہ مجھ کو کیوں بلایا گیا ہے، اس لیے اگر کئی مرتبہ مطالبہ کے بعد بھی مکفول بہ کو حاضر نہ کیا اور مکفول بہ زندہ ہے تو اب حاکم کفیل کو قید میں ڈال دے گا۔

(۱۳۸۹/۵) وَاِذَا اَحْضَرَهٗ وَسَلَّمَهٗ فِیْ مَکَانٍ یَقْدِرُ الْمَکْفُوْلُ لَهٗ عَلٰی مُحَاکَمَتِهٖ بَرِئَ الْکَفِیْلُ مِنَ الْکَفَالَةِ.

ترجمہ: اور اگر کفیل نے اس کو لا کر ایسی جگہ سپرد کیا، جہاں مکفول لہ اس سے جھگڑ سکتا ہے تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔

تشریح: اگر کفیل نے مکفول بہ کو لا کر ایسی جگہ مکفول لہ کے حوالہ کر دیا جہاں مکفول لہ اس کے ساتھ فیصلہ کرانے پر قادر ہو مثلاً شہر کے اندر سپرد کیا تو کفیل بری ہو جائے گا خواہ مکفول لہ اس کو قبول کرے یا نہ کرے، کیوں کہ کفالہ کا مقصد یہ ہے کہ ایسی جگہ مکفول بہ حاضر کر دے جہاں مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکے اور کفیل نے ایسی ہی جگہ سپرد کر دیا اس لیے کفیل بری ہو جائے گا۔

فائدہ: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفیل کا مکفول بہ کو اس شہر میں سپرد کرنا معتبر ہوگا جس شہر میں وہ کفیل بنا تھا اور امام صاحب کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے بلکہ جس شہر میں بھی سپرد کر دے، معتبر ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۲۳۱) اس مسئلہ میں صاحبین کا قول مفتی بہ ہے۔ (شامی ۴/۳۵۶)

(۱۳۹۰/۶) وَاِذَا تَکَفَّلَ عَلٰی اَنْ یُسَلِّمَهٗ فِیْ مَجْلِسِ الْقَاضِیْ فَسَلَّمَهٗ فِی السُّوْقِ بَرِئَ.

ترجمہ: اور اگر کفیل ہوا اس شرط پر کہ مکفول بہ کو سپرد کرے گا قاضی کی مجلس میں پھر سپرد کر دیا اس کو بازار میں تب بھی بری ہو جائے گا۔

مکفول بہ کو مجلس قضاء میں سپرد کرنا

تشریح: اگر کوئی شخص اس شرط پر کفیل ہوا کہ میں مکفول بنفسہ کو قاضی کی مجلس میں سپرد کر دوں گا تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ کفیل کے لئے اس شرط کی پابندی لازم نہیں ہے، بلکہ اگر وہ بازار میں بھی مکفول بہ کو مکفول لہ کے حوالہ کر دے گا تو ذمہ داری سے بری ہو جائے گا، کیوں کہ مکفول لہ اس کو قاضی کے پاس لے جا کر محاکمہ کر سکتا ہے، مگر امام زفر نے فساد زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ ایسی صورت میں محاسبہ کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے بازار میں سپرد کرنے سے کفیل اپنی ذمہ داری سے بری نہ ہوگا فتویٰ امام زفر کے قول پر ہی ہے۔ (شامی ۴/۳۵۷، البحر الرائق ۶/۲۲۹، تبیین الحقائق

۱۴۹/۴)

(۱۳۹۱/۷) وَاِنْ كَانَ فِيْ بَرِيَّةٍ لَمْ يَبْرَأْ.

ترجمہ: اور اگر سپرد کیا جنگل میں تو بری نہیں ہوگا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفیل نے مکفول بہ کو کسی میدان اور جنگل میں مکفول لہ کے حوالہ کر دیا تو بالاتفاق کفیل کفالہ سے بری نہ ہوگا، کیوں کہ ایسی غیر آباد جگہ میں مکفول لہ مکفول بہ کے ساتھ مخاصمت نہیں کر سکتا اس لیے کفیل کفالہ سے بری نہیں ہوگا۔

(۱۳۹۲/۸) وَاِذَا مَاتَ الْمَكْفُوْلُ بِهٖ بَرِئَ الْكَفِيْلُ بِالنَّفْسِ مِنَ الْكَفَالَةِ.

ترجمہ: اور جب مر جائے مکفول بہ تو بری ہو جاتا ہے کفیل بالنفس کفالت سے۔

تشریح: کفیل نے مجرم کو حاضر کرنے کی ذمہ داری لی تھی لیکن خود مجرم کا انتقال ہو گیا تو کفیل کفالہ بالنفس سے بری ہو جائے گا اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں اور امام شافعیؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

دلیل: مر جانے کی وجہ سے اصیل یعنی مکفول بہ پر حاضر ہونا ساقط ہو گیا لہٰذا کفیل سے بھی حاضر کرنا ساقط ہو جائے گا۔ (اللباب ۲/۷۸)

(۱۳۹۳/۹) وَاِنْ تَكَفَّلَ بِنَفْسِهٖ عَلٰى اَنَّهٗ اِنْ لَمْ يُوَافِ بِهٖ فِيْ وَقْتِ كَذَا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا عَلَيْهِ وَهُوَ اَلْفٌ فَلَمْ يُحْضِرْهُ فِي الْوَقْتِ لَزِمَهٗ ضَمَانُ الْمَالِ وَلَمْ يَبْرَاْ مِنَ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ.

حل لغات: لم یواف: پورا نہیں کیا وقت پر حاضر نہیں کیا مصدر موافاۃ پورا کرنا۔

ترجمہ: اور اگر کفیل بالنفس ہوا کسی کا اس طرح کہ اگر میں نے اس کو فلاں وقت حاضر نہ کیا تو میں ضامن ہوں اس مال کا جو اس پر ہے اور وہ ایک ہزار ہے پھر اس وقت میں حاضر نہ کیا تو کفیل پر مال کا تاوان لازم ہوگا اور کفالہ بالنفس سے بری نہ ہوگا۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کی ذات کی ضمانت لی اور یہ کہا کہ اگر فلاں وقت میں فلاں کو حاضر نہ کر سکا تو جتنا قرض اس پر ہے (مثلاً ایک ہزار) میں اس کا ذمہ دار ہوں اتفاق کی بات کہ کفیل مکفول بہ کو حاضر نہ کر سکا تو کفیل مکفول لہ کے لئے ایک ہزار روپیہ کا ضامن ہوگا مگر اس کے باوجود کفالہ بالنفس جو حاضر کرنا تھا وہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔

اس عبارت میں دو قسم کا کفالہ ہے (۱) ان لم یواف فی وقت کذا سے کفالہ بالنفس ہوا (۲) اور ضامن لما علیہ سے کفالہ بالمال ہوا یعنی یہاں دو مسئلہ قابل ذکر ہیں۔

ایک تو یہ کہ کفالہ بالمال درست ہے دوم یہ کہ ضمان ادا کرنے کے باوجود کفالہ بالنفس باطل نہ ہوگا، پہلے مسئلہ کی

دلیل یہ ہے کہ کفالہ بالمال کو، حاضر نہ کرنے کی شرط پر معلق کیا گیا ہے اور یہاں شرط پائی گئی تو کفیل پر مال کا ضمان ادا کرنا لازم ہوگا، دوسرے مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ بالمال اور کفالہ بالنفس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیوں کہ دونوں کا مقصد ایک ہے جب دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں یعنی ایک آدمی کفیل بالنفس اور کفیل بالمال دونوں ہو سکتا ہے تو کفالہ بالمال کفالہ بالنفس کو باطل نہیں کرے گا، لہٰذا ضمان ادا کرنے کے باوجود کفالہ بالنفس سے بری نہیں ہوگا۔

(۱۳۹۴/۱۰) وَلَاتَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بالنَّفس فِي الْحُدُوْدِ وَالقِصَاص عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ.

ترجمہ: اور کفالہ بالنفس جائز نہیں ہے حدود اور قصاص میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: صاحب قدوریؒ کی مراد یہ ہے کہ جس شخص پر حد یا قصاص کا دعویٰ کیا گیا اگر اس سے مدعی نے کفیل بنفسہ کا مطالبہ کیا یعنی ایک ایسے کفیل کا مطالبہ کیا جو اس پر حد ثابت کرانے کے لئے اس کو مجلس قاضی میں حاضر کرنے کا ضامن ہو مگر اس نے کفیل دینے سے انکار کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک اس کو کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اب صاحب قدوری کی عبارت لاتجوز الكفالة بالنفس، لايجوز اجبار الكفالة کے معنی میں ہوگی یعنی جس پر حد یا قصاص واجب ہے اس کو کفیل دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

دلیل: ان النبیؐ قَالَ لَاكَفَالَةَ فِيْ حَدٍّ، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی حد میں کفالہ نہیں ہے، اور یہ حدیث مطلق ہے نہ اس میں ان حدود کا ذکر ہے جو خالص اللہ کا حق ہیں جیسے حد زنا اور حد شرب خمر اور نہ ان حدود کا ذکر ہے جن میں بندوں کا حق ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ حدود میں بلا تفصیل کفالہ نہیں ہے خواہ حد قذف ہو یا قصاص ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ جس شخص پر حد قذف (تہمت کی حد) کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کو کفیل دینے پر مجبور کیا جائیگا یعنی یہ شخص اگر کفیل دینے سے انکار کر دے تو اس کو کفیل بنفسہ دینے پر مجبور کرنا جائز ہے، ایسے ہی قصاص میں بھی قاتل کو کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

دلیل: حد قذف میں بندے کا حق ہے، یعنی اپنے اوپر سے شرم دور کرنے کے لئے تہمت لگانے والے کو کفیل بنفسہ دینے پر مجبور کیا جائے گا، جیسا کہ دوسرے حقوق میں مجبور کیا جاتا ہے اور قصاص میں چوں کہ بندے کا حق غالب ہے اور حقوق العباد ثابت کرنے کے لئے مدعی علیہ کو کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، امام صاحب فرماتے ہیں لا كفالة فى حد مطلق ہے کمامر مفصلاً۔

(۱۳۹۵/۱۱) وَاَمَّا الْكَفَالَةُ بِالْمَالِ فَجَائِزَةٌ مَعْلُوْماً كَانَ الْمَكْفُوْلُ بِه اَوْ مَجْهُوْلاً اذا كَانَ دَيْناً صَحِيْحاً مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ تَكَفَّلْتُ عَنْهُ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَوْ بِمَالَكَ عَلَيْهِ اَوْ بِمَا يُدْرِكُكَ فِيْ هٰذَا الْبَيْعِ.

حل لغات: يدركك: مصدر ادراک باب افعال سے لاحق ہونا مادہ 'دَرْكٌ' جو آپ پر آئے۔

ترجمہ: بہرحال کفالت بالمال سو وہ جائز ہے مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول ہو جب کہ وہ دین صحیح ہو مثلاً یہ کہے میں اس کی جانب سے ہزار درہم کا کفیل ہو گیا یا اس مال کا جو تیرا اس کے ذمہ ہے یا اس مال کا جو کچھ تجھ کو اس بیع میں پڑے۔

تشریح: صاحب قدوری نے ماقبل میں کفالہ کی دو قسمیں بیان کی تھیں (۱) کفالہ بالنفس (۲) کفالہ بالمال، کفالہ بالنفس کے تمام احکام سے فراغت کے بعد اب کفالہ بالمال کا ذکر کر رہے ہیں۔

کفالہ بالمال کی تعریف: اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی پر اتنا قرض ہے اس کو ادا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں وہ ادا نہیں کرے گا تو میں اس قرض کو ادا کروں گا، کیوں کہ مال ادا کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے اس لیے اس کو کفالہ بالمال کہتے ہیں۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کفالہ بالمال جائز ہے مال مجہول ہو یا معلوم ہو دونوں صورتیں درست ہیں، معلوم کی صورت یہ ہے کہ کفیل یوں کہے میں ہزار درہم کا ذمہ دار ہوں اور مجہول کی صورت یہ ہے کہ یہ کہے میں فلاں کی جانب سے اس مال کا وکیل ہوں جو تیرا اس پر واجب ہے یا یہ کہے میں اس چیز کا کفیل ہوں جو تجھ کو اس بیع میں لاحق ہو یعنی کفیل نے مشتری سے یہ کہا کہ تو فلاں آدمی سے فلاں چیز خرید لے اور جو کچھ ثمن وغیرہ تجھ کو اس بیع میں لاحق ہوگا اس کا ذمہ دار میں ہوں اب کتنا آئے گا اس کی مقدار معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفالہ صحیح ہے، کیوں کہ سابق میں آیت گزر چکی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم ایک اونٹ بوجھ کے کفیل بنے تھے اور اونٹ کے بوجھ کی مقدار معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفیل بننا درست تھا، اس سے معلوم ہوا کہ مجہول مال کا کفیل بننا درست ہے۔

صاحب کتاب نے کفالہ کے جائز ہونے کی شرط یہ بیان کی ہے کہ دین صحیح ہو، اور دین صحیح کا مطلب یہ ہے کہ بدل کتابت نہ ہو، کیوں کہ صحیح دین وہ ہے جس کا بندوں کی جانب سے اپنا حق وصول کرنے کے لئے مطالبہ کیا جائے اور مقروض سے اس کو ساقط نہ کیا جا سکتا ہو مگر یہ کہ مقروض اس کو ادا کر دے یا قرض خواہ مقروض کو بری کر دے اور معاف کر دے اور رہا بدل کتابت تو وہ ان دونوں صورتوں کے بغیر بھی ساقط ہو جاتا ہے مثلاً مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے اپنے آپ کو عاجز کر دے لہٰذا بدل کتابت دین صحیح میں داخل نہیں ہے، اور خریدی ہوئی چیزوں کی قیمت، قرض، مہر ہلاک کردہ اموال کی قیمت جنایات کا تاوان دین صحیح میں داخل ہیں۔

(۱۲/۱۳۹۶) وَالْمَكْفُوْلُ لَهُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ طَالَبَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْاَصْلُ وَاِنْ شَاءَ طَالَبَ الْكَفِيْلَ.

ترجمہ: اور مکفول لہ کو اختیار ہے کہ اگر چاہے اس سے طلب کرے جس پر اصل روپیہ ہے اور اگر چاہے کفیل سے طلب کرے۔

تشریح: جب کفالت بالمال اپنی پوری شرطوں کے ساتھ منعقد ہو جائے تو مکفول لہ کو اختیار ہے کہ مال کا

مطالبہ اصیل یعنی مقروض سے کرے اور اگر چاہے تو کفیل سے کرے یا بیک وقت دونوں سے کرے، کیوں کہ کفالہ کی اصطلاحی تعریف میں گزر چکا ہے کہ مطالبہ میں ایک کی ذمہ داری دوسرے کی ذمہ داری سے وابستہ ہو جاتی ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ قرض اصیل کے ذمہ باقی رہے نہ یہ کہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے۔

(۱۳/۱۳۹۷) وَيَجُوْزُ تَعْلِيْقُ الْكَفَالَةِ بِالشُّرُوْطِ مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ مَا بَايَعْتَ فُلَانًا فَعَلَيَّ اَوْ مَاذَابَ لَكَ عَلَيْهِ فَعَلَيَّ اَوْ مَاغَصَبَكَ فُلَانًا فَعَلَيَّ.

لغت: ذاب: ماضی باب (ن) ذَوباً ثابت ہونا، واجب ہونا، ذاب لك عليه جو کچھ آپ کے ذمہ ہو۔

ترجمہ: اور جائز ہے کفالہ کو معلق کرنا شرطوں کے ساتھ مثلاً یہ کہے کہ جو تو فلاں کے ہاتھ بیچے وہ مجھ پر ہے یا جو تیرا اس کے ذمہ واجب ہو وہ مجھ پر ہے یا تیری جو چیز فلاں غصب کرے وہ مجھ پر ہے۔

تشریح: کفالت جس طرح بغیر شرط کے جائز ہے اسی طرح کسی ایسی شرط پر معلق کرنا جو کفالت کے مناسب ہو جائز ہے مثلاً یہ کہا کہ اگر تو نے فلاں آدمی سے خرید وفروخت کی تو میں اس کا ذمہ دار ہوں یا یہ کہا اگر تیرا اس پر کچھ واجب ہوا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں یا یہ کہا کہ اگر فلاں آدمی نے تیرا کچھ مال غصب کیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

دلیل: ماقبل میں آیت گذری ہے ولمن جاء به الخ اس آیت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم شرط پر معلق کر کے کفیل بنے تھے یعنی اگر کوئی شخص اس کٹورے کو لائے گا تو میں اس کے واسطے کفیل ہوں گا اور اگر نہیں لائے گا تو میں اس کے واسطے کفیل نہ بنوں گا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفالت کو شرط پر معلق کرنا درست ہے۔

نوٹ: جو شرط کفالہ کے مناسب نہ ہو اس شرط پر کفالت کو معلق کرنا درست نہیں ہے، مثلاً ایک آدمی نے کہا کہ اگر آندھی چلی تو میں کفیل ہوں اگر بارش ہوئی تو میں کفیل ہوں، ان شرطوں پر کفالہ کو معلق کرنا درست نہیں ہے۔

(۱۴/۱۳۹۸) وَاِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِمَالَكَ عَلَيْهِ فَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ بِاَلْفٍ عَلَيْهِ ضَمِنَهُ الْكَفِيْلُ وَاِنْ لَمْ تَقُمِ الْبَيِّنَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْكَفِيْلِ مَعَ يَمِيْنِهِ فِي مِقْدَارِ مَايَعْتَرِفُ بِهِ فَاِنْ اعْتَرَفَ الْمَكْفُوْلُ عَنْهُ بِاَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ لَمْ يُصَدَّقْ عَلٰى كَفِيْلِهِ.

ترجمہ: اگر کہا میں کفیل ہوں اس کا جو کچھ تیرا اس پر ہے پھر گواہ قائم ہوئے کہ اس پر ایک ہزار ہیں تو کفیل اس کا ضامن ہوگا اور اگر گواہ قائم نہ ہو سکے تو کفیل کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اس چیز کی مقدار میں جس کا وہ اقرار کرے پھر اگر مکفول عنہ اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو تصدیق نہیں کی جائے گی اس کے کفیل پر۔

تشریح: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ تیرا جو مطالبہ اس پر ہے میں اس کا ضامن ہوں مکفول بہ مجہول ہے مگر اس کے باوجود ذمہ دار بن گیا، پھر گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو گیا کہ مکفول عنہ پر مکفول لہ کے ایک ہزار درہم ہیں تو ذمہ داری کے مطابق کفیل پر ایک ہزار ادا کرنا لازم ہو جائے گا، کیوں کہ گواہ پیش کر کے ثابت کرنا ایسا ہے جیسے پہلے

سے ثابت شدہ ہو، اور کفیل اگر اس مقدار کا مشاہدہ کر لیتا جو مکفول عنہ پر واجب ہے اور اس کا کفیل ہو جاتا تو اس پر وہ مقدار لازم ہو جاتی جو مکفول عنہ پر ہے اسی طرح جب گواہوں سے ایک مقدار ثابت ہوگئی تو اس کا کفیل بننا بھی درست ہے اور مقدار پر گواہ قائم نہ ہو سکے اور مکفول لہ اور کفیل میں مقدار کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا تو پھر کفیل جتنا کہتا ہے اس کی بات مانی جائے گی اس کی قسم کے ساتھ، کیوں کہ مکفول لہ مدعی ہے اور کفیل مدعی علیہ اور منکر ہے اور زیادتی کا دعویٰ کرنے والے کے پاس گواہ موجود نہ ہونے کی صورت میں منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے اس لیے کفیل پر قسم واجب ہے اور اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

آگے فرماتے ہیں کہ مثلاً کفیل نے قسم کھا کر پانچ ہزار کا اقرار کیا لیکن مقروض (مکفول عنہ) نے چھ ہزار کا اقرار کیا تو مکفول عنہ کی بات کفیل کے مقابلہ میں معتبر نہ ہوگی ہاں خود اپنے اوپر یہ اقرار کرے تو درست ہے اور ایک ہزار اپنی جیب سے دے۔

کفیل کے حق میں اس لیے تصدیق نہ ہوگی کہ مکفول عنہ کا یہ اقرار غیر پر ہے اور غیر پر اسے کوئی ولایت حاصل نہیں ہے اس لیے دوسروں کے خلاف یہ اقرار قابل قبول نہیں ہے۔

(۱۵/۱۳۹۹) وَيَجُوزُ الْكَفَالَةُ بِأَمْرِ الْمَكْفُوْلِ عَنْهُ وَبِغَيْرِ أَمْرِهِ.

ترجمہ: اور جائز ہے کفالت مکفول عنہ کے حکم سے اور بغیر اس کے حکم کے بھی۔

تشریح: کفالت مکفول عنہ کے حکم سے بھی جائز ہے اور بغیر حکم کے بھی یعنی اگر مکفول عنہ نے کسی کو حکم دیا کہ تم میری طرف سے ضامن بن جاؤ تو یہ جائز ہے، اور اگر بغیر حکم کے کوئی خود بخود ضامن ہو گیا تو بھی جائز ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، کفیل ضامن ہے اس حدیث کا عموم، کفالہ بامرہ اور بغیر امرہ دونوں کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

(۱۶/۱۴۰۰) فَإِنْ كَفَلَ بِأَمْرِهِ رَجَعَ بِمَا يُؤَدِّىْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: پھر اگر کفیل بنے مکفول عنہ کے حکم سے تو لے لے وہ اس سے جو کچھ اس پر ادا کرے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفیل مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا تھا تو کفیل نے جتنی رقم مکفول لہ کو دی ہے اتنی رقم مکفول عنہ سے وصول کرے گا کیوں کہ کفیل نے اپنے غیر کا قرضہ اس کے حکم سے ادا کیا ہے اور جو شخص دوسرے کا قرضہ اس کے حکم سے ادا کرے تو اس کو ادا کیا ہوا قرضہ واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے اس لیے کفیل مکفول عنہ سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

(۱۷/۱۴۰۱) وَإِنْ كَفَلَ بِغَيْرِ أَمْرِهِ لَمْ يَرْجِعْ بِمَا يُؤَدِّىْ.

ترجمہ: اور اگر کفیل ہوا اس کے حکم کے بغیر تو نہیں لے سکتا وہ جو ادا کیا ہو۔

تشریح: اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفالت کی تو کفیل مکفول عنہ کی جانب سے جو کچھ ادا کرے گا اس کو مکفول عنہ سے واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔

دلیل: مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہے تو قرض ادا کرنے میں مکفول عنہ پر احسان کرنے والا ہے اور احسان کرنے والا اپنا احسان واپس لینے کا شرعاً مجاز نہیں ہوتا۔

(۱۴۰۲/۱۸) وَلَيْسَ لِلْكَفِيْلِ اَنْ يُطَالِبَ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ بِالْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُؤَدِّىَ عَنْهُ.

ترجمہ: اور حق نہیں ہے کفیل کے لئے کہ مطالبہ کرے مکفول عنہ سے مال کا اس کی طرف سے ادا کرنے سے پہلے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جب تک کفیل مکفول عنہ کی طرف سے قرض ادا نہ کرے اس وقت تک قانونی طور پر مکفول عنہ سے مال کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا ہاں مکفول عنہ اپنی مرضی سے کفیل کو رقم دے دے تو جائز ہے۔

دلیل: کفیل کو مکفول عنہ سے رجوع کرنے کا اختیار اس وقت ہوتا ہے جب کفیل قرضہ کا مالک ہو جائے اور ادائیگی سے قبل کفیل قرض کا مالک نہیں ہوتا تو ادا کرنے سے پہلے کفیل کو مکفول عنہ سے قرض کا مال لینے کا اختیار بھی نہ ہوگا۔

(۱۴۰۳/۱۹) فَاِنْ لُوْزِمَ بِالْمَالِ كَانَ لَهٗ اَنْ يُلَازِمَ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ حَتّٰى يُخَلِّصَهٗ.

حل لغات: لوزم: ماضی مجہول مصدر مُلازمةً چمٹے رہنا اور جدا نہ ہونا، یخلص: مضارع مصدر تخلیص، چھٹکارا دلانا۔

ترجمہ: اگر پیچھا کیا گیا کفیل کا مال کی وجہ سے تو اس کے لئے حق ہے کہ وہ پیچھا کرے مکفول عنہ کا یہاں تک کہ وہ اس کو چھڑا دے۔

تشریح: اگر مکفول لہ اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے ہر وقت کفیل سے چمٹا رہتا ہے تو کفیل کو بھی مکفول عنہ کے ساتھ اتنا ہی حق حاصل ہے یعنی وہ بھی مکفول عنہ کا پیچھا کرے یہاں تک کہ مکفول عنہ کفیل کا دامن چھڑا دے یعنی مکفول عنہ قرضہ ادا کردے کیوں کہ مکفول عنہ ہی نے کفیل کو اس پریشانی میں مبتلا کیا ہے لہٰذا اس سے نجات دلانا بھی مکفول عنہ ہی پر واجب ہوگا، اور اگر مکفول لہ نے اپنے قرض کی وجہ سے کفیل کو قید کرا دیا تو کفیل کو بھی اختیار ہے کہ وہ مکفول عنہ کو قید کرا دے، اور اگر مکفول عنہ کفیل کو چھٹکارا نہ دلا سکا تو کفیل کو مکفول عنہ کے ساتھ وہی معاملہ کرنے کا اختیار ہوگا جو معاملہ مکفول لہ کفیل کے ساتھ کرے گا۔

(۲۰/۱۲۰۴) وَاِذَا اَبْرَأَ الطَّالِبُ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ اَوِ اسْتَوْفیٰ مِنْهُ بَرِئَ الْكَفِيْلُ.

لغت: استوفی: ماضی مصدر استیفاءٌ وصول کرنا۔

ترجمہ: اور جب بری کر دیا طالب نے مکفول عنہ کو یا اس سے وصول کرلیا تو کفیل بری ہو جائے گا۔

تشریح: اگر مکفول لہ نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا مکفول لہ نے مکفول عنہ سے اپنے مطالبات کو وصول کرلیا تو ان دونوں صورتوں میں کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا، کیوں کہ قرض تو اصل میں مکفول عنہ پر ہے کفیل تو فرع ہے تو جب اصل پر ہی قرضہ نہ رہا تو کفیل جو فرع ہے اس پر بھی قرضہ نہ رہے گا۔

(۲۱/۱۲۰۵) وَاِنْ اَبْرَأَ الْكَفِيْلَ لَمْ يَبْرَأِ الْمَكْفُوْلُ عَنْهُ.

ترجمہ: اور اگر بری کر دے کفیل کو تو مکفول عنہ بری نہ ہوگا۔

تشریح: مکفول لہ نے کفیل کو صرف کفالت سے بری کر دیا کہ اب میں آپ سے قرض کا مطالبہ نہیں کروں گا تو مکفول عنہ مطالبہ سے بری نہ ہوگا بلکہ اس پر قرض باقی رہے گا، کیوں کہ کفیل تو مکفول عنہ کا تابع ہے لیکن مکفول عنہ تابع نہیں ہے اگر کفیل کو بری کرنے سے اصیل بھی بری ہو جائے تو اصیل کا اپنے تابع کا تابع ہونا لازم آئے گا جو قلب موضوع ہے۔

(۲۲/۱۲۰۶) وَلَا يَجُوْزُ تَعْلِيْقُ الْبَرَاءَةِ مِنَ الْكَفَالَةِ بِشَرْطٍ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے کفالہ سے بری کرنے کو معلق کرنا شرط کے ساتھ۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مکفول لہ کفیل کو کسی شرط پر معلق کر کے بری کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر کل کا دن آ گیا تو تم ذمہ داری سے بری ہو۔

دلیل: کفالہ سے بری کرنا گویا کہ مالک بنانا ہے اس طریقہ سے کہ کفالہ کی وجہ سے مکفول لہ کفیل سے مطالبہ کرنے کا مالک تھا لیکن جب کفیل کو بری کر دیا گیا تو گویا کفیل کو مطالبہ (قرض) کا مالک کر دیا اور مالک کرنے کو شرط پر معلق کرنا نا جائز ہے، لیکن اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ برأت کو شرط پر معلق کرنا درست ہے۔

دلیل: صحیح قول کے مطابق کفیل پر مطالبہ لازم ہوتا ہے قرضہ لازم نہیں ہوتا تو کفالت سے بری کرنا مالک بنانا نہیں ہے بلکہ مطالبہ ساقط کرنا ہے اس لیے کفالہ سے بری کرنے کو کسی مناسب شرط پر معلق کرنا جائز ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے، اور کتاب میں جو حکم مذکور ہے وہ شرط غیر مناسب کے بارے میں ہے۔ (اللباب ۲/۸۰ عینی شرح کنز ص: ۲/۷۴)

(۲۳/۱۲۰۷) وَكُلُّ حَقٍّ لَايُمْكِنُ اسْتِيْفَاءُهٗ مِنَ الْكَفِيْلِ لَاتَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِهٖ كَالْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ.

ترجمه: اور ہر وہ حق جس کا وصول کرنا کفیل سے ممکن نہ ہو اس کی کفالت صحیح نہیں ہے جیسے حدود اور قصاص۔

تشریح: صاحب قدوری نے یہاں پر ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ حق جس کا کفیل سے حاصل کرنا شرعاً صحیح نہ ہو اس کا کفیل بننا بھی صحیح نہیں ہے، مثلاً زید نے کہا کہ اگر عمرو نے حد زنا کو نہ دیا تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں وہ حد مجھ پر جاری کریں یا عمرو نے قصاص نہ دیا تو میں اس کی طرف سے کفیل بنتا ہوں کہ مجھ سے قصاص لو تو اس طرح کفیل بننا درست نہیں ہے۔

دلیل: ایسے جرم کا ارتکاب جس کی وجہ سے حد یا قصاص واجب ہو کفیل نے نہیں کیا ہے تو کفیل پر اصالۃً حد یا قصاص کیسے واجب ہو سکتا ہے اور کفیل پر نیابۃً بھی واجب نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ سزا کا مقصد مجرم کو جرم سے روکنا ہے اور نائب کو سزا دینے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اب ثابت ہوا کہ نفس حد اور نفس قصاص کا کفیل ہونا بھی درست نہیں ہے۔

تنبیہ: مسئلہ (۱۰) میں تھا کہ حدود اور قصاص میں کفالہ بالنفس لینے کے لئے مجبور کرنا صحیح نہیں ہے اور یہاں ہے کہ خود حد اور قصاص کا کفیل بننا درست نہیں ہے اس لیے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

(۲۴/۱۴۰۸) وَإِذَا تَكَفَّلَ عَنِ الْمُشْتَرِیْ بِالثَّمَنِ جَازَ.

ترجمه: اور اگر کفیل ہوا مشتری کی جانب سے ثمن کا تو جائز ہے۔

تشریح: کفیل نے بائع سے یہ کہا کہ مبیع مشتری کو دے دو اگر اس نے قیمت نہیں دی تو میں دوں گا تو اس طرح کفیل بننا درست ہے، کیوں کہ ثمن دین صحیح ہے اور کفیل سے اس کا وصول کرنا بھی ممکن ہے لہٰذا اس طرح کا کفالہ بھی صحیح ہوگا۔

(۲۵/۱۴۰۹) وَإِنْ تَكَفَّلَ عَنِ الْبَائِعِ بِالْمَبِيْعِ لَمْ تَصِحَّ.

ترجمه: اور اگر کفیل بنے بائع کی جانب سے مبیع کا تو صحیح نہیں ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص اس طرح کفیل بنے کہ میں بائع پر زور دوں گا کہ وہ مبیع آپ کے حوالہ ضرور کرے تب تو کفیل بننا صحیح ہے، اور اگر اس طرح کفیل بنے کہ اگر وہ مبیع نہیں دے گا تو میں اپنی جانب سے دے دوں گا تو ایسا کفیل بننا صحیح نہیں ہے چوں کہ بعض حالات میں اس کا ضمان بائع پر باقی نہیں رہتا، مثلاً بائع کے قبضہ میں ثمن پر قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہو جائے تو بائع کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوتا، اس وجہ سے یہ جب بائع سے جو کہ اصل ہے ساقط ہو سکتی ہے تو ناقص مطالبہ ہوا اس میں کفالت معتبر نہ ہوگی۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۲۷۸)

(۲۶/۱۴۱۰) وَمَنِ اسْتَأْجَرَ دَابَّةً لِلْحَمْلِ فَإِنْ كَانَتْ بِعَيْنِهَا لَمْ تَصِحَّ الْكَفَالَةُ بِالْحَمْلِ.

حل لغات: دابة: چوپایہ سواری، الحمل لادنا، باربرداری۔

ترجمہ: کسی نے اجرت پر لی سواری لادنے کے لئے پس اگر جانور معین ہو تو بار برداری کی کفالت صحیح نہیں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے ایک متعین جانور بار برداری کے واسطے کرایہ پر لیا کہ اس جانور پر لادنا ہے اور ایک آدمی کرایہ پر لینے والے کے لئے اسی معین جانور پر بار برداری کا کفیل ہوگیا کہ اگر اس نے سواری نہیں دی تو میں اپنی سواری پر لاد کر پہنچانے کا ذمہ دار ہوں تو اس طرح ذمہ داری لینا باطل ہے کیوں کہ سواری متعین ہے سواری کے ہلاک ہونے کی صورت میں کفیل کو یہ ولایت حاصل نہیں ہے کہ بار برداری کے لئے دوسرے جانور کو کام میں لائے گویا کہ کفیل اس معینہ جانور پر بار برداری کرنے سے عاجز ہے اور کفیل جس کام کے کرنے سے عاجز ہو اس کا کفالہ درست نہیں ہوتا۔

(۱۴۱۱/۲۷) وَاِنْ كَانَتْ بِغَيْرِ عَيْنِهَا جَازَتِ الْكَفَالَةُ.

ترجمہ: اور اگر سواری غیر متعین ہو تو کفالت صحیح ہوگی۔

تشریح: اگر بار برداری کے لئے کرایہ پر لیا گیا جانور غیر معین ہو تو بار برداری کی کفالت درست ہے اس صورت میں اگر موجر (مکفول عنہ) نے سواری لادنے کے لئے نہیں دی تو اپنی جانب سے سواری دے سکتا ہے کیوں کہ اس کفالت کا مقصد بوجھ ہی کو پہنچانا ہے اور یہ اس طور پر ممکن ہے کہ اپنے ذاتی جانور پر لاد کر پہنچادے، کیوں کہ اس صورت میں سواری متعین نہیں ہے اس لیے کفیل بننا درست ہے۔

(۱۴۱۲/۲۸) وَلَاتَصِحُّ الْكَفَالَةُ اِلَّا بِقَبُوْلِ الْمَكْفُوْلِ لَهٗ فِيْ مَجْلِسِ الْعَقْدِ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے کفالت مگر مکفول لہ کے قبول کرنے سے مجلس عقد میں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفالہ بالمال ہو یا کفالہ بالنفس ہو دونوں میں کفالہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں کفیل بن رہا ہو اسی مجلس میں مکفول لہ نے قبول کرلیا ہو کہ ہاں میں فلاں کے کفیل بننے سے راضی ہوں تب کفالت صحیح ہوگی گویا اس عبارت میں دو شرطیں ہیں (۱) مکفول لہ کا قبول کرنا (۲) مجلس کفالت میں قبول کرے اگر مجلس سے باہر کرے تو کفالت صحیح نہ ہوگی۔

شرط (۱) کی دلیل: اب تک مکفول لہ کا واسطہ براہ راست مقروض سے تھا کفالت کے بعد اس کا واسطہ کفیل سے بھی ہوگا اور ممکن ہے کہ وہ شریر ہو اور مکفول لہ اس سے واسطہ نہ رکھنا چاہتا ہو اس لیے کفیل سے واسطہ قائم کرنے کے لئے اس کی رضامندی اور قبول کرنے کی ضرورت ہوگی اس لیے مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری ہے۔

شرط (۲) کی دلیل: عقد کفالت کفیل کے ایجاب اور مکفول لہ کے قبول سے منعقد ہوتا ہے اس لیے جب کفیل ایجاب کرے تو مکفول لہ مجلس میں قبول کرے ورنہ اس کا ایجاب ساقط ہوجائے گا، یہ پوری تفصیل طرفین کے مسلک کے مطابق ہے (الجوہرۃ النیر ۃ ۱/۳۷۸)

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکفول لہ کا مجلس کفالت میں قبول کرنا ضروری نہیں ہے، یعنی اگر مکفول لہ کفالت کی مجلس میں موجود نہ ہو تو کفالہ کا جواز اس کی اجازت پر موقوف رہے گا جس مجلس میں کفالہ کی خبر پہنچی اگر اس نے اس مجلس میں جازت دے دی تو کفالت درست ہو جائے گی اور اگر اجازت نہ دی تو کفالت درست نہ ہوگی۔

(۲۹/۱۴۱۳) اِلَّا فِیْ مَسْئَلَةٍ وَّاحِدَةٍ وَهِیَ اَنْ یَقُوْلَ الْمَرِیْضُ لِوَارِثِهٖ تَكَفَّلْ عَنِّیْ بِمَا عَلَیَّ مِنَ الدَّیْنِ فَتَكَفَّلَ بِهٖ مَعَ غَیْبَةِ الْغُرَمَاءِ جَازَ.

ترجمہ: مگر ایک مسئلہ میں اور وہ یہ ہے کہ کہے بیمار اپنے وارث سے کہ تو کفیل ہو جا میری جانب سے اس چیز کا جو میرے ذمہ قرض ہے پس کفیل ہو گیا وہ اس کا قرض خواہ کی عدم موجودگی میں تو جائز ہے۔

تشریح: ماقبل میں یہ بات مفصل آچکی ہے کہ طرفین کے نزدیک مکفول لہ کے قبول کئے بغیر کفالہ صحیح نہیں ہوتا مگر ایک مسئلہ ایسا ہے کہ جس میں کفالہ کی صحت کے لئے طرفین کے نزدیک بھی مکفول لہ کا مجلس کے اندر قبول کرنا شرط نہیں ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے وہ اپنے وارث سے کہتا ہے کہ تو میری طرف سے اس قرض کا کفیل ہو جا جو مجھ پر واجب ہے اور وہ مکفول لہ کی عدم موجودگی میں کفیل بن جائے گا تو اس صورت میں وارث کا کفیل بننا صحیح ہے۔

دلیل: مریض مقروض کا قول تَكَفَّلْ عَنِّیْ بِمَا عَلَیَّ مِنَ الدَّیْنِ وصیت کے معنی میں ہے اس کا مطلب ہے اِقْضُوْا دُیُوْنِیْ میرے قرض ادا کرو جب یہ کفالہ قرض خواہوں کو قرض ادا کرنے کے لئے وصیت ہے اور کفیل حقیقت میں وصی ہے اور وصیت صحیح ہونے کے لئے ان لوگوں کا قبول کرنا شرط نہیں ہوتا جس کے واسطے وصیت کی گئی ہو، اس لیے اس صورت میں جو کتاب میں مذکور ہے مکفول لہ کے قبول کئے بغیر بھی کفیل بننا درست ہے۔

(۳۰/۱۴۱۴) وَاِذَا كَانَ الدَّیْنُ عَلٰی اثْنَیْنِ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا كَفِیْلٌ ضَامِنٌ عَنِ الْآخَرِ فَمَا اَدَّاهُ اَحَدُهُمَا لَمْ یَرْجِعْ بِهٖ عَلٰی شَرِیْكِهٖ حَتّٰی یَزِیْدَ مَا یُؤَدِّیْهِ عَلَی النِّصْفِ فَیَرْجِعُ بِالزِّیَادَةِ.

ترجمہ: اگر قرض دو آدمیوں پر ہو اور دونوں میں سے ہر ایک کفیل اور ضامن ہو دوسرے کا تو جو کچھ ادا کرے ان میں سے ایک تو وہ وصول نہ کرے اپنے شریک سے یہاں تک زیادہ ہو جو ادا کیا آدھے سے پس زائد مقدار کو اس سے وصول کر لے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرضہ دو شخصوں پر ہو مثلاً دو آدمیوں نے مشترکہ طور پر دس ہزار روپے میں ایک بھینس خریدی یا دونوں نے کسی سے دس ہزار قرض لیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے شریک کی جانب سے کفیل ہو گیا تو یہ کفالت درست ہے اب ان میں سے جو کوئی قرضہ ادا کرے گا وہ دوسرے سے وصول کرے گا یہاں تک کہ آدھے سے زیادہ ادا نہ کر دے چناں چہ جتنا زائد ادا کرے گا اتنا دوسرے سے لے لے گا مثلاً ایک نے پانچ ہزار ادا کر دیا

تو یہ خود اس کے حصہ کا شمار ہوگا کیوں کہ آدھا قرض اصل ہے اور خود اپنے اوپر مطالبہ ہے اور کفالت فرع ہے اور فرع کا درجہ بعد میں ہوتا ہے اس لیے اس میں سے شریک سے کچھ وصول نہیں کرے گا اور اگر چھ ہزار دیا ہے تو ایک ہزار اپنے شریک سے وصول کرے گا کیوں کہ اب طے ہے کہ ایک ہزار روپے کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا کئے ہیں اس لیے اب اس سے وصول کرے گا۔

(۳۱/۱۴۱۵) وَاِذَا تَكَفَّلَ اثْنَانِ عَنْ رَجُلٍ بِالْفٍ عَلٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا كَفِيْلٌ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدّٰى اَحَدُهُمَا يَرْجِعُ بِنِصْفِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ قَلِيْلاً كَانَ اَوْ كَثِيْراً.

ترجمہ: اور اگر کفیل بنے دو آدمی ایک آدمی کی جانب سے ایک ہزار کے اس شرط پر کہ ان دونوں میں سے ہر ایک ضامن ہے، اپنے ساتھی کی طرف سے تو جو کچھ ادا کرے ان میں سے ایک اس کا آدھا لے سکتا ہے اپنے شریک سے تھوڑا یا زیادہ۔

تشریح: ایک شخص پر کسی کا قرض تھا اس کی طرف سے دو آدمی ذمہ دار بنے پھر یہ دونوں کفیل آپس میں بھی ایک دوسرے کے کفیل بن گئے تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک کفیل جتنا ادا کرے گا اس کا آدھا اپنے شریک کفیل سے وصول کرے گا مثلاً پانچ سو روپے ایک نے دیئے تو ڈھائی سو اپنے شریک کفیل سے لے گا، پھر دونوں مل کر اصل مقروض سے لیں گے، چوں کہ دونوں کفیلوں پر ذاتی قرض نہیں ہے بلکہ دونوں پر کفالت ہے یعنی ہر ایک تمام مال میں دوسرے کا کفیل ہے بخلاف مسئلہ سابقہ کے کہ وہاں نصف کی ادائیگی بطریق اصالت ہے اور نصف کی ادائیگی بطریق کفالت ہے گویا اصالت کو کفالت پر ترجیح حاصل ہے، اس لیے دونوں مسئلوں کا حکم الگ الگ ہے۔

(۳۲/۱۴۱۶) وَلَا تَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِمَالِ الْكِتَابَةِ سَوَاءٌ حُرٌّ تَكَفَّلَ بِهٖ اَوْ عَبْدٌ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کفالت مال کتابت کی خواہ آزاد آدمی اس کا کفیل بنے یا غلام۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ آقا کے لئے مکاتب کی طرف سے مال کتابت کا کفیل ہونا جائز ہے کفیل خواہ آزاد آدمی ہو خواہ غلام ہو صاحب قدوری نے مال کتابت کہا اور بدل کتابت نہیں کہا کہ کیوں کہ مال کتابت کا لفظ بدل کتابت کو شامل ہے اور ہر اس دین کو شامل ہے جو آقا کا مکاتب پر ہو مطلب یہ ہے کہ مکاتب کی جانب سے آقا کے لئے نہ بدل کتابت کا کفیل ہونا جائز ہے اور نہ اس دین کا کفیل ہونا جائز ہے جو مولیٰ کا مکاتب پر ہو۔

دلیل مسئلہ (۱۳۸۵) (۱۱) میں مفصلاً گذر چکا ہے کہ مال کتابت دین صحیح میں داخل نہیں ہے اور کفالہ بالمال کے صحیح ہونے کے لئے دین صحیح کا ہونا شرط ہے۔

سوال: جب کفیل کے آزاد ہونے کی صورت میں کفالت درست نہیں ہے تو کفیل کے غلام ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ صحیح نہ ہوگی، پھر صاحب کتاب نے نے 'او عبدٌ' کیوں کہا۔

جواب: آزاد انسان غلام کے مقابلہ میں اشرف ہے اور کفیل اصیل کا تابع ہوتا ہے تو اب یہاں یہ وہم ہوسکتا ہے کہ شاید کفالت کا صحیح نہ ہونا اس لیے ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو آزاد جو اشرف ہے وہ تابع ہو جائے گا، صاحب کتاب نے 'او عبد' کا اضافہ کرکے یہ بتلا دیا کہ اس مسئلہ میں کفالت کے عدم جواز کی بنیاد اس بات پر ہے کہ بدل کتابت دین صحیح نہیں ہے اس بنیاد پر نہیں کہ آزاد شخص تابع بن جائے گا۔

(۱۴۱۷/۳۳) وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئاً فَتَكَفَّلَ رَجُلٌ عَنْهُ لِلْغُرَمَاءِ لَمْ تَصِحَّ الْكَفَالَةُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ.

ترجمہ: اور اگر مر جائے کوئی آدمی اور اس پر بہت سا قرض ہے اور اس نے کچھ نہیں چھوڑا اب کفیل ہو گیا ایک آدمی اس کی طرف سے قرض خواہوں کے لئے تو یہ کفالت صحیح نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔

تشریح: ایک شخص جس پر لوگوں کا قرضہ ہے مفلس ہو کر مر گیا یعنی کچھ بھی مال ترکہ میں نہ چھوڑا اور نہ اس کی جانب سے پہلے سے کوئی کفیل موجود ہے پھر اس میت کی جانب سے ایک آدمی کفیل ہو گیا وہ شخص خواہ میت کا وارث ہو یا اجنبی ہو تو امام صاحب کے نزدیک کفالہ صحیح نہیں ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست ہے۔

دلیل: حضرت ابوقتادہؓ والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت ایک جنازہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا تین دینار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ساتھی پر تم لوگ نماز پڑھ لو، پس ابوقتادہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول اس پر نماز پڑھئے اور مجھ پر اس کے قرض کی ذمہ داری ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میت پر نماز پڑھی۔ (بخاری ۱/۳۰۵ باب اذا احال دین، ترمذی ۱/ ۱۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے مقروض کی جانب سے کفالت لی ہے، اور انہوں نے کچھ مال بھی نہ چھوڑا تھا اس لیے کفیل بننا درست ہے۔

امام صاحب کی دلیل: کفالت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں (۱) قرضہ مکفول عنہ کے ذمہ میں ثابت اور قائم ہو (۲) کفیل قرضہ ادا کرنے کے بعد مکفول عنہ کے مال سے وصول بھی کر سکتا ہو یہاں اس مسئلہ میں دونوں باتیں نہیں ہیں، کیوں کہ مکفول عنہ مر چکا ہے تو اس مرے ہوئے پر کیا لازم ہوگا؟ اور کچھ چھوڑا بھی نہیں کہ کفیل اپنا قرض وصول کر سکے اس لیے کفالت درست نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل کا جواب: حضرت ابوقتادہؓ جو کفیل بنے ہیں وہ تبرع اور احسان کے طور پر حوالہ ہے کفالہ نہیں ہے جو ہمارے یہاں بھی جائز ہے یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضرت ابوقتادہ نے رقم وصول نہیں کی اور یہ

بھی ممکن ہے کہ ابوقتادہ نے جو فرمایا مجھ پر اس کے قرض کی ذمہ داری ہے، اس سے اشارہ کفالت سابقہ کی طرف ہو کہ وہ تو میں نے اپنے ذمہ لے رکھے ہیں میں پہلے سے اس کا کفیل ہوں (بذل عن القاری ۲۴۲/۴)

كِتَابُ الحَوَالَةِ

(یہ کتاب حوالہ کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح کفالہ میں کفیل اپنے اوپر اس چیز کو لازم کرتا ہے جو اصل پر واجب تھی اسی طرح حوالہ میں محتال علیہ (جو قرض کا ذمہ دار بنے) پر وہ چیز لازم کی جاتی ہے جو محیل (مقروض) پر واجب ہوتی ہے، اور کفالہ کا مقصد مکفول لہ کو اطمینان دلانا ہے اور حوالہ میں محتال لہ (قرض خواہ) کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔

تقدیم وتاخیر کی وجہ: حوالہ میں اصل مقروض بری الذمہ ہو جاتا ہے یعنی حوالہ اصیل کی برأت کو متضمن ہے اس لیے وہ بمنزلہ مرکب کے ہے اور کفالت میں برأت نہیں بلکہ ضمانت ہے اس اعتبار سے کفالت مفرد ہے اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

حوالہ کا ثبوت: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کا ٹکڑا ہے وَإِذَا أُحِلْتَ عَلٰى مَلِيٍّ فَاتَّبِعْهُ اور جب مالدار پر حوالہ کیا جائے تو وہ اس کے پیچھے لگے، اس حدیث میں حوالہ کا ذکر ہے۔

حوالہ کی لغوی تعریف: حوالہ تحویل سے ماخوذ ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: قرض اصل مقروض سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف ضمانت کے طور پر منتقل کرنے کو حوالہ کہتے ہیں۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۳۷۹/۱)

اصطلاحی الفاظ: (۱) محیل، قرض حوالہ کرنے والا (مقروض) مکفول عنہ۔

(۲) محتال جس کا قرض تھا یعنی مکفول لہ اس کو محتال لہ، محتال، محال لہ کہتے ہیں۔

(۳) محتال علیہ جو آدمی قرض کا ذمہ دار یعنی کفیل بنے کہ اب میں قرض ادا کروں گا اس کو محتال علیہ کہتے ہیں۔

(۴) محتال بہ، مال جو مقروض کے ذمہ ہے (الجوہرۃ النیرۃ ۳۸۰/۱) مثلاً زید کے ذمہ عمرو کا قرض ہے اور خالد کے ذمہ زید کا قرض ہے زید نے عمرو سے کہا کہ تو خالد سے وصول کر لے تو یہاں زید نے اپنے ذمہ کو خالد کی طرف منتقل کر دیا ہے یہاں زید محیل اور عمرو محتال اور خالد محتال علیہ ہے، حوالہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ محتال علیہ پر محیل کا پہلے سے قرض ہو اور اگر اس پر قرض نہ ہو تو حوالہ واجب نہ ہوگا بلکہ اگر وہ ویسے ہی قبول کر لے تبرع اور احسان ہوگا۔

(۱/۱۴۱۸) اَلْحَوَالَةُ جَائِزَةٌ بِالدُّيُوْنِ.

ترجمہ: حوالہ جائز ہے قرضوں کا۔

تشریح: شیخ ابوالحسین قدوری فرماتے ہیں کہ جو قرض صحیح کسی آدمی پر ہو اس کا حوالہ کسی آدمی پر کرے تو جائز ہے کیوں کہ محتال علیہ نے اپنے اوپر ایسی چیز کو لازم کیا ہے جس کو سپرد کرنے پر قدرت ہے اور ایسی چیز کو لازم کرنا درست ہے اس لیے کفالہ کی طرح حوالہ بھی درست ہوگا، رہی یہ بات کہ حوالہ کو دیون کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حوالے کے معنی منتقل کرنے کے ہیں اور منتقل کرنا دیون میں ہوسکتا ہے اعیان میں نہیں کیوں کہ عین متعین ہوتی ہے اور دین غیر متعین، عین کو وہی ادا کرسکتا ہے جس کے پاس موجود ہو اور دین کو محتال علیہ بھی ادا کرسکتا ہے تو ثابت ہوا کہ حوالہ دیون کا جائز ہے اور اعیان کا حوالہ جائز نہیں ہے۔

(۲/۱۴۱۹) وَتَصِحُّ بِرِضَاءِ الْمُحِيلِ وَالْمُحْتَالِ وَالْمُحْتَالِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور صحیح ہوتا ہے حوالہ محیل محتال اور محتال علیہ کی رضامندی سے۔

تشریح: حوالہ میں تینوں آدمی راضی ہوں تو حوالہ صحیح ہوتا ہے محیل یعنی مقروض محتال لہ قرض دینے والا اور محتال علیہ یعنی جو قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لے۔

محیل کی رضامندی اس لیے شرط ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کا احسان اپنے اوپر نہ لینا چاہتا ہو لیکن صاحب اللباب نے زیادات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ حوالہ بغیر محیل کی رضامندی کے بھی درست ہوجاتا ہے۔

دلیل: محتال علیہ کا اپنے اوپر قرض لازم کرنا اپنے حق میں تصرف ہے اور اس تصرف سے محیل کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا نفع ہے کہ محیل کے ذمہ سے مطالبہ ساقط ہوجائے گا اور اگر محیل کے حکم سے نہیں ہے تو محتال علیہ کو ادائیگی دین کے بعد رجوع کا بھی اختیار نہ ہوگا تو محیل کا نفع ہی نفع ہے۔ (اللباب ۲/۸۲، عینی شرح کنز ۲/۸۱)

محتال علیہ کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ حوالہ میں محیل کی جانب سے محتال علیہ پر قرضہ لازم کرنا ہوتا ہے اور لزوم بغیر التزام کے نہیں ہوسکتا ورنہ ہر شخص دوسرے کے ذمہ جو چاہے گا لازم کردے گا، محتال کی رضامندی شرط ہے یا نہیں اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

اختلاف الأئمة

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حوالے کی صحت کے لئے محیل کا حوالہ کردینا کافی ہے محتال یعنی قرض خواہ کی رضامندی ضروری نہیں ہے، گویا کہ محیل (مقروض) اگر اپنے محتال (دائن) سے یہ کہے کہ میں اپنے قرض کا حوالہ فلاں پر کرتا ہوں اور وہ فلاں قرض کو قبول بھی کرلے تو اب محتال یعنی قرض خواہ پر واجب ہے کہ اس حوالہ کو قبول کرے اگر قرض خواہ راضی نہ ہو تب بھی حوالہ درست ہوجائے گا۔

دلیل: إِذَا اتُّبِعَ اَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتَّبِعْ یعنی جب تم میں سے کسی کو مالدار آدمی کے پیچھے لگایا جائے تو

اس کو چاہئے کہ وہ اس کے پیچھے لگ جائے، اس میں فلیتبع صیغہ امر ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ پیچھے لگ جانا واجب ہے چاہے قرض خواہ اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ محتال یعنی قرض خواہ کی رضامندی کے بغیر حوالہ درست نہیں ہوتا۔

دلیل: آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے ایک آدمی نرم مزاج ہے اس سے بات کرنا آسان اور قرض کا مطالبہ کرنا بھی آسان اس سے اگر بات کی جائے تو کم از کم دل تو ٹھنڈا ہو جائے گا چاہے پیسے اس وقت ادا نہ کرے، اور ایک آدمی سخت مزاج ہے اس سے ملاقات ہونی بھی مشکل ہے اس سے قرض وصول کرنا بہت دشوار ہوتا ہے لہٰذا قرض خواہ کو اس بات پر مجبور کرنا کہ جا کر فلاں سخت مزاج آدمی سے اپنا دین وصول کرے اس کے پیش نظر ہو سکتا ہے، کہ محتال دوسرے آدمی یعنی محتال علیہ سے قرض وصول نہ کرنا چاہتا ہو اس لیے محتال کی رضامندی شرط ہے، امام احمد کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ صیغہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لئے ہے۔ (درس ترمذی ۴/ ۲۴۰)

(۳/۱۳۲۰) وَإِذَا تَمَّتِ الْحَوَالَةُ بَرِئَ الْمُحِيْلُ مِنَ الدُّيُوْنِ وَلَمْ يَرْجِعِ الْمُحْتَالُ لَهُ عَلَى الْمُحِيْلِ إِلَّا أَنْ يَتْوِىٰ حَقُّهُ.

لغت: یتویٰ: مضارع باب (س) مصدر تویٰ برباد ہونا۔

ترجمہ: اور جب پورا ہو جائے حوالہ تو بری ہو جائے گا محیل قرضوں سے اور رجوع نہیں کر سکتا محتال لہ محیل پر مگر یہ کہ اس کا حق تلف ہو جائے۔

حوالہ مکمل ہونے کے بعد کیا محیل سے مطالبہ ساقط ہو جائے گا؟

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ محتال لہ اور محتال علیہ اور صاحب قدوری کے بقول محیل کی رضامندی سے جب حوالہ مکمل ہو گیا تو محیل یعنی اصل مقروض قرض اور مطالبہ دونوں سے بری ہو جائے گا، کیوں کہ قرض اس سے منتقل ہو گیا اور اب محتال لہ محیل سے قرض وصول کر نہیں کرے گا، ہاں اگر محتال علیہ یعنی کفیل اور ضامن سے قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو تب محیل یعنی اصل مقروض سے محتال لہ رجوع کر سکتا ہے۔

دلیل: امام ابوحنیفہؒ حضرت عثمانؓ کے اثر سے استدلال فرماتے ہیں، لَيْسَ عَلٰى مَالِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَوًى يَعْنِيْ حَوَالَةً. مصنف ابن ابی شیبہ ۴/ ۳۴۶ مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں ہے یعنی حوالہ میں ہلاکت نہیں ہے (وہ محیل سے بھی وصول کر سکتا ہے) اگر ہم کہیں کہ محتال لہ اب محیل سے رجوع نہیں کر سکتا تو اس صورت میں مسلمان کے مال پر ہلاکت آ گئی اس لیے کہ محتال لہ کا قرض ضائع ہو گیا اور اب ملنے کی کوئی امید نہیں حالانکہ مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں۔

امام احمد اور امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ حوالے کے نتیجے میں محیل بری ہو جاتا ہے اور محتال لہ کو یہ حق نہیں رہتا

کہ وہ آئندہ کبھی بھی اپنے قرض کا محیل سے مطالبہ کرے بلکہ اس پر واجب ہے کہ ہمیشہ محتال علیہ سے مطالبہ کرے کسی بھی حال میں محیل سے مطالبہ کا حق لوٹ کر نہیں آئے گا۔

دلیل: اذا اتبع احدکم علی ملی فلیتبع اس میں فرمایا کہ جب پیچھے لگا دیا جائے تو پیچھے لگے رہو یعنی ہمیشہ پیچھے لگے رہو اس میں ذکر نہیں ہے کہ جس نے پیچھے لگایا ہے اس سے رجوع کر سکتے ہو لہٰذا ہمیشہ اسی کے پیچھے لگنا ہوگا۔

جواب: اس حدیث میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ قیامت تک اس کے پیچھے لگے رہنا چاہئے، روپے ملیں یا نہ ملیں محتال علیہ مر جائے یا زندہ رہے چاہے وہ انکار کرے یا اقرار کرے یہ سب باتیں حدیث میں کہاں ہیں، بلکہ حدیث میں تو حوالے کو "ملی" ہونے پر موقوف کیا گیا ہے کہ اگر مالدار کے پیچھے لگا یا جائے تو اس کے پیچھے لگ جاؤ اس کا مطلب یہ ہے کہ حوالہ قبول کرنے کا دار و مدار محتال علیہ کے مال دار ہونے پر ہے اگر وہ مالدار نہیں ہے تو حوالہ قبول کرنے کی وجہ نہیں پائی گئی لہٰذا افلاس کی صورت میں اصل مقروض کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

(۱۴۲۱/۴) وَالتَّوىٰ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِاَحَدِ الْاَمْرَيْنِ اِمَّا اَنْ يَجْحَدَ الْحَوَالَةَ وَيَحْلِفَ وَلَا بَيِّنَةَ لَهٗ عَلَيْهِ اَوْ يَمُوْتَ مُفْلِساً وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَانِ الْوجهَانِ وَوَجْهٌ ثَالِثٌ وَهُوَ اَنْ يَحْكُمَ الْحَاكِمُ بِاِفْلَاسِهٖ فِىْ حَالِ حَيٰوتِهٖ.

ترجمہ: اور حق تلف ہونا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دو معاملوں میں سے ایک سے ہوتا ہے یا تو محتال علیہ حوالہ کا انکار کر دے اور قسم کھالے اور محتال لہ کے پاس گواہ نہ ہو یا محتال علیہ مفلس ہو کر مر جائے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ دو وجہ ہیں اور ایک تیسری وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حاکم حکم لگا دے اس کی مفلسی کا اس کی زندگی ہی میں۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر توی متحقق ہو جائے تو اس صورت میں محتال محیل سے مطالبے کا حق رکھتا ہے اور 'توی' یہ مصدر ہے تَوِیَ یَتْوٰی تَوًی سے اس کے معنی ہیں ہلاک ہو جانا حوالہ میں "توی" کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ مثلاً محتال علیہ یعنی ضامن حوالہ کا انکار کر دے کہ میں نے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں لی ہے اس پر وہ قسم بھی کھالے اور قرض خواہ یعنی محتال کے پاس اس پر گواہ اور ثبوت بھی نہیں ہے کہ ہاں محتال علیہ قرض کا ذمہ دار بنا تھا تو اس صورت میں توی متحقق ہو گیا اب چوں کہ قرض وصول کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے اس لیے اب اصل مقروض سے وصول کرے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ قرض ادا کرنے سے قبل محتال علیہ کا انتقال ہو گیا اور اس نے ترکہ میں اتنا مال نہیں چھوڑا کہ اس سے قرض ادا ہو جائے اس صورت میں بھی توی پایا گیا اس لیے اب اصل مقروض محیل سے وصول کرے گا تیسری صورت صاحبین یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اور عدالت نے محتال علیہ کو مفلس اور دیوالیہ

قرار دے دیا تو اس صورت میں بھی توی متحقق ہو گیا تو اب محتال لہ محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول کر سکتا ہے کہ اب تم میرا قرض ادا کرو۔

(۵/۱۴۲۲) وَإِذَا طَالَبَ الْمُحْتَالُ عَلَيْهِ الْمُحِيْلَ بِمِثْلِ مَالِ الْحَوَالَةِ فَقَالَ الْمُحِيْلُ اَحَلْتُ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ وَكَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ الدَّيْنِ.

ترجمہ: اور اگر مطالبہ کیا محتال علیہ نے محیل سے مالِ حوالہ کے مثل کا محیل نے کہا میں نے حوالہ کیا تھا اپنے اس قرض کے بدلہ جو میرا آپ پر ہے تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا اور اس پر قرض کے برابر روپیہ لازم ہوگا۔

تشریح: محتال علیہ نے محیل کی طرف سے ادا کرنے کے بعد محیل سے قرض کی مقدار مال کا مطالبہ کیا کہ وہ رقم مجھے دیں اس پر محیل نے کہا کہ میرا آپ پر پرانا قرض تھا اس کی وصولی کے لئے آپ پر دین کا حوالہ کیا تھا، یعنی میں نے یہ کہا تھا کہ میرا تجھ پر جو قرض ہے اس سے میرا وہ قرض ادا کر دے جو محتال لہ کا مجھ پر ہے اور اس پر محیل کے پاس گواہ نہیں ہیں تو محیل کی بات نہیں مانی جائے گی، بلکہ محتال علیہ کی بات مانی جائے گی اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے واپس لے گا کیوں کہ محیل محتال علیہ پر قرض کا دعوی کر رہا ہے اور محتال علیہ منکر ہے اور محیل کے پاس گواہ نہیں ہے تو منکر یعنی محتال علیہ کی بات مانی جائے گی اور محیل سے اتنا قرض وصول کرنے کا حق ہوگا جتنا محتال علیہ نے ادا کیا ہے، (عینی ۸۱/۲) اور اگر محیل نے گواہ پیش کر دیئے تو محتال علیہ کا حق رجوع باطل ہو جائے گا۔

(۶/۱۴۲۳) وَإِنْ طَالَبَ الْمُحِيْلُ الْمُحْتَالَ بِمَا اَحَالَهُ بِهِ فَقَالَ اِنَّمَا اَحَلْتُكَ لِتَقْبِضَهُ لِيْ وَقَالَ الْمُحْتَالُ بَلْ اَحَلْتَنِيْ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُحِيْلِ مَعَ يَمِيْنِهِ.

ترجمہ: اور اگر مطالبہ کیا محیل نے محتال سے اس مال کا جو اس کے لئے حوالہ کیا تھا اور محیل نے کہا میں نے اس لیے حوالت کرائی تھی تا کہ تو میرے لئے وصول کرے اور محتال نے کہا نہیں، بلکہ تو نے حوالہ کرایا تھا اس قرض کی وجہ سے جو میرا تیرے ذمہ ہے تو محیل کا قول قبول ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب محتال علیہ نے محتال لہ کو قرض ادا کر دیا تو محیل نے محتال لہ سے اس قرض کا مطالبہ کیا اور کہا کہ میں نے اس قرض کا وصول کرنا تیرے حوالہ اس لیے کیا تھا تا کہ تو یہ قرض میرے لئے وصول کر کے قبضہ کرے (گویا میں نے تجھ کو قرض وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا تھا) محتال لہ نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ میرا جو قرض تجھ پر تھا اس کو وصول کرنا میرے حوالہ کیا تھا اس لیے میں وصول کیا ہوا قرض آپ کو نہیں دوں گا تو بات محیل کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ، کیوں کہ محتال لہ محیل پر قرض کا دعوی کر رہا ہے اور اس کے پاس اس پر گواہ نہیں ہیں اور محیل اس کا منکر ہے اس لیے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی صرف اتنی بات ہے کہ اس نے لفظ حوالہ کو وکالت کے لئے استعمال کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ لفظ حوالہ مجازاً وکالت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (عینی شرح کنز ۸۱/۲)

(۱۴۲۴/۷) وَيُكْرَهُ السَّفَاتِجُ وَهُوَ قَرْضٌ اِسْتَفَادَ بِهِ الْمُقْرِضُ اَمْنَ خَطَرِ الطَّرِيْقِ.

ترجمہ: اور سفاتج مکروہ ہے اور وہ قرض ہے کہ جس کا دینے والا راستہ کے خطرات سے محفوظ ہو جائے۔

تشریح: سفاتج واحد سُفتجه' بضم السین وفتح التاء اس کی اصل سفته (مضبوط چیز) اس کو ہنڈی کہتے ہیں، صورت مسئلہ یہ ہے کہ حامد نے خالد کو اس شرط پر مال قرض دیا کہ خالد اس کے واسطے ایک تحریر فلاں شہر کو لکھ دے مثلاً حامد نے سہارنپور میں مال اس شرط پر قرض دیا کہ خالد حامد کے واسطے ایک تحریر دلی کو لکھ دے جہاں خالد کا کاروبار ہے تا کہ حامد یہ تحریر دکھا کر اسی قدر مال دلی میں وصول کر لے کیوں کہ قرض دینے والے نے قرض دے کر یہ فائدہ اٹھایا کہ راستہ کے خطرات سے محفوظ ہو گیا اور ان خطرات کا دور ہونا بھی قرض دینے والے کے واسطے ایک نفع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قرض سے منع فرمایا جو نفع پر مشتمل ہو معلوم ہوا کہ ہوا کہ ہنڈی کم از کم مکروہ ہے، لیکن یہ کراہت اس وقت ہے جب وہ تحریر وغیرہ لینے کی شرط پر روپیہ دے اگر بغیر شرط کے ایسا کیا تو مکروہ نہیں ہے، تفصیل دیکھئے عینی شرح کنز۔

كِتَابُ الصُّلْحِ

(یہ کتاب صلح کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: وکالت کفالت اور حوالت میں سے ہر ایک کے اندر بسا اوقات آپسی اختلاف کو دور کرنے کے لئے صلح صفائی کی ضرورت پڑتی ہے اس مناسبت کے پیش نظر اس موقع پر کتاب الصلح کو بیان کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔

صلح کی لغوی تعریف: صلح لغت کے اعتبار سے مصالحۃ کا اسم ہے رنجش دور کرنا۔

اصطلاحی تعریف: وہ عقد جو جھگڑے کو مٹا دے (اللباب ۲/۸۵)

صلح کا رکن: ایجاب وقبول ہے اس کی شرطیں عاقل ہونا بالغ ہونا آزاد ہونا۔

اصطلاحی الفاظ: مُصالِح، صلح کرنے والا، مصالح عنہ جس سے صلح کی ہے مصالح علیہ جس چیز پر صلح واقع ہوئی ہے۔

صلح کا ثبوت: عَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ علىٰ ثلاثة اشياء (بخاری ص:۳۷۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین باتوں پر صلح کی، اس حدیث سے صلح کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

(۱۴۲۵/۱) اَلصُّلْحُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَضْرُبٍ صُلْحٌ مَعَ اِقْرَارٍ وَصُلْحٌ مَعَ سُكُوْتٍ وَهُوَ اَنْ لَّا يُقِرَّ الْمُدَّعِىٰ عَلَيْهِ

وَلَا يُنْكِرُ وَصُلْحٌ مَعَ اِنْكَارٍ وَكُلُّ ذَالِكَ جَائِزٌ.

ترجمہ: صلح تین قسم پر ہے اقرار کے ساتھ صلح اور چپ رہنے کے ساتھ صلح اور وہ یہ ہے کہ مدعی علیہ نہ اقرار کرے نہ انکار کرے اور انکار کے ساتھ صلح اور یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

صلح کی اقسام ثلثہ کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے صلح کی تین قسمیں بیان کی ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر میرے پچاس روپے ہیں مدعی علیہ نے اقرار کیا کہ ہاں ہیں، لیکن پچاس کے بدلہ چالیس پر صلح کر لیں اور دس روپے چھوڑ دیں مدعی نے مان لیا تو یہ قرار کے ساتھ صلح ہوئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر میرے ایک سو روپے ہیں مدعی علیہ نے نہ انکار کیا اور نہ اقرار کیا خاموش رہا پھر کہا کہ ایک سو روپے کے بدلہ ایک کتاب پر صلح کر لیں مدعی نے مان لیا یہ صلح مع السکوت ہوئی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مدعی نے ایک ہزار روپے کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے انکار کر دیا کہ تمہارا مجھ پر کچھ نہیں ہے پھر کہا چلو چھوڑو میں اس کے بدلے ایک گھڑی دیتا ہوں مدعی نے مان لیا اس کو صلح مع انکار کہتے ہیں، صلح کی یہ تین صورتیں جائز ہیں۔

دلیل: اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ الخ (ابوداؤد ۲/۵۰۶) مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے یہ حدیث مطلق ہے اس لیے اس میں ہر قسم کی صلح داخل ہیں۔

(۲/۱۴۲۶) فَاِنْ وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ اِقْرَارٍ اُعْتُبِرَ فِيْهِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْبِيَاعَاتِ اِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ.

حل لغت: بِیَاعات: واحد بیاعة سامان فروختنی۔

ترجمہ: اگر واقع ہو صلح اقرار سے تو اعتبار کیا جائے گا اس میں ان امور کا جن کا خرید و فروخت میں اعتبار کیا جاتا ہے اگر واقع ہو مال سے مال کے بدلہ میں۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر صلح مال سے مال کے مقابلہ میں مدعی علیہ کے اقرار کے ساتھ ہو تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہوگی مثلاً مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر میرے پچاس ہزار روپے ہیں مدعی علیہ نے اقرار کیا کہ ہاں ہیں پھر پچاس ہزار کے بدلہ ایک گھر دے کر صلح کر لی تو یہاں دونوں جانب مال ہے اور صلح مع الاقرار ہے تو گویا پچاس ہزار کے بدلے مدعی نے گھر خریدا ہے اور مدعی علیہ کے درمیان بیع کا معاملہ ہوا ہے تو بیع میں جن جن امور کا اعتبار ہوتا ہے اس صلح میں بھی ان ہی امور کا اعتبار ہوگا مثلاً گھر میں حق شفعہ بھی ہوگا اگر مکان میں کوئی عیب ہے تو خیار عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا بھی حق ہے اور اگر مکان کو نہ دیکھا ہو تو خیار رؤیت کے تحت اس کو واپس کر سکتا ہے۔

(۴/۱۴۲۷) وَاِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنَافِعَ فَيُعْتَبَرُ بِالْاِجَارَاتِ.

ترجمہ: اور اگر صلح واقع ہو مال کے بدلے تو اعتبار کیا جائے گا اجرت کا۔

تشریح: اگر ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف نفع ہے تو اس صلح پر اجارہ کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً مدعی نے دعویٰ کیا کہ میرے تم پر دو ہزار روپے ہیں مدعی نے اس کا اقرار کرلیا پھر کہا کہ اس کے بدلہ میں چھ ماہ تک آپ کا فلاں کام کردوں گا یا میرا غلام ایک سال آپ کی خدمت کرے گا یا میرے گھر میں تم ایک سال رہ سکتے ہو تو مدعی کی جانب سے دو ہزار مال ہے اور مدعی علیہ کی جانب سے کام اور منافع ہیں تو یہ اجرت کی شکل ہوگئی تو اس صلح میں اجارہ کے احکام جاری ہوں گے مثلاً نفع دینے کی مدت متعین کی جائے گی اور دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہوجائے تو صلح باطل ہوجائے گی۔

(۴/۱۴۲۸) وَالصُّلْحُ عَنِ السُّكُوْتِ وَالْاِنْكَارِ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ لِاِفْتِدَاءِ الْيَمِيْنِ وَقَطْعِ الْخُصُوْمَةِ وَفِيْ حَقِّ الْمُدَّعِيْ لِمَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ.

ترجمہ: اور چپ رہنے کے بعد صلح اور انکار کے بدلہ صلح مدعی علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہوتی ہے اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے درجہ میں ہوتی ہے۔

تشریح: شیخ قدوری اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر صلح مدعی علیہ کے چپ رہنے یا انکار کے بعد ہوئی (مسئلہ (۱) میں صورتیں گذر چکی ہیں) تو یہ صلح مدعی علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہوگی مطلب یہ ہے کہ مدعی علیہ چپ رہا یا انکار کردیا اور مدعی نے گواہوں کے ذریعہ اس پر کچھ ثابت نہیں کیا اس لیے حقیقت میں مدعی علیہ پر کچھ لازم نہیں ہوا پھر بھی صلح ہو رہی ہے کیوں کہ اگر صلح نہ ہوتی تو مدعی علیہ پر قسم لازم آتی اور مقدمہ کے جھمیلے میں پڑتا جھگڑا ہوتا اس لیے جو کچھ صلح کے طور پر دیا وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے دیا گویا کہ اس نے جھگڑا ختم اور قسم نہ کھانے کا فدیہ دیا ہے اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے معنی میں اس وجہ سے ہے کہ مدعی یہ سمجھ رہا ہے کہ میری چیز مدعی علیہ کے پاس تھی میں اپنی اس چیز کا عوض لے رہا ہوں۔

(۵/۱۴۲۹) وَاِذَا صَالَحَ عَنْ دَارٍ لَمْ يَجِبْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اگر صلح کی گھر سے تو اس میں شفعہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: مدعی کے حق میں صلح مذکور کے معاوضہ ہونے اور مدعی علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ ہونے پر متفرع ہے صورت مسئلہ علامہ عینی نے اس طرح لکھی ہے ایک آدمی نے دوسرے پر گھر کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے انکار کردیا یا چپ رہا پھر اس گھر کے بدلہ کچھ روپیہ وغیرہ دے کر صلح کرلی تو اس گھر میں شفعہ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ مدعی علیہ اس کو اپنے اصل

حق کی بناء پر لے رہا ہے، پس وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ گھر پہلے سے میرا ہی ہے، جھگڑا مٹانے اور قسم نہ کھانے کا فدیہ سمجھ کر دے رہا ہوں اس روپے کے بدلہ گھر نہیں خرید رہا ہوں تو جب گھر خریدنا نہیں پایا گیا تو اس میں شفعہ بھی نہ ہوگا۔ (عینی ۲/۱۶۴)

(۶/۱۴۳۰) وَإِذَا صَالَحَ عَلٰى دَارٍ وَجَبَتْ فِيهَا الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور جب صلح کی گھر میں تو اس میں شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح: مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر میرے پچاس ہزار روپے ہیں مدعی علیہ چپ رہا یا انکار کر دیا، پھر پچاس ہزار کے بدلے ایک گھر دے کر صلح کر لی تو اس گھر میں شفعہ واجب ہوگا کیوں کہ مدعی اس گھر کا پچاس ہزار کا عوض سمجھ کر لے رہا ہے تو یہ اس کے حق میں معاوضہ ہوا اس لیے اس گھر میں شفعہ ہوگا۔ (عینی ۲/۱۶۵)

(۷/۱۴۳۱) وَإِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ إِقْرَارٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ رَجَعَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ بِحِصَّةِ ذَالِكَ مِنَ الْعِوَضِ.

ترجمہ: اور اگر اقرار کے بعد صلح ہوئی پھر کوئی حصہ دار نکل آئے صلح کی چیز کے بعض حصہ میں تو واپس لے لے مدعی علیہ اس حصہ کے موافق اپنا دیا ہوا عوض۔

تشریح: مدعی علیہ نے مدعی کے دعوی کا اقرار کرنے کے بعد مال دے کر صلح کر لی اس کے بعد مصالح عنہ (جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی) میں سے آدھا حصہ دوسرے کا نکل آیا اور وہ آدھا مدعی علیہ سے وصول کر لیا تو اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ مدعی علیہ نے صلح میں مدعی کو جو دیا تھا مستحق کے لئے ثابت شدہ حصہ کے بقدر اس میں سے واپس لے لے گا، مثلاً زید نے ایک مکان کا دعوی کیا جو عمرو کے قبضہ میں ہے کہ یہ مکان میرا ہے عمرو نے کہا کہ بالکل درست ہے پھر سو روپے دے کر صلح کر لی، پھر مکان جو مصالح عنہ تھا اس میں سے آدھا حصہ دوسرے کا نکل آیا تو عمرو زید سے پچاس روپے واپس لے گا۔

(۸/۱۴۳۲) وَإِذَا وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ سُكُوْتٍ أَوْ إِنْكَارٍ فَاسْتُحِقَّ الْمُتَنَازَعُ فِيهِ رَجَعَ الْمُدَّعِيْ بِالْخُصُوْمَةِ وَرَدَّ الْعِوَضَ وَإِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ ذَالِكَ رَدَّ حِصَّتَهُ وَرَجَعَ بِالْخُصُوْمَةِ فِيهِ.

حل لغات: المتنازع فيه اس سے مراد وہ مکان ہے جس میں زید عمر اور بعد میں مستحق جھگڑا کرتے رہے اور جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی۔

رجع المدعي بالخصومه: اس سے مراد زید مدعی ہے جو مستحق پر مقدمہ دائر کر کے اپنا حصہ وصول کرے گا۔

رد العوض: مکان مصالح عنہ کے عوض میں زید نے عمر سے پچاس ہزار روپے لئے ہیں وہ واپس کرے۔

ترجمہ: اور اگر صلح واقع ہو چپ رہنے کے بعد یا انکار کے بعد پھر متنازع فیہ چیز کا کوئی حق دار نکل آیا تو مدعی

(مستحق کے ساتھ) خصومت کرنے پر رجوع کرے اور (صلح کا) عوض واپس کر دے اور اگر حق دار نکل آیا اسکے بعض حصہ کا تو اس حصہ کے بقدر (صلح میں سے) واپس کر دے اور (مدعی) اسی (حصہ کے بقدر) میں (مستحق) سے جھگڑے۔

تشریح: اس مسئلہ کو مثال سے سمجھیں، عمر کے قبضہ میں ایک مکان تھا زید نے دعوی کیا کہ یہ مکان میرا ہے عمر اس پر چپ رہا یا انکار کیا بعد میں عمر مدعی علیہ نے پچاس ہزار روپے دے کر صلح کر لی اس کے بعد وہ مکان کسی دوسرے کا نکل آیا تو زید نے عمر سے جو پچاس ہزار روپے لئے تھے وہ اس کو واپس کر کے مستحق سے خود نمٹے اور اگر آدھا مکان مستحق کا نکلا تھا تو پچیس ہزار روپے عمر کو واپس دے گا اور آدھا مکان زید، مستحق سے مقدمہ کر کے واپس لے گا کیوں کہ عمر نے زید کو مکان کے بدلہ پچاس ہزار روپے اس لیے دیئے تھے کہ مکان کا کوئی حق دار نہ نکلے اور مکان بغیر جھگڑے کے اس کے پاس رہے مگر یہاں تو حق دار بھی نکل گیا اور جھگڑے میں بھی پڑنا پڑا جس کی وجہ سے پچاس ہزار دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اس لیے زید عمر کی رقم واپس کر کے حق دار سے خود نمٹے گا اب حق دار عمر مدعی علیہ کے درجہ میں ہو گیا اس لیے زید اسی حق دار سے خصومت کر کے یا تو اپنا حق واپس لے گا یا قاضی فیصلہ کرے گا تو اس کا حق، حق دار کے پاس جائے گا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴، اللباب ۲/۸۶)

(۹/۱۴۳۳) وَاِنْ اَدَّعٰی حَقًّا فِیْ دَارٍ وَلَمْ یُبَیِّنْهُ فَصُوْلِحَ مِنْ ذَالِكَ عَلٰی شَيْءٍ ثُمَّ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الدَّارِ لَمْ یَرُدَّ شَیْئاً مِنَ الْعِوَضِ.

ترجمہ: اور اگر دعوی کرے مدعی حق کا گھر میں اور اس کی تفصیل بیان نہ کرے پھر صلح کر لی جائے اس کے بدلے کسی چیز پر پس مستحق نکل آئے بعض گھر کا تو مدعی اس عوض میں سے کچھ واپس نہ کرے۔

تشریح: زید نے عمر سے کہا کہ تمہارے قبضہ میں جو گھر ہے اس میں میرا حق ہے، کتنا ہے کس طرف ہے، تفصیل بیان نہیں کی پھر عمر نے زید کو دس ہزار روپے دے کر صلح کر لی بعد میں اس مکان میں کسی کا کچھ حق نکل گیا تو عمر زید سے اپنے دیئے پیسے واپس نہیں لے سکتا کیوں کہ جو کچھ حصہ مکان میں سے عمر کے پاس باقی رہ گیا ہے زید کہہ سکتا ہے کہ جو حصہ تمہارے پاس رہ گیا ہے اتنا ہی میرا حق تھا اور اس پر صلح کر کے میں نے تم سے دس ہزار روپے لئے تھے ہاں اگر پورا مکان کسی مستحق کا نکل گیا تو اب عمر زید سے اپنی دی ہوئی پوری رقم واپس لینے کا اختیار رکھتا ہے۔

(۱۰/۱۴۳۴) وَالصُّلْحُ جَائِزٌ مِنْ دَعْوَی الْاَمْوَالِ وَالْمَنَافِعِ وَجِنَایَةِ الْعَمَدِ وَالْخَطَاءِ.

ترجمہ: اور صلح جائز ہے مال منافع جنایت عمد اور جنایت خطا کے دعووں سے۔

وہ چیزیں جن کی طرف سے صلح جائز ہے یا جائز نہیں

تشریح: کسی نے مال کا دعوی کیا اس کے بدلہ میں کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے اور یہ صلح بیع کے درجہ میں

ہوگی اس کی تفصیل مسئلہ (۲) میں گذر چکی ہے، یا منافع کا کسی نے دعوی کیا اور اس کے بدلہ کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے اور یہ صلح اجارہ کے درجہ میں ہوگی، مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے میرے لئے اس مکان کی ایک سال رہائش کی وصیت کی ہے ورثہ نے اس کو کچھ مال دے کر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے اور عقد اجارہ کے ذریعہ منافع مملوک ہو جاتے ہیں تو صلح کے ذریعہ سے بھی مملوک ہو جاتے ہیں ایسے ہی جنایت عمد کے دعوی سے صلح کرنی جائز ہے، مثلاً کسی نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کر دیا یا کوئی عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص تھا اس قصاص کے بدلہ میں قاتل نے مقتول کے اولیاء کو مال کا لالچ دے کر یا عاجزی سے صلح کر لی تو جائز ہے، اور جنایت خطاء کی صورت یہ ہے کہ غلطی سے کسی نے کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر دیت واجب تھی لیکن بعد میں دیت سے کم مال پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے۔

دلیل: فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ. (آیت ۱۷۸ سورۃ البقرہ) یعنی پھر اگر بھائی کی جانب سے کچھ معاف کر دیا جائے تو باقی میں معروف کے ساتھ تقاضا کیا جائے گا اور اس کی طرف احسان کے ساتھ ادا کرنا ہوگا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قتل عمد سے صلح کے بارے میں نازل ہوئی۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۴)

اور جنایت خطا کی صورت میں صلح اس لیے جائز ہے کہ جنایت خطاء کا موجب مال ہے اور صلح عن المال بلا اشکال جائز ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۶۶)

(۱۱/۱۴۳۵) وَلَايَجُوْزُ مِنْ دَعْوىٰ حَدٍّ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے حد کے دعویٰ سے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی نے دوسرے پر حد شرعی کا دعویٰ کیا تو اس سے صلح جائز نہیں ہے، مثلاً کسی نے زانی چور یا شراب خور پکڑ کر قاضی کی عدالت میں لے جانے کا ارادہ کیا اور مجرم نے کچھ مال دے کر پکڑنے والے سے صلح کر لی تا کہ یہ اسے چھوڑ دے تو یہ صلح جائز نہیں ہے، اور مجرم کو اس بات کا حق ہے کہ اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے۔

دلیل: حد اصل میں اللہ کا حق ہے بندے کا نہیں ہے اور اللہ کا حق اللہ ہی معاف کر سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں اس لیے نہ اس کو معاف کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر صلح کر سکتا ہے۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۵)

(۱۲/۱۴۳۶) وَاِذَا ادَّعٰى رَجُلٌ عَلٰى امْرَأَةٍ نِكَاحاً وَهِيَ تَجْحَدُ فَصَالَحَتْهُ عَلٰى مَالٍ بَذَلَتْهُ حَتّٰى يَتْرُكَ الدَّعْوىٰ جَازَ وَكَانَ فِيْ مَعْنَى الْخُلْعِ.

ترجمہ: دعویٰ کیا کسی نے ایک عورت پر نکاح کا اور وہ انکار کرتی ہے پھر عورت نے صلح کر لی مال پر جس کو اس نے خرچ کیا تا کہ وہ دعویٰ چھوڑ دے تو جائز ہے اور یہ صلح خلع کے حکم میں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے ایک عورت پر دعویٰ کیا کہ اس سے میرا نکاح ہوا تھا جب کہ وہ عورت نکاح ہونے کا انکار کر رہی ہے بعد میں جان چھڑانے کے لئے عورت نے کچھ مال دے کر اس مرد سے صلح کر لی تا کہ وہ مرد نکاح کا دعوی چھوڑ دے تو یہ صلح جائز ہے، کیوں کہ عورت مقدمہ سے جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہی ہے اور اس کا مال اس لیے جان چھڑانے کے لئے مال خرچ کر سکتی ہے اور مرد کی جانب سے یوں سمجھا جائے گا کہ نکاح ہوا تھا اور عورت نے گویا خلع کیا اور خلع کے طور پر گویا یہ رقم مجھے دی ہے، اس لیے اس کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے۔

(۱۳/۱۴۳۷) وَاِذَا ادَّعَتْ اِمْرَأَةٌ نِكَاحاً عَلٰى رَجُلٍ فَصَالَحَهَا عَلٰى مَالٍ بَذَلَهُ لَهَا لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر دعوی کیا کسی عورت نے نکاح کا کسی مرد پر پھر صلح کر لی مرد نے عورت سے کچھ مال دے کر تو یہ صلح جائز نہیں۔

تشریح: یہ مسئلہ نمبر (۱۲) کا الٹا ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد نے مال دے کر اس عورت سے صلح کر لی تا کہ جان چھوٹ جائے تو عورت کے لئے مال لینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ مرد تو یہ سمجھ رہا ہے کہ اپنی جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہا ہوں اب عورت کس اعتبار سے لے رہی ہے؟ اگر یہ سمجھ کر لے رہی ہے کہ نکاح ہوا تھا اور جدائیگی کے لئے لے رہی ہوں تو جدائیگی میں مرد کی جانب سے کچھ مال نہیں ہوتا بلکہ عورت دیا کرتی ہے اور اگر یہ سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہی نہیں ہوا تھا تو ویسے ہی بغیر نکاح کے مال لینا جائز نہیں ہے۔

نوٹ: قدوری کے بعض نسخوں میں لم یجز کے بجائے یجوز ہے یعنی عورت کے لئے مال لینا جائز ہے اس کی تاویل یہ ہوگی کہ عورت سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہوا ہے اور مرد صلح کے طور پر جو مال دے رہا ہے یہ مہر میں زیادتی ہے گویا کہ مہر میں زیادتی کر کے اصل مہر پر خلع دے دیا تو اصلی مہر ساقط ہو گیا، اور یہ زیادتی جوں کی توں رہی۔ الجوہرة ۲/۵، رقم حاشیۃ القدوری ۷)

صاحب اللباب نے لکھا ہے کہ لم یجز والا نسخہ ہی اصح ہے۔ (۲/۸۷)

(۱۴/۱۴۳۸) وَاِنِ ادَّعٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ اَنَّهُ عَبْدُهُ فَصَالَحَهُ عَلٰى مَالٍ اَعْطَاهُ جَازَ وَكَانَ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعِيْ فِيْ مَعْنَى الْعِتْقِ عَلٰى مَالٍ.

ترجمہ: اور اگر دعوی کرے ایک آدمی دوسرے پر کہ یہ میرا غلام ہے چناں چہ اس نے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو جائز ہے اور یہ مدعی کے حق میں مال پر آزادی کے حکم میں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے جب کہ اس کے نسب کا حال معلوم نہیں یعنی مدعی علیہ مجہول النسب ہے غلام نے انکار کر دیا بعد میں کچھ مال دے کر صلح کر لی تو مدعی کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے کیوں کہ غلام تو جان چھڑانے کے لئے مال دے رہا ہے اور مدعی کے حق میں یہ سمجھا جائے گا کہ وقعتاً یہ اس کا غلام تھا اور مدعی نے صلح کا مال

لے کر اس کو آزاد کیا اور مال لے کر آزاد کرنا جائز ہے۔

(۱۵/۱۴۳۹) وَكُلُّ شَيْءٍ وَقَعَ عَلَيْهِ الصُّلْحُ وَهُوَ مُسْتَحَقٌّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ وَإِنَّمَا يُحْمَلُ عَلَى أَنَّهُ اسْتَوْفَى بَعْضَ حَقِّهِ وَأَسْقَطَ بَاقِيَهُ كَمَنْ لَهُ عَلَى رَجُلٍ أَلْفُ دِرْهَمٍ جِيَادٍ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ زُيُوفٍ جَازَ وَصَارَ كَأَنَّهُ أَبْرَأَهُ عَنْ بَعْضِ حَقِّهِ.

حل لغات: عقد مداينة: ادھار فروخت کرنا یا قرض دینا مداينة باب مفاعلت سے ہے مطلب یہ ہے کہ درہم، دینار وغیرہ قرض دیا ہو یا کوئی چیز درہم دینار کے بدلہ بیچی ہو اور وہ مشتری پر قرض ہو۔ استوفى: مصدر استیفاء پورا حق لینا، جیاد: جید کی جمع ہے عمدہ، کھرا، زیوف: زیف کی جمع ہے کھوٹا، أبرأه عنه ابراءً بری کرنا۔

ترجمہ: اور ہر وہ چیز جس پر صلح واقع ہو اور اس میں وہ دین کے عقد سے مستحق ہو تو اس صلح کو معاوضہ پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ محمول کیا جائے گا اس بات پر کہ مدعی نے اپنا کچھ حق لے لیا اور باقی کو ساقط کر دیا جیسے کسی آدمی کے کسی پر ایک ہزار کھرے درہم تھے اس نے پانچسو کھوٹے درہموں پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے اور یہ ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے اس کو اپنے بعض حق سے بری کر دیا۔

دین سے صلح کرنے کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے قرض میں صلح سے متعلق ایک اصول بیان فرمایا ہے، کہ جس چیز پر صلح واقع ہو اور معاملہ قرض کی وجہ سے واجب ہو یعنی درہم، دینار وغیرہ قرض دیا ہو یا کوئی چیز درہم دینار کے بدلہ بیچی ہو اور وہ مشتری پر قرض ہو اب درہم دینار قرض کے بدلہ صلح کرنا چاہتا ہے تو اس صلح کو معاوضہ پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق وصول کر لیا اور کچھ ساقط کر دیا، اگر اس کو معاوضہ پر محمول کرتے ہیں تو برابر سرابر ہونا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا جو حرام ہے، اس کی صورت صاحب کتاب یہ لکھ رہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی سے کوئی چیز ایک ہزار درہم کے بدلہ خریدی اب مشتری پر وہ ہزار درہم بطور قرض ہیں اب بائع اور مشتری دونوں نے پانچ سو گھٹیا اور کھوٹے دراہم پر صلح کر لی تو یوں سمجھا جائے گا کہ عدد کے اعتبار سے باقی پانچ سو چھوڑ دیا اور صفت کے اعتبار سے عمدہ کو ساقط کر کے گھٹیا لیا یوں نہیں کہیں گے کہ ایک ہزار درہم کے بدلہ پانچ سو درہم لیا اگر ایسا کہیں تو سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔

(۱۶/۱۴۴۰) وَلَوْ صَالَحَهُ عَلَى أَلْفٍ مُؤَجَّلَةٍ جَازَ وَكَأَنَّهُ أَجَّلَ نَفْسَ الْحَقِّ.

لغت: مؤجلة: تاخیر کے ساتھ، مصدر تاجیلاً مدت مقرر کرنا مہلت دینا مؤخر کرنا۔

ترجمہ: اور اگر صلح کی ایک ہزار تاخیر پر تو یہ بھی جائز ہے گویا کہ اس نے نفس حق کو مؤخر کر دیا۔

تشریح: کسی کا کسی پر ایک ہزار روپیہ فوری (جلدی والا فی الحال) تھا لیکن تاخیر کے ساتھ دینے پر صلح کرلی تو اگر معاوضہ قرار دیتے ہیں تو ہزار پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا، کیوں کہ ہزار ہزار کے بدلہ ہو تو مجلس قبضہ کرنا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا کیوں کہ ہزار ہزار کے بدلہ ہو تو مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے اس لیے یوں تادیل کریں گے کہ مدعی کا حق تو فی الحال تھا لیکن اس نے اپنا حق چھوڑ دیا اور تاخیر کے ساتھ لینے پر راضی ہو گیا۔ (الجوہرۃ ۲/۶)

(۱۴۴۱/۱۷) وَلَوْ صَالَحَهُ عَلٰی دَنَانِيْرَ اِلٰی شَهْرٍ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر صلح کی دینار پر ایک ماہ کی تاخیر کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: ایک آدمی کے دوسرے پر ایک ہزار درہم فوری قرض تھے مقروض نے ایک ماہ کی تاخیر کے ساتھ کچھ دینار پر صلح کرلی تو یہ جائز نہیں ہے کیوں کہ واجب تو درہم تھے دینار تھوڑا ہی تھے تو جو درہم کے بدلہ دینار پر صلح کی یہ اسقاط نہیں ہوا بدلہ ہوا اور معاوضہ پر محمول کرنے کی صورت میں یہ بیع صرف ہوگی اور بیع صرف میں مجلس کے اندر قبضہ کرنا ضروری ہے اور صلح کرلی مہینہ کی تاخیر پر جو سود ہے اس لئے صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ: اگر ایک ماہ کی تاخیر نہ کرتا اور فوری طور پر درہم کے بدلہ کچھ دینار پر صلح کرلیتا اور مجلس میں دینار پر قبضہ کرلیتا تو جائز ہو جاتا کیوں کہ درہم کے بدلہ دینار کمی بیشی کر کے لے سکتا ہے، البتہ مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔

(۱۴۴۲/۱۸) وَلَوْ كَانَ لَهٗ اَلْفٌ مُؤَجَّلَةٌ فَصَالَحَهٗ عَلٰی خَمْسِمِائَةٍ حَالَّةٍ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر کسی کے ہزار تاخیر کے ساتھ ہو اور وہ صلح کرے پانچ سو فوری پر تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: کسی کے دوسرے پر ایک ہزار درہم تھے لیکن تاخیر کے ساتھ ادا کرنے کی شرط تھی اس نے پانچ سو درہم پر صلح کرلی اور جلدی ادا کرنے کی شرط لگائی تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ نقد ادھار سے بہتر ہے جب کہ قرض کے معاملہ میں قرضخواہ نقد کا مستحق نہیں تھا اور قرض خواہ نے جس قدر حق سے کم کیا ہے (پانچ سو درہم) وہ میعاد کے مقابلہ میں ہے اور نصف کا کم کرنا یہ میعاد کا عوض لینا سمجھا جائے گا اور میعاد کا عوض لینا حرام ہے۔ (الجوہرۃ ۲/۶)

(۱۴۴۳/۱۹) وَلَوْ كَانَ لَهٗ اَلْفُ دِرْهَمٍ سُوْدٍ فَصَالَحَهٗ عَلٰی خَمْسِمِائَةٍ بِيْضٍ لَمْ يَجُزْ.

حل لغات: سود: یہ اسود کی جمع ہے کالا کھوٹا درہم، بیض: یہ ابیض کی جمع ہے سفید، عمدہ درہم، کھرا درہم۔

ترجمہ: اور اگر کسی کے ایک ہزار درہم کھوٹے درہم ہوں اور صلح کرلے پانچ سو کھرے درہم پر تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: اس مسئلہ کے سمجھنے سے قبل ایک اصول ملاحظہ فرمائیں وہ یہ کہ اگر وصول شدہ رقم اپنے حق سے کم ہے تو

وہ اسقاط ہے معاوضہ کے درجہ میں نہیں ہے اور اگر مقدار یا وصف کے اعتبار سے زائد ہے تو یہ معاوضہ ہے، اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی کے دوسرے کے ذمہ ہزار درہم سیاہ قرض تھے مقروض نے پانچ سو سفید درہم پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز نہیں ہے، کیوں کہ کھوٹے درہم کی قیمت کم ہے اور عمدہ درہم کی قیمت زیادہ ہے جب کھوٹے درہم کے بدلہ عمدہ لے لیا تو وصف کے اعتبار سے زیادتی ہوگئی، تو یہ معاوضہ ہوا اور درہم کے بدلہ میں درہم ہو تو برابر ہونا چاہئے ورنہ سود ہوگا یہاں ہزار کے بدلہ پانچ سو درہم ہیں لہٰذا سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

(۲۰/۱۴۴۴) وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِالصُّلْحِ عَنْهُ فَصَالَحَهُ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيْلَ مَا صَالَحَهُ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَضْمَنَهُ وَالْمَالُ لَازِمٌ لِلْمُوَكِّلِ.

ترجمہ: کسی نے وکیل کیا دوسرے کو صلح کرنے کا اپنی جانب سے اس نے صلح کرادی تو لازم نہ ہوگی وکیل کو وہ چیز جس پر صلح واقع ہوئی ہے مگر یہ کہ وہ اس کا ضامن بن جائے اور مال مؤکل پر لازم ہوگا۔

صلح کے ساتھ تبرع اور صلح کے ساتھ وکیل کرنے کا بیان

تشریح: مسئلہ کی وضاحت سے قبل بطور تمہید یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ صلح دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ صلح جس میں صلح کے ذریعہ اپنے کچھ حقوق ساقط کرنا ہے جیسے ہزار روپے کسی پر قرض تھے اس سے پانچ سو پر صلح کر لی صلح کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اسقاط نہیں ہوتا بلکہ بدل اور معاوضہ کی شکل ہوتی ہے جیسے اقرار کے بعد مال کے بدلہ مال پر صلح کرے، دوسری بات یہ ہے کہ صلح کی قسم اول میں صلح کرانے کا وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور صرف مؤکل کی بات پہنچا دیتا ہے اس لیے صلح کے مال کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوگی بلکہ مال کی ذمہ داری مؤکل پر ہوگی اور صلح کی قسم دوم میں وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔

اب مسئلہ کی وضاحت اس طرح ہے کہ ایک شخص نے اپنی جانب سے کسی کو وکیل بنایا تاکہ وہ صلح کر دے اس وکیل نے صلح کرادی اب بدل صلح وکیل پر لازم نہیں ہوگا صاحب قدروی کی عبارت میں صلح کی قسم اول مراد ہے، اس لیے مال کی ذمہ داری مؤکل پر ہوگی، ہاں اگر وکیل صلح کراتے وقت بدل صلح کا ضامن ہو جائے تو ضمانت کی وجہ سے اس پر ذمہ داری آئے گی۔

(۲۱/۱۴۴۵) فَاِنْ صَالَحَ عَنْهُ عَلٰی شَيْءٍ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَهُوَ عَلٰی اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ اِنْ صَالَحَ بِمَالٍ وَضَمِنَهٗ تَمَّ الصُّلْحُ وَكَذَالِكَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلٰی اَلْفِيْ هٰذِهٖ اَوْ عَلٰی عَبْدِيْ هٰذَا تَمَّ الصُّلْحُ وَلَزِمَهٗ تَسْلِيْمُهَا اِلَيْهِ وَكَذَالِكَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلٰی اَلْفٍ وَسَلَّمَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلٰی اَلْفٍ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ فَالْعَقْدُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُدَّعٰی عَلَيْهِ جَازَ وَلَزِمَهُ الْاَلْفُ وَاِنْ لَمْ يُجِزْهُ بَطَلَ.

ترجمہ: اگر صلح کرلی اس کی طرف سے کسی چیز پر اس کے حکم کے بغیر تو یہ چار صورتوں پر ہے (۱) اگر صلح کرے مال پر اور اس کا ضامن بھی ہو جائے تو صلح پوری ہوگئی (۲) اور ایسے ہی اگر کہا کہ صلح کرلی میں نے تم سے ان دو ہزار پر یا اپنے اس غلام پر تو صلح پوری ہوگئی اور لازم ہوگا اس (وکیل) کو اس کا (روپے یا غلام) کا سپرد کرنا مدعی کی طرف (۳) اور ایسے ہی اگر کہا میں نے تم سے صلح کی ہزار پر اور وہ ہزار اس کے حوالے کردیئے۔ (۴) اور اگر کہا کہ میں ایک ہزار پر صلح کرتا ہوں اور اس کو ہزار سپرد نہیں کیا تو عقد صلح موقوف رہے گا اگر مدعی علیہ اس کی اجازت دیدے تو صلح جائز ہو جائے گی اور مدعی علیہ پر ہزار لازم ہو جائیں گے اور اگر وہ اجازت نہ دے تو صلح باطل ہو جائے گی۔

تشریح: ایک آدمی کو مجرم یا موکل نے صلح کرنے کا حکم نہیں دیا پھر بھی اس نے اپنی جانب سے فضولی بن کر صلح کرلی تو اس مسئلہ کی چار صورتیں صاحب کتاب نے ذکر فرمائی ہیں:

(۱) فضولی نے مال پر صلح کی اور خود مال حوالہ کرنے کی ذمہ داری لے لی (۲) فضولی نے بدل صلح کی نسبت اپنے ذاتی مال کی طرف کی مثلاً میں ان دو ہزار درہموں پر صلح کرتا ہوں یا اپنے اس غلام پر صلح کرتا ہوں تو یہ صلح بھی مکمل ہوگئی اور اس صورت میں فضولی پر لازم ہوگا کہ دو ہزار درہم یا غلام مدعی کے حوالہ کرے۔

(۳) فضولی نے نہ اپنے مال کی طرف نسبت کی اور نہ اشارہ کیا بلکہ مطلق کہا کہ میں نے ہزار درہم پر صلح کی اور ایک ہزار درہم مدعی کے حوالہ کردیا فضولی کی ذمہ داری تو پوری ہوگئی اس لیے صلح بھی مکمل ہو جائے گی (۴) فضولی نے صرف یہ کہا کہ میں نے ہزار درہم پر صلح کی اور وہ ہزار درہم مدعی کے حوالہ بھی نہیں کیا تو اب صلح مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہو جائے گی اور اس پر ہزار درہم لازم ہوں گے اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو جائے گی، پہلی تین صورتوں کی دلیل یہ ہے کہ فضولی نے اپنے اوپر ذمہ داری لے کر صلح کی ہے اور رقم بھی دے دی ہے اس لیے پہلی تین صورتوں میں صلح مکمل ہو جائے گی، اور چوتھی صورت کی دلیل یہ ہے کہ معاملہ میں اصل مدعی علیہ ہے لیکن چوں کہ فضولی نے خود ذمہ داری لی ہے اس معنی کر وہ اصل بن گیا مگر اس نے مال کی نسبت اپنی جانب نہیں کی تو وہ محض عاقد کے درجہ میں رہا لہٰذا اب صلح مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی۔

(۱۴۴۶/۲۲) وَاِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَيْنَ الشَّرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى ثَوْبٍ فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اِتَّبَعَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِنِصْفِهٖ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ اِلَّا اَنْ يَضْمَنَ لَهٗ شَرِيْكُهٗ رُبْعَ الدَّيْنِ.

ترجمہ: اور اگر قرض دو شریکوں کے درمیان (مشترک) ہو پھر صلح کرلے ان میں سے ایک شریک اپنے حصہ کی طرف سے کپڑے پر تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے اس کا پیچھا کرے جس پر دین ہے اپنا آدھا حصہ لینے کیلئے اور اگر چاہے تو آدھا کپڑا لے لے مگر یہ کہ ضامن ہو اس کے لئے اس کا شریک چوتھائی قرض کا۔

دین مشترک سے صلح کرنے کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوریؒ نے ایک مسئلہ کی تین صورتیں بیان کی ہیں مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ زید اور عمر کا قرض مثلاً ایک ہزار روپے خالد پر تھے زید نے اپنے حصہ پانچسو کے عوض کسی کپڑے پر صلح کر لی تو اب عمر کو اختیار ہے کہ یا تو اپنا حصہ (پانچ سو) براہ راست خالد مقروض سے وصول کرے اور اس کی پیچھا کرے کیوں کہ حقیقت میں عمر کا قرض خالد پر ہی ہے اور دوسرا اختیار عمر کو یہ ہے کہ اس کا جو شریک زید ہے جس نے اپنے حصہ کا کپڑا لیا ہے اس کپڑے میں شریک ہو جائے اور پھر دونوں مل کر پانچ سو کا مطالبہ خالد سے کریں اور تیسری صورت یہ ہے کہ زید نے اپنا حصہ (پانچ سو) وصول کر لیا ہے اس کے آدھے یعنی پورے قرض کی چوتھائی کا ذمہ دار بن جائے اور عمر شریک سے کہے کہ تمہارا چوتھائی (ڈھائی سو) میں دوں گا اس صورت میں عمر زید کے اس لیے ہوئے کپڑے میں شریک نہیں ہو سکتا اب دونوں مل کر آدھا قرض خالد سے وصول کریں گے۔

(۲۳/۱۴۴۷)　وَلَوِ اسْتَوْفٰى نِصْفَ نَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُشَارِكَهٗ فِيْمَا قَبَضَ ثُمَّ يَرْجِعَانِ عَلَى الْغَرِيْمِ بِالْبَاقِيْ.

ترجمہ: اور اگر وصول کر چکا اپنا آدھا حصہ قرض سے تو شریک کے لئے جائز ہے کہ وصول شدہ چیز میں شریک ہو جائے، پھر دونوں وصول کرے باقی قرض مقروض سے۔

تشریح: مثلاً زید نے اپنے پانچ سو روپے وصول کر لئے یعنی اس کے بدلہ کسی چیز پر صلح نہیں کی تو اس کے شریک عمر کو اختیار ہے کہ وصول کردہ قرض میں شریک ہو جائے اور آدھا روپیہ زید سے لے لے کیوں کہ عین قرض میں دونوں شریک تھے، اس لیے ایک شریک نے جو لیا اس میں سے آدھا دوسرے کا بھی وصول کیا بعد میں دونوں مل کر مقروض (خالد) سے اپنا آدھا قرض وصول کریں کیوں کہ دونوں کا آدھا قرض ابھی مقروض کے پاس باقی ہے، اس لیے دونوں مل کر وصول کریں گے۔

(۲۴/۱۴۴۸)　وَلَوِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا بِنَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ سِلْعَةً كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُضَمِّنَهٗ رُبُعَ الدَّيْنِ.

ترجمہ: اور اگر خرید لیا دونوں میں سے ایک نے اپنے قرض کے حصہ سے سامان تو اس کے شریک کو اختیار ہے کہ اس کو چوتھائی دین کا ذمہ دار بنا دے۔

تشریح: اگر ایک شریک نے اپنے حصہ کے عوض مقروض سے کوئی چیز خرید لی تو دوسرے شریک کو یہ اختیار ہے کہ اس شریک سے قرض کے چوتھائی کا تاوان وصول کر لے اور اگر چاہے اصل مقروض سے مطالبہ کرے کیوں کہ مدیون

کے ذمہ اس کا حق باقی ہے۔

(۱۴۴۹/۲۵) وَاِذَا كَانَ السَّلَمُ بَيْنَ الشَّرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى رَأْسِ الْمَالِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَجُوْزُ الصُّلْحُ.

ترجمہ: اور اگر ہو سلم کا مال (مسلم فیہ) دو شریکوں کے درمیان (مشترک) اور ان میں سے ایک شریک اپنے حصہ کی طرف سے رأس المال پر صلح کر لے، تو جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ صلح جائز ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں نے مل کر ایک کوئنٹل گیہوں میں بیع سلم کی اور ایک ہزار روپے رأس المال طے پایا پھر ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ کے پانچ سو روپے دے دیئے پھر ایک رب السلم نے اپنے آدھے کوئنٹل کے بدلہ میں پانچ سو روپے پر بائع یعنی مسلم الیہ سے صلح کرلی تو طرفین کے نزدیک اس شریک کا صلح کرنا اور بغیر دوسرے شریک کی رضامندی کے اپنا حصہ واپس لینا جائز نہیں ہے، کیوں یہ ایک قسم کا دھوکہ ہے کہ دونوں نے عقد سلم کیا اور اب ایک اس کو اپنی مرضی سے توڑ رہا ہے، ماقبل کی تفصیل طرفین کے مذہب کے مطابق ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک شریک کا صلح کر کے رأس المال لینا جائز ہے کیوں کہ آدھا حصہ اس شریک کا ذاتی تھا تو جس طرح اور ذاتی مال میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا ہے اسی طرح یہاں بھی اپنے حصہ کو صلح کر کے مسلم الیہ سے واپس لے سکتا ہے۔

(۱۴۵۰/۲۶) وَاِذَا كَانَتِ التَّرِكَةُ بَيْنَ وَرَثَةٍ فَاَخْرَجُوْا اَحَدَهُمْ مِنْهَا بِمَالٍ اَعْطَوْهُ اِيَّاهُ وَالتَّرِكَةُ عَقَارٌ اَوْ عُرُوْضٌ جَازَ قَلِيْلًا كَانَ مَا اَعْطَوْهُ اَوْ كَثِيْرًا.

ترجمہ: اور جب ہو ترکہ چند ورثہ کے درمیان پھر وہ الگ کر دیں اپنے میں سے کسی ایک کو کچھ مال دے کر اور وہ ترکہ زمین ہے یا سامان ہے تو جائز ہے کم ہو جو انہوں نے دیا ہے یا زائد ہو۔

مسائل تخارج کا بیان

تشریح: ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کے بہت سے ورثہ تھے اس نے ترکہ میں کوئی سامان یا زمین چھوڑ دی وارثین نے کسی ایک وارث کو کچھ نقد مال دے کر میراث سے خارج کر دیا تو اس طرح مال دے کر خارج کرنا درست ہے اور جس مال پر صلح ہوئی وہ نقد وراثت کے حصہ سے کم ہو یا زیادہ ہو دونوں جائز ہیں، کیوں کہ وراثت کا حصہ اور صلح کا نقد ایک جنس نہیں ہیں اس لیے کمی بیشی سے سود نہیں ہوگا اس لیے دونوں صورتیں جائز ہیں، کچھ لے کر ترکہ چھوڑ دینے پر صلح کو تخارج کہتے ہیں اس کا ثبوت اس اثر میں ہے، کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی کو وارثین نے آٹھویں کے تہائی حصہ پر نکالا اور اس نے تراسی ہزار درہم پر صلح کی۔ (مصنف عبدالرزاق ۸/۲۸۹)

(۱۴۵۱/۲۷) فَاِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ فِضَّةً فَاَعْطَوْهُ ذَهَباً اَوْ ذَهَباً فَاَعْطَوْهُ فِضَّةً فَهُوَ كَذَالِكَ.

ترجمہ: اور اگر ترکہ چاندی اور وہ سونا دیں یا سونا ہو اور وہ چاندی دیں تو یہ بھی اسی طرح ہے۔

تشریح: اگر ترکہ میں چاندی ہو مگر وارثین نے نکلنے والے کو سونا دے کر صلح کر لی یا ترکہ میں سونا تھا اور لوگوں نے اس کو چاندی دے کر صلح کر لی تو یہ بھی جائز ہے خواہ دیا ہوا مال کم ہو یا زیادہ۔

دلیل: ترکہ میں چاندی ہے اور سونا دے کر صلح کر لی یا اس کا برعکس کیا تو چوں کہ دو جنس الگ الگ ہیں تو کمی بیشی سے سود لازم نہیں آتا ہے لیکن مجلس عقد میں قبضہ ضروری ہے کیوں کہ بیع صرف ہے۔ (اللباب ۲/۹۱)

(۱۴۵۲/۲۸) وَاِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ ذَهَباً وَفِضَّةً وَغَيْرَ ذَالِكَ فَصَالَحُوْهُ عَلٰى ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ فَلَا بُدَّ اَنْ يَّكُوْنَ مَا اَعْطَوْهُ اَكْثَرَ مِنْ نَصِيْبِهٖ مِنْ ذَالِكَ الْجِنْسِ حَتّٰى يَكُوْنَ نَصِيْبُهٗ بِمِثْلِهٖ وَالزِّيَادَةُ بِحَقِّهٖ مِنْ بَقِيَّةِ الْمِيْرَاثِ.

ترجمہ: اور اگر ترکہ سونا چاندی اور اس کے علاوہ ہو، اور وہ صلح کریں صرف سونے یا چاندی پر تو ضروری ہے کہ جو کچھ دیا وہ زیادہ ہو اس کے اس حصہ سے جو اسی جنس سے تھے تاکہ اس کا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور زائد حصہ اس حق کے مقابلہ میں ہو جائے جو باقی میراث میں ہے۔

تشریح: اگر ترکہ میں سونا چاندی کے ساتھ ساتھ دوسرے اسباب بھی ہوں اور ورثہ نے وارث کو صرف سونا یا چاندی دے کر صلح کر لی تو ایسی صورت میں اس صلح کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وارث کو سونا یا چاندی میں سے جو کچھ دیا ہے وہ اس مقدار سے زائد ہو جو اس وارث کو اس جنس کے حصہ میں ملنے والا ہے تاکہ جنس ثمن کے برابر ہو جائے اور زائد سونا بقیہ چاندی و سامان کے مقابلہ میں ہو جائے، مثلاً جو آدمی میراث کے حصہ سے نکلنا چاہتا ہے اس کا حصہ چاندی میں سے ایک ہزار درہم سونے میں سے پچاس دینار اور بقیہ سامان میں سے ۵ کوئنٹل چاول ملنے والے ہیں اب وہ چاندی لے کر اپنے حصہ پر صلح کرنا چاہتا ہے تو چاندی ایک ہزار درہم سے زیادہ ہونی چاہئے تاکہ ایک ہزار درہم چاندی اس ایک ہزار کے برابر ہو جائے جو اس کو وراثت میں ملنے والے تھے اور جو زیادہ چاندی ہو وہ پچاس دینار اور ۵ کوئنٹل چاول کے مقابلہ میں ہو جائیں اور اگر دینار پر صلح کرنا چاہتا ہو پچاس دینار سے زیادہ ہونا چاہئے تاکہ اس کو جو وراثت میں پچاس دینار ملنے والے تھے اس کے برابر پچاس دینار ہو جائیں اور جو زیادہ ہو وہ ایک ہزار درہم چاندی اور چاول کے مقابلہ میں ہو جائے لہذا پچاس دینار سے کم پر صلح جائز نہ ہوگی۔

نوٹ: جتنا سونا سونے کے بدلہ میں یا چاندی چاندی کے بدلہ میں ہو اس پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے تاکہ سود لازم نہ آئے۔

(۱۴۵۳/۲۹) وَاِذَا كَانَ التَّرِكَةُ دَيْناً عَلَى النَّاسِ فَاَدْخَلُوْهُ فِي الصُّلْحِ عَلٰى اَنْ يُّخْرِجُوْا الْمُصَالِحَ

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے بیٹے کے حصہ کی تو وصیت باطل ہے۔

تشریح: اگر موصی نے اس طرح وصیت کی کہ میرے بیٹے کو میری وراثت میں سے جتنا حصہ ملے گا وہی حصہ فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت باطل ہے، کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹے کی ملکیت ہوگا تو موصی کو یہ حق کہاں ہے کہ وہ غیروں کے مال کی وصیت کردے لہٰذا یہ وصیت باطل ہوگی۔

(۱۹/۲۹۸۶) وَاِنْ اَوْصٰى بِمِثْلِ نَصِيْبِ ابْنِهٖ جَازَتْ فَاِنْ كَانَ لَهٗ ابْنَانِ فَلِلْمُوْصٰى لَهُ الثُّلُثُ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کردے بیٹے کے حصہ کے مثل کی تو جائز ہوگی اب اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کے لئے تہائی ہوگا۔

تشریح: اگر موصی نے اس طرح وصیت کی کہ میرے بیٹے کا جتنا حصہ ہے اتنے کی میں نے فلاں کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہے کیونکہ یہاں موصی نے دوسروں کے مال کی وصیت نہیں کی بلکہ موصی بہ کو غیر کے مال سے ناپا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شئ کا مثل اسی شئ کا غیر ہوا کرتا ہے، معلوم ہوا کہ موصی نے دوسروں کے حق کی وصیت نہیں کی بلکہ بیٹے کے حق سے موصی بہ کو ناپا ہے اور موصی بہ کا اندازہ لگایا ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اگر موصی کے دو بیٹے تھے تو موصی لہ کو تیسرا بیٹا شمار کیا جائے گا اور تینوں کو ایک ایک تہائی مل جائے گی۔

(۲۰/۲۹۸۷) وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَهٗ فِيْ مَرَضِهٖ اَوْ بَاعَ وَحَابٰى اَوْ وَهَبَ فَذٰلِكَ كُلُّهٗ جَائِزٌ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثُّلُثِ وَيُضْرَبُ بِهٖ مَعَ اَصْحَابِ الْوَصَايَا.

ترجمہ: اور جس نے آزاد کیا اپنا غلام اپنی بیماری میں یا بیچ دیا اور محابات کی یا ہبہ کردیا تو یہ سب جائز ہے جو تہائی سے معتبر ہے، اور شریک کیا جائے گا اس کو اصحاب وصایا کے ساتھ۔

تشریح: یہاں قدوری کے نسخے مختلف ہیں بعض نسخوں میں ہے "فذلك كله جائز" اور بعض میں اس کے بجائے یوں ہے "فهو وصية" اور دونوں باتوں کا مآل ایک ہے مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت کے درجہ میں ہے کیوں کہ معتق ایسے زمانہ میں احسان کررہا ہے جب کہ اس کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوگیا ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرض الموت میں کسی نے اپنا غلام آزاد کیا تو تہائی مال سے آزاد ہوگا اس سے زائد آزاد نہ ہوگا مثلاً اس کے پاس کل مال چھ ہزار ہے اور غلام کی قیمت دو ہزار ہے تو پورا غلام آزاد ہوجائے گا لیکن اگر غلام کی قیمت چار ہزار ہے تو آدھا غلام آزاد ہوگا جو میت کے مال کا تہائی ہے، یعنی دو ہزار کے مطابق اور باقی آدھا سعی کرکے وارثین کو دے گا اور اگر کسی اور کے لئے دو ہزار دینے کی وصیت بھی کر رکھی ہے تو اب غلام کا ایک ہزار یعنی آدھا آزاد ہوگا اور ایک ہزار کی سعی کرے گا اور وصیت والے کو ایک ہزار دیا جائے گا۔

قوله او باع وحابى: مرض الموت میں کسی نے غلام بیچ دیا اور بیع میں محابات کی مثلاً غلام کی قیمت دو ہزار تھی

ایک سو میں بیچ دیا تو یہ بیچنا جائز تو ہے لیکن مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس کی حیثیت وصیت کی طرح ہوگئی یعنی یہ دو ہزار اگر کل مال کا تہائی ہے تب تو جائز ہے اور تہائی سے زیادہ ہے تو تہائی تک نفاذ ہوگا اور اگر اور بھی وصیت کر رکھی ہے تو تہائی مال پر تقسیم کی جائے گی مثلاً دو ہزار کی دوسری وصیت بھی کی ہے، تو یہ مل کر چار ہزار ہو گئے اور ملکیت کل چھ ہزار ہے تو محابات اور وصیت میں آدھا آدھا کم ہو جائے گا ایک ہزار وصیت والے کو دیا جائے گا اور ایک ہزار محابات والے کا معاف ہوگا باقی ایک ہزار میں مشتری کو خریدنا ہوگا۔

قولہ او وھب: مرض الموت میں غلام ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہے لیکن اس کی حیثیت بھی وصیت کی طرح ہو جائے گی جیسا کہ بالتفصیل ماقبل میں آچکا ہے، اور اگر اس کے علاوہ بھی وصیتیں ہیں تو سب کو حصوں پر تقسیم کریں گے۔

ویضرب بہ مع اصحاب الوصایا: یعنی اگر مریض نے اس کے علاوہ اوروں کے لئے بھی وصیت کی تو اسی تہائی میں وہ بھی شریک ہوں گے، کمامر مفصلاً۔

(۲۱/۲۹۸۸) فَإِنْ حَابٰى ثُمَّ اَعْتَقَ فَالْمُحَابَاةُ اَوْلٰى عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِنْ اَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰى فَهُمَا سَوَاءٌ وَقَالَا اَلْعِتْقُ اَوْلٰى فِى الْمَسْئَلَتَيْنِ.

ترجمہ: اگر پہلے محابات کرے پھر آزاد کرے تو محابات اولیٰ ہوگی امام صاحبؒ کے نزدیک اور اگر آزاد کرے پھر محابات کرے تو یہ دونوں برابر ہیں اور صاحبین نے فرمایا کہ آزادی اولیٰ ہے، دونوں مسئلوں میں۔

تشریح: اگر محابات اور عتق جمع ہو جائیں تو اب کون مقدم ہوگا تو اس میں صاحبین اور امام ابوحنیفہؒ کا اختلاف ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ عتق ہر حال میں محابات سے اولیٰ ہے، اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے مریض نے محابات کی ہو اور اس کے بعد آزاد کیا ہو تو اس صورت میں تو محابات عتق سے اولیٰ ہے، اور اگر اس نے پہلے آزاد کیا ہو اور پھر محابات کی ہو تو دونوں برابر ہیں، برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ثلث میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے اور محابات کے مقدم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ثلث کے اندر پہلے محابات کو جاری کیا جائے گا اگر کچھ بچ جائے تو مابقیہ میں آزادی نافذ ہوگی ورنہ نہیں اور عتق کے مقدم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ثلث سے پہلے آزادی کو نافذ کریں گے اگر کچھ بچ جائے تو مابقیہ میں محابات کو جاری کریں گے ورنہ نہیں۔

محابات کے اولیٰ کی مثال: مرض الموت میں دو ہزار کے غلام کو ایک سو میں فروخت کر دیا اور دوسرے غلام کو آزاد کر دیا وہ بھی دو ہزار کا تھا اور کل مالیت چھ ہزار تھی تو اب محابات کو ترجیح دے کر غلام کی بیع ایک سو میں نافذ کر دی جائے گی اور جس غلام کو آزاد کیا ہے وہ اپنی پوری قیمت کما کر دے گا۔

برابر ہونے کی مثال: پہلے آزاد کیا پھر محابات کی مثلاً آزاد کردہ غلام دو ہزار کا اور محابات کردہ غلام بھی دو ہزار کا ہے اور کل ملکیت چھ ہزار ہے تو آزاد کردہ غلام کا آدھا آزاد ہوگا اور باقی آدھا یعنی ایک ہزار کما کر میت کے

ورثاء کو دے گا اور محابات کردہ غلام کی قیمت ایک ہزار مشتری کو ادا کرنی ہوگی۔

آزادی کے مقدم ہونے کی مثال: محابات پہلے کی ہو یا آزاد پہلے کیا ہو ہر حال میں آزادی کو ترجیح دی جائے گی مثلاً کل ملکیت چھ ہزار ہے اور آزاد کردہ غلام دو ہزار کا ہے اور محابات کردہ بھی دو ہزار کا ہے تو اب غلام آزاد ہوگا اور محابات والے کو غلام کی پوری قیمت دے کر خریدنا ہوگا۔

(۲۲/۲۹۸۹) وَمَنْ اَوْصٰی بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ اَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ اِلَّا اَنْ یَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَیُتَمَّ لَهُ السُّدُسُ وَاِنْ اَوْصٰی بِجُزْءٍ مِّنْ مَالِهٖ قِیْلَ لِلْوَرَثَةِ اَعْطُوْهُ مَاشِئْتُمْ۔

ترجمہ: کسی نے وصیت کی اپنے مال کے ایک حصہ کی تو اس کے لئے ورثاء کے حصوں میں سے گھٹیا ہے مگر یہ کہ کم ہو گھٹیا چھٹے سے تو پورا کر دیا جائے گا اس کے لئے چھٹا، اور اگر وصیت کردے اپنے مال کے ایک جزء کی تو کہا جائے گا ورثاء سے کہ دے دو جو چاہو۔

تشریح: اگر موصی نے وصیت ان الفاظ میں کی کہ میرے مال کا ایک حصہ فلاں کے لئے ہے، یا میرے مال کا ایک جزء فلاں کے لئے ہے تو سہم (حصہ) اور جزء دونوں ہم معنی ہیں اور دونوں کے اندر جہالت ہے اور جہالت وصیت کے لئے نقصان دہ نہیں تو وصیت تو جائز و درست ہوگئی مگر یہ ابہام اس میں رہ گیا کہ کس کو کتنا ملے گا تو یہ فیصلہ موصی کی وضاحت پر موقوف ہے، اور اگر موصی وضاحت نہ کر سکا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا تو اب اس کے ورثاء موصی کے قائم مقام ہوگئے، لہٰذا ورثاء اس کی وضاحت کریں گے کہ سہم اور جزء سے کیا مراد ہے ورثاء جو بھی وضاحت کردیں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اسی پر عمل کیا جائے گا یہ ہے اصل مسئلہ مگر اہل کوفہ کی اصطلاح میں سہم بمعنی سدس مستعمل ہوتا تھا اس لئے امام صاحبؒ وصاحبین کے نزدیک سہم بولنے کی صورت میں اختلاف ہوگیا، صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر سہم بولا تو موصی کے ورثاء کے سہام کو دیکھا جائے گا ان میں سے جو سہم سب سے کم ہوا اتنا ہی حصہ موصی لہ کو دے دیا جائے گا لیکن اگر اتفاق سے کوئی جگہ ایسی آجائے کہ جس میں سہم ثلث سے بڑھ جائے تو وہاں ورثاء کی اجازت کے بغیر ثلث سے زیادہ نہیں دیا جائے گا اور امام صاحب کے نزدیک صورت مذکورہ میں موصی لہ کو سدس دیا جائے گا نہ اس سے کم کریں گے نہ زیادہ اور یہی سدس نسبی ذوی الفروض کے سہام میں اخس السہام ہے۔

(۲۳/۲۹۹۰) وَمَنْ اَوْصٰی بِوَصَایَا مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰی قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ مِنْهَا عَلٰی غَیْرِهَا قَدَّمَهَا الْمُوْصِیْ اَوْ اَخَّرَهَا مِثْلُ الْحَجِّ وَالزَّکٰوةِ وَالْکَفَّارَاتِ وَمَالَیْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِیْ۔

ترجمہ: جس نے چند وصیتیں کیں حقوق اللہ کی تو مقدم کیا جائے گا فرائض کو ان میں سے اور وصیتوں پر مقدم کیا ہو ان کو موصی نے یا مؤخر جیسے حج، زکوۃ اور کفارات اور جو واجب نہیں تو ان میں مقدم کیا جائے گا اس کو جس کو مقدم کیا ہے موصی نے۔

کونسی وصیتیں مقدم ہوں گی اور کونسی مؤخر ہوں گی

تشریح: اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ کوئی اللہ تعالیٰ کا حق ہے مثلاً نماز یا روزہ یا حج یا کفارہ یا نذر یا صدقۂ فطر تو اب دو صورتیں ہیں مرنے والے نے ان کے بارے میں وصیت کی ہے یا نہیں اگر نہیں کی تو ورثاء پر ان کی ادائیگی واجب نہیں ہے بلکہ ورثاء کو نکالنے اور نہ نکالنے کا اختیار ہے، اگر وصیت کی ہو تو مرحوم کے تہائی مال سے ان کی ادائیگی واجب ہوگی پھر وصیتوں میں کونسی وصیت مقدم ہوگی تو اس میں تفصیل ہے، وہ وصایا اللہ کا حق ہوں گی یا بندوں کا اور جو اللہ کا حق ہیں وہ یا تو سب وصایا فرائض میں داخل ہونگی جیسے زکوۃ اور حج اور روزہ اور نماز یا سب واجبات میں داخل ہوں گی جیسے کفارات اور نذر اور صدقۂ فطر یا سب وصایا تطوع میں داخل ہوں گی جیسے حج نفلی کی وصیت اور فقراء پر صدقہ کی وصیت اگر موصی نے ان تمام وصایا کو جمع کر دیا ہو تو اگر موصی کا ثلث مال تمام وصایا کے نفاذ کے لئے کافی ہو سکے تو ان تمام وصایا کو نافذ کر دیا جائے گا اور اگر موصی کا ثلث مال ان تمام وصایا کے لئے کافی نہ ہو لیکن ورثاء نے اجازت دے دی ہو کہ ان تمام وصایا کو نافذ کر دیا جائے تو ان سب کو نافذ کر دیا جائے گا اور اگر ورثاء نے اجازت نہ دی ہو تو اب دیکھا جائے کہ یہ تمام وصایا فرائض میں داخل ہیں یا نہیں اگر سب فرائض میں داخل ہوں تو جس وصیت کو مقدم بیان کیا ہے اس سے ابتداء کی جائے گی اور اگر بعض فرائض اور بعض غیر فرائض ہوں تو اولاً فرائض سے ابتداء کی جائے گی اگر چہ موصی نے ذکر میں فرائض کو مؤخر کیا ہو اور واجبات ونوافل کو مقدم کیا ہو اور وصایا جب فرائض وواجبات میں سے نہ ہوں بلکہ نوافل میں سے ہوں تو جس کو موصی نے مقدم بیان کیا ہے اسی کو مقدم کیا جائے گا۔

(۲۹۹۱/۲۴) وَمَنْ اَوْصٰی بِحَجَّةِ الْاِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِبًا.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی حج کرنے کی تو حج کے لئے روانہ کریں کسی شخص کو اس کے شہر سے جو حج کے لئے جائے سوار ہو کر۔

تشریح: زید کے اوپر حج فرض ہے اس نے مرض الموت میں وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرا دینا تو ایسی صورت میں ورثاء پر واجب ہوگا کہ اس کے مال سے حج کرائیں اور کسی شخص کو منتخب کریں کہ وہ موصی کے شہر سے حج کرے اور یہ غیر جو حج کرے گا سوار ہو کر کرے گا کیونکہ زید کے اوپر پیدل چل کر حج کرنا لازم نہیں تھا بلکہ سوار ہو کر واجب تھا تو اسی طریقہ سے غیر ادا کریگا۔

(۲۹۹۲/۲۵) فَاِنْ لَمْ تَبْلُغِ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ اَحَجُّوْا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ.

ترجمہ: اگر نہ پہنچے وصیت نفقہ کو تو حج کرائیں جہاں سے ہو سکے۔

تشریح: اگر مریض نے وصیت کی کہ میرے مال سے حج کرایا جائے لیکن اس کے مال کا تہائی اتنا نہیں ہے

کہ گھر سے سوار ہو کر حج کروا سکے، تو ایسی صورت میں جس جگہ سے حج ہو سکے وہاں سے حج کرایا جائے مثلاً اتنا مال نہیں ہے کہ ریڑھی تا جیورہ سے حج ہو سکے البتہ ممبئی سے حج ہو سکتا ہے تو ممبئی سے حج کرایا جائے۔

(۲۹۹۳/۲۶) وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهِ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيقِ وَاَوْصٰى اَنْ يُحَجَّ عَنْهُ حُجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ.

ترجمہ: اور جو شخص نکلا اپنے شہر سے حج کے لئے پھر مر گیا وہ راستہ میں اور وصیت کر گیا حج کرانے کی تو حج کرایا جائے اس کے شہر سے اس کی جانب سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ حج کرایا جائے وہاں سے جہاں وہ مرا ہے۔

حاجی راستہ میں مر جائے اور حج کی وصیت کر کے جائے تو اب کیا حکم ہے؟

تشریح: زید اپنے گھر سے نکلا اور صرف حج کے ارادہ سے نکلا تجارت وغیرہ مقصود نہیں اور وہ راستہ میں مر گیا اور یہ وصیت کر گیا کہ میری جانب سے حج کرایا جائے تو اس کی جانب سے حج کرایا جائے گا لیکن اختلاف اس میں ہے کہ یہ حج کہاں سے کرایا جائے گا مرنے والے کے شہر سے یا اس جگہ سے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے؟ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ جہاں زید کا انتقال ہوا ہے وہیں سے زید کی جانب سے حج کرایا جائے گا اور صاحبین نے یہ حکم استحساناً بیان کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ و امام زفر کا قول یہ ہے کہ زید کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

(۲۹۹۴/۲۷) وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ وَالْمُكَاتَبِ وَاِنْ تَرَكَ وَفَاءً.

ترجمہ: اور صحیح نہیں بچہ اور مکاتب کی وصیت اگرچہ وہ چھوڑ جائے اتنا مال جو کافی ہو۔

کن لوگوں کی وصیت صحیح نہیں؟

تشریح: بچہ اگر وصیت کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارا اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک اگر بچہ وجوہ خیر میں وصیت کرے تو جائز ہے، اور اگر غلام یا مکاتب نے تعلیقاً وصیت کی کہ جب میں آزاد ہو جاؤں تو میرا اتنا مال فلاں کیلئے وصیت ہے تو یہ وصیت صحیح ہوگی کیونکہ عدم جواز حق آقا کی وجہ سے تھا اور جب وصیت کی تعلیق آزادی پر ہوئی تو اب آقا کا حق باقی نہ رہا، اور تنجیزاً مکاتب کی وصیت جائز نہیں ہے مثلاً وہ یوں کہے اَوْصَيْتُ بِثُلُثِ مَالِي لِفُلَانٍ، اگر وہ بدل کتابت کے برابر بھی مال چھوڑ کر مرے تب بھی اس کی وصیت صحیح نہ ہوگی۔

(۲۹۹۵/۲۸) وَيَجُوْزُ لِلْمُوْصِيْ الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ.

ترجمہ: اور جائز ہے موصی کیلئے رجوع کرنا وصیت سے۔

وصیت سے رجوع کرنے کا بیان

تشریح: وصیت کرنے کے بعد وصیت کرنے والا موت سے پہلے اپنی وصیت میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتا ہو یا وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہو تو اس کو حق ہے کیوں کہ وصیت مکمل ہوتی ہے موصی لہٗ کے قبول کرنے کے بعد اور موصی لہٗ موصی کے مرنے کے بعد ہی قبول کر سکے گا اس لئے وصیت کو قبول کرنے سے پہلے وصیت سے رجوع کر سکتا ہے۔

(۲۹۹۶/۲۹) وَاِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوْعِ کَانَ رُجُوْعًا.

ترجمہ: اور جب صراحۃً رجوع کرے تو یہ رجوع ہو جائے گا۔

تشریح: ماقبل میں آچکا ہے کہ موصی کیلئے وصیت سے رجوع جائز ہے اب فرمارہے ہیں کہ رجوع کے دو طریقے ہیں (۱) صراحۃً رجوع کر لیا جائے مثلاً صاف لفظوں میں کہے کہ میں اس وصیت کو واپس لیتا ہوں (۲) کوئی ایسا کام کر دیا جائے جو رجوع پر دلالت کرے مثلاً پہلے کہا تھا کہ اس غلام کو فلاں کیلئے وصیت کر دیا اور پھر اس کو بیچ دے یا آزاد کر دے بہر حال دونوں صورتوں میں رجوع کرنا درست ہے قدوری کے بعض نسخوں میں دونوں طریقے مذکور ہیں۔

(۲۹۹۷/۳۰) وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِیَّۃَ لَمْ یَکُنْ رُجُوْعًا.

ترجمہ: اور جو انکار کرے وصیت کا تو یہ رجوع نہ ہوگا۔

تشریح: یہاں سے یہ مسئلہ بیان کیا جارہا ہے کہ اگر موصی سرے سے وصیت ہی کا انکار کر دے یعنی یوں کہے کہ میں نے کبھی وصیت کی ہی نہیں ہے تو صاحب قدوریؒ نے یہاں پر امام محمدؒ کا قول ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ انکار رجوع نہ ہوگا کیوں کہ کسی چیز سے رجوع کرنا پہلے اس چیز کے ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا انکار نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس اگر انکار کو رجوع مانا جائے تو وصیت کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کو مقتضی ہوگا اور یہ محال ہے کہ ایک چیز ہو بھی اور نہ بھی ہو۔ مبسوط کی روایت کے مطابق امام ابو یوسفؒ کا اور عیون کی روایت کے مطابق ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ انکار میں بھی رجوع کا معنی پایا جاتا ہے لکن المتون کلها علی قول محمد وبه یفتی کمافی المجمع.

(۲۹۹۸/۳۱) وَمَنْ اَوْصٰی لِجِیْرَانِهٖ فَهُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

حل لغات: جیران: جار کی جمع ہے پڑوسی، الملاصقون واحد ملاصق، اسم فاعل مصدر ملاصقة چپکانا، مراد متصل، ملا ہوا۔

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے پڑوسیوں کیلئے تو ملے ہوئے پڑوسی مراد ہوں گے امام صاحبؒ کے نزدیک۔

اقارب وغیرا قارب کیلئے وصیت کرنے کا بیان

تشریح: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا تہائی میرے پڑوسیوں کیلئے ہے تو اس سے کون سا پڑوسی مراد ہوگا؟ کیوں کہ پڑوسی کئی قسم کے ہوتے ہیں (۱) جس سے قرابت کا پڑوس ہو (۲) زمین کا پڑوسی (۳) گھر کا پڑوسی، یہاں بالاتفاق گھر کا پڑوسی مراد ہے پھر اس کی تفسیر میں اختلاف ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جیران سے مراد وہ پڑوسی ہیں جن کا گھر موصی کے گھر سے متصل اور ملا ہوا ہو ان کے دروازے قریب ہوں یا دور ہوں اور صاحبین نے فرمایا کہ جیران سے مراد ملاصقین بھی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ لوگ بھی اس میں داخل ہیں جو موصی کے محلہ میں رہتے ہیں اور جو موصی کی مسجد کے نمازی ہیں۔

(۳۲/۲۹۹۹) وَمَنْ اَوْصٰی لِاَصْهَارِهٖ فَالْوَصِيَّةُ لِكُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنِ امْرَأَتِهٖ.

حل لغت: اصہار جمع ہے صہر کی، سسر داماد عزیز قریب چاہے شوہر کا ہو چاہے زوجہ کا، بہن کا شوہر یعنی بہنوئی، ہمارے ملک میں، صہر، کا ترجمہ خسر سے کرتے ہیں۔

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی سسرال والوں کیلئے تو وصیت اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کیلئے ہوگی۔

تشریح: ایک شخص نے اپنے اصہار کیلئے وصیت کی تو اس وصیت میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ فرمایا کہ بیوی کے تمام ذی رحم محرم اس میں داخل ہوں گے یعنی اس کی بیوی کے اہل قرابت میں سے ہر وہ مرد داخل ہوں گے جسکی قرابت اس کی بیوی کے ساتھ ازراہ نسب اس طرح ہو کہ شرعاً وہ اس کا محرم ہو یعنی اس کی زوجہ کو اس کے ساتھ دائمی نکاح کرنا حرام ہو جیسے زوجہ کا باپ اور بھائی اور ماموں اور چچا وغیرہ پس عورت کے ایسے قرابتی اس کے شوہر کے اصہار ہیں اور یہ عرب کا عرف ہے اور ہمارے ملک میں صہر کا ترجمہ خسر سے کرتے ہیں۔

(۳۳/۳۰۰۰) وَمَنْ اَوْصٰی لِاَخْتَانِهٖ فَالْخَتَنُ زَوْجُ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے دامادوں کیلئے تو داماد ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے اختان کو اتنا مال دے دینا تو اختان میں ہر اس عورت کا شوہر داخل ہوگا جو موصی کی ذی رحم محرم ہے جیسے بہن پھوپھی خالہ وغیرہ، اور اگر عورت وصیت کرے تو اس کے شوہر کے ذی رحم محرم اس میں داخل ہوں گے اس لئے کہ ان سب کو ختن کہتے ہیں اس پر بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ اہل کوفہ کا عرف ہے ورنہ ہمارے عرف میں اختان سے صرف محارم عورتوں کے ازواج مراد ہوں گے۔

(۳۴/۳۰۰۱) وَمَنْ اَوْصٰی لِاَقَارِبِهٖ فَالْوَصِيَّةُ لِلْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ مِنْ كُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ

وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمُ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَيَكُونُ لِلِاثْنَيْنِ فَصَاعِداً.

حل لغات: اقارب: رشتہ دار، فصاعداً، یعنی اس سے اوپر اور یہ باعتبار حالیت کے منصوب ہوا کرتا ہے۔

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی قرابتداروں کیلئے تو وصیت اقرب کیلئے ہوگی پھر اس کیلئے جو اس کے بعد اقرب ہو یعنی موصی کا ہر ذی رحم محرم اور داخل نہ ہوں گے ان میں والدین اور اولاد، اور ہوگی دو اور دو سے زیادہ کیلئے۔

تشریح: زید نے اپنے اقرباء کیلئے وصیت کی تو اس میں کون داخل ہوگا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چھ چیزوں کا لحاظ ہوگا (۱) مستحق وہ ہوگا جو موصی کا ذی رحم محرم ہوگا (۲) وہ ذی رحم محرم خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے (۳) اور اس وصیت کا حقدار صرف وہ ہوگا جو موصی کا وارث نہ ہو (۴) اس میں الاقرب فالاقرب کا لحاظ ہوگا لہٰذا اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو وصیت نہیں ملے گی جیسا کہ میراث میں ہوتا ہے مثلاً میت کا بیٹا اور پوتا دونوں ہوں تو بیٹا عصبہ ہوگا اور پوتا ساقط، باپ اور دادا میں، باپ عصبہ ہوگا اور دادا ساقط اور دادا کی موجودگی میں پردادا ساقط ہوگا، بھائی اور بھتیجے میں بھائی عصبہ ہوگا اور بھتیجا ساقط چچا اور چچا کے لڑکوں میں چچا عصبہ ہوگا اور چچا کے لڑکے ساقط، (۵) مستحق وصیت یہاں دو یا اس سے زیادہ ہوں گے کیوں کہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے اور میراث کے اندر جمع سے مراد دو ہوتے ہیں تو اسی طرح وصیت کے اندر بھی جمع سے مراد کم از کم دو ہوں گے (۶) اس وصیت میں والدین اور اولاد داخل نہ ہوں گی کیوں کہ عرف لسانی میں قریب اس کو کہتے ہیں جو بالواسطہ رشتہ دار ہوں اور والدین اور اولاد براہ راست رشتہ دار ہیں۔

(۳۰۰۲/۳۵) وَإِذَا أَوْصَى بِذٰلِكَ وَلَهُ عَمَّانِ وَخَالَانِ فَالْوَصِيَّةُ لِعَمَّيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور جب کسی نے وصیت کی یہی اور اس کے دو چچا دو ماموں ہیں تو وصیت اس کے چچاؤں کے لئے ہوگی، امام صاحبؒ کے نزدیک۔

تشریح: امام صاحبؒ کے نزدیک وصیت میں میراث کے مثل الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جاری ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ قاعدہ نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں سے دو چچا اور دو ماموں موجود ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چچا ماموں سے اقرب ہیں، لہٰذا پوری وصیت دونوں چچا لیں گے اور ماموں کو کچھ نہ ملے گا اور صاحبین کے نزدیک وصیت کے چار حصے کر دیئے جائیں اور ہر ایک برابر کا شریک ہوگا۔

(۳۰۰۳/۳۶) وَإِنْ كَانَ لَهُ عَمٌّ وَخَالَانِ فَلِلْعَمِّ النِّصْفُ وَلِلْخَالَيْنِ النِّصْفُ.

ترجمہ: اور اگر اس کے ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کے لئے نصف ہوگی اور دو ماموں کے لئے نصف۔

تشریح: اگر موصی نے اقرباء کے لئے وصیت کی تھی اور اس نے صرف ایک چچا اور دو ماموں چھوڑے ہیں تو چونکہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے، جس کے لئے کم از کم دو افراد درکار ہیں اور چچا صرف ایک ہے اس لئے وہ چچا صرف نصف

وصیت کا حقدار ہوگا اور نصف بچ گیا تو اس کو دونوں ماموں لیں گے۔

(۳۰۰۴/۳۷) وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْوَصِيَّةُ لِكُلِّ مَنْ يُنْسَبُ اِلٰى اَقْصىٰ اَبٍ لَهُ فِي الْاِسْلَامِ.

ترجمہ: اور صاحبین نے فرمایا کہ وصیت ہر اس کے لئے ہوگی جو منسوب ہو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف۔

تشریح: زید نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی تو صاحبین فرماتے ہیں کہ اقرباء میں وہ تمام حضرات داخل ہوں گے جو اسلام کے اندر آخری باپ کی جانب منسوب ہوں گے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) یعنی وہ پہلا باپ جو اولاً اسلام لایا ہو جیسے حضرت علیؓ (۲) پہلا وہ باپ جس نے اسلام کا زمانہ پایا ہو اور وہ مسلمان نہ ہوا ہو جیسے ابوطالب۔ اس اختلاف کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا کہ جب کوئی علوی اپنے اقرباء کے لئے وصیت کرے تو پہلی تفسیر کے اعتبار سے اقرباء میں فقط اولاد علیؓ داخل ہوگی اور اولاد جعفر اور اولاد عقیل اس میں داخل نہ ہوگی اور دوسری تفسیر کے اعتبار سے اس میں اولاد علیؓ کے ساتھ ساتھ اولاد جعفر اور اولاد عقیل بھی داخل ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ موصی سے لے کر آخری باپ تک جو اسلام کے اندر ہیں، صاحبین کے نزدیک درمیان کی تمام اولاد خواہ مرد ہوں یا عورتیں اقرب ہوں یا ابعد سب اس وصیت میں داخل ہوں گے۔

(۳۰۰۵/۳۸) وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ دَرَاهِمِهٖ اَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهٖ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذٰلِكَ وَبَقِيَ ثُلُثُهٗ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ جَمِيْعُ مَا بَقِيَ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی کسی کے لئے اپنے دراہم میں سے تہائی کی یا اپنی بکریوں میں سے تہائی کی پس اس کے دو تہائی ہلاک ہو گئے اور اس کا ایک تہائی باقی رہ گیا اور یہ (جو ثلث باقی رہ گیا ہے) اس باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے، تو اس کے لئے باقی ماندہ پورا ہے۔

تشریح: زید کے پاس کچھ دراہم یا کچھ بکریاں ہیں اب وہ وصیت کرتا ہے کہ میرے دراہم کا ایک تہائی فلاں کے لئے وصیت ہے یا کہتا ہے کہ میری بکریوں کا ایک ثلث وصیت ہے تو وصیت صحیح ہے مگر اب یہ واقعہ پیش آیا کہ ان دراہم یا بکریوں میں سے دو ثلث ہلاک ہو گیا اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا ہے اور اس ثلث کے علاوہ موصی کے پاس اتنا مال موجود ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں ثلثان یا اس سے زیادہ ہے تو اب موصی لہ کو کتنا دیا جائے گا؟ تو اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ دراہم میں سے اور بکریوں میں سے جو ثلث باقی ہے وہ پورا ثلث موصیٰ لہ کو دیا جائے گا مثلاً کل ۹۰۰ر دراہم تھے، ان میں ثلث یعنی ۳۰۰ر باقی رہے، اور ۶۰۰ر ہلاک ہو گئے تو ہمارے نزدیک ۳۰۰ر باقی موصی لہ کو دیئے جائیں گے۔

(۳۹/۳۰۰۶) وَمَنْ اَوْصٰى بِثُلُثِ ثِيَابِهٖ فَهَلَكَ ثُلُثَاهَا وَبَقِيَ ثُلُثُهَا وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهٖ لَمْ يَسْتَحِقَّ اِلَّا ثُلُثَ مَابَقِيَ مِنَ الثِّيَابِ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی ایک تہائی کپڑوں کی پس ان کپڑوں میں سے دو ثلث ختم ہو گئے اور ایک ثلث باقی رہ گیا اور یہ (ثلث باقی) اس کے ماقبی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے، تو موصی لہ مستحق نہ ہوگا مگر باقی ماندہ کپڑوں کے ثلث کا۔

تشریح: اگر موصی نے اپنے کپڑوں کے ثلث کی وصیت کی ہو اور اتفاق سے ان کپڑوں میں سے دو ثلث ختم ہو جائیں اور صرف ایک ثلث باقی رہ جائے تو موصی لہ کو ماقبی کا ثلث ملے گا یا پورا ماقبی ملے گا تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر کپڑے مختلف الجنس ہوں تو ماقبی کپڑوں کا ثلث ملے گا اور اگر ایک جنس کے ہوں تو پورا ماقبی ملے گا اس لئے کہ اتحاد جنس کی صورت میں کپڑے دراہم کے مثل ہو گئے۔

(۴۰/۳۰۰۷) وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ وَلَهٗ مَالٌ عَيْنٌ وَدَيْنٌ فَاِنْ خَرَجَ الْاَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَتْ اِلَى الْمُوْصٰى لَهٗ وَاِنْ لَمْ يَخْرُجْ دُفِعَ اِلَيْهِ ثُلُثُ الْعَيْنِ وَكُلَّمَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ اَخَذَ ثُلُثَهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْاَلْفَ.

حل لغات: عین: نقد۔ دین: قرض۔ یستوفی: استیفاءً پورا حق وصول کرنا۔

ترجمہ: اور جس شخص نے وصیت کی کسی کے لئے ایک ہزار درہم کی اور اس کے لئے کچھ مال نقد ہے اور کچھ قرض ہے پس اگر ہزار نکل جائیں نقد کی تہائی سے تو دے دیے جائیں گے موصی لہ کو اور اگر نہ نکلے تو دے دی جائے گی نقد کی تہائی اور جو مقدار قرض کی وصول ہوتی رہے گی اس میں سے ثلث لیتا رہے گا یہاں تک کہ وہ (موصی لہ) ہزار کو وصول کرے۔

تشریح: زید نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ہزار روپے بکر کو دے دیے جائیں تو وصیت درست ہے، لیکن زید نے کچھ مال تو نقد چھوڑا ہے اور کچھ مال وہ ہے جو لوگوں پر قرض ہے تو بکر کو جو ہزار روپے دیئے جائیں گے یہ نقد میں سے دیئے جائیں گے یا قرض میں سے تو اس کا جواب دیا کہ اگر نقد مال اتنا ہو کہ جس کا ثلث ہزار ہوتا ہو مثلاً تین ہزار یا اس سے زیادہ نقد مال موجود ہے، تو بکر کو ہزار روپے اس نقد نال سے دیئے جائیں گے اور اگر نقد مال اتنا نہیں ہے بلکہ کم ہے مثلاً کل ہزار روپے نقد ہیں اور باقی مال لوگوں پر قرض ہے تو بکر کو ہزار کا تہائی تو نقد میں سے دیا جائے گا اور باقی حصہ اس کو قرض میں سے ملے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جتنا قرض وصول ہوتا جائے اس کی تہائی بکر کو دے دی جائے یہاں تک کہ اس کا حق پورا ہو جائے یعنی ہزار روپے پورے ہو جائیں۔

(۴۱/۳۰۰۸) وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ وَبِالْحَمْلِ اِذَا وُضِعَ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ

الْوَصِيَّةِ.

حل لغات: الوصية للحمل: حمل کے لئے کسی چیز کی وصیت کرے، الوصية بالحمل: حمل کو کسی اور کے لئے وصیت کرے۔

ترجمه: اور جائز ہے وصیت حمل کیلئے اور حمل کی جب کہ وضع حمل ہو چھ ماہ سے کم میں وصیت کے دن سے۔

حمل کے لئے اور حمل کی وصیت کرنے کا بیان

تشریح: اگر کوئی بچہ پیٹ میں ہے اور اس کے کسی مورث کا انتقال ہو جائے تو حمل کو بھی میراث ملے گی اور میراث اور وصیت گویا کہ دونوں بہنیں ہیں لہٰذا حمل کے لئے وصیت کی جائے تو جائز ہے اور اسی طرح اگر حمل ہی کی وصیت کر دی جائے تو وہ بھی جائز ہے مثلاً کہے کہ میری باندی کے پیٹ میں جو بچہ ہے یہ فلاں شخص کو دے دینا تو یہ بھی صحیح ہے اور وصیت جائز ہے، لیکن یہ وصیت حمل کے لئے یا حمل کی اس وقت جائز ہے جب کہ حمل پیٹ میں موجود ہو جس کی علامت یہ ہے کہ وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے۔

(۴۲/۳۰۰۹) وَاِذَا اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ اِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ.

ترجمه: اور جب وصیت کی کسی کے لئے باندی کی اور اس کے حمل کا استثناء کر لیا تو صحیح ہے وصیت اور استثناء۔

تشریح: اگر موصی نے باندی کی وصیت کی اور اس کے حمل کا استثناء کر دیا تو باندی کی وصیت صحیح ہے اور استثناء بھی صحیح ہے پس باندی موصیٰ لہ کی ہوگی اور اس کا حمل موصی کے وارثوں کا ہوگا۔

(۴۳/۳۰۱۰) وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ قَبْلَ اَنْ يَقْبَلَ الْمُوْصٰى لَهٗ وَلَدًا ثُمَّ قَبِلَ الْمُوْصٰى لَهٗ وَهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوْصٰى لَهٗ وَاِنْ لَمْ يَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ ضُرِبَ بِالثُّلُثِ وَاَخَذَ بِالْحِصَّةِ مِنْهُمَا جَمِيْعًا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَأْخُذُ ذٰلِكَ مِنَ الْاُمِّ فَاِنْ فَضَلَ شَيْءٌ اَخَذَ مِنَ الْوَلَدِ.

ترجمه: اور جس نے وصیت کی کسی کے لئے باندی کی پس اس نے بچہ جنا موصی کی موت کے بعد موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے پھر وصیت قبول کی موصی لہ نے اور وہ دونوں نکل جاتے ہیں تہائی سے تو وہ دونوں موصیٰ لہ کیلئے ہوں گے اور اگر تہائی سے نہ نکلتے ہوں تو شامل کر لئے جائیں گے ثلث میں اور لے گا موصیٰ لہ حصہ ان سب سے صاحبین کے قول میں اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ لے گا موصیٰ لہ اپنا حصہ ماں سے پس اگر کچھ بچ جائے تو لے گا اس کو بچہ سے۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے اپنی باندی کی وصیت کی اور زید کی موت کے بعد تقسیم ترکہ اور موصیٰ لہ کے قبول کرنے سے پہلے باندی نے ایک بچہ جنا اس کے بعد موصی لہ نے وصیت کو قبول کیا اور باندی اور بچہ کی قیمت اتنی ہے

کہ یہ دونوں ترکہ کے تہائی سے نکل جاتے ہیں یعنی ترکہ ان کی قیمت کے علاوہ دوثلث یا اس سے زیادہ موجود ہے تو باندی اور بچہ دونوں خالد کو ملیں گے اور اگر ماں اور بچہ دونوں تہائی سے نہ نکلیں تو اس میں امام ابوحنیفہؒ وصاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اپنی تہائی ماں سے لیگا اگر ماں سے اس کی تہائی پوری ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ اگر کچھ رہ جائے تو اس کمی کو بچہ سے پورا کرلیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک ماں اور بچہ دونوں سے اکٹھے ثلث کو وصول کیا جائیگا۔

مثال: مثلاً زید کے پاس چھ سو درہم ہیں اور ایک باندی ہے جس کی قیمت تین سو درہم ہے اب زید نے اس باندی کی وصیت خالد کے لئے کردی تو وصیت صحیح ہے اور پوری باندی خالد کو ملے گی کیونکہ باندی پورے ترکہ کا تہائی ہے، لیکن زید کی موت کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے اس باندی نے ایک بچہ جنا جس کی قیمت بھی تین سو درہم ہے اب کل ترکہ ۱۲۰۰ درہم ہوگیا جس کا تہائی چار سو ہوتا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک پوری باندی خالد کو دے دی جائے گی مگر ابھی اس کا ثلث پورا نہیں ہوا لہٰذا بچہ کی قیمت کا $\frac{1}{3}$ اور خالد کو دیا جائے گا اب چار سو کی مالیت خالد کو مل چکی ہے، جو بارہ سو کا تہائی ہے اور صاحبین کے نزدیک ماں اور بچہ دونوں کا $\frac{2}{3}$ خالد کو دیا جائے گا اور ماں کا $\frac{2}{3}$ دوسو دراہم ہیں اور بچہ کا $\frac{2}{3}$ بھی دوسو دراہم ہیں، لہٰذا بارہ سو کا ثلث پورا ہوگیا تو خالد کو ان دونوں کا دوثلث ملے گا۔

(۳۰۱۱/۴۴) وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُكْنٰى دَارِهٖ سِنِيْنَ مَعْلُوْمَةً وَتَجُوْزُ ذٰلِكَ اَبَدًا.

ترجمہ: اور جائز ہے وصیت اپنے غلام کی خدمت کی اور اپنے مکان کی رہائش کی چند معین سالوں کے لئے اور جائز ہے یہ ہمیشہ کے لئے بھی۔

منافع کی وصیت کرنے کا بیان

تشریح: انسان جس طرح اپنی زندگی میں اپنی چیز کے منافع کا مالک دوسروں کو بنا سکتا ہے، اسی طرح انسان کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ اپنی موت کے بعد کسی کو اپنی چیز کے منافع کا مالک بنائے اور جب منافع کی وصیت جائز ہے تو پھر چند ایام کی کرے وہ بھی جائز ہے اور ہمیشہ کے لئے کردے وہ بھی جائز ہے۔

(۳۰۱۲/۴۵) فَاِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَ اِلَيْهِ لِلْخِدْمَةِ وَاِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهٗ غَيْرَهٗ خَدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَلِلْمُوْصٰى لَهٗ يَوْمًا.

ترجمہ: پس اگر نکل جائے غلام کا رقبہ تہائی سے تو موصی لہ کے سپرد کردیا جائے گا خدمت کے لئے اور اگر نہ ہو مال غلام کے علاوہ تو خدمت کرے گا ورثاء کی دو دن اور موصی لہ کی ایک دن۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے غلام کی خدمت کی وصیت کی تھی یا مکان کی رہائش کی وصیت کی تھی اور غلام ومکان کی قیمت سے دوثلث یا اس سے زیادہ مال اور بھی موجود ہے یعنی غلام ومکان تہائی سے نکل جاتا ہے تو غلام ومکان

خالد کے سپرد کر دیا جائے اور اگر موصی کے پاس اس غلام ومکان کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو تو پھر یہ طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ مکان کو تین تہائی تقسیم کر کے ایک تہائی موصی لہ کو دیا جائے گا اور دو تہائی ورثاء کی ہوگی اور غلام والی صورت میں غلام ورثاء کی خدمت دو دن کرے گا اور خالد کی ایک دن اور غلام کی تقسیم چونکہ ناممکن ہے اس لئے اس میں باری مقرر کر دی جائے گی۔

(۳۰۱۳/۴۶) فَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰی لَهٗ عَادَ اِلَی الْوَرَثَةِ.

ترجمہ: پھر اگر مر جائے موصی لہ تو لوٹ آئے گا موصی بہ ورثاء کی جانب۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے اپنے مکان میں رہنے کی وصیت کی تھی اور زید کے انتقال کے بعد وصیت کے مطابق خالد مکان میں رہتا ہے اور اب خالد کا انتقال ہو گیا تو موصی بہ موصی کے ورثاء کے حوالہ ہو جائے گا۔

(۳۰۱۴/۴۷) وَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰی لَهٗ فِیْ حَیٰوةِ الْمُوْصِیْ بَطَلَتِ الْوَصِیَّةُ.

ترجمہ: اور اگر مر جائے موصی لہ موصی کی زندگی میں تو باطل ہو جائے گی وصیت۔

تشریح: اور اگر زید کی زندگی میں خالد کا انتقال ہو جائے تو وصیت ہی باطل ہو جائے گی کیوں کہ موصی کے مرنے کے بعد موصیٰ لہ کا وصیت کو قبول کرنا وصیت کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے اور یہاں موصیٰ لہ پہلے ہی مر گیا تو وصیت کون قبول کرے گا؟

(۳۰۱۵/۴۸) وَاِذَا اَوْصٰی لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالْوَصِیَّةُ بَیْنَهُمْ لِلذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی سَوَاءٌ

ترجمہ: اور اگر وصیت کی فلاں کی اولاد کے لئے تو وصیت ان کے درمیان لڑکے اور لڑکی کیلئے برابر ہوگی۔

تشریح: ابن، سے فقط بیٹا مراد ہوتا ہے، اور لفظ ولد سے بیٹا اور بیٹی دونوں مراد ہوتے ہیں، بالفاظ دیگر لفظ ولد حقیقۃً مطلق اولاد کو شامل ہے، لہٰذا جب زید نے ولد خالد کے لئے وصیت کی تو خالد کے لڑکے اور لڑکیاں اس وصیت میں برابر کے شریک ہوں گے۔

(۳۰۱۶/۴۹) وَاِنْ اَوْصٰی لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِیَّةُ بَیْنَهُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کرے فلاں کے ورثاء کے لئے تو وصیت ان میں مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگی۔

تشریح: زید نے فلاں کے ورثاء کے لئے وصیت کی تو یہاں لڑکے اور لڑکی میں میراث کے مطابق بٹوارہ ہوگا یعنی جو لڑکی کو ملے گا اس سے دو گنا لڑکے کو ملے گا، کیوں کہ لفظ ورثاء کی صراحت اس کی جانب اشارہ ہے کہ زید کا ارادہ

یہی ہے کہ لڑکوں کا حق لڑکیوں سے زیادہ ہو جیسے میراث میں ہوتا ہے۔

(۳۰۱۷/۵۰) وَمَنْ اَوْصٰی لِزَیْدٍ وَعَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهٖ فَاِذَا عَمْرٌو مَیِّتٌ فَالثُّلُثُ کُلُّهٗ لِزَیْدٍ.

ترجمہ: کسی نے وصیت کی زید اور عمرو کے لئے اپنے تہائی مال کی اور عمرو اس وقت مر چکا تھا تو ساری تہائی زید کے لئے ہوگی۔

تشریح: بکر نے زید اور عمرو دونوں کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی لیکن عمرو زندہ نہیں ہے بلکہ وہ وصیت کرنے سے پہلے ہی مر چکا ہے تو پورا ثلث زید کو ملے گا کیوں کہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے اور زید چوں کہ زندہ ہے اور وصیت کا اہل ہے تو عمرو عدم اہلیت کی وجہ سے زید کا مزاحم نہ ہوگا اور اس کو ثلث دیئے جانے سے مانع نہ ہوگا۔

(۳۰۱۸/۵۱) وَاِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِیْ بَیْنَ زَیْدٍ وَعَمْرٍو وَزَیْدٌ مَیِّتٌ کَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میرا تہائی مال زید اور عمرو کے درمیان ہے اور زید مر چکا ہے تو عمرو کے لئے تہائی کا نصف ہوگا۔

تشریح: اگر موصی وہ الفاظ استعمال کرے جو ماقبل میں گذرے کہ میرے مال کا تہائی زید اور عمرو کے لئے وصیت ہے تو اس کا حکم تو مذکور ہو چکا ہے اور اگر وہ اس کے بجائے لفظ 'بین' استعمال کرے اور یوں کہے کہ میرے مال کا تہائی زید اور عمرو کے درمیان ہے اور ان میں سے زید زندہ نہیں ہے فقط عمرو زندہ ہے تو عمرو کے لئے ثلث کا نصف ہوگا کیوں کہ موصی نے جو لفظ ''بین'' استعمال کیا ہے اس کا تقاضہ یہی ہے کہ موصی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ثلث کا نصف دینا چاہتا ہے، اور ماقبل والے مسئلہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ موصی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ثلث کا نصف دینا چاہتا ہے۔

(۳۰۱۹/۵۲) وَمَنْ اَوْصٰی بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَامَالَ لَهٗ ثُمَّ اکْتَسَبَ مَالاً اِسْتَحَقَّ الْمُوْصٰی لَهٗ ثُلُثَ مَا یَمْلِکُهٗ عِنْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے مال کے تہائی کی اور اس کے لئے مال نہیں ہے پھر کچھ مال کمایا تو مستحق ہوگا موصی لہ اس کی تہائی کا جس کا مالک ہو موصی موت کے وقت۔

تشریح: زید نے وصیت کی کہ میرے مال کا تہائی بکر کو دے دینا لیکن زید کے پاس مال نہیں ہے البتہ زید نے بعد وصیت مال کمایا ہے اور بوقت موت مال چھوڑ کر مرتا ہے تو زید بوقت موت جتنے مال کا مالک ہے اس مال کا تہائی موصی لہ کو دیدیا جائے گا۔

کِتَابُ الْفَرَائِضِ

(یہ کتاب ہے فرائض کے احکام کے بیان میں)

فرائض کے لغوی معنی ووجہِ تسمیه: لفظ فرائض جمع ہے فریضۃ کی اور وہ مشتق ہے فرض سے متعین چیز چوں کہ میراث میں مستحقین کے حصے متعین ہوتے ہیں اس لئے ان حصوں کو فرائض کہا جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ علم میراث کو "فرائض" اور اس فن کے واقف کار کو فرضی اور فراض کہا جانے لگا۔

اصطلاحی تعریف: فقہ اور حساب کے ان قواعد کا جاننا ہے جن سے ہر ایک وارث کا حصہ ترکہ سے معلوم ہو جائے۔

موضوع: علم فرائض کا موضوع ترکہ اور ورثاء ہیں انہیں دونوں کے احوال سے اس فن میں بحث کی جاتی ہے۔

غرض وغایت: اس فن کی غرض وغایت مستحقین کو ان کے حقوق پہنچانا اور ترکہ کی تقسیم میں غلطی سے بچنا ہے۔

شرعی حکم: اس علم کا سیکھنا فرض کفایہ ہے یعنی بقدر سفر شرعی (موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ۸۷ کلومیٹر ۴۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے) مقامات کی مسافت میں کم از کم ایک عالم فرائض کا ہونا ضروری ہے ورنہ ان بستیوں میں رہنے والے تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔

شرائط: اس علم کی تین شرطیں ہیں (۱) مورث کی موت (۲) مورث کی موت کے وقت وارث کا وجود۔ (۳) یہ جاننا کہ کس جہت سے وارث بن رہا ہے قرابت کی وجہ سے یا نکاح کی وجہ سے یا ولاء کی وجہ سے۔

ارکان: اس علم کے تین رکن ہیں (۱) وارث (۲) مورث (میت) (۳) حق موروث یعنی ترکہ

اسباب: (۱) نسب (۲) نکاح (۳) ولاء۔

علم فرائض کی فضیلت: علم الفرائض نہایت اہم اور بڑی فضیلتوں والا علم ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر احکام نماز، روزہ، وغیرہ اجمالاً نازل فرمائے ہیں اور ان کی تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دی ہے اور وراثت کی تمام تفصیلات خود نازل فرمائی ہیں۔

(۳۰۲۰/۱) اَلْمَجْمَعُ عَلٰی تَوْرِیْثِهِمْ مِنَ الذُّکُوْرِ عَشَرَةٌ الْاِبْنُ وَابْنُ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ وَالْاَبُ وَالْجَدُّ اَبُو الْاَبِ وَاِنْ عَلَا وَالْاَخُ وَابْنُ الْاَخِ وَالْعَمُّ وَابْنُ الْعَمِّ وَالزَّوْجُ وَمَوْلَی النِّعْمَةِ. وَمِنَ الْاُنَاثِ سَبْعٌ اَلْبِنْتُ وَبِنْتُ الْاِبْنِ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ وَالْاُخْتُ وَالزَّوْجَةُ وَمَوْلَاةُ النِّعْمَةِ.

حل لغات: ابن الابن: بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا۔ سفل: (نصر، سمع، کرم) تینوں بابوں سے آتا ہے البتہ نصر سے پڑھنا زیادہ بہتر اور مشہور ہے 'کرم' سے پڑھنے کو غلط کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کا مصدر سفالۃ بھی ہے جس کے معنی

دنائت وحقارت کے ہیں۔ (الجد: دادا، نانا، دونوں پر اطلاق ہوتا ہے مگر صاحب قدوری نے ابوالاب کہہ کر یہ بات واضح کردی کہ یہاں صرف دادا مراد ہے نانا مراد نہیں ہے کیوں کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے اس کو وراثت نہیں ملتی، کوئی وارث نہ ہو تو اخیر میں نانا یا ماموں کو مال دیا جاتا ہے۔

مولی النعمة: جن کا میت کے ساتھ عتاقت کا تعلق ہے یعنی آزاد کرنے والا آقا اور اس کی اولاد اس کو مولی العتاقہ ومولی النعامہ بھی کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: جن کے وارث ہونے پر اتفاق ہے مردوں میں سے وہ دس ہیں بیٹا پوتا، اگرچہ نیچے کا ہو باپ، جد یعنی باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد بھائی، شوہر آزاد کرنے والا آقا، اور عورتوں میں سے سات ہیں بیٹی، پوتی، ماں، جدہ صحیحہ (دادی اور نانی اوپر تک) بہن، بیوی، آزاد کرنے والی۔

ترکہ درجِ ذیل ترتیب سے تقسیم ہوگا

تشریح: صاحب قدوری نے اس عبارت میں مطلقاً ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو میراث کے مستحق ہوتے ہیں خواہ اصحاب فرائض کے اعتبار سے خواہ عصبہ کے اعتبار سے یعنی مع اس کے اقسام کے خواہ عصبہ سببی کے اعتبار سے نیز اس چیز کو بھی ملحوظ نہیں رکھا ہے، کہ ان اقسام میں سے کونسی قسم کے لوگ مقدم ہوں گے اور کون مؤخر بلکہ فی الجملہ بیان کردیا ہے۔ مگر ترکہ درج ذیل ترتیب سے تقسیم ہوگا۔

(۱) ترکہ سب سے پہلے اصحاب فرائض کو ملے گا، اصحاب فرائض وہ ورثاء ہیں جن کے حصے شریعت میں متعین ہیں یہ کل بارہ افراد ہیں چار مرد اور آٹھ عورتیں۔ (۱) باپ (۲) جدِ صحیح (دادا) اوپر تک (۳) اخیافی (ماں شریک) بھائی (۴) شوہر (۵) بیوی (۶) بیٹی (۷) پوتی نیچے تک (۸) حقیقی بہن (۹) علاتی (باپ شریک) بہن (۱۰) اخیافی بہن (۱۱) ماں (۱۲) جدۂ صحیحہ (دادی اور نانی) اوپر تک۔

(۲) ذوی الفروض کے بعد ترکہ عصبہ نسبی کو ملے گا عصبہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ لے لیتے ہیں اور ذوی الفروض نہ ہو تو سارا ترکہ لے لیتے ہیں عصبہ کی دو قسمیں ہیں (۱) عصبہ نسبی (۲) عصبہ سببی، عصبہ نسبی وہ ہیں جن کا میت کے ساتھ ولادت کا تعلق ہے اور عصبہ سببی وہ ہیں جن کا میت کے ساتھ آزادی کا تعلق ہو تفصیل باب العصبات میں آئے گی۔

(۳) ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں تو ترکہ عصبہ سببی کو ملے گا۔

(۴) اگر میت کو آزاد کرنے والا فوت ہوگیا تو اس کے عصبہ بنفسہ کو یعنی اس کے بیٹے باپ بھائی بھتیجے اور چچا اور چچازاد بھائیوں کو ترکہ ملے گا اگر یہ بھی نہ ہوں تو اگر آزاد کرنے والا کسی کا غلام تھا تو اس کے آزاد کرنے والے آقا کو ترکہ ملے گا، وہکذا۔

کی ملکیت سے نکل جائے گا لیکن اگر کسی شخص نے زمین کا رقبہ وقف نہیں کیا بلکہ اس کے منافع وقف کئے مثلاً اس طرح کہا، کہ اس زمین کے منافع فقراء پر وقف ہیں تو اگر اس وقف کو اپنی موت کے بعد کی طرف منسوب کیا تھا مثلاً اس طرح کہا اگر میں مرجاؤں تو اس زمین کے منافع مساکین پر وقف ہیں یا موت کے ساتھ معلق تو نہیں کیا تھا لیکن کسی حاکم نے یہ فیصلہ کردیا کہ اس وقف کے منافع ہمیشہ فلاں لوگوں کو ملا کریں گے، تو ان تمام صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ واقف کو وقف سے رجوع کرنا جائز نہیں اور منافع ہمیشہ ان ہی لوگوں کو ملیں گے جن پر وقف کیا گیا ہے۔

اور اگر واقف نے منافع وقف کئے لیکن نہ ان کو موت کی جانب منسوب کیا اور نہ کسی حاکم نے فیصلہ کیا تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک اس وقف کے منافع موقوف علیہم صرف اس وقت تک استعمال کریں گے جب تک کے لئے واقف تعیین کردے گا اور واقف کو رجوع کرنے کا اختیار بھی رہے گا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اب میں اپنے منافع واپس لیتا ہوں امام صاحبؒ کا صحیح مذہب یہی ہے۔

(۲/۱۴۹۱) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَزُوْلُ الْمِلْكُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ.

ترجمہ: اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا زائل ہوجائے گی ملک صرف کہنے ہی سے۔

تشریح: امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ واقف صرف یہ کہہ دے کہ میں نے وقف کیا تو اس کی ملکیت وقف کے مال سے ختم ہوجائیگی خواہ حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو یا موت پر وقف کو معلق نہ کیا ہو۔

(۳/۱۴۹۲) وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَزُوْلُ الْمِلْكُ حَتّٰى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهُ اِلَيْهِ.

ترجمہ: اور امام محمدؒ نے فرمایا نہیں ختم ہوگی ملکیت یہاں تک کہ بنائے وقف کے لئے کسی کو متولی اور اس کو اس کی طرف سپرد کردے۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف کی ملکیت شئ موقوف سے اس وقت ختم ہوگی جب وقف کا کوئی متولی مقرر کرکے شئ موقوف اس کے قبضہ میں دے دی جائے۔

(۴/۱۴۹۳) وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلٰى اخْتِلَافِهِمْ خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِيْ مِلْكِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب صحیح ہوجائے وقف ان کے اختلاف کے موافق تو نکل جائے گا واقف کی ملک سے اور نہیں داخل ہوگا موقوف علیہ کی ملک میں۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ماقبل میں جو امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف گذرا ہے جب اس اختلاف کے مطابق وقف صحیح ہوجائے تب واقف کی ملکیت سے وقف کی چیز نکل جائے گی لیکن جن

لوگوں پر وقف کیا ہے وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے کیوں کہ وقف کا مطلب ہی یہ ہے کہ وقف واقف کی ملکیت میں نہ رہے اور ساتھ ہی مطلب یہ ہے کہ موقوف علیہ اس کے فوائد سے نفع اٹھاتا رہے مگر بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۱۴۹۴/۵) وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا یَجُوْزُ

ترجمہ: اور مشترک چیز کا وقف جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح: کوئی چیز مشترک ہو اور تقسیم ہو سکتی ہو پھر بھی بغیر تقسیم کئے اس کا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔

دلیل: وقف پورا ہونے کے لئے موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری نہیں ہے صرف کہنے سے وقف ہو جاتا ہے اور جب قبضہ دلانا ضروری نہیں تو مشترک چیز کا وقف بھی ہو سکتا ہے، مگر مسجد اور مقبرہ کی زمین اس طرح وقف کرنا کہ کچھ حصہ مشترکہ طور پر مسجد کو دے اور کچھ حصہ خود رکھے درست نہیں، کیوں کہ مالک کبھی اپنے مصرف میں استعمال کرے گا اور کبھی مسجد کے لئے ہوگی اس طرح مسجد کی توہین ہوگی، اسی طرح مقبرہ میں ایک سال مردے دفن کئے جائیں گے اور دوسرے سال مالک کا حصہ ہونے کی وجہ سے کھیتی کی جائے گی اس لیے مالک اور مسجد یا مقبرہ دونوں کا مشترکہ حصہ ہو یہ امام ابو یوسف کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ (الجوہرۃ ۲/۲۱)

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کا وقف جائز نہیں جب تک اس کو تقسیم نہ کر دے۔

دلیل: امام محمدؒ کے نزدیک موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری ہے اور بغیر تقسیم کئے ہوئے پورا قبضہ نہیں ہو سکتا اس لیے تقسیم کر کے ہی وقف کرنا ضروری ہے۔ (اللباب ۲/۱۰۰)

نوٹ: جو چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے حمام اور پن چکی تو ان کو بغیر تقسیم کئے ہوئے بھی وقف کرنا جائز ہے کیوں کہ مجبوری ہے۔

(۱۴۹۵/۶) وَلَا یَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی حَتّٰی یَجْعَلَ آخِرَهُ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدًا وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ اِذَا سَمّٰی فِیْهِ جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَاِنْ لَمْ یُسَمِّهِمْ.

حل لغات: آخرہ: انجام کار، جهة تنقطع: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خاص لوگوں پر وقف کیا جن کے مرنے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

ترجمہ: اور نہیں پورا ہوتا وقف طرفینؒ کے نزدیک یہاں تک کہ کر دے اس کا آخر (انجام کار) اسی طرح کہ وہ کبھی منقطع نہ ہو، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے نام لیا ایسی جہت کا جو منقطع ہو جائے گی تب بھی جائز ہے اور وہ اس جہت کے بعد فقراء کے لئے ہو جائے گا اگرچہ اس نے ان کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح: واقف کا وقف کرنا کب مکمل ہوگا اس کے متعلق اختلاف ہے اس عبارت میں اسی اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں، حضرات طرفینؒ فرماتے ہیں کہ وقف کے مکمل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ واقف وقف کی صورت اس طرح بنادے کہ وقف کا مال آخر کار ہمیشہ کے لئے غرباء ومساکین کے لئے ہی ہوگا واقف کو اس کی تصریح کرنی ہوگی یعنی کبھی بھی میرے اور میرے ورثہ کے پاس واپس نہیں آئے گا، طرفین کے نزدیک وقف کا دائمی ہونا ضروری ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر واقف نے فقراء کا نام وقف میں نہیں لیا صرف ایسے لوگوں پر وقف کیا جو کچھ سالوں کے بعد مرجائیں گے اور ختم ہوجائیں گے پھر بھی وقف صحیح ہوجائے گا البتہ جن لوگوں کا نام لے کر وقف کیا ہے ان کے مرنے کے بعد لوٹ کر واقف کے ورثہ کی طرف نہیں آئے گا بلکہ خود بخود ہمیشہ فقراء کے لئے ہوجائے گا، خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہمیشہ کے لئے فقراء ومساکین کے لئے ہوجائے گا لیکن طرفین کے نزدیک وقف صحیح ہونے کے لئے اس کا تصریح کرنا ضروری ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک تصریح کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۱۴۹۶/ ۷) وَيَصِحُّ وَقْفُ الْعَقَارِ وَلَا يَجُوْزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ.

ترجمہ: اور صحیح ہے زمین کا وقف کرنا اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا وقف کرنا جو منتقل ہوتی ہو اور بدلتی ہو۔

اشیائے منقولہ اور غیر منقولہ کے وقف کا بیان

تشریح: زمین کا وقف کرنا بالاتفاق صحیح ہے، لیکن اشیاء منقولہ کو وقف کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک درست نہیں ہے اگر پھر بھی وقف کردیا تو وقف کے بجائے صدقہ ہوجائے گا، کیوں کہ وقف کے درست ہونے کے لئے تابید شرط ہے اور اشیاء منقولہ کچھ وقت کے بعد بالکل ختم ہوجائے گی، اس لیے وقف درست نہیں ہے۔

(۱۴۹۷/ ۸) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَاَكَرَتِهَا وَهُمْ عَبِيْدُهٗ جَازَ.

حل لغات: ضیعۃ: کھیتی کی زمین، اکرۃ: واحد اَکَّارٌ کاشت کار کھیت میں کام کرنے والا مزدور، عبید: عبد کی جمع ہے غلام، نوکر چاکر۔

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ نے فرمایا جب وقف کرے کھیتی کی زمین اس کے بیلوں اور مزدوروں کے ساتھ اور وہ مزدور اس کے غلام تھے تو جائز ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر زمین کو اس کے بیلوں اور کارندوں کے ساتھ وقف کرے تو صحیح ہے بیل مزدور ایسے ہی وہ تمام چیزیں جو کھیتی کے کام آتی ہیں، زمین کے تابع ہوکر وقف ہوسکتی ہیں مستقل طور پر وقف نہیں ہوسکتی کیوں کہ بعض چیزیں اصلاً جائز نہ ہو لیکن تابع کے طور پر جائز ہوسکتی ہیں۔

(۹/۱۴۹۸) وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ.

حل لغات: حبس: باب (ض) سے مصدر ہے روکنا، الکُراع: جمع اکارِع گھوڑے خچر گدھے اونٹ، السلاح: ہتھیار جمع اَسلِحَۃٌ۔

ترجمہ: اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ گھوڑے اور ہتھیار کا وقف کرنا جائز ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک گھوڑے وغیرہ اور ہتھیار راہ خدا میں وقف کرنا جائز ہے حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ایک حدیث میں ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کیا ہے ایسے ہی حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے گھوڑے کو اللہ کے راستے میں وقف کیا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اللباب ۲/۱۰۱، رقم حاشیۃ اللباب (۱)

نیز امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کے وقف کرنے کا لوگوں میں رواج ہو جائے ان کا وقف کرنا بھی درست ہوگا، مثلاً کلہاڑی، بسولہ، آرا، جنازہ کی چار پائی، قرآن کریم، کتابیں وغیرہ ان کا وقف کرنا جائز ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۲۳)

(۱۰/۱۴۹۹) وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِيْكُهُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مُشَاعاً عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَيَطْلُبُ الشَّرِيْكُ الْقِسْمَةَ فَتَصِحُّ مُقَاسَمَتُهُ.

ترجمہ: اور جب صحیح ہو جائے وقف تو جائز نہیں اس کا بیچنا اور نہ کسی کو اس کا مالک بنانا مگر یہ کہ وہ مشترک ہو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور شریک تقسیم کرانا چاہے تو صحیح ہے اس کو تقسیم کرنا۔

تشریح: جب وقف مکمل ہو گیا تو اس کو فروخت کرنا اور کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ چیز مشترک ہے تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر شریک اس کی تقسیم چاہتا ہو تو تقسیم کرنا جائز ہے، کیوں کہ یہ تقسیم تملیک نہیں بلکہ اپنے حصہ کو الگ کرانا ہے، صاحب قدوریؒ نے امام ابو یوسفؒ کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے، کہ ان کے نزدیک مشترک چیز کو وقف کرنا جائز ہے۔ الجوہرۃ النیرۃ ۲/۲۳)

(۱۱/۱۵۰۰) وَالْوَاجِبُ أَنْ يَّبْتَدِئَ مِنَ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ شَرَطَ ذَالِكَ الْوَاقِفُ أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ.

حل لغات: ارتفاع: آمدنی، منافع۔ عمارت: مرمت کے معنی میں ہے۔

ترجمہ: اور ضروری ہے کہ شروع کرے وقف کے منافع سے اس کی مرمت شرط لگائی ہو اس کی واقف نے یا نہ لگائی ہو۔

تشریح: وقف سے جو آمدنی ہو اس کو پہلے وقف کردہ چیز کی مرمت پر خرچ کیا جائے چاہے واقف نے یہ شرط

لگائی ہو، یا نہ لگائی ہو کہ اس جائداد کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کی جائے گی پھر بھی وقف کی آمدنی سے پہلے مرمت کرانا ہی ضروری ہے کیوں کہ واقف کا مقصد یہ ہے کہ وقف کی چیز ہمیشہ باقی رہے اور اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ وقف کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت ہوتی رہے ورنہ وقف کردہ شئی جلدی ہی ختم ہو جائے گی۔

(۱۲/۱۵۰۱) وَاِذَا وَقَفَ دَاراً عَلٰى سُكْنٰى وَلَدِهٖ فَالْعِمَارَةُ عَلٰى مَنْ لَهُ السُّكْنٰى.

ترجمہ: اور اگر وقف کیا کوئی مکان اپنی اولاد کی رہائش کے لئے تو مرمت اسی کے ذمہ ہے جس کے لئے رہائش ہے۔

تشریح: اگر کسی نے کوئی مکان اپنی اولاد کی رہائش کے لئے وقف کیا تو اس گھر کی مرمت کی ذمہ داری رہنے والے کے اوپر ہے، وہ اپنی آمدنی سے اس کی مرمت کروائے، کیوں کہ جب وہ رہ رہا ہے تو الخراج بالضمان (استحقاق آمد ضمان کے ساتھ معلق ہے) کے تحت اس پر ہی مرمت کی ذمہ داری ہوگی۔

(۱۳/۱۵۰۲) فَاِنِ امْتَنَعَ ذَالِكَ اَوْ كَانَ فَقِيْراً اٰجَرَهَا الْحَاكِمُ وَعَمَّرَهَا بِاُجْرَتِهَا فَاِذَا عُمِّرَتْ رَدَّهَا اِلٰى مَنْ لَهُ السُّكْنٰى.

حل لغات: آجر: اجرت پر دینا، عمر: مصدر تعمیر مرمت کرانا۔

ترجمہ: اگر وہ مرمت کرانے سے رک جائے یا وہ فقیر ہو تو اجرت پر دے دے اس کو حاکم اور مرمت کرائے اس کی اجرت سے جب مرمت ہو چکے تو اسی کی طرف واپس کر دے جس کے لئے رہائش ہے۔

تشریح: مکان جس کو رہنے کے لئے دیا ہے، وہ مرمت نہیں کرا رہا ہے یا وہ فقیر ہے جس کی وجہ سے مرمت کرانا مشکل ہے تو حاکم کو چاہئے کہ اس کو کرایہ پر دے اور جو کرایہ حاصل ہو اس رقم سے اس کی مرمت کرا دے جب مرمت کرا کر مکان پہلی حالت پر آجائے تو دوبارہ مکان اسی آدمی کو دے دے گا جس کے لئے واقف نے وقف کیا تھا۔

دلیل: جب حاکم نے مکان کرایہ پر دے دیا اور اس کرایہ سے مکان کی مرمت ہوئی تو ایک مخصوص وقت کے لئے رہنے والے کا حق فوت ہو گیا لیکن اگر اس مکان کی مرمت نہ کرائی جائے اور یونہی پڑا رہنے دیا جائے تو رہائش بالکلیہ ہی ختم ہو جائے گی اس لیے وقف کردہ مکان کو بچانے کی یہی شکل نکل سکتی ہے کہ دوسروں کو کرایہ پر دے دے اور جو آمدنیہو اس سے مرمت کرائے اور اب کرایہ پر دینے کی کوئی ضرورت نہ رہی اس لیے دوبارہ مکان اسی کو دے دیا جائیگا۔

(۱۴/۱۵۰۳) وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَاٰلَتِهٖ صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِيْ عِمَارَةِ الْوَقْفِ اِنِ احْتَاجَ اِلَيْهِ وَاِنِ اسْتَغْنٰى عَنْهُ اَمْسَكَهُ حَتّٰى يَحْتَاجَ اِلٰى عِمَارَتِهٖ فَيَصْرِفَهُ فِيْهَا وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّقْسِمَهُ بَيْنَ مُسْتَحِقِّي الْوَقْفِ.

حل لغات: انهدم: ماضی مصدر انهدام گرنا، اٰلَتِهٖ: ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں (۱) بِنَاء پر

عطف کرنے کی وجہ سے مجرور ہے (۲) ما موصولہ پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، استغنی عنہ: بے نیاز ہونا، کسی چیز کا ضرورت مند نہ ہونا۔

ترجمہ: جو کچھ گر جائے وقف کی عمارت سے اور اس کے آلات سے تو صرف کرے گا اس کو حاکم وقف کی مرمت میں اگر اس کی ضرورت ہو اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو روک لے یہاں تک کہ اس کی مرمت کی ضرورت ہو تا کہ اس میں صرف کرے اور نہیں جائز ہے کہ اس کو تقسیم کردے وقف کے مستحقین کے درمیان۔

تشریح: وقف کی عمارت سے جو اینٹ لکڑی وغیرہ گر کر الگ ہو جائے اگر اس کی ضرورت ہو تو اس کو وقف کے مکان کی مرمت میں استعمال کرے، اور اگر فی الحال استعمال کی ضرورت نہ ہو تو اس ملبہ وغیرہ کو رکھ لے اور جب مرمت کی ضرورت ہو تو اسی میں خرچ کیا جائے اگر بجنسہ کام دے سکتا ہو تو بجنسہ محفوظ کیا جائے اور اگر یہ ملبہ اس قسم کا نہیں ہے تب فروخت کرکے اس کی قیمت کو محفوظ کرلیا جائے اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس ملبہ کو وقف کے مستحقین کے درمیان تقسیم نہ کرے کیوں کہ مستحقین کا حق نفع میں ہے عین شی میں نہیں ہے اور یہ عین شی ہے اس وجہ سے ملبہ کو ان کے درمیان تقسیم نہ کرے۔ (الجوہرة ۲/۲۴، اللباب ۲/۱۰۲)

(۱۵/۱۵۰۴) وَاِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهٖ اَوْ جَعَلَ الْوِلَايَةَ اِلَيْهِ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوْزُ.

حل لغات: غلة: پیداوار، الولایة: نگرانی، خود کا متولی بننا شرط کیا۔

ترجمہ: اور جب کرلے واقف وقف کی آمدنی اپنے لئے یا کرلے اس کی نگرانی اپنے لئے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح: ماقبل کی عبارت میں جو مسئلہ مذکور ہے اس کی دو نوعیتیں ہیں (۱) واقف نے وقف تو کیا مگر یوں کہا کہ اس کی کچھ آمدنی میں بھی اپنے استعمال میں لاؤں گا۔

(۲) واقف نے وقف تو کیا مگر یہ شرط لگائی کہ میں خود اس کا نگران ہوں گا تو دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف اپنے استعمال کے لئے شرط لگائے تو نہیں لگا سکتا کیوں کہ وقف کے بعد یہ مال اللہ کا ہو گیا اس لیے اب اپنے استعمال کرنے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے ایسے ہی خود نگرانی کی شرط بھی نہیں لگا سکتا کیوں کہ امام محمد کے نزدیک وقف کے مال کو کسی دوسرے نگراں اور ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے اس لیے خود نگرانی کی شرط نہیں لگا سکتا۔

(۱۶/۱۵۰۵) وَاِذَا بَنٰى مَسْجِدًا لَمْ يَزَلْ مِلْكُهٗ عَنْهُ حَتّٰى يُفْرِزَهٗ عَنْ مِلْكِهٖ بِطَرِيْقِهٖ وَيَاْذَنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِذَا صَلّٰى فِيْهِ وَاحِدٌ زَالَ مِلْكُهٗ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يَزُوْلُ مِلْكُهٗ عَنْهُ

بِقَوْلِهِ جَعَلْتُ مَسْجِداً.

حل لغات: یفرزہ: مضارع مصدر افراز ملکیت سے علیحدہ کرنا۔

ترجمہ: اور اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملک اس سے زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ علیحدہ کر دے اس کو اپنی ملک سے اس کے راستہ کے ساتھ اور اجازت دیدے لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اب اگر نماز پڑھ لے اس میں ایک آدمی تو زائل ہو جائے گی اس کی ملک امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام ابویوسفؒ نے اس کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اس کے یہ کہنے سے ہی کہ میں نے مسجد بنادی۔

تشریح: ایک آدمی نے مسجد تعمیر کرائی تو یہ مسجد اس آدمی کی ملکیت اس وقت تک رہے گی جب تک کہ وہ اس کو اپنی ملک سے مع راستہ کے جدا نہ کر دے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دے دے، اپنی ملکیت سے جدا کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر مسجد خالص خدا کے لئے وقف نہیں ہوسکتی، اور نماز کی اجازت اس لیے ضروری ہے کہ موقوفہ شی پر قبضہ کرانا ضروری ہے، اور یہاں کوئی مخصوص ولی نہیں اور ہر چیز میں قبضہ اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے اور مسجد میں قبضہ نماز پڑھنا ہے اور یہی وقف کا مقصود ہے اور اسی کو حقیقی قبضہ کے قائم مقام بنادیا گیا ہے، اب اگر اجازت کے بعد اس میں ایک شخص نے بھی نماز پڑھ لی تو مالک کی ملک ختم ہو جائے گی یہ پوری تفصیل طرفین کے نزدیک ہے، امام ابویوسف کے نزدیک کسی ولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد بنادی اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔

(۱۵۰۶/۱۷) وَمَنْ بَنٰى سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ اَوْ خَاناً يَسْكُنُهُ بَنُوْا السَّبِيْلِ اَوْ رِبَاطاً اَوْ جَعَلَ اَرْضَهُ مَقْبَرَةً لَمْ يَزَلْ مِلْكُهُ عَنْ ذَالِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يَحْكُمَ بِهٖ حَاكِمٌ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَزُوْلَ مِلْكُهُ بِالْقَوْلِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ السِّقَايَةِ وَسَكَنُوْا الخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدَفَنُوْا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ.

حل لغات: سِقاية: سین پر کسرہ اور الف کے بعد یا مفتوح، پانی پلانے کی جگہ، راہ گیروں کو مفت پانی پلانے کا پیاؤ (پانی پینے کی جگہ)، خاناً: جمع خانات سرائے، مسافروں کے ٹھہرنے کا مکان، مسافر خانہ دھرم سالہ، بنو السبیل: مسافر، رِباطاً: وہ جگہ جہاں لشکر سرحد کی حفاظت کے لئے قیام کرے، جمع رُبُطٌ الرِّبَاطُ فقراء کے لئے مکان موقوفہ جمع رِباطات، مقبرة: جمع مقابر، قبرستان۔

ترجمہ: اور جس نے بنائی پیاؤ مسلمانوں کے لئے یا سرائے بنائی مسافروں کے رہنے کے لئے یا لشکر کی آمد و رفت کے لئے کوئی مکان بنوادیا یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو ختم نہ ہوگی اس کی ملک امام صاحب کے نزدیک یہاں تک حاکم اس کا فیصلہ کر دے اور کہا امام ابویوسفؒ نے کہ ملک زائل ہو جائے گی صرف اس کے کہنے سے اور فرمایا امام محمدؒ

نے جب پی لیں لوگ پیاؤ سے اور ٹھہر جائیں سرائے اور مسافر خانے میں اور دفن کرنے لگیں قبرستان میں تو زائل ہو جائے گی ملک۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسافر خانہ وغیرہ کو وقف کے لئے فیصلہ کرنے کے بعد وقف ہوگا، اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف کہنے سے وقف ہوگا، اور امام محمد کے نزدیک اس کو کوئی مسافر یا مسکین استعمال کرتے تو وقف مکمل ہوگا۔

یہ حضرات ائمہ ثلاثہ کا اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے جو کہ ابتداء کتاب الوقف میں گذر چکا کہ امام صاحب کے نزدیک وقف مکمل اسی وقت ہوگا جب کہ قاضی فیصلہ کردے اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف کہہ دیتے ہیں وقف تام ہو جاتا ہے اور امام محمد کے نزدیک سپرد کرنا شرط ہے جب استعمال ہو گیا تو تسلیم پائی گئی۔

كِتَابُ الغَصَبَ

(یہ کتاب غصب کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الوقف اور کتاب الغصب میں مناسبت مقابلہ کی ہے، کیوں کہ غاصب کے لئے مغصوب چیز سے حالت غصب میں نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اور موقوف علیہ کے لئے موقوف سے نفع اٹھانا جائز ہے، لہذا وقف شرعی ہے اس وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا اور غصب غیر شرعی ہے اس لیے اس کو مؤخر کیا گیا۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۵)

غصب کی لغوی تعریف: زبردستی کسی کی چیز کو لینا مال ہو یا غیر مال۔

اصطلاحی تعریف: مالک کی اجازت کے بغیر اس کے قیمتی محترم مال پر اس طرح قبضہ کرنا کہ مالک کا قبضہ ختم ہو جائے لہذا کسی کے غلام کو اس کی اجازت کے بغیر اپنی خدمت میں لگانا یا اس کے جانور پر سامان لادنا غصب میں داخل ہے اور کسی کی چارپائی پر بیٹھنا یا کسی کے بستر پر بیٹھنا غصب میں داخل نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۲۶، اللباب ۲/۱۰۵)

غصب کرنا حرام ہے اس کا ثبوت ان آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے طریقہ پر کھاتے ہیں، اس آیت میں غصب بھی داخل ہے۔

اصطلاحی الفاظ: غاصب، زبردستی مال وغیرہ لینے والا، مغصوب منہ، جس سے زبردستی چھینا گیا، مغصوب، جو چیز چھینی گئی۔

(۱/۱۵۰۷) وَمَنْ غَصَبَ شَيْئاً مِمَّا لَهُ مِثْلٌ فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهٖ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا مِثْلَ لَهُ

فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ.

ترجمہ: اور اگر کسی نے غصب کرلی کوئی ایسی چیز جس کا مثل ہے اور وہ ہلاک ہوگئی اس کے قبضہ میں تو اس کے ذمہ اس کے مثل تاوان ہے، اور اگر وہ چیز اس میں سے ہے جس کا مثل نہیں تو اس پر اس کی قیمت ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کی کوئی چیز غصب کرلی اور وہ چیز مثلی ہو، مثلاً کیلی موزونی، جیسے گیہوں، چاول، لوہا وغیرہ تو بعینہ وہی چیز واپس کرنی ہوگی اور اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی تو اس کا مثل واپس کرنا پڑے گا اور اگر شئ مغصوب غیر مثلی ہو مثلاً گائے بھینس غلام وغیرہ غصب کرلیا تو اب اصل شئ نہ ہونے کی صورت میں قیمت واپس کرنی ہوگی اصل شئ واپس کرنے کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے وَمَنْ اَخَذَ عَصا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا اور جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی کو لیا اس کو اسے واپس کرنا چاہیے۔

مثل واپس کرنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۴) جس نے تم پر ظلم کیا تو تم اس کے مثل ظلم کرو یعنی بدلہ لو جتنا تم پر ظلم کیا اسی پر قیاس کرکے جتنا غصب کرکے ہلاک کیا ہو اس کے مثل دینا واجب ہوگا اور جب شئ مغصوب مثلی نہ ہو تو اس کا مثل متعذر ہونے کی وجہ سے آخر قیمت ہی دی جائے گی۔

(۲/۱۵۰۸) وَعَلَى الْغَاصِبِ رَدُّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَةِ.

ترجمہ: اور واجب ہے غاصب پر اصل مغصوب کو لوٹانا۔

تشریح: اگر غاصب کے پاس اصل مغصوب باقی ہو تو اس کا واپس کرنا ضروری ہوگا خواہ مغصوب مثلی ہو یا غیر مثلی کیوں کہ مثل یا قیمت کو واپس کرنا تو مجبوری کے درجہ میں ہے اور یہاں کوئی مجبوری نہیں ہے۔

(۳/۱۵۰۹) فَاِنِ ادَّعٰى هَلَاكَهَا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّهَا لَوْ كَانَتْ بَاقِيَةً لَاَظْهَرَهَا ثُمَّ قَضٰى عَلَيْهِ بِبَدَلِهَا.

لغت: حبس: کسی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے جو وقتی اور عارضی طور پر قید کرتے ہیں۔

ترجمہ: اگر وہ دعویٰ کرے مغصوب کے ہلاک ہوجانے کا تو قید کرے اس کو حاکم یہاں تک کہ یقین ہوجائے کہ اگر وہ باقی ہوتی تو ضرور اس کو ظاہر کردیتا پھر فیصلہ کردے اس پر اس کے بدلہ کا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مغصوب منہ (مالک) قیمت لینے پر رضامند نہیں ہے بلکہ اس کا مطالبہ اصل شئ کا ہی ہے اور غاصب کا دعویٰ ہے کہ اصل شئ میرے پاس سے ضائع ہوگئی تو اب حاکم وقت غاصب کو اتنے وقت کے لئے قید رکھے کہ اگر واقعتاً وہ چیز غاصب کے پاس موجود ہوتی تو وہ اس کو ظاہر کردیتا اور اب قید کرنے کے باوجود ظاہر نہیں

کررہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز واقعتاً اس کے پاس سے ہلاک ہوگئی ہے، تو اب قاضی کو چاہئے کہ اس کے مثل یا قیمت کا فیصلہ کرے۔

(۴/۱۵۱۰) وَالْغَصَبُ فِيمَا يُنقَلُ وَيُحَوَّلُ.

ترجمہ: اور غصب ان چیزوں میں ہوتا ہے جو منتقل ہوتی ہوں اور تبدیل ہوتی ہوں۔

تشریح: جو چیز منتقل ہوتی ہو وہ غصب ہوسکتی ہے کیوں کہ انہیں چیزوں پر مکمل قبضہ ہوتا ہے اور انہیں کو منتقل کرکے اپنی ملکیت میں کرسکتے ہیں۔

نوٹ: ینقل اور یحول یہ دونوں ایک ہی ہیں بعض حضرات نے فرق بھی بیان کیا ہے کسی چیز کو ایک جگہ سے منتقل کرکے دوسری جگہ رکھنا اس کو تحویل کہتے ہیں اور نقل ایک جگہ سے منتقل کرنے کو کہتے ہیں۔ (الجوہرۃ ۲/ ۲۷)

(۵/۱۵۱۱) وَاِذَا غَصَبَ عَقَاراً فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَضْمَنُهٗ.

ترجمہ: اور اگر غصب کی زمین اور وہ ہلاک ہوگئی اس کے پاس تو ضامن نہیں ہوگا شیخینؒ کے نزدیک اور فرمایا امام محمد نے کہ ضامن ہوگا۔

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کی زمین غصب کرے اور پھر زمین کسی وجہ سے برباد ہوجائے تو استحسان کی رو سے غاصب پر ضمان ہوگا یہی امام محمد کا مذہب اور امام ابو یوسفؒ کا قول اول ہے لیکن قیاس کے اعتبار سے زمین کے غصب کی صورت میں غاصب پر ضمان نہیں ہے یہ امام ابو یوسفؒ کا آخری قول اور امام ابو حنیفہؒ کا مشہور مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (کشف الاسرار ۴/ ۳۵۷)

وقف کی زمین کے غاصب پر ضمان

حضرات شیخین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی زمین کو غصب کرے پھر وہ زمین آفت سماویہ مثلاً سیلاب یا بارش کی وجہ سے ضائع ہوجائے تو غاصب پر ضمان نہ ہوگا جب کہ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں غاصب سے زمین کا ضمان لیا جائے گا یہ مذہب کی دو روایتیں ہیں اور شیخین کا قول ظاہر الروایۃ ہے لیکن متاخرین فقہاء نے فساد زمانہ کی بنیاد پر وقف کی جائداد اور یتیموں کی ملکیت والی زمینوں میں امام محمد کے قول پر فتوی دیتے ہوئے غاصب کو ضامن قرار دیا ہے۔ (الدر المختار مع الشامی ۵/۱۶۲)

(۶/۱۵۱۲) وَمَا نَقَصَ مِنْهُ بِفِعْلِهٖ اَوْ سُكْنَاهُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعاً.

ترجمہ: اور جو نقص آجائے زمین میں اس کے فعل سے یا اس کی رہائش سے تو ضامن ہوگا اس کا سب کے قول میں۔

تشریح: ماقبل کی عبارت میں اس ہلاکت کا بیان تھا جو قدرتاً ہوئی اور اگر اس کے عمل سے ہلاک یا نقصان ہوا تو اس کو اس عبارت میں بیان فرماتے ہیں، صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ غاصب کے فعل سے یا غاصب کے رہنے کی وجہ سے زمین میں کوئی کمی پیدا ہوگئی تو اس کمی کا تاوان تینوں اماموں کے نزدیک غاصب پر لازم ہوگا۔

نقصان کا تاوان کس طرح لیا جائے گا، اس بارے میں محشیؒ نے لکھا ہے کہ نصیر بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھا جائے گا کہ غاصب کے استعمال سے پہلے یہ زمین کتنے کرایہ پر جا رہی تھی اور اب کتنے پر مثلاً استعمال سے قبل پندرہ سو روپے بیگھہ اور غاصب کے استعمال کے بعد ایک ہزار روپے بیگھہ جا رہی ہے تو غاصب سے پانچ سو روپے وصول کئے جائیں گے، اور محمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھا جائے گا کہ استعمال سے قبل کتنے میں فروخت ہو رہی تھی اور اب کتنے میں جا رہی ہے جتنا بھی فرق ہوگا اسی کے اعتبار سے تاوان لیا جائے گا۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۴)۔

(۱۵۱۳/۷) وَإِذَا هَلَكَ الْمَغْصُوْبُ فِيْ يَدِ الْغَاصِبِ بِفِعْلِهٖ اَوْ بِغَيْرِ فِعْلِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُهٗ وَإِنْ نَقَصَ فِيْ يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ النُّقْصَانِ.

ترجمہ: اور اگر ہلاک ہو جائے مغصوب چیز غاصب کے پاس اس کے فعل سے یا بغیر اس کے فعل کے تو اس پر اس کا ضمان ہے اور اگر کمی ہو جائے اس کے قبضہ میں تو اس پر نقصان کا ضمان ہوگا۔

شیٔ مغصوب ہلاک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

تشریح: غاصب کے قبضہ میں جو شیٔ مغصوب ہے وہ غاصب کی حرکت سے یا کسی اور کی حرکت سے ہلاک ہوگئی تو چوں کہ وہ غاصب کی ذمہ داری میں ہے اس لیے دونوں صورتوں میں غاصب ہی تاوان بھرے گا ایسے ہی اگر وہ شیٔ مغصوب ہلاک تو نہیں ہوئی مگر اس میں کچھ کمی آگئی تو کمی کا تاوان غاصب پر لازم ہوگا۔

(۱۵۱۴/۸) وَمَنْ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهٖ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَمَالِكُهَا بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ قِيْمَتَهَا وَسَلَّمَهَا اِلَيْهِ وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ نُقْصَانَهَا.

ترجمہ: اور کسی نے ذبح کردی دوسرے کی بکری بغیر اس کے حکم کے تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے ضامن بنادے بکری کی قیمت کا اور سپرد کردے بکری ذبح کرنے والے کو اور اگر چاہے ضامن بنادے اس کو اس کے نقصان کا۔

غاصب شئ مغصوب میں تصرف کر دے تو؟

تشریح: غاصب نے کوئی ماکول اللحم جانور مثلاً بکری وغیرہ غصب کر کے ذبح کر دی تو اب یہ بکری ایک اعتبار سے ہلاک ہوگئی کہ وہ زندہ ہی نہ رہی اور اس اعتبار سے کہ اس کا گوشت کھانے کے قابل ہے مکمل ہلاک نہیں ہوئی اس لیے مالک کو دو اختیار ہیں ایک یہ کہ بکری کو ہلاک شمار کر کے پوری بکری کی قیمت غاصب سے وصول کرے اور ذبح شدہ بکری غاصب کو دے دے اور دوسرے یہ کہ بکری کا گوشت رکھ لے اور زندہ اور ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جو فرق ہے وہ ذبح کرنے والے سے وصول کرلے اور اگر جانور غیر ماکول اللحم ہو اور اس کو ذبح کر دیا تو وہ مکمل ہلاک شمار ہوگا اور غاصب کو پوری قیمت ادا کرنی ہوگی۔

(۱۵۱۵/۹) وَمَنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَيْرِهٖ خَرْقًا يَسِيْراً ضَمِنَ نُقْصَانَهٗ وَاِنْ خَرَقَ خَرْقًا كَثِيْراً يُبْطِلُ عَامَّةَ مَنْفَعَتِهٖ فَلِمَالِكِهٖ اَنْ يُضَمِّنَهٗ جَمِيْعَ قِيْمَتِهٖ.

حل لغات: خرق: ماضی باب (ن ض) مصدر خرقاً پھاڑنا۔ یسیراً: تھوڑا۔

ترجمہ: کسی نے پھاڑ ا دوسرے کا کپڑا تھوڑا سا تو اس کے نقصان کا ضمان ہوگا اور اگر بہت زیادہ پھاڑ دیا کہ جس سے اس کے اکثر منافع ختم ہو گئے تو اس کے مالک کے لئے جائز ہے کہ ضامن بنا دے اس کو اس کی پوری قیمت کا۔

تشریح: اگر کسی نے غیر کے کپڑے کو بہت معمولی سا پھاڑا کہ وہ ابھی استفادہ کے قابل ہے تو کپڑا مکمل ہلاک نہیں ہوا اس لیے مالک پھاڑنے والے سے نقصان کا ضمان لے سکتا ہے اور اگر کپڑے کو اتنا زیادہ پھاڑ دیا کہ وہ کسی بھی کام میں نہیں آسکتا تو یہ اب کپڑے کی مکمل ہلاکت ہے اس لیے مالک کو اس کپڑے کی پوری قیمت لینے کا اختیار ہے۔

(۱۵۱۶/۱۰) وَاِذَا تَغَيَّرَتِ الْعَيْنُ الْمَغْصُوْبَةُ بِفِعْلِ الْغَاصِبِ حَتّٰى زَالَ اسْمُهَا وَاَعْظَمُ مَنَافِعِهَا زَالَ مِلْكُ الْمَغْصُوْبِ مِنْهُ عَنْهَا وَمَلَكَهَا الْغَاصِبُ وَضَمِنَهَا وَلَا يَحِلُّ لَهُ الْاِنْتِفَاعُ بِهَا حَتّٰى يُؤَدِّيَ بَدَلَهَا.

ترجمہ: اور جب بدل جائے عین مغصوبہ غاصب کے فعل سے یہاں تک کہ اس کا نام اور اعلیٰ درجہ کا فائدہ ختم ہوگیا تو زائل ہو جائے گی مغصوب منہ (مالک) کی ملک اس سے اور مالک ہو جائے گا اس کا غاصب اور اس کا تاوان دے گا اور جائز نہیں اس کے لئے فائدہ اٹھانا اس چیز سے یہاں تک کہ دیدے اس کا بدلہ۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر غاصب نے کوئی چیز غصب کی اور اس میں اس درجہ تصرف کیا کہ اس چیز کا نام بدل کر کچھ اور نام ہوگیا یا اس چیز کے اکثر منافع ختم ہو گئے تو صاحب قدروی فرماتے ہیں کہ چیز کا نام زائل ہوتے ہی مالک کی ملکیت اس سے ختم ہوگئی اور غاصب اس چیز کا مالک ہو جائے گا اور غاصب پر اس کی قیمت واجب ہوگی اور جب تک وہ قیمت ادا نہ کر دے استعمال کرنا نفع اٹھانا غاصب کے

لئے جائز نہیں ہے۔

(۱۱/۱۵۱۷) وَهٰذَا كَمَنْ غَصَبَ شَاةً فَذَبَحَهَا وَشَوَّاهَا اَوْ طَبَخَهَا اَوْ غَصَبَ حِنْطَةً فَطَحَنَهَا اَوْ حَدِيْدًا فَاتَّخَذَهُ سَيْفًا اَوْ صُفْرًا فَعَمِلَهُ آنِيَةً.

حل لغات: شَوّیٰ: ماضی باب (ض) مصدر شیًّا بھوننا، طبخ: ماضی باب (ف،ن) مصدر طبْخاً پکانا، حنطةٌ: گیہوں جمع حنط طحن ماضی باب (ف) مصدر طحناً پیسنا، حديد: لوہا، سيف: تلوار جمع اسیاف، صفراً: پیتل، آنية: برتن جمع اوانی۔

ترجمہ: اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے بکری غصب کی اور اس کو ذبح کر کے بھون لیا یا اس کو پکایا یا گیہوں غصب کر کے پیس لئے یا لوہا غصب کر کے تلوار بنالی یا پیتل غصب کر کے برتن بنالیا۔

تشریح: ماقبل کی عبارت میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے اس عبارت میں اس قاعدہ پر چار مثالیں بیان کرتے ہیں، لیکن اس مقام پر اردو شارحین نے جو وضاحت کی ہے وہ محل نظر ہے کیوں کہ مذکورہ عبارت میں جو چار مسائل مذکور ہیں ان تمام کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ غاصب مالک ہو جائے گا، اور صاحب قدوری کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے حالانکہ اصل وضاحت اس طرح ہے کہ اگر غاصب شیٔ مغصوب میں ایسا تصرف کردے جس کی بنا پر مغصوب کا نام بدل جائے اور اس کی پرانی حیثیت باقی نہ رہے مثلاً غاصب نے گیہوں کو پیس کر آٹا بنادیا یا لوہے کی تلوار بنادی یا پیتل کا برتن بنادیا تو اس شیٔ مغصوب سے اصل مالک کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور غاصب اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن اگر غاصب مغصوب بکری کو ذبح کر کے اس کی کھال اتار دے اور اس بکری کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تو مغصوب منہ (اصل مالک) کی ملکیت اس سے ختم نہیں ہوئی حالانکہ بظاہر یہاں بھی ملکیت ختم ہو جانی چاہئے اس لیے کہ غاصب نے بکری کو ختم کر دیا ان دونوں مسئلوں میں فقہاء نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ گیہوں کا آٹا بنادینے، لوہے کی تلوار اور پیتل کا برتن بنادینے میں مغصوب کا اصل نام ہی زائل ہو گیا اور منافع میں واضح فرق ہو گیا جب کہ بکری کو محض کھال اتار کر ٹکڑے کر دینے میں اس گوشت پر بکری کا نام بدستور باقی ہے، اس لیے اصل مالک کی ملکیت باقی رہے گی۔ (ہدایہ ۳/۳۷۶)

(۱۲/۱۵۱۸) وَاِنْ غَصَبَ فِضَّةً اَوْ ذَهَبًا فَضَرَبَهَا دَرَاهِمَ اَوْ دَنَانِيْرَ اَوْ اٰنِيَةً لَمْ يَزَلْ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

لغت: ضربها: ڈھال دیا، مارا۔

ترجمہ: اور اگر چاندی یا سونا غصب کیا اور ان کو ڈھال کر درہم یا دینار یا برتن بنالئے تو ان سے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: مسئلہ کی نوعیت واضح ہے امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ سونا

چاندی خواہ ڈلی کی شکل میں ہوں یا سکوں کی شکل میں ہوں یا برتن بنالئے جائیں پھر بھی وہ ثمن ہی ہیں ان کا اصل نام ثمن باقی ہے اس لیے غاصب ان کا مالک نہیں ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ اس نے ایک معتبر تبدیلی پیدا کردی کہ ان کا نام ہی بدل گیا اس لیے مالک کی ملکیت ختم ہوجائے گی اور غاصب کی ملکیت ہوجائے گی اب اس پر اتنی ہی چاندی لازم ہوگی جتنی اس نے غصب کی تھی۔

(۱۳/۱۵۱۹) وَمَنْ غَصَبَ سَاجَةً فَبَنٰی عَلَيْهَا زَالَ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا وَلَزِمَ الْغَاصِبَ قِيْمَتُهَا.

حل لغت: ساجۃ: ساکھوں کی لکڑی کا لٹھا، شہتیر درمیان کی وہ موٹی اور لمبی لکڑی جس پر چھپر کھڑا کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: کسی نے شہتیر غصب کیا اور اس پر عمارت بنالی تو مالک کی ملکیت اس سے زائل ہوجائیگی اور لازم ہوگی غاصب پر اس کی قیمت۔

تشریح: اگر کسی نے شہتیر غصب کیا اور اس کے اوپر عمارت بنالی تو اس صورت میں مالک کی ملکیت ختم ہوجائے گی اور غاصب پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی اور عمارت خواہ شہتیر کے اوپر بنائی گئی ہو یا اس کے چاروں طرف کسی بھی صورت میں عمارت منہدم نہیں کی جائے گی کیوں کہ وہ غاصب کے مال کے ساتھ چپک گئی ہے اب اگر عمارت توڑ کر مال سے الگ کرتے ہیں تو غاصب کا بہت بڑا نقصان ہوجائے گا اور مالک کو اس کی قیمت دلوائیں تو اس کا نقصان نہیں ہے بلکہ شہتیر کی قیمت اسے مل جائے گی اس لیے بہتر شکل یہی ہے کہ شہتیر کی قیمت دلوادی جائے اور غاصب کو اس کا مالک قرار دے دیا جائے تاکہ کسی کا بھی نقصان نہ ہو۔

(۱۴/۱۵۲۰) وَمَنْ غَصَبَ اَرْضاً فَغَرَسَ فِيْهَا اَوْ بَنٰی قِيْلَ لَهُ اِقْلَعِ الْغَرْسَ وَالْبِنَاءَ وَرُدَّهَا اِلٰی مَالِكِهَا فَارِغَةً فَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ تُنْقَصُ بِقَلْعِ ذٰلِكَ فَلِلْمَالِكِ اَنْ يَّضْمَنَ لَهُ قِيْمَةَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوْعاً.

حل لغات: غرس: ماضی باب (ض) مصدر غَرْساً پودا لگانا، اقلع امر حاضر باب فتح مصدر قَلْعًا اکھیڑنا۔

ترجمہ: کسی نے زمین غصب کی اور اس میں پودے لگادیئے یا عمارت بنادی تو اس سے کہا جائے گا کہ پودے اکھاڑ دے اور عمارت توڑ دے اور واپس کردے زمین کو مالک کی طرف خالی کر کے اب اگر زمین میں ان کے کھاڑنے سے نقصان آتا ہو تو مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ دیدے غاصب کو کھڑی ہوئی عمارت اور پودوں کی قیمت۔

تشریح: اگر کسی نے کسی کی زمین غصب کرلی اور اس میں پودا لگا دیا یا مکان تعمیر کرلیا تو چوں کہ زمین غاصب کی نہیں ہے اس لیے غاصب سے کہا جائے گا کہ درخت اکھاڑ کر اور عمارت منہدم کر کے خالی زمین مالک کے حوالہ کرو کیوں کہ تم نے خالی زمین ہی مالک سے لی تھی اس لیے جیسی لی تھی ویسی ہی مالک کے حوالہ کر اب اگر عمارت توڑنے اور

درخت کاٹنے میں زمین کو نقصان پہنچتا ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ غاصب کو ٹوٹی ہوئی عمارت کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درخت کی قیمت لگا کر دے دے اور اکھڑی ہوئی چیز مالک کی ہوگی۔

(۱۵۲۱/۱۵) وَمَنْ غَصَبَ ثَوْباً فَصَبَغَهُ اَحْمَرَ اَوْ سَوِيْقاً فَلَتَّهُ بِسَمْنٍ فَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيْمَةَ ثَوْبٍ اَبْيَضَ وَمِثْلَ السَّوِيْقِ وَسَلَّمَهُ لِلْغَاصِبِ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَهُمَا وَضَمِنَ مَا زَادَ الصَّبْغُ وَالسَّمْنُ فِيْهِمَا.

حل لغات: صبغ: ماضی (ن ض ف) مصدر صَبْغاً صِبْغاً رنگنا، احمر: سرخ رنگ سے رنگا ہوا جمع حمران، سویق: ستو (بھنے ہوئے جو کا آٹا) جمع اَسْوِقَةٌ، لته: ماضی (ن) لَتًّاالسَّوِيْق ستو کو پانی سے تر کرنا گھی ملانا، سمن: گھی جمع اَسْمُن.

ترجمہ: کسی نے کپڑا غصب کیا اور اس کو سرخ رنگ میں رنگ دیا یا ستو غصب کیا اور اس میں گھی ملا دیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے ضامن بنائے اس کو سفید کپڑے کی قیمت کا اور ستو کے مثل کا اور وہ کپڑا اور ستو غاصب کو دے دے اور اگر چاہے تو دونوں کو لے لے، اور جو رنگ اور گھی ان دونوں میں زیادہ ہوا ہے اس کا ضمان دے دے۔

تشریح: اگر کسی نے کپڑا غصب کر کے لال رنگ میں رنگ دیا یا ستو غصب کر کے اس میں گھی ملا دیا تو ایسی صورت میں مالک کو اختیار ہے یا سفید کپڑا اور خالص ستو کی قیمت لے کر غاصب کو کپڑا اور ستو حوالہ کر دے اور اگر چاہے رنگ اور گھی کی قیمت غاصب کو دے دے اور اپنا کپڑا اور ستو غاصب سے لے لے، یہ مسئلہ اس قاعدہ پر متفرع ہے کہ مالک اور غاصب دونوں کو نقصان نہ ہو بلکہ حتی الامکان دونوں کو ان کا حق مل جائے۔

(۱۵۲۲/۱۶) وَمَنْ غَصَبَ عَيْناً فَغَيَّبَهَا فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ قِيْمَتَهَا مَلَكَهَا الْغَاصِبُ بِالْقِيْمَةِ.

ترجمہ: کسی نے کوئی چیز غصب کی اور اس کو غائب کر دیا، اور مالک نے قیمت کا تاوان لے لیا تو غاصب مالک ہو جائے گا قیمت دے کر۔

تشریح: ایک شخص نے کوئی چیز غصب کی اور غاصب نے بالفعل اس کو غائب کر دیا اور ظاہر کیا کہ ضائع ہوگئی اور مالک نے اس کی قیمت وصول کر لی تو غاصب اس چیز کا مالک بن جائے گا کیوں کہ مالک شی مغصوب کے بدل یعنی اس کی قیمت کا بطریق کمال مالک ہو چکا ہے اور جو شخص بدل کا مالک ہو جاتا ہے تو مبدل اس کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے اور صاحب بدل کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے تاکہ بدلین ایک شخص کی ملکیت میں جمع نہ ہو جائیں۔

(۱۵۲۳/۱۷) وَالْقَوْلُ فِي الْقِيْمَةِ قَوْلُ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهِ اِلَّا اَنْ يُقِيْمَ الْمَالِكُ الْبَيِّنَةَ بِاَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور قول قیمت میں غاصب کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ مگر یہ کہ قائم کر دے مالک گواہ اس سے

زیادہ پر۔

تشریح: مغصوب غائب ہوگئی تھی اب مالک اور غاصب کے درمیان اس کی قیمت میں اختلاف ہوگیا مالک نے ایک مقدار کا دعویٰ کیا غاصب اس مقدار کا منکر ہے بلکہ وہ اس سے کم قیمت کی شئی تسلیم کرتا ہے تو اگر مالک کے پاس اپنے دعوی پر گواہ نہیں ہے تو غاصب کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی ہاں اگر مالک نے اس زیادتی پر گواہ قائم کردیئے تو مالک کا قول معتبر ہوگا۔

(۱۸/۱۵۲۴) فَإِذَا ظَهَرَتِ الْعَيْنُ وَقِيمَتُهَا أَكْثَرُ مِمَّا ضَمِنَ وَقَدْ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْمَالِكِ أَوْ بِبَيِّنَةٍ أَقَامَهَا أَوْ بِنُكُوْلِ الْغَاصِبِ عَنِ الْيَمِيْنِ فَلَاخِيَارَ لِلْمَالِكِ وَهُوَ لِلْغَاصِبِ.

ترجمہ: پھر اگر وہ چیز ظاہر ہو جائے اور اس کی قیمت اس سے زیادہ ہو جو ضمان دیا اور حال یہ ہے کہ اس کا ضمان دیا مالک کے کہنے سے یا گواہ قائم کرنے سے یا غاصب کے قسم کھانے سے انکار کرنے سے تو مالک کو اختیار نہیں ہوگا اور وہ چیز غاصب کی ہوگی۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ یہ بیان کررہے ہیں کہ مغصوب چیز غائب تھی اس درمیان مالک کو اس کی قیمت دے دی گئی پھر شئی مغصوب ظاہر ہوگئی اور اس کی قیمت اس مقدار سے زائد ہے جس کا غاصب نے تاوان دیا ہے اور تاوان بھی مالک کے کہنے پر کہ اس چیز کی قیمت اتنی ہے یا مالک نے ایک قیمت پر گواہ قائم کر کے فیصلہ کروایا تھا یا مالک کے پاس گواہ نہیں تھے اس لیے غاصب کو قسم کھانے کے لئے کہا غاصب نے قسم کھانے سے انکار کردیا جس کی وجہ سے مالک نے جتنی قیمت بتائی اسی پر فیصلہ کردیا گیا تو اب مالک کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی کیوں کہ مالک اتنی ہی قیمت پر راضی ہے، اور نہ مالک کو وہ چیز لینے کا اختیار ہوگا۔

(۱۹/۱۵۲۵) وَإِنْ كَانَ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهِ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَى الضَّمَانَ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْعَيْنَ وَرَدَّ الْعِوَضَ.

حل لغات: امضی الضمان: ضمان کو بحال رکھے، العین: اس سے مراد مغصوب چیز ہے۔

ترجمہ: اور اگر تاوان لیا غاصب کے کہنے سے اس کی قسم کے ساتھ تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو ضمان کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو مغصوب چیز کو لے لے اور عوض واپس کردے۔

تشریح: مالک کے پاس اپنی بتائی ہوئی قیمت پر گواہ نہیں ہے اس لیے غاصب نے اپنے قول کے موافق قسم کھا کر تاوان دیا تھا بعد میں پتہ چلا کہ مغصوب چیز کی یمت اس سے زیادہ ہے تو اب مالک کو دو اختیار ہیں (۱) چوں کہ مغصوب چیز مل گئی ہے اس لیے اسے واپس لے کر قیمت غاصب کو واپس لوٹا دے (۲) جو قیمت پہلے لے چکا ہے اسے بحال رکھے اور مغصوب کو غاصب کے پاس رہنے دے۔

(۲۰/۱۵۲۶) وَوَلَدُ الْمَغْصُوْبَةِ وَنَمَائُهَا وَثَمَرَةُ الْبُسْتَانِ الْمَغْصُوْبِ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْغَاصِبِ اِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَّتَعَدّٰى فِيْهَا اَوْ يَطْلُبَهَا مَالِكُهَا فَيَمْنَعَهَا اِيَّاهُ.

حل لغات: نماء: بڑھوتری ثمرة: پھل جمع اثمار، البستان: باغ جمع بساتین.

ترجمہ: اور مغصوبہ چیز کا بچہ اور اس کی بڑھوتری اور مغصوب باغ کا پھل امانت ہے غاصب کے پاس اگر ہلاک ہوجائے اس کے پاس تو اس پر ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اس میں تعدی کرے یا مالک اس کو طلب کرے پھر بھی اس کو نہ دے۔

شیٔ مغصوب کی بڑھوتری کس کی ہے؟

تشریح: مغصوبہ باندی کا بچہ اور جو کچھ بڑھوتری اس سے ہوئی ہو ایسے ہی مغصوب باغ کا پھل یہ سب غاصب کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہیں اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں ہے ہاں اگر غاصب اس میں تعدی کرتا ہے مثلاً اس کو تلف کرتا ہے یا بکری کا بچہ ہے اس کو ذبح کر کے کھا جاتا ہے یا بیچ دیتا ہے یا مالک بڑھوتری کو غاصب سے مانگے اور غاصب دینے سے انکار کردے تو ان تمام صورتوں میں وہ بڑھوتری امانت کے طور پر نہیں رہی بلکہ غصب کے طور پر ہوگئی اس لیے اب غاصب کو تاوان دینا ہوگا۔

(۲۱/۱۵۲۷) وَمَا نَقَصَتِ الْجَارِيَةُ بِالْوِلَادَةِ فَهُوَ فِيْ ضَمَانِ الْغَاصِبِ فَاِنْ كَانَ فِيْ قِيْمَةِ الْوَلَدِ وَفَاءٌ بِهٖ جُبِرَ النُّقْصَانُ بِالْوَلَدِ وَسَقَطَ ضَمَانُهُ عَنِ الْغَاصِبِ.

حل لغات: وفاءٌ: پورا ہونا، جُبِرَ: نقصان کی مکافات کرنا۔

ترجمہ: اور جو کچھ کمی آجائے باندی میں پیدائش کی وجہ سے تو وہ غاصب کے ضمان میں ہے اب اگر بچہ کی قیمت سے نقصان پورا ہوسکے تو پورا کردیا جائے گا نقصان بچہ سے اور ساقط ہوجائے گا اس کا ضمان غاصب سے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کی باندی غصب کی اس کے بچہ پیدا ہوا تو فائدہ بھی ہوا نقصان بھی ہوا فائدہ یہ کہ مالک کا ایک غلام بڑھ گیا اور ولادت کی وجہ سے باندی میں نقصان بھی ہوگیا اس نقصان کا تاوان غاصب پر ہوگا مگر یہ نقصان اس کے بچہ سے پورا کردیا جائے گا اگر اس کی قیمت نقصان کے برابر ہو اور اگر کم ہو تو قیمت کے برابر ضمان ساقط ہوجائے گا، مثلاً مغصوبہ باندی کی قیمت ایک ہزار روپے تھی اور ولادت کے بعد چھ سو روپے رہ گئی تو اگر اس بچہ کی قیمت چار سو روپے ہو تو نقصان پورا ہوجائے گا اور جب پورا ہوجائے تو غاصب سے نقصان کا ضمان ساقط ہوجائے گا اور باندی مع بچہ کے مالک کو دے دی جائے گی، اور اگر بچہ کی قیمت دو سو روپے ہو تو غاصب پر اور مزید دو سو روپے کا ضمان ہوگا۔

(۲۲/۱۵۲۸) وَلَا يَضْمَنُ الْغَاصِبُ مَنَافِعَ مَا غَصَبَهٗ اِلَّا اَنْ يَّنْقُصَ بِاسْتِعْمَالِهٖ فَيَغْرَمُ النُّقْصَانَ.

ترجمہ: اور نہیں ضامن ہوگا غاصب ان منافع کا جن کو غصب کیا مگر یہ کہ ناقص ہو جائے اس کے استعمال سے تو وہ نقصان کا تاوان دے گا۔

تشریح: غاصب نے جو چیز غصب کی ہے واپسی تک مالک کے واسطے اس کے منافع کا ضامن نہیں ہے مثلاً گھر غصب کیا اور ایک سال تک اپنے پاس روکے رکھا نہ خود اس میں رہا نہ کسی اور کو رہنے دیا تو ایک سال کی رہائش کے منافع کی جو اجرت ہوگی غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا یا کسی کا غلام غصب کیا اور اس کو ایک ماہ تک روکے رکھا پھر مالک کے حوالہ کر دیا اب ایک ماہ تک روکنے سے جو نفع مالک کو ملتا اس کا تاوان غاصب پر نہیں آئے گا، ہاں اگر غاصب کے گھر میں رہنے کی وجہ سے کوئی نقصان پیدا ہو جائے تو غاصب کو نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔

(۲۳/۱۵۲۹) وَاِذَا اسْتَهْلَكَ الْمُسْلِمُ خَمْرَ الذِّمِّيِّ اَوْ خِنْزِيْرَهُ ضَمِنَ قِيْمَتَهُمَا وَاِنِ اسْتَهْلَكَهُمَا الْمُسْلِمُ لِمُسْلِمٍ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اور جب ہلاک کر دے مسلمان ذمی کی شراب کو یا اس کے خنزیر کو تو ضامن ہوگا ان کی قیمت کا اور اگر مسلمان کسی مسلمان کی یہ چیزیں ہلاک کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر کسی مسلمان نے ذمی کی شراب کو یا خنزیر کو ہلاک کر دیا تو مسلمان ان کی قیمت کا ضامن ہوگا کیوں کہ ذمی کے حق میں شراب اور خنزیر قیمتی چیز ہیں اس لیے ان کا ضمان دینا ہوگا، البتہ شراب ذوات الامثال میں سے ہے لیکن مسلمان کے لئے اس کی خرید و فروخت ممنوع ہے اس لیے اس کی بھی قیمت ادا کرے گا اور اگر مسلمان نے مسلمان کی شراب یا خنزیر کو ہلاک کر دیا تو ان کا ضمان نہیں ہے کیوں کہ مسلمان کے حق میں دونوں چیزیں قیمتی نہیں ہیں اس لیے ان کو ہلاک کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

كِتَابُ الْوَدِيْعَةِ

(یہ کتاب ودیعت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الغصب کے بعد کتاب الودیعۃ لانے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے درمیان ایک قسم کا تقابل ہے وہ یہ کہ غصب کے اندر غاصب دوسرے کے مال کو زبردستی لیتا ہے اور ودیعت کے اندر مودِع (امانت گذار) اپنے مال کو دوسرے کے پاس بطور حفاظت چھوڑتا ہے (رقم حاشیہ القدوری ۵)

ودیعت کے معنی لغت میں چھوڑنے کے ہیں وَدَعَ سے مشتق ہے ودیعت اس چیز کو کہتے ہیں جو مالک کے علاوہ کسی اور کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی جائے۔

اصطلاحی تعریف: حنفیہ کہتے ہیں کہ ودیعت کے معنی ایداع (سپردگی) کے ہیں اس سے مراد یہ ہے

کہ ایک شخص کسی دوسرے کو اس امر کا اختیار دے دے کہ وہ اس چیز کی حفاظت کرے، **الفقه على المذاهب الاربعة** میں لکھا ہے کہ ودیعت اسمائے اضداد میں سے ہے یعنی ایسا اسم جو متضاد مفہوم رکھتا ہو اس کے معنی ہیں اپنا مال کسی کے پاس محفوظ رکھنا اور کسی کا مال اپنے پاس محفوظ رکھنا اس کا مصدر باب افعال سے، الایداع ہے اور سپرد کردہ شی (مال امانت) کے لئے بولا جاتا ہے۔

ودیعت اور امانت میں فرق: ودیعت بالارادہ حفاظت کے لئے دی جاتی ہے اور امانت وہ چیز ہے جو کسی کے پاس بلا ارادہ کے آجائے مثلاً ہوا کسی کا کپڑا اڑا کر کسی دوسرے کے کمرہ میں ڈالدے اور کمرہ والا اس کو اٹھا لے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۳۵)

ودیعت کا رکن ایجاب وقبول ہے خواہ صراحتاً ہو یا کنایۃً صراحت کی مثال مثلاً ایک آدمی نے اپنا سامان کسی کے پاس رکھ دیا دوسرے نے کہا میں قبول کرتا ہوں اب اگر وہ سامان ضائع ہوگیا تو وہ شخص ضامن ہوگا کنایہ کی مثال ایک شخص نے کسی کے پاس اپنا کوئی سامان رکھ دیا اور کچھ نہیں کہا اور وہ دونوں وہاں سے چلے گئے اور یہ کپڑا ضائع ہوگیا تو یہ شخص ضامن ہوگا کیوں کہ عرف میں یہ ودیعت ہے، ودیعت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مال اس قابل ہو کہ اس پر قبضہ ثابت ہو سکے چناں چہ اگر بھاگے ہوئے غلام کو ودیعت رکھا یا جو چیز دریا میں گر گئی ہے اسکو ودیعت رکھا تو یہ ودیعت درست نہیں ہے۔ (حاشیہ ۵)

اصطلاحی الفاظ: مودِع امانت رکھنے والا، مُوْدَع (دال کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ) جس کے پاس امانت رکھی جائے، **ودیعت** جو چیز امانت رکھی جائے، **تعدی** مودَع نے مال امانت میں ودیعت کے خلاف جو فعل انجام دیا۔

امانت کا ثبوت: اس آیت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا یعنی اللہ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانت امانت والوں کو ادا کرو۔

(۱/۱۵۳۰) اَلْوَدِيْعَةُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْمُوْدَعِ اِذَا هَلَكَتْ فِيْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهَا.

ترجمہ: ودیعت امانت ہے مودَع کے پاس اگر ہلاک ہو جائے اس کے ہاتھ میں تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

ودیعت کا حکم

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب ودیعت کے حکم کو بیان فرماتے ہیں کہ جب مودَع کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھ دی گئی تو اس کے پاس یہ امانت کے حکم میں ہوگی اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر اس کا تاوان نہیں ہے، مودَع کا ودیعت کو اپنے پاس رکھنا یہ احسان کے طور پر ہے جس میں اصل غرض صاحب

مال ہی کی ہے اگر شرعاً ضمان لازم کردیا جائے تو کوئی اپنے پاس امانت رکھنے پر رضامند نہ ہوگا۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَوْدَعَ وَدِيْعَةً فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ (ابن ماجه شريف ص:۱۷۳ باب الوديعة، جس نے امانت رکھی اس پر ضمان نہیں ہے۔ (مکتبہ تھانوی دیوبند)

(۲/۱۵۳۱) وَلِلْمُوْدَعِ اَنْ يَّحْفَظَهَا بِنَفْسِهٖ وَبِمَنْ فِيْ عِيَالِهٖ.

حل لغات: عیال: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مودَع کے ساتھ رہتے ہوں خواہ نان ونفقہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔

ترجمہ: اور مودَع (جس کے پاس امانت رکھی جائے) کے لئے جائز ہے کہ اس کی خود حفاظت کرے اور ان لوگوں سے حفاظت کرائے جو اس کے عیال میں ہیں۔

تشریح: امانت کے مال کی خود حفاظت کرسکتا ہے یا اپنے افراد خانہ سے یا جس کی وہ کفالت کرتا ہے، ان سے کرائے بہرکیف دونوں صورتیں جائز ہیں کیوں کہ آدمی ہر وقت گھر میں نہیں بیٹھا رہتا اور نہ امانت کو ہر جگہ ساتھ لئے پھر سکتا ہے، تو یقیناً گھر والوں کے پاس ہی چھوڑے گا، امام شافعیؒ کے نزدیک اہل وعیال کے پاس چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

(۳/۱۵۳۲) فَاِنْ حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ اَوْ اَوْدَعَهَا ضَمِنَ اِلَّا اَنْ يَّقَعَ فِيْ دَارِهٖ حَرِيْقٌ فَيُسَلِّمَهَا اِلٰى جَارِهٖ اَوْ يَكُوْنَ فِيْ سَفِيْنَةٍ وَهُوَ يَخَافُ الْغَرَقَ فَيُلْقِيْهَا اِلٰى سَفِيْنَةٍ اُخْرٰى.

حل لغات: اودع: ماضی مصدر ایداعاً دوسرے کو کوئی چیز سونپنا، حریق: آگ کی بھڑک آگ کا شعلہ، آگ لگنا، جار: پڑوسی پناہ دینے والا، پناہ لینے والا، جمع جیران، سفینة: کشتی جمع سُفُنٌ.

ترجمہ: اگر حفاظت کرائی اہل وعیال کے علاوہ سے یا اس کو کسی کے پاس ودیعۃً رکھ دی تو ضامن ہوگا مگر یہ کہ اس کے گھر میں آگ لگ جائے اور وہ دے دے اسے اپنے پڑوسی کو، یا امانت کشتی میں ہو اور اسے ڈوبنے کا ڈر ہو اس لیے ڈالدے دوسری کشتی میں۔

تشریح: اگر مودَع نے امانت کی چیز کی حفاظت اہل وعیال کے علاوہ کسی اور سے کرائی یا کسی دوسرے کے پاس امانت کے طور پر رکھدی اور ہلاک ہوگئی تو اصل مودَع پر تاوان لازم آئے گا یہ امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک مودِع کو اختیار ہے چاہے تو تاوان مودَع اول سے لے اور چاہے مودَع ثانی سے لے اب اگر اول سے تاوان وصول کرچکا ہے تو ثانی سے نہیں لے سکتا اگر ثانی سے تاوان لے لیا ہے، تو اس کے بعد اول سے وصول کرسکتا ہے۔ (الجوہرة ۲/۳۶)۔

ہاں اگر ایسی کوئی مجبوری سامنے آجائے کہ اپنے پڑوسی کو دینا ضروری ہو جائے اور اس کو دینے میں حفاظت کا زیادہ امکان ہو تو پھر مودَع ضامن نہ ہوگا مثلاً اس کے گھر میں آگ لگ گئی اب اس نے امانت کی چیز حفاظت کی نیت سے

پڑوسی کے گھر میں پھینک دی اور وہ ضائع ہوگئی یا کسی کشتی میں سوار تھا اور کشتی ڈوب جانے کے ڈر سے امانت کی چیز دوسری کشتی میں ڈال دی اور وہ ہلاک ہوگئی تو مودَع ضامن نہیں ہوگا کیوں کہ اس کا مقصد امانت کی حفاظت ہے اور بغیر کسی مجبوری کے دوسروں سے حفاظت کرانے پر ضامن اس وجہ سے ہوگا کہ مالک مودَع کی حفاظت سے راضی ہے اس کے علاوہ کی حفاظت سے راضی نہیں ہے۔

(۴/۱۵۳۳) وَاِنْ خَلَطَهَا الْمُوْدَعُ بِمَالِهٖ حَتّٰی لَا تَتَمَیَّزَ ضَمِنَهَا.

حل لغات: خلط: ماضی مصدر خلطاً ملانا۔

ترجمه: اور اگر ملا دے ودیعت کو مودع اپنے مال کے ساتھ اس طرح کہ الگ نہ ہوسکتی ہو تو اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح: اگر مودَع نے مال ودیعت کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ اس کو الگ نہیں کرسکتے تو مودَع اس امانت کا ضامن ہوگا اور اس کو اس کی قیمت دینی ہوگی اب مودِع کا اس پر کوئی قبضہ نہیں رہا اور اس کا حق ملکیت ختم ہوگیا حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر اس کی ہم جنس میں یہ اختلاط ہوگیا تب شرکت کا حکم ہوگا مثلاً سفید درہموں کو سفید درہموں میں ملا دیا یا سیاہ درہموں کو سیاہ درہموں میں ملا دیا تو اس میں اگر شرکت چاہے تو شرکت کرسکتا ہے اور چاہے تو تاوان لے سکتا ہے۔

(۵/۱۵۳۴) فَاِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَحَبَسَهَا عَنْهُ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلٰی تَسْلِیْمِهَا ضَمِنَهَا.

ترجمه: پھر اگر مانگا ودیعت کو اس کے مالک نے اور مودَع نے روک لیا مودِع سے حالانکہ وہ قادر تھا اس کے دینے پر تو اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح: امانت رکھنے والے نے مودَع سے امانت کا مال مانگا تو مال مودَع کی حفاظت سے شرعاً خارج ہوگیا لہٰذا طلب کرنے پر نہ دینے کی صورت میں ضمان لازم آئے گا کیوں کہ جب دینے پر قدرت بھی حاصل ہے پھر بھی نہیں دیا اور امانت ہلاک ہوگئی تو اب یہ جبراً دوسرے کی ملکیت کا روکنا ہوا اس لیے تاوان لازم ہوگا۔

(۶/۱۵۳۵) وَاِنِ اخْتَلَطَتْ بِمَالِهٖ مِنْ غَیْرِ فِعْلِهٖ فَهُوَ شَرِیْكٌ لِصَاحِبِهَا.

لغت: اختلطت: ماضی باب افتعال سے ملنا۔

ترجمه: اور اگر مل گئی ودیعت اس کے مال کے ساتھ اس کے بغیر کچھ کئے تو وہ مودَع مالک کے ساتھ شریک ہوگا۔

تشریح: اگر مال ودیعت مودَع کے مال میں بغیر اس کے عمل کے مل گیا مثلاً مال ودیعت ایک برتن میں تھا اور

دوسرے برتن میں مودَع کا ذاتی مال تھا اتفاق سے دونوں برتن ٹوٹ گئے اور ایک برتن کا مال دوسرے برتن پر گر گیا جس کی وجہ سے کوئی امتیاز نہ رہا تو ایسی صورت میں مودِع اور مودَع دونوں شریک ہو جائیں گے یعنی اب شرکت کے احکام جاری ہوں گے کیوں کہ مودَع نے نہیں ملایا ہے خود بخود ملا ہے اس کی جانب سے تعدی نہیں پائی گئی اس لیے ضامن نہیں ہوگا۔

(۱۵۳۶/۷) وَاِنْ اَنْفَقَ الْمُوْدَعُ بَعْضَهَا وَهَلَكَ الْبَاقِيْ ضَمِنَ ذَالِكَ الْقَدْرَ.

لغت: انفق: ماضی باب افعال مصدر انفاق خرچ کرنا۔

ترجمه: اور اگر خرچ کرے مودَع کچھ ودیعت اور باقی ضائع ہوگئی تو ضامن ہوگا مودَع اس مقدار کا۔

تشریح: اگر مودَع نے مال ودیعت میں سے کچھ خرچ کر دیا اور بقیہ مال ہلاک ہو گیا تو جتنا اس نے خرچ کیا ہے اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا، مثلاً پانچسو روپے امانت رکھے تھے ان میں سے دوسو روپے خرچ کر دیئے اور باقی تین سو روپے ہلاک ہوگئے تو وہ امانت کے ہلاک ہوں گے اور دوسو روپے جو خرچ کئے ان پر تعدی کی اس لیے دوسو روپے مودَع پر لازم ہوں گے۔

(۱۵۳۷/۸) فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُوْدَعُ بَعْضَهَا ثُمَّ رَدَّ مِثْلَهٗ فَخَلَطَهٗ بِالْبَاقِيْ ضَمِنَ الْجَمِيْعَ.

ترجمه: اگر خرچ کر لی مودَع نے کچھ ودیعت پھر واپس کیا اس کے مثل پھر اس کو باقی کے ساتھ ملا دیا تو ضامن ہوگا پوری کا۔

تشریح: اگر مودع نے مال ودیعت میں سے کچھ خرچ کر دیا مگر پھر اسی مقدار میں اپنے پاس سے واپس کر کے اس کو بقیہ میں ملا دیا تو مودَع کو پوری امانت کا تاوان دینا ہوگا مثلاً پانچسو امانت کے طور پر رکھے تھے دوسو خرچ کر دیئے پھر اپنی جانب سے دوسو لا کر باقی تین سو میں ملا دیئے اور پھر پورے پانچ سو ہلاک ہو گئے تو اب مودَع پورے پانچ سو کا ذمہ دار ہوگا کیوں کہ مسئلہ (۲۸) میں گذر چکا ہے کہ اگر مودع اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال ملا لے تو امانت کا ضامن ہوگا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس قدر خرچ کیا ہے اس میں ضمان ہوگا امام مالکؒ کا ایک قول عدم ضمان کا ہے (عینی شرح کنز ۲/۱۸۰)

(۱۵۳۸/۹) وَاِذَا تَعَدَّى الْمُوْدَعُ فِي الْوَدِيْعَةِ بِاَنْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا اَوْ ثَوْبًا فَلَبِسَهٗ اَوْ عَبْدًا فَاسْتَخْدَمَهٗ اَوْ اَوْدَعَهَا عِنْدَ غَيْرِهٖ ثُمَّ اَزَالَ التَّعَدِّيْ وَرَدَّهَا اِلٰى يَدِهٖ زَالَ الضَّمَانُ.

حل لغات: تعدی: باب تفعل سے ماضی ہے زیادتی کرنا حد سے آگے بڑھنا، دابة سواری کا جانور بوجھ لادنے کا جانور مذکر و مونث دونوں کے لئے مستعمل ہے اور اس میں تا وحدت کی ہے جمع دواب، رکب: ماضی باب

سمع سوار ہو گیا۔

ترجمہ: اگر زیادتی کی مودَع نے ودیعت میں اس طرح کہ وہ جانور تھا اس پر سوار ہو گیا یا کپڑا تھا اس کو پہن لیا یا غلام تھا اس سے خدمت لے لی یا اس کو کسی اور کے پاس امانت رکھ دیا پھر تعدی ختم کر دی اور اس ودیعت کو لے کر اپنے پاس رکھ لی (پھر وہ ہلاک ہوگئی) تو ضمان ساقط ہو گیا۔

مودَع نے اولاً تعدی کی پھر تعدی کو ختم کر دیا تو کیا ضامن ہوگا؟

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مودَع نے مال ودیعت میں زیادتی سے کام لیا مثلاً جانور امانت کا تھا اس پر سوار نہیں ہونا چاہئے تھا مگر پھر بھی سوار ہو گیا تو سوار ہونے کی وجہ سے ضمان لازم ہو گیا تھا لیکن اب سوار ہونا چھوڑ دیا یا کپڑا امانت کا تھا مودَع نے اس کو پہن لیا پہننے کی وجہ سے تاوان لازم ہو گیا تھا لیکن اب پہننا چھوڑ دیا یا غلام تھا اس سے خدمت لینے لگا پھر چھوڑ دیا یا مودَع نے اپنے پاس امانت رکھنے کے بجائے دوسرے کے پاس رکھ دی پھر واپس کر لیا تو جب مودَع نے اولاً تعدی کی پھر اس تعدی کو ختم کر دیا تو اب جانور، کپڑا، غلام، وغیرہ امانت کے درجہ میں ہو گئے اور اب ہلاک ہونے سے تاوان لازم نہ ہوگا کیوں کہ تعدی کے بعد تعدی ختم کر دی اور امانت کی چیز صحیح سالم رہی اس لیے تاوان بھی لازم نہ ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعدی ختم کرنے کے باوجود ضمان ساقط نہ ہوگا کیوں کہ تعدی کرنے کی وجہ سے یہ غاصب (جبراً ملک غیر کو لینے والا) ہو گیا اور ایسا ہو گیا گویا کہ اپنے پاس امانت کے ہونے کا ہی انکار کر دیا حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ تاوان اس وجہ سے واجب ہوا تھا تا کہ مودِع سے نقصان کو دور کر دیا جائے اور جب اس نے خود ہی تعدی ختم کر دی تو جس نقصان کا خوف تھا وہ بھی دور ہو گیا اس لیے تاوان ساقط ہو جائے گا۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۸۰)

(۱۵۳۹/۱۰) فَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَجَحَدَهُ إِيَّاهَا ضَمِنَهَا فَإِنْ عَادَ إِلَى الْاِعْتِرَافِ لَمْ يَبْرَأْ مِنَ الضَّمَانِ.

حل لغات: جحد: ماضی (ف) جَحْداً وجحوداً انکار کرنا، عاد الی الاعتراف: اقرار کرنا، لم یبرأ: بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ: اگر طلب کی مالک ودیعت نے ودیعت امین نے اس کا انکار کر دیا تو ضامن ہوگا پھر اگر اقرار کی طرف لوٹ بھی آیا تو بری نہیں ہوگا تاوان سے۔

تشریح: مالک نے اپنی امانت مانگی مودَع نے انکار کر دیا کہ میرے پاس تمہاری کوئی امانت نہیں ہے، پھر وہ چیز ہلاک ہو گئی تو امین ضامن ہوگا آگے فرماتے ہیں کہ اولاً انکار کیا پھر بعد میں اقرار کر لیا کہ ہاں میرے پاس تمہاری

امانت موجود ہے اس کے بعد وہ چیز ہلاک ہوگئی تو اب بھی تاوان کی ادائیگی لازم ہوگی اور مودَع اس سے بری نہیں ہوگا۔

دلیل: جب مالک کے مطالبہ پر انکار کر دیا تو امین کی امانت ہی ختم ہوگئی اب روکنے کی وجہ سے غاصب ہے اس لیے ضامن ہوگا اب جب تک مالک دوبارہ اس کو امین نہیں بنائے گا وہ امین نہیں ہوگا اور دوبارہ بنایا نہیں ہے اس لیے اقرار کے باوجود ضامن ہی رہے گا۔

(۱۱/۱۵۴۰) وَلِلْمُودَعِ اَنْ يُّسَافِرَ بِالْوَدِيْعَةِ وَاِنْ كَانَ لَهَا حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ.

حل لغات: حَمْلٌ: بوجھ، مؤنة: اٹھانے کی اجرت۔

ترجمہ: اور مودَع کے لئے جائز ہے ودیعت کو سفر میں لے جانا اگر چہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو۔

کیا ودیعت سفر میں لے جاسکتا ہے؟

تشریح: اور مودَع ودیعت کو سفر میں اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو لے جاسکتا ہے اگر چہ اس میں بوجھ ہو یعنی خواہ مخواہ اس کے اٹھانے میں جانور اور قلی کی ضرورت محسوس ہو پھر صاحب الجوہرۃ النیرۃ نے یہ بھی کہا ہے کہ مالک نے سفر میں لے جانے سے منع نہ کیا ہو اور راستہ میں ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اگر مالک نے سفر میں لے جانے سے منع کر دیا یا سفر میں مال کے ہلاک ہونے کا ڈر ہے تو اب سفر میں نہیں لے جاسکتا اگر لے گیا اور امانت ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا یہ تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے۔

دلیل: مودِع کی جانب سے مطلقاً حفاظت کا امر ہے اور مطلق حفاظت حضر اور سفر دونوں کو شامل ہے۔

صاحبین کا مذہب: اگر امانت کے اٹھانے کا بوجھ اور تکلیف ہو تو سفر میں نہیں لے جاسکتا کیوں کہ اٹھانے کی اجرت خواہ مخواہ مالک پر پڑیگی اس لیے بغیر مالک کی اجازت کے سفر میں نہیں لے جاسکتا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۳۸)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عرف کا اعتبار کیا جائے گا اور عرف یہ ہے کہ حضر میں حفاظت کرے سفر میں نہ لے جائے کیوں کہ راستوں میں خطرات کا زیادہ امکان ہے اس لیے امانت کے اٹھانے میں بوجھ اور تکلیف ہو یا نہ ہو بہر صورت سفر میں نہیں لے جاسکتا، یہی امام مالکؒ کا قول ہے (عینی شرح کنز ۲/۱۸۰)

(۱۲/۱۵۴۱) وَاِذَا اَوْدَعَ رَجُلَانِ عِنْدَ رَجُلٍ وَدِيْعَةً ثُمَّ حَضَرَ اَحَدُهُمَا طَلَبَ نَصِيْبَهٗ مِنْهَا لَمْ يَدْفَعْ اِلَيْهِ شَيْئاً عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى حَتّٰى يَحْضُرَ الْاٰخَرُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَدْفَعُ اِلَيْهِ نَصِيْبَهٗ.

ترجمہ: اور اگر امانت رکھی دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کچھ امانت پھر آیا ان میں سے ایک اور مانگنے لگا

اس سے اپنا حصہ تو مودَع اس کو کچھ نہ دے امام صاحب کے نزدیک یہاں تک کہ آجائے دوسرا اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ اس کو اس کا حصہ دے دے۔

مشترک چیز کے امانت رکھنے کا بیان

تشریح: دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کوئی چیز بطور امانت کے رکھی پھر ان میں سے ایک شخص تنہا آکر اپنا حصہ مانگنے لگا کہ میرا حصہ مجھے دے دو تو اگر وہ چیز کیلی یا وزنی ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ جب دونوں مل کر آئیں گے تب دونوں کو پوری چیز دے دی جائے گی۔

دلیل: دونوں نے مشترک طور پر چیز امانت رکھی ہے اب ایک آدمی اپنا حصہ تقسیم کروا کر لینا چاہتا ہے اور تقسیم کرنے کا مودَع کو حق نہیں ہے اس لیے اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا۔

صاحبین کا مذہب: صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ شریک کو اس کا حصہ دے دیا جائے گا کیوں کہ وہ اپنا دیا ہوا مال مانگ رہا ہے اس لیے مانگنے پر اس کی امانت اس کے حوالہ کر دی جائے گی (عینی ۱۸۱/۲، اللباب ۱۱۳/۲)

اور اگر امانت ذوات القیم میں سے ہے جیسے کپڑا، جانور، غلام، تو ایک شریک کے مانگنے پر اس کا حصہ بالاتفاق دینا جائز نہیں ہے۔ (اللباب ۱۱۳/۲، عینی ۱۸۱/۲)

(۱۳/۱۵۴۲) وَاِنْ اَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَیْنِ شَیْئاً مِّمَّا یُقْسَمُ لَمْ یَجُزْ اَنْ یَّدْفَعَهُ اَحَدُهُمَا اِلَی الآخَرِ وَلٰکِنَّهُمَا یَقْتَسِمَانِهِ فَیَحْفَظُ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا نِصْفَهُ.

ترجمہ: اگر امانت رکھی ایک آدمی نے دو آمیوں کے پاس کوئی ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو تو جائز نہیں یہ کہ ساری چیز دے دے ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو بلکہ دونوں تقسیم کر لیں پھر دونوں میں سے ہر ایک اپنے آدھے حصہ کی حفاظت کرے۔

منقسم چیزوں کے امانت رکھنے کا بیان

تشریح: ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس ایک ایسی چیز امانت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہو جیسے پانچ سو درہم یا ایک ہزار دینار تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ پوری امانت ایک کے حوالہ کر دے بلکہ تقسیم کر کے آدھے آدھے روپیوں کی دونوں حفاظت کریں، کیوں کہ مالک نے دونوں کی حفاظت پر بھروسہ کیا ہے اور مال کی بھی کوئی ایسی مجبوری نہیں ہے کہ ایک ہی جگہ رکھیں اس لیے حکم یہ ہے کہ آدھے آدھے مال کی تقسیم کر کے الگ الگ حفاظت کریں۔

(۱۴/۱۵۴۳) وَاِنْ كَانَ مِمَّالَا يُقْسَمُ جَازَ اَنْ يَّحْفَظَ اَحَدُهُمَا بِاِذْنِ الْآخَرِ.

ترجمہ: اور اگر امانت ایسی ہو جو تقسیم نہیں ہو سکتی تو جائز ہے کہ ان میں سے ایک حفاظت کرے دوسرے کی اجازت سے۔

تشریح: اگر امانت نا قابل تقسیم چیز ہے تو حفاظت کے لئے ایک دوسرے کی اجازت درکار ہے مثلاً ایک بکری کسی نے دو آدمیوں کے پاس امانت رکھی تو چوں کہ بکری تقسیم نہیں ہو سکتی اس مجبوری کی وجہ سے ایک امین کی اجازت سے دوسرے امین کی حفاظت میں رکھ سکتا ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ امانت کی چیز خواہ تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ ایک کی اجازت سے دوسرے کے پاس پوری امانت رکھ سکتا ہے، کیوں کہ جب مودِع نے دونوں پر بھروسہ کیا ہے تو ایک آدمی پر بھی مکمل بھروسہ ہے۔

(۱۵/۱۵۴۴) وَاِذَا قَالَ صَاحِبُ الْوَدِيْعَةِ لِلْمُوْدَعِ لَاتُسَلِّمْهَا اِلٰى زَوْجَتِكَ فَسَلَّمَهَا اِلَيْهَا لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اور اگر صاحب ودیعت (امانت پر رکھنے والے) نے مودَع (امین) سے کہا کہ یہ امانت اپنی بیوی کے حوالہ مت کرنا اس نے حوالہ کردی تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: مالک ودیعت نے مودَع سے یہ کہا کہ اس ودیعت کو اپنی بیوی کے حوالہ مت کرنا مگر اس نے اپنی بیوی کے حوالہ کردیا اب اگر وہ چیز بیوی کے پاس سے ضائع ہو جاتی ہے تو اس پر تاوان لازم نہیں آئے گا کیوں کہ بیوی ان لوگوں میں سے جن سے مودَع سامان کی حفاظت کرا سکتا ہے۔

(۱۶/۱۵۴۵) وَاِنْ قَالَ لَهٗ اِحْفَظْهَا فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ فَحَفِظَهَا فِيْ بَيْتٍ آخَرَ مِنَ الدَّارِ لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ حَفِظَهَا فِيْ دَارٍ اُخْرٰى ضَمِنَ.

ترجمہ: اور اگر کہا صاحب ودیعت نے مودَع سے کہ اس کی حفاظت کرنا اس کمرہ میں مگر اس نے حفاظت کی گھر کے دوسرے کمرہ میں تو ضامن نہیں ہوگا اور اگر اس کی حفاظت کی دوسرے گھر میں تو ضامن ہوگا۔

تشریح: مالک نے کہا کہ اس گھر کے فلاں کمرہ میں امانت کی حفاظت کرنا مودَع نے اسی گھر کے دوسرے کمرہ میں اس کی حفاظت کی اور امانت ضائع ہوگئی تو ضامن نہیں ہوگا کیوں کہ ایک گھر کے سارے کمرے حفاظت کے اعتبار سے ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں اس لیے دوسرے کمرے میں رکھنا حفاظت کے خلاف نہیں ہے اس لیے ضامن نہیں ہوگا لیکن اگر دوسرا کمرہ حفاظت کے اعتبار سے پہلے سے کم ہو تو پھر اس میں رکھنے سے ضامن ہوگا، اور اگر دوسرے گھر میں رکھ دی تو ضامن ہوگا کیوں کہ گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں اور اگر دونوں گھر حفاظت میں برابر ہوں یا دوسرا پہلے کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ ہو تو ضامن نہ ہوگا۔

كِتَابُ الْعَارِيَةِ

(یہ کتاب عاریت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: ودیعت اور عاریت کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں امانت ہونے میں شریک ہیں عاریت کے بیان کو اس لیے مؤخر کیا کہ ودیعت امانت بلا تملیک ہے اور عاریت میں تملیک المنافع ہے تو ودیعت عاریت کے مقابلہ میں اعلیٰ ہے وَالْاَعْلیٰ مُقَدَّمٌ عَلَی الْاَدْنیٰ (رقم الحاشیہ ۳)

عاریت کی لغوی تحقیق: عاریت تعاور سے مشتق ہے تداول کے معنی میں ہے کسی چیز کو باری باری لینا، عاریۃ یاء کی شدید اور یاء کی تخفیف دونوں طرح ہے مگر تشدید اصل ہے۔

اصطلاحی تعریف: کسی کو منافع کا بلاعوض مالک بنانا یعنی کسی چیز کو مفت استعمال کرنے کے لئے دے اور بعد میں اس کو واپس لے لے (عینی شرح کنز ۲/۱۸۲)۔

اصطلاحی الفاظ: (۱) معیر جو شخص مالک بنائے (۲) مستعیر جس کو مالک بنایا گیا (۳) عاریت جس چیز کی منفعت کا مالک بنایا جائے اس کو مستعار بھی کہتے ہیں۔

رکن: معیر کی طرف سے ایجاب عاریت کا رکن ہے اور مستعیر کی جانب سے قبول کرنا شرط نہیں ہے ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کذافی الفتاوی الہندیہ۔

عاریت کا حکم: عاریت امانت کے درجہ میں ہے اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہوجائے تو کوئی تاوان نہیں اور تعدی کے ذریعہ ہلاک ہونے پر تاوان لازم آئے گا۔

عاریت کا ثبوت: آقاء مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے موقع پر حضرت صفوان بن امیہؓ سے کچھ زرہیں (لوہے کے جالی کے کُرتے جو لڑائی میں پہنتے ہیں) عاریۃً لی تھیں۔ (ابوداؤد ۲/۵۰۱)

(۱/۱۵۴۶) اَلْعَارِيَةُ جَائِزَةٌ وَهِيَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ.

ترجمہ: عاریت جائز ہے اور وہ مالک بنانا ہے منافع کا بغیر عوض کے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے عاریت کی تعریف بیان کی ہے، تعریف میں بلاعوض کی قید سے اجارہ نکل گیا کیوں کہ اس میں بھی منافع کی تملیک ہوتی ہے مگر بلاعوض نہیں بلکہ بالعوض ہوتی ہے، بغیر کسی عوض کے کسی کو کوئی چیز دے دیں کہ اس سے فائدہ اٹھا کر مجھے واپس کردینا اس کو عاریت کہتے ہیں۔

(۲/۱۵۴۷) وَتَصِحُّ بِقَوْلِهِ اَعَرْتُكَ وَاَطْعَمْتُكَ هٰذِهِ الْاَرْضَ وَمَنَحْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَحَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذِهِ الدَّابَّةِ اِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ الْهِبَةَ وَاَخْدَمْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ وَدَارِىْ لَكَ سُكْنٰى وَدَارِىْ لَكَ عُمْرىٰ سُكْنٰى.

ترجمہ: اور صحیح ہوتی ہے یہ کہنے سے میں نے تجھے مانگی دی اور میں نے تم کو یہ زمین کھانے کیلئے دی اور بخش دیا میں تم کو یہ کپڑا اور سوار کیا میں نے تم کو اس جانور پر جب کہ نہ ارادہ کرے ان دو (منحتك، حمتلك) سے ہبہ کا اور خدمت کے لئے دے دیا تم کو یہ غلام میرا گھر تیرے رہنے کے لئے ہے میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کے لئے ہے۔

کن الفاظ سے عاریت ہو جاتی ہے

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ نے سات الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے کہنے سے عاریت ہو جائے گی ہر ایک جملے کی وضاحت اس طرح ہے:

اعرتك: یہ عاریت میں صریح ہے۔

اطعمتك هذه الارض: اس جملہ میں اطعام کی نسبت ایسی چیز کی طرف ہے جس کا کھانا ممکن نہیں ہے اس لیے مجازی معنی پر محمول کرتے ہوئے ایسی چیز مراد لی جائے گی جس پر وہ صادق آجائے لہٰذا عاریۃً زمین کی منفعت مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ زمین کے غلہ سے تم کو استفادہ کرنے کا حق ہے، مَنَحْتُكَ: اس کے دو مطلب ہیں (۱) اس کپڑے کو مکمل دے دیا (۲) اس کپڑے کو وقتی طور پر پہننے کے لئے دے دیا۔

حمتلك: اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پوری سواری ہبہ کر دی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وقتی طور پر سواری سوار ہونے کے لئے دے رہا ہوں ان دونوں جملوں کا مطلب یہ ہے کہ اگر وقتی طور پر کپڑا دینے کی نیت ہے یا وقتی طور پر سواری دینے کی نیت ہے تو عاریت ہوگی ورنہ ہبہ ہوگا، کیوں کہ یہ دونوں الفاظ مالک بنانے کے لئے مستعمل ہیں اگر ہبہ مراد نہ ہو تو پھر مجازاً عاریت مراد ہوگی۔

اذالم یرد به الهبة: بہ ضمیر کا مرجع منحتك و حملتك ہے اس لیے تثنیہ کی ضمیر یعنی 'بهما' لانا مناسب تھا مگر یہاں بہ سے دونوں مراد ہیں جیسے قرآن میں ہے عَوَانٌ بَيْنَ ذَالِكَ، ذالكما نہیں کہا گیا، یعنی وہ بیل نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ بلکہ پٹھا ہو دونوں عمروں کے بیچ میں۔

اخدمتك: یہ منفعت کا مالک بنانے کے لئے صریح ہے کیوں کہ صاف ہے کہ غلام وقتی طور پر خدمت کے لئے دے رہا ہوں، دَارِیْ لَكَ سُكْنٰی اپنے گھر کی سکونت دوسرے کے لئے ہے اس میں بھی عاریت ہے۔

داری لك سکنی عمری: اگر سکنیٰ نہ بڑھاتا تو ہبہ مراد ہوتا لیکن سکنی کے لفظ نے واضح کر دیا کہ گھر صرف عمر بھر رہنے کے لئے عاریت ہے۔ (ماخوذ من اللباب ۲/ ۱۱۵، والجوہرہ ۲/ ۴۰)

(۳/۱۵۴۸) وَلِلْمُعِيْرِ اَنْ يَّرْجِعَ فِى الْعَارِيَةِ مَتٰى شَاءَ.

ترجمہ: اور عاریت پر دینے والے کے لئے جائز ہے کہ عاریت سے رجوع کر لے جب چاہے۔

تشریح: معیر کو اس بات کا حق ہے کہ جب چاہے عاریت پر دی گئی چیز واپس لے لے کیوں کہ چیز مالک کی ہے، اس نے تو صرف احسان کے طور پر دوسرے کو نفع اٹھانے کے لئے دی ہے اس لیے جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔

(۱۵۴۹/۴) وَالْعَارِيَةُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْمُسْتَعِيْرِ اِنْ هَلَكَ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ لَمْ يَضْمَنِ الْمُسْتَعِيْرُ.

ترجمہ: اور عاریت امانت ہے لینے والے کے ہاتھ میں اگر ہلاک ہو جائے بغیر زیادتی کے تو ضامن نہیں ہوگا مستعیر۔

حنفیہ کے نزدیک عاریت امانت ہے
شافعیہ کے نزدیک عاریت مضمون ہوتی ہے

تشریح: جس شخص کو چیز عاریت پر دی اس کے قبضہ میں عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے اور امانت اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو تاوان لازم نہیں ہوتا ہے شئ مستعار کی ہلاکت کے بعد مستعیر پر وجوب ضمان کے متعلق اختلاف ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ عاریت، پر مستعیر کا قبضہ، قبضۂ امانت ہے لہٰذا اگر مستعیر کی زیادتی کی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائے تو اس کے ذمہ اس کا ضمان آئیگا لیکن اگر بغیر زیادتی کے آفت سماوی کی وجہ سے وہ "عاریت" ہلاک ہو گئی یا کوئی چوری کر کے لے گیا حالانکہ اس نے اس کی حفاظت کا اہتمام کیا تھا تو اس صورت میں مستعیر پر ضمان واجب نہیں ہوگا۔

دلیل: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَيْسَتِ الْعَارِيَةُ مَضْمُوْنَةً اِنَّمَا هُوَ مَعْرُوْفٌ اِلَّا اَنْ يُخَالِفَ فَيَضْمَنُ.
(مصنف عبدالرزاق ۱۷۹/۸)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عاریت کا ضمان نہیں ہے یہ تو ایک احسان ہے مگر یہ کہ مخالفت کرے تو ضامن ہو جائے گا اس اثر سے معلوم ہوا کہ عاریت امانت ہے بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو مستعیر پر تاوان نہیں ہے۔

شوافع کا مذہب یہ ہے کہ عاریت مستعیر پر مضمون ہوتی ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے کوئی چیز عاریت پر لی اور وہ چیز مستعیر کی زیادتی کے بغیر بھی ہلاک ہو جائے تو بھی اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس چیز کا تاوان معیر کو ادا کرے یعنی شئ مستعار خود ہلاک ہو جائے یا اس کو ہلاک کر دے دونوں صورتوں میں عاریت کے اندر ضمان ہے امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اگر معیر نے ضمان کی شرط لگا دی تو تاوان لازم ہوگا ورنہ نہیں۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جس شئ مستعار کی ہلاکت پوشیدہ ہے جیسے کپڑے تو ضمان ہوگا اور جس شئ مستعار کی ہلاکت ظاہر ہے یعنی قرینِ قیاس ہو جیسے حیوان اس میں ضمان نہیں ہے۔ (عینی شرح کنز ۱۸۲/۲)

شوافع کی دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن زرہیں عاریت پر لیں تو حضرت صفوان نے پوچھا اے محمدؐ کیا غصب کے طور پر لے رہے ہو؟ فَقَالَ لَا بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُوْنَةٌ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت پر لے رہا ہوں ضمان کے طور پر اس حدیث میں ہلاک اور استہلاک کی کوئی قید نہیں بلکہ بہر صورت عاریت کے متعلق کہا گیا کہ ضمان دیا جائے گا۔

جواب: حضرت نے بذل میں 'بل عاریۃ مضمونۃ' کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد قاعدہ کلیہ اور حکم شرعی کے بیان کے طور پر نہیں ہے بلکہ صفوان اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور ادھر مسلمانوں کو ہتھیاروں کی ضرورت تھی اس لیے خاص اس موقع کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غصب کے طور پر نہیں بلکہ یہ عاریت ضمان والی ہوگی تا کہ صفوان عاریۃً دینے پر مطمئن ہو جائیں اور وہ وقتی ضرورت مسلمانوں کی پوری ہو جائے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تمام عواری کا حکم یہی ہے (بذل ۴/۳۰۲)

(۱۵۵۰/۵) وَلَيْسَ لِلْمُسْتَعِيْرِ اَنْ يُّوْجِرَ مَا اسْتَعَارَهٗ فَاِنْ اٰجَرَهٗ فَهَلَكَ ضَمِنَ .

لغت: یوجر: مضارع باب افعال مصدر ایجاراً اجرت پر دینا۔

ترجمہ: اور عاریت پر لینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ کرایہ پر دے اس چیز کو جس کو عاریت پر لیا اگر کرایہ پر دی پھر وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا۔

احکام عاریت کی تفصیل

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مستعیر کے لئے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ جو چیز عاریت پر لی ہے اس کو کرایہ پر دے اب اگر اس نے کرایہ پر دے دی اور وہ ہلاک ہوگئی تو عاریت پر لینے والا اس کا ضامن ہوگا۔

دلیل (۱) اجرت اعلیٰ درجہ کا معاملہ ہے کیوں کہ اس میں متعین مدت تک دینا لازم ہو جاتا ہے اور عاریت ادنیٰ درجہ کا معاملہ ہے کیوں کہ عاریت میں کوئی لزوم نہیں ہے اس لیے ادنیٰ درجہ کا معاملہ اعلیٰ درجہ کے معاملہ کو شامل نہ ہوگا۔

(۲) عاریت پر دینے والا فوراً مانگ سکتا ہے اگر اجرت پر دے دیا تو مستاجر کا حق اس چیز سے متعلق ہو گیا اور وہ متعین مدت سے پہلے واپس نہیں دے گا اس لیے بھی عاریت والا اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۱)

(۱۵۵۱/۶) وَلَهٗ اَنْ يُّعِيْرَهٗ اِذَا كَانَ الْمُسْتَعَارُ مِمَّا لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ.

ترجمہ: اور عاریت پر لینے والے کو حق ہے کہ اس کو عاریت پر دے دے جب کہ مستعار چیز ایسی چیزوں میں سے ہو جو استعمال کرنے والے کے اختلاف سے نہ بدلتی ہو۔

تشریح: عاریت پر لینے والا شئی مستعار دوسرے کو عاریت پر دے سکتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں صاحب کتاب نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اگر استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے چیز میں تبدیلی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو تو مستعیر دوسرے کو وہ چیز عاریت پر دے سکتا ہے جیسے پھاؤلا وغیرہ کہ استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اس لیے خود استعمال کرے یا مزدور کو دے، اگر استعمال کرنے والے کے بدلنے سے چیز کے خراب ہونے کا ڈر ہے تو دوسرے کو استعمال کے لئے نہیں دے سکتا ورنہ ضامن ہوگا۔

دلیل: معیر نے مستعیر کو منافع کا مالک بنایا تو اسی طرح مستعیر بھی دوسرے کو منافع کا مالک بنا سکتا ہے بشرطیکہ تبدیلی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور اگر مستعمل کے بدلنے سے تبدیلی کا خطرہ ہو تو پھر دوسرے کو اس لیے نہیں دے سکتا کہ معیر مستعیر ہی کے استعمال سے راضی ہے کسی دوسرے کے استعمال سے راضی نہیں ہے (اللباب ۲/۱۱۵)

(۱۵۵۲/۷) وَعَارِيَةُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُوْنِ قَرْضٌ.

ترجمہ: دراہم دنانیر، کیلی اور وزنی چیزوں کو عاریت پر دینا قرض ہے۔

تشریح: اگر کسی نے دراہم، دنانیر، کیلی اور وزنی چیزیں عاریت پر دیں تو یہ عاریت قرض کے حکم میں ہوگی، کیوں کہ عاریت کا مطلب یہ ہے کہ عاریت پر لینے والا اس چیز سے نفع اٹھا کر بعینہ وہی چیز واپس کردے عبارت میں ذکر کردہ چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی شکل یہ ہے کہ ان چیزوں کو خرچ کرکے اور کھا پی کر ختم کردیا جائے لہٰذا تملیک المنافع کے بجائے تملیک العین ہوگیا اس لیے ان چیزوں میں عاریت بمعنی قرض ہوگی، مگر یہ چیزیں قرض کے حکم میں اس وقت ہوں گی جب کہ اعارہ مطلق ہو اور اگر جہت کو متعین کردیا مثلاً دراہم اس خیال سے عاریت پر لئے کہ اس سے دوکان کو زینت بخشے تو اس صورت میں عاریت قرض کے حکم میں نہیں ہے اور ان کا خرچ کرنا درست نہ ہوگا بلکہ انہیں امور میں خرچ کرنا ہوگا جن کی تعیین کی گئی ہے۔ (اللباب ۲/۱۱۵)

(۱۵۵۳/۸) وَإِذَا اسْتَعَارَ أَرْضاً لِيَبْنِيَ فِيهَا أَوْ يَغْرِسَ جَازَ.

حل لغات: لیبنی: فعل مضارع ہے لام 'کی' کی وجہ سے منصوب ہے اور یغرس بھی اسی پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ: اور اگر مانگ لے زمین تاکہ اس میں عمارت بنائے یا درخت لگائے تو جائز ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے کوئی زمین مکان یا درخت لگانے کے لئے عاریت پر لی تو یہ عقد درست ہے کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کی منفعت ہے جیسے اجارہ کے ذریعہ رہائش کا مالک ہوجائے گا ایسے ہی اعارہ کے ذریعہ نفع اٹھانے کا مالک ہوجائے گا۔

(۱۵۵۴/۹) وَلِلْمُعِيرِ اَنْ يَرْجِعَ عَنْهَا وَيُكَلِّفَهُ قَلْعَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ فَلَاضَمَانَ عَلَيْهِ وَاِنْ كَانَ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ وَرَجَعَ قَبْلَ الْوَقْتِ ضَمِنَ الْمُعِيرُ لِلْمُسْتَعِيرِ مَا نَقَصَ الْبِنَاءُ

وَالْغَرْسِ بِالْقَلْعِ.

حل لغات: معیر: اسم فاعل عاریت پر دینے والا، یکلفه مضارع (م) تکلیفاً: دشوار کام کا حکم دینا، قلع: باب فتح سے مصدر ہے اکھیڑنا، وقت: ماضی (م) توقیتاً وقت متعین کرنا۔

ترجمہ: اور عاریت پر دینے والے کے لئے جائز ہے کہ عاریت کو واپس لے لے اور مجبور کر سکتا ہے مستعیر کو عمارت توڑنے اور درخت اکھاڑنے پر اب اگر اس نے عاریت کا کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا تو معیر پر ضمان نہیں ہے اور اگر عاریت کا وقت متعین کر رکھا تھا اور واپس لینے لگا وقت سے پہلے تو ضامن ہوگا معیر مستعیر کے لئے عمارت ٹوٹنے اور درخت اکھاڑنے کے نقصان کا۔

تشریح: کسی نے مکان بنانے یا باغ لگانے کے لئے زمین عاریۃً لی اور اس میں مکان بنالیا یا باغ لگالیا تو اب یہ دیکھنا پڑے گا کہ عاریت پر دینے والے نے عاریت کے لئے کوئی وقت متعین کیا تھا یا نہیں۔ اگر متعین نہیں کیا تھا تو مالک زمین کسی بھی وقت اپنی زمین واپس لے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ اپنی عمارت توڑ و اور درخت اکھاڑ و اور میری زمین بالکل خالی کر کے واپس کر و اور عمارت کے گرانے اور درخت کے اکھڑوانے کا تاوان معیر کے ذمہ نہ ہوگا کیوں کہ مستعیر کو معیر کی جانب سے دھوکہ نہیں دیا گیا بلکہ اسے خود ہی دھوکہ ہوا کہ تعیین وقت کے بغیر راضی ہوگیا اور اگر عاریت پر دینے والے نے عاریت کے لئے وقت متعین کر رکھا تھا اور وقت متعینہ سے پہلے ہی عمارت توڑنے اور درخت کاٹنے کے لئے کہنے لگا تو چوں کہ معیر نے مستعیر کو دھوکہ دیا اس لیے عمارت ٹوٹنے اور درخت کٹنے کے نقصان کا تاوان بھرے گا، البتہ قبل از وقت عاریت واپس لے سکتا ہے مگر وعدہ خلافی کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(۱۵۵۵/۱۰) وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَارِيَةِ عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ.

ترجمہ: اور عاریت کے لوٹانے کا کرایہ عاریت لینے والے کے ذمہ ہے۔

تشریح: مستعیر اپنے نفع کے لئے ایک چیز مفت لے کر آیا تھا اب اس کو واپس کرنا بھی اسی کے ذمہ ہے اس لیے واپس کرنے میں جو خرچہ وغیرہ ہوگا وہ مستعیر پر ہی ہوگا۔

(۱۵۵۶/۱۱) وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُسْتَأْجَرَةِ عَلَى الْمُوْجِرِ.

لغت: الموجر: اسم فاعل، اجرت پر دینے والا۔

ترجمہ: اور کرایہ پر لی ہوئی چیز کی واپسی کی مزدوری اجرت پر دینے والے پر ہوگی۔

تشریح: اگر کسی نے کرایہ پر کوئی چیز لی تو اس کو واپس کرنے میں جو کرایہ لگے گا وہ موجر کے ذمہ ہوگا کیوں کہ اجرت پر لینے والے کے ذمہ اجرت کی چیز واپس کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف اس چیز کو چھوڑ دینا کافی ہے تاکہ مالک اس کو خود واپس لے جائے اس لیے مالک ہی پر واپسی کا کرایہ ہوگا۔ (اللباب ۲/۱۱۶)

مگر چونکہ اس زمانہ میں عرف بدل گیا ہے، اگر کرایہ پر لی ہوئی چیز کی واپسی کی اجرت مالک کے ذمہ ڈالدی جائے اور مالک ہی سے کہا جائے کہ اپنی چیز تم خود ہی لے جانا تو کوئی بھی آدمی کرایہ پر کوئی چیز دینے کے لئے تیار نہ ہوگا اس پریشانی کے پیش نظر اس زمانہ میں کرایہ پر لی ہوئی چیز کو واپس کرنا اور واپسی کا کرایہ مستاجر کے ذمہ ہوگا۔

(۱۲/۱۵۵۷) وَاُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَةِ عَلَى الْغَاصِبِ.

ترجمہ: اور غصب کی گئی چیز کی واپسی کی اجرت غاصب پر ہے۔

تشریح: اگر کسی نے کوئی چیز غصب کی تو مالک تک پہنچانا اسی کی ذمہ داری ہے اس لیے واپس لوٹانے کا جو کرایہ خرچ ہوگا وہ غاصب ادا کرے گا۔

(۱۳/۱۵۵۸) وَاُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُوْدَعَةِ عَلَى الْمُوْدِعِ.

ترجمہ: اور امانت رکھی گئی چیز کی واپسی کی اجرت امانت رکھنے والے پر ہے۔

تشریح: اگر کسی نے کسی کی امانت اپنے پاس رکھی تو اس امانت کے واپس کرنے میں جو کرایہ خرچ ہوگا وہ مالک کے ذمہ ہے کیوں کہ مودَع نے مفت میں امانت رکھا ہے اور یہ اس کا احسان ہے اور مالک ہی کو اس کی ضرورت ہے کہ اپنی چیز امین کے یہاں سے لے جائے اس لیے مالک ہی پر اجرت لازم ہوگی۔

(۱۴/۱۵۵۹) وَاِذَا اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا اِلٰى اِصْطَبْلِ مَالِكِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ.

حل لغات: اصطبل: گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ، طویلہ۔

ترجمہ: اور اگر سواری مانگ لی پھر اس کو لوٹا دیا اس کے مالک کے اصطبل تک اور وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے کسی سے کوئی جانور عاریۃً لیا اور اس کو اس کے مالک کے اصطبل تک پہنچادیا یعنی مالک کے سپرد نہیں کیا اس کے بعد وہ جانور ہلاک ہوگیا تو عاریت پر لینے والا ضامن نہیں ہوگا، یہ حکم استحسان کے اعتبار سے ہے کیوں کہ اس نے متعارف طریقہ پر واپس کیا ہے اس لیے کہ عاریت کی چیزوں کو مالک کے مکان پر پہنچادینا ہی متعارف ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ضامن ہو کیوں کہ اس نے مالک کے سپرد نہیں کیا بلکہ ضائع کیا ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہی ہے (عینی شرح کنز ۲/۱۸۴، رقم الحاشیہ ۸)

فائدہ: مثلاً سائیکل عاریۃً لی اور لینے والے نے اس کو مالک کے مکان پر اسی جگہ کھڑی کردی جو اس کے لئے مقرر ہے اب وہ ہلاک ہوگئی تو عاریت پر لینے والے پر کوئی ضمان نہ ہوگا۔

(۱۵/۱۵۶۰) وَاِنِ اسْتَعَارَ عَيْناً وَرَدَّهَا اِلٰى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اور اگر کوئی چیز مانگ لے اور اس کو مالک کے گھر پہنچادے اور مالک کو نہ دے تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے کسی سے پھاؤڑا، کدال، ہل، سائیکل وغیرہ عاریت پر لی اور استعمال کرنے کے بعد مالک کے حوالہ کرنے کے بجائے مالک کے گھر پہنچادیا اور پھر یہ چیزیں ہلاک ہوگئیں تو عاریت پر لینے والے پر تاوان نہ ہوگا کیوں کہ عموماً ان چیزوں کو گھر ہی پہنچانے کا رواج ہے اور اسی سے مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے اس لیے گھر پہنچادینے سے بری الذمہ ہوجائے گا۔

قدوری کے بعض نسخوں میں لم یضمن کے بجائے ضمن ہے اس صورت میں عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی عمدہ چیز مثلاً جواہرات کا ہار، عاریت پر لیا تو اب معیر ہی کو واپس کرنا ضروری ہے اگر معیر کے علاوہ گھر کے کسی فرد کو دے دیا تو مستعیر ضامن ہوگا (الجوہرة النیرة ۲/۴۲، اللباب ۲/ ۱۱۷)

(۱۵۶۱/۱۶) وَاِنْ رَدَّ الْوَدِيْعَةَ اِلٰى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ ضَمِنَ وَ اللّٰه اعلم.

ترجمہ: اور اگر امانت کی چیز مالک کے گھر پہنچائی اور مالک کو سپرد نہیں کیا تو ضامن ہوگا۔

تشریح: اگر مودَع نے ودیعت کو مالک کے حوالہ نہ کرکے مالک کے گھر پہنچادیا تو ایسی صورت میں مودَع ضامن ہوگا کیوں کہ مودَع پر واجب ہے کہ اپنے فعل کو فسخ کرے اور یہ جب ہوگا جب مالک کو سپرد کرے اور مالک اس بات سے راضی نہیں ہوگا کہ گھر والوں کو دے کیوں کہ اگر مالک کو گھر والوں پر اتنا بھروسہ ہوتا تو دوسرے کے پاس امانت کیوں رکھتا؟ اب مودَع نے مالک کے بجائے گھر والوں کو دے کر اس کے مقصد کے خلاف کیا اس لیے گھر والوں کو پہنچانے سے بری نہیں ہوگا (الجوہرة ۲/۴۳)

كِتَابُ اللَّقِيْطِ

أَيْ هٰذَا الْكِتَابُ فِيْ بَيَانِ اَحْكَامِ اللَّقِيْطِ)

(یہ کتاب لقیط کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: یہ ہے کہ جس طرح عاریت پر لی ہوئی چیز کو بغیر مالک کی اجازت کے کسی کو نہیں دے سکتے اسی طرح جس نے لقیط کے اٹھانے میں پہل کی ہے، اس کی اجازت کے بغیر لقیط کسی دوسرے کو نہیں دے سکتے۔

لقیط کی لغوی تحقیق: لقیط فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی جو چیز گری پڑی ہو لغت میں اس بچہ کو کہتے ہیں جو پڑا ہوا ملے اور اسکا کوئی ولی معلوم نہ ہو۔

اصطلاحی تعریف: لقیط انسان کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو لوگوں نے پرورش سے بچنے یا زنا کی

تہمت سے بچنے کے لئے پھینک دیا ہو، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا اٹھالینا مستحب ہے، کہ اس میں بچہ کی پرورش اور زندگی کا سامان ہوتا ہے اور اگر اس بچہ کے ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو اس کا اٹھالینا واجب ہے۔

لقیط کا ثبوت: اس آیت میں ہے فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا یعنی آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا تا کہ ان کے لئے دشمن اور غم کی چیز بن جائے اس آیت میں لقطہ اٹھانے کا ذکر ہے۔

(۱/۱۵۶۲) اَللَّقِيْطُ حُرٌّ وَ نَفَقَتُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ.

حل لغات: اللقیط: اٹھایا ہوا، نومولود بچہ جو پھینک دیا جائے، نفقة: خرچ۔

ترجمہ: لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہے۔

لقیط کے احکام بالتفصیل

تشریح: لقیط تمام احکامات میں آزاد ہے حتی کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد لگے گی کیوں کہ بنی آدم میں اصل آزاد ہونا ہے، اور وہ بچہ دارالاسلام میں ہے اس لیے یہی خیال کیا جائے گا کہ اس بچہ کو کسی آزاد نے ہی ڈالا ہے، ایک شخص نے ایک پڑا ہوا بچہ پایا اس کو اٹھا کر حضرت علیؓ کے پاس لایا آپ نے فرمایا وہ آزاد ہے، پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس کے خرچ کی ذمہ داری بیت المال پر ہے، کیوں کہ وہ مسلمان ہے، کمانے سے عاجز ہے اس کی کوئی رشتہ داری بھی نہیں ہے اس کے پاس مال بھی نہیں ہے، تو بیت المال ایسے آدمی کے خرچ کا ذمہ دار ہوگا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۴)

(۲/۱۵۶۳) وَاِنِ الْتَقَطَهُ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهٖ اَنْ يَّاْخُذَهُ مِنْ يَدِهٖ.

حل لغت: التقط: ماضی مصدر التقاط اٹھانا۔

ترجمہ: اور اگر اٹھالے اس کو کوئی آدمی تو دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ لے لے اس کو اس کے ہاتھ سے۔

تشریح: اگر اس کو کسی شخص نے اٹھالیا تو اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں کہ اس کو اس کے قبضہ سے لے لے کیوں کہ اس نے اٹھانے میں پہل کی ہے جب اس کا قبضہ ہوگیا تو دوسرے کا قبضہ ساقط ہو جائیگا۔

(۳/۱۵۶۴) فَاِنِ ادَّعٰى مُدَّعٍ اَنَّهٗ ابْنُهٗ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ مَعَ يَمِيْنِهٖ.

ترجمہ: اگر دعوی کیا کسی کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

تشریح: اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے تو اگر چہ اس میں اٹھانے والے کا حق مارا جائے گا لیکن بیٹا بننے میں بچہ کا فائدہ ہے اس لیے بچہ کا نسب دعویٰ کرنے والے سے ثابت کردیا جائے گا لیکن چوں کہ کوئی ظاہری

علامت نہیں ہے، اور نہ اس پر کوئی گواہ ہے اس لیے قسم کے ساتھ بات مانی جائے گی۔

(۴/۱۵۶۵) وَاِنِ ادَّعَاهُ اِثْنَانِ وَوَصَفَ اَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِیْ جَسَدِهٖ فَهُوَ اَوْلٰی بِهٖ.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کیا اس کا دو آدمیوں نے اور بیان کی کسی ایک نے کوئی علامت اس کے جسم میں تو وہ زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: دو آدمیوں نے لقیط کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا کہ بچہ ہمارا ہے اور ان میں سے ایک نے اس کے جسم میں کوئی علامت بیان کر دی تو اس علامت کے بیان کرنے کی وجہ سے اس آدمی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا کیوں کہ علامت ظاہری اس کی شہادت دے رہی ہے کہ لڑکا اسی کا ہے اور اگر کوئی بھی علامت بیان نہ کرے تو اس بچہ کا نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا اور اگر کسی نے بیٹے ہونے کا دعویٰ پہلے کر دیا تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

(۵/۱۵۶۶) وَاِذَا وُجِدَ فِیْ مِصْرٍ مِّنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِیْنَ اَوْ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ قُرَاهُمْ فَادَّعٰی ذِمِّیٌّ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَکَانَ مُسْلِماً.

حل لغات: امصار: واحد مصر شہر، قریٰ واحد قریة گاؤں بستی۔

ترجمہ: اور اگر پایا گیا لقیط مسلمانوں کے شہر میں سے کسی شہر میں یا ان کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں پھر دعویٰ کیا کسی ذمی نے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور بچہ مسلمان ہوگا۔

تشریح: اگر لقیط کسی مسلم شہر میں یا کسی مسلم گاؤں میں پایا گیا اور ایک ذمی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو ذمی سے اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا البتہ بچہ مسلمان رہے گا، ذمی کے دعویٰ میں دو باتیں ہیں ایک نسب کا دعویٰ، یہ بچہ کے لئے نفع بخش ہے مثلاً وراثت وغیرہ ملے گی، اور اگر نسب ثابت نہ ہو تو بچہ حرامی شمار ہوگا اور اس کی پرورش کا کوئی خاص انتظام نہ ہو سکے گا اس لیے ذمی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ لقیط اسلامی شہر یا گاؤں میں ملا ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا اگر ذمی کے دعویٰ کو مانتے ہوئے بچہ کو ذمی شمار کریں تو یہ بچہ کے لئے نقصان دہ ہے، لہٰذا ذمی کا جو دعویٰ بچہ کے لئے مفید ہوگا وہی صحیح ہوگا اور جو نقصان دہ ہوگا وہ صحیح نہیں ہوگا۔

(۶/۱۵۶۷) وَاِنْ وُجِدَ فِیْ قَرْیَةٍ مِنْ قُرَی اَهْلِ الذِّمَّةِ اَوْ فِیْ بِیْعَةٍ اَوْ کَنِیْسَةٍ کَانَ ذِمِّیًّا.

حل لغات: بیعة: کلیسا، گرجا، یہودیوں کا عبادت خانہ جمع بِیَعٌ بِیَعَاتٌ بِیْعَاتٌ، کنیسة: نصاریٰ کا عبادت خانہ۔

ترجمہ: اور اگر پایا گیا ذمیوں کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں یا یہودی و نصاریٰ کے کسی عبادت خانہ میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا۔

تشریح: اگر کوئی لقیط ذمیوں کے کسی گاؤں میں یا یہود ونصاریٰ کے کسی عبادت خانہ پایا گیا ہو تو وہ ذمی ہوگا، کیوں کہ غالب گمان یہی ہے کہ بچہ کسی کافر کا ہوگا اس لیے وہ ذمی شمار ہوگا۔

(۱۵۶۸/۷) وَمَنِ ادَّعٰى اَنَّ اللَّقِيْطَ عَبْدُهٗ اَوْ اَمَتُهٗ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ وَ كَانَ حُرًّا .

ترجمہ: کسی نے دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا غلام ہے یا باندی ہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آزاد ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط میرا غلام یا میری باندی ہے تو اسکا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا کیوں کہ بظاہر یہ لقیط آزاد ہے لہٰذا محض دعویٰ سے غلام نہیں ہوگا بلکہ مدعی بینہ قائم کرے کہ یہ لقیط میرا غلام ہے۔
(الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۵)

(۱۵۶۹/۸) وَاِنِ ادَّعٰى عَبْدٌ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَ كَانَ حُرًّا.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے غلام کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اور بچہ آزاد ہوگا۔

تشریح: اگر کسی غلام نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اس دعویٰ سے لقیط کا نسب اس غلام سے ثابت ہو جائے گا اور لقیط آزاد رہے گا، کیوں کہ ہمیں بچہ کے نفع کا خیال کرنا ہے ثبوت نسب بچہ کے لئے نفع بخش ہے مگر غلام ہونا نقصان دہ ہے، لہٰذا جس چیز میں بچہ کے لئے نفع ہے وہ صحیح ہوگا اور جس میں نقصان ہے وہ باطل ہوگا۔
(الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۵)

(۱۵۷۰/۹) وَاِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِيْطِ مَالٌ مَشْدُوْدٌ عَلَيْهِ فَهُوَ لَهٗ.

حل لغات: مشدودٌ: بندھا ہوا۔
ترجمہ: اور اگر پایا گیا لقیط کے ساتھ مال اس پر بندھا ہوا تو وہ اسی کا ہے۔
تشریح: اگر لقیط کے ساتھ لقیط پر کچھ بندھا ہوا مال ہے تو بظاہر وہ مال لقیط کا ہے اور جس نے پایا وہ حاکم کے حکم سے اس مال کو لقیط پر خرچ کرے گا۔

(۱۵۷۱/۱۰) وَلَا يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْمُلْتَقِطِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے پانے والے کا شادی کرنا۔
تشریح: صاحب قدوری اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ بچہ پانے والا بچہ کی شادی خود اپنے سے کرے یا کسی دوسرے سے کرائے تو جائز نہیں ہے۔

دلیل: صاحب جوہرۃ نے لکھا ہے کہ شادی کرانے کا حق تین وجہ سے ہوتا ہے (۱) ملکیت ہو جیسے غلام یا باندی کا آقا (۲) رشتہ دار (۳) ملک کا باشاہ یا حاکم ہو اور پانے والا ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے، اس وجہ سے اس کو لقیط کی شادی کا حق نہیں ہے (الجوہرۃ النیرۃ: ۲/ ۴۵)

(۱۱/۱۵۷۲) وَلَا تَصَرُّفُهُ فِيْ مَالِ اللَّقِيْطِ.

ترجمہ: اور نہ (جائز نہیں ہے) لقیط کے مال میں تصرف کرنا۔

تشریح: اٹھانے والے کے لئے لقیط کے مال میں تصرف جائز نہیں ہے، کیوں کہ تصرف کا جواز دو باتوں سے ہوتا ہے (۱) کامل شفقت ہو (۲) کامل رائے ہو، ملتقط میں رائے کامل ہے مگر مکمل شفقت نہیں ماں میں مکمل شفقت مگر رائے ناقص ہے اس لیے لقیط کے مال کو خرید و فروخت میں ڈال کر خورد برد نہیں کر سکتا ہے ہاں لقیط کے مال سے کھانا کپڑا اور ضروریات زندگی خرید سکتا ہے (رقم حاشیہ القدوری ٦)

(۱۲/۱۵۷۳) وَيَجُوْزُ اَنْ يَّقْبِضَ بِهِ الْهِبَةَ وَيُسَلِّمَهُ فِيْ صَنَاعَةٍ وَيُؤَاجِرَهُ.

حل لغات: صناعة: پیشہ، دستکاری، کاری گری، یو اجر: اجرت پر دے، مزدوری پر لگا دے۔

ترجمہ: اور جائز ہے اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرنا اور اس کو سپرد کرنا کسی پیشہ میں اور اس کو مزدوری پر لگانا۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب یہ ذکر کر رہے ہیں کہ ملتقط ان تمام کاموں کو کر سکتا ہے جن میں لقیط کا فائدہ ہے مثلاً لقیط کو کسی نے ہدیہ دیا تو ملتقط لقیط کے واسطے ہبہ پر قبضہ کر سکتا ہے یا لقیط کو کسی پیشہ میں لگا دے تا کہ اس سے نفع آئے یا خود لقیط کو مزدوری پر لگا دے تا کہ اس کی مزدوری آئے اور لقیط پر خرچ کی جا سکے صاحب جوہرہ نے لکھا ہے کہ لقیط کو مزدوری پر لگانے کا جواز صاحب قدوری کے نزدیک ہے، ورنہ جامع صغیر میں ہے کہ ملتقط کے لئے لقیط کو اجرت پر دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ملتقط اس کے منافع کو ہلاک کرنے کا مالک نہیں ہے یہی قول اصح ہے۔
(الجوہرۃ النیرۃ ۲/ ۴۵)

كِتَابُ اللُّقْطَةِ

(یہ کتاب لقطہ کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: لقیط اور لقطہ دونوں لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں کیوں کہ دونوں میں اٹھانے کے معنی ہیں مگر لقیط گرے پڑے ہوئے بچہ کے اٹھانے کو کہتے ہیں اور لقطہ ہر گری پڑی چیز کے اٹھانے کو کہتے ہیں، بنی آدم کی شرافت کی وجہ سے لقیط کو مقدم کیا ہے اور لقطہ کو بعد میں بیان کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ

۲/۹۲۳)

لغوی تحقیق: لُقَطۃ یہ التقاط سے ماخوذ ہے ایسی چیز جو اٹھائی جائے، لام کے ضمہ کے ساتھ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ اسم فاعل ہے اٹھانے والا، لام کے ضمہ اور قاف کے سکون کے ساتھ اسم مفعول ہے وہ چیز جو اٹھائی گئی ہو یہ فرق خلیل بن احمد نے بیان کیا ہے، لیکن اہل لغت ومحدثین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ بھی مال ملقوط (جو مال اٹھایا گیا ہو) کہا جاتا ہے۔

لقطہ کا ثبوت: حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک تھیلی پائی اس میں سو دینار تھے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپؐ نے فرمایا کہ ایک سال اس کی تشہیر کرو میں نے تشہیر کی اس کا مالک نہیں ملا میں پھر آیا آپ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو میں نے اس کی تشہیر کی میں نے نہیں پایا پھر میں تیسری مرتبہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا برتن یاد رکھو اس کا عدد یاد رکھو اور اس کا بندھن یاد رکھو اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے فائدہ اٹھالو میں نے فائدہ اٹھالیا الی آخرہ (بخاری ۱/۳۲۷ باب اذا اخبرہٗ رب اللقطہ)۔

اس طویل حدیث سے لقطہ کا ثبوت اور حکم معلوم ہوتا ہے۔

(۱/۱۵۷۴) اَللُّقَطَةُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْمُلْتَقِطِ اِذَا اَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ اَنَّهٗ يَاْخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا وَيَرُدَّهَا عَلٰى صَاحِبِهَا.

ترجمہ: لقطہ امانت ہے اٹھانے والے کے پاس جب کہ گواہ کر لے اٹھانے والا اس پر کہ وہ اس کو اٹھا رہا ہے تا کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو اس کے مالک کے پاس پہنچائے۔

لقطہ کے احکام

تشریح: گرا پڑا مال جس نے بھی اٹھایا وہ اس کے پاس امانت ہے اگر اس کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو تاوان نہ ہوگا، مگر یہ شرط ہے کہ جس نے اٹھایا ہے وہ اس بات پر گواہ قائم کرے کہ اس کی حفاظت کے لئے اور مالک کے پاس پہنچانے کے لئے اٹھا رہا ہوں، کیوں کہ اس طریقہ سے اٹھانا شرعاً جائز ہے بلکہ افضل ہے اور اگر ضائع ہونے کا خوف ہو تو اس کا اٹھالینا واجب ہے۔

(۲/۱۵۷۵) فَاِنْ كَانَتْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا اَيَّاماً وَاِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِداً عَرَّفَهَا حَوْلاً كَامِلاً.

ترجمہ: اگر ہو وہ چیز دس درہم سے کم کی تو تشہیر کرے اس کی چند دن اور اگر دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو تو اس کی تشہیر کرے پورے سال بھر۔

تشریح: لقطہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب لقطہ ملے تو اس کی تعریف کرو اور اس کا اعلان کرو کہ یہ چیز پڑی ہوئی ملی ہے جس کی ہو وہ آ کر لے جائے، اب یہ اعلان اور تعریف کتنی مدت تک کرنی ہے اس بارے میں اختلاف ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز ملے خواہ وہ قیمتی ہو یا گھٹیا ہو چھوٹی ہو بڑی ہو عمدہ ہو یا خسیس ہو ہر حالت میں ایک سال تک اس کی تعریف اور اعلان کرنا واجب ہے، لیکن احناف کا مفتیٰ بہ قول یہ ہے جس کو شمس الائمہ سرخسی نے بھی پسند کیا ہے اور صاحب ہدایہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرعاً تعریف اور اعلان کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ ہر چیز کے بارے میں تعریف کی مدت مختلف ہوگی یعنی ہر چیز کی اس وقت تک تعریف کرنا واجب ہے جب تک غالب گمان یہ ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش کر رہا ہوگا اور جب غالب گمان یہ ہو جائے کہ اس کے مالک نے تلاش چھوڑ دی ہوگی تو اس وقت اس کی تعریف بھی بند کر دی جائے، گی حتی کہ فقہاء حنفیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی قیمتی چیز ملی ہے تو اس کی تعریف صرف ایک سال تک کافی نہیں ہوگی بلکہ دو تین سال تک اس کی تشہیر کرنی ہوگی جیسا کہ لقطہ کے ثبوت میں پیش کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سال تک تشہیر کرائی، اور اگر کوئی معمولی چیز ہے جس کے بارے میں خیال یہ ہے کہ اس کا مالک اس کو ایک دن سے زیادہ تلاش نہیں کرے گا تو صرف ایک دن کے لئے تعریف کرنا بھی کافی ہے حتی کہ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کو چاندی کا ایک دانق (جو تقریباً ایک رتی کے برابر ہوتا ہے) مل جائے تو فرمایا کہ دائیں بائیں دیکھ کر اسی وقت اعلان کر دے اور بس یہ کافی ہے اس کے بعد مزید تشہیر کرنے کی ضرورت نہیں، بہرحال اصل دار و مدار اس پر ہے کہ مالک اس کو تلاش کر رہا ہوگا یا تلاش چھوڑ دی ہوگی اگر یہ خیال ہے کہ تلاش کر رہا ہوگا تو اس وقت تک تشہیر کرنی واجب ہے لیکن مدت کچھ مقرر نہیں ہے۔

دلیل: حضرت ابی ابن کعبؓ کو تین سال تک تعریف کرنے کا حکم دیا، حضرت زید بن خالد کی روایت میں ہے کہ ایک سال تک تعریف کا حکم دیا بعض روایات میں دس دن کا ذکر ہے، بعض جگہ ایک ماہ کا بعض جگہ تین ماہ کا ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے تشہیر کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔

کون سی چیز اٹھانی چاہیے؟

جس مال کے ضائع ہو جانے یا چوری ہو جانے کا اندیشہ ہو اس مال کو اٹھا لینا چاہئے اور پھر اس کا اعلان کرنا چاہئے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ خیال یہ ہو کہ مالک تلاش کرتا ہوا آئے گا تو وہ اس کو اٹھا لے گا تو اس صورت میں اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

اگر معمولی چیز پڑی ہوئی ملی تو؟

اگر لقطہ معمولی چیز ہے تو پھر تشہیر کی بھی ضرورت نہیں ہے مثلاً ایک کھجور مل گئی تو اب اس کی تعریف اور اعلان کرنے

کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو اٹھا کر کھالینا جائز ہے۔

(۳/۱۵۷۶) فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا.

ترجمہ: اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو خیرات کر دے۔

تشریح: اگر لقطہ کا مالک تشہیر کے بعد مل جائے تو بہتر ہے، اور اس کے گواہ قائم کرنے کے بعد لقطہ اس کے حوالہ کر دے لیکن اگر نہیں آتا ہے تو اس کو صدقہ کر دے تاکہ مالک کو اصل نہ پہنچکر اس کا عوض یعنی ثواب پہنچ جائے بشرطیکہ مالک کی جانب سے اجازت معتبر رہے، اور اگر چاہے تو لقطہ کو اس امید پر روک لے کہ ممکن ہے مالک آ جائے تو اس کو دے دوں گا۔

(۴/۱۵۷۷) فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَهُوَ قَدْ تَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الصَّدَقَةَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ.

ترجمہ: پھر اگر اس کا مالک آئے حالانکہ وہ خیرات کر چکا ہے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے صدقہ کو بدستور رکھے اور اگر چاہے تو اٹھانے والے سے تاوان لے لے۔

تشریح: لقطہ کو اٹھانے والے نے خیرات کر دیا پھر اس کا مالک آ گیا تو اب مالک کو دو اختیار ہیں چاہے تو اس صدقہ وخیرات کو بدستور رکھے اور خود بھی ثواب پائے اور چاہے تو اٹھانے والے سے مال کا تاوان لے لے کیوں کہ اٹھانے والے نے بغیر مالک کی اجازت کے صدقہ کیا ہے اس لیے مالک کو ضمان وصول کرنے کا حق ہے البتہ صدقہ کرنے کا ثواب اس کو مل جائے گا۔

(۵/۱۵۷۸) وَيَجُوْزُ الْاِلْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيْرِ.

ترجمہ: اور جائز ہے بکری گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا۔

کیا اونٹ کا پکڑنا درست ہے؟

تشریح: اگر کسی کو گمشدہ بکری گائے اور اونٹ میں سے کوئی مل جائے تو اس کے لئے ان کا پکڑنا جائز ہے یہ جواز اس وقت ہے جب کہ ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً جنگل میں شیر یا چور آتا ہے لیکن اگر کوئی ڈر نہ ہو تو بکری کے علاوہ کسی اور جانور کو پکڑنا جائز نہیں ہے، بکری کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خُذْهَا فَاِنَّمَا هِيَ لَكَ اَوْلِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ.

اس کو پکڑ لو وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی ہے، اس حدیث میں بکری پکڑنے کی ترغیب ہے

کیوں کہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

اونٹ کے متعلق ارشاد ہے مَالَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَرْعَى الشَّجَرَ. یعنی جب آپؐ سے گمشدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب؟ اونٹ کے ساتھ اس کا جوتا ہے پینے کا پانی ہے خود پانی پینے آتا ہے اور درختوں کے پتے کھاتا ہے، اس حدیث میں اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔ (الجوہرة النیرة ۲/۴۷)

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اونٹ اور گائے نہ پکڑے (ہر وہ جانور جو چرانے والے کے بغیر ضائع نہیں ہوتا ہے، جیسے گھوڑا، بیل اور گدھا یہ سب اونٹ کے حکم میں داخل ہیں) انکے متعلق ارشاد نبوی گذر چکا ہے جس میں اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانہ میں لوگ اچھے تھے اس لیے اونٹ کو لقطہ بنانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا کیوں کہ وہ ضائع نہیں ہوگا اور اس کا مالک خود اس کو لے جائے گا، لیکن بعد میں لوگ اچھے نہیں رہے اس لیے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہ فتویٰ دیا گیا کہ اونٹ کو پکڑ کر رکھنے میں اس کی حفاظت ہے اس لیے اس کو پکڑ لیا جائے۔
(مصنف عبدالرزاق ۱۰/۱۳۲)

(۶/۱۵۷۹) فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ اِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ وَاِنْ اَنْفَقَ بِاِذْنِهِ كَانَ ذَالِكَ دَيْناً عَلٰى صَاحِبِهَا.

ترجمہ: اگر خرچ کیا اٹھانے والے نے لقطہ پر حاکم کی اجازت کے بغیر تو وہ احسان کرنے والا ہوگا اور اگر خرچ کیا اس کی اجازت سے تو یہ اس کے مالک پر قرض ہوگا۔

تشریح: لقطہ اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر لقطہ پر خرچ کیا تو یہ اس پر احسان ہوگا یعنی قانوناً ملتقط کو مالک سے خرچ وصول کرنے کا حق نہ ہوگا ہاں اگر مالک خود دے دے تو بات الگ ہے، اور اگر حاکم کے فیصلہ سے خرچ کیا تو اس صورت میں یہ خرچ مالک کے ذمہ قرض ہوتا چلا جائے گا جب مالک آئے گا اس سے یہ قرض وصول کیا جائے گا، کیوں کہ حاکم کی ولایت غائب شخص کے حق میں کامل ہوتی ہے اس لیے حاکم کے فیصلہ کے بعد لقطہ کا خرچ مالک پر قرض ہوگا۔

(۷/۱۵۸۰) وَاِذَا رُفِعَ ذَالِكَ اِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيهِ فَاِنْ كَانَ لِلْبَهِيْمَةِ مَنْفَعَةٌ آجَرَهَا وَاَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ اُجْرَتِهَا.

حل لغات: البهيمةُ: جمع بهائم جانور چوپایہ، ہر وہ چیز جس میں قوت گویائی نہ ہو، آجرها: اجرت پر دے۔

ترجمہ: اور جب لایا جائے یہ جانور حاکم کے سامنے تو حاکم اس میں غور کرے اگر جانور کے لئے کچھ فائدہ ہے تو اسے کرایہ پر دے دے اور خرچ کرے اس پر اس کے کرایہ میں سے۔

تشریح: اگر لقطہ کا معاملہ قاضی یا حاکم کی عدالت میں پیش ہوا تو قاضی غور کرے کہ جانور پر خرچ کردہ رقم مالک کے لئے فائدہ مند ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نفع بخش ہوسکتی ہے تو قاضی اس جانور کو کرایہ پر دے دے اور جو کرایہ وصول ہوا اسے اس جانور پر خرچ کرے مثلاً بیل لقطہ ہے ہر روز دس روپے کا چارہ کھاتا ہے اور اسے ہل میں چلا کر بیس روپے کمائے جاسکتے ہیں تو حاکم اسے کرایہ پر چلائے، یا ایک بھینس ہے ہر روز پچاس روپے کا چارہ کھاتی ہے اور ستر روپے کا دودھ دیتی ہے جس میں ہر دن بیس روپے کی بچت مالک کے لئے بھی ہے تو حاکم اس بھینس پر ہر دن پچاس روپے خرچ کرتا رہے گا اور بیس روپے مالک کے واسطے جمع کرتا رہے گا۔

(۱۵۸۱/۸) وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ اَنْ يُسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيْمَتَهَا بَاعَهَا الْحَاكِمُ وَاَمَرَهُ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا.

ترجمہ: اور اگر نہیں ہے چوپایہ کے لئے کوئی فائدہ اور خوف ہو کہ لے ڈوبے گا خرچ اس کی قیمت کو بھی تو حاکم اس کو بیچ دے اور حکم دے اس کی قیمت کی حفاظت کا۔

تشریح: لقطہ کی کوئی آمدنی نہیں ہے اور خرچ اتنا زیادہ ہے کہ کچھ دنوں کے بعد اس کی قیمت سے آگے بڑھ جائے گا اور مالک کے ملنے کے لئے جانور لینے کے بجائے چارہ وغیرہ کا خرچ زیادہ دینا پڑ جائے گا تو ایسی صورت میں حاکم لقطہ کو فروخت کرا کر اس کی قیمت کسی امین کے پاس محفوظ کرا دے تاکہ جب مالک آئے تو جانور کی قیمت اس کے حوالہ کردی جائے، کیوں کہ اس صورت میں بظاہر جانور کو زندہ رکھنا بڑا مشکل ہے اس لیے معنیٰ ہی صحیح کہ اس کی قیمت کو محفوظ رکھ لیا جائے۔

(۱۵۸۲/۹) وَاِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ الْاِنْفَاقَ عَلَيْهَا اَذِنَ فِيْ ذَالِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْناً عَلٰى مَالِكِهَا.

ترجمہ: اور اگر اس پر خرچ کرنا ہی زیادہ مناسب ہو تو اس کی اجازت دے دے اور خرچ کو اس کے مالک کے ذمہ قرض کردے۔

تشریح: حاکم اگر یہ مناسب سمجھے کہ اس لقطہ پر خرچ کرنا ہی فائدہ مند ہے تو خرچ کرنے کی اجازت دے دے، اور جتنا خرچ کیا وہ سب لقطہ کے مالک پر قرض ہوتا رہے گا اور حاکم جس قدر مناسب سمجھے اسی حساب سے دو یا تین دن ملتقط کو جانور پر خرچ کرنے کا حکم دے اس امید پر کہ شاید مالک آجائے ورنہ اس کے بیچنے کا حکم دے، مگر شرط یہ ہے کہ قاضی چارہ کا حکم دینے سے پہلے ملتقط سے اس پر گواہ قائم کرائے کیوں کہ اگر جانور التقاط کا نہیں ہے بلکہ غصب کا ہے تو قاضی خرچ کا حکم نہیں کرے گا۔

(۱۵۸۳/۱۰) فَاِذَا حَضَرَ مَالِكُهَا فَلِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَّمْنَعَهُ مِنْهَا حَتّٰى يَاْخُذَ النَّفَقَةَ.

ترجمہ: پھر جب اس کا مالک آجائے تو ملتقط کے لئے جائز ہے کہ روک دے اس کو لقطہ سے یہاں تک کہ خرچ وصول کر لے۔

تشریح: لقطہ کا مالک آ گیا اور اس نے مطالبہ کیا اور صورتِ حال یہ ہے کہ ملتقط نے قاضی کے حکم سے لقطہ پر خرچ کر رکھا ہے تو اب مالک کے آنے کے بعد ملتقط کو حق ہے کہ جب تک وہ اپنا خرچ نہ لے لے اس وقت تک لقطہ کو سپرد نہ کرے بلکہ اپنے پاس روکے رکھے، کیوں کہ اسی خرچ سے لقطہ زندہ رہا ہے، لیکن اگر اس دوران لقطہ ہلاک ہو جائے تو اصحاب مذہب کے نزدیک ملتقط نے لقطہ پر جو خرچ کیا ہے وہ مالک سے وصول کرے گا اور امام زفر کے نزدیک لقطہ مال مرہون کے درجہ میں ہے لہٰذا ہلاکت کی صورت میں اسے خرچ لینے کا حق نہ ہوگا، صاحب ہدایہ نے امام زفر کے قول کو اختیار کیا ہے اور یہی حکم متون میں مذہب کی حیثیت سے مذکور ہے (شامی ۴۴۵/۳)

(۱۵۸۴/۱۱) وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ.

ترجمہ: حل اور حرام کا لقطہ برابر ہے۔

حل اور حرم کا لقطہ برابر ہے

تشریح: اگر کسی نے حرم کے اندر سے یا اس کے باہر حل سے کوئی چیز اٹھائی تو دونوں کا حکم تشہیر کے سلسلہ میں برابر رہے گا یعنی اٹھانے والا اس مدت تک اعلان کرے گا جس سے اٹھانے والے کو یہ غالب گمان ہو جائے کہ اب مالک اس کو تلاش نہیں کر رہا ہوگا ایسا نہیں ہے کہ حرم کے لقطہ کی ہمیشہ تشہیر ہی کرتا رہے۔

شوافع کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مالک نہ آجائے اس وقت تک حرم شریف کے لقطہ کی تشہیر کرنی پڑے گی کسی بھی حالت میں اس سے انتفاع جائز نہیں ہے۔

دلیل: وہ تمام احادیث ہیں جن میں حرم کے لقطہ کی ہمیشہ تشہیر کرنے کی تاکید کی گئی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُلْتَقَطُ لُقْطَتُهَا اِلَّا لِمُعَرِّفٍ (بخاری ۳۲۸/۱) مکہ کا لقطہ نہ اٹھائے مگر تشہیر کرنے والے۔

جواب: جن احادیث میں حرم کے لقطہ کی تشہیر کا ذکر ہے وہ مذہب احناف کے مخالف نہیں ہے کیوں کہ کسی بھی لقطہ کو اٹھانے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی وقت ہے جب کہ مقصد تعریف واعلان ہو اگر اپنے استعمال میں لانے کے لئے اٹھا رہا ہے پھر تو جائز ہی نہیں ہے اب وہ لقطہ حل کا ہو یا حرم کا ہو بہر حال تشہیر کی ضرورت ہے کیوں کہ احادیث میں حل وحرم کی تخصیص کے بغیر مطلق لقطہ کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے، کہ اس کی تشہیر کرو اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لقطۃ

الحرم کی تخصیص کی ہے ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اس لقطہ کا مالک عام طور پر نہیں ملتا ہے اس بنا پر کوئی خیال کرسکتا ہے کہ شاید حرم کے لقطہ کی تشہیر کی ضرورت نہیں اس وہم کو دور کرنے کے لئے خاص کر ذکر کر دیا گیا۔

(۱۲/۱۵۸۵) وَاِذَا حَضَرَ الرَّجُلُ فادَّعٰی اَنَّ اللُّقْطَةَ لَهٗ لَم تُدفَعْ اِلَيهِ حَتّٰى يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ.

ترجمہ: اور اگر آیا ایک آدمی اور دعویٰ کیا کہ لقطہ اس کا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ گواہ پیش کردے۔

تشریح: اگر کوئی شخص آکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ لقطہ میرا ہے تو اس پر دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک کہ وہ اس پر گواہ پیش نہ کردے، کیوں کہ وہ خود مدعی ہے اور مدعی کے بیان کی تصدیق بلا گواہ کے نہیں کی جاتی ہے لیکن اگر بغیر گواہ کے قائم کئے ملتقط نے دیدیا تو بھی جائز ہے۔

(۱۳/۱۵۸۶) فَاِنْ اَعْطٰى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَّدْفَعَهَا اِلَيهِ وَلَا يُجْبَرُ عَلٰى ذَالِكَ فِي الْقَضَاءِ.

ترجمہ: پھر اگر وہ اس کی علامت بتادے تو حلال ہے اٹھانے والے کے لئے کہ لقطہ اس کو دے دے اور نہیں مجبور کیا جائے گا اس (دینے) پر قضاءً۔

لقطہ کب مالک کے حوالے کیا جائے

تشریح: اگر مدعی کی ایک گھڑی گم ہوگئی تھی وہ ملتقط کے پاس آکر اس کا ڈیزائن اس کا ڈائل اس کی چین اس کا رنگ اور یہ کہ وہ کس کمپنی کی ہے سب علامات بیان کردے تو ملتقط کے لئے دینا جائز ہے کیوں کہ علامات بیان کرنا حقیقت میں اس بات سے کنایہ ہے کہ تم کو اس بات کا اطمینان ہوجائے کہ یہ چیز واقعتًا اسی کی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص آکر علامات تو بیان کردیتا ہے لیکن آپ کو اس بات کا اطمینان نہیں ہوتا کہ وہ چیز اس کی ہے بلکہ یہ خیال ہو رہا ہے کہ یہ علامات اس نے کہیں اور سے حاصل کرلی ہوں تو اس صورت میں وہ چیز اس کے حوالہ کردینا واجب نہیں قضاء کے طور پر تو اسی وقت مجبور کیا جائیگا جب کہ اس بات پر گواہ قائم کردے کہ وہ چیز اس کی ملکیت ہے امام مالک وشافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص آکر اس چیز کی علامات بیان کردے تو وہ چیز اس کو دے دینا اور اس کے حوالہ کردینا واجب ہے۔

دلیل: حضرت زید بن خالدؓ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی کے لقطہ کا سوال کرنے پر حضورؐ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو پھر اس کا بندھن اور اس کا برتن یاد رکھو (بخاری شریف ۱/۳۲۹)

اس روایت کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لقطہ کا بندھن اور برتن کی پہچان کا حکم دیا ہے اس سے یہی مقصود ہے کہ جو آدمی دعویٰ کرکے اس کو پہچان سکے گا اس کو دے دیا جائے گا گواہ وغیرہ پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جواب: لقطہ اٹھانے والے کو جو بندھن اور برتن کی معرفت کا حکم دیا گیا ہے وہ مدعی کی جانب لوٹانے کے لئے نہیں بلکہ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ لقطہ ملتقط کے مال سے نہ مل جائے اور ایسا نہ ہو جائے کہ مالک کے آنے کے بعد امتیاز ناممکن ہو جائے اس لیے ملتقط کو حکم دیا گیا کہ اس کی امتیازی علامات محفوظ رکھو (تنظیم الاشتات ۲/۱۵۶)

(۱۴/۱۵۸۷) وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقْطَةِ عَلٰى غَنِيٍّ.

ترجمہ: اور خیرات نہ کرے لقطہ مالدار پر۔

تشریح: اگر لقطہ پانے والے کو مالک نہ مل سکے تو اس لقطہ کو کسی مالدار پر صدقہ نہ کرے کیوں کہ صدقہ غرباء اور فقراء پر ہوتا ہے مالدار اس کا محل نہیں ہے۔

(۱۵/۱۵۸۸) وَاِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ اَنْ يَّنْتَفِعَ بِهَا وَاِنْ كَانَ فَقِيْراً فَلَابَاسَ بِاَنْ يَّنْتَفِعَ بِهَا.

ترجمہ: اور اگر ملتقط مالدار ہو تو جائز نہیں ہے اس کو لقطہ سے فائدہ اٹھانا اور اگر فقیر ہو تو فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر چیز کو اٹھانے والا مالدار ہے تو خود اس کو استعمال کرنا جائز نہیں البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو اس چیز کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس امانت رکھ لے کہ جب بھی اس کا مالک آئے گا اس کو دے دوں گا، اور چاہے تو صدقہ کر دے، اور اگر اس چیز کو اٹھانے والا شخص فقیر ہے اور مستحق زکوۃ ہے تو اس کے لئے خود استعمال کرنا جائز ہے۔

یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک ہے، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ لقطہ اٹھانے والا خواہ مالدار ہو یا فقیر ہو ہر صورت میں مدت تعریف کے بعد وہ لقطہ اس کے لئے حلال ہو جاتا ہے، اور اس کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے البتہ لقطہ کو استعمال کر لینے کے بعد اگر مالک آجائے تو اس کو وہ چیز واپس لوٹانی ضروری ہوگی، اور اگر وہ چیز خرچ ہو چکی ہے تو اس کا ضمان مالک کو ادا کرنا ہوگا۔

(۱۶/۱۵۸۹) وَيَجُوْزُ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِهَا اِذَا كَانَ غَنِيًّا عَلٰى اَبِيْهِ وَابْنِهٖ وَاُمِّهٖ وَزَوْجَتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ.

ترجمہ: اور جائز ہے کہ صدقہ کرے لقطہ کو جب کہ خود مالدار ہو اپنے باپ، بیٹے، ماں اور بیوی پر اگر یہ لوگ فقیر ہوں۔

تشریح: لقطہ پانے والا خود مالدار ہے لیکن اس کے والدین بیٹا بیوی غریب ہیں تو یہ ان لوگوں پر لقطہ کا مال صدقہ کر سکتا ہے کیوں کہ جب خود فقیر ہو تو کھا سکتا ہے تو ان لوگوں پر کیوں خرچ نہیں کر سکتا جب کہ یہ لوگ فقیر ہوں۔

☆☆☆

كِتَابُ الْخُنْثٰى

(یہ کتاب خنثیٰ کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح لقطہ اور لقیط کی گمشدگی ظاہر ہے اسی طرح خنثیٰ کے حالات ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے گویا کہ یہ بھی گمشدگی میں ہے۔

لغوی معنی: فُعلیٰ کے وزن پر خنث سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں نرم اور ٹوٹا ہوا۔

وجہ تسمیہ: خنثیٰ کا حال مردوں کے مقابل ناقص اور ٹوٹا ہوا ہے خنثیٰ کی جمع خناثی آتی ہے۔

اصطلاحی تعریف: جس آدمی کے مرد ہونے یا عورت ہونے کا پتہ نہ چلے اس کو خنثیٰ کہتے ہیں، اس کو مرد قرار دیں یا عورت قرار دیں اس باب میں اس کے مسائل بیان کئے جائیں گے۔

(۱/۱۵۹۰) اِذَا كَانَ لِلْمَوْلُوْدِ فَرْجٌ وَذَكَرٌ فَهُوَ خُنْثٰى.

ترجمہ: جب بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ ہجڑا ہے۔

تشریح: جس پیدا ہونے والے بچہ کے عورت جیسی شرمگاہ بھی ہے اور مرد جیسا ذکر ہے، یا صاحب اللباب کے بقول دونوں ہی چیزیں نہیں ہیں بلکہ صرف ایک سوراخ ہے جو نہ فرج کی طرح ہے نہ ذکر کی طرح تو وہ بچہ خنثیٰ کہلائے گا۔

(۲/۱۵۹۱) فَاِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الذَّكَرِ فَهُوَ غُلَامٌ وَاِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ اُنْثٰى.

ترجمہ: اب اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو لڑکا ہے اور اگر فرج سے پیشاب کرے تو وہ لڑکی ہے۔

تشریح: یہ اس باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے کہ پیدا ہونے والے بچہ کیعلامت تو دونوں قسم کی ہیں پس جس عضو سے پیشاب کرے وہی شمار کیا جائے گا، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے بچہ کے بارے میں معلوم کیا گیا جس کو فرج بھی ہو اور ذکر بھی ہو کہ کیسے وارث ہوگا آپؐ نے فرمایا جس سوراخ سے پیشاب کرتا ہو اس اعتبار سے وارث ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق ۳۰۸)

(۳/۱۵۹۲) وَاِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنْهُمَا وَالْبَوْلُ يَسْبِقُ مِنْ اَحَدِهِمَا نُسِبَ اِلَى الْاَسْبَقِ مِنْهُمَا.

حل لغات: یبول: مضارع بولاً پیشاب کرنا۔

ترجمہ: اور اگر دونوں سے پیشاب کرے اور پیشاب ان میں سے ایک سے پہلے نکلے تو ان دونوں میں سے پہلے والے کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

تشریح: دونوں سوراخوں سے پیشاب آتا ہو تو جس سوراخ سے پیشاب پہلے آئے گا وہی شمار ہوگا اگر پہلے ذکر سے آتا ہو تو لڑکا شمار کیا جائے گا اور فرج سے پہلے آتا ہو تو لڑکی شمار کی جائے گی، کیوں کہ یہ اس کے اصلی عضو ہونے کی دلیل ہے۔

(۴/۱۵۹۳) وَاِنْ كَانَا فِي السَّبَقِ سَوَاءٌ فَلا يُعْتَبَرُ بِالْكَثْرَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُنْسَبُ اِلَى اَكْثَرِهِمَا بَوْلاً.

ترجمہ: اور اگر نکلنے میں دونوں برابر ہوں تو کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا منسوب کیا جائے گا اس کی طرف جس سے زیادہ آتا ہو۔

تشریح: اگر دونوں سوراخوں سے پیشاب ایک ساتھ نکلتا ہے لیکن ایک سوراخ سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے اور دوسرے سے کم نکلتا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک کم زیادہ نکلنے سے مذکر یا مونث کو ترجیح نہیں دی جائے گی کیوں کہ سوراخ کے کشادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ آرہا ہے اور تنگ ہونے کی وجہ سے پیشاب کم آرہا ہے یہ عضو کی قوت اور اس کی اصالت کی دلیل نہیں ہے اس لیے امام صاحبؒ کے نزدیک خنثیٰ مشکل ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ ترجیح کا کوئی راستہ نہیں ہے اس لیے پیشاب کے کم اور زیادہ نکلنے کو مذکر اور مونث بنانے کی علت قرار دی جائے گی یعنی اگر ذکر سے زیادہ پیشاب آئے تو لڑکا ہے، اور اگر فرج سے زیادہ آئے تو لڑکی ہے، کیوں کہ یہ کثرت سے آنا اس عضو کے اصلی ہونے کی دلیل ہے، حضرات ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے ان کے نزدیک ابھی یہ خنثیٰ مشکل نہیں ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/۳۵۳)۔

(۵/۱۵۹۴) وَاِذَا بَلَغَ الْخُنْثٰى وَخَرَجَتْ لَهُ لِحْيَةٌ اَوْ وَصَلَ اِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ.

حل لغات: لحية: ڈاڑھی جمع لُحیً.

ترجمہ: اگر خنثیٰ بالغ ہو جائے اور اس کے ڈاڑھی نکل آئے یا وہ عورت سے صحبت کرلے تو وہ مرد ہے۔

تشریح: ماقبل میں جو صورت ذکر کی گئی ہے وہ بلوغیت سے پہلے کی ہے اب اگر خنثیٰ بالغ ہوگیا اور اس کو ڈاڑھی نکل آئی یا اس نے عورت سے صحبت کرلی تو وہ تمام احکامات میں مردوں کے مانند ہے۔

(۶/۱۵۹۵) وَاِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ كَثَدْيِ الْمَرْاَةِ اَوْ نَزَلَ لَبَنٌ لَهُ فِيْ ثَدْيَيْهِ اَوْ حَاضَ اَوْ حَبِلَ اَوْ اَمْكَنَ الْوُصُوْلُ اِلَيْهِ مِنْ جِهَةِ الْفَرْجِ فَهُوَ اِمْرَاَةٌ.

حل لغات: ثدی: پستان (مذکر ومونث) جمع ثُدِيٌّ، لبن: دودھ جمع اَلْبَانٌ. حبل: ماضی باب (س) مصدر حَبَلاً حاملہ ہونا۔ وصل الی النساء: صحبت کرنا۔

ترجمہ: اور اگر ابھر آئی اس کی چھاتی عورت کی چھاتیوں کی طرح، یا اتر آئے دودھ اس کی چھاتیوں میں، یا

حیض آجائے یا حمل رہ جائے یا صحبت ممکن ہو، اس سے فرج کی جانب سے تو وہ عورت ہے۔

تشریح: خنثیٰ کی چھاتیاں عورت کی چھاتیوں کی طرح ابھر آئیں یا اس کی چھاتیوں سے دودھ آنے لگے یا حیض آجائے یا حمل ٹھہر جائے یا اس کی شرمگاہ کی جانب سے صحبت کرنا ممکن ہو جائے، تو اس خنثیٰ کو عورت سے شمار کریں گے۔

(۱۵۹۶/۷) فَاِنْ لَّمْ يَظْهَرْ لَهٗ اِحْدٰى هٰذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثٰى مُشْكِلٌ.

ترجمہ: اگر ظاہر نہ ہو ان علامتوں میں سے کوئی علامت تو وہ خنثیٰ مشکل ہے۔

خنثیٰ کے احکام بالتفصیل

تشریح: مرد یا عورت کی علامتوں میں سے کوئی بھی علامت ظاہر نہ ہو تو اب کسی جانب اس کو ترجیح نہیں دی جاسکتی اس لیے اب وہ خنثیٰ مشکل ہے یعنی اس کا معاملہ مشکل ہے۔

(۱۵۹۷/۸) وَاِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْاِمَامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ.

ترجمہ: اور جب یہ امام کے پیچھے (نماز کے لئے) اٹھے تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے خنثیٰ مشکل کے حکم کو بیان کیا ہے چوں کہ خنثیٰ مشکل نہ مرد ہے نہ عورت اس لیے اب عورت اور مرد کے درمیان ہوگا اور اس پر درمیانی احکام جاری ہوں گے، مسئلہ یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل نماز کے لئے امام کے پیچھے مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو کیوں کہ امور شرعیہ میں خنثیٰ کے متعلق انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور یہاں احتیاط اسی میں ہے کیوں کہ اندیشہ ہے کہ خنثیٰ مردوں کی صف میں کھڑا ہو اور عورت ثابت ہو تو مردوں کی نماز فاسد ہوگی اسی طرح خنثیٰ، عورت کی صف میں کھڑا ہو اور مرد ثابت ہو تو عورتوں کی نماز فاسد ہوگی اس لیے دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔

(۱۵۹۸/۹) وَتُبْتَاعُ لَهٗ اَمَةٌ مِنْ مَالِهٖ تَخْتِنُهٗ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ اِبْتَاعَ لَهُ الْاِمَامُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ اَمَةً فَاِذَا خَتَنَتْهُ بَاعَهَا وَرَدَّ ثَمَنَهَا اِلٰى بَيْتِ الْمَالِ.

ترجمہ: اور خریدی جائے اس کے لئے باندی اس کے مال سے جو اس کی ختنہ کرے اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو خریدے اس کے لئے امام باندی بیت المال سے جب وہ ختنہ کر چکے تو اس کو بیچ دے اور واپس کردے باندی کی قیمت بیت المال کی طرف۔

تشریح: خنثیٰ کے ختنہ کرانے کی ضرورت ہے تو اس کے ستر کو مرد کے لئے دیکھنا جائز ہے کیوں کہ وہ عورت ہے اور عورت کے لئے دیکھنا جائز ہے، کیوں کہ وہ مرد ہے اس لیے حل یہی ہے کہ اگر اس کے پاس مال موجود ہو تو اس سے ایک باندی خریدی جائے اور یہ باندی اس خنثیٰ کی ختنہ کرے کیوں کہ مملوکہ اپنے آقا کی شرمگاہ دیکھ سکتی ہے اب اگر خنثیٰ مرد ہے تب تو کوئی اشکال نہیں کیوں کہ باندی اس کی مملوکہ ہے اور اگر خنثیٰ عورت ہو تب بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ ایک عورت دوسری عورت کی شرمگاہ ضرورت کے وقت دیکھ سکتی ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ خنثیٰ قابل شہوت ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو مرد و عورت دونوں کے لئے ختنہ جائز ہے اور اگر خنثیٰ کے پاس مال نہیں ہے تو حاکم وقت بیت المال سے اس کے لئے ایک باندی خریدے اور ختنہ کے بعد باندی کو بیچ کر اس کی رقم بیت المال میں جمع کر دے کیوں کہ باندی کا خریدنا ضرورت کے تحت تھا اور ختنہ کے بعد ضرورت ختم ہوگئی۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۹)

(۱۵۹۹/۱۰) وَاِنْ مَاتَ اَبُوْهُ وَخَلَفَ اِبْنًا وَخُنْثٰی فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالٰی عَلٰی ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثٰی سَهْمٌ وَهُوَ اُنْثٰی عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالٰی فِی الْمِيْرَاثِ اِلَّا اَنْ يَّثْبُتَ غَيْرُ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور اگر مر جائے اس کا باپ اور چھوڑے ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ تو مال دونوں کے درمیان امام صاحب کے نزدیک تین سہام پر تقسیم ہوگا لڑکے کے لئے دو حصے اور خنثیٰ کے لئے ایک حصہ اور وہ خنثیٰ مونث ہے امام صاحبؒ کے نزدیک میراث میں مگر یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے۔

تشریح: جب یہ خنثیٰ مشکل ہے اب تقسیم میراث کس طرح ہوگی؟ مثلاً والد کا انتقال ہوا والد نے ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ مشکل دو وارث چھوڑے، اب مال کی تقسیم امام صاحبؒ کے نزدیک تین حصوں پر ہوگی بیٹے کو دو حصے اور خنثیٰ کو ایک حصہ یعنی جو لڑکی کو ملتا ہے میراث کے باب میں آپؒ نے اس کو مونث (عورت) کا حکم دیا ہے، صاحب قدوریؒ کا قول اِلَّا اَنْ يَّثْبُتَ الخ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی علامتِ ظاہرہ نہ ہو جس سے مذکر ہونے یا مونث ہونے پر دلالت کرے اس وقت تک تو یہ میراث کے باب میں مونث کے ہی حکم میں رہے گی لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصہ سے زائد ہے تو پھر اس صورت میں خنثیٰ کو مذکر کا حصہ ملے گا مثلاً ایک عورت کا انتقال ہو گیا اس نے شوہر والدین، اور خنثیٰ چھوڑا تو مال متروکہ ان کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا تین حصہ شوہر کے چار حصے والدین کے اور پانچ حصے خنثیٰ کے اگر خنثیٰ انثیٰ ہوتا تو اس کے لئے چھ حصے ہوتے۔

(۱۶۰۰/۱۱) وَقَالَا لِلْخُنْثٰی نِصْفُ مِيْرَاثِ الذَّكَرِ وَنِصْفُ مِيْرَاثِ الْاُنْثٰی وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِیِّ.

ترجمہ: اور صاحبین نے فرمایا خنثیٰ کے لئے مذکر کی میراث کا آدھا اور مونث کی میراث کا آدھا ہوگا اور یہی قول ہے امام شعبی کا۔

تشریح: صاحبین کے نزدیک خنثیٰ کو میراث میں بھی مذکر اور مونث کے درمیان رکھیں گے اور اس کا حساب اس طرح کیا جائے گا کہ مذکر کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور مونث کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور دونوں حصوں کو ملا کر خنثیٰ کو دیا جائے جس سے مونث سے زیادہ اور مذکر سے کم ہو جائے گا۔

(۱۶۰۱/۱۲) وَاخْتَلَفَا فِيْ قِيَاسِ قَوْلِهٖ فَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلٰى سَبْعَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ اَرْبَعَةٌ وَلِلْخُنْثٰى ثَلٰثَةٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اَلْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلٰى اِثْنَاعَشَرَ سَهْمًا لِلْاِبْنِ سَبْعَةٌ وَلِلْخُنْثٰى خَمْسَةٌ.

ترجمہ: اور اختلاف کیا صاحبین نے امام شعبیؒ کے قول کے قیاس میں چناں چہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مال ان کے درمیان سات حصوں پر تقسیم ہوگا بیٹے کے لئے چار اور خنثیٰ کے لئے تین اور فرمایا امام محمد نے کہ مال ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا بیٹے کے لئے سات اور خنثیٰ کے لئے پانچ۔

تشریح: امام ابو یوسف نے بیٹے اور خنثیٰ میں سے ہر ایک کے اس حصہ کا اعتبار کیا ہے جو ان کے لئے تنہا ہونے کی حالت میں ہے یعنی اگر وارث تنہا بیٹا ہو تو اس کو پورا مال ملتا ہے اور اگر تنہا خنثیٰ ہو تو اس کے مذکر ہونے کی صورت میں پورا مال ملتا ہے اور مونث ہونے کی صورت میں آدھا مال ملتا ہے چناں چہ خنثیٰ کو کل مال کا آدھا اور آدھے کا آدھا جو ہوگا وہ دیا جائے گا اس لیے پورے مال کے چار حصے بنائیں تو خنثیٰ کو پورے چار حصے کا آدھا دو حصے ملیں گے اور خنثیٰ کو لڑکی کے حصوں کا بھی آدھا ملتا ہے اس لیے دو حصوں کا آدھا ایک حصہ ہوا تو گویا خنثیٰ کو چار حصوں میں سے تین حصے ملیں گے اور لڑکے کو چار حصے ملیں گے اور دونوں کو ملا کر مجموعہ سات حصے سے باپ کا مال تقسیم ہوگا مثلاً باپ کی کل جائداد سو درہم ہو تو ان میں سے خنثیٰ کو ۴۲ ردرہم اور ۸۵ ر پیسے ملیں گے، اور اگر خنثیٰ کے ساتھ لڑکا ہو تو لڑکے کو ان میں سے ۵۷ درہم اور ۱۴ پیسے ملیں گے۔

امام شعبیؒ کے قول کی تشریح امام محمدؒ نے اس طرح کی ہے کہ امام محمد نے لڑکے اور خنثیٰ کے اس حصہ کا اعتبار کیا ہے جو ان کو بحالت اجتماع ملتا ہے اس کی صورت اس طرح ہے کہ اگر بیٹے کے ساتھ خنثیٰ مذکر ہو تو کل مال دونوں کو آدھا آدھا ملے گا اور اگر ایک لڑکا ہے اور خنثیٰ کو لڑکی مانیں تو لڑکے کو دو تہائی اور خنثیٰ کو ایک تہائی ملے گا تو خنثیٰ کے مذکر ہونے کی صورت میں تقسیم دو سے ہوگی اور مونث ہونے کی صورت میں تقسیم تین سے ہوگی دو اور تین میں موافقت نہیں ہے اس لیے ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دی جائے گی ضرب دینے سے چھ آئے گا جس میں سے خنثیٰ کے لئے اس کے مونث ہونے کی صورت پر دو حصہ ہوتے ہیں اور مذکر ہونے کی صورت پر تین تو اس کو ان دونوں حصوں کا آدھا ملے گا اب دو کا آدھا ایک بلا کسر صحیح ہے لیکن تین کا آدھا بلا کسر صحیح نہیں اس لیے چھ کو دو میں ضرب دیں گے جس کا مبلغ بارہ ۱۲ ہوتا ہے اب بارہ میں سے خنثیٰ کے لئے مذکر ہونے کی صورت میں چھ حصے ہوتے ہیں، اور مونث ہونے کی صورت میں چار چنانچہ

خنثیٰ کو ان دونوں کا نصف ملے گا یعنی پانچ۔
صورت مسئلہ مندرجہ ذیل نقشہ سے ملاحظہ فرمائیں:

نقشہ

مسئلہ (۱)		مسئلہ (۲)	
لڑکا	خنثیٰ (لڑکا مان لیں)	لڑکا	خنثیٰ (لڑکی مان لیں)
۱	۱	۲	۱
۳	۳	۴	۲
٦	٦	۸	۴
لڑکے کا حصہ		خنثیٰ کا حصہ	
پہلے سے ٦		پہلے سے ٦	
دوسرے سے ۸		دوسرے سے ۴	
۱۴÷۲=۷		۱۰÷۲=۵	

اس نقشہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ لڑکے کے ساتھ پہلے نمبر میں خنثیٰ کو لڑکا مانا اس لیے دونوں کو آدھا آدھا ملا اور اصل مسئلہ دو سے چلایا اور دونوں کو ایک ایک دے دیا، اور مسئلہ نمبر دو میں لڑکے کے ساتھ خنثیٰ کو لڑکی مانا اور لڑکے کو دو تہائی اور لڑکی کو ایک تہائی دیا اور اصل مسئلہ تین سے چلایا اب پہلا مسئلہ دو سے اور دوسرا مسئلہ تین سے چلایا ہے اور دونوں میں موافقت نہیں ہے اس لیے ۲ کو ۳ میں ضرب دیا اور ٦ سے اصل مسئلہ چلایا پہلے اب مسئلہ میں لڑکا اور خنثیٰ کو تین تین مل گئے اور دوسرے میں لڑکے کو ٦ میں سے ۴ اور خنثیٰ کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ٦ میں سے ۲ ملے اس صورت میں خنثیٰ کو پہلے مسئلہ میں ۳ ملے اس کا آدھا ڈیڑھ ہوگا اور اب کسر واقع ہوئی ہے لہٰذا صحیح عدد پر لانے کے لئے اصل مسئلہ ٦ کو ۲ سے ضرب دیا اور مسئلہ ۱۲ سے چلایا اس صورت میں پہلے مسئلہ میں لڑکے کو ۱۲ میں سے ٦ ملے اور خنثیٰ کو لڑکا ماننے کی وجہ سے ٦ ملے اور دوسرے مسئلہ میں لڑکے کو ۱۲ میں سے دو تہائی یعنی ۸ ملے اور خنثیٰ کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ۴ ملے اب لڑکے کے لئے پہلے مسئلہ میں سے ملے ہوئے ٦ اور دوسرے مسئلہ میں ملے ہوئے ۸ کو جمع کریں تو ۱۴ حصے ہوئے اس کا آدھا کریں گے اور ۱۴ کو ۲ سے تقسیم کریں گے تو ۷ حصے نکلیں گے جو لڑکے کو ملیں گے اور خنثیٰ کو پہلے مسئلہ میں ٦ ؍ اور دوسرے میں ۴ ؍ ملے ہیں اس لیے دونوں کو جمع کر کے ۱۰ ہوں گے کلکیولیٹر کے حساب سے اور ۱۰ کا آدھا کریں گے تو ۵ نکلیں گے جو خنثیٰ کے حصے ہوں گے یعنی اگر باپ کی کل جائداد ۱۰۰ درہم ہوں تو لڑکے کو ان میں سے ۵۸ درہم اور ۳۳ پیسے ملیں گے اور خنثیٰ کو ۴۱ درہم اور ٦٦ پیسے ملیں گے نقشہ یہ ہے:

(۱)		(۲)	
۱۰۰		۱۰۰	
لڑکا	خنثیٰ (لڑکا مان لیں)	لڑکا	خنثیٰ (لڑکی مانیں)
۵۰	۵۰	۶۶/۶۶۶	۳۳/۳۳۳
لڑکے کا حصہ		خنثیٰ کا حصہ	
پہلے مسئلہ میں ۵۰		پہلے مسئلہ میں ۵۰	
دوسرے میں	۶۶/۶۶۶	دوسرے میں ۳۳۳/ ۳۳	
مجموعہ	۱۱۶/۶۶۶	مجموعہ ۸۳/۳۳۳	
تقسیم ۵۸/۳۳=۲÷۱۱۶/۶۶۶		تقسیم کیا=۴۱/۶۶=۲÷۸۳/۳۳	

تنبیہ: امام شعبیؒ کا قول چوں کہ مبہم ہے اس لیے اس قول کی تفسیر میں صاحبین کا اختلاف ہوگیا یہ مطلب نہیں کہ جو تفسیر انہوں نے ذکر کی ہے وہ خود ان کا قول ہے، بلکہ صاحبین کا قول وہی ہے جو امام صاحب کا ماقبل میں آچکا ہے، (رقم الحاشیہ ۷)

كِتَابُ الْمَفْقُوْدِ

(یہ کتاب مفقود کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: مفقود اسم مفعول یعنی معدوم (لا پتہ) یہ مشتق ہے فَقَدتِ الشَّيءُ سے جب کسی چیز کو تلاش کیا جائے اور وہ نہ ملے جس طرح نوزائدہ بچہ کا مرد وعورت ہونا نامعلوم ہے اور وہ خنثیٰ مشکل کے حکم میں ہوا، اسی طرح یہ بھی مفقود الحال ہوا اس مناسبت سے کتاب المفقود کو یہاں بیان کیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جو ایسی جگہ نکل کر گم ہو جائے کہ لوگوں کو اس کی سمت، اس کی جگہ، اس کی موت، اور اس کی زندگی کا پتہ نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ دشمنوں نے اس کو اپنی حراست میں لے لیا یا اس کو قتل کر دیا۔ (الجوہرۃ ۲/۵۱)

مفقود کی بیوی اور اس کے مال پر کیا احکامات جاری ہوں گے، اس باب میں صاحب کتاب یہی بیان کریں گے۔

(۱۶۰۲/۱) اِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضَعٌ وَلاَ يُعْلَمُ اَحَيٌّ هُوَ اَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِيْ مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُوْمُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: جب غائب ہو جائے کوئی شخص اور اس کی جگہ معلوم نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا تو

متعین کردے قاضی ایسے شخص کو جو حفاظت کرے اس کے مال کی اور اس کا انتظام رکھے۔

مفقود الحال کے احکام کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدروریؒ نے مفقود کی تعریف اور مفقود کی گمشدگی کی حالت میں قاضی وقت کی کیا ذمہ داری ہے اس کو بیان کیا ہے چناں چہ فرمایا کہ کوئی آدمی اس طرح غائب ہوگیا کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو اب قاضی کسی آدمی کو متعین کردے تا کہ وہ اس کے مال کی حفاظت کرے اور اس کی نگرانی کرے۔

(۲/۱۶۰۳) وَيَسْتَوْفِي حُقُوْقَهُ.

ترجمہ: اور اس کے حقوق وصول کرے۔

تشریح: مفقود کا کسی پر قرض ہو یا کوئی حق ہو تو متعین کردہ آدمی وہ قرض وصول کرے گا، اور دوسرے حقوق وصول کرے گا اور ان کو مفقود کے لئے محفوظ رکھے گا۔

(۳/۱۶۰۴) وَيُنْفِقُ عَلٰى زَوْجَتِهٖ وَاَوْلَادِهِ الصِّغَارِ مِنْ مَالِهٖ.

ترجمہ: اور خرچ کرے اس کی بیوی اور اس کے چھوٹے بچوں پر اس کے مال میں سے۔

تشریح: مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی اور اس کے چھوٹے بچوں پر خرچ کرے، اور یہ حکم والدین، دادا، پوتے، پڑپوتے وغیرہ کو بھی شامل ہے، اور اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ اس شخص کی موجودگی میں قاضی کے حکم کے بغیر نفقہ کے مستحق تھے ان پر مفقود کی گمشدگی میں بھی اس کے مال سے خرچ کرے (اللباب ۲/۱۲۵)

(۴/۱۶۰۵) وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهٖ فَاِذَا تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ سَنَةً مِّنْ يَوْمِ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهٖ وَاعْتَدَّتِ امْرَأَتُهٗ.

ترجمہ: اور تفریق نہ کرائے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان پھر جب پورے ہو جائیں ایک سو بیس سال اس کی پیدائش کے دن سے تو ہم حکم لگا دیں گے اس کی موت کا اور اب عدت میں بیٹھے گی اس کی بیوی۔

تشریح: جب تک کوئی حتمی (یقینی) بات نہ ہو جائے مثلاً موت کی خبر نہ آجائے یا طلاق نہ ہو جائے اس وقت تک مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، چوں کہ زیادہ سے زیادہ آدمی ایک سو بیس سال زندہ رہتا ہے اس لیے پیدائش سے لے کر ایک سو بیس سال گذر جائیں تو اب حکم لگا دیا جائے گا کہ وہ مر گیا ہے اور اس وقت اس کی بیوی عدت وفات گذارے گی، یہ امام صاحبؒ سے حسن کی روایت ہے حنفیہ کے نزدیک مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ مفقود کی

عمر ۹۰ سال مکمل ہونے تک انتظار کیا جائے اور اتنی مدت تک مفقود کی بیوی دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی ہے، جب کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک حاکم کے پاس مقدمہ دائر کرنے کے بعد چار سال تک انتظار کر لینا کافی ہے اس کے بعد حاکم مسلم یا جماعت مسلمین مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دے گی اور اس کے بعد مفقود کی بیوی عدت وفات گذار کر اپنی مرضی سے دوسری جگہ نکاح کر کے باعصمت زندگی گذار سکتی ہے مگر حالات کی پیچیدگی اور فتنوں پر نظر رکھتے ہوئے اور ستم رسیدہ عورت کی شدت ضرورت کی وجہ سے مسلک حنفی سے بعد کے علماء نے عدول کر کے اس مسئلہ کو حضرت امام مالکؒ کے مذہب سے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (درمختار مع الشامی ۳/ ۴۵۷)

اس کی تفصیل مع شرائط کے الحیلۃ الناجزہ ص: ۶۹ تا ۷۵ اور بوادر النوادر ۲۲۰ میں وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

(۱۶۰۶/ ۵) وَقُسِّمَ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ.

ترجمه: اور تقسیم کیا جائے گا اس کا مال اس کے ورثہ میں جو اس وقت موجود ہوں۔

تشریح: مفقود اپنی ذات کے حق میں زندہ ہے مگر جب قاضی نے اس پر موت کا حکم لگا دیا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ ابھی وفات ہوئی ہے اس لیے اس وقت جتنے ورثہ موجود ہوں گے ان میں اس کا مال تقسیم کیا جائے گا۔

(۱۶۰۷/ ۶) وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ قَبْلَ ذَالِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ شَيئاً.

ترجمه: اور جو ان میں سے مر گیا اس سے پہلے ہی تو وہ وارث نہ ہوگا اس کا کسی بھی چیز کا۔

تشریح: مفقود پر موت کا حکم لگانے سے پہلے جو ورثہ مر جائیں وہ مفقود کے کسی مال کے وارث نہ ہوں گے کیوں کہ ابھی وہ زندہ ہے اور زندہ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

(۱۶۰۸/ ۷) وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُوْدُ مِنْ اَحَدٍ مَاتَ فِيْ حَالِ فَقْدِهٖ.

ترجمه: اور وارث نہیں ہوتا مفقود ان میں سے کسی کا جو مر گئے ہوں اس کے گم ہونے کی حالت میں۔

تشریح: مثلاً ۲۰۰۶ء کی پہلی تاریخ کو مفقود ہو گیا اور چار سال بعد اس پر موت کا حکم لگا دیا تو ۲۰۰۹ء تک جو لوگ مفقود کے مورثین میں سے مر گئے ان میں سے یہ کسی کا وارث نہ ہوگا کیوں کہ ۲۰۰۶ء کی یکم جنوری سے ہی اس کی زندگی مشتبہ ہے اور وارث بننے کے لئے مورث کی موت کا یقینی ہونا اور وارث کی زندگی کا یقینی ہونا ضروری ہے اس لیے یہ مفقود کسی رشتہ دار کا وارث نہ ہوگا۔

کِتَابُ الاَبَاق

(یہ کتاب غلام کے بھاگ جانے کے احکامات کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح مفقود میں زوال اور نقصان ہے اسی طرح اباق میں ایک قسم کا زوال اور نقصان ہے اس اعتبار سے دونوں میں مناسبت ہے۔

لغوی تحقیق: الاباق مصدر ہے باب (ن، س، ض) غلام کا بھاگنا، سرکشی کرنا۔

اصطلاحی تعریف: غلام اور باندی کے اپنے آقا سے ازراہ شرارت بھاگنے کو اباق کہتے ہیں، بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر اس کے مالک تک پہنچانا مستحب ہے صرف ایسے شخص کے لئے جو اس کی حفاظت پر قادر ہو اور اس کو مالک تک پہنچا سکے ورنہ مستحب نہیں ہے صاحب جوہرہ نے لکھا ہے کہ آبق اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا سے بغیر کسی ظلم وزیادتی کے بھاگ جائے لیکن اگر آقا کے ظلم وزیادتی سے بھاگتا ہے تو اس کو ھارب کہیں گے اباق عیب ہے ہرب عیب نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۵۲)

نوٹ: جو غلام آقا کے قبضہ سے بھاگ جائے تو جو آدمی اس کو پکڑ کر لائے گا اس لانے والے کو انعام ملے گا اس کو جُعل کہتے ہیں۔

(۱۲۰۹/۱) اِذَا اَبِقَ الْمَمْلُوْكُ فَرَدَّهُ رَجُلٌ عَلٰى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِداً فَلَهُ عَلَيْهِ جُعْلُهُ وَهُوَ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَماً وَاِنْ رَدَّهُ لِاَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ فَبِحِسَابِهٖ.

ترجمہ: جب بھاگ جائے غلام اور واپس لائے اس کو کوئی آدمی اس کے آقا کے پاس تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے تو اس شخص کے لئے آقا کے ذمہ اس کی مزدوری ہے اور وہ چالیس درہم ہیں اور اگر اس سے کم مسافت سے لائے تو اسی حساب سے ہوگی۔

جو بھگوڑے غلام کو پکڑ کر لائے اسے کتنی مزدوری ملے گی؟

تشریح: اگر کوئی غلام بھاگ گیا اور ایک آدمی اس کو تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے پکڑ کر لایا اور مالک کے حوالہ کر دیا تو اس لانے والے کو چالیس درہم اجرت دی جائے گی اور اگر اس سے کم مسافت سے پکڑ کر لایا تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی۔

دلیل: نفس مزدوری پر صحابہؓ کا اتفاق ہے صرف مقدار میں اختلاف ہے حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ بھاگا ہوا غلام حرم میں پائے تو اس کے لئے دس درہم ہیں، ابو عمرو شیبانی کے اثر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے

فرمایا اربعون درهماً من کل رأس یعنی چالیس درہم ہر آدمی کا (مصنف عبدالرزاق ۲۰۸/۸) اس لیے ہم نے مسافت سفر میں چالیس اور اس سے کم میں کم واجب کیے یعنی اگر مدت مسافت ایک دن ہے تو اس کی اجرت تیرہ درہم اور ایک درہم کا تہائی، بعض مشائخ کا قول ہے کہ آقا اور لانے والے کی آپس کی رضامندی سے اجرت طے ہوگی اور بعض کا خیال ہے کہ حاکم وقت کی رائے کے مطابق اجرت دی جائے گی فتویٰ اسی پر ہے (رقم الحاشیہ ۲)

(۲/۱۶۱۰) وَاِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهٗ اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً قُضِيَ لَهٗ بِقِيْمَتِهٖ اِلَّا دِرْهَماً.

ترجمہ: اور اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو اس کی قیمت کا فیصلہ ہوگا ایک درہم کم کر کے۔

تشریح: غلام کی قیمت تیس درہم تھی اور واپس لانے والا تین دن کی مسافت سے واپس لایا ہے اس لیے اس کو چالیس درہم ملنے چاہئیں اب اگر مالک پر چالیس درہم لازم کرتے ہیں تو تیس درہم غلام کے بدلہ چالیس درہم دینے پڑ رہے ہیں، جو مالک پر بوجھ ہوگا اس لیے غلام کی جتنی قیمت ہے اس سے ایک درہم کم کر کے فیصلہ کریں گے مثلاً انتیس درہم دلوائیں گے تا کہ واپس لانے والے کو مزدوری بھی مل جائے اور مالک پر بوجھ بھی نہ پڑے یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ چالیس درہم ہی لازم کریں گے۔

(۳/۱۶۱۱) وَاِنْ اَبَقَ مِنَ الَّذِيْ رَدَّهٗ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَلَا جُعْلَ لَهٗ.

ترجمہ: اور اگر بھاگ جائے واپس لانے والے سے بھی تو اس پر کچھ نہیں ہے اور نہ اس کیلئے مزدوری ہے۔

تشریح: جو آدمی غلام کو واپس لا رہا تھا اس کے ہاتھ سے بھی غلام بھاگ گیا تو اس پر غلام کا ضمان نہیں ہے کیوں کہ غلام اس کے پاس امانت تھا، اور امانت میں بلا تعدی تاوان نہیں ہوتا، ہاں اگر وہ اپنے ذاتی کام میں لگائے اور غلام بھاگ جائے تو ضامن ہوگا، امانت کا حکم اس شرط پر ہے کہ اس نے پکڑتے وقت گواہ بنالئے ہوں اگر گواہ نہیں بنایا تو طرفین کے نزدیک غلام بھاگ جانے کی صورت میں ضمان لازم آئے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک کوئی ضمان نہیں ہے، اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ واپس لانے والے کو مزدوری بھی نہیں ملے گی کیوں کہ جب واپس لاکر مالک کے حوالہ ہی نہیں کیا تو مزدوری کیسی؟

(۴/۱۶۱۲) وَيَنْبَغِيْ اَنْ يُّشْهِدَ اِذَا اَخَذَهٗ اَنَّهٗ يَاْخُذُ لِيَرُدَّ عَلٰى صَاحِبِهٖ.

ترجمہ: اور مناسب ہے کہ گواہ بنائے جب اس کو پکڑے کہ پکڑا ہے تا کہ اس کے مالک کو لوٹائے۔

تشریح: مصنفؒ اس عبارت میں یہ بیان کررہے ہیں، کہ گرفتار کرنے والے کو چاہئے کہ بھگوڑے غلام کو پکڑتے وقت کسی کو اس بات کا گواہ بنالے کہ میرے پکڑنے کا مقصد اس کو مالک تک پہنچانا ہے کیوں کہ گواہ بنانے سے یہ تہمت نہیں رہے گی کہ اس نے اپنے لئے پکڑا ہے کیوں کہ اگر اپنے لئے پکڑا ہوتو پکڑنے والا مزدوری کا مستحق نہیں

طرفین کے نزدیک گواہ بنانا واجب ہے کیوں کہ اگر گواہ نہیں بنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے پکڑا ہے لہٰذا مزدوری بھی نہ ملے گی (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۵۳)

(۱۶۱۳/۷) فَإِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْآبِقُ رَهْناً فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ.

ترجمہ: اگر بھاگنے والا غلام رہن تھا تو مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

تشریح: اگر بھاگنے والا غلام کسی کے پاس رہن تھا تو واپس لانے والے کی مزدوری مرتہن کے ذمہ ہوگی البتہ شرط یہ ہے کہ اس غلام کی قیمت قرض کے برابر یا اس سے کم ہو اگر قیمت قرض سے زائد ہوگی تو مرتہن کے ذمہ قرض کے بقدر واجب ہوگی اور باقی مزدوری راہن کے ذمہ ہوگی کیوں کہ مرتہن کا حق اسی قدر ہے جس قدر اس کی ضمانت میں ہے۔

مرتہن کے ذمہ مزدوری اس وجہ سے ہوگی کہ مرتہن کا مال راہن کے یہاں پھنسا پڑا ہے جو بھگوڑے غلام کو واپس لایا ہے گویا اس نے مرتہن کے قرض کو بچایا اگر وہ واپس نہ لاتا تو مرتہن کے قرض کے ہلاک ہونے میں کیا کسر رہ گئی تھی اس لیے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی (رقم الحاشیہ ۵)

كِتَابُ اِحْيَاءِ الْمَوَاتِ

(یہ کتاب مردہ زمین کو زندہ کرنے کے احکامات کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح بھگوڑا غلام جب تک اپنی اصلی حالت پر نہ پہنچے اس وقت تک وہ موت کے مانند ہے اسی طرح زمین کا اپنی اصلی حالت (کھیتی کے قابل ہونا) پر نہ ہونا زمین کا مردہ ہونا ہے اس مناسبت کی وجہ سے کتاب الآباق کے بعد کتاب احیاء الموات لارہے ہیں۔

لغوی تحقیق: اِحیاءٌ مصدر ہے زندہ کرنا، نا قابل انتفاع زمین کو قابل انتفاع بنانا۔

مَوَات: میم کے فتحہ اور واؤ کی تخفیف کے ساتھ فعال کے وزن پر ہے مشتق ہے موت سے، ایسی زمین جس میں روح نہ ہو یا ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو۔

اصطلاحی تعریف: جو زمین کھیتی کے قابل نہ ہو اسے کھیتی کے قابل بنانے کو احیاء الموات کہتے ہیں اس کا ثبوت حدیث کے اس ٹکڑے میں ہے وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ اَحْيٰ اَرْضاً مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ (بخاری ۱/۳۱۴) حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے مردہ زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہے۔

(۱۶۱۴/۱) اَلْمَوَاتُ مَالَايُنْتَفَعُ بِهِ مِنَ الْاَرْضِ لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ اَوْ لِغَلَبَةِ الْمَاءِ عَلَيْهِ اَوْ مَا اَشْبَهَ ذَالِكَ مِمَّا يَمْنَعُ الزِّرَاعَةَ.

حل لغات: الزراعة: کاشت کاری۔

ترجمه: موات وہ زمین ہے جس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے اس سے پانی کے بند ہوجانے یا اس پر پانی کے زیادہ آجانے یا اسی جیسے کسی اور سبب سے جو کاشت کاری کو روکتا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ارض موات کی تعریف بیان کی ہے موات اس زمین کو کہتے ہیں جس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے، یا تو اس وجہ سے کہ وہاں پانی کی رسائی نہیں ہے، یا اس وجہ سے کہ اس پر بار بار سیلاب آتا ہے اور پانی بہت زیادہ ہوجاتا ہے، یا کوئی اور وجہ ہو جس کی وجہ سے کھیتی کرنا دشوار ہو، تو اس زمین کو مردہ زمین اور موات زمین کہتے ہیں۔

(۲/۱۶۱۵) فَمَا كَانَ مِنْهَا عَادِيًا لَامَالِكَ لَهُ أَوْ كَانَ مَمْلُوكاً فِي الْإِسْلَامِ لَايُعْرَفُ لَهُ مَالِكٌ بِعَيْنِهِ وَهُوَ بَعِيْدٌ مِّنَ الْقَرْيَةِ بِحَيْثُ إِذَا وَقَفَ إِنْسَانٌ فِيْ أَقْصَى الْعَامِرِ فَصَاحَ لَمْ يُسْمَعِ الصَّوْتُ فِيْهِ فَهُوَ مَوَاتٌ.

حل لغات: عادیا: پرانی چیز جمع عادیّات، قریة: گاؤں بستی جمع قُریٰ، اقصٰی اسم تفضیل زیادہ دور، انتہاء، العامر: آبادجگہ، صاح: ماضی باب (ض) صَیحاً چلانا آواز لگانا۔

ترجمه: لہٰذا جو زمین پرانے زمانہ سے (ویران) ہو اس کا کوئی مالک نہ ہو یا زمانہ اسلام میں **مملوک تھی لیکن** اس کا کوئی خاص مالک معلوم نہ ہو اور وہ زمین آبادی سے اتنی دور ہو کہ اگر کوئی انسان آبادی کے آخری کنارے پر کھڑا ہو کر آواز لگائے تو اس زمین میں آواز سنائی نہ دے تو وہ موات ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ نے موات زمین کی دوسری اور تیسری تعریف بیان کی ہے چناں چہ فرمایا کہ موات زمین اسے کہیں گے جو قدیم زمانہ سے اسی طرح ناکارہ (بنجر) پڑی ہوئی ہے اور اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو یا زمانہ اسلام میں اس کا کوئی مالک تو بنا تھا لیکن اب دور دور تک مالک کا کچھ پتہ نہیں ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ موات آبادی سے دوری پر ہو جس کی مقدار کا اندازہ اس طرح پر ہوگا کہ اگر ایک شخص درمیانی آواز رکھنے والا آبادی کے آخری حصہ پر کھڑا ہو کر زور سے آواز لگائے تو اس مردہ زمین تک آواز نہ جاتی ہو تو ایسی زمین کو موات کہتے ہیں۔

مصنفؒ نے بعید من القریة: کی قید لگا کر یہ اشارہ دیا ہے کہ ارض موات کے لئے شرط ہے کہ وہ آبادی سے دور ہو یہی شرط امام ابو یوسف کے نزدیک ہے، امام محمد اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ آبادی والوں کا اس زمین سے منتفع نہ ہونا شرط ہے خواہ وہ زمین آبادی سے دور ہو یا قریب، ظاہر الروایة میں بھی یہی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

(۳/۱۶۱۶) مَنْ أَحْيَاهُ بِإِذْنِ الْإِمَامِ مَلَكَهُ وَإِنْ أَحْيَاهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَمْ يَمْلِكْهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَمْلِكُهُ.

ترجمه: جس نے آباد کیا اس کو حاکم کی اجازت سے تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا اور اگر آباد کرے اس کو بغیر

حاکم کی اجازت کے تو مالک نہیں ہوگا امام صاحبؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

تشریح: اگر کوئی شخص ویران زمین کو حاکم کی اجازت سے کھیتی کے قابل بناتا ہے تو بالاتفاق وہ شخص اس زمین کا مالک ہو جائے گا لیکن اگر حاکم کی اجازت کے بغیر کھیتی کے قابل بنایا تو اب مالک ہوگا یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ کی اجازت سے آباد کرے تو مالک بن جائے گا اور اگر بغیر بادشاہ کی اجازت کے آباد کرلیا تو مالک نہیں بنے گا امام صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر چہ احیاء ملکیت کا سبب ہے لیکن اس میں لوگوں کے جھگڑوں کا اندیشہ ہے مثلاً ایک ہی زمین کے احیاء کے لئے دو آدمی پہنچ گئے اور آپس میں جھگڑا ہو گیا اس لیے یہ ضروری ہے کہ احیاء کو ملکیت کا سبب بنانے کے لئے کچھ قواعد کا پابند کیا جائے اور ان قواعد میں بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ وہ احیاء بادشاہ کی اجازت سے ہو تاکہ جھگڑوں کا دروازہ بند ہو جائے اس دور میں حکومت کے رجسٹریشن کے بغیر لوگ زمین اور جائداد کے مالک نہیں ہوں گے (۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ بغیر امام کی اجازت کے مردہ زمین کو آباد کرلیا تب بھی مالک ہو جائے گا ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے، مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو زمین آبادی کے قریب ہو یعنی اہل آبادی اس کی جانب محتاج ہوں، مثلاً گاؤں والوں کی چراگاہ ہو یا قبرستان ہو یا اس میں گھوڑ دوڑ کا میدان ہو تو ایسی زمین کے احیاء کے بعد بغیر امام کی اجازت کے مالک نہ ہوگا ورنہ بستی والوں کے نقصان کا خطرہ ہے۔

(۱۶۱۷/۴) وَيَمْلِكُهُ الذِّمِّيُّ بِالْإِحْيَاءِ كَمَا يَمْلِكُهُ الْمُسْلِمُ.

ترجمہ: اور مالک ہو جائے گا ذمی آباد کرنے سے جیسے مسلمان مالک ہو جاتا ہے۔

تشریح: جس طرح ایک مسلمان شخص مردہ زمین کو آباد کرلے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح ایک ذمی شخص بھی مردہ زمین کو آباد کرلے تو وہ بھی مالک ہو جائے گا، کیوں کہ آباد کرنا ملکیت کا سبب ہے مگر امام صاحب کے نزدیک حاکم کی اجازت شرط ہے۔

(۱۶۱۸/۵) وَمَنْ حَجَّرَ اَرْضاً وَلَمْ يَعْمُرْهَا ثَلٰثَ سِنِيْنَ اَخَذَهَا الْاِمَامُ مِنْهُ وَدَفَعَهَا اِلٰى غَيْرِهٖ.

حل لغات: حجر: یہ جیم کی تشدید اور بغیر تشدید دونوں طرح منقول ہیں اگر تشدید کے ساتھ ہو تو ترجمہ ہوگا زمین کے چاروں طرف پتھر وغیرہ رکھ کر کوئی علامت لگانا اور اگر بلا تشدید ہے تو ترجمہ ہوگا دوسروں کو اس زمین سے روکنا مگر یہاں بالتشدید اولی ہے۔

ترجمہ: کسی نے زمین میں پتھر کا نشان لگایا اور نہیں آباد کیا اس کو تین سال تک تو لے لے گا امام اس زمین کو اس سے اور دوسرے کو دے دے گا۔

تشریح: اگر کسی شخص نے زمین کے چاروں طرف پتھر لگا کر اس کو گھیر لیا لیکن نہ تو اس میں تعمیر کی نہ درخت

لگائے نہ کھیتی کی تو اس صورت میں صرف تحجیر کرنے سے ملکیت تو ثابت نہیں ہوتی لیکن تحجیر کرنے والے کا حق ثابت ہو جاتا ہے، لہٰذا تحجیر کرنے کے بعد احیاء کرنے کا حق اسی شخص کو ہوگا جس نے تحجیر کی ہے اب دوسرا شخص آکر اس کا احیاء نہیں کر سکتا البتہ تحجیر کرنے والے کو احیاء کا یہ حق صرف تین سال تک رہے گا اگر تین سال کے اندر اندر اس نے اس زمین کو آباد کرلیا تو وہ مالک بن جائے گا اور اگر تین سال تک آباد نہیں کیا تو اب اس کا حق ختم ہو جائے گا اور اب دوسرے لوگوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس زمین کو آباد کرلیں۔

(۱۶۱۹/۶) وَلَا يَجُوْزُ اِحْيَاءُ مَاقَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ وَيُتْرَكُ مَرْعىً لِاَهْلِ الْقَرْيَةِ وَمَطْرَحاً لِحَصَائِدِهِمْ.

حل لغات: مرعیً: چرنے کی جگہ رعیٌ سے مشتق ہے، مطرحاً: ڈالنے کی جگہ جمع مَطارِحُ، حصائد یہ حصیدۃ کی جمع ہے کٹی ہوئی کھیتی۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے آباد کرنا اس زمین کا جو آبادی کے قریب ہو بلکہ چھوڑ دی جائے گی گاؤں والوں کے جانوروں کے چرنے اور ان کی کٹی ہوئی کھیتی کے ڈالنے کے لئے۔

تشریح: آبادی سے قریب زمین کو قابل کاشت بنانا درست نہیں ہے بلکہ اس زمین کو آبادی والوں کے لئے مثلاً ان کے جانور چرانے کے لئے اور کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے اور سکھانے کے لئے چھوڑ دی جائے گی کیوں کہ وہ گاؤں والوں کے فائدے کے لئے ہے، اور بستی کی ضروریات اس زمین سے متعلق ہیں، لہٰذا ایسی زمین کو آباد کرکے انسان مالک نہیں بن سکتا البتہ ضروریات سے متعلق زمین کو چھوڑ کر اگلے حصے کا آباد کرنا جائز ہے۔

(۱۶۲۰/۷) وَمَنْ حَفَرَ بِئْراً فِيْ بَرِيَّةٍ فَلَهٗ حَرِيْمُهَا.

حل لغات: حفر: ماضی باب (ض) حفر اً گڑھا کھودنا، بئر: کنواں بریۃ جنگل، حریم چاروں طرف کی طرف وسیع جگہ۔

ترجمہ: جو کنواں کھودے جنگل میں تو اس کے لئے اس کا حریم ہے۔

کنویں چشمے وغیرہ کے حریم کا بیان

تشریح: اگر ایک شخص نے کسی جنگل میں حاکم کی اجازت سے (بالاتفاق) یا بلا اجازت حاکم (جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے) کنواں کھودا تو اس شخص کے لئے اس کے کنویں کا حریم ہوگا کنویں کے چاروں طرف جو جگہ چھوڑ دیتے ہیں تا کہ اس میں کوئی دوسرا کنواں نہ کھودے اس کو کنویں کا حریم کہتے ہیں، یہ اس لیے ہوتا ہے تا کہ پہلے کنویں کے قریب کوئی کنواں کھودے تو اس کا پانی دوسرے میں نہ چلا جائے اور پہلا کنواں سوکھ نہ جائے اس لیے اس کے قریب بغیر اجازت کے دوسرا کنواں نہیں کھودنے دیا جائے گا، اگلی عبارت میں حریم کی مقدار کا بیان ہے۔

(۱۶۲۱/۸) فَاِنْ كَانَتْ لِلْعَطْنِ فَحَرِيْمُهَا اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعاً وَاِنْ كَانَتْ لِلنَّاضِحِ فَحَرِيْمُهَا سِتُّوْنَ ذِرَاعاً وَاِنْ كَانَتْ عَيْناً فَحَرِيْمُهَا خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَحْفِرَ بِئْراً فِيْ حَرِيْمِهَا مُنِعَ مِنْهُ.

حل لغات: عطن: اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ، بیر عطن: اونٹوں کو پانی پلانے کا کنواں، ناضح: اونٹ جس پر پانی سیراب کرنے کے لئے لایا جائے کھیتی سیراب کرنے کا کنواں، عین: چشمہ۔

ترجمہ: اگر وہ کنواں پانی پلانے کے لئے ہو تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے اور اگر کھیت سینچنے کے لئے ہو تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے اور اگر چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے پس جو شخص کنواں کھودنا چاہے اس کے حریم میں تو اس کو اس سے روکا جائے گا۔

تشریح: اگر کنواں جانوروں مثلاً اونٹ یا بکری کو پانی پلانے کے لئے ہے تو اس کا حریم اصح قول کے مطابق ہر جانب سے چالیس گز ہے، اور اگر یہ کنواں کھیتوں کی سینچائی کے لئے ہے تو اس کا حریم اصح قول کے مطابق ہر جانب سے ساٹھ گز ہے یہ تفصیل صاحبین کے نزدیک ہے، امام صاحب کے نزدیک دونوں کا حریم ہر جانب سے چالیس گز ہے، اور اگر چشمہ ہے تو بالاتفاق اس کا حریم اصح قول کے مطابق ہر جانب سے پانچ سو گز ہے کیوں کہ چشمہ کا پانی پھیلتا ہے۔

اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اس کو روکا جائے گا کیوں کہ ممکن ہے کہ حریم کے اندر کنواں کھودنے کی وجہ سے دوسرے کنویں کی گندگی پہلے کنویں میں نہ پہنچ جائے یا پہلے کنویں کا پانی دوسرے میں نہ چلا جائے جس کی وجہ سے پہلے والے کا نقصان ہو۔

(۱۶۲۲/۹) وَمَا تَرَكَ الْفُرَاتُ وَالدِّجْلَةُ وَعَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ يَجُوْزُ عَوْدُهُ اِلَيْهِ لَمْ يَجُزْ اِحْيَاؤُهُ وَاِنْ كَانَ لَايَجُوْزُ اَنْ يَعُوْدَ اِلَيْهِ فَهُوَ كَالْمَوَاتِ اِذَا لَمْ يَكُنْ حَرِيْماً لِعَامِرٍ يَمْلِكُهُ مَنْ اَحْيَاهُ بِاِذْنِ الْاِمَامِ.

حل لغات: فرات: عراق کا ایک دریا، دِجلة: عراق کا مشہور دریا لفظ کے لحاظ سے مؤنث ہے اور نہر کی تاویل سے مذکر اور کبھی اس پر الف لام بھی داخل ہوتا ہے کہا جاتا ہے الدِّجْلَةُ، عدل عنه: پانی اس سے ہٹ گیا، صرف وہ زمین رہ گئی، یجوز عوده: پانی کے لوٹنے کا احتمال ہے۔

ترجمہ: اور جو زمین چھوڑ دے فرات اور دجلہ نہر اور ہٹ جائے اس سے پانی تو اگر ممکن ہو اس کا لوٹنا اس طرف تو جائز نہیں ہے اس کا آباد کرنا اور اگر نہیں ممکن ہے کہ اس کی طرف لوٹے تو وہ موات زمین کی طرح ہے کہ اگر وہ کسی کا حریم نہ ہو تو اس کا مالک ہو جائے گا وہ جو آباد کرے حاکم کی اجازت سے۔

تشریح: فرات یا دجلہ ندی ایک جگہ سے بہہ رہی تھی اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ سے بہنا شروع کر دیا تو اب دو صورتیں ہیں (۱) دوبارہ پانی کے اپنی جگہ پر آنے کا امکان ہے یا نہیں؟ اگر دوبارہ اپنی جگہ پر آنے کا امکان ہے تو اس جگہ کو آباد کرنے کے لئے دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ عوام کے فائدے کی جگہ ہے اور اگر دوبارہ اس جگہ پر آنے کا امکان

نہ ہوتو وہ زمین موات کی طرح ہے جواس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا، مگر صاحب کتاب نے اس کے لئے دو شرطیں بیان کی ہیں ایک تو یہ کہ وہ جگہ کسی آباد کرنے والے کا حریم نہ ہو مثلاً کسی کا باندھ وغیرہ نہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ امام کی اجازت سے آباد کیا ہو، امام کی اجازت کی شرط امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے تفصیل مسئلہ (۳) میں ملاحظہ کیجئے، اور دوسرا کا حریم نہ ہو اس وجہ سے کہا کہ اگر اس پر کسی کا قبضہ ہو تو وہ زمین موات کے حکم میں نہیں ہوگی۔

(۱۶۲۳/۱۰) وَمَنْ كَانَ لَهُ نَهْرٌ فِي اَرْضِ غَيْرِهٖ فَلَيْسَ لَهُ حَرِيْمٌ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ لَهُ الْبَيِّنَةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَعِنْدَهُمَا لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ يَمْشِيْ عَلَيْهَا وَيُلْقِيْ عَلَيْهَا طِيْنَهُ.

حل لغات: مسناة: میم پر ضمہ سین پر فتحہ نون مشدد، بند، جو سیلاب کو روکے، مینڈھ، طین مٹی۔

ترجمہ: اور جس کی نہر ہو دوسرے کی زمین میں تو اس کے لئے حریم نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ ہو اس کے پاس گواہ اور صاحبین کے نزدیک اس کے لئے نہر کی پٹری ہوگی جس پر چل سکے اور اس پر نہر کی مٹی ڈال سکے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دوسرے کی زمین میں کسی کی نہر کا ثبوت ہوا تو نہر کے ثبوت کی وجہ سے کیا اس کو حریم کی جگہ بھی مل جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں صاحب قدوریؒ نے دو مذہب بیان کئے ہیں (۱) امام صاحب فرماتے ہیں کہ بغیر گواہ کے حریم کی جگہ نہیں ملے گی کیوں کہ نہر کے پانی سے بغیر حریم کے بھی نفع اٹھانا ممکن ہے اور کنویں کے پانی سے بغیر حریم کے نفع اٹھانا ممکن نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حدیث میں کنویں اور چشمے کے لئے حریم کا ثبوت ہے نہر کے لئے حریم کا ثبوت نہیں ہے اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کر کے دوسرے کی زمین میں حریم کا ثبوت نہیں کریں گے (۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ جب نہر کا ثبوت ہو گیا تو پھر بقدر ضرورت حریم بھی ملے گا یعنی اتنا کہ نہر کی مینڈھ (پٹری) پر چل سکے اور اگر نہر کی مٹی کھودنی پڑے تو اس کے اندر سے مٹی نکال کر مینڈھ پر ڈالی جا سکے، کیوں کہ کسی چیز کا ثبوت اس کے لوازم کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے پٹری دینی ہوگی ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے۔

كِتَابُ الْمَاذُوْنِ

(یہ کتاب ماذون کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: غلام کو جب تک تجارت کی اجازت نہ ملے گویا کہ وہ آزادانہ حالات سے دور ہے اور گمشدہ کے مانند ہے اجازت پا کر یہ ایک قسم کی زندگی (مثل آزادی) حاصل کرتا ہے، اس مناسبت سے کتاب احیاء الموات کے بعد کتاب الماذون کو بیان کر رہے ہیں۔

لغوی تحقیق: ماذون اسم مفعول ہے اذن سے ماخوذ ہے اجازت دینا مگر فقہاء نے آگاہ کرنے سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: غلام کے حق میں غلامیت کی وجہ سے جو پابندی تھی اس کو دور کرنا اور آقاء کے حق کو ساقط کرنا ہے، بالفاظ دیگر ایسا غلام جس کو آقا نے تجارت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اب اس کو تجارت کرنے کی اجازت دے دی تو اس کو ماذون غلام کہتے ہیں۔

(۱۶۲۴/۱) اِذَا اَذِنَ الْمَوْلٰی لِعَبْدِہٖ اِذْناً عَامًّا جَازَ تَصَرُّفُہٗ فِیْ سَائِرِ التِّجَارَاتِ وَلَہٗ اَنْ یَّشْتَرِیَ وَیَبِیْعَ وَیَرْہَنَ وَیَسْتَرْہِنَ.

ترجمہ: جب آقا نے اپنے غلام کو عام اجازت دے دی تو اس کا تصرف تمام تجارتوں میں جائز ہے اور اس کے لئے جائز ہے کہ خریدے اور بیچے اور رہن پر رکھے دے اور رہن پر رکھے۔

عبد ماذون کے احکام

تشریح: آقا نے غلام کو تجارت کی اجازت دیتے وقت کسی خاص چیز کے خریدنے یا بیچنے کی تخصیص نہیں کی بلکہ عام اجازت دی مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھے تجارت کی اجازت دی تو غلام کو تمام تجارتوں کی اہلیت حاصل ہو جائے گی یعنی خرید وفروخت رہن لینا رہن رکھنا وغیرہ تمام تصرفات جائز ہوں گے۔

(۱۶۲۵/۲) وَاِنْ اَذِنَ لَہٗ فِیْ نَوْعٍ مِّنْہَا دُوْنَ غَیْرِہٖ فَہُوَ مَاذُوْنٌ فِیْ جَمِیْعِہَا.

ترجمہ: اور اگر اس کو اجازت دے ایک ہی قسم کی تجارت کی اوروں کی نہیں تب بھی وہ تمام تجارتوں میں ماذون ہوگا۔

تشریح: آقا نے کسی ایک قسم کی چیز میں تجارت کرنے کی اجازت دی مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھ کو صرف گیہوں میں تجارت کی اجازت دی تب بھی تمام چیزوں کی تجارت اہلیت ہو جائے گی یہ اور بات ہے کہ مصلحت کے خلاف ہو یا آقا کا نقصان ہو تو متعینہ چیز کے علاوہ کی تجارت نہ کرے۔

امام زفرؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کے نزدیک جس خاص چیز کی تجارت کی اجازت دی ہے اس میں ماذون ہوگا باقی چیزوں میں ماذون نہیں ہوگا (عینی شرح کنز ۲/۲۲۶)

(۱۶۲۶/۳) فَاِذَا اَذِنَ لَہٗ فِیْ شَیْءٍ بِعَیْنِہٖ فَلَیْسَ بِمَاذُوْنٍ.

ترجمہ: اگر اس کو اجازت دی کسی متعین چیز میں تو وہ ماذون نہیں ہے۔

تشریح: آقا نے غلام سے یوں کہا کہ پہننے کے لئے بازار سے کپڑا خرید کر لاؤ یا ہوٹل سے کھانا خرید کر لاؤ تو اس صورت میں تجارت کی اجازت نہیں ہوئی بلکہ خدمت لینے کی ایک صورت ہے اگر اس تھوڑی سی خدمت سے تجارت

کی اجازت ہوجائے تو پھر خدمت کا دروازہ بند ہوکر رہ جائے گا، اس لیے یہ تجارت کی اجازت نہیں ہے۔

(۴/۱۶۲۷) وَاِقْرَارُ الْمَاذُوْنِ بِالدُّيُوْنِ وَالْغُصُوْبِ جَائِزٌ

حل لغات: دیون: دین کی جمع ہے قرض، الغصوب: غصب کی جمع ہے چھینی ہوئی چیز۔

ترجمہ: اور ماذون کا اقرار کرنا قرضوں اور چھینی ہوئی چیزوں کا جائز ہے۔

تشریح: جب کلی طور پر اجازت ہوگئی اور عبد ماذون ہوگیا، تو اب امور تجارت سے متعلق اس کے اقوال نافذ ہوں گے مثلاً ماذون غلام اقرار کرے کہ مجھ پر فلاں کا قرض ہے یا میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے جس کا ادا کرنا مجھ پر لازم ہے تو ایسا اقرار کرنا جائز ہے۔

(۵/۱۶۲۸) وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ وَلَا اَنْ يُزَوِّجَ مَمَالِيْكَهُ.

لغت: ممالیك: مملوك کی جمع ہے غلام۔

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے ماذون کے لئے کہ شادی کرے اور نہ یہ کہ اپنے غلاموں کی شادی کرائے۔

تشریح: جو معاملات تجارت سے متعلق نہیں ہیں ان میں عبد ماذون کا کوئی اختیار نہ ہوگا مثلاً عبد ماذون اپنی شادی نہیں کرسکتا، کیوں کہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے نیز غلام کو نان ونفقہ ادا کرنا ہوگا جس میں آقا کا نقصان ہے ایسے ہی اپنے مملوک غلام باندی کی بھی شادی نہیں کراسکتا یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ باندی کی شادی کرا [illegible] ہوگا جو باندی اور غلام ہوں گے اور باندی کا بھی مہر آ [illegible] گا جو فائدے کی چیز ہے اس لیے ماذون غلام اپنی باندی کی شادی کراسکتا ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۵۸)

(۶/۱۶۲۹) وَلَا يُكَاتِبُ وَلَا يَعْتِقُ عَلٰى مَالٍ.

ترجمہ: اور نہ مکاتب بنائے اور نہ مال پر آزاد کرے۔

تشریح: ماذون غلام اپنے غلام کو مکاتب نہیں بنا سکتا اور نہ مال کے بدلہ آزاد کرسکتا ہے مکاتب بنانے اور مال پر آزاد کرنے میں اگر چہ بظاہر مال آئے گا لیکن مکاتب بنانا اور مال کے بدلہ آزاد کرنا امور تجارت میں سے نہیں ہیں۔

(۷/۱۶۳۰) وَلَا يَهَبُ بِعِوَضٍ وَلَا بِغَيْرِ عِوَضٍ اِلَّا اَنْ يُهْدِيَ الْيَسِيْرَ مِنَ الطَّعَامِ اَوْ يُضِيْفَ مَنْ يُطْعِمُهُ.

ترجمہ: اور نہ ہبہ کرسکتا ہے بالعوض اور نہ بلاعوض مگر یہ کہ تھوڑا سا کھانا ہدیہ کرے یا اس کی مہمان داری کرے جس نے اسے کھلایا ہے۔

تشریح: کسی چیز کو عوض کے ساتھ یا بلا کسی عوض کے ہدیہ کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ ہبہ کرنا لوازم تجارت میں

سے نہیں ہے، ہاں ماذون غلام کو اتنی اجازت ہے کہ اس کو روزانہ جو کھانا ملتا ہے اس میں سے کسی کو تھوڑا سا کھانا تحفۃً دے دے یا جو آدمی اس کو کبھی کبھار کھانا کھلاتا ہے اس کی مہمان داری کر دے کیوں کہ اس سے تجارت بڑھے گی اور گاہک آئیں گے۔

(۱۶۳۱/۸) وَدُیُوْنُہٗ مُتَعَلِّقَۃٌ بِرَقَبَتِہٖ یُبَاعُ فِیْھَا لِلْغُرَمَاءِ اِلَّا اَنْ یَّفْدِیَہُ الْمَوْلٰی وَیُقَسَّمُ ثَمَنُہٗ بَیْنَھُمْ بِالْحِصَصِ فَاِنْ فَضَلَ مِنْ دُیُوْنِہٖ شَیْئٌ طُوْلِبَ بِہٖ بَعْدَ الْحُرِّیَّۃِ.

حل لغات: رقبة: گردن جمع رِقاب، الغرماء: قرض خواہ واحد غریم، یفدیه: مضارع باب (ض) سے مصدر فداءً مال وغیرہ دے کر چھڑانا، الحصص: واحد حصةٌ حصہ۔

ترجمہ: اور اس کے قرض متعلق ہوں گے اسی کی گردن کے ساتھ جن میں اس کو قرض خواہوں کے لئے (ان کی درخواست پر) فروخت کر دیا جائے گا مگر یہ کہ بدلہ دے دے اس کا آقا اور تقسیم کی جائے گی اس کی قیمت ان کے درمیان حصوں کے مطابق اگر پھر بھی رہ جائے کچھ قرض تو اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا آزادی کے بعد۔

تشریح: عبد ماذون پر تجارت کی وجہ سے جو کچھ قرض واجب ہوا ہو جیسے خرید وفروخت، اجارہ وغیرہ یا ہم معنی تجارت کے سبب سے ہو جیسے غصب کا تاوان یا ودیعت کا تاوان تو یہ قرض ماذون غلام کی گردن پر ہوگا جس کی وجہ سے پہلے، غلام کے پاس جو کمایا ہوا مال ہے اس سے قرض ادا کیا جائے گا اس سے بھی پورا نہ ہو تو غلام کو فروخت کر دیا جائے گا اور اس کی قیمت سے قرض والوں کا قرض ادا کیا جائے گا، اور وہ بھی قرض خواہوں کے حصے کے مطابق مثلاً چار آدمیوں کے پانچ پانچ سو روپے قرض ہیں اور قیمت میں ایک ہزار روپے آئے، تو ہر ایک کو ڈھائی ڈھائی سو روپئے دیئے جائیں گے اسی کو بالحصص کہتے ہیں، لیکن اگر خود آقا اس غلام کی طرف سے ثمن کی مقدار فدیہ ادا کر دے تو اب غلام فروخت نہیں کیا جائے گا کیوں کہ قرض والوں کو قرض مل گیا، پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ غلام کو فروخت کرنے کے بعد جو قیمت آئی اس سے بھی قرض ادا نہ ہوا بلکہ کچھ قرض باقی رہ گیا تو یہ قرض آقا سے وصول نہیں کیا جائے گا اور جب یہ ماذون غلام آزاد ہوگا اس وقت اس سے بقیہ قرض کا مطالبہ کیا جائے گا، تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔

(۱۶۳۲/۹) وَاِنْ حَجَرَ عَلَیْہِ لَمْ یَصِرْ مَحْجُوْرًا عَلَیْہِ حَتّٰی یَظْھَرَ الْحَجْرُ بَیْنَ اَھْلِ السُّوْقِ.

حل لغات: حجر: غلام کو معاملات کرنے سے روکنا، سوق: بازار جمع اسواق۔

ترجمہ: اور اگر آقا اس پر حجر کر دے تو یہ مجور نہ ہوگا یہاں تک کہ حجر ظاہر ہو جائے بازار والوں کے درمیان۔

تشریح: اگر آقا نے عبد ماذون کو تجارت کرنے سے روک دیا تو یہ پابندی اس وقت نافذ ہوگی جب کہ اکثر بازار والوں کو اس کا علم ہو گیا ہو تا کہ اس کے ساتھ معاملہ کرنے والوں کو دھوکہ اور نقصان نہ ہو اگر بازار میں صرف ایک دو آدمی ہیں تو غلام مجور نہیں ہوگا کیوں کہ اصل مقصود تشہیر کے ذریعہ اس کو اذن سے خارج کرنا ہے اور تشہیر ایک دو آدمیوں

سے نہیں ہوتی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عبد ماذون کے محجور ہونے کے لئے بازار والوں کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۱۶۳۳/۱۰) فَإنْ مَاتَ الْمَوْلٰى اَوْ جُنَّ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا صَارَ الْمَاذُوْنُ مَحْجُوْراً عَلَيْهِ.

حل لغات: جن: ماضی مجہول دیوانہ ہوگیا، مرتداً: حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
ترجمہ: اگر مرجائے آقا، یا دیوانہ ہوجائے، یا مرتد ہوکر دارالحرب چلا جائے، تو عبد ماذون محجور علیہ ہوجائیگا۔
تشریح: اگر آقا مرجائے تو جو غلام ماذون تھا اب وہ تجارت نہیں کرسکے گا محجور ہوجائے گا کیوں کہ موت ملک کو ختم کردیتی ہے یا مولیٰ مجنوں ہوجائے تو جنون کی وجہ سے تجارت کی اہلیت نہیں رہی تو دوسرے کو تجارت کرنے کی اجازت کیسے دے گا یا آقا مرتد ہوکر دارالحرب چلا جائے تب بھی غلام خود بخود محجور ہوجائے گا کیوں کہ دارالحرب میں چلا جانا موت حکمی کے درجہ میں ہے (عینی شرح کنز ۲/ ۲۲۷)

(۱۶۳۴/۱۱) وَلَوْ اَبَقَ الْعَبْدُ الْمَاذُوْنُ صَارَ مَحْجُوْراً عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر بھاگ گیا ماذون غلام تو وہ ہوجائے گا محجور علیہ۔
تشریح: اگر عبد ماذون بھاگ جائے تو بھاگ جانے کی وجہ سے وہ محجور ہوجائے گا کیوں کہ غلام کا بھاگ جانا دلالۃً حجر ہے، کیوں کہ آقا اپنے نافرمان غلام کے تصرف سے عام طور پر راضی نہیں ہوتا ہے اس لیے بھاگنے والا غلام بھاگتے ہی محجور ہوجائے گا صاحب جوہرہ نے لکھا ہے کہ اگر غلام بھاگنے کے بعد دوبارہ واپس آتا ہے تو اب دوبارہ ماذون نہ ہوگا محجور ہی رہے گا کذا فی الذخیرہ. (الجوہرۃ ۲/۶۰)
امام زفر اور امام شافعیؒ کے نزدیک عبد ماذون محجور نہیں ہوگا کیوں کہ بھاگنا ابتداءً اذن کے خلاف نہیں ہے لہٰذا بقاءً بھی اذن کے خلاف نہیں ہوگا (عینی شرح کنز ۲/ ۲۲۷)

(۱۶۳۵/۱۲) وَاِذَا حُجِرَ عَلَيْهِ فَاِقْرَارُهٗ جَائِزٌ فِيْمَا فِيْ يَدِهٖ مِنَ الْمَالِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَايَصِحُّ اِقْرَارُهٗ.

ترجمہ: اور جب اس پر حجر کردیا گیا تو اس کا اقرار جائز ہے اس مال کے بارے میں جو اس کے قبضہ میں ہے امام صاحبؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ صحیح نہیں ہوگا اس کا اقرار۔
تشریح: آقا نے ماذون غلام کو تجارت کرنے سے روک دیا اب اس کے قبضہ میں جو مال ہے اس کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ میرے پاس فلاں کی امانت ہے یا یہ مال فلاں کا غصب کیا ہوا ہے، یا مجھ پر فلاں کا اتنا قرض ہے اس کے بدلہ میں یہ مال دینا ہے، تو امام صاحب کے نزدیک اس کا اقرار استحساناً صحیح ہے۔
دلیل: اقرار کا دارومدار قبضہ پر ہے اور غلام کا قبضہ اس مال پر ہے اس لیے وہ اقرار کرسکتا ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام کو اب اقرار کرنے کا اختیار نہیں ہے کیوں کہ اقرار کا صحیح ہونا تجارت کی اجازت کی وجہ سے تھا اور اب وہ غلام محجور ہو چکا ہے اس لیے اقرار کرنے کا اختیار اس کو نہیں رہا، صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے (اللباب ۲/۱۳۳، عینی ۲/۲۲۷)

(۱۳/۱۶۳۶) وَاِذَا لَزِمَتْهُ دُيُوْنٌ يُحِيْطُ بِمَالِهِ وَرَقَبَتِهِ لَمْ يَمْلِكِ الْمَوْلٰى مَافِيْ يَدِهِ فَاِنْ اَعْتَقَ عَبِيْدَهُ لَمْ تُعْتَقْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَمْلِكُ مَا فِيْ يَدِهِ.

ترجمه: اور اگر اس کے ذمہ اتنا قرض ہو جائے جو گھیر لے اس کے مال اور جان کو تو مالک نہ ہوگا آقا اس مال کا جو اس کے پاس ہے پھر اگر آزاد کرے اس کے غلاموں کو تو آزاد نہ ہوں گے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مالک ہو جائے گا اس مال کا جو اس کے قبضہ میں ہے۔

تشریح: اگر عبد ماذون اس قدر مقروض ہو جائے کہ جو مال اس کے قبضہ میں ہے وہ بھی بک جائے اور خود غلام کو فروخت کر کے قرض ادا کرنا چاہے تو ادا نہ ہو سکے مثلاً غلام اور اس کے مال کی قیمت آٹھ ہزار روپے ہیں اور اس پر قرض دس ہزار روپے ہیں تو اب اس کی جان اور مال سب قرض میں گھرا ہوا ہے تو اب ایسی صورت میں غلام کے پاس جو مال موجود ہو آقا اس کا مالک ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ آقا اس غلام کے مال کا مالک نہیں رہا اب غلام کے مال کو خرچ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا تاہم غلام ابھی بھی آقا کا ہے چوں کہ ماذون غلام کا مال قرض میں گھر چکا ہے اس لیے ماذون کی کمائی میں اگر کوئی غلام ہے جو اس نے خریدا تھا اور آقا اسے آزاد کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا کیونکہ یہ غلام آقا کا نہیں رہا بلکہ قرض خواہوں کا ہو گیا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ماذون غلام کا مال اور جان اگر چہ قرض میں گھر جائیں پھر بھی وہ آقا کا مال ہے اس لیے آقا اس کے مال کو استعمال کرنا چاہے تو استعمال کر سکتا ہے ایسے ہی ماذون کے خریدے ہوئے غلام کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کر سکتا ہے البتہ ایسی صورت میں آقا قرض خواہوں کے قرضوں کا ذمہ دار ہو جائے گا کیوں کہ اس نے قرض خواہوں کو غلام آزاد کر کے نقصان دیا ہے (عینی ۲/۲۲۸)

(۱۴/۱۶۳۷) وَاِذَا بَاعَ عَبْدٌ مَاذُوْنٌ مِنَ الْمَوْلٰى شَيْئًا بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ جَازَ وَاِنْ بَاعَ بِنُقْصَانٍ لَمْ يَجُزْ.

ترجمه: اگر بیچے ماذون غلام آقا کے ہاتھ کوئی چیز مثلی قیمت سے تو جائز ہے اور اگر بیچے نقصان کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: اگر ماذون غلام مقروض ہو اور اپنے آقا کے ہاتھ مناسب قیمت میں کوئی چیز بیچے تو جائز ہے یعنی آقا کے ہاتھ کوئی چیز بیچی اور وہی قیمت لی جو بازار میں ہے تو جائز ہے کیوں کہ آقا اس کی کمائی میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے اور یہاں آقا نے اس کو پوری قیمت دی ہے اور کوئی نقصان نہیں دیا اس لیے جائز ہوگا، لیکن اگر غلام مقروض نہیں ہے تو

ان دونوں کے درمیان کوئی خرید وفروخت صحیح نہ ہوگی کیوں کہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سب آقا کا ہے، اور اگر غلام آقا کے ہاتھ کوئی چیز نقصان کے ساتھ فروخت کرتا ہے تو اس صورت میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے امام صاحبؒ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں تہمت کا امکان ہے کہ آقا قرضخواہوں کو نقصان دینا چاہتا ہے اس لیے کم قیمت میں درست نہیں ہے، صاحبین کے نزدیک درست ہے۔

(۱۶۳۸/۱۵) وَاِنْ بَاعَهُ الْمَوْلٰى شَيْئًا بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ اَوْ اَقَلَّ جَازَ الْبَيْعُ.

ترجمہ: اور اگر بیچے ماذون کے ہاتھ آقا کوئی چیز مثل قیمت یا کم قیمت میں تو جائز ہے۔

تشریح: ماذون غلام قرض میں گھرا ہوا تھا ایسی حالت میں اس کے آقا نے کوئی چیز اس کے ہاتھ میں بیچی تو مثل قیمت میں بیچے، یا جتنی قیمت تھی اس سے کم میں بیچے دونوں صورتوں میں جائز ہے کیوں کہ اس میں تہمت کا کوئی امکان نہیں ہے اور کم قیمت میں بیچ کر آقا غلام ماذون کا فائدہ ہی کر رہا ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔

(۱۶۳۹/۱۶) فَاِنْ سَلَّمَهُ اِلَيْهِ قَبْلَ قَبْضِ الثَّمَنِ بَطَلَ الثَّمَنُ.

ترجمہ: اب اگر آقا اس چیز کو غلام کے حوالہ کر دے قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے تو قیمت باطل ہو جائے گی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر آقا نے قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع غلام کو دے دیا تو مبیع کی قیمت باطل ہو جائے گی کیوں کہ اس صورت میں قیمت آقا کی جانب سے اس غلام کے ذمہ قرض ہوگئی اور آقا کا اپنے غلام پر کوئی قرض نہیں ہوتا کیوں کہ غلام کل کا کل آقا کا ہی ہے تو گویا آقا نے اس کے ہاتھ بلا قیمت فروخت کر دی اب آقا اپنے غلام سے مبیع کی قیمت لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔

(۱۶۴۰/۱۷) وَاِنْ اَمْسَكَهُ فِيْ يَدِهٖ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ جَازَ.

ترجمہ: اور اگر مبیع کو آقا روک لے اپنے قبضہ میں یہاں تک کہ قیمت وصول کرے تو جائز ہے۔

تشریح: آقا نے ماذون غلام کے ہاتھ کچھ بیچا تو اب مبیع کی قیمت وصول کرنے کے لئے ماذون سے بیع روک سکتا ہے کیوں کہ بائع کو قیمت وصول کرنے کے لئے مبیع کے روکنے کا حق ہے۔

(۱۶۴۱/۱۸) وَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰى الْعَبْدَ الْمَاذُوْنَ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ فَعِتْقُهٗ جَائِزٌ وَالْمَوْلٰى ضَامِنٌ بِقِيْمَتِهٖ لِلْغُرَمَاءِ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کر دے آقا ماذون غلام کو دراں حالاں کہ اس کے ذمہ قرض ہے تو اس کا آزاد کرنا جائز ہے اور آقا ضامن ہوگا اس کی قیمت کا قرضخواہوں کے لئے۔

تشریح: ماذون غلام پر اتنا قرض ہو جائے کہ اس کی جان اور مال سب قرض میں گھر جائیں پھر بھی غلام آقا کا

ہی رہے گا اسی کے پیش نظر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر آقا اس غلام کو آزاد کرنا چاہے تو جائز ہے، البتہ غلام کی جتنی قیمت ہے قرضخواہوں کے لئے اتنے کا ذمہ دار آقا ہوگا، اور اتنی رقم آقا کو ادا کرنی ہوگی تاکہ وہ قرض خواہوں کے درمیان فیصد کے مطابق تقسیم کردی جائے مثلاً غلام پر دس ہزار روپے کا قرض تھا اور غلام پانچ ہزار کا تھا تو آقا قرض خواہوں کو پانچ ہزار دے گا۔

(۱۹/۱۶۴۲) وَمَا بَقِیَ مِنَ الدُّیُوْنِ یُطَالَبُ بِہِ الْمُعْتَقُ.

ترجمہ: اور جو باقی رہ جائے قرض اس کا مطالبہ آزاد شدہ سے ہوگا۔

تشریح: غلام کی قیمت کے علاوہ جتنا قرض ہو وہ غلام سے اس کے آزاد ہونے کے بعد وصول کیا جائے گا کیوں کہ اصل میں قرض غلام ہی کے ذمہ ہے آقا کے ذمہ تو صرف اتنا ہے جتنا اس نے آزاد کر کے تلف کیا ہے اور وہ غلام کی قیمت ہے باقی جو بچا وہ غلام ہی کے ذمہ بدستور رہے گا۔

(۲۰/۱۶۴۳) وَاِذَا وَلَدَتِ الْمَاذُوْنَۃُ مِنْ مَوْلٰھَا فَذٰلِکَ حَجْرٌ عَلَیْھَا.

ترجمہ: اور جب بچہ ہو جائے ماذونہ باندی کے اس کے آقا سے تو یہ اس پر حجر ہے۔

تشریح: آقا نے اپنی باندی کو تجارت کی اجازت دے رکھی تھی اس درمیان آقا سے باندی کو بچہ پیدا ہو گیا آقا نے بچہ کا دعویٰ کیا تو باندی اس کی ام ولد ہوگئی کہ آقا کے انتقال کے بعد ام ولد آزاد ہو جائے گی ام ولد بننا اس بات کی دلیل ہے کہ اب تجارت کی اجازت نہیں ہوگی اور دلالۃً آقا کی جانب سے تجارت کرنے سے حجر ہو گیا کیوں کہ ام ولد عام طور سے پردہ میں رہتی ہے اور خرید وفروخت کے متعلق مالک اس کے نکلنے اور لوگوں سے ملنے جلنے کو پسند نہیں کرے گا البتہ اگر مالک ام ولد بننے کے بعد دوبارہ تجارت کی اجازت دے دے تو ماذون ہو جائے گی اور اس صورت میں ام ولد پر جو قرض ہوگا وہ آقا اپنی جیب سے ادا کرے گا کیوں کہ اس نے دوبارہ اجازت دی ہے۔

(۲۱/۱۶۴۴) وَاِنْ اَذِنَ وَلِیُّ الصَّبِیِّ لِلصَّبِیِّ فِی التِّجَارَۃِ فَھُوَ فِی الشِّرَاءِ وَالْبَیْعِ کَالْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ اِذَا کَانَ یَعْقِلُ الْبَیْعَ وَالشِّرَاءَ.

ترجمہ: اور اگر اجازت دی بچہ کے ولی نے بچہ کو تجارت کی تو وہ خرید وفروخت میں ماذون غلام کی طرح ہے جب کہ وہ بچہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہو۔

تشریح: اگر بچہ کا ولی بچہ کو تجارت کی اجازت دیتا ہے تو یہ بچہ خرید وفروخت میں ماذون غلام کی طرح ہوگا جب کہ بچہ اس عمر میں ہے کہ خرید وفروخت کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو اس کی خرید وفروخت نافذ ہوگی، لیکن چوں کہ بچہ آزاد ہے اس لیے وہ قرض کے لئے بیچا نہیں جائے گا بلکہ اس کے ولی کے ذمہ قرض ادا کرنا لازم ہوگا۔

كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ

(یہ کتاب بٹائی کے احکامات کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح ماذون غلام دوسرے کی ملک میں عمل درآمد کرتا ہے ایسے ہی مزارع دوسرے کی ملک میں کام کرتا ہے۔

لغوی تحقیق: مزارعت باب مفاعلۃ کا مصدر ہے مادہ زرع بونا، بیج ڈالنا۔

اصطلاحی تعریف: اس عقد کو کہتے ہیں جو پیدا ہونے والے غلہ کی تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر منعقد ہو۔

مزارعت کا ثبوت: مزارعت کا دوسرا نام مخابرہ ہے اس کا ثبوت حدیث کے اس ٹکڑے سے ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَلَ اَھْلَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَا یَخْرُجُ مِنْھَا مِنْ زَرْعٍ اَوْ ثَمَرٍ. (بخاری ۱/۳۱۳ باب المزارعۃ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو بٹائی پر دیا کچھ حصہ کے بدلہ میں یعنی جو پھل اور غلہ پیدا ہو۔

(۱/۱۶۴۵) قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْمُزَارَعَۃُ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بَاطِلَۃٌ وَقَالَا جَائِزَۃٌ.

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ تہائی یا چوتھائی پر کھیتی کرنا باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے۔

مزارعت کے اقسام و مذاہب ائمہ

تشریح: کسی کو زمین کاشت پر دینے کی چند صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مالک اپنی زمین کاشت کار کو کرایہ پر دیدے اور اس سے متعین کرایہ وصول کرے یہ کرایہ نقد کی شکل میں ہو پیداوار کی شکل میں نہ ہو اور مالک زمین کا پیداوار سے کوئی تعلق نہ ہو ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورت جائز ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ زمین دار پیداوار کا ایک مناسب حصہ اپنے لئے مقرر کرے مثلاً یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس میں سے دو تہائی تمہارے لئے اور ایک تہائی میرے لئے یا تین چوتھائی تمہارے لئے اور ایک چوتھائی میرے لئے یا آدھی پیداوار تمہاری اور آدھی پیداوار میری ہوگی اس صورت کے جواز اور عدم جواز کے درمیان فقہاء کا اختلاف ہے امام صاحبؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت مطلقاً ناجائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک کما قال النووی مستقلاً تو ناجائز ہے، لیکن مساقات کے تابع ہو کر جائز ہے، صاحبین اور امام احمد کے نزدیک مزارعت کی یہ صورت جائز ہے ہمارے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَمْ یَذَرِ الْمُخَابَرَۃَ فَلْیُؤْذِنْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (ابوداؤد ۲/۴۸۳) جو شخص مخابرہ یعنی مزارعت نہ چھوڑے تو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے اعلان جنگ سن لے۔

جواب: ممانعت زمانہ جاہلیت والی مزارعت کی ہے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ زمین کا ایک خاص حصہ متعین کردیتے تھے کہ فلاں حصہ کا غلہ ہم لیں گے باقی تمہارا بعض مرتبہ اس حصہ کے اندر غلہ نہ ہوتا اور دوسرے مقامات میں ہوتا تھا اور بعض مرتبہ صرف اسی کے اندر ہوتا تھا اس کے علاوہ میں نہیں ہوتا تھا اس لیے آپ نے منع فرمایا۔

صاحبین کی دلیل: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ عَامَلَ اَهْلَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَایَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ اَوْ زَرْعٍ. (ترمذی ۱/۱۶۶)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے آدھی پیداوار پر معاملہ فرمایا چاہے وہ پھل کی ہو یا کھیتی کی ہو، مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں سے جو معاہدہ کیا تھا وہ مزارعت کا معاہدہ تھا وہ معاہدہ یہ تھا کہ اہل خیبر ان زمینوں کی کاشت کریں گے اور باغات کو پانی دیں گے اور جو پھل اور پیداوار ہوگی اس کا نصف ان کا ہوگا اور نصف مسلمانوں کا ہوگا، لہٰذا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت فرمائی تو اس کے عدم جواز کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

(۲/۱۶۴۶) وَهِیَ عِنْدَهُمَا عَلٰی اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ اِذَا كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ جَازَتِ الْمُزَارَعَةُ.

حل لغات: البذر: بیج، البقر: گائے، بیل (اسم جنس) واحد بقرة جمع بقرات.

ترجمہ: اور مزارعت صاحبینؒ کے نزدیک چار قسم پر ہے جب زمین اور بیج ایک کا ہو اور کام اور بیل دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

تشریح: جب فتوی اور عمل صاحبین کے قول پر ہے تو مصنفؒ نے اس پر تفریع بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ صاحبین کے نزدیک مزارعت کی چار قسمیں ہیں یعنی بالعموم جو صورتیں انسانوں کے مابین عمل میں ہیں وہ چار ہیں نہ کہ حضرات صاحبین کے نزدیک چار شکلیں جائز والی ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک کا ہو کام اور بیل دوسرے کے ہوں تو یہ صورت جائز ہے اس مثال میں جس کی زمین اور بیج ہے پورا غلہ اس کا ہوگا اور اس نے گویا کہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لیا اور اس طرح پر لینا جائز ہے۔

(۳/۱۶۴۷) وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ وَالْبَذْرُ لِآخَرَ جَازَتِ الْمُزَارَعَةُ.

ترجمہ: اور اگر زمین ایک کی ہو کام بیل اور بیج دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

تشریح: زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کا ہو تو مزارعت کی یہ صورت بھی جائز ہے اس صورت میں کام، بیل اور بیج والے نے گویا کہ زمین کو غلہ کے بدلہ اجرت پر لیا ہے اس لیے یہ مزارعت بھی جائز ہو جائے گی۔

(۴/۱۶۴۸) وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ جَازَتْ.

ترجمہ: اور اگر زمین بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

تشریح: اس صورت میں یوں سمجھا جائے گا کہ زمین بیج اور بیل والے نے کام والے کو اجرت پر لیا ہے اس لیے یہ صورت بھی جائز ہو جائے گی۔

(۵/۱۶۴۹) وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ فَهِيَ بَاطِلَةٌ.

ترجمہ: اور اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کا ہو تو یہ باطل ہے۔

مزارعت فاسدہ کا بیان

تشریح: یہ ظاہر روایت ہے، ورنہ امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ بیل زمین کے تابع نہیں ہوگا، کیوں کہ دونوں کی منفعت مختلف ہے زمین غلہ اگانے کے لئے ہے اور بیل پھاڑنے کے لئے ہے لہٰذا جب بیل تابع نہیں ہو سکتا تو بیج والا صرف زمین کو اجرت پر لے سکے گا اور بیل کو پیدا شدہ غلہ کے بدلہ اجرت پر لیتے ہیں جو غلہ بعد میں زمین ہی سے پیدا ہوگا اس کے بدلہ بیل کو اجرت پر لینے کا رواج نہیں ہے اس لیے بیل نہ زمین کے تابع ہوا اور نہ پیدا ہونے والے غلہ کے بدلہ اجرت پر لیا جا سکا اس لیے بیل استعمال کرنے کی شرط مفت رہی اس لیے مزارعت کی یہ صورت فاسد ہوگی یہاں فتویٰ ظاہر الروایت پر ہی ہے۔

(۵/۱۶۴۹) وَلَا تَصِحُّ الْمُزَارَعَةُ اِلَّا عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ.

ترجمہ: اور صحیح نہیں ہے مزارعت مگر مدت معلومہ پر۔

مزارعت کے صحیح ہونے کی شرطیں

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے مزارعت کے صحیح ہونے کی شرط بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مزارعت کی ایک ایسی مدت بیان کی جائے جو کاشت کاروں کے یہاں مشہور ہو مثلاً ایک سال یا دو سال اگر بٹائی پر کھیت لیا اور یہ بات واضح نہ ہوئی کہ کتنے دنوں کے لئے لیا ہے تو مزارعت فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ مالک چاہے گا کہ جلدی چھوڑ دی جائے اور بٹائی والا چاہے گا کہ ذرا اور دیر ہو جائے جس سے جھگڑا ہوگا اس لیے مدت کا متعین ہونا ضروری ہے۔

(۶/۱۶۵۰) وَاَنْ يَكُوْنَ الْخَارِجُ بَيْنَهُمَا مُشَاعاً فَاِنْ شَرَطَا لِاَحَدِهِمَا قُفْزَاناً مُسَمَّاةً فَهِيَ بَاطِلَةٌ.

حل لغات: الخارج: پیدوار، مشاعا: مشترک، قفزان قفیز کی جمع بارہ صاع کا ایک پیمانہ اور ایک

صاع کاوزن ۳ کلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام ہوتا ہے لہٰذا بارہ صاع کاوزن ۳۷ کلو ۹۰۷ گرام ۳۶۰ ملی گرام ہوگا۔

ترجمہ: اور یہ کہ ہو پیداواران میں مشترک پھر اگر شرط لگائی کسی ایک کے لئے متعین قفیز کی تو یہ باطل ہے۔

تشریح: صاحب کتاب نے اس عبارت میں مزارعت کے صحیح ہونے کی دوسری شرط بیان کی ہے وہ یہ کہ جو کچھ غلہ پیدا ہو وہ زمین والے اور بٹائی والے کے درمیان مشترک ہو پھر اس شرط پر تفریع بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک پیداوار کی ایک معین مقدار اپنے لئے مقرر کرلے مثلاً یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس میں سے بیس من میں لوں گا اور باقی تمہاری ہوگی یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے اس لیے کہ پتہ نہیں ہے کہ پیداوار کتنی ہوگی؟ ہوسکتا ہے کہ کل بیس من ہی پیدا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیس من بھی نہ ہو، اس صورت میں کاشت کار کو کچھ نہیں ملے گا اس لیے شرعاً یہ صورت جائز نہیں ہے۔

(۱۶۵۱/۷) وَكَذَالِكَ اِذَا شَرَطَا مَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَالسَّوَاقِيْ.

حل لغات: الماذیانات: الماذیان کی جمع بڑی ندی، پانی بہنےکی جگہ یا وہ پیداوار جو پانی بہنے کی جگہ ہو، السواقی: ساقیة کی جمع ہے چھوٹی نالی۔

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر شرط لگائی اس غلہ کی جو پیدا ہو بڑی ندی اور چھوٹی نالیوں پر۔

تشریح: یوں شرط لگائی کہ نہر کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلہ میں دونوں شریک ہوں گے، یا چھوٹی نالیوں کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو یہ صورت مزارعت کی درست نہیں ہے اس لیے یہ ممکن ہے کہ پیداوار صرف ان حصوں پر ہو جو پانی کے قریب ہیں اور دوسرے حصوں پر بالکل پیداوار نہ ہو اس طرح کاشت کار کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اس لیے شرعاً یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

(۱۶۵۲/۸) وَاِذَا صَحَّتِ الْمُزَارَعَةُ فَالخَارِجُ بَيْنَهُمَا عَلَى الشَّرْطِ.

ترجمہ: اور جب صحیح ہو جائے مزارعت تو پیداواران میں شرط کے مطابق ہوگی۔

تشریح: جب مزارعت تمام شرائط کے ساتھ صحیح ہو جائے تو اب جن شرطوں پر مزارعت ہوئی تھی انہیں شرائط کے مطابق دونوں کے درمیان غلہ تقسیم ہوگا مثلاً اس طرح شرط تھی کہ زمین والے کا ایک تہائی غلہ ہوگا اور بٹائی والے کا دو تہائی تو اسی طرح دونوں میں تقسیم ہوگا۔

(۱۶۵۳/۹) وَاِنْ لَّمْ تُخْرِجِ الْاَرْضُ شَيْئًا فَلَا شَيْئَ لِلْعَامِلِ.

ترجمہ: اور اگر زمین کوئی چیز پیدا نہ کرے تو کام کرنے والے کے لئے کچھ نہ ہوگا۔

تشریح: بٹائی میں یہ شرط طے ہوئی تھی کہ جو غلہ پیدا ہوگا اس میں سے کام کرنے والے کو ایک تہائی ملے گا اور یہاں زمین میں کچھ بھی پیدا نہ ہوا تو جس طرح زمین والے کو کچھ نہیں ملا اسی طرح کام کرنے والے کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔

(۱۶۵۴/۱۰) وَاِذَا فَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ فَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ رَبِّ الْاَرْضِ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهٖ لَايُزَادُ عَلٰى مِقْدَارِ مَا شُرِطَ لَهٗ مِنَ الْخَارِجِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهٗ اَجْرُمِثْلِهٖ بَالِغاً مَا بَلَغَ.

حل لغات: الخارج: نکلنے والی چیز، پیداوار، اجر مثل: ایسی اجرت جس کی مقدار مشہور ہو، بالغاً مابلغ: جہاں تک پہنچے۔

ترجمہ: اور جب فاسد ہو جائے مزارعت تو پیداوار بیج والے کی ہوگی اب اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو تو کام کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی جو نہیں بڑھے گی اس مقدار سے جو شرط کی گئی ہو پیداوار سے اور امام محمدؒ نے فرمایا اس کے لئے اجرت مثل ہوگی جہاں تک پہنچ جائے۔

اجرت مثل کا بیان

تشریح: جب کسی وجہ سے مزارعت فاسد ہو جائے تو اس زمین کی پیداوار بیج والے کی ہوگی اب اگر بیج زمین دار کی جانب سے ہو تو کام کرنے والے کو وہ مزدوری ملے گی جو اس جیسے کام کی بازار میں مل سکتی ہے اگر بازار کی اجرت مثل زیادہ ہو اور پیداوار میں جو حصہ مل سکتا تھا وہ کم ہو تو پیداوار کے حصہ سے زیادہ نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ وہ کم حصہ پر خود راضی ہو گیا ہے، یہ تفصیل شیخین کے نزدیک ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر بازار کی اجرت مثل پیداوار کے حصہ سے زیادہ ہو تو اجرت مثل ہی دی جائے گی، کیوں کہ جب مزارعت فاسد ہو گئی تو اجرت مثل اصل بن گئی اس لیے اجرت مثل جتنی ہو وہی دی جائے گی (اللباب ۲/ ۱۳۷)

(۱۶۵۵/۱۱) وَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ الْاَرْضِ اَجْرُمِثْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو تو زمین والے کے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح: اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو تو پورا غلہ کام کرنے والے کا ہوگا اور زمین والے کو اتنا کرایہ ملے گا جو اس طرح کی زمینوں کا دستور ہے پھر اجرت مثل کے سلسلہ میں وہی اختلاف ہے جو اس سے پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے۔

(۱۶۵۶/۱۲) وَاِذَا عَقَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنَ الْعَمَلِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب مزارعت کا معاملہ طے ہوگیا پھر رک گیا بیج والا کام کرنے سے تو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

مزارعت کے باقی احکام

تشریح: اگر عقد مزارعت طے ہونے کے بعد بیج والے نے کچھ سوچ کر بیج نہیں ڈالا تو اس کو بیج ڈالنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ زمین میں بیج ڈالے بغیر مزارعت کے معاملہ کا پورا کرنا ممکن نہیں ہے اور بیج ڈالنے کے بعد اس کے انجام کی خبر نہیں اس لیے اسے یقیناً نقصان برداشت کرنا پڑے گا اس لیے مجبور نہیں کیا جائے گا، اور یہ ایسا ہوگیا جیسے کسی نے اپنا مکان منہدم کرانے کے لیے کسی کو کرایہ پر لیا لیکن پھر کچھ سوچ کر ارادہ ملتوی کردیا تو اب اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(   ) وَاِنِ امْتَنَعَ الَّذِیْ لَیْسَ مِنْ قِبَلِهِ الْبَذْرُ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى الْعَمَلِ.

ترجمہ: اور اگر رک جائے وہ شخص جس کی طرف سے بیج نہیں ہے تو مجبور کرے گا اس کو حاکم کام کرنے پر۔

تشریح: عقد مزارعت طے ہوجانے کے بعد وہ آدمی کام کرنے سے رک گیا جس کی جانب سے بیج نہیں ہے تو حاکم اس کو کام کرنے پر مجبور کرے گا، کیوں کہ اسے کام کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے، ہاں اگر کام کرنے میں کوئی عذر شدید ہو تو حاکم مجبور نہیں کرے گا اور مزارعت کا معاملہ ختم کردیگا کیوں کہ اس کو عذر شدید ہے۔

(   ) وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ بَطَلَتِ الْمُزَارَعَةُ.

ترجمہ: اور اگر مرجائے متعاقدین میں سے کوئی ایک تو باطل ہوجائے گی مزارعت۔

تشریح: اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک زراعت سے قبل مرجائے تو مزارعت باطل ہوجائے گی کیوں کہ عقود جتنے بھی ہیں وہ عاقدین کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں وہ وارثین کی جانب منتقل نہیں ہوتے، اور اگر زراعت کے بعد انتقال ہوا تو دو صورتیں ہیں (۱) اگر زمیندار کا انتقال ہوا تو کھیتی کٹنے تک کھیتی کام کرنے والے کی تحویل میں رہے گی اور پھر شرط کے مطابق تقسیم ہوگی۔ (۲) اور اگر کارندہ مرگیا اور وارثین نے کہا کہ کھیتی کے کٹنے تک ہم کام کریں گے اور مالک انکار کرے تو اسے انکار کا حق نہیں ہے اس صورت میں ورثہ کو ان کے کام کا کچھ نہ ملے گا (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۶۴)

(۱۵۹/۱۵) وَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْمُزَارَعَةِ وَالزَّرْعُ لَمْ یُدْرِكْ كَانَ عَلَى الْمُزَارِعِ اَجْرُ مِثْلِ نَصِیْبِهِ مِنَ الْاَرْضِ اِلٰی اَنْ یُسْتَحْصَدَ.

حل لغات: انقضت: ماضی، ختم ہونا پورا ہونا، لم یدرك: کھیتی نہیں پکی ادراك الثمر سے ماخوذ ہے

ادرك الثمر پھل پکنا، یستحصد: مضارع باب استفعال مصدر استحصاد کاٹنے کا وقت قریب ہونا، کھیتی کٹنا۔

ترجمہ: اور جب گذر جائے مزارعت کی مدت اور کھیتی ابھی نہ پکی ہو تو کھیتی کرنے والے پر زمین کے اس حصہ کی اجرت مثل لازم ہوگی کھیتی کٹنے تک۔

تشریح: ایک شخص نے سال بھر کے لئے زمین بٹائی پر لی ایک سال پورا ہو گیا ابھی کھیت میں کھیتی کچی کھڑی ہے اب کچی کھیتی کاٹنے میں دونوں کا نقصان ہے اس لیے اس کا حل یہ ہے کہ بٹائی والے کا جتنا حصہ ہے اس کے حصہ کے مطابق اجرت مثل اس پر لازم ہوگی، مثلاً کھیتی پکنے میں ایک ماہ اور لگے گا تو بٹائی والے پر ایک ماہ کی اجرت مثل لازم ہوگی اس میں زمین والے کا فائدہ یہ ہے کہ ایک ماہ کی اجرت زیادہ مل گئی اور بٹائی والے کا یہ فائدہ ہوا کہ اس کو آدھا غلہ مل گیا۔

(۱۶۶۰/۱۶) وَالنَّفَقَةُ عَلَى الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا عَلَى مِقْدَارِ حُقُوقِهِمَا.

ترجمہ: اور کھیتی کا خرچ دونوں پر ہوگا ان دونوں کے حقوق کے مطابق۔

تشریح: مزارعت کی مدت ختم ہو چکی تھی اس لیے عقد ختم ہو گیا تو اب بٹائی والے پر کام کرنا لازم نہیں رہا اب جو کچھ خرچ ہوگا وہ زمین دار اور کام کرنے والے دونوں پر ہوگا اگر دونوں کا حصہ آدھا آدھا تھا تو خرچ بھی اسی طرح ہوگا اور اگر ایک تہائی اور دو تہائی تھا تو ایک تہائی پر ایک تہائی اور جس کا دو تہائی تھا اس پر دو تہائی خرچ لازم ہوگا اور اگر مزارعت مکمل نہیں ہوئی تو کھیتی کا سارا خرچ کاشت کار پر ہوگا۔

(۱۶۶۱/۱۷) وَأُجْرَةُ الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَالرِّفَاعِ وَالتَّذْرِيَةِ عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ فَإِنْ شَرَطَاهُ فِي الْمُزَارَعَةِ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ.

حل لغات: الحصاد: مصدر ہے باب (ن ض) سے درانتی سے کاٹنا، الدیاس: مصدر ہے باب (ن) گاہنا، پاؤں سے ملنا، الرفاع: مصدر ہے کٹی ہوئی کھیتی کا کھلیان میں لے جانا، التذریة: باب تفعیل کا مصدر ہے ہوا میں اڑا کر غلہ صاف کرنا۔

ترجمہ: اور کھیتی کاٹنے، گاہنے اکٹھا کرنے اور غلہ صاف کرنے کی اجرت دونوں پر ہوگی حصے کے مطابق اگر دونوں نے شرط کر لی اس کی مزارعت میں کاشت کار کے ذمہ تو فاسد ہو جائے گی مزارعت۔

تشریح: کھیتی پکنے تک مزارعت برقرار ہے اس لیے بٹائی والے پر کام کرنا لازم ہوگا اور کھیتی پک جانے کے بعد مزارعت ختم ہو جائے گی، کیوں کہ اب دونوں کے حصے ہیں اس لیے اپنے اپنے حصے کے مطابق دونوں پر اجرت لازم ہوگی مثلاً کھیتی کاٹنا، گاہنا، کھیتی کو اکھاڑنا، غلہ صاف کرنا یہ سب کام دونوں کو کرنے ہیں یا دونوں کو اجرت پر کرانے ہیں اگر ان کاموں کے کرنے کی شرط عامل پر لگائی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی کیوں کہ کاشت کار پر یہ چیزیں لازم نہیں ہیں کاشت کار کی ذمہ داری تو کھیتی کے پکنے تک تھی، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر عامل پر اس طرح شرط لگائی کہ فلاں

فلاں کام عامل کو کرنے ہیں تو اس سے مزارعت فاسد نہ ہوگی، جیسے جوتا گانٹھنے کی شرط چمڑے والے پر لگائی تو عرف کی بنا پر جائز ہے اسی طرح یہاں بھی مزارعت جائز ہو جائے گی، مشائخ نے اسی قول کو پسند فرمایا اور شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ ہمارے دیار میں یہی زیادہ صحیح ہے (اللباب ۲/ ۱۳۸)

كِتَابُ الْمُسَاقَاتِ

(یہ کتاب مساقات کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: مزارعت اور مساقات دونوں میں پیداوار میں مشارکت ہے اتنا فرق ہے کہ مساقات درختوں سے متعلق ہے اور مزارعت زمین سے، اور مزارعت کو مساقات پر اس لیے مقدم کیا کہ مزارعت کے احکام جاننے کی ضرورت زیادہ ہے۔

لغوی تحقیق: مساقات باب مفاعلۃ کا مصدر ہے سقی سے ماخوذ ہے سینچنا سیراب کرنا۔

اصطلاحی تعریف: مساقات کا مطلب یہ ہے کہ کوئی باغ والا دوسرے شخص کے ساتھ یہ معاملہ کرے کہ تم ہمارے ان درختوں کو پانی سے سیراب کرو اور دیکھ ریکھ کرو جو کچھ ان پر پھل آئیں گے اس میں اتنا حصہ تمہارا ہوگا۔

(۱۶۶۲/۱) قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِّنَ الثَّمَرَةِ بَاطِلَةٌ وَقَالَا جَائِزَةٌ اِذَا ذَكَرَا مُدَّةً مَعْلُوْمَةً وَسَمّٰى جُزْءً مِّنَ الثَّمَرَةِ مُشَاعًا.

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ کچھ پھل مقرر کر کے مساقات باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے جب کہ وہ دونوں ذکر کر دیں معین مدت اور متعین کر دے پھل کا کچھ حصہ مشترک طور پر۔

مساقات کے صحیح ہونے کی شرطیں

تشریح: مساقات کے جائز اور ناجائز ہونے کے سلسلہ میں امام صاحب اور صاحبین کا وہی اختلاف ہے جو باب المزارعت میں گزرا۔

مساقات کی ایک شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے والا سیراب کرے اور اسے نقد کی شکل میں کچھ پیسے دے دے یہ تو جائز ہے اور دوسری شکل یہ ہے کہ درختوں کے سیراب اور دیکھ بھال کی وجہ سے درختوں پر جو پھل آئے گا اس میں تہائی یا چوتھائی متعین کر دے تو یہ صورت امام صاحب کے نزدیک مزارعت کی طرح باطل ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ دو شرطوں کے ساتھ مساقات جائز ہے ایک یہ کہ مساقات کی مدت متعین ہو، یعنی کتنے دن کے لئے درخت مساقات پر رہا ہے اور دوسرے یہ کہ جو پھل آئے ان میں دونوں مشترک طور پر حصہ کریں کسی ایک کے لئے مخصوص مقدار پھلوں کی نہ ہو۔

(۲/۱۶۶۳) وَتَجُوزُ الْمُسَاقَاةُ فِي النَّخلِ وَالشَّجَرَةِ وَالْكَرْمِ وَالرِّطَابِ وَاُصُولِ الْبَاذِنْجَان.

حل لغات: النخل: کھجور کا درخت، الکرم: کاف پر فتحہ راء ساکن انگور کی بیل، الرطاب: راء کے کسرہ کے ساتھ رَطْبَۃٌ کی جمع ہے ترکاری، اصول الباذنجان: بینگن کا درخت۔

ترجمہ: اور جائز ہے مساقات کھجوروں درختوں انگوروں، ترکاریوں اور بینگنوں میں۔

کن چیزوں میں مساقات صحیح ہے؟

تشریح: کھجور وغیرہ کے درخت، انگور کی بیل، ترکاریاں اور بینگنوں کی جڑوں میں مساقات جائز ہے کیوں کہ مساقات کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہے اور ضرورت مذکورہ تمام چیزوں میں ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مساقات صرف انگور کی بیل اور کھجور میں درست ہے۔

(۳/۱۶۶۴) فَاِنْ دَفَعَ نَخلاً فِيهِ ثَمَرَةٌ مُسَاقَاةً وَالثَّمَرَةُ تَزِيدُ بِالْعَمَلِ جَازَ وَاِنْ كَانَتْ قَدِانْتَهَتْ لَمْ يَجُزْ.

حل لغات: انتهت: پورا ہو گیا ہو۔

ترجمہ: اگر دیدے کھجور کا پھل دار درخت مساقات پر اور پھل بڑھ سکتا ہو عمل سے تو جائز ہے، اور اگر پھل کا بڑھنا پورا ہو چکا ہو تو جائز نہیں۔

تشریح: ایک آدمی نے کھجور کا باغ مساقات پر دیا جس میں کچے پھل لگے ہوئے تھے جو عامل کی محنت اور دیکھ بھال سے ابھی مزید بڑھ سکتے ہیں تو مساقات پر دینا جائز ہے اور اگر پھل اگر پک چکے تھے اور ان کا بڑھنا اب پورا ہو چکا تھا تو ایسی حالت میں مساقات پر درخت دینا جائز نہیں ہے، اب جو بھی کچھ عامل کرے گا وہ اجرت پر شمار ہوگا کیوں کہ عامل اپنے عمل کی وجہ سے پھل کا حقدار ہوتا ہے اور جب پھل پک چکا تو اس کے عمل کو کوئی دخل نہیں رہا چناں چہ اگر پھل پکنے کے بعد بھی مساقات کو جائز رکھا جائے تو کام کرنے والے کا بلا عمل مستحق ہونا لازم آئے گا۔

(۴/۱۶۶۵) وَاِذَا فَسَدَتِ الْمُسَاقَاةُ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهِ.

ترجمہ: اور اگر فاسد ہو جائے مساقات تو کام کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح: کسی وجہ سے مساقات کا معاملہ فاسد ہو جائے تو پورا پھل درخت والے کا ہوگا اور کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی، جس طرح مزارعت میں معاملہ فاسد ہو جائے تو پورا غلہ بیج والے کا ہوتا ہے ایسے ہی مساقات میں معاملہ فاسد ہونے سے پورا پھل درخت والے کا ہوگا اور جب پھل درخت والے کا ہو گیا تو کام کرنے والے کو وہ اجرت ملے گی جو بازار میں مل سکتی ہے جس کو اجرت مثل کہتے ہیں عِنْدَ الشَّيْخَيْنِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَهُ اَجْرُ مِثْلِهِ بَالِغاً مَا بَلَغَ

كَمَا مَرَّ.

(۵/۱۶۶۶) وَتَبْطُلُ الْمُسَاقَاةُ بِالْمَوْتِ

ترجمہ: اور باطل ہو جائے گی مساقات موت سے۔

تشریح: مساقات درخت والے یا کام کرنے والے کے مرنے سے باطل ہو جائے گی، اور ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگی اگر پھل پکنے کے قریب ہو تو پھل پکنے تک ورثہ مساقات کو بحال رکھیں تاکہ کسی کا بھی نقصان نہ ہو درمیان میں معاملہ نہ توڑیں اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

(۶/۱۶۶۷) وَتَفْسَخُ بِالْاَعْذَارِ كَمَا تَفْسَخُ الْاِجَارَةُ.

ترجمہ: اور مساقات فسخ ہو جائے گی عذروں سے جیسے فسخ ہو جاتا ہے اجارہ۔

تشریح: عذر شدید کی وجہ سے مساقات کا معاملہ فسخ ہو جاتا ہے جس طرح اجارہ فسخ ہو جاتا ہے، مثلاً کام کرنے والا چور ہو اور اس سے سامان اور پھلوں کی چوری کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اگر عقد مساقات فسخ نہیں ہوگا تو مالک کا نقصان ہوگا یا عامل بیمار ہوگیا تو مساقات فسخ کرنے کی اجازت ہے ورنہ ضرر شدید کا خطرہ ہے (الجوہرۃ النیرۃ ۶۶/۲)

كِتَابُ النِّكَاحِ

(یہ کتاب نکاح کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: نکاح کو مساقات سے مناسبت اس طرح ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے اندر مقصود پھل (اولاد) ہے۔

نکاح کی لغوی تحقیق: نکاح کے لفظی معنی وطی کے بھی ہیں اور عقد کے بھی، پھر بعض نے پہلے معنی کو حقیقت اور دوسرے کو مجاز قرار دیا ہے كما هو مذهب الحنفية اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی عقد کے معنی میں حقیقت اور وطی کے معنی میں مجاز كما هو مذهب الشافعية.

نکاح کی شرعی حیثیت: امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح عبادت نہیں گویا دوسرے عقود مالیہ کی طرح ایک معاملہ ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک نکاح عقد مالی ہونے کے ساتھ عبادت بھی ہے، اس پر اتفاق ہے کہ غلبۂ شہوت کی صورت میں نکاح ضروری ہے چناں چہ ایسا شخص مہر اور نفقہ پر قدرت رکھنے اور حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اگر نکاح نہ کرے گا تو گناہ گار ہوگا، اگر غلبۂ شہوت نہ ہو تو نکاح کی شرعی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے ظاہریہ کے نزدیک اس صورت میں بھی نکاح فرض عین ہے بشرطیکہ حقوق زوجیت کے ادا کرنے پر قادر ہو جمہور کے

نزدیک ایسی صورت میں نکاح فرض نہیں، پھر امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح صرف مباح ہے اور نفلی عبادات کے لئے خود کو فارغ کر لینا نکاح میں مشغول ہونے کے مقابلہ میں افضل ہے۔

احناف کی اس مسئلہ میں تین روایات ہیں ایک استحباب کی، دوسری سنیت کی، تیسری وجوب کی، راجح اور مشہور قول ہمارے یہاں یہی ہے کہ سنت ہے اور قدرت کے باوجود ترک نکاح خلاف اولیٰ ہے۔

نکاح کی اصطلاحی تعریف: وہ ایسا عقد ہے جو ملک متعہ کے لئے مفید ہو چناں چہ نکاح کے ذریعہ مرد کے لئے عورت سے نفع اٹھانا جائز ہو جاتا ہے۔

(۱/۱۶۶۸) اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْاِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ اَوْ يُعَبَّرُ بِاَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ وَالْآخَرُ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ زَوِّجْنِيْ فَيَقُوْلُ زَوَّجْتُكَ.

ترجمہ: نکاح منعقد ہو جاتا ہے ایجاب اور قبول کے ایسے دو لفظوں سے کہ جن دونوں سے تعبیر کیا جائے ماضی کو یا تعبیر کیا جائے ان میں سے ایک ماضی کو اور دوسرے سے مستقبل کو مثلاً مرد نے کہا میرا نکاح کر دے عورت جواب میں کہے میں نے نکاح کر دیا۔

انعقاد و تحقق نکاح کا بیان

تشریح: نکاح ایک عقد ہے اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اس لیے نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ ایجاب وقبول دونوں لفظ فعل ماضی کے ہوں تب نکاح ہوگا، کیوں کہ معاملات میں بات کا پختہ ہونا ضروری ہے اور یہ بات فعل ماضی میں ہی ہوتی ہے اگر استقبال کا صیغہ مراد لیں تو نکاح کرنے کا صرف وعدہ ہوگا ایک دوسری شکل صاحب کتاب اور بتارہے ہیں کہ ایجاب یا قبول میں سے ایک کو فعل ماضی سے تعبیر کیا ہو اور دوسرے کو فعل مستقبل سے یعنی امر کے صیغہ سے تعبیر کیا تب بھی نکاح ہو جائے گا۔

ایجاب کرنے والے نے امر کے صیغہ سے جس کو مستقبل کا صیغہ کہتے ہیں سامنے والے کو نکاح کا وکیل بنایا اور سامنے والے نے دونوں جانب سے فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور نکاح کرا دیا تو نکاح ہو جائے گا دونوں جانب سے یہاں بھی فعل ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور امر کا جو صیغہ استعمال ہوا ہے وہ سامنے والے کو نکاح کا وکیل بنانے کے لئے ہوا ہے۔

(۲/۱۶۶۹) وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا بِحُضُوْرِ شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ بَالِغَيْنِ عَاقِلَيْنِ مُسْلِمَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَ امْرَأَتَيْنِ عُدُوْلًا كَانُوْا اَوْ غَيْرَ عُدُوْلٍ.

ترجمہ: اور نہیں منعقد ہوتا نکاح مسلمانوں کا مگر دو گواہوں کی موجودگی میں جو دونوں آزاد ہوں بالغ ہوں

عاقل ہوں اور مسلمان ہوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں عادل ہوں یا غیر عادل ہوں۔

شرائط نکاح

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے نکاح کے منعقد ہونے کی شرائط کو بیان کیا ہے، ایک مسلمان کے نکاح کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں دو گواہ موجود ہوں اور ان دونوں گواہوں کا آزاد ہونا بالغ ہونا عاقل ہونا اور مسلمان ہونا شرط ہے اگر یہ دونوں گواہ مرد نہ ہوں بلکہ ایک مرد اور دو عورتیں ہوں گواہ عادل ہوں یا عادل نہ ہوں جب بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

کیا بغیر گواہوں کے نکاح منعقد ہو جائے گا؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) حضرت امام مالکؒ کے نزدیک گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ وہ صرف اعلان کو کافی سمجھتے ہیں (۲) جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

امام مالک کی دلیل: زنا سراً ہوتا ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ نکاح اعلانیہ ہو، تاکہ دونوں میں امتیاز ہو جائے چناں چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سراً نکاح کی ممانعت ثابت ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اِنَّ النَّبِیَّ نَهٰی عَنْ نِکَاحِ السِّرِّ. (مجمع الزوائد ۴/۲۸۵)

جواب: نکاح السر کا مصداق وہ نکاح ہے جس میں گواہ نہ ہوں اور جس نکاح میں گواہ موجود ہوں وہ نکاح اعلانیہ ہے نہ کہ نکاح سر۔

جمہور کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْبَغَایَا اللَّاتِیْ یَنْکِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ (ترمذی ۱/۱۳۱) زانی وہ ہے جو اپنا نکاح بغیر گواہ کے کرے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر گواہ کے نکاح نہیں ہوگا۔

نکاح کا نصاب شہادت

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح جس طرح دو مردوں کی شہادت سے منعقد ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے، جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے اور عورتوں کی گواہی اس باب میں معتبر نہیں۔

امام شافعی کا استدلال: حدیث میں شَاهِدَیْ عَدْلٍ آیا ہے اس میں مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

جواب: عرفاً شاہدین کے مفہوم میں وہ تمام لوگ آجاتے ہیں جو نصاب شہادت کو پورا کرتے ہوں اور نصاب شہادت بنص قرآنی یہ ہے وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتٰنِ.

(۳/۱۶۷۰) اَوْ مَحْدُوْدَيْنِ فِیْ قَذْفٍ.

ترجمہ: یا زنا کی تہمت لگانے میں سزا پائے ہوئے ہوں۔

تشریح: کسی نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کو ثابت نہ کرسکا جس کی وجہ سے اس پر حد قذف لگ گئی ہو ایسے محدود فی القذف گواہوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہو جائے گا، محدود فی القذف تحمل شہادت کا اہل ہے یعنی شہادت کو اٹھانے کا، البتہ اگر کبھی مجلس قضاء میں گواہی دینے کی ضرورت پیش آئیگی، تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی۔

(۴/۱۶۷۱) فَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَبِیْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يُشْهِدَ شَاهِدَيْنِ مُسْلِمَيْنِ.

ترجمہ: اگر نکاح کرے کوئی مسلمان کسی ذمیہ عورت سے دو ذمیوں کی گواہی کے ساتھ تو جائز ہے شیخین کے نزدیک اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ گواہ بنالے دو مسلمانوں کو۔

تشریح: مسئلہ (۱۶۶۰) (۲) میں گواہوں کے لئے مسلمان ہونا شرط بتلایا گیا تھا یہ مسئلہ اسی پر متفرع ہے، ذمی وہ کافر ہے جو دارالاسلام میں فرماں برداری اور ذمہ داری پر بستے ہوں خواہ ہندو ہوں یا یہودی یا نصرانی لیکن متن میں ذمیہ سے مراد اہل کتاب ہے یہودی ہو یا نصرانی، کیوں کہ مسلمان کا نکاح صرف کتابیہ سے جائز ہے غیر کتابیہ سے نہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان نے یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کی دو یہودی یا دو نصرانی کی گواہی سے تو شیخین کے نزدیک نکاح ہو جائے گا، امام محمد اور امام زفر فرماتے ہیں کہ ذمیہ کی شادی بھی دو مسلمان گواہوں کے علاوہ سے نہیں ہوگی۔

امام محمدؒ کی دلیل: نکاح میں ایجاب وقبول کے سننے کا نام شہادت ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے تو گویا کہ ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں اور جب کلام ہی نہیں سنا تو شہادت بھی نہیں پائی گئی لہٰذا نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

شیخین کی دلیل: ذمی مسلمان کے نقصان کے لئے گواہی دینا چاہے تو قابل قبول نہیں ہے لیکن اگر مسلماں کے فائدے کے لئے گواہی دے تو مقبول ہے، اور اس مسئلہ میں یہودی یا نصرانی عورت کا جسم مسلمان کے قبضہ میں آرہا ہے، جو مسلمان کے فائدے کی چیز ہے، اس لئے یہ گواہی مقبول ہوگی۔

(۵/۱۶۷۲) وَلَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُمِّهٖ وَلَا بِجَدَّاتِهٖ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے آدمی کے لئے یہ کہ شادی کرے اپنی ماں سے اور نہ اپنی دادی سے مردوں کی طرف سے ہو یا عورتوں کی طرف سے۔

محرمات ابدیہ کی تفصیل

تشریح: اپنی ماں اپنی دادی اپنی نانی سے شادی کرنا حرام ہے، باپ کی طرف سے جو ماں ہوتی ہے اس کو دادی کہتے ہیں، اور ماں کی جانب سے جو ماں ہے اس کو نانی کہتے ہیں ان سب سے نکاح حرام ہے۔

(۶/۱۶۷۳) وَلَا بِبِنْتِهٖ وَلَا بِبِنْتِ وَلَدِهٖ وَاِنْ سَفُلَتْ.

ترجمہ: اور نہ اپنی بیٹی سے اور نہ اپنی پوتی سے اگرچہ نیچے تک ہو۔

تشریح: اپنی بیٹی اسی طرح اپنی پوتی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے آیت میں ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ الخ اس آیت میں صراحت ہے کہ اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، اور بیٹی کے اندر بالاجماع پوتی اور نواسی بھی داخل ہیں ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے چاہے پڑپوتی سرپوتی پرنواسی سرنواسی ہی کیوں نہ ہوں اور کتنے ہی نیچے تک ہوں۔

(۷/۱۶۷۴) وَلَا بِاُخْتِهٖ وَلَا بِبَنَاتِ اُخْتِهٖ وَلَا بِعَمَّتِهٖ وَلَا بِخَالَتِهٖ وَلَا بِبَنَاتِ اَخِيْهِ.

ترجمہ: اور نہ اپنی بہن کے ساتھ اور نہ اپنی بھانجیوں کے ساتھ اور نہ اپنی پھوپھی سے اور نہ اپنی خالہ سے اور نہ اپنی بھتیجیوں سے۔

تشریح: اپنی بہن، اپنی بھانجی، اپنی پھوپھی اور اپنی خالہ اور اپنی بھتیجی سے شادی کرنا حرام ہے کیوں کہ آیت میں ہے وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ.

(۸/۱۶۷۵) وَلَا بِاُمِّ امْرَاَتِهِ الَّتِيْ دَخَلَ بِابْنَتِهَا اَوْ لَمْ يَدْخُلْ.

ترجمہ: اور نہ (حلال) ہے اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ چاہے اس کی لڑکی سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کر چکا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں ساس کی حرمت کو بیان کیا ہے، بیوی کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں ساس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیوں کہ آیت میں ہے وَاُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ اس میں یہ قید نہیں ہے کہ دخول نہ کیا ہو تو حلال ہے اس لیے بیوی سے دخول نہ بھی کیا ہو تب بھی ساس حرام رہے گی۔

(۹/۱۶۷۶) وَلَا بِابْنَةِ امْرَاَتِهِ الَّتِيْ دَخَلَ بِهَا سَوَاءٌ كَانَتْ فِيْ حِجْرِهٖ اَوْ فِيْ حِجْرِ غَيْرِهٖ.

حل لغات: حجر: گود، پرورش میں رہنا۔

ترجمہ: اور اپنی بیوی کی بیٹی کے ساتھ ایسی بیوی جس کے ساتھ دخول کرلیا ہو برابر ہے کہ اس کی پرورش میں ہو یا دوسرے کی پرورش میں ہو۔

تشریح: ایک عورت سے نکاح کیا لیکن ابھی اس سے صحبت نہیں کی اور اس کو طلاق دے کر اس کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کرسکتا ہے، لیکن اگر بیوی سے صحبت کرلی تو اب اس کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہے اس سے نکاح نہیں کرسکتا چاہے وہ بیٹی اس بیوی کی پرورش میں ہو یا نہ ہو۔ آیت میں اس کی صراحت ہے کہ بیوی سے صحبت نہ کی ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتے ہو (سورۃ النساء آیت ۲۳)

(۱۰/۱۶۷۷) وَلَا بِامْرَأَةِ اَبِیْهِ وَلَا اَجْدَادِهٖ.

ترجمہ: اور نہ اپنے باپ کی بیوی سے اور نہ اپنے دادا کی بیوی سے۔

تشریح: سوتیلی ماں جس سے باپ نے نکاح کیا ہے اسی طرح اپنی دادی یا سوتیلی دادی جس سے دادا نے شادی کی ان سے نکاح حرام ہے، آیت میں حرمت کا ثبوت ہے وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یعنی مت نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہے مگر جو گذر گیا۔

(۱۱/۱۶۷۸) وَلَا بِامْرَأَةِ اِبْنِهٖ وَلَا بَنِیْ اَوْلَادِهٖ.

ترجمہ: اور نہ اپنے بیٹے کی بیوی اور نہ پوتوں کی بیوی سے۔

تشریح: بیٹے کی بیوی یعنی اپنی بہو سے نکاح حرام ہے اسی طرح پوتوں کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے، کیوں کہ آیت میں ہے وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یعنی اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں (حرام کی گئیں)

ابناء جمع کا صیغہ ہے اس لیے اس میں پوتے کی بیوی بھی داخل ہے البتہ لے پالک بیٹے کی بیوی حلال ہے۔

(۱۲/۱۶۷۹) وَلَا بِاُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا بِاُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

ترجمہ: اور نہ اپنی رضاعی ماں سے اور نہ اپنی رضاعی بہن سے۔

تشریح: مصنفؒ نے اس عبارت میں محرمات رضاعی کو بیان فرمایا ہے، وہ ماں جس سے پیدا تو نہ ہوا لیکن بچپنے میں اس سے دودھ پیا ہو اس کو رضاعی ماں کہتے ہیں اس سے نکاح حرام ہے، اسی طرح رضاعی بہن سے بھی نکاح کرنا حرام ہے آیت میں اس کا ثبوت ہے وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں۔

(۱۳/۱۶۸۰) وَلَا یَجْمَعُ بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ بِنِكَاحٍ وَلَا بِمِلْكِ یَمِیْنٍ وَطْئًا.

ترجمہ: اور نہ جمع کرے دو بہنوں کو صحبت میں نکاح کے ذریعہ اور نہ ملک یمین کے ذریعہ۔

کن دو عورتوں کو ایک عقد میں جمع کرنا جائز نہیں ہے؟

تشریح: دو سگی بہنوں کو عقد صحیح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح دو بہنیں باندی تھیں دونوں کو اپنی ملکیت میں لیا تو ایک سے صحبت کرسکتا ہے دونوں سے صحبت نہیں کرسکتا اور اگر دوسری سے وطی کرنا چاہے تو پہلی کو ملکیت سے الگ کردے تب دوسری سے وطی کرسکتا ہے، کیوں آیت میں دو بہنوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اللہ نے فرمایا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ اور حرام ہے کہ جمع کرو دو بہنوں کو مگر جو گزر گیا۔

(۱۴/۱۶۸۱) وَلَا یَجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَعَمَّتِھَا اَوْ خَالَتِھَا وَلَا ابْنَۃِ اُخْتِھَا وَلَا ابْنَۃِ اَخِیْھَا.

ترجمہ: اور نہ جمع کرے عورت کو اور اس کی پھوپھی کو یا خالہ کو اور نہ اس کی بھانجی کو اور نہ اس کی بھتیجی کو۔

تشریح: عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنا، عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنا حرام ہے مثلاً راشدہ اور اسکی پھوپھی میر جہاں کو ایک نکاح میں جمع کرے اور دونوں ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہوں یہ حرام ہے، اسی طرح ساجدہ اور اس کی خالہ ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہوں یہ بھی حرام ہے، آگے فرماتے ہیں کہ شوہر کے پاس پہلے سے خالہ ہو تو اس پر اس کی بھانجی سے شادی نہیں کرسکتا اسی طرح شوہر کے پاس پہلے سے پھوپھی ہو تو اس پر اس کی بھتیجی سے شادی نہیں کرسکتا، کیوں کہ حدیث میں ممانعت ہے۔

(۱۵/۱۶۸۲) وَلَا یَجْمَعُ بَیْنَ امْرَأَتَیْنِ لَوْ کَانَتْ کُلُّ وَاحِدَۃٍ مِنْھُمَا رَجُلًا لَمْ یَجُزْ لَہٗ اَنْ یَتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰی.

ترجمہ: اور نہ جمع کرے ایسی دو عورتوں کو کہ اگر ان دونوں میں سے ایک عورت مرد ہوتی تو جائز نہ ہوتا یہ کہ دوسری سے نکاح کرے۔

تشریح: صاحب کتاب نے اس عبارت میں جمع بین المرأتین کی حرمت کے سلسلہ میں ضابطہ بیان فرمایا ہے ضابطہ یہ ہے کہ جن دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا ہے ان میں سے ہر ایک کو مرد فرض کر کے دیکھا جائے کہ ان دونوں کا نکاح آپس میں شرعاً درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو دونوں کو جمع کرسکتے ہیں اور اگر آپس میں نکاح درست نہیں ہے، تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی درست نہیں، مثلاً پھوپھی اور بھتیجی میں سے بھتیجی کو مرد فرض کرلیں تو وہ بھتیجا ہوگا اور بھتیجے کا پھوپھی سے نکاح کرنا حرام ہے اس لیے دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہوگا اسی پر دوسری صورتوں کو بھی قیاس کرلیا جائے۔

(۱۶/۱۶۸۳) وَلَا بَأْسَ بِاَنْ یَجْمَعَ بَیْنَ امْرَأَۃٍ وَابْنَۃِ زَوْجٍ کَانَ لَھَا مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں جمع کرنے میں عورت اور اس کے پہلے شوہر کی بیٹی کو۔

تشریح: یہ مسئلہ ماقبل کے اصول پر متفرع ہے، مسئلہ یہ ہے کہ عورت اور اس کے پہلے شوہر کی پہلی بیوی سے جو بیٹی ہے ان کو نکاح میں جمع کیا جاسکتا ہے مثلاً فاطمہ نے زید سے نکاح کیا اور زید کی ایک لڑکی رقیہ زید کی پہلی بیوی ساجدہ سے ہے پھر زید نے فاطمہ کو طلاق بائن دے دی اب اگر شاہد نے زید کی بیٹی رقیہ اور فاطمہ سے نکاح کر کے جمع کیا تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ رقیہ اور فاطمہ میں نہ قرابت ہے اور نہ رضاعت امام زفر فرماتے ہیں کہ جمع نہیں کر سکتے کیوں کہ زید کی بیٹی رقیہ کو اگر مرد فرض کریں تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں کیوں کہ فاطمہ اس کے باپ کی منکوحہ ہے اور باپ کی منکوحہ سے نکاح جائز نہیں لہٰذا جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

جواب: باپ کی بیوی کو اگر مرد فرض کرلیا جائے تو اجنبی مرد ہوا اور اجنبی مرد کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور جمع بین المرأتین کے حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں جانب سے مرد فرض کرنے کی صورت میں آپس میں نکاح حرام ہو۔

(۱۶۸۴/ ۱۷). وَمَنْ زَنٰی بِامْرَأَۃٍ حَرُمَتْ عَلَیْهِ اُمُّهَا وَابْنَتُهَا.

ترجمہ: کسی نے زنا کیا کسی عورت سے تو حرام ہوگئی اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی۔

زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی یا نہیں؟

تشریح: ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس مرد پر اس عورت کی ماں اور اسکی بیٹی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے احناف کا مذہب یہ ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے چناں چہ زانی پر مزنیہ کے اصول اور فروع حرام ہو جائیں گے اور مزنیہ پر زانی کے اصول اور فروع حرام ہو جائیں گے شوافع کے نزدیک زنا حرمت مصاہرت (رشتۂ دامادیت) کا سبب نہیں ہوگا یعنی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، کیوں کہ زنا حرام اور معصیت ہے اور حرمت مصاہرت ایک نعمت اور امر مشروع ہے لہٰذا فعل حرام کسی نعمت کے حصول کا سبب نہیں ہوسکتا اس لیے زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

جواب: حقیقت میں حرمت مصاہرت کا سبب ولد ہے اور ولد میں ممانعت اور گناہ نہیں قصور جو کچھ ہے ماں کا ہے ولد جس کو سبب بنایا گیا ہے اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل: زنا کرنا اگر چہ حرام ہے پھر بھی زنا کی وجہ سے جزئیت ثابت ہوگئی اور گویا کہ مزنیہ کی ماں حرمت مصاہرت کی وجہ سے ساس بن گئی اور مزنیہ کی بیٹی سوتیلی بیٹی بن گئی جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ان سے نکاح کرنا حرام ہوگیا۔

(۱۶۸۵/۱۸) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُخْتِهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے دے کوئی اپنی بیوی کو طلاق بائن تو جائز نہیں اس کے لئے یہ کہ وہ شادی کرے اس کی بہن سے یہاں تک گذر جائے اس کی عدت۔

معتدہ کی بہن سے نکاح کا عدم جواز

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی چاہے ایک طلاق دی یا تین طلاق دی ابھی عدت نہیں گذری ہے کہ شوہر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ نکاح نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کی بیوی کی عدت ختم نہ ہو جائے، کیوں کہ جب تک عدت باقی ہے اس وقت تک بیوی شوہر سے اسی طرح خرچہ لے گی جس طرح منکوحہ ہونے کی حالت میں لے رہی تھی اور عدت کے ختم ہونے تک اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی وغیرہ وغیرہ گویا کہ یہ عورت عدت تک من وجہٍ بیوی ہے اور جب بیوی ہے تو اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا۔

امام مالک وامام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر طلاق بائن دی ہو یا طلاق مغلظہ دی ہو تو عدت کے اندر بھی اس کی بہن سے شادی کرسکتا ہے۔

دلیل: طلاق بائن اور طلاق مغلظہ میں عورت شوہر سے بالکلیہ منقطع ہو جاتی ہے چاہے عدت نہ گزری ہو اس لیے اس کی بہن سے شادی کرسکتا ہے۔

احناف یہ فرماتے ہیں کہ طلاق پائے جانے کی وجہ سے نکاح بالکل ختم نہیں ہوا بلکہ حکم نکاح عدت تک کے لئے مؤخر ہو گیا۔

(۱۶۸۶/۱۹) وَلَا يَجُوْزُ لِلْمَوْلٰى اَنْ يَتَزَوَّجَ اَمَتَهُ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے آقا کے لئے یہ کہ شادی کرے اپنی باندی سے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ آقا کے لئے اپنی باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ نکاح ایسے منافع اور فوائد کے پیش نظر مشروع کیا گیا ہے جو دونوں (میاں بیوی) کے درمیان مشترک ہیں اور مذکورہ نکاح میں مالکیت اور مملوکیت کا جمع ہونا لازم آئیگا حالاں کہ ان دونوں کے درمیان منافات ہے اس لیے یہ نکاح درست نہیں ہے۔

(۱۶۸۷/۲۰) وَلَا الْمَرْأَةِ عَبْدَهَا.

ترجمہ: اور نہ عورت (کے لئے) اپنے غلام سے (نکاح کرنا جائز ہے)

تشریح: غلام مملوک ہے اگر سیدہ اس کو شوہر بنائے گی تو ایک اندازے میں اس کو مالک بنانا پڑے گا جو مملوکیت کے خلاف ہے اس لیے سیدہ اپنے غلام سے شادی نہیں کرسکتی۔

(۲۱/۱۶۸۸) وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْكِتَابِيَّاتِ.

ترجمہ: اور جائز ہے نکاح کرنا کتابیہ عورتوں سے۔

کیا کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہے؟

تشریح: کتابیات جمع ہے کتابیہ کی، کتابیہ وہ شخص ہے جو نبی پر ایمان رکھتا ہے اور کتاب کا اقرار کرتا ہے ائمہ اربعہ میں سے آزاد کتابیہ سے نکاح کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، مگر کتابیہ باندی سے نکاح کرنے میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک مطلق باندی سے نکاح جائز ہے، شوافع کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں ہے، بہرحال یہاں صورت مسئلہ یہ ہے کہ یہودیہ اور نصرانیہ عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے، بشرطیکہ واقعتاً اہل کتاب ہوں دہریہ نہ ہوں لیکن پھر بھی بہتر نہیں ہے جواز کی دلیل یہ آیت ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ یعنی تمہارے واسطے حلال کی گئیں اہل کتاب میں سے وہ عورتیں جو پاک دامن ہوں، لیکن بہتر اس لیے نہیں ہے کہ گھر میں یہودیہ یا نصرانیہ عورت ہو تو پورا معاشرہ ہی یہودی یا نصرانی بن جائے گا۔

(۲۲/۱۶۸۹) وَلَا يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْمَجُوْسِيَّاتِ وَلَا الْوَثْنِيَّاتِ.

حل لغات: المجوسیات: یہ مجوسیۃ کی جمع ہے مذکر مجوسی ہے آگ کے پجاری کو مجوسی کہتے ہیں۔
الوثنیات: یہ وثنیۃ کی جمع ہے مذکر وثنی ہے وثنی وہ شخص ہے جو بتوں کی پوجا کرتا ہو۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے نکاح میں لینا آتش پرست اور بت پرست عورتوں کو۔

آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح کا عدم جواز

تشریح: آتش پرست عورتوں سے نکاح بالاتفاق ناجائز ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اہل کتاب کے ساتھ جو معاملہ کرتے ہو مجوس کے ساتھ وہی معاملہ کرو سوائے اس کے کہ مجوس کی عورتوں سے نکاح کرو اور ان کا ذبیحہ کھاؤ یعنی ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔

اور بت پرست عورتوں سے بھی نکاح کرنا ناجائز ہے دلیل قرآن کی آیت ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔

(۲۳/۱۶۹۰) وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الصَّابِيَّاتِ اِنْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِنَبِيٍّ وَيُقِرُّوْنَ بِكِتَابٍ وَاِنْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ

الْكَوَاكِبَ وَلَا كِتَابَ لَهُمْ لَمْ يَجُزْ مُنَاكَحَتُهُمْ.

حل لغات: الصابیات: یہ صابیۃ کی جمع ہے مذکر صابی ہے، صابی وہ شخص ہے جو انبیاء میں سے کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتا ہو لہٰذا یہ اہل کتاب میں سے ہوگا یہ تعریف امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ صابی وہ شخص ہے جو ستاروں کی پوجا کرتا ہے اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار نہیں کرتا ہے لہٰذا یہ بت پرستوں کے حکم میں ہوگا۔

ترجمہ: اور جائز ہے صابیہ عورتوں سے نکاح کرنا اگر وہ ایمان رکھتی ہوں کسی نبی پر، اور اقرار کرتی ہوں کسی (آسمانی) کتاب کا، اور اگر وہ ستاروں کو پوجتی ہوں اور ان کے پاس کوئی (آسمانی) کتاب بھی نہ ہو تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

صابیہ عورتوں سے نکاح کا جواز مختلف فیہ ہے

تشریح: صابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے حقیقت میں یہ اختلاف صابی کی تعریف وتفسیر میں ہے جو حل لغات کے تحت بیان کر دیا ہے اسی اختلاف کی بنیاد پر صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر اہل کتاب کی طرح ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہو اور کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں تو ان سے نکاح کرنا جائز ہوگا صابی کی یہی تفسیر امام صاحب نے بیان کی ہے اس لیے امام کے نزدیک نکاح جائز ہوگا، اور اگر ان کے پاس کوئی کتاب نہ ہو اور نہ کسی نبی پر ایمان ہو تو وہ بت پرست ہیں ان سے نکاح جائز نہ ہوگا صاحبین کے نزدیک صابی کی یہی تفسیر معتبر ہے۔

(۲۴/۱۶۹۱) وَيَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ أَنْ يَتَزَوَّجَا فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ.

ترجمہ: اور جائز ہے محرم مرد اور محرمہ عورت کے لئے یہ کہ دونوں شادی کریں احرام کی حالت میں۔

بحالت احرام نکاح کرنے کا بیان

تشریح: احرام والی عورت ہو یا مرد حالت احرام میں ہو، نکاح کرنا جائز ہے یہ مذہب احناف کا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ (مسلم ۴۵۳/۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم نکاح نہ کرے اور نہ نکاح کرائے اور نہ منگنی کرے اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ حالت احرام میں نکاح کرنا اور نکاح کرانا دونوں ناجائز ہیں۔

جواب: مذکورہ حدیث میں نکاح کے لغوی معنی (وطی) مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ محرم نہ وطی کرے اور نہ محرم کو وطی پر قدرت دے گویا کہ حدیث میں عقد نکاح کی ممانعت نہیں ہے بلکہ حالت احرام میں صحبت کرنے کی ممانعت ہے (عینی شرح ہدایہ ۲/۵۴)

احناف کی دلیل: حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں شادی کی تھی اَنْبَانَا ابْنُ عَبَّاسٍ وَتَزَوَّجَ النَّبِيُّ وَهُوَ مُحْرِمٌ (بخاری ۲/۷۶۶ باب نکاح المحرم) حضرت ابن عباسؓ نے ہمیں خبر دی کہ حضور نے نکاح کیا اس حال میں کہ وہ محرم تھے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت احرام میں شادی کرنا جائز ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ شوافع کا مذہب قوی ہے. کیوں کہ امام شافعی کی پیش کردہ حدیث قولی ہے اور احناف کی پیش کردہ حدیث فعلی ہے اور تعارض کے وقت حدیث قولی مقدم ہوتی ہے حدیث فعلی پر۔

(۱۶۹۲/۲۵) وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ بِرِضَائِهَا وَاِنْ لَمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكْراً كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا وَقَالَا لَايَنْعَقِدُ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيٍّ.

لغت: بکرا: کنواری لڑکی، ثیبا: شوہر سے جداشدہ عورت۔

باکرہ اور ثیبہ کے لئے ولی کے احکام

ترجمہ: اور منعقد ہو جاتا ہے آزاد، بالغہ اور عاقلہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے اگرچہ نہ کیا ہو اس کے ولی نے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لڑکی کنواری ہو یا ثیبہ ہو اور صاحبین نے فرمایا نہیں منعقد ہوگا مگر ولی کی اجازت سے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوری یہ بیان کررہے ہیں کہ عبارات نساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں یعنی عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل اس طرح ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت کو کسی بھی حال میں اپنے اوپر ولایت نکاح حاصل نہیں ہے ان کے یہاں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی بلکہ ولی کی تعبیر ضروری ہے اور اس میں صغیرہ، کبیرہ، باکرہ، ثیبہ، عاقلہ، اور مجنونہ سب برابر ہیں اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر عورت آزاد عاقلہ اور بالغہ ہو تو خود اس کی رضامندی سے بغیر ولی کے نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ ولی کا ہونا مندوب اور مستحب ہے یہی ظاہر الروایت ہے، دوسری روایت حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ اگر اس عورت نے نکاح کفو میں کیا ہے تو درست اور اگر غیر کفو میں کیا ہے تو درست نہیں وَاخْتَارَ بَعْضُ الْمُتَاَخِّرِيْنَ الْفَتْوٰى بِهٰذِهِ الرِّوَايَةِ لِفَسَادِ الزَّمَانِ (تبیین الحقائق ۲/۱۱۷ باب الاولیاء والاکفاء)

امام ابویوسفؒ سے اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں پہلی روایت ائمہ ثلاثہ کے مطابق تھی بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کرکے اس روایت کو اختیار کیا جو حسن بن زیاد سے مروی ہے، آخر میں انہوں نے امام صاحب کی پہلی روایت کی

طرف رجوع فرمالیا تھا یعنی مطلقاً جواز، امام محمد کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ نکاح بغیر ولی کے ولی کی اجازت پر موقوف ہے خواہ نکاح کفو میں ہو یا غیر کفو میں دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے امام صاحب کی پہلی روایت کی طرف رجوع فرمایا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ آزاد عاقلہ اور بالغہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: آیت شریفہ ہے وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ یعنی تم اپنی بیواؤں کا نکاح کراؤ اس آیت میں اولیاء کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ تم عورتوں کی شادی کردو اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی شادی اولیاء کریں گے غیر ان کے شادی نہیں ہو سکتی، اور حدیث میں ہے لَانِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے اَيُّمَا امْرَءَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ (ترمذی ۱/۱۳۰) آپؐ نے فرمایا کہ کسی عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر شادی کی تو اس کا نکاح باطل ہے، تین مرتبہ فرمایا ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح منعقد ہونے کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔

جواب: آیت شریفہ میں عورتوں کے بجائے اولیاء سے اس لیے خطاب کیا گیا ہے کیوں کہ عورت باحیاء ہوتی ہے خود سے نکاح کے لئے نہیں کہہ سکتی دوسرے یہ کہ نکاح کے لئے محفل نکاح میں جانا پڑتا ہے وہاں بھی عورت نہیں جا سکتی اس لیے اولیاء سے خطاب کیا گیا ہے، اور احادیث کا احناف کی جانب سے صحیح جواب یہ ہے، کہ یا تو یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ عورت نے ولی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا ہو، اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں نکاح باطل ہے اسی روایت پر فتویٰ بھی ہے، یا پھر لانکاح الا بولی میں نفی سے نفی کمال مراد ہے، اور دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ راوی حدیث یعنی حضرت عائشہؓ کا عمل اس کے خلاف ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمن کا نکاح منذر بن زبیر سے کیا تھا جب کہ عبدالرحمن موجود نہ تھے ملک شام کے سفر میں تھے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عورت کو باب نکاح میں حق ولایت حاصل ہے یا حدیث میں عورت سے باندی مراد ہے کہ باندی کا نکاح بغیر ولی اور آقا کے نہیں ہو سکتا۔

احناف کی دلیل: قرآن کریم میں متعدد جگہ نکاح کرنے کی نسبت عورتوں کی جانب کی گئی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (آیت ۲۳۲ سورۃ البقرہ)

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت مکمل ہو جائے تو ان کو دوسرے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو، اس آیت میں نکاح کرنے کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے معلوم ہوا کہ عورت اپنے نکاح کی خود حقدار ہے نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اِنَّ النَّبِيَّ قَالَ اَلْاَيِّمُ

اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا (مسلم شریف ۱/۴۵۵) کہ عورت اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے معلوم ہوا کہ وہ خود نکاح کرسکتی ہے۔

(۱۲۹۳/۲۶) وَلَا يَجُوْزُ لِلْوَلِيِّ اِجْبَارُ الْبِكْرِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے ولی کے لئے باکرہ بالغہ عاقلہ کو مجبور کرنا۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ولایت اجبار والے مسئلہ کو بیان کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ آیا ولی کو یہ اختیار ہے کہ وہ عورت کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دے؟ اگر ہے تو کس صورت میں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) شوافع کے نزدیک ولایت اجبار کا دارومدار بکارت (عورت کے باکرہ اور ثیبہ ہونے) پر ہے یعنی عورت جب تک باکرہ رہے گی ولی کو اس پر ولایت اجبار حاصل ہوگی، اور جب وہ ثیبہ ہو جائے گی تو ولایت اجبار ختم ہو جائے گی (۲) حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار کا دارومدار صغر اور کبر پر ہے یعنی صغیرہ کا نکاح اس کا ولی بغیر اس کی اجازت کے کرسکتا ہے اور بالغہ کا بغیر اس کی اجازت کے نہیں کرسکتا اس اختلاف کے پیش نظر یہاں چار صورتیں پیدا ہوں گی دو اتفاقی اور دو اختلافی (۱) صغیرہ باکرہ (۲) بالغہ ثیبہ یہ دونوں صورتیں اتفاقی ہیں پہلی صورت میں حق اجبار سب کے نزدیک ہوگا اور دوسری صورت میں کسی کے نزدیک نہ ہوگا (۳) صغیرہ ثیبہ (۴) بالغہ باکرہ یہ دونوں صورتیں اختلافی ہیں پہلی صورت میں ولایت اجبار جس طرح حنفیہ کے یہاں ہوگی اسی طرح مالکیہ کے یہاں بھی ہوگی اور شافعی کے نزدیک نہ ہوگی اور دوسری صورت میں حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار نہ ہوگی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہوگی۔

دلیل شوافع: حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا (ترمذی ۱/۱۳۱، ابوداؤد ۱/۲۸۶) کہ عورت اپنی ذات کے بارے میں ولی سے زیادہ حقدار ہے اور عورت سے یہاں ثیبہ مراد ہے اب اگر اس کا مفہوم مخالف نکالا جائے تو یہ عبارت اس طرح ہوگی اَلْبِكْرُ لَيْسَتْ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا کہ باکرہ اپنی ذات پر ولی سے زیادہ حق دار نہیں ہے اسی مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ باکرہ اپنے نکاح کی حق دار نہیں ہے بلکہ ولی کو اس پر ولایت اجبار حاصل ہے اور ثیبہ اپنے نکاح کی حق دار ہے اس لیے اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہ ہوگی۔

جواب: مفہوم مخالف ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے نیز 'ایم' سے مراد بے شوہر عورت ہے اور اس کا اطلاق باکرہ اور ثیبہ دونوں پر ہوتا ہے۔

احناف کے دلائل: حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے لَاتُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَامَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ وَ اِذْنُهَا الصُّمُوْتُ (ترمذی ۱/۱۳۱)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثیبہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے مشورہ کیا جائے اور باکرہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے اور

اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے، اس حدیث میں ثیبہ اور باکرہ دونوں کا حکم ایک بیان کیا گیا صرف اجازت کے طریقہ میں فرق ہے، نیز حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک باکرہ لڑکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے تذکرہ کیا کہ میرے باپ نے میری شادی کردی حالانکہ میں راضی نہیں تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو خیار فسخ عنایت فرمایا کہ اگر تو چاہے تو نکاح فسخ کردے (ابوداؤد ۱/۲۸۵ باب في البكر يزوجها ابوها ولا يستامرها)۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ باکرہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہوتی اور جب باکرہ اور ثیبہ ہونے پر ولایت اجبار کا دارومدار نہیں ہوا تو دوسری شق متعین ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ ولایت اجبار کا دارومدار صغر اور کبر پر ہے۔

(۱۶۹۴/۲۷) وَاِذَا اسْتَاْذَنَهَا الْوَلِيُّ فَسَكَتَتْ اَوْ ضَحِكَتْ اَوْبَكَتْ بِغَيْرِ صَوْتٍ فَذَالِكَ اِذْنٌ مِّنْهَا وَاِنْ اَبَتْ لَمْ يُزَوِّجْهَا.

حل لغات: بکت: ماضی باب (ض) مصدر بکاء رونا، صوت: آواز جمع اصوات۔

ترجمہ: اور جب اجازت طلب کی باکرہ بالغہ سے ولی نے پس وہ چپ رہی یا ہنس پڑی یا رو دی بغیر آواز کے تو یہ اجازت ہے اس کی طرف سے اور اگر انکار کردے تو اس کی شادی نہ کرائے۔

تشریح: **چوں کہ** باکرہ عورت شرمیلی ہوتی ہے وہ صراحتًا شادی کی اجازت دینے سے شرماتی ہے اس لیے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ نکاح سے قبل اگر ولی نے باکرہ بالغہ سے اجازت مانگی اور وہ سن کر خاموش ہوگئی یا ہنس پڑی تو یہ خاموش رہنا یا ہنسنا اس کی طرف سے اجازت ہوگا اسی طرح تبسم بھی رضا کی دلیل ہے، ایسے ہی اگر بغیر آواز کے رونے لگے تو بھی اس کی طرف سے اجازت سمجھی جائے گی، کیوں کہ بسا اوقات ماں باپ کی جدائی کی خبر پر غیر اختیاری آنسو نکل آتے ہیں، اسی پر فتویٰ ہے بلکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کبھی کبھی خوشی کی خبر پر بھی آنسو نکل آتے ہیں، اس لیے بغیر آواز کے رونا اجازت پر دلیل ہے، لیکن آواز کے ساتھ رونا انکار کی دلیل ہے اس لیے اگر آواز کے ساتھ روئی تو نکاح کرانے کی اجازت نہیں ہوگی، اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر ولی کی اجازت لینے پر صاف صاف انکار کردیا تو اب ولی اس کی شادی نہ کرے، کیوں کہ اس کی رضامندی نہیں پائی گئی۔

(۱۶۹۵/۲۸) وَاِذَا اسْتَاْذَنَ الثَّيِّبَ فَلَا بُدَّ مِنْ رِضَائِهَا بِالْقَوْلِ.

ترجمہ: اور اگر اجازت لی ثیبہ سے تو ضروری ہے اس کی رضامندی کہہ دینے کے ساتھ۔

تشریح: اگر ثیبہ بالغہ سے نکاح کے بارے میں اجازت طلب کی گئی تو اس کو باقاعدہ زبان سے کہنا ضروری ہے کہ میں اس نکاح سے راضی ہوں کیوں کہ مسئلہ (۲۶) میں احناف کے دلائل کے تحت 'حتي تستامر' کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے کہ اس سے مشورہ کیا جائے گا اور مشورہ کہتے ہیں زبان سے بول کر رائے طلب کرنا اس لیے ثیبہ زبان

سے اجازت دے گی، نیز شوہر کے پاس رہ کر اس کی شرم وحیاء بھی کم ہوگئی اس لیے زبان سے کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرے گی۔

(۲۹/۱۶۹۶) وَاِذَا زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ اَوْ حَيْضَةٍ اَوْ جِرَاحَةٍ اَوْ تَعْنِيسٍ فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الْاَبْكَارِ وَاِنْ زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِالزِّنَا فَهِيَ كَكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هِيَ فِيْ حُكْمِ الثَّيِّبِ.

حل لغات: وثبة: باب (ض) سے مصدر ہے کودنا، جراحة: زخم جمع جراح جراحات، تعنیس یہ مصدر ہے باب تفعیل سے بلوغ کے بعد مدت دراز تک شادی کے بغیر رہنا، ابکار: یہ بکر کی جمع ہے، کک: یہ کذلك کا مخفف ہے یعنی ایسے ہی باکرہ کی طرح ہے۔

ترجمہ: اور جب زائل ہو جائے لڑکی کا کنوارا پن کودنے سے، یا حیض سے، یا زخم سے، یا مدت تک بیٹھی رہنے سے، تو وہ کنواریوں کے حکم میں ہے، اور اگر زائل ہوگئی اس کی بکارت زنا سے تو وہ ایسی ہی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ ثیبہ کے حکم میں ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی لڑکی کا پردۂ بکارت ٹوٹ گیا کودنے پھاندنے کی وجہ سے، یا کثرت حیض کی وجہ سے، یا کسی زخم کی وجہ سے، یا ایک مدت دراز تک شادی نہ کر پائی جس کی وجہ سے کنوارا پن کا جو پردہ ہوتا ہے وہ ٹوٹ گیا تو ان سب صورتوں میں یہ لڑکی باکرہ کے حکم میں ہوگی یعنی نکاح کی اجازت طلب کرنے کے وقت اس کا چپ رہنا یا ہنسنا یا بلا آواز رونا اجازت سمجھا جائے گا اور اس کا حکم خالص باکرہ جیسا ہوگا، کیوں کہ ان عورتوں کا تعلق ابھی تک شوہر سے نہیں ہوا ہے اس لیے ان میں اتنی ہی شرم ہے جتنی باکرہ عورت میں اس لیے خالص باکرہ عورتوں کے درجے میں ہوگی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر باکرہ کی بکارت زنا سے زائل ہوگئی ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بھی باکرہ کے حکم میں ہے، صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک ثیبہ کے حکم میں ہے لہٰذا اس کے سکوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ زبان سے اجازت دینا ضروری ہوگا، کیوں کہ جس عورت سے ایک مرتبہ صحبت ہو چکی ہے چاہے حرام صحبت ہی کیوں نہ ہو وہ عورت باکرہ کے حکم میں نہیں ہوگی بلکہ حقیقت میں ثیبہ ہے لہٰذا اس پر ثیبہ کے احکام لگائے جائیں گے اور باضابطہ زبان سے نکاح کی اجازت دینی ہوگی۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ لوگ اس عورت کو باکرہ سمجھتے ہیں اب اگر کلام کرے گی تو لوگ اس کو معیوب سمجھیں گے اور یہ شرم کا مظاہرہ کرے گی اور زبان سے نہیں کہے گی اس کے نتیجہ میں اس کے مصالح معطل ہو کر رہ جائیں گے اس لیے اس کو باکرہ کے حکم میں رکھا جائے اور اس کا چپ رہنا ہی اجازت شمار ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ ۲/۸۹)

(۳۰/۱۶۹۷) وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِلْبِكْرِ بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ وَقَالَتْ بَلْ رَدَدْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا وَلَا يُسْتَحْلَفُ فِي النِّكَاحِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يُسْتَحْلَفُ فِيْهِ.

ترجمہ: اور جب کہا شوہر نے باکرہ سے کہ تجھ کو نکاح کی خبر ملی اور تو خاموش رہی اور عورت نے کہا نہیں بلکہ میں نے تو انکار کردیا تھا تو قول عورت ہی کا معتبر ہوگا اور اس پر قسم نہ ہوگی اور قسم نہیں لی جائے گی نکاح میں امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ قسم لی جائے گی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے باکرہ عورت سے کہا کہ تجھ کو جب نکاح کی خبر ملی تو تو چپ رہی لہٰذا میرے ساتھ تیرا نکاح ہوگیا اور عورت کہتی ہے کہ اطلاع ملتے ہی میں نے انکار کردیا تھا لہٰذا نکاح نہیں ہوا، اور گواہ دونوں کے پاس موجود نہیں، تو ہمارے نزدیک عورت کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ شوہر عقد نکاح لازم ہونے کا دعویٰ کررہا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے اس لیے مرد مدعی ہوا اور عورت منکرہ ہوئی اس لیے مرد پر گواہ لازم ہیں اور اس کے پاس گواہ موجود نہیں ہیں تو منکرہ کی بات مانی جائے گی، لیکن چوں کہ امام صاحب کے نزدیک نکاح میں عورت پر قسم نہیں ہے اس لیے وہ قسم نہیں کھائے گی بغیر قسم کے اس کی بات مانی جائے گی صاحبین کے نزدیک عورت سے قسم لی جائے گی فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے مزید تفصیل کتاب الدعویٰ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۳۱/۱۶۹۸) وَيَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيْجِ وَالتَّمْلِيْكِ وَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ.

ترجمہ: اور منعقد ہوجائے گا نکاح لفظ نکاح، تزویج، تملیک، ہبہ اور صدقہ سے۔

تشریح: کن الفاظ سے نکاح منعقد ہوجائے گا اس عبارت میں ان الفاظ کو بیان کیا ہے احناف کے نزدیک اس کے لئے اصول یہ ہے کہ نکاح ہر اس لفظ سے منعقد ہوجاتا ہے جو نکاح کے لئے صراحتاً موضوع ہو جیسے نکاح، تزویج، یا بالفعل عین شی کی تملیک کے لئے موضوع ہو جیسے بیع و شراء تملیک ہبہ صدقہ وغیرہ۔

(۳۲/۱۶۹۹) وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْإِجَارَةِ وَالْإِعَارَةِ وَالْإِبَاحَةِ.

ترجمہ: اور منعقد نہیں ہوتا لفظ اجارہ اعارہ اور اباحت سے۔

تشریح: ایک عورت نے کسی مرد سے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو آپ کے پاس اجرت پر رکھا، یا آپ کے پاس عاریت پر رکھا، یا میں نے اپنے آپ کو آپ کے لئے مباح کیا اور مرد دو گواہوں کے سامنے قبول کرے تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیوں کہ مذکورہ الفاظ میں مکمل ملکیت نہیں ہے بلکہ وقتی طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے دینا ہے مثلاً اجارہ میں اجرت لے کر تھوڑی دیر فائدہ اٹھانا ہے، اور عاریت میں مفت تھوڑی دیر فائدہ اٹھانا ہے، پھر واپس دیدینا ہے اور مباح میں بھی مفت فائدہ اٹھانا ہے لہٰذا یہ الفاظ نکاح کے معنی میں نہیں ہیں اس لیے ان الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

(۳۳/۱۷۰۰) وَيَجُوْزُ نِكَاحُ الصَّغِيْرِ وَالصَّغِيْرَةِ إِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ أَوْ ثَيِّبًا.

ترجمہ: اور جائز ہے چھوٹے لڑکے اور لڑکی کا نکاح جب کہ کیا ہو ان کے ولی نے باکرہ ہو چھوٹی بچی یا ثیبہ ہو۔

اولیاء نکاح کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے یہ بیان کیا ہے کہ ولایت کا حق کس پر ہوگا؟ اس بارے میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کا حق صغیرہ پر ہوگا باکرہ ہو یا ثیبہ، اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کا حق باکرہ پر ہوگا، صغیرہ ہو یا بالغہ ہو اس سلسلہ میں اختلاف ائمہ مع دلائل و جوابات خادم مسئلہ (۲۶) میں لکھ چکا ہے وہاں دیکھ لیا جاوے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولی نے چھوٹے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح درست ہو جائے گا چھوٹی لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ ہو، چھوٹی بچی کی شادی کے مسئلہ میں اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ صغیرہ اگر باکرہ ہے تو اس کی شادی باپ کے لئے بالاتفاق جائز ہے اور اگر وہ صغیرہ ثیبہ ہے تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک باپ کے لئے اس کی شادی جائز ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ناجائز ہے اس لیے کہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت معتبر نہیں اور ثیبہ ہونے کی وجہ باپ کو اس پر اجبار کا حق نہیں لہٰذا اس کی شادی اس کے بلوغ کے بعد ہی ہو سکتی ہے باقی رہا مذہب حنابلہ کا سو ان کی اس میں تین روایات ہیں (۱) مطلقاً ناجائز ہے (۲) مطلقاً جائز ہے (۳) اگر صغیرہ نو سال سے کم عمر کی ہے تب تو باپ کے لئے اس کی شادی جائز ہے، اور اگر نو سال یا اس سے زائد کی ہے تب اس کی شادی بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں ہے حنابلہ کا مشہور قول یہی ہے۔

(۱۷۰۱/۳۴) وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَصَبَةُ.

ترجمہ: اور ولی وہ عصبہ ہے۔

تشریح: ولایت اجبار امام مالک و امام احمد کے نزدیک صرف باپ اور باپ کے وصی کے لئے ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دادا باپ کے حکم میں ہے دوسرے اولیاء کے لئے حق اجبار نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک حق اجبار تمام اولیاء کے لئے ہے اور جس ترتیب کے ساتھ عصبات کو حق وراثت ملتا ہے اسی ترتیب سے نکاح کرانے میں بھی نکاح کرانے کا حق ہے اس کی ترتیب اس طرح ہوگی پہلے باپ کو نکاح کرانے کا حق ہے وہ نہ ہو تو دادا کو وہ نہ ہو تو بیٹے کو وہ نہ ہو تو بھائی کو وہ نہ ہو تو چچا کو اور وہ نہ ہو تو چچازاد بھائی کو اور وہ بھی نہ ہو تو ماں کو نکاح کرانے کا حق ہوتا ہے، فرق یہ ہے کہ باپ اور دادا کی صورت میں بعد البلوغ لڑکی کو خیار حاصل نہیں ہوتا اور دیگر اولیاء کی صورت میں خیار حاصل ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ: ولایت کی دو قسمیں ہیں (۱) ولایت اجبار (۲) ولایت الزام، باپ اور دادا جن میں کامل شفقت ہے ان کو ولایت اجبار اور ولایت الزام دونوں کا حق دیا گیا ہے لہٰذا ان کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگا بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا گویا کہ ان کو ولایت اجبار کے ساتھ ولایت الزام بھی حاصل ہے اور باپ دادا کے علاوہ جن میں شفقت کم ہے ان کے لئے ولایت اجبار تو ثابت ہے ولایت الزام ثابت نہیں ہے لہٰذا ان کا کیا ہوا نکاح لازم نہ ہوگا بلکہ بالغ ہونے

کے بعد خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

(۱۷۰۲/۳۵) فَاِنْ زَوَّجَهُمَا الْاَبُ اَوِ الْجَدُّ فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ الْبُلُوْغِ.

ترجمہ: پھر اگر شادی کر دی ان دونوں کی باپ یا دادا نے تو اختیار نہ ہوگا ان کو بالغ ہونے کے بعد۔

تشریح: اس عبارت میں ولایت الزام پر تفریع بیان کی گئی ہے چناں چہ فرمایا کہ اگر چھوٹے لڑکے یا لڑکی کا نکاح باپ نے کر دیا یا اس کی عدم موجودگی میں دادا نے کر دیا تو یہ نکاح لازم ہوگا اور بالغ ہونے کے بعد ان کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ نکاح باقی رکھیں یا فسخ کرادیں۔

(۱۷۰۳/۳۶) وَاِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ الْاَبِ وَالْجَدِّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الْخِيَارُ اِنْ شَاءَ اَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ.

ترجمہ: اور اگر شادی کر دی باپ اور دادا کے علاوہ نے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا اگر چاہیں نکاح پر قائم رہیں اور اگر چاہیں فسخ کر دیں۔

تشریح: اس عبارت میں ولایت اجبار پر تفریع بیان کی ہے مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ لڑکا اور نابالغ لڑکی کا نکاح باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کر دیا تو ان دونوں کو خیار بلوغ حاصل ہوگا یعنی بالغ ہوتے ہی اعلان کر دیں کہ ہم اس نکاح سے راضی نہیں ہیں کیوں کہ باپ اور دادا کے علاوہ میں یا تو عقل ناقص ہوگی مثلاً ماں ولیہ بنے تو شفقت کاملہ ہے لیکن عقل ناقص ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ صحیح جگہ پر نکاح نہیں کیا اس لیے نکاح توڑنے کا حق دیا جائے گا اور بھائی چچا، چچازاد بھائی نے شادی کرائی تو ان لوگوں میں عقل تو ہے لیکن شفقت کاملہ نہیں ہے اس لیے بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے کا حق ہوگا۔

(۱۷۰۴/۳۷) وَلَا وِلَايَةَ لِعَبْدٍ وَلَا لِصَغِيْرٍ وَلَا لِمَجْنُوْنٍ وَلَا لِكَافِرٍ عَلٰى مُسْلِمَةٍ.

ترجمہ: اور کوئی ولایت نہیں غلام، بچہ، دیوانے اور کافر کو کسی مسلمان عورت پر۔

تشریح: متن میں ذکر کردہ لوگوں کو شادی کی ولایت نہیں ہے کیوں کہ ان لوگوں کو خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہے تو دوسرے پر ولایت کیسے ہوگی مثلاً غلام کو اپنی شادی کرانے کا حق نہیں ہے اس کی شادی اس کا آقا کراتا ہے بچے میں عقل کی کمی ہے اور مجنون میں بھی عقل نہیں ہے اگر ان کو امور نکاح سپرد کر دیئے جائیں تو ان میں کوئی شفقت نہیں اور ولایت کا دارومدار شفقت پہ ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کافر کو بھی مسلمان پر ولایت نہیں ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلاً (آیت ۱۴۱ سورۃ النساء) ہرگز نہیں بنائے گا اللہ کافر کے لئے مسلمان پر کوئی راہ، اس لیے کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہوگی۔

(۱۷۰۵/۳۸) وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَجُوْزُ لِغَیْرِ الْعَصَبَاتِ مِنَ الْاَقَارِبِ التَّزْوِیْجُ مِثْلُ الْاُخْتِ وَالْاُمِّ وَالْخَالَةِ.

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جائز ہے عصبات کے علاوہ رشتہ داروں میں سے شادی کر دینا جیسے بہن ماں اور خالہ۔

تشریح: اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عصبات کی عدم موجودگی میں ولایت کس کے لئے ثابت ہوگی اس بارے میں شیخین فرماتے ہیں کہ اگر قریب کے ولی نہ ہوں مثلاً عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام میں سے دوسرے رشتہ داروں کو بالترتیب نکاح کرانے کا حق ہوگا مثلاً بہن والدہ خالہ ماموں پھوپھی وغیرہ کے لئے ولایت ثابت ہے۔

دلیل: ولایت کا مدار شفقت پر ہے اور رشتہ دار چاہے دور کے ہوں ان میں شفقت ہوتی ہے اس لیے مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو نکاح کرانے کا حق دیا جائے، امام محمد فرماتے ہیں کہ عصبات ہی نکاح کرا سکتے ہیں دوسرے نہیں اگر عصبہ موجود نہ ہو تو حاکم کو ولایت کا حق ہے ماں دادی کو ولایت کا حق نہ ہوگا وجہ یہ ہے کہ عصبات کو وراثت میں حق ہے تو ولایت میں بھی حق ہوگا۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں شیخین کے قول پر فتوی ہے، کیوں کہ امام محمد کا قول متون میں آمدہ مسئلہ کے خلاف ہے (شامی ۲/۴۲۹ مطبعہ عثمانیہ استنبول، البحر الرائق ۳/۱۳۳)

(۱۷۰۶/۳۹) وَمَنْ لَاوَلِیَّ لَهَا اِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا الَّذِیْ اَعْتَقَهَا جَازَ.

ترجمہ: اور وہ عورت جس کا کوئی ولی نہیں جب شادی کر دے اس کی وہ آقا جس نے اس کو آزاد کیا ہے تو یہ جائز ہے۔

تشریح: کوئی باندی آزاد کی ہوئی تھی اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے، اب جس آقا نے اس کو آزاد کیا تھا اس نے باندی کی شادی کرادی تو جائز ہے کیوں کہ اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو آخر میں آزاد کرنے والا آقا غلام باندی کا عصبہ ہوتا ہے اور جب عصبہ ہے تو اس کو شادی کرانے کا بھی حق ہوگا۔

(۱۷۰۷/۴۰) وَاِذَا غَابَ الْوَلِیُّ الْاَقْرَبُ غَیْبَةً مُنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هُوَ اَبْعَدُ مِنْهُ اَنْ یُزَوِّجَهَا.

ترجمہ: اور اگر غائب ہو جائے ولی اقرب غیبت منقطعہ کے طور پر تو جائز ہے اس سے دور کے ولی کے لئے یہ کہ وہ اس کی شادی کر دے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ولی اقرب مثلاً باپ غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو گیا تو ولی ابعد مثلاً دادا کے لئے

نکاح کرانے کی ولایت ثابت ہو جائے گی یہ ہمارے نزدیک ہے، اور امام زفرؒ ناجائز کہتے ہیں اب اگر اس کے بعد قریبی ولی آجائے تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح باطل نہ ہوگا، کیوں کہ وہ اس کی کامل ولایت سے ہوا ہے۔

(۴۱/۱۷۰۸) وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ اَنْ يَكُوْنَ فِيْ بَلَدٍ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ الْقَوَافِلُ فِي السَّنَةِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً.

ترجمہ: اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ ایسے شہر میں ہو کہ نہ پہنچ پاتے ہوں قافلے اس کی طرف سال میں مگر ایک مرتبہ۔

غیبت منقطعہ سے کیا مراد ہے؟

تشریح: صاحب قدوریؒ اس عبارت میں غیبت منقطعہ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں اس کے اندر اختلاف ہے صاحب قدوری کا مذہب مختار تو یہ ہے کہ آدمی ایسے شہر میں چلا جائے جہاں قافلے سال میں ایک ہی مرتبہ جاتے ہیں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ولی اقرب کا بقدر مسافتِ سفرِ شرعی دور ہونا معتبر ہے یعنی تقریباً اڑتالیس میل دور رہتا ہو اور اڑتالیس میل شرعی موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ۸۷ کلومیٹر ۸۲ ۷ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے، بہت سے حضرات نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے تیسری تفسیر یہ ہے کہ اتنی دور رہتا ہو کہ اگر اس کی رائے معلوم کی جائے تو جوڑا فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں غیبت منقطعہ ہو کا تحقق ہو جائے گا یہ قول دلائل فقیہ سے زیادہ قریب ہے۔ (اللباب ۲/ ۱۴۷)

(۴۲/۱۷۰۹) وَالْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ مُعْتَبَرَةٌ.

حل لغات: الکفائة: کفاءت کے معنی ہمسری برابری، الکفاءة فی النکاح یہ ہے کہ شوہر عورت کا مساوی ہو اس کے خاندان میں دین میں عمر میں خوبصورتی وغیرہ میں۔

ترجمہ: اور ہمسری معتبر ہے نکاح میں۔

کفاءت کا بیان

تشریح: میاں بیوی کی طبعیت ملنی ضروری ہے اور کفو ہو یہ تبھی ہو سکتا ہے اس لیے کفو میں شادی کرنا چاہئے، ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک زوجین کے درمیان کفاءت کا پایا جانا صحت نکاح کے لئے شرط نہیں ہے، امام احمد سے اس میں دو روایتیں ہیں روی عنه انها شرط له والروایة الثانیة عن احمد انها لیست بشرط وهذا قول اکثر اهل العلم کذا فی الاوجز ۴/ ۴۱۵، بہر حال جمہور کے نزدیک کفاءت شرط صحت تو نہیں لیکن شرعاً معتبر ضرور ہے چناں چہ متن میں ہے کہ کفاءت نکاح میں معتبر ہے پس اگر کوئی عورت اپنا نکاح غیر کفو سے کرے تو اس صورت میں اولیاء کو زوجین کے درمیان تفریق کرنے کا حق ہے۔

(۱۷۱۰/۴۳) فَإِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ كُفْوٍ فَلِلْأَوْلِيَاءِ اَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اگر شادی کرے عورت غیر کفو کے ساتھ تو اولیاء کو حق ہے اس بات کا کہ وہ جدائی کرادیں ان میں۔

تشریح: اب ایک مثال متفرع کی ہے حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ لڑکا لڑکی جب عاقل بالغ ہوں اور وہ اپنی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کرلیں تو ان کے اولیاء کو حق ہے کہ قاضی کے فیصلہ سے اس کو تڑوائیں کیوں کہ غیر کفو میں شادی کرنے سے اولیاء کو شرمندگی ہوگی اس لیے اس شرمندگی کو دور کرنے کے لئے وہ قاضی کے ذریعہ نکاح توڑوا سکتے ہیں، اس کے برخلاف امام صاحب سے حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ لڑکی اگر غیر کفو میں نکاح کرلے تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا یعنی اس کے فسخ کے لئے قاضی کے یہاں سے فسخ کی ضرورت نہیں مشائخ نے فساد زمانہ کی وجہ سے اس مسئلہ میں حسن بن زیاد کے قول پر فتوی دیا ہے۔ (عالمگیری ۲۹۲/۱)

(۱۷۱۱/۴۴) وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ فِي النَّسَبِ وَالدِّيْنِ وَالْمَالِ وَهُوَ اَنْ يَكُوْنَ مَالِكاً لِلْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ وَتُعْتَبَرُ فِي الصَّنَائِعِ.

ترجمہ: اور کفو کا اعتبار کیا جائے گا نسب میں دین میں اور مال میں اور مال کا مطلب یہ ہے کہ شوہر مالک ہو مہر کا اور نفقہ کا اور کفو کا اعتبار کیا جائے گا پیشہ میں۔

تشریح: کفاءت کن اوصاف میں معتبر ہے مسئلہ مختلف فیہ ہے حنفیہ کے نزدیک تین چیزوں میں بالاتفاق معتبر ہے نسب، آزادی، مال مالدار، کا مطلب یہ ہے کہ شوہر مہر دینے اور روزانہ کا نان ونفقہ دینے کی طاقت رکھتا ہو۔

ان تین کے علاوہ دو وصف مختلف فیہ ہیں یعنی دین اور صنعت وحرفت (پیشہ) دین سے مراد دیانت تقویٰ صلاح اور اچھے اخلاق ہیں بہر حال دیانت میں یہ کفائت کا اعتبار کرنا شیخین کا مذہب ہے، امام محمد کے نزدیک نہیں وہ فرماتے ہیں دین امور آخرت سے ہے لہٰذا احکام دنیا اس پر موقوف نہیں ہوں گے مگر کسی کا شوہر اگر اس درجہ فسق وفجور میں مبتلا ہے کہ جو چاہے اس کو طمانچہ لگادے اور لوگ اس کا مذاق اڑاتے رہیں تو ایسا شخص کسی نیک عورت کا کفو نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ شخص انتہائی حقیر وذلیل ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ پیشوں میں کفاءت معتبر ہے یہ صاحبین کا مذہب ہے خلافا لابی حنيفة على عادة العرب اس لیے کہ اہل عرب کے نزدیک پیشہ قابل عار یا باعث افتخار نہیں صاحبین کے نزدیک اس کا اعتبار ہے اس لیے کہ عجمیوں کے نزدیک گھٹیا پیشہ باعث شرم ہے حضرت گنگوہیؒ کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اس میں عربوں کے حال کا لحاظ فرمایا چوں کہ ان کے پاس اپنے نسب محفوظ ہیں، اس لیے وہ پیشہ کی پرواہ نہیں کرتے اور صاحبین نے عجمیوں کے حال کے پیش نظر پیشہ کا اعتبار کیا کیوں کہ عجمیوں نے اپنے نسب کو محفوظ نہیں رکھا بس ان کی نظر ظاہری پیشہ پر ہوتی ہے بہر حال یہ کل پانچ اوصاف ہوئے، عصر حاضر میں نسب بعیدہ کو کفو کا مقام حاصل ہوسکتا ہے اور باشندگان ہند کے انساب گو محفوظ نہیں ہیں مگر برادریوں کا منظم انداز میں لین دین میں کفو کا خیال

رکھنا اس بات پر دلالت ہے کہ نسب بعیدہ محفوظ ہے۔

یہاں ایک بات اور ذہن میں رہے کہ کفاءت مرد کی جانب معتبر ہے یعنی مرد کا عورت کے برابر ہونا (اگر وہ اوصاف عورت میں پائے جاتے ہیں تو مرد میں بھی ہونے چاہئیں) اور عورت کا مرد کے برابر ہونا یہ کفاءت نہیں ہے کیوں کہ کفو نہ ہونے کی صورت میں شرم جو لاحق ہوتی ہے وہ عورت کو لاحق ہوتی ہے مرد کو کسی صورت میں لاحق نہیں ہوتی اس لیے عورت شوہر کی ماتحتی میں ہوتی ہے اور اعلیٰ کا ادنی کے ماتحت ہونا یہ باعث شرم ہے نہ کہ اس کا عکس لہٰذا عورت کا مرد سے کم درجہ ہونا نقصان دہ نہیں ہے۔

(۱۷۱۲/۴۵) وَاِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ وَنَقَصَتْ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْاَوْلِيَاءِ الْاِعْتِرَاضُ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰی یُتِمَّ لَهَا مَهْرَ مِثْلِهَا اَوْ یُفَرِّقَهَا.

ترجمہ: اور جب شادی کی عورت نے اور کم کر لیا مہر اپنے مہر مثل سے تو اولیاء کو حق ہے اس پر اعتراض کرنے کا امام صاحب کے نزدیک یہاں تک کہ مہر مثل پورا کر دے یا اس کو جدا کر دے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ایک بالغہ عورت نے اپنا نکاح مہر مثل سے کم پر کیا تو امام صاحب کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے شوہر مہر مثل مکمل کرے یا جدا کر دے صاحبین کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض نہیں ہے کیوں کہ دس درہم تک تو شریعت کا حق ہے اس سے زیادہ خود عورت کا حق ہے، اب اگر وہ اس حق کو ساقط کرنا چاہتی ہے تو وہ اس کا ذاتی معاملہ ہے اس لیے اولیاء کو اس پر اعتراض کا حق نہ ہوگا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مہر کے زیادہ ہونے سے اولیاء کو عزت ملتی ہے اور فخر ہوتا ہے اور کم ہونے سے شرمندگی ہوتی ہے اس لیے اگر مہر کم رکھا تو اولیاء کو حق ہے کہ قاضی کے سامنے مقدمہ پیش کریں۔

(۱۷۱۳/۴۶) وَاِذَا زَوَّجَ الْاَبُ اِبْنَتَهُ الصَّغِیْرَةَ وَنَقَصَ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اِبْنَهُ الصَّغِیْرَ وَزَادَ فِیْ مَهْرِ اِمْرَأَتِهٖ جَازَ ذَالِكَ عَلَیْهِمَا وَلَایَجُوْزُ ذَالِكَ لِغَیْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ.

ترجمہ: اور جب نکاح کیا باپ نے اپنی چھوٹی لڑکی کا اور کم کر دیا اس کے مہر مثل سے یا نکاح کیا اپنے چھوٹے لڑکے کا اور زیادہ کر دیا اس کی بیوی کے مہر مثل کو تو یہ کمی اور زیادتی دونوں کے حق میں جائز ہے اور جائز نہیں ہے یہ باپ اور دادا کے علاوہ کے لئے۔

تشریح: باپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کیا اور اس کا مہر، مہر مثل سے کم مقرر کیا یا باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کا نکاح کیا اور اس کی بیوی کا مہر، مہر مثل سے زائد مقرر کیا تو باپ دادا کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور نکاح ہو جائے گا کیوں کہ باپ دادا میں شفقت کاملہ ہے اور عقل بھی، انہوں نے یہ کمی زیادتی کسی خاص مصلحت کے پیش نظر کی ہوگی، اور باپ دادا کے علاوہ میں یا تو شفقت کاملہ نہیں ہے جیسے چچا وغیرہ یا عقل کامل نہیں ہے جیسے ماں اس لیے اگر انہوں نے کمی

زیادتی کے ساتھ شادی کرائی تو قابل قبول نہ ہوگی۔

(۱۷۱۴/۴۷) وَيَصِحُّ النِّكَاحُ إِذَا سَمَّى فِيهِ مَهْراً وَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ فِيهِ مَهْراً.

ترجمہ: اور صحیح ہے نکاح جب کہ متعین کرے اس میں مہر اور صحیح ہے نکاح اگر چہ متعین نہ کیا ہو اس میں مہر۔

نکاح کا حکم

تشریح: صاحب قدوری اس عبارت میں نکاح کے حکم کو بیان کرنا چاہتے ہیں، اور حکم نکاح وجوب مہر ہے، مہر کی مشروعیت کتاب اللہ حدیث اور اجماع سے ہے قال اللہ تعالی "وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ" (آیت ۲۴ سورۃ النساء) اور حلال کردی گئیں ہیں تمہارے لئے محرمات کے سوا سب عورتیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو، اس آیت میں 'تبتغوا باموالکم' سے مہر فرض ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لیے مہر متعین کئے بغیر بھی شادی ہو جائے گی اور آیت کی وجہ سے خود بخود مہر لازم ہو جائے گا اور مہر کی مشروعیت کے سلسلہ میں احادیث تو بے شمار ہیں۔

(۱۷۱۵/۴۸) وَأَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَإِنْ سَمَّى أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا عَشَرَةٌ.

ترجمہ: اور مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے پھر اگر متعین کیا دس درہم سے کم تو اس کے لئے دس درہم ہے۔

مہر کی مقدار کا بیان

تشریح: اکثر مہر کی کوئی مقدار نہیں البتہ اقل مہر کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں تین مذہب ہیں (۱) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو مال ہو اور بیع میں ثمن بن سکتی ہو وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے (۲) امام مالکؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار یا تین درہم ہے (۳) حنفیہ فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں کم سے کم مہر دس درہم ہے اس سے کم مہر کی تعیین صحیح نہیں ہوگی اگر دس درہم سے کم مہر باندھا جائے تب بھی دس درہم ہی لازم ہوگا اور دس درہم میں دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے اور یہ موجودہ گراموں کے حساب سے ۳۰ گرام ۶۱۸ ملی گرام ہوتا ہے اور دس گرام کے تولہ سے ۳ تولہ ۶۱۸ ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہے، اس روایت کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا فِي أَزْوَاجِهِمْ اس میں لفظ 'فرض' اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مہر کی مقدار شرعاً مقرر ہے، اس لیے کہ فرض کے معنی مقرر کرنے کے آتے ہیں لیکن قرآن وحدیث کے پورے ذخیرہ میں حضرت جابرؓ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ کسی بھی حدیث میں مہر کی کوئی

مقدار منقول نہیں لہٰذا یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت بیان مقدار میں مجمل ہے اور حضرت جابر کی روایت اس کے لئے بیان کی حیثیت رکھتی ہے (درس ترمذی ۳/۳۹۱، ۳۹۲) اگر گنجائش ہو تو مہر فاطمی مستحب ہے کیوں کہ آپ کی ازواج مطہرات کا مہر بھی مہر فاطمی یعنی پانچ سو درہم تھا۔

مہر فاطمی قدیم اوزان سے

مہر فاطمی ۵۰۰ درہم = ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ چاندی ہے

ایک ماشہ = ۸ رتی ۱۲ ماشہ = ۹۶ رتی ایک تولہ

۱۵۷۲ ماشہ = ۱۳۱ تولہ ۱۲۵۷۶ رتی۔

۱۵۷۵ ماشہ = ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ = ۱۲۶۰۰ رتی

۱۲۶۰۰ رتی = ۵۰۰ درہم = مہر فاطمی۔

مہر فاطمی موجودہ اوزان سے

ایک رتی ½۱۲۱ ملی گرام

دس رتی ۱۲۱۵ ملی گرام

۹۶ رتی ۱۱۶۶۴ ملی گرام ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام قدیم تولہ

ایک ماشہ = ۹۷۲ ملی گرام، ۱۲ ماشہ = ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام = ایک تولہ۔

۱۵۷۲ ماشہ = ۱۳۱ تولہ = ۱۵۲۷۹۸۴ ملی گرام ۱۵۷۵ ماشہ = ۱۵۳۰۹۰۰ ملی گرام ۱۵۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام = ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ

۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ ڈیڑھ کلو ۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی مہر فاطمی ہے۔ اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے مہر فاطمی ۱۵۳ تولہ ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہے (ایضاح المسائل ص: ۱۳۰)

(۱۷۱۶/۴۹) وَمَنْ سَمّٰى مَهْراً عَشَرَةً فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ الْمُسَمّٰى اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا.

ترجمہ: کسی نے متعین کیا مہر دس درہم یا اس سے زیادہ تو اس پر متعین کردہ مہر ہے اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے بیوی کا مہر مقرر کر دیا دس درہم یا زیادہ پھر اس کے بعد دخول پایا گیا یا صحبت سے پہلے دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا تو اب مہر متعین ہی دینا ہوگا مہر مثل لازم نہیں ہوگا کیوں کہ صحبت

کرنے سے گویا کہ اپنا مال وصول کیا اور مبدل کے سپرد کرنے سے بدل واجب ہوتا ہے لہٰذا شوہر پر بدل یعنی مہر واجب ہوگا اسی طرح صحبت سے پہلے انتقال ہوگیا تو شیٔ اپنی انتہاء کو پہنچ گئی اور شیٔ اپنی انتہاء کو پہنچ کر مؤکد ہو جاتی ہے لہٰذا اب پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔

(۱۷۱۷/۵۰) فَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمّٰى.

ترجمہ: اگر اس کو طلاق دے دی صحبت اور خلوت سے پہلے تو اس کے لئے متعین کردہ مہر سے آدھا ہوگا۔

تشریح: کسی عورت سے شادی ہو چکی لیکن ابھی تک اس کے ساتھ صحبت نہیں کی یا خلوت نہیں کی اور طلاق دے دی تو عورت کے لئے آدھا مہر ہوگا، ہمارے نزدیک خلوت دخول کے مرتبہ میں ہے لہٰذا جو حکم دخول کا ہوگا وہی خلوت کا ہوگا مذکورہ مسئلہ کی دلیل آیت شریفہ ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ (آیت ۲۳۷ سورۃ البقرہ) اگر تم نے طلاق دی جماع سے پہلے اور ان کے لئے مہر مقرر کر رکھا ہے تو جتنا مقرر کیا ہے اس کا آدھا مہر ملے گا۔

(۱۷۱۸/۵۱) وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا اَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى اَنْ لَّامَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا.

ترجمہ: اور اگر نکاح کیا عورت سے اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا یا نکاح کیا اس سے اس شرط پر کہ اس کے لئے مہر نہیں تو اس عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اگر اس سے صحبت کر لی یا اس کو چھوڑ کر مر گیا۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف نے دو صورتیں بیان کی ہیں (۱) نکاح کیا اور مہر کے بارے میں خاموش رہا نہ ذکر کیا اور نہ نفی کی (۲) نکاح کیا اور یوں کہا کہ تمہارے لئے مہر نہیں ہے تو ان دونوں صورتوں میں ہمارے نزدیک عورت کو مہر مثل ملے گا، بشرطیکہ بیوی سے صحبت کر لی یا شوہر کا انتقال ہوگیا یا بیوی کا انتقال ہوگیا۔

دلیل: یہ ہے کہ اسی جیسی صورت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ اس کے لئے اس کے خاندان کی عورتوں کے مثل مہر ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔

(۱۷۱۹/۵۲) وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ وَهِيَ ثَلٰثَةُ اَثْوَابٍ مِّنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا وَهِيَ دِرْعٌ وَخِمَارٌ وَمِلْحَفَةٌ.

ترجمہ: اور اگر اس کو طلاق دے دی اس سے صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے تو اس عورت کے لئے متعہ ہے اور وہ تین کپڑے ہیں اس جیسی عورت کے لباس سے اور وہ کرتی اوڑھنی اور چادر ہے۔

تشریح: اگر شوہر نے عورت کو عقد نکاح کے بعد صحبت یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی اور عورت کے لئے

مہر متعین نہیں تھا تو ایسی عورت کو حنفیہ کے نزدیک متعہ ملے گا جو شوہر پر واجب ہے امام مالکؒ کے نزدیک متعہ مستحب ہے، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ متعہ میں تین کپڑے ہوتے ہیں کرتی، اوڑھنی، چادر، صاحب کتاب کے قول 'من کسوة' سے معلوم ہوتا ہے کہ جس معیار کی عورت ہوگی اسی معیار کا کپڑا دیا جائے گا، مگر صحیح قول یہ ہے کہ مرد کے حال کا اعتبار ہوگا۔

(۵۳/۱۷۲۰) وَاِنْ تَزَوَّجَهَا الْمُسْلِمُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر شادی کر لی مسلمان نے شراب یا خنزیر پر تو نکاح جائز ہے اور عورت کے لئے مہر مثل ہے۔

تشریح: کسی مسلمان نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر مقرر کیا شراب یا خنزیر کو چوں کہ یہ دونوں چیزیں مسلمان کے لئے مال نہیں ہے اس لیے ان پر شادی کرنا گویا کہ مہر متعین نہ کرنا ہے، اور جب مہر متعین نہ کیا ہو تو اس پر مہر مثل لازم ہوتا ہے اس لیے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح درست ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا، امام مالکؒ کے نزدیک نکاح فاسد ہوگا۔

(۵۴/۱۷۲۱) وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْراً ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلٰى تَسْمِيَةِ مَهْرٍ فَهُوَ لَهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا.

ترجمہ: اور اگر شادی کرے کسی عورت سے اور اس کے لئے مہر متعین نہ کرے پھر دونوں راضی ہو جائیں مہر کی کسی مقدار پر تو اس کو وہی (جس پر دونوں راضی ہو گئے تھے) ملے گا اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت مہر ذکر نہیں کیا پھر دونوں میاں بیوی نے ایک مقدار مقرر کر لی، تو اب اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کیا یا مر گیا تو دونوں صورتوں میں وہی مہر لازم ہوگا جس پر دونوں راضی ہو گئے تھے کیوں کہ مہر مثل اس وقت واجب ہوتا ہے جب کچھ بھی طے نہ ہو اور یہاں بعد میں ایک مقدار طے کر لی اور عورت اس پر راضی ہو گئی اس لیے مہر مثل لازم نہ ہوگا بلکہ جو طے ہوا تھا وہی لازم ہوگا۔

(۵۵/۱۷۲۲) وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر اس کو طلاق دے دے صحبت سے پہلے اور خلوت سے پہلے تو اس کے لئے متعہ ہے۔

تشریح: اگر مرد نے عورت کو صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی اور نکاح کے وقت مہر متعین نہیں تھا بعد میں کسی مقدار پر راضی ہو گئے تھے، تو اب عورت کو اس مقدار کا آدھا نہیں ملے گا بلکہ اس کے لئے متعہ ہوگا کیوں کہ اگر عقد نکاح کے وقت مہر ذکر نہ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے یہاں بھی مہر مثل واجب ہو گیا بعد میں زوجین نے ایک مقدار پر اتفاق کر لیا تو یہ متعین کردہ مقدار حقیقت میں تعیین ہے اس کی جو عقد کی وجہ سے واجب ہوا تھا اور

عقد کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوا اور مہر مثل کی تنصیف نہیں ہوتی تو جو اس کے مرتبہ میں ہے اس کی بھی تنصیف نہیں ہوگی اور جب تنصیف نہیں ہوگی تو متعہ واجب ہوگا۔

(۵۶/۱۷۲۳) وَإِنْ زَادَ فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا وَتَسْقُطُ الزِّيَادَةُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ.

ترجمہ: اور اگر زیادتی کر دی مہر میں عقد کے بعد تو لازم ہوگی شوہر پر زیادتی اگر صحبت کر لی یا مر گیا اور ساقط ہو جائے گی زیادتی صحبت سے پہلے طلاق دینے سے۔

تشریح: عقد نکاح کے بعد مقررہ مہر پر اگر شوہر نے زیادتی کر دی اور عورت نے اسی مجلس میں قبول کر لیا تو ہمارے نزدیک شوہر پر یہ زیادتی لازم ہوگی، مثلاً عقد نکاح کے وقت پانچ سو درہم مہر متعین کیا بعد میں ایک سو اور زیادہ کر دیا تو اگر صحبت کی یا صحبت سے پہلے میاں بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا تو یہ ایک سو درہم مہر بھی لازم ہوگا۔

دلیل: قرآن کریم کی یہ آیت ہے وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ، اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضامندی سے مقرر کئے ہوئے کے بعد، اور اگر صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو آدھا مہر لازم ہوگا لیکن یہاں صرف پانچ سو کا آدھا ہوگا بعد میں جو ایک سو درہم زیادہ کیا تھا اس کا آدھا لازم نہ ہوگا وہ ایک سو بالکلیہ ساقط ہو جائیں گے۔

(۵۷/۱۷۲۴) فَإِنْ حَطَّتْ مِنْ مَهْرِهَا صَحَّ الْحَطُّ.

ترجمہ: اگر عورت کم کر دے (مرد کے ذمہ سے) اپنے مہر سے تو یہ کم کرنا صحیح ہے۔

تشریح: مہر کم کرنا عورت کا حق ہے اس لیے اگر وہ متعینہ مہر میں سے کچھ کم کرنا چاہے تو کم کر سکتی ہے۔

(۵۸/۱۷۲۵) وَإِذَا خَلَا الزَّوْجُ بِامْرَأَتِهِ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِنَ الْوَطْئِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا.

ترجمہ: اگر تنہائی اختیار کرے شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اور نہیں تھا وہاں کوئی مانع وطی سے پھر اس کو طلاق دے دے تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا۔

خلوت کا بیان

تشریح: اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ کی اور خلوت کے وقت وطی سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنی اور شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اب عورت کو کتنا مہر ملے گا؟ اس سلسلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو پورا مہر ملے گا، کیوں کہ عورت نے منافع بضع شوہر کے حوالہ کر دیا اس طرح عورت نے تمام موانع کو اٹھا دیا ہے اور عورت

کی قدرت میں اتنا ہی تھا اب شوہر اس کو استعمال نہ کرے تو یہ اس کی کوتاہی ہے اس لیے پورا مہر لازم ہوگا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے آدھا مہر لازم ہوگا، کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مہر واجب نہیں ہوگا جب تک صحبت نہ کرے ورنہ اس کے لئے آدھا مہر ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق ۶/۲۹۰)

خلوت کی دو قسمیں ھیں: (۱) خلوت صحیحہ (۲) خلوت فاسدہ۔

اگر کوئی مانع وطی نہ پایا جائے تو ایسی صورت میں جو خلوت ہوگی وہ خلوت صحیحہ کہلائے گی، اور اگر کوئی مانع وطی موجود ہے تو ایسی صورت میں جو خلوت ہوگی وہ خلوت فاسدہ کہلائے گی۔

(۱۷۲۶/۵۹) وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مَرِيْضاً اَوْ صَائِماً فِيْ رَمَضَانَ اَوْ مُحْرِماً بِحَجٍ اَوْ عُمْرَةٍ اَوْ كَانَتْ حَائِضاً فَلَيْسَتْ بِخَلْوَةٍ صَحِيْحَةٍ وَلَوْ طَلَّقَهَا فَيَجِبُ نِصْفُ الْمَهْرِ.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے کوئی ایک بیمار ہو یا رمضان میں روزہ سے ہو یا احرام باندھے ہوئے ہو حج کا یا عمرہ کا یا عورت حائضہ ہو تو یہ خلوت صحیحہ نہیں ہے اگر طلاق دے دی تو آدھا مہر واجب ہوگا۔

موانع وطی کا بیان

تشریح: صاحب کتاب اس عبارت میں موانع وطی بیان کرنا چاہتے ہیں، چناں چہ سب سے پہلے فرمایا کہ مرض مانع ہے لیکن مرض سے وہ مرض مراد ہے جو مانع جماع ہو یا جماع کرنے سے نقصان کا خطرہ ہو مطلقاً بیماری مراد نہیں ہے یہ مانع حسی کی مثال آگے فرماتے ہیں کہ رمضان کا روزہ بھی خلوت صحیحہ کے لئے مانع ہے کیوں کہ صحبت کرنے سے کفارہ لازم ہوگا اس لیے رمضان کا روزہ بھی مانع خلوت ہوگا، اور احرام اس لیے مانع خلوت ہے کہ صحبت کرنے سے دم لازم ہوگا اور عبادت حج فاسد ہوگی اور قضاء واجب ہوگی یہ مانع شرعی کی مثال ہے، اور حیض اس لیے مانع ہے کہ حالت حیض میں صحبت کرنا طبعاً بھی ممنوع ہے اور شرعاً بھی، اس لیے ان چیزوں سے خلوت صحیحہ نہیں ہوگی لہٰذا اگر اس عورت کو طلاق دے دی تو اس کے لئے نصف مہر ہوگا۔

فائدہ: میاں بیوی کے درمیان خلوت صحیحہ کے ہونے میں جمہور کے نزدیک کاٹنے والا کتا مخل بن جاتا ہے چاہے شوہر کا ہو یا بیوی کا، کلب عقور، کی موجودگی میں خلوت صحیحہ نہیں ہوگی، مگر شیخ ابن الہمام کے نزدیک کلب عقور اگر بیوی کا ہے تب تو خلوت صحیحہ نہیں ہوگی لیکن اگر شوہر کا ہے تو ہو جائے گی، کیوں کہ کتا اپنے مالک کو نیچے دیکھنے میں تو حملہ کرتا ہے مگر اوپر دیکھنے میں حملہ نہیں کرتا (فتح ۳/۳۱۷)

(۱۷۲۷/۶۰) وَاِذَا خَلَا الْمَجْبُوْبُ بِامْرَأَتِهٖ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور جب خلوت کی ذکر کٹے ہوئے آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ پھر اس کو طلاق دے دی تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مقطوع الذکر کی خلوت صحیح ہے یا فاسد، امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر مقطوع الذکر نے خلوت کی اور پھر طلاق دے دی تو عورت کے لئے شوہر پر پورا مہر لازم ہوگا اور یہ خلوت صحیحہ کہلائے گی، کیوں کہ عورت پر رگڑنے کے لئے بضع کو سپرد کرنا واجب تھا اور یہی عورت کی قدرت میں ہے وہ یہ کام کر چکی یہ اور بات ہے کہ مرد اپنی مجبوری کی وجہ سے وصول نہیں کر پا رہا ہے لہٰذا مرد پر پورا مہر لازم ہوگا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ خلوت فاسدہ ہے لہٰذا اگر طلاق دے دی تو نصف مہر واجب ہوگا، کیوں کہ بیمار کو سپرد کرنے سے خلوت صحیحہ نہیں ہوتی ہے تو مقطوع الذکر تو اس سے زیادہ بیمار کے درجہ میں ہے کیوں کہ مریض تو کبھی نہ کبھی جماع پر قادر ہوسکتا ہے لیکن مقطوع الذکر جماع پر بالکل قدرت نہیں رکھتا اس لیے اس کو سپرد کرنے سے خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوگی اور پورا مہر لازم نہیں ہوگا۔

(۶۱/۱۷۲۸) **وَيَسْتَحِبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إِلَّا الْمُطَلَّقَةُ وَاحِدَةٌ وَهِيَ الَّتِي طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْراً.**

ترجمہ: اور مستحب ہے متعہ ہر مطلقہ کے لئے سوائے ایک مطلقہ کے اور وہ وہ عورت ہے کہ طلاق دی ہو اس کو صحبت سے پہلے اور اس کے لئے مہر متعین نہ کیا ہو۔

تشریح: تمام مطلقہ عورتوں کو متعہ کا کپڑا دینا مستحب ہے مگر ایک مطلقہ کو متعہ کا کپڑا دینا واجب ہے وہ یہ ہے کہ صحبت سے پہلے اس کو طلاق دے دی ہو اور اس کا مہر متعین نہ ہوا ہو اگر صحبت کرتا تو مہر مثل ملتا اور صحبت سے پہلے مہر مثل کا آدھا نہیں ہے اس لیے کچھ نہ کچھ ملنا چاہئے اس لیے اس کے لئے متعہ دینا واجب کریں گے۔

(۶۲/۱۷۲۹) **وَإِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ إِبْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الرَّجُلُ أُخْتَهُ أَوْ بِنْتَهُ لِيَكُوْنَ أَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضاً عَنِ الْآخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا.**

ترجمہ: جب شادی کی کسی نے اپنی بیٹی کی اس شرط پر کہ وہ اس کی شادی کرے گا اپنی بہن یا لڑکی سے تاکہ ہو جائے دونوں میں سے ایک بدلہ دوسرے کا تو دونوں عقد جائز ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے نکاح شغار کو بیان کیا ہے، شغار ان نکاحوں میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے اور شغار کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے مثلاً یہ کہے کہ میں اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح تجھ سے کرتا ہوں تو اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح مجھ سے کردے اس طور پر کہ یہ آپس کا لین دین ہی نکاح کا عوض اور مہر ہو جائے اس کے علاوہ کوئی اور مستقل مہر نہ ہو، شغار کے لغوی معنی اٹھانے کے ہیں، **شغر الکلب**: اس وقت کہا جاتا

ہے جب کتا پیشاب کے لئے اپنی ٹانگ اٹھائے، تو گویا نکاح شغار میں متعاقدین میں سے ہر شخص دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ تم میری بیٹی کی ٹانگ نہیں اٹھا سکتے، یہاں تک کہ میں تمہاری بیٹی کی ٹانگ نہ اٹھاؤں، اور کہا گیا ہے کہ یہ ماخوذ ہے شغر البلد سے، جب کہ وہ خالی اور ویران ہو جائے، وجہ مناسبت ظاہر ہے کہ یہ نکاح بھی مہر سے خالی ہوتا ہے۔

شغار کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنفیہ کے نزدیک نکاح شغار اگر چہ جائز نہیں ہاں اگر کیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن مہر مثل واجب ہوگا۔

جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا **وعن احمد روایتان مثل الشافعیه والحنفیه**، اور امام مالک سے اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ مطلقاً واجب الفسخ ہے، اور دوسری روایت یہ کہ صرف قبل الدخول واجب الفسخ ہے۔

امام شافعیؒ کا استدلال حضرت عمران بن حصین کی روایت کے ان الفاظ سے ہیں **وَلاَ شِغَارَ فِي الإِسْلاَمِ** یعنی اسلام میں نکاح شغار کی کوئی گنجائش نہیں ہے (ترمذی ۱/۱۴۴) یہ حدیث نکاح شغار کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہے۔

جواب: ہمارے نزدیک یہ حدیث مخالفت پر محمول ہے نہ کہ ابطال پر (بدائع ۲/ ۲۷۸) شافعیہ نے اپنے مذہب پر ایک دلیل عقلی بھی بیان کی ہے، کہ شغار کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ہر ایک عورت کا بضع مہر بھی ہو اور منکوح بھی اور یہ درست نہیں۔

جواب: ہمارے نزدیک شغار کی صورت میں اعتبار مہر مثل کا ہے لہذا ہر عورت کا بضع محض منکوح کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ مہر اور منکوح دونوں کی دیکھئے فتح القدیر ۳/۲۲۲ حنفیہ کے نزدیک نہی عن الافعال الشرعیہ منہی عنہ کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے لہذا نکاح درست ہے حنفیہ کے مذہب کی مزید وضاحت یہ ہے کہ شغار کی صورت میں احد البضعین کو جو دوسرے کا مہر ٹھہرایا گیا ہے یہ تسمیہ فاسد ہے کیوں کہ بضع مال نہیں اس لیے مہر نہیں بن سکتا لہذا ایسی صورت میں ہر ایک عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی حاصل یہ کہ بضع کو مہر قرار دینا شرط فاسد ہے اور نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

وَإِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ اِمْرَأَةً عَلٰى خِدْمَةِ سَنَةٍ أَوْ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ جَازَ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا. (۱۳/۱۷۳۰)

ترجمہ: اور اگر شادی کر لے کوئی آزاد کسی عورت سے ایک سال کی خدمت پر یا قرآن کی تعلیم پر تو جائز ہے اور اس کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ کسی آزاد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر بنایا کہ میں ایک سال بیوی کی خدمت کروں گا یا تعلیم قرآن کو مہر بنایا یعنی یہ کہا کہ میں اپنی بیوی کو قرآن پاک کی تعلیم دوں گا میری طرف سے یہی مہر ہے ان دونوں صورتوں میں شیخین کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا بیوی اس لیے ہوتی ہے کہ وہ شوہر کی خدمت کرے اور یہاں الٹا

شوہر بیوی کی خدمت کرے گا اس لیے مہر کے لئے شوہر کی خدمت متعین کرنا صحیح نہیں ہے گویا کہ مہر ہی متعین نہیں کیا اور جب مہر متعین نہ کیا ہو تو مہر مثل لازم ہوتا ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ خدمت کو مہر بنانا درست ہے لیکن شوہر پر خدمت واجب نہیں ہوگی بلکہ آزاد شوہر کی خدمت کی قیمت واجب ہوگی، کیوں کہ خدمت کرنے میں قلب موضوع لازم آئے گا۔

تعلیم قرآن کو مہر بنانا

مسئلہ مختلف فیہ ہے، شوافع کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست ہے۔

دلیل: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم زوجتكها بما معك من القرآن. (درس ترمذی ۱/۱۳۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا نکاح کر دیا اس کے بدلہ جو تمہارے پاس قرآن ہے، اس حدیث میں تعلیم قرآن کو مہر بنایا ہے۔

جمہور کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست نہیں ان کا استدلال **واحل لكم ما وراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم** سے ہے، اس میں ابتغاء بالمال کا حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو مال نہ ہو وہ مہر نہیں بن سکتا اور تعلیم قرآن بھی مال نہیں اور خبر واحد سے آیت کا نسخ درست نہیں لہٰذا 'زوجتكها بما معك' کا ایسا مطلب مراد لیا جائے گا جو آیت کے مطابق ہو اور وہ یہ ہے کہ بما معك میں 'باء' سببیت کے لئے ہے معاوضہ کی نہیں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن کی جو عظیم نعمت تم کو حاصل ہے اس وجہ سے تمہارا نکاح اس سے کیا جاتا ہے اور تم پر مہر معجل ضروری قرار نہیں دیا جاتا البتہ مہر موجل قواعد کے مطابق واجب ہوگا، ایک جواب یہ ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا متعلقہ صحابی کی خصوصیت تھی۔

(درس ترمذی ۳/ ۳۹۶، ۳۹۷)

شوافع کے نزدیک جیسے تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست ہے ایسے ہی آزاد و غلام دونوں کی خدمت کو مہر بنانا درست ہے اور شوہر کی خدمت کو مہر متعین کرنے کی دلیل یہ آیت ہے قَالَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰى اَنْ تَأْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ، الاية حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میری ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے آپ کی شادی کرادوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک میری مزدوری کریں، اس آیت میں آٹھ اور دس سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بکری چرانے کو مہر بنایا ہے۔

جواب: شوہر کا بیوی کی بکریاں چرانا خدمت کرنے کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ وہ گھریلو امور میں سے ہے۔

(۱۷۳۱/۶۴) وَاِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ اِمْرَأَةً حُرَّةً بِاِذْنِ مَوْلَاهُ عَلٰى خِدْمَتِهٖ سَنَةً جَازَ وَلَهَا خِدْمَتُهٗ]۔

ترجمہ: اور اگر شادی کرلے کوئی غلام کسی آزاد عورت سے اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ ایک سال کی خدمت پر تو جائز ہے اور عورت کے لئے اس غلام کی خدمت ہی ہوگی۔

تشریح: غلام نے آزاد عورت سے شادی کی اور اپنے آقا کی اجازت سے بیوی کے لئے ایک سال کی خدمت مہر متعین کیا تو نکاح ہو جائے گا اور مہر مثل لازم نہیں ہوگا بلکہ ایک سال کی خدمت ہی لازم ہوگی، کیوں کہ آقا کی اجازت سے بیوی کی خدمت کرنا گویا کہ آقا ہی کی خدمت کرنا ہے اس لیے اس کے لئے خدمت مہر بن سکتی ہے۔

(۱۷۳۲/۶۵) وَاِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَجْنُوْنَةِ اَبُوْهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِيُّ فِيْ نِكَاحِهَا ابْنُهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَبُوْهَا.

ترجمہ: اور جب جمع ہو جائیں مجنونہ عورت میں اس کا باپ اور اس کا بیٹا تو اس کا نکاح کرنے میں ولی اس کا بیٹا ہے شیخین کے قول کے مطابق اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کا باپ ہوگا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ایک مجنونہ عورت کا باپ ہے اور پہلے شوہر سے بالغ بیٹا ہے تو اس مجنونہ کے نکاح کی ولایت کس کو حاصل ہوگی اس سلسلہ میں شیخین کا مذہب تو یہ ہے کہ اس کا بیٹا نکاح کرانے کا ولی ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا باپ ولی ہوگا۔

دلیل: باپ زیادہ تجربہ کار اور مہربان ہے بمقابلہ بیٹے کے اور نکاح کرانے کا دارومدار شفقت پر ہے اس لیے باپ کو زیادہ حق ہوگا۔

(۲) حضرت خدیجہ کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے باپ نے کرائی، اور حضرت سودہؓ کی شادی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے باپ نے کرائی، شیخین فرماتے ہیں کہ ولایت کا دارومدار عصبات پر ہے اور عصبہ ہونے میں بیٹا مقدم ہے چناں چہ بیٹے کی موجودگی میں باپ کو صرف چھٹا حصہ ملتا ہے اور بیٹا عصبہ ہوتا ہے اس لیے مجنونہ کی شادی کرانے کا حق بیٹے کو ہوگا۔

(۱۷۳۳/۶۶) وَلَايَجُوْزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ اِلَّا بِاِذْنِ مَوْلَاهُمَا.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے غلام اور باندی کا نکاح کرنا مگر ان دونوں کے آقا کی اجازت سے۔

تشریح: 'لایجوز' کا ایک مطلب یہ ہے کہ بغیر آقا کی اجازت کے غلام اور باندی کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا لیکن لایجوز کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بغیر آقا کی اجازت کے غلام اور باندی کا نکاح جائز ہے مگر آقا کی اجازت پر موقوف ہے اگر آقا نے اجازت دے دی تو نافذ ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

دلیل: اگر بغیر اجازت کے باندی نے نکاح کر لیا تو اس سے آقا صحبت نہیں کر سکے گا جو بہت بڑا نقصان ہے اسی طرح غلام نے نکاح کیا تو بیوی کے نان ونفقہ میں بیچا جا سکتا ہے اس لئے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح غیر نافذ ہوگا۔

(۱۷۳۴/۶۷) وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ فَالْمَهْرُ دَيْنٌ فِيْ رَقَبَتِهٖ يُبَاعُ فِيْهِ.

ترجمہ: اور جب شادی کر لی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے تو مہر قرض ہوگا اس کی گردن میں کہ اس میں بیچ دیا جائے گا۔

تشریح: اگر غلام نے آقا کی اجازت سے نکاح کیا تو غلام پر مہر قرض بن کر واجب ہوگا اور ادائیگی مہر کے لئے غلام کو فروخت کیا جائے گا، کیوں کہ جو نکاح کرتا ہے مہر اسی کی گردن پر ہوتا ہے اور جب مہر اس کی گردن پر قرض ہوا تو اگر ادا نہ کر سکا تو وہ اس میں بیچا بھی جائے گا۔

(۱۷۳۵/۶۸) وَاِذَا زَوَّجَ الْمَوْلٰى اَمَتَهٗ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُبَوِّئَهَا بَيْتاً لِلزَّوْجِ وَلٰكِنَّهَا تَخْدِمُ الْمَوْلٰى وَيُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتٰى ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا.

حل لغات: يبوء: فعل مضارع باب تفعیل مصدر تبوية منزل میں اتارنا بسانا، اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ شوہر اور باندی کے درمیان شوہر کے مکان میں تنہائی دی جائے یعنی باندی کو شوہر کے حوالہ کر دیا جائے اور آقا باندی سے خدمت نہ لے۔ ظفرت: ماضی باب (س) ظفراً مصدر ہے کامیاب ہونا موقع پانا قابو پانا۔

ترجمہ: اگر شادی کر دی آقا نے اپنی باندی کی تو اس پر لازم نہیں ہے کہ شوہر کے یہاں رات گذارنے دے ہاں وہ آقا کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب تیرا موقع لگے صحبت کر لے۔

تشریح: اگر آقا نے اپنی باندی کا نکاح کسی کے ساتھ کر دیا تو آقا پر شوہر کے گھر میں باندی کا شب باشی کرانا لازم نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب موقع ملے بیوی سے مل لے، کیوں کہ آقا باندی کی ذات اور اس کے منافع ہر دو کا مالک ہے اس لیے اس کا حق مقدم ہے اور شوہر کا حق اس کے بعد ہے کیوں کہ اس کا حق صرف بضعہ پر ہے۔

(۱۷۳۶/۶۹) وَاِنْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً عَلٰى اَلْفِ دِرْهَمٍ عَلٰى اَنْ لَّايُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ اَوْ عَلٰى اَنْ لَّايَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا اِمْرَأَةً فَاِنْ وَفٰى بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمّٰى.

ترجمہ: اور اگر شادی کرے کسی عورت سے ایک ہزار درہم پر اس شرط کے ساتھ کہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا یا اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی عورت سے نکاح نہیں کرے گا سو اگر شوہر شرط پوری کر دے تو عورت کے لئے متعین مہر ہے۔

مہر کے متفرق مسائل

تشریح: ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا ایک ہزار درہم مہر کے بدلہ اس شرط پر کہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا یا اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا تو یہ نکاح درست ہے اگر چہ یہ دونوں شرطیں فاسد

ہیں، اور شرط فاسد اس لیے ہے کہ اس میں امر مشروع سے رکنا لازم آتا ہے بہر حال اگر شوہر نے شرط پوری کر دی تو جتنا مہر متعین کیا ہے یعنی ایک ہزار درہم وہ مل جائیں گے اور اگر شوہر نے شرط پوری نہ کی تو اس کا بیان اگلی عبارت میں ہے۔

(۱۷۳۷/۷۰) وَاِنْ تزوّج عَلَيْهَا اَوْ اَخرجَهَا مِنَ الْبَلَدِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر اس پر دوسری عورت سے شادی کرے یا اس کو شہر سے باہر لے گیا تو اس کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح: شرط تو یہی تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا یا شہر سے نہیں نکالے گا مگر شوہر نے ان شرطوں کو پورا نہیں کیا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ مہر مثل مسمیٰ سے کم ہے یا زائد یا برابر اگر مہر مثل زائد ہے، تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اور مہر مثل مسمیٰ سے کم یا برابر ہے، تو مسمیٰ یعنی ایک ہزار واجب ہوگا۔

(۱۷۳۸/۷۱) وَاِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ وَلَهَا الْوَسطُ مِنْهُ وَالزَّوْجُ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ اعْطَاهَا ذَالِكَ وَاِنْ شَاءَ اعْطَاهَا قِيْمَتَهُ.

ترجمہ: اور اگر شادی کرے کسی عورت سے ایسے حیوان پر جس کی صفت بیان نہیں کی گئی ہے تو تعین درست ہے اور عورت کے لئے اس حیوان میں سے درمیانی درجہ کا ہوگا اور شوہر کو اختیار ہے اگر چاہے عورت کو یہ وسط دے دے اور اگر چاہے تو اس کو اسی کی قیمت دے دے۔

تشریح: ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر ایسے حیوان کو بنایا جس کی صفت بیان نہیں کی گئی ہے البتہ جنس بیان کی مثلاً یوں کہا کہ گدھے پر شادی کرتا ہوں لیکن اس کی صفت بیان نہیں کی کہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا یا اوسط ہوگا یا ادنیٰ درجہ کا تو ایسی صورت میں مہر صحیح ہو جائے گا لیکن درمیانی گدھا لازم ہوگا، کیوں کہ درمیانی دینے میں کسی کا نقصان نہیں ہے البتہ درمیانی کا پتہ قیمت سے چلے گا اس لیے شوہر کو یہ بھی حق ہے کہ درمیانی جانور خریدے اور یہ بھی اختیار ہے کہ درمیانی جانور کی قیمت بیوی کے حوالہ کر دے، اور اگر جانور کی جنس بھی متعین نہ کی مثلاً یوں کہا کہ جانور پر نکاح کرتا ہوں تو اس میں جہالت کاملہ ہے اس لیے مہر مثل لازم ہوگا۔

(۱۷۳۹/۷۲) وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى ثَوْبٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر کسی عورت سے شادی کی ایسے کپڑے پر جس کی صفت بیان نہ کی گئی ہو تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح: ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور کپڑے کو مہر بنایا مگر اس کپڑے کی نوع بیان نہیں کی مثلاً یہ تو کہہ دیا کہ مہر میں کپڑا دوں گا لیکن اس کی صفت نہیں بیان کی تو ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا کیوں کہ کپڑے کی

بہت سی نوعیت ہے مثلاً سوتی ریشمی کوٹن وغیرہ تو مہر مجہول رہ گیا گویا کہ مہر متعین نہیں ہوا اس لیے عورت کیلئے مہر مثل ہوگا۔

(۱۷۴۰/۷۳)　وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَالْمُوَقَّتِ بَاطِلٌ.

ترجمہ: نکاح متعہ اور نکاح موقت باطل ہے۔

تشریح: ہدایہ میں متعہ کی تعریف میں لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے کہے اتمتع بك كذا مدة بكذا من المال یعنی میں تجھ سے اتنے مال کے عوض میں اتنی مدت تک متمتع ہونا چاہتا ہوں اور وہ عورت اس کو قبول کر لے اس میں نہ لفظ نکاح استعمال ہوتا ہے اور نہ دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی ہے اور نکاح موقت کی تعریف اس طرح کی ہے مثل ان يتزوج امرأة بشهادة شاهدين الى عشرة ايام مثلاً نکاح کرے کسی عورت سے دو گواہوں کی گواہی سے دس دن کے لئے، نکاح موقت میں لفظ نکاح بھی ہوتا ہے اور دو گواہ بھی ہوتے ہیں اور مدت بھی متعین ہوتی ہے۔

حرمت متعہ: متعہ کی حرمت پر امت کا اتفاق ہے اور سوائے 'رافضی' کے کوئی اس کی حلت کا قائل نہیں اور ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں البتہ صرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کا جواز منقول ہے وہ بھی محض اضطرار کے موقع پر جواز کے قائل تھے پھر اس سے بھی رجوع کر لیا تھا۔

نکاح مؤقت کا حکم: اس نکاح کے بارے میں ہمارے علماء میں سے امام زفرؒ کا اختلاف مشہور ہے امام زفر فرماتے ہیں کہ نکاح موقت صحیح ہے، کیوں کہ اس میں انعقاد نکاح کی تمام شرائط پائی جا رہی ہیں البتہ مدت کی شرط لغو ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔ (شامی ۲/۴۰۳، مطبعۂ عثمانیہ استنبول)

(۱۷۴۱/۷۴)　وَتَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمَوْلٰى جَازَ وَاِنْ رَدَّهُ بَطَلَ.

ترجمہ: غلام اور باندی کا نکاح کرنا اپنے آقا کی اجازت کے بغیر موقوف ہے اگر آقا اس کی اجازت دے دے تو جائز ہوگا اور اگر رد کر دے تو باطل ہو جائے گا۔

نکاح فضولی کے احکام

تشریح: اس سے پہلے (مسئلہ (۱۷۲۴) (۶۶) جو گذرا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر غلام باندی نے اپنے آپ نکاح کر لیا تو آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور یہاں مراد یہ ہے کہ اگر کسی اجنبی نے غلام باندی کا نکاح ان کے آقا کی اجازت بغیر کر دیا تو آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا لہٰذا دونوں مسئلوں میں تکرار نہیں ہے۔

(۱۷۴۲/۷۵)　وَكَذٰلِكَ اِنْ زَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَاَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا اَوْ رَجُلًا بِغَيْرِ رِضَاهُ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر شادی کر دے اجنبی آدمی کسی عورت کی اس کی رضامندی کے بغیر یا کسی مرد کی اس کی

رضامندی کے بغیر۔

تشریح: کسی آدمی نے بالغ عورت یا بالغ مرد کی شادی بغیران کی رضامندی اور اجازت کے کردی تو اس صورت میں احناف کے نزدیک نکاح جائز ہوجائے گا البتہ اس کا نفاذ مرد اور عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر انہوں نے اجازت دے دی تو نکاح بحال رہے گا اور اگر رد کردیا تو رد ہوجائے گا۔

(۱۷۴۳/۷۶) وَيَجُوْزُ لِابْنِ الْعَمِّ اَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهٖ مِنْ نَفْسِهٖ.

ترجمہ: اور جائز ہے چچازاد بھائی کے لئے کہ وہ شادی کرلے اپنے چچا کی بیٹی سے خود۔

تشریح: بیٹا، باپ، دادا، بھائی اور چچا نہ ہو تو اب چچازاد بھائی لڑکی کا عصبہ اور ولی بنتا ہے اس لیے وہ لڑکی کا ولی بنا اور اپنی جانب سے اصیل ہوا اور نکاح میں ایک ہی آدمی دونوں جانب سے ولی بن سکتا ہے، اس لیے اگر اس نے دو گواہوں کے سامنے نکحت کہا تو دونوں جانب سے ایجاب وقبول ادا ہو گئے لہٰذا نکاح ہوجائے گا۔

(۱۷۴۴/۷۷) وَاِذَا اَذِنَتِ الْمَرْاَةُ لِلرَّجُلِ اَنْ يُزَوِّجَهَا مِنْ نَفْسِهٖ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ شَاهِدَيْنِ جَازَ.

ترجمہ: جب اجازت دے دی عورت نے کسی مرد کو اس کے ساتھ اپنی شادی کرنے کی اور اس نے عقد کرلیا دو گواہوں کی موجودگی میں تو جائز ہے۔

تشریح: اگر کسی عورت نے کسی مرد کو اپنا وکیل بنایا کہ میرا نکاح اپنے ساتھ کرلو اس وکیل نے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرلیا تو احناف کے نزدیک یہ نکاح جائز ہوجائے گا کیوں کہ وہ اپنی جانب سے اصیل ہوا اور عورت کی جانب سے وکیل ہوا اور نکاح میں ایک ہی آدمی وکیل اور اصیل بن سکتا ہے، مگر امام زفر وامام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہوگا کیوں کہ ایک آدمی ایک چیز کا ایک زمانہ میں مالک بنانے والا اور ملک حاصل کرنے والا ہو، یہ نہیں ہوسکتا اور یہاں یہی خرابی ہے کیوں کہ مرد ناکح ہے، تو مالک بننے والا ہوا اور چوں کہ عورت کی طرف سے وکیل ہے اس لیے مالک بنانے والا بھی ہوا۔

(۱۷۴۵/۷۸) وَاِذَا ضَمِنَ الْوَلِيُّ الْمَهْرَ لِلْمَرْاَةِ صَحَّ ضَمَانُهٗ وَلِلْمَرْاَةِ الْخِيَارُ فِيْ مُطَالَبَةِ زَوْجِهَا اَوْ وَلِيِّهَا.

ترجمہ: اور جب ضامن ہوجائے ولی مہر کا عورت کے لئے تو اس کا ضامن بننا صحیح ہے اور عورت کو اختیار ہے مطالبہ کرنے میں اپنے شوہر یا اپنے ولی سے۔

تشریح: باپ نے اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح کیا اور اپنی لڑکی کے لئے اس کے شوہر کی جانب سے مہر کا ضامن ہوگیا تو ولی کا ضامن ہونا شرعاً درست ہے اور اب عورت کو اختیار ہے کہ شوہر سے مطالبہ کرے یا اپنے ولی سے مطالبہ

کرے چوں کہ شوہر اصل ذمہ دار ہے، اس لیے عورت اس سے بھی مطالبہ کرسکتی ہے اور ولی کفیل ہے اس لیے اس سے بھی مطالبہ کرسکتی ہے۔

(۱۷۴۶/۷۹) وَإِذَا فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فِيْ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلاَ مَهْرَ لَهَا وَكَذَالِكَ بَعْدَ الْخَلْوَةِ.

ترجمہ: اور جب تفریق کردے قاضی میاں بیوی کے درمیان نکاح فاسد میں ﷺ سے پہلے تو اس کے لئے مہر نہیں ہے اور ایسے ہی خلوت کے بعد مہر نہیں ہے۔

تشریح: نکاح فاسد وہ ہے جس میں نکاح کی صحت کی شرائط میں سے کوئی شرط ختم ہو مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح کرلینا یا نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرلینا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی نے نکاح فاسد کی صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کردی حالاں کہ ابھی تک شوہر نے عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا تھا تو اس صورت میں عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا نہ کل مہر ہوگا اور نہ نصف مہر، اسی طرح اگر نکاح فاسد میں عورت کے ساتھ خلوت کی گئی تب بھی عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا، نکاح فاسد میں تفریق قبل الدخول کی وجہ سے مہر واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نکاح فاسد میں محض عقد کی وجہ سے مہر واجب نہیں ہوتا، کیوں کہ عقد فاسد ہے البتہ منافع بضع وصول کرلینے سے مہر کا وجوب ہوجاتا ہے اس لیے صحبت سے پہلے مہر بھی لازم نہ ہوگا اور چوں کہ نکاح صحیح نہیں ہے اس لیے خلوت کرنا صحبت کے درجہ میں نہیں ہے، کیوں کہ مانع شرعی موجود ہے اس لیے قاضی نے خلوت کے بعد تفریق کرادی تو بھی مہر لازم نہیں ہوگا۔

(۱۷۴۷/۸۰) وَإِذَا دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَلاَ يُزَادُ عَلَى الْمُسَمّٰى وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ.

ترجمہ: اور اگر اس سے صحبت کرلے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اور متعین مہر پر زیادہ نہیں کیا جائے گا اور عورت پر عدت ہے اور عورت کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا اسی شوہر سے۔

تشریح: نکاح فاسد میں عورت سے صحبت کرے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا لیکن یہ مہر مثل آپس میں جتنا طے کیا ہے اس سے زیادہ نہ ہوگا، کیوں کہ نکاح فاسد اصل میں نکاح ہی نہیں ہے لیکن جب کرچکا تو مجبوراً مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا اور چوں کہ عورت کم پر راضی ہوگئی ہے اس لیے کم دیا جائے گا، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عورت پر عدت واجب ہوگی اور اس درمیان میں جو بچہ پیدا ہوا اس کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہوگا عدت اس لیے واجب ہوگی تاکہ پتہ چل جائے کہ اس کے پیٹ میں کسی قسم کا بچہ وغیرہ تو نہیں ہے کیوں کہ نسب ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے پس عدت واجب ہوگی نسب کی حفاظت کے لئے اور اختلاط نسب سے بچنے کے لئے اور نسب اس

لیے ثابت کیا جائے گا تا کہ بچہ بغیر نسب کے نہ رہ جائے۔

(۸۱/۱۷۴۸) وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِاَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ عَمِّهَا وَلَا يُعْتَبَرُ بِاُمِّهَا وَخَالَتِهَا اِذَا لَمْ تَكُوْنَا مِنْ قَبِيْلَتِهَا.

ترجمہ: اور اس کا مہر مثل اس کی بہنوں پھوپھیوں اور اس کی چچازاد بہنوں پر قیاس کیا جائے گا اور اعتبار نہیں کیا جائے گا اس کی ماں اور خالہ کے مہر کا بشرطیکہ وہ دونوں عورت کے خاندان کی نہ ہوں۔

مہر مثل کا بیان

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عورت کے مہر مثل میں اس کے خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا جو عورتیں اس کے باپ کی جانب منسوب ہیں مثلاً بہن، پھوپھی، چچازاد بہن کا جو مہر ہے ان مہروں کے مثل اس کا مہر ہوگا نہ اس سے کم اور نہ زیادہ، کیوں کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں لَهَا مَهْرُ مِثْلِ نِسَائِهَا وَهُنَّ اَقَارِبُ الْاَبِ یعنی عورت کے لئے اس کی عورتوں کا مہر مثل ہے اور وہ باپ کی قرابت دار ہیں۔

مہر مثل میں عورت کی ماں اور اس کی خالہ کا اعتبار نہیں ہوگا یہ اس وقت ہے جب کہ یہ دونوں عورتیں اس کے باپ کے خاندان سے نہ ہوں ہاں اگر یہ دونوں عورتیں اس عورت کے باپ کے خاندان سے ہیں تو مہر مثل میں ان کا اعتبار کیا جائے گا مثلاً عورت کے باپ نے شادی کی تھی اپنے چچا کی بیٹی سے تو اس صورت میں اس عورت کی ماں اور خالہ اس کے باپ کی قوم سے ہیں لہٰذا مہر مثل میں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۸۲/۱۷۴۹) وَيُعْتَبَرُ فِيْ مَهْرِ الْمِثْلِ اَنْ يَتَسَاوَى الْمَرْأَتَانِ فِي السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّيْنِ وَالْبَلَدِ وَالْعَصْرِ.

ترجمہ: اور اعتبار کیا جائے گا مہر مثل میں اس کا یہ کہ برابر ہوں دونوں عورتیں عمر میں خوبصورتی میں مال میں عقل میں دین میں شہر میں اور زمانہ میں۔

تشریح: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مہر مثل میں اس کا بھی اعتبار ہوگا کہ دونوں مذکورہ سات چیزوں میں برابر ہوں کیوں کہ مہر مثل ان اوصاف کے اختلاف سے مختلف ہوجاتا ہے، مثلاً ایک عورت کی شادی تیس سال میں ہوئی تھی جس کا مہر دس ہزار روپئے تھا اور اس عورت کی عمر ۱۸ سال ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا مہر زیادہ ہوگا، اسی طرح ایک عورت ہندوستانی ہے اور دوسری پاکستانی ہے تو دونوں کا مہر الگ الگ ہوگا اس لیے مذکورہ سات چیزوں میں برابری ہونی چاہئے اگر عورت کے باپ کے خاندان میں اس جیسی عورت نہ پائی جائے تو پھر ان اوصاف کی اجنبیہ عورت کے مہر مثل کا اعتبار ہوگا۔

(۸۳/۱۷۵۰) وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْاَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كِتَابِيَّةً.

ترجمہ: اور جائز ہے باندی سے شادی کرنا مسلمان ہو یا کتابی۔

باندی سے نکاح کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ

تشریح: باندی کے ساتھ نکاح کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے چناں چہ ہمارے نزدیک مطلق باندی سے نکاح جائز ہے مسلمان ہو یا یہودیہ یا نصرانیہ، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل: آیت میں اس کا ثبوت ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (آیت ۲۵ سورۃ النساء) تم میں سے جو طاقت نہ رکھتا ہو کہ مومنہ آزاد عورتوں سے شادی کرے تو تمہارے جوانوں میں سے مومنہ باندی بہتر ہے، اس آیت میں ہے کہ باندی سے شادی کر سکتا ہے اور باندی میں دونوں شامل ہیں، نیز فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ عام ہے نکاح آزاد سے کرے یا باندی سے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: آیت میں فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ کی قید ہے کہ مومنہ باندی ہو اس لیے کتابیہ سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۸۴/۱۷۵۱) وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَمَةً عَلٰى حُرَّةٍ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے باندی سے شادی کرنا آزاد عورت کے ہوتے ہوئے۔

کیا آزاد کے رہتے ہوئے باندی سے نکاح کر سکتے ہیں؟

تشریح: اگر پہلے سے آزاد عورت نکاح میں موجود ہے تو احناف کے نزدیک باندی سے نکاح ناجائز ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آزاد کے لئے اگر چہ یہ صورت جائز نہیں، مگر غلام کے لئے جائز ہے کہ آزاد عورت کی موجودگی میں باندی سے نکاح کرے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر آزاد عورت رضامند ہے تو اس کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کر سکتا ہے اور اگر رضامند نہیں تو پھر نکاح درست نہ ہوگا۔

احناف کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَا تُنْكَحُ الْاَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ (اخرجہ الدار قطنی ۳۹/۴) کہ آزاد عورت کی موجودگی میں باندی سے نکاح نہ کیا جائے، اس حدیث میں عموم ہے شوہر آزاد ہو یا غلام عورت راضی ہو یا ناراض لہٰذا یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے امام شافعی اور امام مالک دونوں کے خلاف حجت

ہوگی۔

(۱۷۵۲/۸۵) وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْحُرَّةِ عَلَيْهَا.

ترجمه: اور جائز ہے آزاد سے شادی کرنا باندی کے ہوتے ہوئے۔

تشریح: اگر پہلے سے باندی نکاح میں موجود ہے تو آزاد عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اس میں کوئی برائی نہیں ہے ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ باندی کا نکاح باطل بھی نہیں ہوگا۔

دلیل: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تنكح الحرة على الامة آزاد عورت کو نکاح میں لاسکتا ہے باندی کے رہتے ہوئے (۲) باندی اتنے اعلیٰ درجہ کی نہیں ہوتی اس کا بچہ اس کے آقا کا غلام ہوجائے گا اس لیے اس پر آزاد سے شادی کرسکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس کا بچہ بھی آزاد ہوگا۔

(۱۷۵۳/۸۶) وَلِلْحُرِّ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَرْبَعاً مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْاِمَاءِ وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ.

ترجمه: اور آزاد مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ نکاح کرے چار عورتوں سے آزاد ہوں یا باندی ہوں اور جائز نہیں اس کے لئے کہ وہ اس سے زیادہ سے نکاح کرے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے تعدد ازواج کے مسئلہ کو بیان کیا ہے چناں چہ احناف کے نزدیک آزاد مرد بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے چاروں آزاد ہوں یا چاروں باندی ہو یا مشترکہ ہوں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر باندی سے نکاح کرے تو صرف ایک باندی سے کرسکتا ہے زائد سے نہیں۔

دلیل: باندی سے شادی کرنا مجبوری کے درجہ میں ہے جب کہ آزاد عورت سے شادی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو لہٰذا بقدر ضرورت ہی نکاح جائز ہوگا، اور ضرورت پوری ہوجاتی ہے ایک باندی سے اس لیے ایک سے زائد باندی سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

حنفیه کی دلیل: آیت میں ہے کہ چار سے زیادہ شادی نہ کرو فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (آیت ۳ سورۃ النساء) نکاح کرو جو اچھی لگے عورتوں میں سے دو دو تین تین اور چار چار یہ آیت بیان عدد میں نص ہے اور عدد کی صراحت زیادتی کے لئے مانع ہے نیز یہ آیت شوافع کے خلاف بھی حجت ہے کیوں کہ آیت میں لفظ 'نساء' مذکور ہے اور نساء جس طرح آزاد کو شامل ہے اسی طرح باندی کو بھی شامل ہے۔

(۱۷۵۴/۸۷) وَلَا يَتَزَوَّجُ الْعَبْدُ اَكْثَرَ مِنِ اثْنَتَيْنِ.

ترجمه: اور غلام نہ شادی کرے دو سے زیادہ۔

تشریح: غلام کے لئے حنفیہ کے نزدیک دو عورتوں سے نکاح جائز ہے زیادہ سے اجازت نہیں، امام مالکؒ

آزاد کی طرح غلام کے لئے بھی چار کی اجازت دیتے ہیں، حنفیہ فرماتے ہیں کہ غلام کی نعمت آزاد کے مقابلہ میں آدھی ہے اس لیے آزاد کو چار کی اجازت ہے تو غلام کو دو کی اجازت ہوگی۔

(۱۷۵۵/۸۸) فَإِنْ طَلَّقَ الْحُرُّ إِحْدَى الْأَرْبَعِ طَلَاقاً بَائِناً لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ رَابِعَةً حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا.

ترجمہ: اگر طلاق دے دے آزاد چار میں سے ایک کو طلاق بائن تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ چوتھی سے شادی کرے یہاں تک کہ اس کی عدت گذر جائے۔

تشریح: اگر آزاد مرد نے اپنی چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق بائن دے دی تو جب تک وہ مطلقہ بائنہ اپنی عدت نہ گذار لے اس وقت تک یہ شخص چوتھی عورت سے شادی نہ کرے ورنہ اس کے نکاح میں پانچویں عورت جمع ہوجائے گی۔

دلیل: جب تک طلاق شدہ کی عدت نہ گذر جائے اس وقت تک وہ من وجہ شوہر کی بیوی ہے، اور جب چار بیوی موجود ہیں تو پانچویں سے شادی نہیں کرسکتا۔ (اللباب ۲/ ۱۵۷)

(۱۷۵۶/۸۹) وَإِذَا زَوَّجَ الْأَمَةَ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْداً.

ترجمہ: اور جب شادی کر دی باندی کی اس کے آقا نے پھر وہ آزاد کر دی گئی تو اس کو اختیار ہوگا آزاد ہو اس کا شوہر یا غلام ہو۔

خیارِ عتق کا بیان

تشریح: باندی نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا بعد میں آزاد کر دی گئی تو اس باندی کو شوہر کے پاس رہنے نہ رہنے کا اختیار ہوگا جس کو خیارِ عتق کہتے ہیں۔

اگر باندی کی آزادی کے وقت اس کا شوہر غلام تھا تو بالاتفاق خیارِ عتق حاصل ہوگا مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ آزادی کے وقت اگر شوہر آزاد تھا تو باندی کو خیارِ عتق حاصل ہوگا یا نہیں چناں چہ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ آزادی کے وقت اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام دونوں صورتوں میں باندی کو خیارِ عتق حاصل ہوگا۔

(۲) موالک وشوافع فرماتے ہیں کہ آزادی کے وقت اگر شوہر آزاد تھا تو باندی کو خیارِ عتق حاصل نہیں ہوگا اور اگر غلام ہے تو خیارِ عتق حاصل ہوگا۔

احناف کی دلیل: حدیثِ عائشہؓ ہے یعنی حضرت عائشہ نے جب اپنی باندی بریرہؓ کو آزاد کر دیا تو

حضرت بریرۃؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَلَکْتِ بُضْعَكِ فَاخْتَارِی" اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبوت خیار کی علت ملک بضع کو قرار دیا اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں کیا کہ بریرہ کا شوہر آزاد ہے یا غلام لہٰذا یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں کو شامل ہوگی، اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ جس وقت بریرہ کو خیار دیا گیا تو ان کے شوہر اس وقت غلام تھے یا آزاد، جب روایات متعارض ہیں تو ان سب روایات کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ملکت بضعك پر عمل کریں گے، اور یہی حدیث موالک وشوافع کے خلاف حجت ہوگی۔

(۹۰/۱۷۵۷) وَكَذٰلِكَ الْمُكَاتَبَةُ.

ترجمہ: اور اسی طرح حکم ہے مکاتبہ باندی کا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکاتبہ نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا پھر مال کتابت دے کر آزاد ہوگئی تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کو بھی خیار عتق ملے گا چاہے تو اس شوہر کے پاس رہے چاہے نہ رہے چاہے اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو امام زفرؒ کے نزدیک اس کے لئے خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔

(۹۱/۱۷۵۸) وَاِنْ تَزَوَّجَتْ اَمَةٌ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ اُعْتِقَتْ صَحَّ النِّكَاحُ وَلَا خِيَارَ لَهَا.

ترجمہ: اور اگر شادی کرے باندی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر پھر وہ آزاد کردی گئی تو نکاح صحیح رہے گا اور اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں دو باتیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ باندی نے بغیر آقا کی اجازت کے نکاح کیا پھر وہ باندی آزاد کردی گئی تو یہ نکاح نافذ ہوجائے گا دوم یہ کہ باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرلی ابھی آقا نے اجازت نہیں دی تھی کہ آزاد کردی گئی تو باندی کو شوہر کے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار نہیں ملے گا اب تو اسی شوہر کے ساتھ رہنا پڑے گا، صحت نکاح کی دلیل تو یہ ہے کہ نکاح کا نفاذ آقا کے حق کی وجہ سے ممنوع تھا اور آقا کا حق آزاد کردینے سے زائل ہوگیا لہٰذا نکاح درست ہوگیا۔

خیار عتق نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ آزادی سے پہلے نکاح آقا کی اجازت پر موقوف تھا نکاح نافذ ہوا ہے آزادی کے بعد جب باندی ہونے کے زمانہ میں نکاح ہی نافذ نہیں ہوا ہے تو خیار عتق کیسے ملے گا؟

(۹۲/۱۷۵۹) وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَتَيْنِ فِيْ عَقْدَةٍ وَاحِدَةٍ اِحْدٰهُمَا هُمَا لَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ اللَّتِيْ يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُهَا وَبَطَلَ نِكَاحُ الْاُخْرٰى.

ترجمہ: کسی نے شادی کی دو عورتوں سے ایک عقد میں اور ان میں سے ایک کا نکاح اس کے لئے حلال نہیں تھا تو صحیح ہے نکاح اس عورت کا جو اس کے لئے حلال ہے اور باطل ہوگا دوسری کا نکاح۔

تشریح: ایک شخص نے عقد واحد میں دو عورتوں سے نکاح کیا ان دونوں میں سے اس کے لئے ایک حلال ہے اور ایک حرام ہے تو جو حلال تھی اس کا نکاح درست ہو جائے گا اور جو حرام تھی اس کا باطل ہوگا، مثلاً ایک ہی عقد میں اپنی بہن اور چچا زاد بہن سے شادی کر لی تو ظاہر ہے کہ اپنی بہن سے شادی کرنا حلال نہیں ہے اس لیے اس کا نکاح باطل ہوگا لیکن اس کی وجہ سے چچازاد بہن کا نکاح صحیح رہے گا، کیوں کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا اس لیے اپنی بہن کا فساد چچازاد بہن میں سرایت نہیں کرے گا۔

(۱۷۶۰/۹۳) وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِزَوْجِهَا.

ترجمہ: اور جب بیوی میں کوئی عیب ہو تو اس کے شوہر کے لئے اختیار نہیں ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا اس بیوی میں کوئی عیب تھا شادی کرنے سے پہلے شوہر کو عیب کا پتہ نہیں تھا شادی کے بعد اس کا علم ہوا تو عیب کی وجہ سے شوہر کو طلاق دینے اور تفریق کا اختیار نہیں ہے کیوں کہ شادی ہوتی ہے ایک دوسرے کے اطمینان کے لئے اور تفریق سے بیوی کو تکلیف ہوگی اس لیے تفریق کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۱۷۶۱/۹۴) وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُونٌ أَوْ جُذَامٌ أَوْ بَرَصٌ فَلَا خِيَارَ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهَا الْخِيَارُ.

ترجمہ: اگر شوہر کو دیوانگی ہو یا کوڑھ یا سفید داغ کی بیماری ہو تو عورت کے لئے اختیار نہیں ہے شیخین کے نزدیک اور فرمایا امام محمد نے اس کے لئے اختیار ہے۔

تشریح: اثر میں ہے قلت لعطاء فالرجل ان كان به بعض الاربع جذام وجنون أو برص او عفل قال ليس لها شئ هو احق بها (مصنف عبدالرزاق ۶/۲۴۹) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا اگر مرد کو چار عیوب میں سے کوئی ہو جذام یا جنون یا برص یا عفل؟ فرمایا عورت کو حق نہیں ہے مرد عورت کا زیادہ حق دار ہے، اس اثر سے معلوم ہوا کہ شوہر کو جنون وغیرہ ہو تو عورت کو تفریق کرانے کا اختیار نہیں ہوگا یہ تفصیل شیخین کے نزدیک ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کو مذکورہ بیماریاں ہیں تو عورت کو قاضی کے ذریعہ تفریق کرانے کا حق ہوگا، کیوں کہ حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کسی آدمی نے عورت سے شادی کی اور اس مرد کو جنون یا کوئی بیماری ہو تو عورت کو اختیار ہوگا چاہے تو مرد کو جدا کر دے اور اگر چاہے اس کے پاس ٹھہری رہے۔ (سنن للبیہقی ۷/۳۵۱)

(۱۷۶۲/۹۵) وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عِنِّيناً أَجَّلَهُ الْحَاكِمُ حَوْلاً فَإِنْ وَصَلَ فِي هٰذِهِ الْمُدَّةِ فَلَا خِيَارَ لَهَا وَإِلَّا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا إِنْ طَلَبَتِ الْمَرْأَةُ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور جب شوہر نامرد ہو تو حاکم اس کو مہلت دے گا ایک سال کی اب اگر وہ عورت سے صحبت کے قابل

جائے تو بہتر ہے ورنہ ان دونوں میں تفریق کردے اگر عورت اس کا مطالبہ کرے۔

تشریح: اگر شوہر نامرد ہو بیوی سے صحبت نہ کرسکتا ہو تو حاکم اس کو ایک سال تک مہلت دے گا تا کہ وہ اپنا علاج کرائے اب اگر ایک سال میں صحبت کے قابل ہوگیا تو ٹھیک ہے، اور اگر صحبت کے قابل نہ ہوا اور عورت نے علیحدگی کا مطالبہ کیا تو حاکم دونوں کے درمیان تفریق کردے گا چوں کہ ایک سال میں تین موسم ہوتے ہیں آسانی سے علاج کراسکتا ہے اس لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

(۱۷۶۳/۹۶) وَالْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ.

ترجمہ: اور فرقت طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی۔

تشریح: نامرد ہونے کی وجہ سے جو علیحدگی ہوگی یہ طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی، کیوں کہ یہ جدائیگی مرد کی جانب سے ہورہی ہے اسی میں بیماری ہے اور مرد کی جانب سے جو فرقت ہوتی ہے وہ طلاق شمار ہوتی ہے اور طلاق رجعی سے عورت کی جان مکمل نہیں چھوٹے گی اس لیے یہ فرقت طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی تا کہ عورت کی جان مکمل چھوٹ جائے۔

(۱۷۶۴/۹۷) وَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ اِذَا كَانَ قَدْ خَلاَ بِهَا.

ترجمہ: اور عورت کو پورا مہر ملے گا اگر شوہر خلوت کر چکا ہو اس کے ساتھ۔

تشریح: نامرد اگر چہ صحبت کاملہ نہیں کرسکتا مگر پھر بھی مسئلہ یہ ہے کہ اگر خلوت کر چکا ہو تو عورت کو پورا مہر ملے گا اور اس پر عدت بھی لازم ہوگی کیوں کہ خلوت صحیحہ ہوچکی ہے۔

(۱۷۶۵/۹۸) وَاِنْ كَانَ مَجْبُوْباً فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ وَلَمْ يُؤَجِّلْهُ.

ترجمہ: اور اگر ذکر کٹا ہوا ہو تو قاضی ان میں تفریق کردے فی الحال اور اس کو مہلت نہ دے۔

تشریح: اگر شوہر مقطوع الذکر ہے، اور عورت علیحدگی کا مطالبہ کرے تو قاضی فی الحال میاں بیوی کے درمیان تفریق کردے کیوں کہ مہلت دینے سے ٹھیک نہیں ہوسکتا اس لیے مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۱۷۶۶/۹۹) وَالْخَصِيُّ يُؤَجَّلُ كَمَا يُؤَجَّلُ الْعِنِّيْنُ.

ترجمہ: اور خصی کو مہلت دی جائے گی جیسے نامرد کو مہلت دی جاتی ہے۔

تشریح: خصی اس کو کہتے ہیں جس کا آلہ تناسل تو ٹھیک ہو مگر خصیہ نہ ہوں اگر چہ خصیہ نہیں ہے لیکن آلہ تناسل تو ٹھیک ہے، اس لیے امید کی جاسکتی ہے کہ علاج کرانے سے صحبت کے قابل ہوجائے، اس لیے اس کو بھی ایسے ہی ایک سال کی مہلت دی جائے گی جیسے نامرد کو ملتی ہے۔ (اللباب ۲/۱۵۹)

(۱۷۶۷/۱۰۰) وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْاَةُ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ عَرَضَ عَلَيْهِ الْقَاضِي الْإِسْلَامَ فَاِنْ اَسْلَمَ فَهِيَ اِمْرَاَتُهُ وَاِنْ اَبٰى عَنِ الْاِسْلَامِ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَكَانَ ذَالِكَ طَلَاقاً بَائِناً عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُوَ الْفُرْقَةُ بِغَيْرِ طَلَاقٍ۔

ترجمہ: اور جب عورت مسلمان ہوجائے اور اس کا شوہر کافر ہے تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام لے آئے تو وہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کردے اسلام سے تو دونوں کے درمیان تفریق کردے اور یہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی طرفینؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ فرقت ہوگی بغیر طلاق کے۔

تشریح: عورت اسلام لے آئی اور شوہر کافر ہے تو قاضی شوہر پر اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام لے آیا تو عورت اس کی بیوی رہے گی، اور اگر اسلام لانے سے انکار کردے تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ زوجین دارالاسلام میں ہوں لیکن اگر دونوں دارالحرب میں ہوں تو جدائیگی عدت کے گزرنے پر موقوف رہے گی نیز یہ بھی واضح رہے کہ دارالاسلام میں اسلام پیش کرنے کے بعد انکار کی صورت میں جب فرقت واقع ہوجائے گی تو پھر اگر شوہر عدت ہی کے دوران اسلام قبول کرے تب بھی نکاح سابق لوٹ کر نہ آئے گا بلکہ نکاح جدید کی ضرورت ہوگی، بہرحال یہ تفریق طرفین کے نزدیک طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرقت اور فسخ کے درجہ میں ہوگی شوہر پر اسلام پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کی شادی کافر سے حلال نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ محض بیوی کے اسلام لانے سے نکاح فسخ ہوجائے گا البتہ اگر عورت مدخول بہا ہو اور شوہر عدت کے دوران اسلام لے آئے تو سابقہ نکاح لوٹ آئے گا۔

طرفین کی دلیل: شوہر کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے تفریق ہے اور شوہر کی جانب سے تفریق طلاق کے درجہ میں ہوتی ہے اس لیے تفریق طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی۔

امام ابویوسف کی دلیل: اس تفریق میں میاں بیوی دونوں شریک ہیں اس لیے یہ طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگا، صحیح قول طرفین کا ہے۔

(۱۷۶۸/۱۰۱) وَاِنْ اَسْلَمَ الزَّوْجُ وَتَحْتَهُ مَجُوْسِيَّةٌ عَرَضَ عَلَيْهَا الْاِسْلَامَ فَاِنْ اَسْلَمَتْ فَهِيَ اِمْرَاَتُهُ وَاِنْ اَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقاً۔

ترجمہ: اور اگر شوہر مسلمان ہوجائے اور اس کے نکاح میں آتش پرست ہو تو اس پر اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام لے آئے تو وہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کردے تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے اور یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی۔

تشریح: زوجین میں سے شوہر نے اسلام قبول کرلیا اور اس کی بیوی آتش پرست ہے تو اس صورت میں قاضی

بیوی پر اسلام پیش کرے گا اب اگر بیوی اسلام قبول کر لیتی ہے تو یہ اس کی بیوی باقی رہے گی لیکن اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو اب قاضی دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا مگر یہ تفریق بالاتفاق طلاق کے درجہ میں نہ ہوگی کیوں کہ عورت کی جانب سے انکار پر فرقت ہوئی ہے اور عورت کی جانب سے طلاق نہیں ہوتی اس کی جانب سے فرقت ہوئی ہے اس لیے یہ سب کے نزدیک فرقت شمار ہوگی۔

(۱۷۶۹/۱۰۲) فَإِنْ كَانَ قَدْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا.

ترجمہ: اگر شوہر اس سے صحبت کر چکا ہو تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا اور اگر صحبت نہ کی ہو تو اس کے لئے مہر نہیں ہوگا۔

تشریح: بیوی صحبت شدہ تھی شوہر اسلام لے آیا عورت نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو چوں کہ مال سپرد کر دیا تھا اس لیے اس کو پورا مہر ملے گا اور اگر صحبت سے پہلے انکار کیا تو مال ابھی سپرد نہیں کیا اور جدائیگی کا سبب وہی بنی اس لیے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

(۱۷۷۰/۱۰۳) وَإِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ لَمْ تَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلٰثَ حِيَضٍ فَإِذَا حَاضَتْ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا.

ترجمہ: اور اگر اسلام لائے عورت دار الحرب میں تو فرقت واقع نہیں ہوگی اس پر یہاں تک کہ اس کو تین حیض آجائیں جب تین حیض آجائیں تو وہ عورت شوہر سے بائنہ ہو جائے گی۔

تشریح: اگر کوئی عورت دار الحرب میں مشرف باسلام ہو جائے تو جب تک اس کو تین حیض نہ آجائیں اگر وہ حیض والی ہے یا تین ماہ نہ گزر جائیں اگر اسے حیض نہیں آتا ہے یا وضع حمل نہ ہو جائے اگر وہ حاملہ ہے اس وقت تک اپنے شوہر سے جدا نہ ہوگی اب اگر اس کو تین حیض آجائیں یا تین ماہ گزر جائیں یا بچہ ہو جائے تو وہ عورت اپنے شوہر سے جدا ہو جائے گی۔

دلیل: دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے شوہر پر اسلام پیش نہیں کر سکتے، کیوں کہ دار الحرب والوں پر امام کی کوئی ولایت نہیں ہے، اور فساد کے ختم کرنے کے پیش نظر فرقت ضروری ہے، اور اسلام کو تفریق کا سبب نہیں بنا سکتے اس لیے عدت گزرنے کو تفریق کا سبب بنائیں گے۔

(۱۷۷۱/۱۰۴) وَإِذَا أَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا.

ترجمہ: اگر کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر بحال رہیں گے۔

تشریح: اگر کتابی عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے تو دونوں اپنے نکاح پر بدستور باقی رہیں گے تفریق کا حکم

جاری نہیں ہوگا کیوں کہ مسلمان کے تحت میں کتابیہ ہوتو نکاح شروع سے جائز ہے اس لیے یہ بھی جائز ہوگا۔

(۱۷۷۲/۱۰۵) وَاِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ اِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِمًا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور جب آ جائے میاں بیوی میں سے ایک ہماری طرف دارالحرب سے مسلمان ہوکر تو ان میں جدائیگی واقع ہو جائے گی۔

تشریح: اگر زوجین میں سے کوئی ایک بھی دارالحرب سے دارالاسلام میں مسلمان ہوکر داخل ہو جائے تو دارالاسلام میں داخل ہوتے ہی جدائیگی واقع ہو جائے گی اور وہ اس کی بیوی نہیں رہے گی۔

تباین دارین میں جمہور اور حنفیہ کا مذہب

اگر احد الزوجین اسلام لاکر دارالحرب سے دارالاسلام میں آ جائے تو اس سے حنفیہ کے نزدیک فرقت واقع ہو جاتی ہے، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک تباین دارین موجب فرقت ہے، بخلاف جمہور کے کہ ان کے نزدیک تباین موجب فرقت نہیں بلکہ زوجین میں سے کسی ایک کا قید ہوکر آنا یا دونوں کا قید ہوکر آنا موجب فرقت ہے یعنی مسلمان، زوجین مشرکین میں سے دونوں کو یا دونوں میں سے ایک کو قید کرلیں تو اس سے ان کے یہاں نکاح فسخ ہوکر فرقت واقع ہو جاتی ہے۔

(۱۷۷۷/۱۰۶) وَاِنْ سُبِيَ اَحَدُهُمَا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے کوئی ایک قید کرلیا جائے تب بھی دونوں کے درمیان جدائیگی ہو جائیگی۔

تشریح: میاں بیوی میں سے ایک قید ہوکر آیا تو اختلاف دار ہو گیا ایک دارالحرب میں رہا اور ایک دارالاسلام میں آ گیا، اب زوجیت کی مصلحت باقی نہیں رہی اس لیے نکاح ٹوٹ جائے گا تا کہ نیا نکاح کر کے اپنی زندگی گذار سکے، جمہور علماء کے نزدیک بھی نکاح ٹوٹ جائے گا کیوں کہ قید ہونا جو جدائی کا سبب تھا وہ پایا گیا۔

(۱۷۷۸/۱۰۷) وَاِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ تَقَعِ الْبَيْنُوْنَةُ.

ترجمہ: اور اگر دونوں ایک ساتھ قید کر لئے گئے تو جدائی نہ ہوگی۔

تشریح: اگر زوجین میں سے ہر دو قید کر کے لائے گئے تو دونوں کے درمیان حنفیہ کے نزدیک جدائی نہیں ہوگی اور جمہور کے نزدیک جدائیگی ہو جائے گی۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ اختلاف دارین نہیں ہوا، نیز میاں بیوی کی مصلحت باقی ہے کہ صحبت کرسکتا ہے۔

(۱۷۷۹/۱۰۸) وَاِذَا خَرَجَتِ الْمَرْاَةُ اِلَيْنَا مُهَاجِرَةً جَازَ لَهَا اَنْ تَتَزَوَّجَ فِي الْحَالِ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا لَمْ تَتَزَوَّجْ حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمه: اور اگر آ جائے عورت دارالاسلام میں ہجرت کر کے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ شادی کر لے فی الحال اور اس پر عدت بھی نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو شادی نہیں کر سکتی یہاں تک کہ حمل نہ جن لے۔

تشریح: اگر کوئی عورت ہجرت کر کے دارالاسلام آ جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک اپنے شوہر سے بلا عدت جدا ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے فوراً نکاح کر لینا جائز ہے۔

دلیل: آیت میں ہے وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنہ) تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ مہاجرہ عورتوں سے نکاح کرو جب ان کو ان کا مہر دو اور کافروں کا دامن مت تھامو اس آیت میں ہے کہ مہر ادا کرو تو مہاجرہ عورتوں سے شادی کر سکتے ہو جس سے معلوم ہوا کہ فوری طور پر اس سے شادی کر سکتا ہے۔

(۲) عدت پہلے شوہر کے احترام کے لئے ہے اور پہلا شوہر کافر اور حربی ہے اس کا کوئی احترام نہیں ہے اس لیے ایسی عورت پر عدت بھی نہیں ہے۔

صاحبین امام شافعیؒ امام مالکؒ کے نزدیک جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے نکاح کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ دارالاسلام میں آ گئی ہے اس لیے اس پر دارالاسلام کا حکم لازم ہوگا اور دارالاسلام کا حکم یہ ہے کہ مطلقہ اور تفریق شدہ عورت پر عدت لازم ہوتی ہے مگر امام صاحب فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں علی الاطلاق نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے عدت کے ختم ہونے کے ساتھ مقید کرنا کتاب اللہ پر زیادتی ہے۔

نوٹ: عبارت میں 'لم تتزوج' کا مطلب یہ ہے کہ صحبت نہ کرائے البتہ شادی کر سکتی ہے۔

(۱۷۸۰/۱۰۹) وَاِذَا ارْتَدَّ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ.

ترجمہ: اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک اسلام سے پھر جائے تو ان میں جدائیگی واقع ہو جائے گی اور ہوگی یہ فرقت بغیر طلاق کے۔

مرتدین کے نکاح کے احکام

تشریح: میاں بیوی میں سے کوئی نعوذ باللہ مرتد ہو جائے تو فوراً جدائیگی ہو جائے گی اور یہ جدائیگی فسخ نکاح شمار ہوگی یہ مذہب حضرات شیخین کا ہے، فوراً نکاح ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح مسلمان کے ساتھ صحیح نہیں ہے اور یہ فرقت طلاق اس لیے نہیں ہوگی، کیوں کہ طلاق قرار دینا احترام کی دلیل ہے اور ارتداد میں احترام نہیں رہتا اس لیے فسخ نکاح ہوگا۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر شوہر مرتد ہوا ہے تب یہ طلاق کے حکم میں ہے، کیوں کہ شوہر کی جانب سے فرقت کی ابتداء ہوئی اس لیے وہ طلاق کے درجہ میں ہوگی اور اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو یہ فسخ نکاح کے حکم میں ہے۔

(۱۱۰/۱۷۸۱) فَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ هُوَ الْمُرْتَدُّ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ.

ترجمہ: اگر مرتد ہونے والا شوہر ہو اور وہ بیوی سے صحبت کر چکا ہو تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا اور اگر صحبت نہ کی ہو تو اس کے لئے آدھا مہر ہوگا۔

تشریح: اگر شوہر مرتد ہوا ہے اور وہ بیوی سے صحبت کر چکا تو عورت کو پورا مہر ملے گا، کیوں کہ صحبت کی وجہ سے مہر موکد ہو چکا جو کسی طرح ساقط نہیں ہو سکتا اور اگر اس سے صحبت نہ کی ہو تو اس کو آدھا مہر ملے گا کیوں کہ یہ فرقت دخول سے پہلے طلاق کے مشابہ ہے۔

(۱۱۱/۱۷۸۲) وَإِنْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ هِيَ الْمُرْتَدَّةُ فَإِنْ كَانَ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَإِنْ كَانَتِ الرِّدَّةُ بَعْدَ الدُّخُولِ فَلَهَا الْمَهْرُ.

ترجمہ: اور اگر مرتد ہونے والی عورت ہو اگر صحبت سے پہلے ہے تو اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہے اور اگر مرتد ہونا صحبت کے بعد ہے تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا۔

تشریح: عورت مرتد ہوئی ہے تو فرقت کا سبب اس کی جانب سے ہوا ہے اور اس نے مال بھی سپرد نہیں کیا ہے اس لیے اس کو آدھا مہر بھی نہیں ملے گا اور اگر صحبت کے بعد مرتد ہوئی ہے تو چوں کہ مال سپرد کر چکی ہے اس لیے اس کو پورا مہر ملے گا۔

(۱۱۲/۱۷۸۳) وَإِنِ ارْتَدَّا مَعًا ثُمَّ أَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا.

ترجمہ: اور اگر دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تو وہ اپنے نکاح پر رہیں گے۔

تشریح: بنی حنیفہ کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ایک ساتھ مرتد ہوئے تھے اور پھر ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تھے صحابہ میں سے کسی نے دوبارہ ان کا نکاح نہیں پڑھایا بلکہ پہلے نکاح پر ہی برقرار رکھا، معلوم ہوا کہ پہلے نکاح پر ہی بحال رہیں گے۔

(۱۱۳/۱۷۸۴) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَلَا مُرْتَدَّةً وَلَا كَافِرَةً وَكَذَالِكَ الْمُرْتَدَّةُ لَا يَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَلَا كَافِرٌ وَلَا مُرْتَدٌّ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کہ مرتد شادی کرے کسی مسلمان عورت سے نہ مرتدہ سے نہ کافرہ سے اور ایسے ہی

مرتدہ عورت نہ شادی کرے اس سے مسلمان اور نہ کافر اور نہ مرتد۔

تشریح: مرتد مرد نہ مسلمان عورت سے شادی کرسکتا ہے نہ مرتدہ عورت سے اور نہ کافرہ عورت سے اسی طرح مرتدہ عورت سے نہ مسلمان مرد شادی کرسکتا ہے نہ کافر کرسکتا ہے اور نہ مرتد مرد شادی کرسکتا ہے، اصل میں مرتد کی سزا قتل ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا دین بدلے اس کو قتل کردو اور ضرورۃً اس کو مہلت دی گئی ہے تا کہ یہ غور وفکر کرے اور اسلام قبول کرلے اگر نکاح کی اجازت دی گئی تو یہ اس سے غافل ہو جائے گا اس طرح اگر عورت مرتدہ ہو جائے تو اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ اسلام قبول نہ کرلے اگر اسے اجازتِ نکاح مل گئی تب شوہر کی خدمت کی وجہ سے غور وفکر نہ کرسکے گی۔

(۱۱۴/۱۷۸۵) وَاِذَا کَانَ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ مُسْلِماً فَالْوَلَدُ عَلٰی دِیْنِہٖ .

ترجمہ: اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو بچہ اسی (مسلمان) کے دین پر ہوگا۔

تشریح: اصل یہ ہے کہ بچہ مذہب کے اعتبار سے اس کے تابع ہوگا جس کا مذہب دوسرے کے بالمقابل اچھا ہوگا یہاں بچہ کو مسلمان شمار کرنے سے اس کا فائدہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا، اس لئے بچے کو والد یا والدہ جو مسلمان ہو اس کے تابع کرکے مسلمان سمجھیں گے۔

(۱۱۵/۱۷۸۶) وَکَذَالِکَ اِنْ اَسْلَمَ اَحَدُھُمَا وَلَہٗ وَلَدٌ صَغِیْرٌ صَارَ وَلَدُہٗ مُسْلِماً بِاِسْلَامِہٖ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر اسلام لے آئے ان میں سے ایک اور اس کا چھوٹا بچہ ہو تو بچہ مسلمان ہوگا اس کے اسلام کے تابع ہوکر۔

تشریح: میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہوگیا تو جو مسلمان ہوا اس کے تابع کرکے نابالغ بچہ کو مسلمان قرار دیا جائے گا۔

(۱۱۶/۱۷۸۷) وَاِنْ کَانَ اَحَدُ الْاَبَوَیْنِ کِتَابِیاً وَالْاٰخَرُ مَجُوْسِیًّا فَالْوَلَدُ کِتَابِیٌّ.

ترجمہ: اور اگر والدین میں سے کوئی ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بچہ کتابی شمار ہوگا۔

تشریح: مجوسی دین کے اعتبار سے کتابی سے بدتر ہے کیوں کہ یہودی اور نصرانی پھر بھی آسمانی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں اس لیے بچہ 'خَیْرُ الْاَدْیَانِ' کے تابع ہوکر کتابی شمار ہوگا۔

(۱۱۷/۱۷۸۸) وَاِذَا تَزَوَّجَ الکَافِرُ بِغَیْرِ شُھُوْدٍ اَوْ فِیْ عِدَّۃِ کَافِرٍ وَذَالِکَ فِیْ دِیْنِھِمْ جَائِزٌ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَیْہِ.

ترجمہ: جب نکاح کیا کافر نے گواہوں کے بغیر یا کسی کافر کی عدت میں اور یہ جائز ہو ان کے دین میں پھر وہ

دونوں مسلمان ہو جائیں تو دونوں کو نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔

کافر کے نکاح کا بیان

تشریح: ایک کافر نے کسی کافرہ عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا کافرہ کسی کافر کی عدت میں تھی اس سے نکاح کیا اور یہ ان کے دین میں جائز بھی ہے پھر دونوں مسلمان ہو گئے تو اس بارے میں امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کو سابقہ مذہب پر باقی رکھا جائے گا اور امام زفر نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں نکاح فاسد ہے۔

صاحبین نے فرمایا کہ بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کی صورت میں وہ حکم ہے جو امام صاحب نے فرمایا اور کافر کی معتدہ سے نکاح کرنے کی صورت میں وہ حکم ہے جو امام زفر نے فرمایا۔

(۱۷۸۹/۱۱۸) وَاِنْ تَزَوَّجَ الْمَجُوْسِيُّ اُمَّهٗ اَوِ ابْنَتَهٗ ثُمَّ اَسْلَمَا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور اگر شادی کر لے مجوسی اپنی ماں یا بیٹی سے پھر دونوں مسلمان ہو جائیں تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

تشریح: اگر کسی آتش پرست نے محرمات ابدیہ مثلاً اپنی ماں یا لڑکی سے نکاح کر لیا پھر دونوں نے اسلام قبول کر لیا تو بالاتفاق ان کا نکاح باطل ہو جائے گا اور ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی چوں کہ ماں اور بیٹی سے شادی کرنا حرام ہے، اس لئے اسلام لانے کے بعد تفریق کر دی جائے گی، البتہ اسلام لانے سے پہلے ذمیت کی وجہ سے ان کو چھیڑنے کے مجاز نہیں ہیں لیکن اسلام لانے کے بعد اسلام کے احکام پر چلنا ضروری ہے اس لیے تفریق کر دی جائے گی۔

(۱۷۹۰/۱۱۹) وَاِنْ كَانَ لِلرَّجُلِ امْرَاَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَيْهِ اَنْ يَعْدِلَ بَيْنَهُمَا فِي الْقَسْمِ بِكْرَيْنِ كَانَتَا اَوْ ثَيِّبَيْنِ اَوْ اِحْدٰىهُمَا بِكْرًا وَالْاُخْرٰى ثَيِّبًا.

ترجمہ: اگر کسی کی دو آزاد بیویاں ہیں تو اس پر ضروری ہے کہ برابری کرے دونوں کے درمیان بانٹنے میں دونوں باکرہ ہو یا دونوں ثیبہ ہوں یا دونوں میں سے ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ ہو۔

عورتوں کے درمیان باری کے احکام

تشریح: قَسْمٌ قاف کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے مراد منکوحات میں برابری کرنا، یہاں سے صاحب کتاب عورتوں کے درمیان باری کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد کی دو یا زیادہ آزاد عورتیں ہیں خواہ دونوں باکرہ ہوں یا دونوں ثیبہ یا ایک باکرہ اور دوسری ثیبہ تو ان کو شب باشی، تن پوشی میں برابر رکھنا واجب ہے، ایسے ہی ہمارے نزدیک نئی اور پرانی کے درمیان بھی

برابری رکھنا ضروری ہے، ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ دوسرا نکاح کرنے والا نئی بیوی کے پاس اگر وہ باکرہ ہو تو سات اور اگر ثیبہ ہو تو تین دن ٹھہر سکتا ہے اور یہ مدت باری سے خارج ہوگی علامہ نوویؒ نے ائمہ ثلاثہ کے مذہب میں ثیبہ کی صورت میں یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ ثیبہ کو یہ اختیار ہے کہ خواہ شوہر اس کے پاس تین دن ٹھہر جائے اور یہ تین دن باری سے خارج ہوں یا سات دن ٹھہرے اور یہ سات دن باری میں شمار ہوں گے، دیکھئے شرح نووی ۱/۴۷۲)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اگر چاہوں تو کہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جب باکرہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے اور جب ثیبہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے۔

جواب: منکوحات میں برابری تو ہر حال میں واجب ہے لیکن باکرہ سے نکاح کے وقت ابتدائی ایام میں باری کا طریقہ بدل دیا جائے گا اور ایک دن کے بجائے باکرہ کے لئے سات دن اور ثیبہ کیلئے تین دن کی باری مقرر کی جائیگی۔

حنفیہ کا استدلال: ان آیات سے ہے جن میں برابری کو فرض قرار دیا گیا ہے مثلاً وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا أَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (آیت ۱۲۹ سورۃ النساء) اور ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں کے درمیان انصاف کرسکو اگرچہ تمہاری تمنا ہو تاہم مکمل مائل نہ ہو جاؤ اور معلقہ کی طرح نہ چھوڑ دو، نیز حدیث میں ہے کہ جو شخص دو بیویوں میں برابری نہ کرے بلکہ کسی ایک کی طرف کو اپنا جھکاؤ رکھے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک حصہ مائل ہوگا (میدان حشر میں جب وہ آئے گا تو اس کے بدن کا ایک حصہ جھکا ہوا ہوگا۔ (ابوداؤد ۱/۲۹۰ باب فی القسم بین النساء) اس آیت، اور حدیث سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے درمیان عدل واجب ہے اور ابتدائی وانتہائی ایام کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔

(۱۷۹۱/۱۲۰) وَإِنْ كَانَتْ إِحْدَاهُمَا حُرَّةً وَالْأُخْرىٰ أَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ وَلِلْأَمَةِ الثُّلُثُ.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری باندی ہو تو آزاد کے لئے باری میں سے دو تہائی اور باندی کے لئے ایک تہائی ہے۔

تشریح: اگر کسی کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہے اور ایک باندی تو بٹوارہ میں سے دو تہائی آزاد کا ہوگا اور ایک تہائی باندی کا چوں کہ باندی کا حق آزاد سے آدھا ہے اس لیے تمام حقوق میں باندی کو آزاد کا آدھا ملے گا اور باری میں بھی آزاد کو دو دن ملیں گے تو باندی کو ایک دن ملے گا۔

(۱۷۹۲/۱۲۱) وَلَا حَقَّ لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ فِي حَالَةِ السَّفَرِ وَيُسَافِرُ الزَّوْجُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ.

ترجمہ: اور کوئی حق نہیں ہے بیویوں کے لئے باری میں سفر کی حالت میں اور شوہر سفر کرے گا ان میں سے جس کے ساتھ چاہے۔

تشریح: اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں تو سفر کی حالت میں باری ساقط ہو جائیگی اور شوہر جس کے ساتھ چاہے سفر کرے اور ان دنوں کا حساب بھی نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: سفر میں ذہین اور سمجھدار عورت کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے باری برقرار رکھنا مشکل ہے۔

(۱۷۹۳/۱۲۲) وَالْاَوْلٰی اَنْ یُقْرِعَ بَیْنَهُنَّ فَیُسَافِرَ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا.

ترجمہ: اور زیادہ بہتر ہے کہ عورتوں کے درمیان قرعہ اندازی کرے پھر سفر کرے اس کے ساتھ جس کا قرعہ نکلے۔

تشریح: جس شخص کی متعدد بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے صرف بعض کے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں امام شافعیؒ واحمد کے نزدیک قرعہ اندازی واجب ہے، اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک واجب نہیں ان دونوں اماموں کے نزدیک سفر کی حالت میں برابری واجب نہیں ہاں افضل اور سنت ضرور ہے پھر امام شافعیؒ واحمد کے نزدیک اگر قرعہ اندازی نہیں کی اور کسی ایک کو اپنے ساتھ لے گیا تو مدت سفر کی قضا واجب ہوگی اور اگر قرعہ اندازی کے بعد لے گیا تو پھر قضا واجب نہ ہوگی، حنفیہ ومالکیہ کے یہاں مطلقاً قضا واجب نہ ہوگی۔

(۱۷۹۴/۱۲۳) وَاِذَا رَضِیَتْ اِحْدَی الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ قَسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ وَلَهَا اَنْ تَرْجِعَ فِیْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور اگر راضی ہو جائے ایک بیوی اپنی باری چھوڑنے پر اپنی سوتن کے لئے تو جائز ہے اور اس کے لئے اس سے رجوع کرنا بھی جائز ہے۔

تشریح: اگر بیویوں میں سے ایک اپنی باری کسی دوسرے بیوی کو دینے پر راضی ہو جائے تو ایسا کرنا جائز ہے، اور اگر یہ عورت اپنی باری کو واپس لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیوں کہ حدیث میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو سپرد کی تھی دیکھئے بخاری شریف ۲/ ۷۸۵ باب المرأۃ تھب یومہا۔ اور جب باری ساقط رکھی ساقط رہے گی اور جب واپس لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیوں کہ یہ ہبہ کی طرح ہے کہ ہبہ دینے کے بعد واپس لے سکتا ہے اس لیے اپنی باری بھی واپس لے سکتی ہے۔

اللّٰهم اغفر لكاتبه ولوالديه ولمن سعى فيه

کِتَابُ الرِّضَاعِ

(یہ کتاب دودھ پینے پلانے کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جب کہ نکاح سے مقصود توالد وتناسل ہے اور بچہ کے زندہ رکھنے کے لئے دودھ کا پلانا ضروری ہے اس مناسبت سے کتاب النکاح کے بعد کتاب الرضاع لا رہے ہیں (عینی شرح ہدایہ ۲/۱۹۹) نیز کتاب النکاح میں رضائی محرمات کا بیان ہوا اب جداگانہ طور پر اس بیان کو ذکر فرماتے ہیں۔

رضاع کی لغوی تحقیق: رضاع، راء پر فتحہ اور کسرہ دونوں آتے ہیں مگر بفتح الراء اصل ہے فصیح لغت میں باب (س) سے ہے اور اہل نجد نے کہا ضرب سے ہے لغت میں رضاعت چھاتی سے دودھ چوسنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: شیر خوار (دودھ پیتا بچہ) کا ایک مخصوص مدت میں عورت کی چھاتی سے دودھ چوسنا۔

(۱/۱۷۹۵) قَلِيْلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيْرُهُ اذَا حَصَلَ فِيْ مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ جب یہ حاصل ہو رضاعت کی مدت میں تو ثابت ہوگی اس سے حرمت۔

دودھ کی کتنی مقدار سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی؟

تشریح: دودھ کی مقدار (جس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی) میں اختلاف ہے چناں چہ اس مسئلہ میں چار مذاہب ہیں:

(۱) حنفیہ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً دودھ پینا پلانا حرمت رضاعت ثابت کر دیتا ہے بشرطیکہ مدت رضاعت میں ہو، امام احمدؒ کی مشہور روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

(۲) داؤد ظاہری کے نزدیک تین مرتبہ بچہ دودھ چوسے گا تب حرمت ثابت ہوگی اس سے کم نہیں۔

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ مرتبہ دودھ چوسے گا تب حرمت ثابت ہوگی وهو رواية عن احمد ومذهب لابن حزم.

(۴) دس رضعات سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی حضرت حفصہؓ کا مذہب یہی ہے، حضرت عائشہؓ کے مذہب میں مختلف روایات وارد ہیں ان سے ایک روایت عشر مرات کی ہے، دوسری سبع مرات کی، اور تیسری خمس کی۔ دیکھئے عمدۃ القاری ۲/۹۶۔

حنفیہ کی دلیل: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ (آیت ۲۳ سورۃ النساء) اور تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا، اس آیت میں مطلقاً رضاعت کو سبب تحریم قرار دیا گیا ہے قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں کی گئی نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَایَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. (سنن نسائی ۲/۸۱) حرام ہوجاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہوجاتا ہے نسب سے اس میں بھی مطلق رضاعت کو محرم قرار دیا گیا ہے لہٰذا مطلقاً دودھ پینا حرمت کا سبب ہوگا۔

داؤد ظاہری کا استدلال: حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ (ترمذی ۱/۱۳۷) مَصٌّ بمعنی چوسنا اور 'تا' اس میں مرةٌ (ایک مرتبہ) کے لئے ہے یعنی بچہ کا اپنی ماں کے پستان کو ایک یا دو بار چوسنا موجب حرمت نہیں ہے یہ تو منطوق حدیث ہوا اور مفہوم حدیث یہ ہوا کہ تین بار چوسنا موجب حرمت ہے۔

جواب: مذکورہ حدیث منسوخ ہے ناسخ حضرت علیؓ کی روایت ہے یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ قَلِیْلُهٗ وَكَثِیْرُهٗ (جامع المسانید للخوازی ۲/۹۷)

(۲) مذکورہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب دودھ بچہ کے پیٹ میں نہ پہنچا ہو جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض مرتبہ ماں بچہ کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور پستان اس کے منہ میں داخل بھی کردیتی ہے لیکن وہ پینا نہیں چاہتا۔ (الدر المنضود ۴/۲۱)

امام شافعیؒ کا استدلال: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن میں اترا ہے کہ دس مرتبہ چوسنا حرام کرتا ہے پھر منسوخ ہوکر پانچ مرتبہ چوسنا رہ گیا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے اور وہ ایسے ہی ہے جو قرآن میں پڑھا جاتا ہے (مسلم ۱/۴۶۹، باب التحریم بخمس رضعات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ مرتبہ چوسنے سے پہلے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

جواب: حدیث میں جو 'خمس رضعات' (پانچ مرتبہ چوسنا) کے الفاظ آئے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ہی دن پہلے منسوخ ہوئے اس لیے بعض صحابہ کو ان کے نسخ کا پتہ نہ چل سکا چناں چہ بعض صحابہ آپ کی وفات تک بطور قرآن ان الفاظ کی تلاوت کرتے رہے علامہ نووی نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ (شرح نووی علی مسلم ۱/۴۶۸) نیز مصاحف عثمانیہ میں کہیں بھی 'خمس رضعات' کے الفاظ موجود نہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ الفاظ بھی بعد میں منسوخ ہوگئے تھے۔

(۲/۱۷۹۶) وَمُدَّةُ الرَّضَاعِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا وَعِنْدَ هُمَا سَنَتَانِ.

ترجمہ: اور رضاعت کی مدت امام صاحب کے نزدیک تیس ماہ ہیں اور صاحبین کے نزدیک دوسال۔

تشریح: رضاعت وہ معتبر اور موثر ہے جو مدت رضاعت میں ہو جس میں فی الجملہ اختلاف ہے اس مدت کے گزر جانے کے بعد جو رضاعت ہوگی وہ معتبر نہیں اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

مدت رضاعت سے متعلق اختلاف الائمۃ

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کل مدت رضاعت دو سال ہے صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے، امام زفر کے نزدیک کل مدت رضاعت تین سال ہے۔

جمہور کا استدلال: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرہ) مائیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال دودھ پلائیں، اس آیت میں ہے کہ دو سال دودھ پلائیں نیز حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں قال رسول اللّٰہ لَا رَضَاعَ إِلَّا مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ (دارقطنی کتاب الرضاع ۴/۱۰۳) آپؐ نے فرمایا نہیں ہے رضاعت مگر دو سال کے اندر۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال: وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا اور حمل میں رہنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہے صاحب ہدایہ نے اس استدلال کو اس طرح بیان کیا ہے کہ باری تعالیٰ نے اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر کر کے ان کی مدت بیان کی ہے جس کا تقاضہ یہ تھا کہ حمل اور رضاعت ہر ایک کے لئے تیس ماہ کی مدت ہوتی لیکن حمل کے حق میں کم کر دینے والی دلیل موجود ہے اور وہ دلیل حضرت عائشہؓ کا قول اَلْوَلَدُ لَا يَبْقٰى فِي بَطْنِ أُمِّهٖ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ وَلَوْ بِقَدْرِ فَلْكَةِ مِغْزَلٍ ہے۔ (فتح القدیر)

بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ باقی نہیں رہتا اگر چہ وہ تکلے کے دمڑے کی مقدار ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا فصال اپنے ظاہر پر رہے گا اور وہ تیس ماہ ہے۔

فائدہ: جمہور اور صاحبین کا مذہب دلائل کی رو سے نہایت قوی اور راجح ہے چناں چہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ ولا یخفی قوۃ دلیلہا (البحر الرائق ۳/۲۳۹)۔

(۳/۱۷۹۷) وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور جب رضاعت کی مدت گزر جائے تو ثابت نہ ہوگی دودھ پینے سے حرمت۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مدت رضاعت گزر جانے کے بعد اگر بچہ کو دودھ پلایا تو اس عورت سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، مثلاً بچہ کی عمر دو سال سے زیادہ ہو جائے اب کسی عورت کا دودھ پیئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر مدت رضاعت پوری ہونے سے پہلے بچہ کا دودھ چھڑا دیا تو یہ دودھ چھڑانا معتبر نہ ہوگا چناں چہ دودھ چھڑانے کے بعد اگر مدت رضاعت گذرنے سے پہلے پہلے کسی عورت نے اس بچہ کو دودھ پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

(۴/۱۷۹۸)وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَايَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ إِلَّا أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا.

ترجمہ: اور حرام ہو جاتے ہیں رضاعت سے وہ تمام رشتے جو حرام ہوتے ہیں نسب سے مگر اس کی رضاعی بہن کی ماں کہ جائز ہے اس سے نکاح کرنا۔

تشریح: صاحب قدوری نے اولاً ایک قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوں گی چناں چہ مرضعہ کی ماں اور اس کی بہن اور اس کی بیٹی اور پوتی اسی طرح رضاعی باپ کی بیٹی (دوسری بیوی سے) اور اس کی پوتی اور اس کی ماں اور اس کی بہن یہ سب رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام ہو جائیں گے، کیوں کہ حضور نے فرمایا نَعَمْ الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (بخاری ۲/۷۶۳) ہاں رضاعت حرام کرتی ہے ان کو جن کو نسب حرام کرتا ہے مگر مذکورہ قاعدہ سے دو صورتوں کا استثناء فرمایا ہے اس عبارت میں پہلی صورت کا بیان ہے اور دوسری صورت کا بیان مسئلہ (۶) میں آرہا ہے، مثلاً رضاعی بہن کی رضاعی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے کیوں کہ وہ اجنبیہ ہوگی اس لیے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔

مثال: خالد اور زینب نے ہندہ کا دودھ پیا اور صرف زینب نے ام سلمہ کا بھی دودھ پیا تو اب خالد کا نکاح ام سلمہ سے جائز ہے حالاں کہ ام سلمہ خالد کی رضاعی بہن زینب کی رضاعی ماں ہے۔

(۵/۱۷۹۹)وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کہ نسبی بہن کی ماں سے شادی کرے۔

تشریح: اپنی نسبی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز نہیں ہے کیوں کہ نسبی بہن کی نسبی ماں یا تو اس کی بھی ماں ہوگی اگر دونوں حقیقی بھائی بہن ہیں اور یا اس کے باپ کی موطوءہ ہوگی اگر دونوں کا باپ ایک اور ماں الگ الگ ہے اور ان دونوں صورتوں (ماں اور باپ کی موطوءہ) میں نکاح ناجائز ہے۔

(۶/۱۸۰۰) وَ أُخْتُ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا.

ترجمہ: اور اپنے رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔

تشریح: مذکورہ قاعدہ سے جس دوسری صورت کا استثناء فرمایا ہے اس عبارت میں اس کو ذکر فرما رہے ہیں مثلاً رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح جائز ہے کیوں کہ وہ اجنبیہ ہے، مثال ساجد اور خالدہ نے رابعہ کا دودھ پیا اور صرف ساجد نے راشدہ کا دودھ پیا تو راشدہ کا شوہر خالد اپنے رضاعی بیٹے ساجد کی رضاعی بہن خالدہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

نقشہ

خالد	راشدہ	ساجد	رابعہ	خالدہ	
شوہر	بیوی				

(۱۸۰۱/ ۷) وَلَا یَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ اُخْتَ ابْنِہٖ مِنَ النَّسَبِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے شادی کرنا۔

تشریح: اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس کے نسبی بیٹے کی بہن اگر اسی کے نطفہ سے ہے تو وہ اس کی بیٹی ہوگی اور اگر اس کے نطفہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے بیٹے کی صرف ماں شریکی بہن ہے تو یہ ربیبہ ہوگی اور ربیبہ کی ماں کے ساتھ اگر صحبت کر لی جائے تو ربیبہ حرام ہو جاتی ہے بہر حال کچھ بھی ہو دونوں صورتوں میں اس نسبی بیٹے کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔

(۱۸۰۲/ ۸) وَلَایَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ اِمْرَأَۃَ ابْنِہٖ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا لَا یَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ امْرَأَۃَ اِبْنِہٖ مِنَ النَّسَبِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے کہ شادی کرے اپنے رضاعی بیٹے کی بیوی سے جیسا کہ نہیں جائز ہے کہ شادی کرے اپنے نسبی بیٹے کی بیوی سے۔

تشریح: بیوی نے کسی بچہ کو دودھ پلایا تو وہ بچہ اس شوہر کا رضاعی بیٹا بن گیا اب اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے کیوں کہ وہ رضاعی بہو بن گئی جس طرح اپنا نسبی بیٹا ہوتا تو اس کی بیوی سے نکاح حرام ہوتا۔

آیت میں وَحَلَائِلُ اَبْنَائِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ اس آیت میں اپنے صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا حرام قرار دیا اس سے متبنیٰ بیٹے کی بیوی نکل گئی اس سے شادی کر سکتا ہے لیکن رضاعی بیٹے کی بیوی داخل ہے اور اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

(۱۸۰۳/ ۹) وَلَبَنُ الْفَحْلِ یَتَعَلَّقُ بِہِ التَّحْرِیْمُ وَھُوَ اَنْ تُرْضِعَ الْمَرْأَۃُ صَبِیَّۃً فَتَحْرُمُ ھٰذِہٖ الصَّبِیَّۃُ عَلٰی زَوْجِھَا وَعَلٰی اٰبَائِہٖ وَاَبْنَائِہٖ وَیَصِیْرُ الزَّوْجُ الَّذِیْ نَزَلَ لَھَا مِنْہُ اللَّبَنُ اَبًا لِلْمُرْضَعَۃِ.

حل لغت: لبن الفحل: میں اضافت الشئ الی سببه ہے کیوں کہ دودھ کا سبب مرد ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور مرد کے دودھ سے حرمت متعلق ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت دودھ پلائے بچی کو تو حرام ہوگی یہ بچی اس کے شوہر پر اور شوہر کے باپ پر اور شوہر کے بیٹوں پر اور وہ شوہر جس سے عورت کا دودھ اترا ہے وہ دودھ پینے والی بچی کا باپ ہوگا۔

لبن الفحل کا کیا مطلب ہے؟

تشریح: لبن الفحل ایک فقہی اصطلاح ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ دودھ کی نسبت جس طرح عورت کی طرف ہوتی ہے اور ہونی چاہئے اسی طرح اس کی نسبت مرد کی طرف بھی ہوتی ہے سبب ہونے کی حیثیت سے اس لیے کہ عورت کے پستان میں دودھ کا تحقق اللہ کی قدرت سے بچہ کی پیدائش کے بعد ہوتا ہے جس میں ظاہر ہے کہ مرد کا دخل ہے جمہور علماء اور ائمہ اربعہ لبن الفحل کے قائل ہیں چناں چہ جس طرح رضاعی بیٹے کی شادی رضاعی ماں سے ناجائز ہے اسی طرح رضاعی بیٹی کی شادی رضاعی ماں کے شوہر سے ناجائز ہے، گویا کہ دودھ پلانے والی عورت جس طرح رضاعی ماں قرار دی گئی اسی طرح اس کا شوہر رضیع کے لئے باپ قرار دیا گیا ہے **وهذا هو معنى لبن الفحل عند الفقهاء** صورت مسئلہ مثال سے سمجھیں مثلاً عائشہ نے زینب کو دودھ پلایا تو عائشہ کا شوہر راشد جس کی صحبت سے عائشہ کو دودھ اترا ہے اس شوہر کے لئے زینب دودھ پینے والی بچی حرام ہوگئی اسی طرح شوہر راشد کا باپ بچی کے لئے دادا بن گیا اس لیے راشد کا باپ زینب سے شادی نہیں کرسکتا راشد کا نسبی بیٹا خالد زینب کا رضاعی بھائی بن گیا اس لیے زینب اس رضاعی بھائی سے شادی نہیں کرسکتی۔

(۱۰/۱۸۰۴) **وَيَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ النَّسَبِ وَذَالِكَ مِثْلُ الْاَخِ مِنَ الْاَبِ اِذَا كَانَ لَهٗ اُخْتٌ مِنْ اُمِّهٖ جَازَ لِاَخِيْهِ مِنْ اَبِيْهِ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا.**

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ شادی کرے آدمی اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے جیسے جائز ہے کہ نسبی بھائی کی بہن سے شادی کرے اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک باپ شریک بھائی ہے اور اس کی ایک ماں شریک بہن ہے تو باپ شریک بھائی کے لئے جائز ہے اس بہن سے شادی کرنا۔

رضاعت کے احکام

تشریح: صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے، مثلاً زید نے خالد کی ماں کا دودھ پیا اب یہ دونوں رضاعی بھائی بن گئے اب خالد کی اپنی ایک بہن تھی جس نے اپنی ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیا تھا تو خالد کی یہ بہن زید کے لئے اجنبیہ ہے اس لیے زید کے لئے جائز ہے کہ خالد کی بہن سے شادی کرلے دلیل یہ ہے کہ نسبی بھائی کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے مثلاً سلطانہ نے پہلی شادی عبدالقادر سے کی تھی اس سے رقیہ پیدا ہوئی پھر دوسری شادی ماجد سے کی اس سے عبدالصمد پیدا ہوا جس کی بنا پر رقیہ عبدالصمد کی اخیافی (ماں شریک) بہن ہوئی ادھر ماجد نے ایک اور شادی گلشانہ سے کی جس سے بلال پیدا ہوا جو عبدالصمد کا علاتی بھائی (باپ

شریک ہوا اس لئے بلال کی شادی رقیہ سے ہوسکتی ہے کیوں کہ رقیہ بلال کے لئے اجنبیہ ہے اس نقشہ کو دیکھیں۔

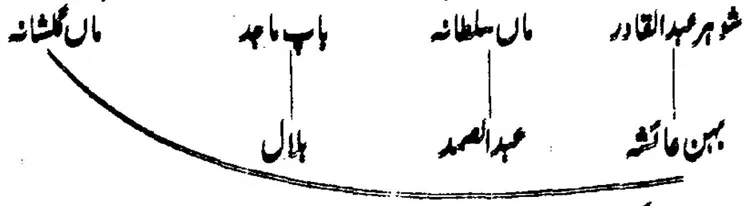

بلال کی شادی عبد الصمد کی ماں شریک بہن عائشہ سے جائز ہے۔

(۱۱/۱۸۰۵) وَكُلُّ صَبِيَّيْنِ اجْتَمَعَا عَلٰى ثَدْيٍ وَاحِدٍ لَمْ يَجُزْ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَزَوَّجَ الْآخَرَ.

ترجمہ: اور ہر وہ دو بچے (لڑکا لڑکی) جو ایک عورت کے پستان پر جمع ہوگئے تو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں شادی کرنا دوسرے کے ساتھ۔

تشریح: اگر دو بچوں نے کسی ایک عورت کا دودھ یکے بعد دیگرے پیا ہو تو دونوں کا آپس میں نکاح درست نہیں ہے کیوں کہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوگئے۔

(۱۲/۱۸۰۶) وَلَا يَجُوْزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْضَعَةُ أَحَدًا مِنْ وُلْدِ الَّتِيْ أَرْضَعَتْ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کہ شادی کرے دودھ پینے والی بچی کسی ایسے بچے سے جس کو اس کی ماں نے دودھ پلایا ہے۔

تشریح: المرضعة: میں ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں (۱) مُرضَعہ ضاد کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول ہے اور 'یتزوج' کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور احداً منصوب ہے مفعولیت کی بنا پر اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ دودھ پینے والی دودھ پلانے والی کے لڑکوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہ کرے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ مرضعہ اسم مفعول ہے مگر مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے اور 'احد' مرفوع ہو فاعلیت کی بنا پر اس صورت میں ترجمہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی عورت کے لڑکوں میں سے کوئی دودھ پینے والی بچی سے نکاح نہ کرے، حاصل دونوں کا ایک ہے (عینی شرح ہدایہ ۲/ ۲۰۷)

(۱۳/۱۸۰۷) وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ أُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضِعَةِ لِأَنَّهَا عَمَّتُهُ مِنَ الرَّضَاعِ.

ترجمہ: اور نہ شادی کرے شیر خوار بچہ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی بہن سے کیوں کہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے۔

تشریح: دودھ پلانے والی ماں کا شوہر رضاعی باپ ہوا اور اس کی بہن رضاعی پھوپھی ہوئی اس لیے دودھ پینے والے بچہ کا نکاح رضاعی پھوپھی سے جائز نہیں ہے۔

(۱۸۰۸/۱۴) وَإِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ فَإِنْ غَلَبَ الْمَاءُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور جب مل جائے دودھ پانی میں اور دودھ غالب ہو تو متعلق ہوگی اس کے ساتھ حرمت اور اگر پانی غالب ہو تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دودھ میں پانی ملا دیا گیا اور دودھ غالب اور پانی مغلوب ہے پھر کسی بچہ نے اس کو پی لیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، اور اگر پانی غالب اور دودھ مغلوب ہے تو احناف کے نزدیک اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر پانچ گھونٹ کی مقدار دودھ اس پانی میں موجود تھا جس کو اس بچہ نے پیا ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اگرچہ پانی غالب ہے۔

(۱۸۰۹/۱۵) وَإِذَا اخْتَلَطَ بِالطَّعَامِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ وَإِنْ كَانَ اللَّبَنُ غَالِباً عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور اگر دودھ کھانے کے ساتھ مل جائے تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی، اگرچہ دودھ غالب ہو امام صاحب کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوگی۔

تشریح: اگر دودھ کھانے میں ملا کر آگ پر پکا لیا گیا تو بالاتفاق اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی دودھ غالب رہا ہو یا مغلوب اس لیے کہ اگر دودھ مغلوب ہے تب تو حرمت کا ثابت نہ ہونا ظاہر ہے اور اگر دودھ غالب ہے تو اس لئے حرمت ثابت نہیں ہوگی کہ جب دودھ کھانے میں ملا کر پکا لیا گیا تو دودھ کھانے کے تابع ہو گیا لہٰذا اب اس کو لبن مطلق نہیں کہیں گے، اور اگر آگ پر نہیں پکایا گیا تو اب حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) امام صاحب کے نزدیک خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب کسی بھی صورت میں حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی (۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر دودھ غالب ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں، کیوں کہ دودھ غالب ہے اس لیے دودھ اصل ہے جیسا کہ پانی میں غالب کا اعتبار کیا گیا ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ غذا حاصل کرنے میں کھانا اصل ہے اور دودھ اس کے تابع ہے لہٰذا حصول مقصود یعنی غذا میں دودھ مغلوب ہو گیا اگرچہ حقیقت میں غالب تھا۔

(۱۸۱۰/۱۶) وَإِذَا اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ غَالِبٌ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور اگر دودھ مل جائے دوا کے ساتھ اور دودھ غالب ہے تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی۔

تشریح: اگر دودھ دوا کے ساتھ ملا دیا گیا اور دودھ غالب ہے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی، کیوں کہ غذا حاصل کرنے میں دودھ ہی مقصود ہے دوا تو صرف دودھ پہنچانے میں تقویت کے لئے ہے، اور اگر دودھ مغلوب

اور دوا غالب ہے تو تحریم ثابت نہیں ہوگی۔

(۱۸۱۱/۱۷) وَاِذَا حُلِبَ اللَّبَنُ مِنَ الْمَرْأَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاُوْجِرَ بِهِ الصَّبِیُّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِیْمُ.

حل لغات مع ترکیب: اوجر: ماضی مجہول وجر سے مشتق ہے وہ دوا جس کو منہ میں ڈالا جائے، اَوْجَرَ منه: دوا ڈالنا متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول ضمیر جو راجع ہے لبن المرأة کی طرف اور قائم مقام فاعل کے ہے دوسرا مفعول الصبی. (عینی شرح ہدایہ ۲/۲۱۰)

ترجمه: اور جب نکالا گیا دودھ عورت کا اس کے مرنے کے بعد اور ڈال دیا گیا بچہ کے حلق میں تو متعلق ہوگی حرمت۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عورت کے مرجانے کے بعد اس کا دودھ دوہا گیا پھر وہ دودھ بچے کے منہ میں ڈال دیا گیا تو احناف کے نزدیک اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اس کے قائل امام مالکؒ و امام احمدؒ ہیں امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی صاحب قدوری نے 'بعد الموت' کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ اگر قبل الموت عورت کا دودھ دوہ لیا گیا اور بعد الموت بچہ کے منہ میں ڈالا گیا تو اس صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

مختلف فیہ صورت میں امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرمت رضاعت کے ثبوت میں اصل تو عورت ہے پھر اس کے واسطے سے حرمت دوسروں تک متعدی ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد وہ محل حرمت ہی نہیں رہی ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت رضاعت کا سبب جزئیت کا شبہ ہے چوں کہ دودھ پینے کی وجہ سے بچہ کے گوشت اور ہڈیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ چیز دودھ میں بہر حال موجود ہے۔

(۱۸۱۲/۱۸) وَاِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ الْمَرْأَةِ بِلَبَنِ شَاةٍ وَلَبَنُ الْمَرْأَةِ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَاِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لَمْ یَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِیْمُ.

ترجمه: اور جب مل جائے عورت کا دودھ بکری کے دودھ میں اور عورت کا دودھ غالب ہو تو حرمت اس سے متعلق ہو جائے گی اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو متعلق نہ ہوگی اس سے حرمت۔

تشریح: عورت کا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ ملا دیا گیا اور عورت کا دودھ غالب ہو اور وہ کسی بچہ کو پلا دے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور اگر عورت کا دودھ مغلوب ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

(۱۸۱۳/۱۹) وَاِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ امْرَأَتَیْنِ یَتَعَلَّقُ التَّحْرِیْمُ بِاَکْثَرِهِمَا عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی تَعَلَّقَ بِهِمَا التَّحْرِیْمُ.

ترجمہ: اور جب مل گیا دو عورتوں کا دودھ تو حرمت متعلق ہوگی ان دونوں میں سے اکثر کے ساتھ امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمدؒ نے فرمایا حرمت متعلق ہوگی دونوں کے ساتھ۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت کا دودھ دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ مل جائے تو کس عورت سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی اس بارے میں صاحب ہدایہ نے دو قول مع الدلیل بیان کئے ہیں حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک غلبہ کا اعتبار ہے کیوں کہ سب کا سب شیٔ واحد ہے لہٰذا اقل کو اکثر کے تابع بنایا جائے گا جس عورت کا دودھ غالب ہوگا صرف اسی سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں امام محمد وامام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی کیوں کہ جنس جنس کے اوپر غالب نہیں آتی صاحب ہدایہ نے کسی قول کی ترجیح نقل نہیں کی لیکن شامی میں نقل کیا ہے کہ آخری دلیل والا قول ہی راجح ہے اور صاحب ہدایہ بھی اسی کی جانب مائل ہوئے ہیں۔ (ہدایہ ۲/۳۵۲، شامی ۲/۵۶۲)

(۱۸۱۴/۲۰) وَاِذَا نَزَلَ لِلْبِكْرِ لَبَنٌ فَارْضَعَتْ صَبِيًّا يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

لغت: البکر: وہ عورت جس سے صحبت نہ ہوئی ہو۔

ترجمہ: اور جب کنواری کے دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچہ کو پلا دے تو اس سے حرمت متعلق ہو جائے گی۔

تشریح: اگر باکرہ عورت کے پستان سے دودھ نکلا پھر وہ دودھ باکرہ نے کسی بچہ کو پلا دیا تو باتفاق ائمہ اربعہ اس دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی کیوں کہ آیت میں ہے وامھاتکم الّتی ارضعنکم یہ آیت مطلق ہے باکرہ اور ثیبہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

(۱۸۱۵/۲۱) وَاِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَارْضَعَ بِهٖ صَبِيًّا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور جب کسی مرد کے دودھ اتر آئے اور وہ بچہ کو پلا دے تو اس سے حرمت متعلق نہ ہوگی۔

تشریح: اگر کسی مرد کے پستان سے دودھ نکلا اس نے وہ دودھ کسی بچہ کو پلا دیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اس پر ائمہ اربعہ متفق ہیں کیوں کہ مرد کا دودھ حقیقت میں دودھ نہیں ہے اس لئے کہ حقیقتاً دودھ اس شخص سے متصور ہوگا جس سے ولادت متصور ہوتی ہے، اور مرد سے ولادت متصور نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس کے دودھ سے حرمت بھی متعلق نہیں ہوگی۔

(۱۸۱۶/۲۲) وَاِذَا شَرِبَ صَبِيَّانِ مِنْ لَبَنِ شَاةٍ فَلَا رِضَاعَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اگر دو بچوں نے بکری کا دودھ پیا تو دونوں کے درمیان رضاعت نہیں ہے۔

تشریح: رضاعت انسانی اعضاء کی جزئیت سے ہوتی ہے اور یہ حیوان کا دودھ ہے اس لیے اس سے حرمت

رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

(۱۸۱۷/۲۳) وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِيْرَةً وَكَبِيْرَةً فَأَرْضَعَتِ الْكَبِيْرَةُ الصَّغِيْرَةَ حَرُمَتَا عَلَى الزَّوْجِ.

ترجمه: اگرشادی کی کسی مرد نے صغیرہ (دودھ پیتی بچی) اور بڑی عورت سے پھراس بڑی نے چھوٹی کو دودھ پلادیا تو حرام ہوگی دونوں شوہر پر۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دودھ پیتی بچی اور ایک بڑی عورت سے شادی کی شوہر نے بڑی عورت کے ساتھ صحبت کی اس کے نتیجہ میں بچہ ہوا اور کبیرہ کو دودھ اتر آیا اس نے وہ دودھ چھوٹی بیوی کو پلا دیا تو دونوں شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائیں گی اسی کے قائل امام شافعیؒ واحمد ہیں، کیوں کہ دودھ پلانے کی وجہ سے چھوٹی بچی بڑی بیوی کی رضاعی بیٹی بن گئی اور جیسے نسبی ماں اور بیٹی کو جمع کرنا حرام ہے، اسی طرح رضاعی ماں اور بیٹی کو جمع کرنا حرام ہے۔

(۱۸۱۸/۲۴) فَإِنْ كَانَ لَمْ يَدْخُلْ بِالْكَبِيْرَةِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَلِلصَّغِيْرَةِ نِصْفُ الْمَهْرِ.

ترجمه: پھر اگر صحبت نہ کی ہو بڑی کے ساتھ تو اس کے لئے مہر نہیں ہوگا اور چھوٹی کے لئے آدھا مہر ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں مہر کا حکم بیان کیا گیا ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے بڑی کے ساتھ صحبت نہیں کی تو اس کو آدھا مہر ملنا چاہئے لیکن بڑی کے دودھ پلانے سے تفریق واقع ہوئی ہے تفریق کا سبب بڑی ہی بنی اس لیے اس کو آدھا مہر بھی نہیں ملے گا اور چوں کہ چھوٹی کی جانب سے تفریق نہیں ہے اور صحبت سے پہلے جدائی ہوئی اس لیے اس کو آدھا مہر ملے گا۔

(۱۸۱۹/۲۵) وَيَرْجِعُ بِهِ الزَّوْجُ عَلَى الْكَبِيْرَةِ إِنْ كَانَتْ تَعَمَّدَتْ بِهِ الْفَسَادَ وَإِنْ لَمْ تَتَعَمَّدْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا.

ترجمه: اور شوہر مہر وصول کرے گا بڑی سے اگر اس نے فساد نکاح کا ارادہ کیا ہو اور اگر فساد کا ارادہ نہ کیا ہو تو بڑی پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مہر کے متعلق دوسرا حکم بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ شوہر نے جو مہر چھوٹی بیوی کو دیا ہے وہ دیا ہوا مہر بڑی سے وصول کر سکتا ہے بشرطیکہ بڑی نے نکاح توڑنے ہی کے لئے چھوٹی کو دودھ پلایا ہو کیوں کہ اس نے جان بوجھ کر نکاح تڑوایا اور آدھا مہر دلوانے کا سبب بنی اس لیے شوہر آدھا مہر اسی سے وصول کرے گا اور اگر بچی بھوک کی وجہ سے رو رہی تھی اور دودھ پلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا یا نکاح ٹوٹنے کا علم نہ تھا تو جو آدھا مہر چھوٹی کو دیا ہے وہ بڑی سے لینے کا مجاز نہیں ہے۔

(۱۸۲۰/۲۶) وَلَا تُقْبَلُ فِي الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَإِنَّمَا يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ.

ترجمہ: اور نہیں قبول کی جائے گی رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی بلکہ ثابت ہوگی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

حرمت رضاعت کے ثبوت کیلئے کن لوگوں کی شہادت ضروری ہے

تشریح: رضاعت ثابت کرنے کے لئے کن لوگوں کی شہادت ضروری ہے سو اس بارے میں اختلاف ہے حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتیں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جائے گی صرف عورتوں کی گواہی کافی نہیں ہوگی۔

دلیل: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرہ) اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ بناؤ پھر اگر وہ دو گواہ مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنالی جاویں)۔

دوسرا مذہب: شوافع کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

دلیل: دودھ پینے کا تعلق عورت کی پستان کے ساتھ ہے اور عورت کے پستان کی طرف دیکھنا حرام ہے اسلئے رضاعت پر کوئی مرد مطلع نہیں ہو سکتا اور تاکہ دو عورتیں ایک مرد قائم مقام ہو جائیں اس لیے چار عورتوں کی گواہی شرط ہے۔

جواب: رضاعت پر مرد مطلع ہو سکتے ہیں مثلاً ذی رحم محرم کا عورت کے پستان کی طرف دیکھنا حلال ہے لہٰذا یہ دلیل قابل قبول نہ ہوگی۔

تیسرا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے جب کہ وہ عورت خود مرضعہ ہو۔

دلیل: حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی تو ایک کالی عورت آئی اور کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے پس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے فلاں بنت فلاں سے شادی کی تھی پس ایک کالی عورت آئی اور مجھ سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا حالانکہ وہ جھوٹی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے منہ پھیر لیا میں آپ کے چہرے کی جانب سے آیا اور کہا کہ وہ جھوٹی ہے آپ نے فرمایا اب بیوی کو نکاح میں کیسے رکھو گے؟ حالانکہ وہ کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے بیوی کو چھوڑ دو۔ (ترمذی ۲۱۸ باب ماجاء فی شہادۃ المرأۃ الواحدۃ فی الرّضاع) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

جواب: یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احتیاط علیحدگی کا حکم فرمایا اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے پہلی بار حضرت عقبہ کی بات سن کر اس پر فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اعراض کیا اگر ایک عورت کی گواہی کافی ہوتی تو آپ اسی وقت حرمت کا حکم دے دیتے۔ (رقم الحاشیہ ۴، الجوہرۃ النیر ۃ ۲/۹۹)

كِتَابُ الطَّلَاقِ

(یہ کتاب طلاق کے احکام کے بیان میں ہے)

مشروعیت طلاق کی حکمت: جس طرح اللہ تعالی نے نکاح کو مشروع فرمایا ہے بندوں کی مصلحت کے لئے اسی طرح طلاق کو بھی مشروع فرمایا انہی مصالح کے تکملہ کے طور پر کیوں کہ بعض مرتبہ انسان کو جو نکاح اس نے کیا ہے وہ موافق نہیں آتا تو وہ اس سے چھٹکارا چاہتا ہے اللہ نے اس کا حل طلاق کو بنایا نیز اللہ نے طلاق کے بھی درجات رکھے اور اس کے چند عدد مقرر فرما دیئے تا کہ نکاح ایک دم ختم نہ ہو جائے اور طلاق دینے والا اپنے نفس کو آزمالے کہ بیوی سے جدائی ہی بہتر رہے گی یا نہیں بلکہ اس کا ہونا ہی بہتر ہے نہ ہونے سے، لیکن تین کا عدد پورا ہونے کے بعد اگر وہ پھر نکاح میں اس عورت کو چاہتا ہے تو حلالہ کی قید تنبیہا و سزاءً لگائی گئی ہے۔

ماقبل سے مناسبت: صاحب قدوری نکاح کے احکام سے فراغت کے بعد طلاق اور اس کے اقسام واحکام کو بیان فرمارہے ہیں طلاق کو رضاعت کے بعد ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں حرمت ثابت کرتی ہیں فرق یہ ہے کہ رضاعت سے ہمیشگی کی حرمت اور طلاق سے حرمت غیر موبدہ ثابت ہوتی ہے۔

طلاق اسم مصدر ہے اور تطلیق کے معنی میں ہے طلاق کے لغوی معنی گرہ کھولنا مشتق ہے اطلاق سے، کہا جاتا ہے اطلق الاسیر، قیدی کو چھوڑ دیا، اطلق الناقۃ اونٹنی کی رسی کھول دی نکاح میں اس کا استعمال باب تفعیل سے ہوتا ہے یعنی تطلیق اور غیر نکاح میں باب افعال سے اسی لئے انت مُطَلَّقَة لام کی تشدید کے ساتھ نیت کی ضرورت نہیں ہے برخلاف انت مطلقه بسکون اللام، اس میں نیت کی ضرورت ہے اور اصطلاح شرع میں رشتہ نکاح کو ختم کرنے کو کہتے ہیں، طلاق شرعاً مباحات میں سے ہے مگر ابغض المباحات فرمایا ہے۔

طلاق کا ثبوت: اس آیت سے ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ.

ترجمہ: طلاق دو مرتبہ ہے پھر اچھے انداز میں روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اس آیت سے طلاق دینے کا ثبوت ہوا۔

(۱/۱۸۲۱) اَلطَّلَاقُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ اَحْسَنُ الطَّلَاقِ وَطَلَاقُ السُّنَّةِ وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ فَاَحْسَنُ الطَّلَاقِ ان يُطَلِّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً فِيْ طُهْرٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَيَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا.

ترجمہ: طلاق تین قسم پر ہے احسن طلاق طلاق سنت اور طلاق بدعت احسن طلاق یہ ہے کہ طلاق دے آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق ایسے طہر میں کہ جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو اور پھر اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

طلاق کی اقسام ثلثہ کا بیان

تشریح: صاحب قدوری نے طلاق کی تین قسمیں بیان فرما کر طلاق احسن کی تعریف کی ہے چناں چہ فرمایا کہ طلاق احسن یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں صحبت نہ کی ہو پھر مزید طلاق نہ دے بلکہ عدت گزر جانے دے۔

(۲/۱۸۲۲) وَطَلَاقُ السُّنَّةِ اَنْ تُطَلِّقَ الْمَدْخُوْلَ بِهَا ثَلٰثاً فِيْ ثَلَاثَةِ اَطْهَارٍ.

ترجمہ: اور طلاق سنت یہ ہے کہ طلاق دے مدخول بہا کو تین، تین طہروں میں۔

تشریح: اور طلاق سنت کی تعریف یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ مدخول بہا کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں صحبت نہ ہو پھر دوسرے اور تیسرے طہر میں بھی اسی طرح طلاق دے یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ طلاق بدعت ہے اور مباح صرف ایک طلاق ہے علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ طلاق سنت پر سنت کا اطلاق اس حیثیت سے نہیں کہ اس طریقہ سے طلاق دینا پسندیدہ اور قابل ثواب ہے بلکہ اس کو سنت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ یہ طریقہ بھی شریعت میں جائز ہے اور ایسا کرنے والا مستحق عتاب نہیں۔ (روح المعانی ۲/۱۳٦)

(۳/۱۸۲۳) وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ اَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلٰثاً بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ اَوْ ثَلٰثاً فِيْ طُهْرٍ وَاحِدٍ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَ بَانَتِ امْرَاَتُهُ مِنْهُ وَكَانَ عَاصِياً.

ترجمہ: اور طلاق بدعت یہ ہے کہ طلاق دے عورت کو تین ایک کلمہ سے یا تین دے ایک طہر میں جب وہ یہ کر چکے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت بائنہ ہو جائے گی اور وہ گناہ گار ہوگا۔

تشریح: طلاق بدعی کی یہ تعریف کی گئی ہے ماخالف قسمی السنۃ (الاحسن والحسن) یعنی جو طلاق احسن اور طلاق حسن دونوں کے خلاف ہو اس تعریف کی رو سے درج ذیل صورتیں طلاق بدعی میں داخل ہوں گی (۱) ایک کلمہ سے دو طلاق دینا (۲) الگ الگ کلمہ سے ایک طہر میں دو طلاق دینا (۳) ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کی ہو (۴) حالت حیض میں طلاق دینا (۵) ایک کلمہ سے تین طلاق دینا (٦) ایک طہر میں دو یا تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ کلمات سے دینا، طلاق بدعی ہمارے نزدیک حرام ہے اگر ایسا کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے لئے حرمت غلیظہ ثابت ہو جائے گی اور طلاق دینے والا گنہگار ہوگا، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ہر طلاق مباح ہے، چوں کہ اس طلاق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا اس وجہ سے اس کو بدعت کی جانب منسوب فرمایا ہے۔

(۴/۱۸۲۴) وَالسُّنَّةُ فِي الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ سُنَّةٌ فِي الْوَقْتِ وَسُنَّةٌ فِي الْعَدَدِ.

ترجمہ: اورطلاق میں سنت دوطریقے سے ہےایک سنت وقت میں اورایک سنت عدد میں۔

تشریح: وقت میں سنت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دے کہ طہر ہوحیض کا زمانہ نہ ہواورصحبت نہ کی ہواورعدد میں سنت یہ ہے کہ عورت کوایک طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے بیک وقت تین طلاق نہ دے۔

(۱۸۲۵/۵) فَالسُّنَّةُ فِي الْعَدَدِ يَسْتَوِىْ فِيْهَا الْمَدْخُوْلُ بِهَا وَغَيْرُ الْمَدْخُوْلِ بِهَا.

ترجمہ: پس عدد کی سنت میں مدخول بہااورغیرمدخول بہادونوں برابر ہیں۔

تشریح: جس عورت سے صحبت کر چکا ہے، سنت یہ ہے کہ اس کوبھی ایک ہی طلاق دے،اور جس عورت سے صحبت نہیں کی ہے، اس کے لیے بھی سنت یہ ہے کہ ایک ہی طلاق دے، ایک وقت میں تین طلاق نہ دے، اس سنت میں دونوں برابر ہیں۔

(۱۸۲۶/۶) وَالسُّنَّةُ فِي الْوَقْتِ تَثْبُتُ فِيْ حَقِّ الْمَدْخُوْلِ بِهَا خَاصَّةً وَهُوَ اَنْ يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً فِيْ طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ.

ترجمہ: اورسنت وقت میں ثابت ہے مدخول بہا کے حق میں خاص طور پراوروہ یہ ہے کہ طلاق دے اس کو ایک ایسے طہر میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو۔

تشریح: وقت کے اعتبار سے سنت کا اعتبار صرف مدخول بہا بیوی کے ساتھ خاص ہے، کیوں کہ غیرمدخول بہا کوتو جب چاہے طلاق دے دے چاہے حیض کا زمانہ ہو یا طہر کا زمانہ ہواوراس کی شکل یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وطی نہ کی ہو، کیوں کہ مدخول بہا کوحیض کے زمانہ میں طلاق دینا بدعت ہے اور جس طہر میں صحبت کی ہو اس میں بھی طلاق دینا بدعت ہے۔

(۱۸۲۷/۷) وَغَيْرُ الْمَدْخُوْلِ بِهَا اَنْ يُطَلِّقَهَا فِيْ حَالِ الطُّهْرِ وَالْحَيْضِ.

ترجمہ: اورغیرمدخول بہا کوطلاق دے طہر کی حالت میں یا حیض کی حالت میں۔

تشریح: غیرمدخول بہا کا معاملہ یہ ہے کہ اس کوطہراورحیض دونوں میں طلاق دی جاسکتی ہے چوں کہ ابھی تک صحبت نہیں کی ہے اس لیے ہر وقت میں رغبت ہے نفرت کا احتمال ہی نہیں ہے لہٰذا جب مرد باجود رغبت کے طلاق دے رہا ہے تو یہ علامت ہے ضرورت و مصلحت کی وعلیہا مدار السنیۃ، لہٰذا دونوں حالتوں میں طلاق دے سکتا ہے نیز جس کوعدت گزارنی ہے اس کے لئے طہر کا انتظار کیا جائے گا تا کہ عدت لمبی نہ ہواورغیرمدخول بہا کوعدت نہیں گزارنی ہے اس لیے جب چاہے طلاق دے دے۔

(۱۸۲۸/۸) وَاِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ لَا تَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ فَاَرَادَ اَنْ يُطَلِّقَهَا لِلسُّنَّةِ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَاِذَا

مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخْرىٰ فَاِذَا مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخْرىٰ.

ترجمہ: اور جب عورت کو حیض نہ آتا ہو بچپن کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے اور شوہر چاہے اس کو طلاق دینا سنت کے موافق تو طلاق دے اس کو ایک پھر جب گذر جائے ایک ماہ تو طلاق دے دوسری پھر جب گزر جائے ایک ماہ تو طلاق دے تیسری۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو حیض نہ آتا ہو بچپنے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی مرض کی وجہ سے اور اس کا شوہر چاہتا ہے کہ اس کو سنت طریقہ پر تین طلاق دے دے تو اس کا حکم یہ ہے کہ تین ماہ میں متفرق طور پر تین طلاق دے دے تو سنت کے مطابق ہو جائے گی، کیوں کہ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کے لئے ہر ایک ماہ ایک طہر کے درجہ میں ہے اس لیے ہر ماہ پر ایک طلاق دے دے۔

(۹/۱۸۲۹) وَيَجُوْزُ اَنْ يُطَلِّقَهَا وَلَا يَفْصِلُ بَيْنَ وَطْيِهَا وَطَلَاقِهَا بِزَمَانٍ.

ترجمہ: اور یہ بھی جائز ہے کہ اسکو طلاق دے اور فصل نہ کرے اس کی وطی اور طلاق کے درمیان زمانہ سے۔

تشریح: جس عورت کو بچپن کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہے اس عورت سے وطی کرتے ہی فوراً طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے حیض والی عورت کی طرح نہیں ہے کہ صحبت کرنے کے بعد حیض آئے رحم صاف ہو پھر اگلے طہر میں طلاق دے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ حیض اور اگلے طہر کا انتظار اس لیے کرتے تھے کہ حیض کی وجہ سے رحم صاف ہو جائے اور چوں کہ اس عورت کو حیض ہی نہیں آتا ہے اس لیے حمل ٹھہرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے صحبت کے فوراً بعد طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

(۱۰/۱۸۳۰) وَطَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوْزُ عَقِيْبَ الْجِمَاعِ.

ترجمہ: اور حاملہ کو طلاق دینا جائز ہے جماع کے بعد۔

تشریح: بیوی حاملہ ہے اس سے صحبت کی اور صحبت کے فوراً بعد طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے، کیوں کہ حاملہ عورت کے ساتھ وطی کرنے سے عدت مشتبہ نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ حاملہ میں عدت کا طریقہ متعین ہے لہذا فوراً طلاق دے سکتا ہے۔

(۱۱/۱۸۳۱) وَيُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ ثَلٰثًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ تَطْلِيْقَتَيْنِ بِشَهْرٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ اِلَّا وَاحِدَةً.

ترجمہ: اور طلاق دے اس کو سنت کے مطابق تین فصل کرے ہر دو طلاقوں میں ایک مہینہ کا شیخینؒ کے

نزدیک اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ طلاق نہ دے اس کو سنت کے موافق مگر ایک۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ کو تین طلاق مسنون طریقہ پر دینے کا ارادہ ہو تو ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فصل کرے شیخین کے نزدیک کیوں کہ طلاق کا مباح ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اور مہینہ ضرورت کی دلیل ہے ائمہ ثلاثہ اور امام محمد و امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ عورت کو سنت کے طور پر طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق دے کر چھوڑ دے وضع حمل کے بعد بائنہ ہو جائے گی اور عدت بھی گذر جائے گی، کیوں کہ طلاق دینا مبغوض ہے اس لیے زیادہ طلاق دینا اچھا نہیں ہے، اس لیے ایک ہی پر اکتفا کرے۔

(۱۲/۱۸۳۲) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهٗ فِیْ حَالِ الْحَیْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَیَسْتَحِبُّ لَهٗ اَنْ یُرَاجِعَهَا فَاِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ وَطَهُرَتْ فَهُوَ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَاِنْ شَاءَ اَمْسَکَهَا.

ترجمہ: اور جب طلاق دے دی مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مستحب ہے اس کے لئے یہ کہ اس سے رجوع کرلے پھر جب وہ پاک ہو جائے اور حائضہ ہو پھر پاک ہو جائے تو اس کو اختیار ہے چاہے طلاق دے چاہے عورت کو روک لے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ حالت حیض میں جو طلاق دی تھی اس سے رجعت کے بعد جب وہ عورت اس حیض سے پاک ہوگئی جس میں طلاق دی گئی تھی اور پھر حائضہ ہوگئی پھر اس حیض ثانی کے بعد پاک ہوگئی، تو اب شوہر کو اختیار ہے کہ وہ طہر ثانی میں اپنی اس بیوی کو طلاق دے یا روک کے رکھے اور طلاق نہ دے۔

حکم الطلاق فی الحیض والاختلاف فیہ: حیض میں دیجانے والی طلاق اگرچہ حرام اور طلاق بدعی ہے مگر پھر بھی واقع ہو جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کرنے کے لئے کہا تھا اور رجوع ظاہر ہے کہ طلاق کے وقوع کے بعد ہی ہو سکتا ہے ورنہ رجوع کا کوئی مطلب نہیں چناں چہ ائمہ اربعہ اور جمہور کا یہی مذہب ہے، بخلاف ظاہریہ، روافض، اور خوارج کے، کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، کیوں کہ منہی عنہ ہے فلا یکون مشروعاً، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمرؓ کو رجوع کا حکم فرمایا اور ظاہر ہے کہ رجوع عن الطلاق بدون الطلاق محال ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حیض میں دی جانے والی طلاق سے رجوع کرنا شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے اور یہی ایک روایت حنفیہ کی ہے مگر صاحب ہدایہ نے وجوب کی روایت کو اصح قرار دیا ہے اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہے نیز مالکیہ کے نزدیک اس کو رجوع پر مجبور کیا جائے گا مار پیٹ سے یا قید سے یا ڈرانے دھمکانے سے جیسا بھی موقع ہو۔

(۱۳/۱۸۳۳) وَیَقَعُ طَلَاقُ کُلِّ زَوْجٍ اِذَا کَانَ عَاقِلًا بَالِغًا.

ترجمہ: اور واقع ہو جائے گی ہر شوہر کی طلاق جب کہ وہ عاقل بالغ ہو۔

تشریح: شوہر اگر عاقل بالغ ہے اور اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی تو واقع ہو جائے گی خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام، خوشی سے دی ہو یا ناراضگی میں، درست ہو یا نشہ میں، ہر صورت میں طلاق پڑ جائے گی۔

(۱۴/۱۸۳۴) وَلاَ یَقَعُ طَلاَقُ الصَّبِیِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَالنَّائِمِ.

ترجمہ: اور نہیں واقع ہوگی طلاق بچہ کی اور مجنون کی اور سونے والے کی۔

تشریح: حدیث میں ہے کہ ہر طلاق نافذ ہو جاتی ہے سوائے بچہ اور دیوانے کی طلاق کے، اثر میں ہے عن ابن عباسؓ قال لَا یَجُوْزُ طَلَاقُ الصَّبِیِّ (مصنف ابن شیبہ ۴/۷۶) یعنی بچہ کی طلاق جائز نہیں ہے۔

(۱۵/۱۸۳۵) وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ وَطَلَّقَ وَقَعَ طَلاَقُهٗ.

ترجمہ: اور جب شادی کی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے اور طلاق دی تو اس کی طلاق واقع ہو جائیگی۔

تشریح: غلام نے آقا کی اجازت سے شادی کی تو شادی ہوگئی اب غلام ہی کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا اگر اس نے طلاق دے دی تو پڑ جائے گی، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ اَخَذَ بِالسَّاقِ (ابن ماجہ ۲۹۹) طلاق کا حق اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی شادی کی۔

(۱۶/۱۸۳۶) وَلَایَقَعُ طَلاَقُ مَوْلَاهُ عَلٰی امْرَأَتِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں واقع ہوگی آقا کی طلاق اپنے غلام کی بیوی پر۔

تشریح: آقا کی اجازت سے شادی کی تو اب غلام کی بیوی کو طلاق دینے کا مجاز آقا نہ ہوگا بلکہ خود غلام ہی ہوگا۔

(۱۷/۱۸۳۷) وَالطَّلَاقُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ صَرِیْحٌ وَکِنَایَةٌ فَالصَّرِیْحُ قَوْلُهٗ اَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُكِ فَهٰذَا یَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِیُّ.

ترجمہ: طلاق دو قسموں پر ہے صریح اور کنایہ پس صریح یہ ہے کہ یوں کہے تجھے طلاق ہے تو طلاق دی ہوئی ہے میں نے تجھے طلاق دے دی پس اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

صریحی طلاق کا بیان

تشریح: عبارت میں طلاق بمعنی تطلیق ہے طلاق دینے کے دو طریقے ہیں ایک صریح کہ جس سے صاف پتہ چل جائے کہ شوہر طلاق دینا چاہتا ہے، اور دوسرا طریقہ کنایہ کا ہے کنایہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ شوہر ایسے الفاظ استعمال کرے جن کے دو معنی ہوں ایک معنی کے اعتبار سے طلاق نہ ہوتی ہو اور دوسرے معنی کے اعتبار سے طلاق واقع

ہو جاتی ہو اس میں نیت کا اعتبار ہے عبارت میں تینوں الفاظ صریح ہیں ان میں طلاق کی نیت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے بغیر نیت کے ہی طلاق پڑ جائے گی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ الفاظ صریح کے استعمال کے بعد رجعت کرسکتا ہے کیوں کہ الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

(۱۸/۱۸۳۸) وَلَایَقَعُ بِهٖ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَاِنْ نَوٰی اَکْثَرَ مِنْ ذٰالِكَ.

ترجمه: اور نہیں واقع ہوگی ان الفاظ سے مگر ایک اگر چہ نیت کی :واس سے زیادہ کی۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ طلاق انت طالق، مطلقة، طلقتك کے ذریعہ طلاق رجعی واقع ہوگی اور ان الفاظ ثلثہ میں ہر ایک کے ساتھ صرف ایک طلاق واقع ہوگی اگر چہ ایک سے زائد کی نیت کی ہو۔

(۱۹/۱۸۳۹) وَلَا یَفْتَقِرُ بِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ اِلٰی نِیَّةٍ.

ترجمه: اور یہ الفاظ نہیں محتاج ہیں نیت کے۔

تشریح: نیت کا اعتبار کنائی الفاظ میں ہوتا ہے صریح الفاظ میں طلاق دینے کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ طلاق دیتے ہی بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۲۰/۱۸۴۰) وَقَوْلُهٗ اَنْتِ الطَّلَاقُ وَاَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقِ اَوْ اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقاً فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَهٗ نِیَّةٌ فَهِیَ وَاحِدَةٌ رَجْعِیَّةٌ وَاِنْ نَوٰی ثِنْتَیْنِ لَایَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَاِنْ نَوٰی بِهٖ ثَلٰثاً کَانَ ثَلٰثاً.

ترجمه: اور شوہر کا قول انت الطلاق، انت طالق الطلاق اور انت طالق طلاقاً میں اگر اس کی کوئی نیت نہیں ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر دو کی نیت کرے تو نہیں واقع ہوگی مگر ایک اور اگر نیت کرے اس سے تین کی تو تین ہوگی۔

تشریح: عبارت میں طلاق کے تین الفاظ ذکر کئے گئے ہیں ان تینوں صورتوں میں اگر کوئی نیت نہیں ہے یا ایک طلاق کی نیت ہے یا دو کی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین واقع ہو جائیں گی، دلیل یہ ہے کہ تینوں الفاظ میں مصدر مذکور ہے اور مصدر اسم جنس ہے اور اسم جنس کے دو فرد ہوتے ہیں ایک فرد حقیقی دوم فرد حکمی فرد حقیقی ایک طلاق ہے اور فرد حکمی کل کا مجموعہ یعنی تین طلاقیں ہیں اور دو کا عدد طلاق کا نہ فرد حقیقی ہے اور نہ فرد حکمی پس اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو یہ مصدر کا فرد حکمی ہونے کی وجہ سے صحیح ہے چناں چہ عورت اگر باندی ہے تو اس کے حق میں دو طلاقوں کی نیت کرنا بھی صحیح ہے کیوں کہ دو طلاق باندی کے حق میں فرد حکمی ہے۔

(۲۱/۱۸۴۱) وَالضَّرْبُ الثَّانِیْ الْکِنَایَاتُ وَلَا یَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ اِلَّا بِالنِّیَّةِ اَوْ بِدَلَالَةِ حَالٍ وَهِیَ عَلٰی ضَرْبَیْنِ مِنْهَا ثَلٰثَةُ اَلْفَاظٍ یَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ الرَّجْعِیُّ وَلَا یَقَعُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةٌ وَهِیَ قَوْلُهٗ اِعْتَدِّیْ وَاسْتَبْرِءِیْ رَحْمَكِ

وَاَنْتِ وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: اور دوسری قسم کنایات ہے نہیں واقع ہوتی ان سے طلاق مگر نیت کے ساتھ یا دلالت کے ساتھ اور یہ بھی دو قسم پر ہے ان میں سے تین الفاظ تو ایسے ہیں کہ جن سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور نہیں واقع ہوگی ان سے مگر ایک طلاق اور وہ اس کا قول، تو عدت میں بیٹھ جا اور تو اپنے رحم کو صاف کرلے، اور تو اکیلی ہے۔

کنائی طلاق کا بیان

تشریح: صاحب قدوریؒ جب قسم اول صریح طلاق کے بیان سے فارغ ہو گئے تو قسم ثانی یعنی کنایات کو بیان کر رہے ہیں کنایہ وہ ہے جس کی مراد پوشیدہ ہو۔

کنایہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ شوہر ایسے الفاظ استعمال کرے جن کے دو معنی ہوں ایک معنی کے اعتبار سے طلاق نہ ہوتی ہو اور دوسرے معنی کے اعتبار سے طلاق ہو جاتی ہو اس شکل میں طلاق کی نیت کرے گا یا حالت ایسی ہو جس سے طلاق واقع ہونے کا تقاضہ ہو تو اس سے طلاق واقع ہوگی، مثلاً زوجین میں طلاق کی گفتگو چل رہی تھی عورت نے شوہر سے کہا مجھے طلاق دے دے شوہر نے کہا 'اعتدی'

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کنایہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس سے ایک رجعی واقع ہوگی اور ایک وہ جس سے ایک بائنہ واقع ہوگی قسم اول کے تین الفاظ ہیں (۱) اعتدی اس میں دو معنی کا احتمال ہے (۱) شمار کر تو ایام عدت (۲) اللہ کی نعمتوں کو شمار کر، اگر شوہر نے معنی اول کی نیت کی تو اس کی نیت سے معنی اول متعین ہو جائیں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ تجھے میں نے طلاق دے دی ہے اس لیے عدت گزار لو عبارت یوں ہوگی انت طالق فاعتدی.

دوسرا لفظ: استبری رحمك ہے اس کے بھی دو مطلب ہیں رحم صاف کرلو اس لیے کہ مجھے صحبت کرنا ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ رحم صاف کرلو اس لیے کہ میں نے تم کو طلاق دے دی ہے اگر شوہر نے دوسرے معنی کی نیت کی تو ایک طلاق پڑ جائے گی عبارت یوں ہوگی انت طالق فاستبری رحمک۔

تیسرا لفظ: انت واحدة ہے اس میں بھی دو معنی کا احتمال ہے اول یہ کہ واحدۃ کو مصدر محذوف کی صفت قرار دیا جائے یعنی 'تطليقة واحدة' اور دوسرے یہ کہ شوہر اس کی تعریف کرتا ہے یعنی تو زمانہ میں اکیلی ہے تجھ جیسی کوئی دوسری عورت نہیں ہے، اگر شوہر نے معنی اول کی نیت کی تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی عبارت یوں ہوگی انت طالق تطليقة واحدة.

(۲۲/۱۸۴۲) وَبَقِيَّةُ الْكِنَايَاتِ اِذَا نَوىٰ بِهَا الطَّلَاقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَاِنْ نَوىٰ ثَلٰثاً كَانَتْ ثَلٰثاً وَاِنْ نَوىٰ ثِنْتَيْنِ كَانَتْ وَاحِدَةً وَهٰذِهٖ مِثْلُ قَوْلِهٖ اَنْتِ بَائِنٌ وَبَتَّةٌ وَبَتْلَةٌ وَحَرَامٌ وَحَبْلُكِ عَلٰى غَارِبِكِ

وَالْحِقِیْ بِاَهْلِكِ وَخَلِيَّةٌ وَبَرِيَّةٌ وَوَهَبْتُكِ لِاَهْلِكِ وَسَرَّحْتُكِ وَاخْتَارِیْ وَفَارَقْتُكِ وَاَنْتِ حُرَّةٌ وَتَقَنَّعِیْ وَاسْتَتِرِیْ وَاغْرُبِیْ وَابْتَغِی الْاَزْوَاجَ.

حل لغات: بائن: اسم فاعل ماخوذ ہے بینونة سے جدائی، بت وبتل: دونوں باب (ن،ض) سے ہیں کاٹنا۔ حبلك علی غاربك، تیری رسی تیری گردن پر ہے عرب کا طریقہ ہے جب اونٹنی کو چھوڑتے ہیں تو اس کی گردن پر رسی ڈال دیتے ہیں، حلية: یہ خلوءٌ سے ماخوذ ہے باب (ن) خالی ہونا، چھوڑنا۔ سرحت: ماضی باب تفعیل مصدر تسریح آزاد کرنا چھوڑنا، تقنعی: باب تفعل سے ہے قناع سے ماخوذ ہے دوپٹہ اوڑھنا، اغربی: فعل امر باب (ن) مصدر غروباً دور ہونا۔

ترجمہ: اور باقی کنایات اگر نیت کرے ان سے طلاق کی تو ایک بائنہ ہوگی اور اگر نیت کرے تین کی تو تین ہوں گی اور اگر نیت کرے دو کی تو ایک ہوگی اور وہ الفاظ یہ ہے (۱) تو مجھ سے جدا ہے، (۲) (۳) تیرا مجھ سے قطع تعلق ہے (۴) تو حرام ہے، (۵) تیری رسی تیری گردن پر ہے (۶) تو اپنے گھر والوں کے ساتھ مل جا (۷) تو بالکل چھوڑ دی گئی (۸) تو بالکل بری ہے، (۹) تجھے تیرے عزیزوں کو ہبہ کردیا (۱۰) میں نے تجھے چھوڑ دیا (۱۱) خود مختار ہوجا (۱۲) میں نے تجھے جدا کردیا (۱۳) تو آزاد ہے (۱۴) چادر اوڑھ لے (۱۵) پردہ کرلے (۱۶) دور ہوجا (۱۷) شوہروں کو تلاش کرلے۔

تشریح: یہاں سے صاحب کتاب کنایات کی قسم دوم بیان فرمارہے ہیں یعنی مذکورہ تین الفاظ کے علاوہ باقی الفاظ کنایہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی اگر ایک یا دو کی نیت کی ہے اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین واقع ہوں گی عبارت میں جس قدر الفاظ کنایہ بیان کیے گئے ہیں تمام میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہے اس وجہ سے معنی طلاق کو متعین کرنے کے لئے نیت ضروری ہے۔

تنبیہ: میں نے تجھے چھوڑ دیا، یہ الفاظ صریح میں سے ہے، اس لئے اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور نیت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲۳/۱۸۴۳) فَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَهٗ نِیَّةُ الطَّلَاقِ لَمْ یَقَعْ بِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ طَلَاقٌ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَا فِیْ مُذَاکَرَةِ الطَّلَاقِ فَیَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِی الْقَضَاءِ وَلَا یَقَعُ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلَّا اَنْ یَنْوِیَهٗ.

ترجمہ: پھر اگر ان سے اس کی نیت طلاق کی نہ ہو تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی مگر یہ کہ وہ دونوں طلاق کے مذاکرہ میں ہو کہ ان سے طلاق ہوجائے گی قضاءً اور واقع نہ ہوگی فیما بینہ وبین اللہ مگر یہ کہ وہ طلاق کی نیت کرلے۔

تشریح: الفاظ کنایہ بول کر اگر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی، ہاں اگر میاں بیوی کے درمیان

طلاق کا مذاکرہ ہو رہا ہے اور اسی حالت میں شوہر نے کسی لفظ سے عورت کو مخاطب کیا تو اس حالت میں طلاق کے وقوع کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بلا نیت قضاء اور فیصلہ کے اعتبار سے طلاق واقع ہو جائے گی لیکن شوہر اور اللہ کے درمیان یہی ہے کہ نیت کی ہوگی تو طلاق واقع ہوگی، اور نیت نہیں کی ہوگی تو طلاق واقع نہیں ہوگی مگر چوں کہ حکم ظاہری اعتبار سے ہی قائم رہتا ہے لہٰذا طلاق کا عمل جاری ہو جائے گا اس مسئلہ کے متعلق مزید تفصیلی تحقیقی بحث ہدایہ میں ہے۔

(۲۴/۱۸۴۴) وَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا فِيْ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ وَكَانَا فِيْ غَضَبٍ اَوْ خُصُوْمَةٍ وَقَعَ الطَّلَاقُ بِكُلِّ لَفْظَةٍ لَايُقْصَدُ بِهَا السَّبُّ وَالشَّتِيْمَةُ وَلَمْ يَقَعْ بِمَا يُقْصَدُ بِهَا السَّبُّ وَالشَّتِيْمَةُ اِلَّا اَنْ يَنْوِيَهُ.

حل لغات: السب: گالی، الشتیمة گالی دینا۔

ترجمہ: اور اگر دونوں طلاق کے مذاکرہ میں نہ ہوں بلکہ غصہ یا جھگڑے کی حالت میں ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی ہر اس لفظ سے جس سے گالی گلوچ مقصود نہ ہو اور اس لفظ سے واقع نہیں ہوگی جس سے گالی گلوچ مقصود ہو مگر یہ کہ وہ نیت کر لے۔

تشریح: اگر زوجین مذاکرہ طلاق کی حالت میں نہیں ہیں بلکہ غصہ یا جھگڑے کی حالت میں ہیں تو ایسی صورت میں ہر ایسے لفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی جن سے گالی گلوچ ظاہر نہ ہوتا ہو، کیوں کہ جب الفاظ ایسے ہیں کہ گالی دینے کے معنی نہیں ہیں تو طلاق ہی دینے کا اندازہ ہوسکتا ہے اس لیے طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر الفاظ ایسے ہیں کہ گالی بن سکتے ہیں تو ان کو گالی پر محمول کریں گے طلاق پر محمول نہیں کریں گے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی ہاں ان الفاظ سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۲۵/۱۸۴۵) وَاِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ بِضَرْبٍ مِّنَ الزِّيَادَةِ كَانَ بَائِنًا مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ وَاَنْتِ طَالِقٌ اَشَدَّ الطَّلَاقِ اَوْ اَفْحَشَ الطَّلَاقِ اَوْ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ اَوْ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ اَوْ كَالْجَبَلِ اَوْ مِلَا الْبَيْتِ.

ترجمہ: اور جب متصف کیا طلاق کو کسی زائد وصف کے ساتھ تو طلاق بائن ہوگی مثلاً یوں کہے تو بائنہ طلاق والی ہے تو بڑی سخت طلاق والی ہے تو بدترین طلاق والی ہے تجھ پر شیطان کی طلاق ہے تجھ پر بدعت کی یا پہاڑ کے برابر یا گھر بھرنے کے مانند طلاق ہے۔

تشریح: ان تمام الفاظ میں اگر کوئی نیت نہیں کی یا دو کی نیت کی ہے تو ایک بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین واقع ہوں گی۔

(۲۶/۱۸۴۶) وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰى جُمْلَتِهَا اَوْ اِلٰى مَايُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ مِثْلُ اَنْ

يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ رَقَبَتُكِ طَالِقٌ اَوْ عُنُقُكِ طَالِقٌ اَوْ رُوْحُكِ اَوْ بَدَنُكِ اَوْ جَسَدُكِ اَوْ فَرْجُكِ اَوْ وَجْهُكِ.

ترجمہ: اور جب منسوب کیا طلاق کو عورت کے کل کی طرف یا ایسے عضو کی طرف جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہے تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً یوں کہے تو طلاق والی ہے تیری گردن کو طلاق ہے یا تیری گردن کو طلاق ہے یا تیری روح کو یا تیرے بدن کو یا تیرے جسم کو یا تیرے شرمگاہ کو یا تیرے چہرہ کو طلاق ہے۔

طلاق کو کسی حصہ کی طرف منسوب کرنے کا بیان

تشریح: اگر طلاق کو عورت کے کل حصہ بدن کی طرف منسوب کر دیا جائے جیسے تو طلاق والی ہے اس میں پورے جسم کی طرف طلاق منسوب کی یا بدن کے ایسے جز کی طرف منسوب کر دیا جائے جس سے کل عورت کو تعبیر کیا جاتا ہے جیسے تیری گردن کو طلاق ہے اسی طرح دوسرے اعضا بھی ہیں۔

رقبہ بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت کے ٹکڑے میں ہے فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے، اور عنق بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ ان کی گردنیں جھک گئیں، وجہ بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ چہرے حي قیوم کے سامنے جھک گئے۔

(۱۸۴۷/۲۷) وَكَذَالِكَ اِنْ طَلَّقَ جُزْءً شَائِعاً مِنْهَا مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ طَالِقٌ.

لغت: جزءً شائعاً: ایسا جز جو کہ تقسیم نہیں ہو سکتا اور وہ تمام جسم میں مشترک اور پھیلا ہوا ہے اور وہ غیر معین ہے جیسے آدھا، تہائی، چوتھائی۔

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر طلاق دی عورت کے جز شائع کو مثلاً یوں کہا تیرا نصف یا تیرا ثلث حصہ طلاق والا ہے۔

تشریح: آدھا تہائی چوتھائی ان کو جز شائع کہتے ہیں اگر جزء شائع کو طلاق دی تو پورے انسان کو طلاق واقع ہوگی۔

(۱۸۴۸/۲۸) وَاِنْ قَالَ يَدُكِ اَوْ رِجْلُكِ طَالِقٌ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ.

ترجمہ: اور اگر کہا تیرے ہاتھ یا تیرے پاؤں کو طلاق تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: اگر طلاق اس جز معین کی طرف منسوب کی گئی جس سے عورت کے پورے بدن کو تعبیر نہیں کیا جاتا

جیسے ہاتھ، پاؤں، انگلی، بال، دانت، ناخن۔ تو احناف میں سے ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی ائمہ ثلاثہ اور امام زفرؒ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، ہماری دلیل یہ ہے کہ ان صورتوں میں طلاق غیر محل کی طرف منسوب کی گئی ہے لہٰذا طلاق لغو ہوگی، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ طلاق کے معنی قید کو ختم کرنا اور قید کا ختم اس وقت ہوگا جب کہ پہلے قید ہو اور ہاتھ وغیرہ میں کوئی قید نہیں لہٰذا ہاتھ وغیرہ کی طرف طلاق منسوب کر دینے سے واقع نہیں ہوگی۔

(۲۹/۱۸۴۹) وَإِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيْقَةٍ أَوْ ثُلُثَ تَطْلِيْقَةٍ كَانَتْ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً.

ترجمہ: اور اگر عورت کو آدھی طلاق دے یا تہائی طلاق دے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

تشریح: اگر کسی مرد نے اپنی منکوحہ کو آدھی طلاق دی یا تہائی طلاق دی تو اس کو پوری ایک طلاق شمار کیا جائے گا اور وہ عورت ایک طلاق کے ساتھ مطلقہ ہوگی، چوں کہ طلاق تقسیم اور اجزائیت کو قبول نہیں کرتی اس وجہ سے ایک ہی طلاق پڑے گی۔

(۳۰/۱۸۵۰) وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ.

ترجمہ: زبردستی کئے گئے اور نشہ میں مست کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

تشریح: "مکرہ "راء کے فتحہ وہ شخص جس کو جان یا عضو کا نقصان پہنچانے کی بادشاہ نے دھمکی دی ہو یا اس شخص نے جس کی طرف سے ایسا کرنا متصور ہے اس عبارت میں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس نے مجبور ہو کر طلاق دے دی تو ہمارے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی اس بارے میں ایک اثر ہے عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ طَلَاقُ الْمُكْرَهِ جَائِزٌ اِنَّمَا افْتَدیٰ بِهٖ نَفْسَه (مصنف عبدالرزاق ۶/۴۱۰) حضرت ابراہیم نے فرمایا زبردستی کئے ہوئے کی طلاق جائز ہے، بات یہ ہے کہ اپنی جان کے بدلہ طلاق کا فدیہ دیا، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انتہائی نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو ہمارے اور مالکیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، امام شافعی کا اصح قول اسی کے مطابق ہے نیز امام احمد کی بھی مرجوح روایت یہی ہے، اگر دوا کی وجہ سے نشہ آیا اور اس میں مست ہو کر طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن جان بوجھ کر نشہ پیا اور اس کی وجہ سے مست ہو کر طلاق دی تو واقع ہو جائے گی۔

عبارت میں سکران سے مراد وہ شخص ہے جو انتہائی نشہ کی حالت میں ہو حتی کہ زمین و آسمان میں امتیاز نہ کر سکے۔

(۳۱/۱۸۵۱) وَيَقَعُ الطَّلَاقُ إِذَا قَالَ نَوَيْتُ بِهِ الطَّلَاقَ.

ترجمہ: اور واقع ہو جائے گی طلاق جب کہ کہا نیت کی میں نے اس سے طلاق کی۔

تشریح: ہمارے عام فقہاء کے نزدیک مکرہ اور سکران کی صریح طلاق بلانیت بھی واقع ہو جاتی ہے اس لحاظ

سے یہ عبارت کاتبوں کے سہو سے درج ہوگئی ہے، البتہ بعض نسخوں میں یہ عبارت ہے ویقع الطلاق بالکنایات اذا قال نویت به الطلاق اور مطلب یہ ہے کہ الفاظ کنائی سے طلاق اس وقت واقع ہوگی جب کہ طلاق کی نیت بھی کی ہو یہ عبارت اگر چہ مضمون کے لحاظ سے صحیح ہے مگر یہاں بے محل ہے۔ (الجوہرة النیرة ۲/۱۰۹)

(۳۲/۱۸۵۲) وَيَقَعُ طَلَاقُ الْاَخْرَسِ بِالْاِشَارَةِ.

ترجمہ: اور واقع ہو جائے گی گونگے کی طلاق اشارہ سے۔

تشریح: اگر گونگا شخص اشارہ سے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی خواہ وہ لکھنے پر قادر ہو یا نہ ہو اس کا اشارہ گفتگو کے قائم مقام ہوگا ضرورت کو دور کرنے کے لئے پس اس کے اشارہ سے اس کا نکاح، طلاق، آزادی، خرید وفروخت سب صحیح ہوں گے۔

(۳۳/۱۸۵۳) وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيْبَ النِّكَاحِ مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ اِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْ قَالَ كُلُّ امْرَاَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ.

ترجمہ: اور جب منسوب کیا طلاق کو نکاح کی طرف تو واقع ہوگی نکاح کے بعد مثلاً یوں کہے کہ اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق ہے یا کہا ہر وہ عورت جس سے میں شادی کروں اس کو طلاق ہے۔

شرط کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

تشریح: ایک تو صورت یہ ہے کہ نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو اس سے طلاق نہیں ہوگی مثلاً کوئی شخص غیر منکوحہ کو 'انت طالق' کہے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی خواہ بعد میں وہ عورت اس کی منکوحہ بن جائے، البتہ اگر طلاق کی نسبت ملک کی جانب کی گئی ہو جیسے اِنْ نَکَحْتُکِ فَاَنْتِ طَالِقٌ تو اس کے بارے میں اختلاف ہے، اور اس بارے میں تین مذاہب ہیں (۱) حنفیہ کے نزدیک نکاح کی شرط پر طلاق معلق کرنا درست ہے (۲) شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک طلاق قبل النکاح معتبر نہیں ہے۔ (۳) مالکیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ اگر تعلیق میں عموم ہو یعنی تعلیق ایسی ہو جس کے بعد کسی بھی عورت سے نکاح کا امکان ہی باقی نہ رہے جیسے کلما نکحت امرأة فهی طالق تو ایسی تعلیق باطل ہے ہاں اگر کسی قسم کی تخصیص ہو مثلاً کسی خاص عورت کو خطاب کر کے کہے ان نکحتُ فلانةً یا کسی شہر یا قبیلہ کا نام لے کر کہے ان نکحت من بلدة كذا او من قبيلة كذا کہ فلاں شہر یا قبیلہ کی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے یا زمانہ کے لحاظ سے تخصیص کرے مثلاً یوں کہے کہ اگر آج نکاح کروں تو طلاق ہے تو ایسی تعلیق درست ہو جاتی ہے۔

(۳۴/۱۸۵۴) وَاِذَا اَضَافَهُ اِلَى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ لِاِمْرَاَتِهٖ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ

فَانْتِ طَالِقٌ.

ترجمہ: اور اگر منسوب کیا طلاق کو شرط کی طرف تو واقع ہوگی شرط کے بعد مثلاً یوں کہے کہ اپنی بیوی سے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے کو طلاق ہے۔

تشریح: طلاق کو شرط پر معلق کرتے وقت بیوی ہو اور اس سے کہے کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے تو جب شرط پائی جائے گی طلاق پڑ جائیگی، کیوں کہ معلق کرتے وقت ملک ہے اجنبیہ نہیں اس لیے معلق کرنا جائز ہوگا۔

(۱۸۵۵/۳۵) وَلَا يَصِحُّ اِضَافَةُ الطَّلَاقِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْحَالِفُ مَالِكاً اَوْ يُضِيفَهُ اِلٰى مِلْكِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے طلاق کو منسوب کرنا مگر یہ کہ قسم کھانیوالا مالک ہو یا اس کو اپنی ملک کی طرف منسوب کرے۔

تشریح: طلاق کو شرط پر معلق کرنے سے اسی وقت طلاق واقع ہوگی جب معلق کرتے وقت بیوی ہو جیسا کہ ابھی اوپر گذرا یا ابھی بیوی تو نہ ہو مگر بیوی ہونے پر معلق کرے جیسے مسئلہ (۳۳) میں گذرا لیکن اگر ابھی بیوی نہ ہو اور نہ شادی کرنے پر معلق کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اگلی عبارت میں اسی قاعدہ کی مثال بیان کر رہے ہیں۔

(۱۸۵۶/۳۶) فَاِنْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَانْتِ طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تُطَلَّقْ.

ترجمہ: سو اگر کسی اجنبیہ سے کہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے شادی کرے اور وہ گھر میں داخل ہو جائے تو طلاق نہیں ہوگی۔

تشریح: فاء برائے تفصیل ہے، تفریع ہے ماقبل کے قاعدہ پر چناں چہ فرمایا کہ اگر اجنبیہ عورت سے کہا کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے اس کے بعد اس سے شادی کی اور شادی کے بعد وہ اس گھر میں داخل ہوئی تو طلاق نہ پڑے گی۔

(۱۸۵۷/۳۷) وَاَلْفَاظُ الشَّرْطِ اِنْ وَاِذَا وَاِذَا مَا وَكُلُّ وَكُلَّمَا وَمَتٰى وَمَتٰى مَا.

ترجمہ: اور شرط کے الفاظ یہ ہیں ان اور اذا اور اذا ما اور کل اور کلما اور متی اور متی ما۔

الفاظ شرط کا بیان

تشریح: صاحب کتاب نے کلمات شرط کو الفاظ شرط کے ساتھ تعبیر فرمایا نہ کہ حروف شرط کے ساتھ، کیوں ان کلمات میں زیادہ تر اسماء ہیں نہ کہ حروف اس لیے الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا تا کہ اسماء و حروف دونوں کو شامل ہو جائیں اور کلمہ "ان" باب شرط میں اصل ہے اور باقی سب اس کی فرع ہیں۔

(۱۸۵۸/۳۸) فَفِيْ كُلِّ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ اِنْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ.

حل لغت: انحلت: شرط پوری ہوگئی قسم اس میں حلول کر جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی۔
ترجمہ: ان تمام الفاظ میں اگر شرط پائی گئی تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی۔
تشریح: شرط کے تمام الفاظ میں اگر ایک مرتبہ شرط پائی گئی تو ایک مرتبہ طلاق واقع ہو جائے گی اور بس لیکن اگر اس کے بعد دوبارہ شرط پائی گئی تو دوبارہ طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ ان تمام الفاظ میں تکرار اور بار بار ہونے کے معنی نہیں ہے اس لیے ایک مرتبہ طلاق واقع ہو کر قسم ختم ہو جائے گی۔

(۱۸۵۹/۳۹) اِلَّا فِي كُلَّمَا فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِ الشَّرْطِ حَتّٰى يَقَعَ ثَلٰثُ تَطْلِيقَاتٍ.

ترجمہ: مگر لفظ کلما کہ اس میں طلاق مکرر ہوگی شرط کے مکرر ہونے سے یہاں تک کہ واقع ہوں گی تین طلاقیں۔

تشریح: لفظ 'کلما' تمام الفاظ شرط سے مستثنیٰ ہے یہ عمومیت اور تکرار چاہتا ہے چناں چہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک مرتبہ پائے جانے سے قسم پوری نہیں ہوتی بلکہ قسم کے پورا ہونے کے لئے تین مرتبہ شرط کا پایا جانا ضروری ہے لہٰذا طلاق شرط کے مکرر ہونے سے مکرر ہوگی یعنی ہر مرتبہ طلاق واقع ہوگی یہاں تک کہ تین مرتبہ اس طلاق کا تحقق ہو جائے تب 'کلما' کا تقاضہ ختم ہوگا اب اگر کوئی شخص یوں کہے کلما تزوجت امرأة فهي طالق تو وہ جب بھی نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۱۸۶۰/۴۰) فَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ ذَالِكَ وَتَكَرَّرَ الشَّرْطُ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ.

ترجمہ: (۱۸۴۷)(۳۹) پھر اگر شادی کرے اس سے اس کے بعد اور شرط مکرر ہو تو کچھ واقع نہ ہوگا۔
تشریح: یہ مسئلہ کلما پر متفرع ہے چناں چہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کلما دخلت الدار فانت طالق بس عورت یکے بعد دیگرے تین مرتبہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کو تین طلاقیں ہو جائے گی اس کے بعد عورت نے دوسرے شوہر سے شادی کی پھر اس نے طلاق دی اور اس عورت نے پہلے شوہر سے شادی کی اور چوتھی مرتبہ شرط پائی گئی یعنی وہ عورت پھر گھر میں داخل ہوگئی تو اب کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۱۸۶۱/۴۱) وَزَوَالُ الْمِلْكِ بَعْدَ الْيَمِيْنِ لَايُبْطِلُهَا.

ترجمہ: اور ملک کا زائل ہو جانا قسم کے بعد باطل نہیں کرتا قسم کو۔
تشریح: صاحب کتاب نے اس عبارت میں ایک قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ اگر قسم کے بعد مرد کی ملک زائل ہوگئی تو قسم باطل نہیں ہوگی صورت اس کی یہ ہے کہ مرد نے اپنی بیوی سے کہا، ان دخلت الدار فانت طالق اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اب شوہر نے الگ سے طلاق بائنہ دے کر علیحدہ کر دیا تو اس زوال ملک کی وجہ سے یمین

باطل نہیں ہوگی، اس کی پھر دوصورتیں ہیں جن کا بیان اگلی عبارت میں ہے۔

(۱۸۶۲/۴۲) فَاِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِيْ مِلْكٍ اِنْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَاِنْ وُجِدَ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ اِنْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَلَمْ يَقَعْ شَيْءٌ.

ترجمہ: پھر اگر شرط پائی گئی ملک میں تو قسم پوری ہوجائے گی اور طلاق واقع ہوگی اور اگر پائی گئی، ملک کے علاوہ میں تو قسم پوری ہوجائے گی اور کچھ واقع نہ ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں فاء برائے تفصیل ہے اور ماقبل کے قاعدہ کی وضاحت ہے فرماتے ہیں کہ جس بیوی کو طلاق بائنہ دے کر الگ کردیا تھا پھر اس کے بعد دوصورتیں ہیں (۱) شرط ملک میں پائی جائے مثلاً اس شخص نے اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا پھر شرط پائی گئی یعنی بیوی گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق واقع ہوجائے گی اور قسم بھی پوری ہوجائے گی اب اگر دوبارہ گھر میں داخل ہوگی تو اب دوسری مرتبہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۲) شرط غیر ملک میں پائی جائے مثلاً دوبارہ نکاح سے پہلے ہی شرط پائی گئی تو اس صورت میں قسم تو پوری ہوگئی، کیوں کہ شرط پائی گئی ہے البتہ طلاق واقع نہیں ہوئی کیوں کہ وہ اس وقت بیوی نہیں تھی۔

(۱۸۶۳/۴۳) وَاِذَا اخْتَلَفَا فِيْ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ فِيْهِ اِلَّا اَنْ تُقِيْمَ الْمَرْأَةُ الْبَيِّنَةَ.

ترجمہ: اور جب اختلاف کریں دونوں شرطوں کے پائے جانے میں تو شوہر کا قول معتبر ہوگا مگر یہ کہ عورت گواہ قائم کردے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اور اس کی بیوی نے شرط کے پائے جانے میں اختلاف کیا مثلاً شوہر کہتا ہے کہ شرط نہیں پائی گئی اور نہ طلاق واقع ہوئی اور عورت کہتی ہے کہ شرط پائی گئی اس لیے مجھے طلاق واقع ہوگئی تو ایسی صورت میں اگر عورت کے پاس گواہ موجود نہ ہوں تو شوہر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، ہاں اگر عورت نے گواہ پیش کردیئے تو عورت کے مطابق فیصلہ ہوگا، کیوں کہ عورت مدعیہ ہے اس لیے اس پر گواہ لازم ہیں اور شوہر مدعیٰ علیہ ہے اور منکر ہے اس لیے اگر گواہ نہ ہوں تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔

(۱۸۶۴/۴۴) فَاِنْ كَانَ الشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ اِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا فِيْ حَقِّ نَفْسِهَا مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ.

ترجمہ: پھر اگر شرط معلوم نہ ہوسکتی ہو مگر عورت کی جانب سے تو عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اس کی ذات کے حق میں مثلاً یوں کہے کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اس نے کہا مجھے حیض آگیا تو طلاق ہوجائے گی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شرط ایسی چیز ہے جس کا علم صرف عورت کو ہوسکتا ہے دوسروں کو نہیں ہوسکتا

تو شرط پائے جانے میں اس کا قول صرف اس کی ذات کے حق میں قبول ہوگا، مثلاً یوں کہا کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے عورت نے کہا کہ مجھے حیض آیا ہے تو اس کے کہنے پر بھروسہ کرتے ہوئے طلاق واقع کردی جائے گی۔

(۱۸۶۵/۴۵) وَاِنْ قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةٌ مَعَكِ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ هِيَ وَلَمْ تُطَلَّقْ فُلَانَةُ.

ترجمہ: اور اگر کہا اس سے اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق اور تیرے ساتھ فلانہ کو طلاق اس نے کہا مجھے حیض آگیا تو طلاق ہوگی صرف اسی کو اور فلانہ کو طلاق نہیں ہوگی۔

تشریح: شوہر نے کہا کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے بھی طلاق اور تیرے ساتھ تیری سوکن کو بھی طلاق اس کے بعد عورت نے کہا کہ مجھے حیض آگیا تو اس کہنے پر اسی عورت کو طلاق ہوگی اور سوکن کو طلاق نہیں ہوگی کیوں کہ یہ عورت اپنی سوتن پر طلاق واقع ہونے کے سلسلہ میں شاہدہ ہے بلکہ متہمہ ہے، کیوں کہ کبھی انسان یہ چاہتا ہے کہ میں رہوں یا نہ رہوں لیکن میرا حریف نہ رہے ممکن ہے اس عورت کے دل میں یہی بات ہو اس لیے اس عورت کا قول کہ مجھے حیض آگیا اس کی سوتن کے حق میں قابل قبول نہ ہوگا۔

(۱۸۶۶/۴۶) وَاِذَا قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَرَأَتِ الدَّمَ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ حَتّٰى يَسْتَمِرَّ الدَّمُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِذَا تَمَّتْ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ حَكَمْنَا بِوُقُوْعِ الطَّلَاقِ مِنْ حِيْنَ حَاضَتْ.

ترجمہ: اور جب کہا مرد نے عورت سے کہ جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اب اس نے خون دیکھا تو طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک خون جاری رہے تین دن تک جب تین دن پورے ہو جائیں تو ہم حکم لگائیں گے وقوع طلاق کا جس وقت سے حائضہ ہوئی ہے۔

تشریح: شوہر نے حیض آنے پر طلاق معلق کی عورت کو تھوڑا سا خون آیا تو معلوم نہیں ہوگا کہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا اس لئے تین دن تک انتظار کیا جائے گا جب تین دن تک آیا تو پتہ چلا کہ حیض کا خون ہے، اب طلاق کا فیصلہ کریں گے اس وقت سے جب سے خون آنا شروع ہوا تھا، کیوں کہ تین دن تک خون جاری رہنے کی وجہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ خون رحم کا ہے لہٰذا اول امر ہی سے حیض شمار ہوگا۔

(۱۸۶۷/۴۷) وَاِنْ قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ حَيْضَةً فَاَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضِهَا.

ترجمہ: اور اگر عورت سے کہے کہ جب تو حائضہ ہو ایک حیض کر کے تو تجھے طلاق ہے تو نہیں طلاق ہوگی یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اذا حضت حيضةً فانت طالق تو یہ عورت مطلقہ نہ

ہوگی یہاں تک اپنے اس حیض سے پاک ہوجائے، کیوں کہ حیضة بالتاء حیض کامل کو کہتے ہیں اور حیض کا کمال اس کے ختم ہونے سے ہوگا اور ختم ہونا طہر سے ہوگا۔

(۱۸۶۸/۴۸) وَطَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْداً وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثٌ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْداً.

ترجمہ: اور باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں آزاد ہو اس کا شوہر یا غلام، اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

تشریح: طلاق میں مرد کے حال کا اعتبار ہے یا عورت کے؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) حنفیہ کے نزدیک طلاق کے عدد میں عورتوں کا اعتبار ہے یعنی باندی کی دو طلاقیں ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور آزاد عورت کی تین طلاقیں ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، لہٰذا باندی دو طلاقوں سے مغلظہ ہوجائے گی اور آزاد تین طلاقوں سے۔

(۲) جمہور اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک طلاق کا مدار مردوں پر ہے مرد اگر آزاد ہے تو اس کی بیوی تین سے کم میں مغلظہ نہ ہوگی اور اگر غلام ہے تو دو میں مغلظہ ہوجائے گی خواہ بیوی کیسی ہی ہو۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ہے اَلطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ. (الدرایۃ ۷۰/۲) طلاق مردوں کے ساتھ ہے اور عدت عورتوں کے ساتھ ہے اس حدیث میں طلاق اور عدت کے درمیان مقابلہ کیا گیا ہے لہٰذا مقابلہ کو ثابت کرنے کے لئے طلاق میں مردوں کے حال کا اعتبار ہوگا۔

جواب: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ الطلاق بالرجال کے معنی ہیں ایقاع الطلاق بالرجال یعنی طلاق واقع کرنا مردوں کے اختیار میں ہے، اس تاویل کے بعد یہ حدیث شوافع کا مستدل نہیں بن سکتی، نیز یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے حافظ فرماتے ہیں کہ لم اجده مرفوعاً، الدراية فى تخريج احاديث الهدايه (۷۰/۲) اور شوافع کے نزدیک حدیث موقوف قابل استدلال نہیں ہوتی ہے۔

حنفیہ کی دلیل: عن عائشة عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان (ترمذی ۱۴۱/۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باندی کی طلاق دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عدد طلاق میں عورتیں معتبر ہیں نہ کہ مرد۔

(۱۸۶۹/۴۹) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا ثَلٰثاً وَقَعْنَ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اور جب طلاق دی مرد نے اپنی بیوی کو صحبت کرنے سے پہلے تین تو واقع ہوجائیں گی۔

غیر مدخول بہا عورت کی طلاق کا بیان

تشریح: اگر کسی نے اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے بیک وقت تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی کیوں کہ جب طلاق کے بعد عدد مذکور ہو تو طلاق عدد کے مطابق واقع ہوتی ہے اور غیر مدخولہ تین طلاقوں کا محل ہے۔

(۱۸۷۰/۵۰) وَاِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْاُوْلٰی وَلَمْ تَقَعِ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ.

ترجمہ: اور اگر جدا جدا دیں تو بائنہ ہو جائے گی پہلی ہی سے اور دوسری اور تیسری واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غیر مدخول بہا کو تین طلاق الگ الگ کر کے دی مثلاً کہا انت طالق طالق طالق تو پہلے لفظ طلاق سے عورت بائنہ ہو جائے گی اور دوسری و تیسری واقع نہیں ہوگی کیوں کہ ان دونوں کے وقوع کے لئے عورت محل باقی نہیں رہی لہذا یہ دونوں لفظ لغو ہوں گے۔

(۱۸۷۱/۵۱) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَّوَاحِدَةً وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: اور اگر کہے اس سے تجھے طلاق ہے ایک اور ایک تو اس پر واقع ہوگی ایک۔

تشریح: چوں کہ پہلے ایک کہا تو پہلی ہی طلاق میں غیر مدخول بہا بائنہ ہو کر چلی جائے گی اور بیوی باقی نہیں رہے گی اس لیے آگے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۱۸۷۲/۵۲) وَلَوْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: اور اگر کہا عورت سے تجھے طلاق ہے ایک ایک سے پہلے تو واقع ہوگی اس پر ایک۔

تشریح: غیر مدخول بہا سے یوں کہا تجھے ایک طلاق ہے تو وہ واقع ہوگئی اور دوسری واقع ہونے کا موقع نہیں رہا اور چوں کہ جدا جدا واقع ہوئی اس لیے ایک ہی طلاق واقع ہوگی متن کے مسئلہ میں لفظ قبل ماقبل کی صفت ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ واحدہ اولی پہلے واقع ہوئی اور واحدہ ثانیہ بعد میں جب واحدہ اولی واقع ہوئی تو غیر مدخول اسی سے بائنہ ہوگئی آگے کا محل ہی باقی نہ رہی۔

(۱۸۷۳/۵۳) وَاِنْ قَالَ لَهَا وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ عَلَيْهَا ثِنْتَانِ.

ترجمہ: اور اگر کہے اس کو طلاق ہے ایسی ایک کہ اس سے پہلے بھی ایک ہے تو واقع ہوں گی دو۔

تشریح: اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا انت طالق واحدة قبلها واحدة تو اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی، یہاں لفظ قبل مابعد کی صفت ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے اس سے پہلے ایک

طلاق اس کلام کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسری طلاق کا وقوع ماضی میں ہو اور پہلی طلاق کا وقوع حال میں ہو، مگر چوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ ماضی میں واقع کرنا وہ فی الحال واقع کرنے کے مثل ہے اس بناپر دونوں طلاقیں زمانہ حال میں ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی۔

(۱۸۷۴/۵۴) وَاِنْ قَالَ وَاحِدَةٌ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: اور اگر کہے ایک اس کے بعد ایک تو واقع ہوگی اس پر ایک۔

تشریح: اگر کسی نے غیر مدخول بہا سے انت طالق واحدة بعدها واحدة کہا تب بھی ایک طلاق واقع ہوگی کیوں کہ اگر وہ بعدیت کے ساتھ متصف نہ کرتا تب بھی دوسرے طلاق واقع نہ ہوتی۔

(۱۸۷۵/۵۵) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةٌ بَعْدَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ.

ترجمہ: اور اگر کہے تجھے طلاق ہے ایک ایک کے بعد یا ایک کے ساتھ یا اس کے ساتھ ایک ہے تو واقع ہوں گی دو۔

تشریح: مسئلہ (۵۲) سے (۵۵) تک جو چار مسائل بیان کئے ہیں یہ دو قاعدوں پر موقوف ہیں، قاعدہ اولی یہ ہے کہ ظرف یعنی لفظ قبل اور بعد جب ہاء کنایہ یعنی ضمیر کے ساتھ مقید کیا جائے تو ظرف بعد کے لئے صفت ہوگا اور اگر ہاء کنایہ کے ساتھ مقید نہ کیا جائے تو اپنے ماقبل کی صفت ہوگا قاعدہ ثانیہ یہ ہے کہ ایقاع فی الماضی ایقاع فی الحال ہوتا ہے یعنی زمانہ ماضی کی طرف منسوب کر کے اگر طلاق واقع کی جائے تو وہ زمانہ حال میں واقع ہوگی نہ کہ ماضی میں ان دو قاعدوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ غیر مدخول بہا عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جاتی ہے اور اس پر عدت واجب نہیں ہوتی اور نہ ہی ایک کے بعد محل طلاق رہتی ہے، اب صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے انت طالق واحدة بعد واحدة الخ تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

(۱۸۷۶/۵۶) وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةٌ وَوَاحِدَةٌ فَدَخَلَتِ الدَّارَ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ.

ترجمہ: اور اگر عورت سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے ایک اور ایک وہ گھر میں داخل ہوگئی تو اس پر ایک واقع ہو جائے گی امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ دو واقع ہوں گی۔

کلمہ واؤ کے ذریعہ طلاق دینے سے کتنی واقع ہوں گی؟

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر متعدد طلاقیں شرط پر معلق کی گئیں ہیں اور ایک کا دوسری پر واو کے ذریعہ

عطف کیا گیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں شرط مقدم ہوگی یا مؤخر اگر مؤخر ہے مثلاً کہا انت طالق واحدة وواحدة ان دخلت الدار پھر عورت گھر میں داخل ہوگئی تو بالاتفاق دونوں واقع ہو جائیں گی، اور اگر شرط پر مقدم ہے مثلاً کہا ان دخلت الدار فانت طالق واحدة وواحدة اور غیر مدخول بہا گھر میں داخل ہوگئی تو اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک واقع ہوگی اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں دو واقع ہوں گی۔

امام صاحب کی دلیل: کلمہ واو اتصال اور ترتیب دونوں کا احتمال رکھتا ہے یہاں اگر اتصال کے معنی کی رعایت کی جائے تو دو واقع ہوں گی اور اگر ترتیب کے معنی کا لحاظ کیا جائے تو ایک واقع ہوگی، پس معلوم ہوا کہ ایک طلاق سے زائد میں شک ہے اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اس لیے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوگی۔

صاحبین کی دلیل: کلمہ واؤ مطلقاً جمع کے لئے آتا ہے لہٰذا دونوں طلاقیں جمع ہو کر معلق ہوں گی اور یکبارگی واقع ہوں گی جس طرح شرط کو مؤخر کرنے کی صورت میں بالاتفاق دو واقع ہوتی ہیں اسی طرح تقدیم کی صورت میں بھی دو واقع ہوں گی۔

جواب: آپ نے تقدیم شرط کی صورت کا تاخیر شرط کی صورت پر قیاس کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس صحیح نہیں، کیوں کہ تاخیر کی صورت میں شرط کلام اول کو بدلنے والی ہے لہٰذا اول کلام شرط پر موقوف رہے گا اب شرط پائے جانے کے بعد دونوں طلاقیں ایک دم واقع ہو جائیں گی اور تقدیم کی صورت میں اول کلام کو بدلنے والی کوئی چیز موجود نہیں چناں چہ اول کلام آخر کلام پر موقوف بھی نہ ہوگا اس لیے دونوں طلاقیں علی الترتیب واقع ہوں گی اور عورت چوں کہ غیر مدخول بہا ہے اس لیے وہ پہلی ایک سے ہی بائنہ ہو جائے گی۔

(۱۸۷۷/۵۷) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ بِمَكَّةَ فَهِيَ طَالِقٌ فِي الْحَالِ فِيْ كُلِّ الْبِلَادِ.

ترجمہ: اور اگر کہے بیوی سے تجھے طلاق ہے مکہ میں تو فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی ہر شہر میں۔

تشریح: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم کو مکہ میں طلاق ہے تو طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی خواہ وہ دنیا کے کسی بھی شہر میں ہو کیوں کہ طلاق کسی شہر کے ساتھ خاص نہیں ہوتی بلکہ ہر جگہ واقع ہوتی ہے۔

(۱۸۷۸/۵۸) وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ فِي الدَّارِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے گھر میں۔

تشریح: اگر بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے گھر میں تو چوں کہ گھر میں داخل ہونے کی شرط پر معلق نہیں کیا تو فوراً ہی طلاق واقع ہوگی چاہے گھر میں داخل ہوئی ہو یا نہ ہوئی۔

(۱۸۷۹/۵۹) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ بِمَكَّةَ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَكَّةَ.

ترجمہ: اور اگر بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے جب تو داخل ہو مکہ میں تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ داخل ہو جائے مکہ میں۔

تشریح: مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی شرط پر طلاق کو معلق کیا تو داخل ہونے سے قبل طلاق واقع نہیں ہوگی کیوں کہ طلاق دخول مکہ پر معلق کی ہے اس لیے اس سے پہلے واقع نہ ہوگی۔

(۱۸۸۰/۶۰) وَاِنْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ غداً وَقعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِيْ.

ترجمہ: اور اگر کہا تجھے طلاق ہے کل تو اس پر طلاق واقع ہوگی صبح صادق کے طلوع ہونے سے۔

تشریح: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو کل طلاق ہے تو اس صورت میں عورت پر طلاق صبح صادق کے طلوع کے ساتھ ہی واقع ہو جائے گی صبح صادق سے شروع ہو کر شام تک کو 'غد' کہتے ہیں اس لیے غد یعنی کل پر طلاق معلق کی اور کوئی نیت نہیں کی تو اول وقت پر طلاق واقع ہوگی، ہاں اگر دن کے کسی اور حصہ کی نیت کرے تو چوں کہ غد اس کا احتمال رکھتا ہے اس لیے دیانت کے طور پر اس کی تصدیق کی جائے گی۔

(۱۸۸۱/۶۱) وَاِنْ قَالَ لِاِمْرَأَتِهٖ اِخْتَارِيْ نَفْسَكِ يَنْوِيْ بِذٰلِكَ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا مَادَامَتْ فِيْ مَجْلِسِهَا ذَالِكَ فَاِنْ قَامَتْ مِنْهُ اَوْ اَخَذَتْ فِيْ عَمَلٍ آخَرَ خَرَجَ الْاَمْرُ مِنْ يَدِهَا.

ترجمہ: اور اگر کہا اپنی بیوی سے تو اپنے آپ کو اختیار کر لے اس سے نیت کی اس نے طلاق کی یا کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے تو اس کے لئے اختیار ہے کہ اپنے آپ کو طلاق دے لے جب تک کہ وہ اپنی اس مجلس میں موجود ہے، اگر اس سے اٹھ کھڑی ہوئی یا کسی دوسرے میں لگ گئی تو اختیار اس کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

طلاق سپرد کرنے کا بیان

تشریح: اگر کسی نے طلاق کی نیت سے اپنی بیوی سے کہا اختاری نفسک یا طلقی نفسک تو ان دونوں صورتوں میں عورت کو اسی مجلس میں طلاق دینے کا اختیار ہے اور طلاق دینے سے استحساناً طلاق پڑ جائے گی لیکن اگر مجلس سے اٹھ گئی اور دوسرے کام میں مشغول ہو گئی تو اختیار ختم ہو جائے گا، کیوں کہ عورت کو طلاق کا اختیار دینا حقیقت میں اس کو طلاق کا مالک بنانا ہے اور مالک بنانے کا جواب مجلس میں ملنا چاہئے، جیسا کہ بیع میں جس مجلس میں ایجاب ہو اسی میں قبول پایا جانا چاہئے ورنہ قبول کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔

(۱۸۸۲/۶۲) وَاِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فِيْ قَوْلِهٖ اخْتَارِيْ نَفْسَكِ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَلَا يَكُوْنُ ثَلَثاً وَاِنْ

نَوى الزَّوْجُ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور اگر وہ اختیار کرلے اپنے آپ کو اس کے قول 'اختاری نفسك' میں تو ایک طلاق بائنہ ہوگی اور تین نہیں ہوں گی اگر چہ شوہر تین کی نیت کرے۔

تشریح: شوہر نے عورت سے 'اختاری نفسك' کہا تھا عورت نے اس مجلس میں اپنے آپ کو اختیار کرلیا یعنی اپنے آپ کو شوہر سے جدا کرلیا تو اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی لیکن اس لفظ سے عورت تین طلاقیں دینا چاہے تو نہیں دے سکتی چاہے شوہر نے تین کی نیت کی ہو کیوں کہ اختیار میں تقسیم نہیں ہوتی۔

(۱۸۸۳/۶۳) وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ النَّفْسِ فِيْ كَلَامِهٖ اَوْ فِيْ كَلَامِهَا.

ترجمہ: اور ضروری ہے لفظ نفس کا ذکر کرنا شوہر کے کلام میں یا بیوی کے کلام میں۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ 'اختیار' سے طلاق واقع کرنے کی صورت میں میاں بیوی میں سے کسی ایک کے کلام میں لفظ نفس یا اس کے قائم مقام مثلاً تطلیقۃ کا ذکر کرنا ضروری ہے، کیوں کہ لفظ 'اختاری' کنایہ ہے تو اختاری کے معنی طلاق کے علاوہ کسی اور چیز کا اختیار کرنا ہو جائے گا اس لئے دونوں میں سے کسی ایک کے کلام میں نفس کے لفظ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

(۱۸۸۴/۶۴) وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا فِيْ قَوْلِهٖ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے لی اپنے آپ کو اس کے قول طلقی نفسك میں تو یہ ایک رجعی ہوگی۔

تشریح: شوہر نے بیوی سے کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دے لو عورت نے اپنے آپ کو اپنے اختیار سے طلاق دے لی تو اس سے ایک طلاق رجعی ہوگی کیوں کہ طلقی کا لفظ صریح ہے اور صریح سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

(۱۸۸۵/۶۵) وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلٰثًا وَقَدْ اَرَادَ الزَّوْجُ ذَالِكَ وَقَعْنَ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اور اگر عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے بھی اس کی نیت کرلی تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

تشریح: شوہر نے بیوی سے 'طلقی نفسك' کہا تھا اس کی وجہ سے عورت نے اپنے اوپر تین طلاقیں دے لیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی، کیوں کہ 'طلقی' امر کا صیغہ ہے اور اس میں مصدر پوشیدہ ہے اور مصدر جنس ہے جو آخری عدد تین کا احتمال رکھتا ہے اس لئے اس احتمال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شوہر تین کی نیت کرے اور عورت تین طلاقیں دے تو واقع ہو جائیں گی۔

(۱۸۸۶/۶۶) وَاِنْ قَالَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ مَتٰى شِئْتِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهٗ.

ترجمہ: اور اگر عورت سے کہا طلاق دے لے اپنے آپ کو جس وقت تو چاہے تو عورت کو اختیار ہے کہ اپنے نفس کو طلاق دے مجلس میں اور مجلس کے بعد۔

تشریح: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا طلقی نفسك متی شئت تو عورت کو اختیار ہے مجلس میں طلاق واقع کرے یا مجلس کے بعد کیوں کہ کلمہ متی تمام اوقات میں عام ہے پس عموم وقت کی وجہ سے عورت کو ہر وقت اختیار حاصل ہوگا مجلس میں طلاق دے یا مجلس کے بعد۔

(۱۸۸۷/٦۷) وَإِذَا قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقِ امْرَأَتِيْ فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ.

ترجمہ: اور جب کہا کسی مرد سے میری بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے لئے اختیار ہے کہ وہ اس کو طلاق دے مجلس میں اور مجلس کے بعد۔

تشریح: ایک مرد نے دوسرے سے کہا کہ 'طلق امرتی' یعنی دوسرے آدمی کو طلاق دینے کے لئے کہا تو یہ مالک بنانا نہیں ہے بلکہ طلاق دینے کا وکیل بنانا ہے اور وکالت مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہوتی، اس لیے مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے۔

(۱۸۸۸/٦۸) وَإِنْ قَالَ طَلِّقْهَا إِنْ شِئْتَ فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ خَاصَّةً.

ترجمہ: اور اگر کہا اس کو طلاق دے دے اگر تو چاہے تو وہ طلاق دے سکتا ہے صرف مجلس میں۔

تشریح: ایک آدمی سے شوہر نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دے دے تو اس صورت میں صرف مجلس تک طلاق دینے کا اختیار رہے گا، مجلس کے بعد نہیں کیوں کہ طلقها ان شئت ایسی تملیک ہے جس میں تعلیق کے معنی پائے جاتے ہیں چناں چہ تملیک کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے یہ اختیار مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اور تعلیق کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے یہ تصرف لازم ہوگا اور شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

(۱۸۸۹/٦۹) وَإِنْ قَالَ لَهَا إِنْ كُنْتِ تُحِبِّيْنِيْ أَوْ تُبْغِضِيْنِيْ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ أَنَا أُحِبُّكَ أَوْ أُبْغِضُكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَإِنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهَا خِلَافُ مَا ظَهَرَتْ.

ترجمہ: اور اگر اس سے کہا کہ اگر تو مجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہے تو تجھے طلاق اس نے کہا میں تجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ اس کے دل میں اس کے خلاف ہو جو ظاہر کیا۔

تشریح: شوہر نے عورت سے کہا کہ اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو تم کو طلاق اس پر عورت نے کہا کہ مجھ کو تم سے محبت ہے اور دل میں نفرت تھی، یا شوہر نے کہا کہ اگر تم کو مجھ سے بغض اور دشمنی ہے تو تم کو طلاق اس کے جواب میں عورت نے کہا کہ میں تم سے بغض رکھتی ہوں اور دل میں محبت ہے تو دونوں صورتوں میں طلاق پڑ جائے گی، کیوں کہ دل

کے اندر کیا ہے اس پر فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ زبان سے جو جملہ نکلا اس پر فیصلہ ہوگا۔

(۱۸۹۰/۷۰) وَاِنْ طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقاً بَائِناً فَمَاتَ فَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْ مِنْهُ وَاِنْ مَاتَ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے دے کوئی اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں طلاق بائن پھر مر جائے اس حال میں کہ وہ عدت میں تھی تو وہ اس کی وارث ہوگی اور اگر مرے اس کی عدت گذرنے کے بعد تو عورت کیلئے میراث نہ ہوگی۔

تشریح: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو مرض وفات میں طلاق بائن دی ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ شوہر کا انتقال ہوگیا تو عورت شوہر کے مال کی وارث ہوگی طلاق کی وجہ سے کچھ فرق نہ پڑے گا، اس وجہ سے کہ عدت کے ختم ہونے تک من وجہ یہ اس کی بیوی ہے اور زوجیت کے بعض احکام اس پر ابھی بھی جاری ہیں مثلاً اسی کے مکان پر رہنا واجب ہے اس کی دوسری بہن سے نکاح نہیں کرسکتا اور نہ یہ خود نکاح کرسکتی ہے یہی حکم تین طلاق دینے کی صورت میں بھی ہوگا اور طلاق رجعی میں بدرجہ اولی وراثت جاری ہوگی، کیوں کہ اس میں تو حق زوجیت بدرجہ اتم باقی ہے حتی کہ وطی کرنا حلال ہے، اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کا انتقال عدت پوری ہونے کے بعد ہوا تو اس صورت میں عورت شوہر کی وارث نہیں ہوگی، یہ تمام احکامات اس وقت ہیں جب کہ بیوی نے خود طلاق کا سوال کیا تھا تب وراثت نہ ملے گی اس لیے کہ یہ خود ہی اپنے حق کو باطل کرنے پر رضامند ہے۔

(۱۸۹۱/۷۱) وَاِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُتَّصِلاً لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اگر اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے اگر اللہ نے چاہا تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: مرد نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ان شاء اللہ اور لفظ ان شاء اللہ انت طالق کے ساتھ متصلاً کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ اللہ کے چاہنے کا پتہ نہیں اس لیے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۱۸۹۲/۷۲) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثاً اِلَّا وَاحِدَةً طُلِّقَتْ ثِنْتَيْنِ.

ترجمہ: اور اگر بیوی سے کہا تجھے تین طلاقیں ہیں مگر ایک تو طلاق واقع ہوں گی دو۔

تشریح: تین طلاق میں سے ایک کا استثناء کرکے ساقط کردیا تو دو طلاقیں رہیں اس لیے دو طلاقیں ہی واقع ہوں گی۔

(۱۸۹۳/۷۳) وَاِنْ قَالَ ثَلٰثاً اِلَّا ثِنْتَيْنِ طُلِّقَتْ وَاحِدَةً.

ترجمہ: اور اگر کہا تین ہیں مگر دو تو ایک واقع ہوگی۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ استثناء کرنے کے بعد جو باقی رہتا ہے اعتبار اس کا ہوتا ہے یہاں استثناء کے بعد ایک

باقی رہی اس لیے ایک طلاق واقع ہوگی۔

(۱۸۹۴/۷۴) وَإِذَا مَلَكَ الزَّوْجُ امْرَأَتَهُ أَوْ شِقْصاً مِّنْهَا أَوْ مَلَكَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا أَوْ شِقْصاً مِنْهُ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا.

ترجمه: اور اگر مالک ہو جائے شوہر اپنی بیوی کا یا اس کے ایک حصہ کا یا بیوی مالک ہو جائے شوہر کی یا اس کے کچھ حصہ کی تو دونوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔

تشریح: شوہر آزاد تھا اس کی بیوی باندی تھی بعد میں اسکو اس کے آقاء سے خرید لیا یا وارث بن گیا جسکی وجہ سے شوہر اس کے ایک حصہ کا مالک بن گیا یا بیوی آزاد تھی اس نے غلام سے شادی کی بعد میں بیوی نے شوہر کو یا اس کے ایک حصہ کو خرید لیا جس کی وجہ سے وہ شوہر کے ایک حصہ کی یا کل کی مالک بن گئی تو ان چاروں صورتوں میں نکاح ٹوٹ جائے گا چوں کہ آپس میں کل کا یا بعض کا مالک ہو جانا سبب تفریق ہے جو طلاق کے مشابہ ہے اس وجہ سے اس کو اس جگہ بیان کیا گیا۔

بَابُ الرَّجْعَةِ

(یہ باب رجعت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: چوں کہ رجعت طلاق سے طبعاً مؤخر ہے اس لیے وضعاً اور ذکراً بھی مؤخر کر دیا گیا تا کہ وضع طبع کے موافق ہو جائے۔ (عینی ۲/۳۲۲)

لغوی تحقیق: رجعت راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے مگر فتحہ کے ساتھ پڑھنا افصح ہے رجع یرجع باب ضرب سے ہے، معنی ہیں واپس آنا لوٹنا۔

اصطلاحی تعریف: رجعت اس ملکیت کو برابر باقی رکھنا جو نکاح کے ذریعہ قائم ہوئی ہے علامہ عینی نے لکھا ہے کہ رجعت کے لئے پانچ شرطیں ہیں (۱) عورت کو صریحی الفاظ کے ساتھ طلاق دی گئی ہو یا بعض الفاظ کنایہ کے ساتھ جیسے اعتدی، انت واحدۃ (۲) طلاق کے عوض مال نہ ہو (۳) تین طلاقیں نہ دی گئی ہوں (۴) عورت مدخول بہا ہو (۵) عدت باقی ہو۔ (عینی شرح ہدایہ ۲/۳۲۲)

رجعت کا ثبوت کتاب اللہ سے

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذَالِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحاً یعنی ان کے شوہر زیادہ حق دار ہیں بیویوں کے واپس کرنے کے اس عدت میں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔

حدیث سے ثبوت: ابن عمرؓ نے فرمایا کہ انہوں نے حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دی پس حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو رجوع کر لینا چاہئے (بخاری شریف ۲/۷۹۰) اس آیت اور حدیث سے رجعت کا ثبوت ہوا۔

(۱/۱۸۹۵) اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً رَجْعِيَّةً اَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ فَلَهُ اَنْ يُرَاجِعَهَا فِيْ عِدَّتِهَا رَضِيَتِ الْمَرْأَةُ بِذٰلِكَ اَوْ لَمْ تَرْضَ.

ترجمہ: جب طلاق دی مرد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی تو اس کو اختیار ہے کہ اس سے رجعت کرلے عدت میں عورت راضی ہو اس سے یا راضی نہ ہو۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی مدخول بہا بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دے دیں تو مرد کو اختیار ہے کہ عدت کے زمانہ میں رجعت کرلے عورت اس رجعت پر خوش ہو یا ناخوش، کیوں کہ رجعت مرد کا حق ہے نہ کہ عورت کا۔

(۲/۱۸۹۶) وَالرَّجْعَةُ اَنْ يَقُوْلَ لَهَا رَاجَعْتُكِ اَوْ رَاجَعْتُ امْرَأَتِيْ اَوْ يَطَأُهَا اَوْ يُقَبِّلَهَا اَوْ يَلْمَسَهَا بِشَهْوَةٍ اَوْ يَنْظُرَ اِلٰى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ.

حل لغات: یقبل: مضارع باب تفعیل مصدر تقبیلاً بوسہ لینا، یلمس: مضارع باب (ن، ض) لمساً چھونا۔

ترجمہ: اور رجعت یہ ہے کہ کہے عورت سے میں نے تجھ سے رجعت کرلی یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی یا اس سے صحبت کرلے یا بوسہ لے لے یا چھولے اس کو شہوت سے یا دیکھ لے اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ۔

رجعت کا طریقہ

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوریؒ نے رجعت کا طریقہ بیان کیا ہے رجعت کا طریقہ دو قسم پر ہے (۱) رجعت بالقول (۲) رجعت بالفعل، رجعت بالقول کی مثال مرد اپنی بیوی سے کہے راجعتک، میں نے تجھ سے رجعت کرلی یا کہے راجعت امرأتی میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا یہ الفاظ صریحی کی مثال ہے (۲) رجعت بالفعل کی مثال یہ ہے کہ شوہر عدت کے زمانہ میں مطلقہ رجعیہ سے وطی کرلے یا اس کا بوسہ لے لے یا عورت کو شہوت کے ساتھ چھولے یا شہوت کے ساتھ فرج داخل کی طرف دیکھ لے، رجعت بالقول بلا اختلاف جائز ہے البتہ رجعت بالفعل کے متعلق اختلاف ہے احناف کے نزدیک جائز ہے شوافع کے یہاں تفصیل ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر رجعت قولی پر قادر ہے تو

بلاقول کے رجعت درست نہ ہوگی اور اگر رجعت قولی پر قادر نہیں ہے مثلاً شوہر گونگا ہے یا اس کی زبان کٹی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں اشارہ سے رجعت درست ہو جائے گی۔

(۳/۱۸۹۷) وَيُسْتَحَبُّ لَهُ اَنْ يُشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ وَاِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ.

ترجمه: اور مستحب ہے اس کے لئے کہ گواہ بنالے رجعت پر دو گواہ اور اگر گواہ نہ بنایا تب بھی رجعت صحیح ہو جائے گی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک رجعت پر دو گواہ بنانا مستحب ہے یعنی دو مسلمان مردوں سے کہے کہ تم گواہ رہو میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی ہے اور اگر گواہ نہیں بنایا ہے تب بھی رجعت صحیح ہے۔

(۴/۱۸۹۸) وَاِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ الزَّوْجُ قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعِيَّةٌ وَاِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمه: اور اگر عدت گذر گئی پھر شوہر نے کہا میں نے تجھ سے رجعت کرلی تھی عدت میں عورت نے تصدیق کردی تو رجعت ہوگئی اور اگر عورت نے اس کو جھٹلا دیا تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس پر قسم نہیں ہوگی امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: عدت گذر جانے کے بعد شوہر نے کہا کہ میں نے تم سے عدت ہی میں رجعت کرلی تھی عورت نے اپنے شوہر کی تصدیق کردی کہ ہاں آپ نے عدت میں رجعت کرلی تھی تو رجعت ہو جائے گی اور اگر عورت نے شوہر کے قول کی تکذیب کردی اور شوہر کے پاس گواہ نہیں ہے تو عورت کی بات مانی جائے گی۔

دلیل: شوہر نے ایسی چیز کی خبر دی ہے جس کو وہ فی الحال پیدا نہیں کرسکتا تو وہ اس میں متہم ہوگا مگر چوں کہ عورت کے تصدیق کر دینے سے تہمت دور ہو جاتی ہے اس لیے تصدیق کی صورت میں رجعت ثابت ہو جائے گی، اور اگر تکذیب کردی تو عورت کا قول معتبر ہوگا، لیکن امام صاحب کے نزدیک قسم لازم نہ ہوگی کیوں کہ عورت شوہر کے قول کی منکرہ ہے اور آٹھ مسائل میں امام صاحب کے نزدیک منکر پر قسم لازم نہیں ہے ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔

(۵/۱۸۹۹) وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ لَمْ تَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمه: اور اگر شوہر نے کہا کہ میں تجھ سے رجعت کر چکا ہوں عورت نے جواب دیتے ہوئے کہا میری عدت گذر چکی ہے تو رجعت صحیح نہ ہوگی امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے عدت میں رجعت کر چکا ہوں

عورت نے اپنے شوہر کو فوراً جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری تو عدت بھی گذر چکی ہے تو امام صاحب کے نزدیک رجعت درست نہ ہوگی اور صاحبین نے فرمایا کہ رجعت صحیح ہو جائے گی۔

امام صاحب کی دلیل: رجعت کا قول عدت گذر جانے کے بعد پایا گیا ہے، کیوں کہ عورت عدت گزر جانے کی خبر دینے میں امین ہے اور جب عورت نے عدت گذر جانے کی خبر دی تو یہ خبر دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عدت کا گذر جانا خبر دینے سے مقدم ہے، تو اب حاصل یہ ہوگا کہ عدت پہلے گذر گئی اور رجعت بعد میں ہوئی اور جو رجعت عدت گذر جانے کے بعد ہوتی ہے وہ صحیح نہیں ہوتی۔

(۱۹۰۰/۶) وَاِذَا قَالَ زَوْجُ الْاَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُكِ فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَهُ الْمَوْلٰى وَكَذَّبَتْهُ الْاَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور جب کہا باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذر جانے کے بعد میں تجھ سے رجعت کر چکا تھا عدت میں اس پر آقا نے تصدیق کر دی اور باندی نے اس کو جھٹلایا تو باندی کا قول معتبر ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: اگر باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذر جانے کے بعد کہا کہ میں تجھ سے عدت میں رجعت کر چکا ہوں تو اس کی چار صورتیں ہیں (۱) آقا اور باندی دونوں اس کی تصدیق کر دیں، (۲) دونوں اس کی تکذیب کر دیں (۳) آقا تصدیق کرے اور باندی تکذیب کرے (۴) آقا تکذیب کرے اور باندی تصدیق کرے۔

پہلی صورت میں بالاتفاق رجعت درست ہے اور دوسری صورت میں بالاتفاق رجعت دست نہیں ہے مگر یہ کہ شوہر گواہ پیش کر دے تیسری صورت میں اگر شوہر کے پاس گواہ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا اور اسی کے قائل امام زفر اور ائمہ ثلاثہ ہیں، اور صاحبین کے نزدیک آقا کا قول معتبر ہوگا اور چوتھی صورت میں صاحبین کے نزدیک آقا کا قول معتبر ہوگا امام صاحب کی بھی صحیح روایت یہی ہے یہاں عبارت میں تیسری صورت کا بیان ہے اس مسئلہ میں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ رجعت کے صحیح ہونے کا دارومدار عدت پر ہے اور عدت ختم ہوئی یا نہیں ہوئی اس میں عورت کا قول معتبر ہے، پس جو چیز عدت پر مبنی ہوگی یعنی رجعت اس میں بھی عورت ہی کا قول معتبر ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ شوہر کی طلاق کے بعد بضع کے منافع آقاء کے مملوک ہیں تو گویا شوہر بضع حاصل کرنے کا مدعی اور آقا اس کا منکر ہوا اور اگر گواہ نہ ہوں تو منکر کی بات مانی جاتی ہے اس لیے آقا کی بات مانی جائے گی۔

(۱۹۰۱/۷) وَاِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ اَيَّامٍ اِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَاِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَاِنِ انْقَطَعَ الدَّمُ لِاَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ اَوْ تَتَيَمَّمَ وَتُصَلِّيَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا تَيَمَّمَتِ الْمَرْاَةُ اِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ لَمْ تُصَلِّ.

ترجمہ: اور جب بند ہو جائے خون تیسرے حیض سے پورے دس دن پر تو رجعت ختم ہو جائے گی، اور پوری ہو جائے گی اس کی عدت اگر چہ غسل نہ کیا ہو اور اگر دس سے کم پر بند ہوا تو رجعت ختم نہ ہوگی یہاں تک غسل کرے یا اس پر ایک نماز کا وقت گذر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے شیخینؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب عورت تیمم کر چکے تو رجعت ختم ہو جائے گی اگر چہ نماز نہ پڑھے۔

تشریح: چوں کہ حیض کا خون زیادہ سے زیادہ دس دن آسکتا ہے دس دن پورے ہونے کے بعد خون آنے کا امکان نہیں ہے، اس بنا پر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر پورے دس روز پر تیسرے حیض سے خون منقطع ہو گیا تو عدت ختم اور عدت ختم ہوتے ہی رجعت کا حق ختم اب غسل کا انتظار نہیں کیا جائے گا اور اگر دس روز سے کم میں خون بند ہوا تو ابھی خون آنے کا امکان ہے اس لیے ابھی رجعت کا حق ختم نہ ہوگا یہاں تک وہ عورت غسل کرے غسل کے بعد معلوم ہوگا کہ اب حیض کا خون نہیں آئے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ اس عورت پر نماز کا ایک وقت گزر جائے چوں کہ نماز کا وقت گزرنے سے اللہ کا حکم لازم ہو گیا اس لیے بندہ کا حق بھی اس کے ساتھ متعلق ہو جائے گا۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ تیمم کرے اور نماز پڑھے تب عدت ختم ہوگی کیوں کہ تنہا تیمم غسل کے قائم مقام ضرور ہے لیکن وہ ضرورت کے تحت ہے اس لیے تیمم کے بعد نماز پڑھے گی تو اللہ کی ذمہ داری اس پر آئے گی اس لیے اب عدت ختم ہوگی، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں تیمم اصل ہے اس لیے جس طرح غسل کرے تو عدت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح صرف تیمم کرے تو عدت ختم ہو جائے گی۔

(۱۹۰۲/۸) وَاِنِ اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ شَيْئاً مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ عُضْواً كَامِلاً فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ اِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر عورت غسل کرلے اور بھول جائے اپنے بدن میں سے کچھ حصہ جس پر پانی نہیں بہا تو اگر پورا عضو یا اس سے زیادہ ہو تو رجعت ختم نہیں ہوگی اور اگر ایک عضو سے کم ہو تو رجعت ختم ہو جائے گی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہیکہ دس دن سے کم میں حیض کا خون ختم ہوا اس لیے مکمل غسل کرنے پر عدت ختم ہوگی اس نے غسل تو کیا لیکن مکمل ایک عضو پر پانی بہانا بھول گئی تو گویا غسل کیا ہی نہیں تو ابھی عدت باقی رہے گی اور شوہر کو ابھی رجعت کرنے کا حق ہوگا اور اگر ایک عضو سے کم خشک رہا تو چوں کہ بہت کم خشک رہا اور اتنے عضو پر جلدی خشکی آسکتی ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں ہوگا لہٰذا اس صورت میں رجعت کرنے کا بھی حق نہ ہوگا۔ (اللباب ۲/۱۸۲)

(۱۹۰۳/۹) وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ.

حل لغات: تتشوف: باب تفعل سے بناؤ سنگھار کرنا، تتزین: زیب و زینت کرنا۔

ترجمہ: اور مطلقہ رجعی بناؤ سنگھار کرے گی اور زینت اختیار کرے گی۔

تشریح: جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہے اس کے لئے بہتر ہے کہ بناؤ سنگھار کرے تا کہ شوہر رجعت کرنے پر آمادہ ہو اور ازدواجی زندگی بحال ہو جائے۔

(۱۹۰۴/۱۰) وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا اَنْ لَّا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يَسْتَاذِنَهَا وَيُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ.

لغت: خفق نعليه: جوتے کی آواز۔

ترجمہ: اور مستحب ہے اس کے شوہر کے لئے یہ کہ نہ داخل ہو اس کے پاس یہاں تک کہ اس کو اطلاع کر دے اور اپنے جوتوں کی آواز سنا دے۔

تشریح: اگر رجعت کرنے کا ارادہ نہیں تو مطلقہ رجعیہ کے شوہر کے واسطے مستحب یہ ہے کہ جس وقت اس جگہ داخل ہو جہاں یہ عدت گذار رہی ہے تو بغیر اطلاع کے اس کے پاس نہ جائے یا اس کو جوتے کی آواز سنا کر اپنے آنے کی اطلاع دے۔ وجہ استحباب یہ ہے کہ اچانک داخل ہوا اور ایسی جگہ نظر پڑ جائے کہ اس نظر سے رجعت ہو گئی حالاں کہ رجعت کا ارادہ نہیں تھا اس کے بعد یہ پھر طلاق دے گا تو اس عورت کو شروع سے پھر عدت گزارنی ہوگی اور خواہ مخواہ عدت لمبی ہو جائے گی۔

(۱۹۰۵/۱۱) وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْئَ.

ترجمہ: اور طلاق رجعی نہیں حرام کرتی ہے صحبت کو۔

تشریح: اگر طلاق رجعی دی تو اس میں بیوی سے صحبت کر سکتا ہے لیکن جیسے ہی صحبت کرے گا تو رجعت بھی ہو جائے گی، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رجعت سے پہلے مطلقہ رجعیہ سے صحبت نہیں کر سکتا، کیوں کہ طلاق دینے کی وجہ سے وہ بیوی نہیں ہے جب تک کہ رجعت کر کے بیوی نہ بنا لے۔

(۱۹۰۶/۱۲) وَاِنْ كَانَ طَلَاقاً بَائِناً دُوْنَ الثَّلٰثِ فَلَهٗ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا فِيْ عِدَّتِهَا وَبَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا.

ترجمہ: اور اگر طلاق بائن ہو تین سے کم تو شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی سے شادی کرے عدت میں اور عدت ختم ہونے کے بعد۔

تشریح: اگر شوہر نے بیوی کو طلاق بائنہ دی لیکن تین طلاقوں سے کم دی تو جب عدت گذار رہی ہے اس وقت بھی شوہر اس سے نکاح کر سکتا ہے اور عدت ختم ہو جائے تب بھی شادی کر سکتا ہے، کیوں کہ اگر تین طلاق دی ہو تب حلت ختم ہوتی ہے لیکن اگر اس سے کم دی ہو تو محل کا حلال ہونا ثابت ہے تو شوہر کے لئے عدت میں نکاح کرنا بھی حلال ہوگا۔

(۱۹۰۷/۱۳) وَاِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلٰثاً فِي الْحُرَّةِ اَوِ اثْنَتَيْنِ فِي الْاَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ نِكَاحاً صَحِيْحاً وَيَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقَهَا اَوْ يَمُوْتَ عَنْهَا.

ترجمہ: اور اگر تین طلاقیں ہوں آزاد میں یا دو ہوں باندی میں تو حلال نہیں ہوگی اس کے لیے یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح صحیح کرے اور اس کے ساتھ وہ صحبت بھی کرے پھر اس کو طلاق دے یا مر جائے۔

حلالہ کے احکام

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوریؒ نے حلالہ کی صورت بیان کی ہے فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دیں یا منکوحہ باندی کو دو طلاقیں دیں تو یہ عورت شوہر کے لئے حلال نہیں رہے گی، یہاں تک حلالہ نہ ہو جائے اور اس کی شکل یہ ہے کہ عدت گذارنے کے بعد دوسرے آدمی سے شادی کرے پھر وہ صحبت کرے پھر وہ طلاق دے یا مر جائے تب اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر سے شادی کر سکتی ہے اور پہلے شوہر کے لئے حلال ہو سکتی ہے، دوسرے شوہر سے شادی کرنے کی دلیل یہ آیت ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ اس آیت میں ہے کہ تیسری طلاق کے بعد جب تک دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے پہلے کے لئے حلال نہیں ہوگی اور دوسرے شوہر کی صحبت کے بغیر حلال نہ ہونے کی دلیل حدیث عائشہ ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ایک آدمی نے بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر عورت نے شادی کی پھر طلاق دی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا پہلے کے لئے حلال ہے؟ فرمایا نہیں یہاں تک کہ اس کا مزہ نہ چکھ لے جیسا کہ پہلے نے چکھا (بخاری ۲/۷۹۱) اس حدیث مشہور سے معلوم ہوا کہ صحبت کئے بغیر پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

(۱۴/۱۹۰۸) وَالصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيْلِ كَالْبَالِغِ.

لغت: المراھق: قریب البلوغ

ترجمہ: اور قریب البلوغ لڑکا حلال کرنے میں بالغ کی طرح ہے۔

تشریح: جس طرح بالغ مرد سے نکاح کر کے وطی کرائے تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جاتی ہے اسی طرح وہ لڑکا جو ابھی بالغ تو نہیں ہوا لیکن بالغ ہونے کے قریب ہے اس سے نکاح کر کے وطی کرائے تو پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی، کیوں کہ حلالہ کے لئے انزال ہونا شرط نہیں ہے صرف صحبت کرنا شرط ہے اس لیے اس کی صحبت سے پہلے کے لئے حلال ہو جائے گی۔ (اللباب ۲/۱۸۳)

(۱۵/۱۹۰۹) وَوَطْئُ الْمَوْلٰى اَمَتَهُ لَا يُحِلُّهَا.

ترجمہ: اور آقا کا اپنی باندی سے صحبت کرنا اس کو شوہر کے لئے حلال نہیں کرتا۔

تشریح: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی (جو کسی دوسرے کی باندی ہے) کو دو طلاقیں دیدی تو جب اس نے عدت گذار لی تو اس سے اس کے آقا نے صحبت کی تو اس صحبت کی وجہ سے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ کسی مرد

سے شادی کر کے وطی نہ کرائے، کیوں کہ آقا جو صحبت کرے گا وہ باندی ہونے کے اعتبار سے کرے گا نکاح کر کے وطی نہیں کرے گا اس لئے کہ آقا سے نکاح بھی جائز نہیں ہے، اور آیت میں ہے کہ نکاح کر کے صحبت کرے تب حلال ہوگی۔

(۱۹۱۰/۱۶) وَاِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيْلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوْهٌ فَاِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وَطْيِهَا حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ.

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو نکاح میں لیا حلالہ کی شرط پر تو یہ نکاح مکروہ ہے پھر اگر طلاق دے دی اس عورت کو صحبت کے بعد تو شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔

نکاح بشرط التحلیل

تشریح: اگر کسی شخص نے مطلقہ ثلثہ سے تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کیا مثلاً کہا کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تجھے طلاق دوں گا، اب اگر اس کو صحبت کے بعد طلاق دی تو پہلے کے لئے حلال ہو جائے گی، لیکن اس طریقہ سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، دلیل کراہت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہے۔ (ترمذی ۱/۲۱۳) جاننا چاہئے کہ نکاح محلل کی دو صورتیں ہیں ایک نکاح بنیۃ التحلیل دوسری صورت نکاح بشرط التحلیل۔

نکاح بنیۃ التحلیل کا مطلب یہ ہے کہ دل میں یہ نیت ہو کہ کچھ دن اپنے پاس رکھ کر چھوڑ دوں گا تا کہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے لیکن اس کی شرط نہ لگائے اور نکاح بشرط التحلیل کا مطلب تشریح کے تحت آچکا ہے اب سمجھئے کہ نکاح محلل کی کونسی صورت صحیح ہے اور کونسی صحیح نہیں ہے، اس بارے میں مذاہب ائمہ مختلف ہیں۔

(۱) امام مالکؒ و احمدؒ کے نزدیک نکاح محلل مطلقاً باطل ہے یعنی اس کی دونوں صورتیں۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بنیۃ التحلیل جائز ہے اور بشرط التحلیل متحقق ہی نہیں ہوتا اور نہ اس سے عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوتی ہے۔

(۳) حنفیہ کے نزدیک نکاح بنیۃ التحلیل جائز ہے اور نکاح بشرط التحلیل اگر چہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرے گا تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔

(۱۹۱۱/۱۷) وَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ الْحُرَّةَ تَطْلِيْقَةً اَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ وَانْقَطَعَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ اٰخَرَ فَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ اِلَى الْاَوَّلِ عَادَتْ بِثَلٰثِ تَطْلِيْقَاتٍ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِيْ مَادُوْنَ الثَّلَاثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلٰثَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِيْ مَادُوْنَ الثَّلَاثِ.

ترجمہ: اور اگر طلاق دی کسی نے آزاد عورت کو ایک یا دو طلاقیں اور اس کی عدت گذر گئی اور شادی کر لی اس

نے دوسرے شوہر سے اس نے صحبت کی پھر پہلے شوہر کی جانب لوٹ آئے تو یہ تین طلاقوں کے ساتھ آئے گی اور منہدم کردے گا دوسرا شوہر تین سے کم کو جیسا کہ منہدم کردیتا ہے تین کو شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا دوسرا شوہر تین سے کم کو منہدم نہیں کرتا۔

تشریح: اگر شوہر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے اور وہ عورت عدت گزار کر دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرے پھر دوسرا شوہر بھی اس کو صحبت کے بعد طلاق دے دے اور عدت گزرنے کے بعد پہلا شوہر پھر اس سے نکاح کرے تو ایسی صورت میں بالاتفاق پہلا شوہر دوبارہ اس کو تین طلاقیں دینے کا حق دار ہوجائے گا، اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو تین سے کم دو یا ایک طلاق دی اور وہ عورت عدت گذار کر دوسرے شوہر سے نکاح کرے پھر دوسرا شوہر بھی اس کو صحبت کے بعد طلاق دے دے اور عدت گذرنے کے بعد پہلا شوہر پھر اس سے نکاح کرے تو اس صورت میں امام محمدؒ امام شافعیؒ کے نزدیک پہلا شوہر اس کو باقی دو یا ایک طلاق دینے کا حق دار ہوگا یعنی اگر پہلے ایک طلاق دی تھی تو اب دو طلاقوں کا مالک ہوگا اور ان دو طلاقوں کے بعد عورت مغلظہ ہوجائے گی اور اگر پہلے دو طلاق دے چکا ہے تو اب وہ صرف ایک طلاق دینے کا حق دار ہوگا اور شیخین کے نزدیک پہلا شوہر تین طلاق دینے کا حق دار ہوگا اور پہلے جو ایک یا دو طلاق دے چکا ہے وہ بیکار ہوجائیں گی ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، کیوں کہ دوسرا شوہر اس عورت کو پہلے شوہر کے لئے حل جدید کے ساتھ حلال کرنے والا ہوگا اور اس سے پہلے کی تمام طلاقیں کالعدم اور ختم ہوجائیں گی، شیخین کا مذہب ہی راجح ہے۔ (نور الانوار)

(۱۸/۱۹۱۲) وَاِذَا طَلَّقَهَا ثَلٰثًا فَقَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَتَزَوَّجْتُ بِزَوْجٍ آخَرَ وَدَخَلَ بِیَ الزَّوْجُ الثَّانِیْ وَطَلَّقَنِیْ وَانْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذٰلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ الْاَوَّلِ اَنْ یُصَدِّقَهَا اِذَا كَانَ غَالِبُ ظَنِّهٖ اَنَّهَا صَادِقَةٌ.

ترجمہ: اور جب طلاق دے دیں بیوی کو تین پھر اس نے (کچھ مدت کے بعد) کہا کہ میری عدت گزر گئی اور میں نے نکاح کیا دوسرے شوہر سے اور دوسرے شوہر نے مجھ سے صحبت کی اور طلاق دی اور میری عدت پوری ہوگئی درانحالیکہ مدت ان چیزوں کا احتمال رکھتی ہے تو پہلے شوہر کے لئے جائز ہے کہ اس کی تصدیق کرے جب کہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ یہ عورت سچی ہے۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دے دی عورت کچھ مدت گزر جانے کے بعد واپس آئی اور کہنے لگی کہ جب میری عدت پوری ہوگئی تھی تو میں نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا تھا چناں چہ اس نے مجھ سے صحبت بھی کی اور اس نے بھی جلدی میں طلاق دے دی اور میری عدت بھی گزر گئی اس کی عدت گذار کر آپ کے لئے حلال ہوکر آئی ہوں آپ مجھ سے شادی کرلیں، اب اگر پہلے شوہر کی طلاق اور واپس آنے کے درمیان اتنی مدت ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے تو پہلے شوہر کے لئے گنجائش ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس سے شادی کرلے، مثلاً مدخول بہا عورت کو تین

طلاقیں دیں اور وہ تیرانوے ۹۳ دن کے بعد واپس آئی یا عورت غیر مدخول بہا تھی اس کو بیک وقت تین طلاقیں دیں اور وہ ۳۹ دن کے بعد واپس آئی تو گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ سچ بول رہی ہے۔

دلیل: حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے تین حیض کے نو دن ہوئے اور تین حیض کے درمیان دو طہر آئیں گے طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے تو دو طہر تیس دن کے ہوئے مجموعہ انتالیس ہوا پھر طہر آئے گا جس میں عورت دوسرے شوہر سے شادی کرے گی اس کے پندرہ دن ہوئے اس کے بعد دوسرے شوہر کی عدت انتالیس دن گزارے گی تو پندرہ دن اور انتالیس چون دن ہوئے پہلے شوہر کی عدت انتالیس اور دوسرے کی چون مجموعہ ترانوے ہوا نقشہ اس طرح ہے۔

پہلے شوہر سے طلاق اور عدت		حیض	طہر	حیض	طہر	حیض	مجموعہ
		۳	۱۵	۳	۱۵	۳	۳۹
دوسرے شوہر سے شادی طلاق اور عدت	طہر	حیض	طہر	حیض	طہر	حیض	مجموعہ
	۱۵	۳	۱۵	۳	۱۵	۳	۵۴

دونوں عدتوں کا مجموعہ: ۳۹+۵۴=۹۳ تیرانوے دن

اب اگر ۹۳ دن کے بعد عورت واپس ہو تو اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے، اور اگر غیر مدخول بہا ہے تو اس کو صرف دوسرے شوہر کی عدت گزارنی ہے جو کم سے کم ۳۹ دن ہوں گے، اگر قرائن سے سچی معلوم ہو ورنہ عموی طور پر تین حیض کے لئے تین ماہ چاہئے۔

کِتَابُ الْاِیْلَاءِ

(یہ باب ایلاء کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الایلاء کی ماقبل سے مناسبت حسب بیان صاحب بحرالرائق یہ ہے کہ جیسے طلاق رجعی حال ثانی میں بینونت کا اثر رکھتی ہے، ایلاء بھی حال ثانی میں بینونت کو واجب کرتا ہے، اور حال ثانی سے مراد طلاق رجعی میں تکمیل عدت ہے، ایلاء میں چار مہینے کی مدت ہے، اس سے پہلے نہ طلاق رجعی سے بینونت متحقق ہوتی ہے نہ ایلاء سے۔

ایلاء کے لغوی معنی: الی، یولی، ایلاءً قسم کھانا۔

ایلاء کی اصطلاحی تعریف: چار ماہ یا زائد اپنی بیوی سے نہ ملنے کی قسم کھانا۔

ایلاء کا ثبوت: اس آیت میں ہے لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں ان کو چار ماہ رکنا ہے۔

(۱/۱۹۱۳) اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاِمْرَاَتِهٖ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ اَوْ لَا اَقْرَبُكِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ فَهُوَ مُوْلٍ.

لغت مولی: ایلاء سے اسم فاعل ہے ایلاء کرنے والا۔

ترجمہ: اگر کہا شوہر نے اپنی بیوی سے اللہ کی قسم میں تیرے قریب نہ آؤں گا یا چار ماہ تک تیرے قریب نہ آؤں گا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔

تشریح: کسی آدمی نے اپنی بیوی سے کہا (۱) خدا کی قسم تیرے قریب نہیں آؤں گا اس صورت میں بالاتفاق ایلاء کرنے والا ہے (۲) واضح انداز میں کہا کہ چارہ ماہ تک تیرے قریب نہیں آؤں گا اس صورت میں ہمارے نزدیک ایلاء کرنے والا ہوگا۔

(۱۹۱۴/۲) فَاِنْ وَطِیَهَا فِی الْاَرْبَعَةِ الْاَشْهُرِ حَنِثَ فِیْ یَمِیْنِهٖ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ وَسَقَطَ الْاِیْلَاءُ.

ترجمہ: اب اگر وہ اس سے صحبت کرلے چار ماہ کے اندر تو حانث ہو جائے گا اپنی قسم میں اور لازم ہوگا اس پر کفارہ اور ساقط ہو جائے گا ایلاء۔

تشریح: ایک آدمی نے بیوی کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کھائی تھی اس سے پہلے ہی بیوی سے مل لیا تو اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا، قسم کا کفارہ اس لیے لازم ہوگا کہ اللہ کا فرمان ہے ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قسم ٹوٹ جائے گی تو کفارہ لازم ہوگا، اور کفارہ یہ ہے کہ دس مسکین کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے یا غلام آزاد کرے اور جو نہ پائے وہ تین دن تک لگاتار روزے رکھے، اور ایلاء اس لیے ساقط ہو جائے گا کہ جب چار ماہ تک نہ ملنے کی قسم کھائی تھی اور درمیان میں مل لیا تو ایلاء کی مدت ہی پوری نہیں ہوئی اس لیے ایلاء ساقط ہو جائے گا۔

(۱۹۱۵/۳) وَاِنْ لَمْ یَقْرَبْهَا حَتّٰی مَضَتْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ بَانَتْ بِتَطْلِیْقَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: اور اگر اس کے قریب نہ گیا یہاں تک چار ماہ گزر گئے تو ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔

تشریح: ایلاء کے بعد چار ماہ تک بیوی سے نہیں ملا تو چار ماہ گذرتے ہی خود ایلاء سے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اب وہ مطلقہ کی عدت گذار کر جدا ہو جائے، پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ چار ماہ گذرتے ہی خود تفریق ہو جائے گی یا قضاء قاضی کی ضرورت پڑے گی۔

اختلاف الائمة

اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں (۱) حنفیہ کے نزدیک چار ماہ گذرتے ہی خود بخود طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور تفریق کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت نہ ہوگی (۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار ماہ گذرنے پر خود بخود طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ مدت پوری ہونے پر قاضی شوہر کو بلا کر رجوع کا حکم دے گا اگر اس نے رجوع کر لیا تو ٹھیک ورنہ اس کو طلاق دینے کا

حکم دے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ سے ہے کہ اس میں چار ماہ گذرنے کے بعد عزم طلاق کا ذکر کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ محض مدت گزر جانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ عزم طلاق ضروری ہے۔

جواب: جہاں تک آیت قرآنی سے استدلال کا تعلق ہے اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ منقول ہے اِنْقِضَاءُ الْاَرْبَعَةِ عَزِیْمَةُ الطَّلَاقِ والفَیُٔ الْجِمَاعُ (مصنف عبدالرزاق ۶/۴۵۴) چار ماہ کا گذر جانا ہی عزم طلاق ہے اور رجوع کرنا صحبت سے ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابتؓ کے آثار ہیں جو اس بات پر متفق ہیں کہ چار ماہ گذرنے سے خود بخود طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (درس ترمذی ۳/۵۲۲)

(۴/۱۹۱۶) فَاِنْ کَانَ حَلَفَ عَلٰی اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْیَمِیْنُ.

ترجمہ: اگر قسم کھائی چار ماہ کی تو قسم ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: اگر کوئی شخص چار مہینے تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے اور پوری کر دے تو بیوی کو ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور قسم بھی پوری ہو جائے گی، اب اگر دوبارہ اس عورت سے شادی کر کے صحبت کرے گا تو نہ طلاق ہوگی اور نہ کفارہ لازم ہوگا، اس واسطے کہ قسم ایک خاص وقت کے لئے تھی جب وہ مدت گزر گئی تو قسم ساقط ہو جائے گی۔

(۵/۱۹۱۷) وَاِنْ کَانَ حَلَفَ عَلَی الْاَبَدِ فَالْیَمِیْنُ بَاقِیَةٌ فَاِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْاِیْلَاءُ فَاِنْ وَطِیَهَا وَاِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِیِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ تَطْلِیْقَةٌ اُخْرٰی فَاِنْ تَزَوَّجَهَا ثَالِثاً عَادَ الْاِیْلَاءُ وَوَقَعَتْ عَلَیْهَا بِمُضِیِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ تَطْلِیْقَةٌ اُخْرٰی فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَمْ یَقَعْ بِذٰلِکَ الْاِیْلَاءِ طَلَاقٌ وَالْیَمِیْنُ بَاقِیَةٌ فَاِنْ وَطِیَهَا کَفَّرَ عَنْ یَمِیْنِهٖ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی ہمیشہ کے واسطے تو قسم باقی رہے گی پھر اگر لوٹ کر اسی سے شادی کرے تو ایلاء لوٹ آئے گا پھر اگر اس سے صحبت کرے تو بہتر ہے ورنہ چار ماہ گزرنے پر دوسری طلاق واقع ہو جائے گی پھر اگر اس سے تیسری مرتبہ شادی کرے تو ایلاء لوٹ آئے گا اور واقع ہوگی اس پر چار ماہ گذرنے پر تیسری طلاق پھر اگر اس سے نکاح کرے دوسرے شوہر کے بعد تو نہیں واقع ہوگی اس ایلاء سے طلاق اور قسم باقی رہے گی پھر اگر اس سے صحبت کرے تو اپنی قسم کا کفارہ دے گا۔

تشریح: مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ شوہر نے ہمیشہ نہ ملنے کی قسم کھائی اب اگر چار ماہ میں مل گیا تو ایلا ختم ہو گیا

البتہ قسم کا کفارہ لازم ہوگا، اور اگر نہیں ملا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی پھر اگر اس عورت سے شادی کی تو پھر ایلاء بحال ہوجائے گا، کیوں کہ ہمیشہ کی قسم باقی ہے اگر اس مرتبہ چار ماہ کے اندر مل گیا تو ایلاء ختم ہوجائے گا، اور کفارہ لازم ہوگا اور اگر نہیں ملا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اگر پھر دوبارہ اس عورت سے شادی کی تو پھر ایلاء بحال ہوجائے گا کیوں کہ ہمیشہ کی قسم باقی ہے اگر اس مرتبہ چار ماہ کے اندر مل گیا تو ایلاء ختم ہوجائے گا اور کفارہ لازم ہوگا اور اگر نہیں ملا تو چار ماہ گذرنے پر دوسری طلاق واقع ہوگی پھر اگر تیسری مرتبہ اس عورت سے شادی کی تو پھر ایلاء بحال ہوجائے گا اور چار ماہ کے اندر مل لیا تو کفارہ لازم ہوگا اور نہیں ملا تو تیسری طلاق واقع ہوجائے گی اور اب حلالہ کے بغیر اس عورت سے شادی کرنا حرام ہوگا اگر حلالہ کے بعد یہ عورت پہلے شوہر کے پاس آئی تو اب پچھلا ایلاء بحال نہیں ہوگا اور چار ماہ تک نہ ملے تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیوں کہ دوسرے شوہر کی وجہ سے حل جدید اور نکاح جدید کے ساتھ پہلے شوہر کے پاس آتی ہے البتہ جب بھی وہ صحبت کرے گا تو کفارہ لازم آئے گا کیوں کہ ہمیشہ کی قسم کھانے کی وجہ سے ابھی بھی قسم برقرار ہے۔

(۱۹۱۸/۶) فَاِنْ حَلَفَ عَلٰى اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُوْلِياً.

ترجمہ: اگر قسم کھالے چار ماہ سے کم کی تو مولی نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے چار ماہ سے کم اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا، کیوں کہ آیت میں تصریح ہے کہ چار ماہ کی قسم ہو تو اس کو ایلاء کہتے ہیں ارشاد باری ہے للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعة اشھر.

(۱۹۱۹/۷) وَاِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْ بِصَوْمٍ اَوْ بِصَدَقَةٍ اَوْ عِتْقٍ اَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُوْلٍ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھالے حج کی یا روزہ کی یا صدقہ کی یا آزاد کرنے کی یا طلاق کی تو وہ ایلاء کرنے والا ہے۔

تشریح: ایک شخص نے یوں کہا کہ اگر میں چار ماہ تک بیوی کے پاس جاؤں تو مجھ پر حج لازم یا مجھ پر روزہ لازم یا مجھ پر صدقہ لازم یا میرا غلام آزاد یا میری بیوی کو طلاق تو ان تمام صورتوں میں ایلاء منعقد ہوجائے گا، اب اگر چار ماہ کی مدت صحبت کے بغیر گزر گئی تو اس عورت کو طلاق ہوجائے گی۔

(۱۹۲۰/۸) وَاِنْ اٰلٰى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُوْلِياً وَاِنْ اٰلٰى مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُوْلِياً.

ترجمہ: اور اگر ایلاء کیا مطلقہ رجعیہ سے تو ایلاء کرنے والا ہوگا اور اگر بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو یہ شخص ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک ایلاء کرنے والا ہوگا، اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو بالاتفاق ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا کیوں کہ زوجہ ہونا مطلقہ

رجعیہ میں موجود ہے، اور مطلقہ بائنہ میں زوجیت موجود نہیں ہے، اور ایلاء کا محل وہ عورتیں ہیں، جو ہماری زوجہ ہوں، اس وجہ سے مطلقہ بائنہ ایلاء کا محل نہیں ہوگی۔

(۹/۱۹۲۱) وَمُدَّةُ إِيْلَاءِ الْاَمَةِ شَهْرَانِ.

ترجمہ: اور باندی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ باندی اگر کسی کی بیوی ہو تو اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں، اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو، جیسے باندی کی طلاق اور اس کی عدت کی مدت آزاد عورت کی طلاق اور اس کی عدت کی مدت کا آدھا ہے ایسے یہاں بھی مدت ایلاء آدھی رہ جائے گی۔

(۱۰/۱۹۲۲) وَاِنْ كَانَ الْمُوْلِيْ مَرِيْضاً لَا يَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ اَوْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ مَرِيْضَةً اَوْ كَانَتْ رَتْقَاءَ اَوْ صَغِيْرَةً لَايُجَامَعُ مِثْلُهَا اَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَا يَقْدِرُ اَنْ يَصِلَ اِلَيْهَافِيْ مُدَّةِ الْاِيْلَاءِ فَفَيْئُهُ اَنْ يَقُوْلَ بِلِسَانِهٖ فِئْتُ اِلَيْهَا فَاِنْ قَالَ ذٰلِكَ سَقَطَالْاِيْلَاءُ.

حل لغات: رتقاء: وہ عورت جس کا رحم ہڈی وغیرہ کی وجہ سے بند ہو، فیء: ایلاء سے رجوع کرنے کو فیء کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر ایلاء کرنے والا ایسا بیمار ہے کہ اس کو صحبت پر قدرت نہیں ہے یا وہ عورت ایسی بیمار ہو یا پیشاب کے راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو یا ایسی چھوٹی ہے کہ اس سے وطی نہیں ہوسکتی یا دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ عورت تک پہنچنے کی قدرت نہ رکھتا ہو ایلاء کی مدت میں تو اس کا رجوع کرنا یہ ہے کہ اپنی زبان سے کہے میں نے اس کی طرف رجوع کرلیا جب وہ یہ کہدے تو ایلاء ساقط ہوجائے گا۔

تشریح: اگر ایلاء کرنے والا بیماری کی وجہ سے صحبت پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا عورت 'رتقاء' ہو یعنی پیشاب کے راستہ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں یا ایسی چھوٹی بچی ہو کہ جماع کے قابل نہیں یا میاں بیوی کے درمیان اتنی دوری ہے کہ شوہر چار ماہ کی مدت میں اس تک نہیں پہنچ سکتا تو ان تمام صورتوں میں شوہر کو رجوع بالقول کرنے کا اختیار ہے چناں چہ اگر شوہر نے مدت ایلاء میں فئتُ الیها (میں نے اس کی طرف رجوع کیا) کہہ دیا تو ایلاء ساقط ہوجائے گا البتہ حانث اس وقت ہوگا جب صحبت کرے گا۔

(۱۱/۱۹۲۳) وَاِنْ صَحَّ فِي الْمُدَّةِ بَطَلَ ذَالِكَ الْفَيْئُ وَصَارَ فَيْئُهُ الْجِمَاعَ.

ترجمہ: اور اگر تندرست ہوجائے مدت میں تو باطل ہوجائے گا یہ رجوع اور ہوجائے گا اس کا رجوع جماع کرنا۔

تشریح: عذر کی بنیاد پر زبان سے رجوع کرلیا تھا لیکن چار ماہ گذرنے سے پہلے عذر ختم ہوگیا اور جماع پر قادر ہوگیا تو اب جماع کر کے ہی رجوع کرنا ہوگا کیوں کہ ایلاء سے رجوع کرنے کے لئے جماع اصل ہے اور زبان سے رجوع کرنا فرع ہے اس لیے جب اصل پر قادر ہوگیا تو اسی سے رجوع کرنا ہوگا (اللباب ۲/ ۱۸۷)

(۱۲/۱۹۲۴) وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِيَّتِهِ فَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الْكِذْبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ.

ترجمہ: اگر اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس کی نیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اب اگر اس نے کہا کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ وہ کہتا ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا 'انت علی حرام' تو اس شخص سے نیت دریافت کی جائے، اب اگر وہ کہتا ہے کہ اس جملہ سے جھوٹ کی نیت کی ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے کہا یعنی نہ طلاق ہوگی نہ ایلاء اور نہ ظہار، کیوں کہ اس شخص نے اپنے کلام سے حقیقی معنی کا ارادہ کیا ہے، کیوں کہ یہ عورت اس کے لئے حلال تھی پھر اس کا قول انت علی حرام ایسی خبر ہے جو واقع کے مطابق نہیں لہٰذا یہ جھوٹ ہوگا اور چوں کہ کلام کے حقیقی معنی کی نیت کرنا شرعاً معتبر ہے اس لیے یہاں بھی اس شخص کی نیت معتبر ہوگی۔

(۱۳/۱۹۲۵) وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُّ بِهِ الطَّلَاقَ فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ إِلَّا أَنْ يَّنْوِيَ الثَّلَاثَ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ اس سے میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی مگر یہ کہ نیت کرے تین کی۔

تشریح: لفظ حرام کنایات میں سے ہے اور کنایہ میں کم سے کم ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے اس لیے حرام کا لفظ بولا اور طلاق مراد لی مگر عدد طلاق کی نیت نہیں کی یا ایک کی نیت کی یا دو کی تو ان تینوں صورتوں میں ایک بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین واقع ہوگی۔

(۱۴/۱۹۲۶) وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُّ بِهِ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میں نے اس سے ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا۔

تشریح: اور اگر شوہر کہتا ہے کہ میں نے انت علی حرام سے ظہار کی نیت کی ہے تو شیخین کے نزدیک یہ ظہار ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا۔

(۱۵/۱۹۲۷) وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُّ بِهِ التَّحْرِيمَ أَوْ لَمْ أُرِدْ بِهِ شَيْئاً فَهِيَ يَمِينٌ يَصِيرُ بِهِ مُولِياً.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میں نے اس سے حرمت کا ارادہ کیا ہے یا کچھ ارادہ نہیں کیا تو یہ قسم ہوگی اور اس کی وجہ

سے ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔

تشریح: اگر اپنی بیوی سے 'انت علی حرام' کہا اور اس سے نہ طلاق کی نیت کی نہ ظہار کی نیت کی اور جھوٹ بولنے کی بھی نیت نہیں کی بلکہ تحریم کی نیت کی یعنی حرام کرنے کی یا کسی بھی چیز کی نیت نہیں کی تو ان دونوں صورتوں میں لفظ حرام سے قسم ہوگی اور ایلاء بھی ہو جائے گا، اب اگر اس نے چار ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی سے وطی کر لی تو کفارہ دے گا اور اگر وطی نہیں کی یہاں تک کہ چار ماہ گذر گئے تو ایلاء کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی۔

كِتَابُ الْخُلْعِ

(یہ کتاب خلع کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: خلع کو ایلاء سے اس لیے مؤخر کیا گیا ہے کہ ایلاء میں شوہر کی جانب سے نافرمانی کا جذبہ ہے اور خلع میں عورت کی جانب سے نافرمانی کا جذبہ ہے اس لیے جس چیز کا تعلق مرد کے ساتھ ہے اس کو پہلے بیان کیا ہے اور جس چیز کا تعلق عورت کے ساتھ ہے اس کو بعد میں بیان کیا ہے۔

خلع کے لغوی معنی: لفظ خُلع خَلْع سے نکلا ہے اس کے معنی اتارنے کے ہیں اور مناسبت یہ ہے کہ قرآن کریم نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے ارشاد ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ اور خلع کے ذریعہ ایک دوسرے سے علیحدگی لباس اتار دینے کے مرادف ہے خلع کا استعمال جب باب الطلاق میں ہوتا ہے تو خاء کو ضمہ دیا جاتا ہے اور جب لباس وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں تو وہاں خاء مفتوح ہوتی ہے۔

خلع کی مشروعیت: باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ یعنی ان دونوں پر کوئی حرج نہیں اس بارے میں کہ عورت اس کو فدیہ دے دے (اپنی جان کا)۔

اصطلاحی تعریف: خلع کہتے ہیں زوجیت کو مال کے بدلہ میں نکال دینا خلع میں بیوی کی جانب سے مال ہوتا ہے اور شوہر اس کے بدلہ طلاق دیتا ہے۔

ضروری نوٹ:

کیا خلع عورت کا حق ہے؟ ہمارے زمانہ میں خلع کے بارے میں ایک اور مسئلہ عہد حاضر کے متجددین نے پیدا کر دیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام علماء امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ خلع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں طرفین کی رضامندی ضروری ہے اور کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا مگر ان متجددین نے کہا کہ خلع عورت کا ایک حق ہے جسے وہ شوہر کی مرضی کے بغیر بھی عدالت سے وصول کر سکتی ہے متجددین کا یہ قول قرآن وسنت کے دلائل اور جمہور کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے۔

(۱۹۲۸/۱) اِذَا تَشَاقَّ الزَّوْجَانِ وَخَافَا اَنْ لَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا بَأْسَ اَنْ تَفْتَدِيَ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ

يَخْلَعُهَا بِهٖ فَإِذَا فَعَلَ ذَالِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ.

ترجمہ: جب جھگڑا ہو جائے میاں بیوی میں اور دونوں کو یہ ڈر ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو کوئی حرج نہیں کہ عورت اس کو اپنی جان کا فدیہ دے ایسے مال کے ساتھ جس کے ذریعہ شوہر اس کو خلع دے دے، جب وہ یہ کرلے تو خلع سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور عورت پر مال لازم ہوگا۔

ماہیت خلع میں اختلاف ائمہ مدلل و مفصل

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر زوجین آپس میں جھگڑا کرنے لگیں اور یہ محسوس کرلیں کہ اب حقوق زوجیت ادا نہیں کرسکیں گے تو اس بارے میں کوئی حرج نہیں کہ عورت اپنی جان کا اپنے شوہر کو فدیہ دے دے اور شوہر اس مال کے بدلے اس کو بذریعہ خلع طلاق دے دے خلع کرتے ہی طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی الگ سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر ماہیت خلع میں علماء کا اختلاف ہے یعنی خلع فسخ ہے یا طلاق ہے۔

چناں چہ اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) خلع امام احمدؒ کے نزدیک فسخ ہے امام شافعیؒ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے (۲) حنفیہ کے نزدیک خلع طلاق ہے۔

ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاق دے کر اس سے خلع کیا تو اب یہ شخص امام احمدؒ شافعیؒ کے نزدیک بغیر حلالہ کے اس عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور ہمارے نزدیک بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہ ہوگا، اور اوجز المسالک میں ہے کہ خلع حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک طلاق بائن ہے امام شافعیؒ واحمد سے دو روایتیں ہیں لیکن اصح امام شافعی کے نزدیک یہی ہے کہ وہ طلاق ہے اور امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ فسخ ہے۔

امام احمدؒ کا استدلال: قرآن کریم میں خلع کا ذکر اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے بعد کیا گیا ہے یعنی فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا يُقِيمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ اور اسکے بعد اگلی آیت ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ جو اس بات کی دلیل ہے کہ خلع ان تین طلاقوں میں شمار نہیں، اگر خلع خود طلاق ہوتا تو طلاقیں چار ہوتیں جس کا کوئی قائل نہیں۔

جواب: فان طلقها میں 'فا' ایک خاص لفظ ہے وہ اپنے مدلول کو قطعی طور پر شامل ہوگا یعنی فا کا مابعد بغیر کسی فصل کے اپنے ماقبل پر مرتب ہوگا اور اس فا کا ماقبل خلع ہے تو گویا تیسری طلاق خلع پر مرتب ہوئی اور تیسری طلاق کا خلع پر مرتب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خلع کے بعد طلاق ہوسکتی ہے اور خلع کے بعد طلاق اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ خلع بھی طلاق ہو اور رہ گیا یہ کہنا کہ طلاقیں چار ہو جائیں گی ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ خلع طلاق تو ہے مگر مستقل علیحدہ طلاق نہیں ہے بلکہ الطلاق مرتان میں داخل ہے گویا یوں کہا گیا کہ طلاقیں دو ہیں خواہ دونوں رجعی ہوں خواہ خلع کے ضمن میں ہوں، اس مسئلہ سے متعلق مزید تفصیل کے لئے دیکھئے نور الانوار ص: ۲۱، ۲۲ تحت قولہ وَلِذَالِكَ صح

ایقاع الطلاق بعد الخلع حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ نے خلع کا مطالبہ کیا تو حضورؐ نے ثابت سے فرمایا اِقْبَلِ الْحَدِیْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِیْقَةً اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کو طلاق کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ (بخاری ۲/۷۹۴)

(۲/۱۹۲۹) وَاِنْ کَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهٖ کُرِهَ لَهٗ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْهَا عِوَضاً.

حل لغات: نشوز: عورت کا اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا اور اس سے نفرت کرنا، زجاجؒ فرماتے ہیں کہ نشوز دونوں طرف سے ہوتا ہے یعنی میاں بیوی میں سے ہر ایک کا دوسرے سے ناگواری ظاہر کرنا۔

ترجمہ: اور اگر نافرمانی مرد کی جانب سے ہو تو اس کے لئے مکروہ ہے عورت سے عوض لینا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کی جانب سے ناگواری کا اظہار ہو تو شوہر کے لئے بدل خلع کے طور پر عورت سے کچھ لینا مکروہ ہے، کیوں کہ ارشاد باری ہے وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا اور اگر تم نے ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنے کا ارادہ کیا حالاں کہ تم نے ایک کو ڈھیر بھر دے رکھا ہے تو تم اس میں سے کچھ مت لو اس آیت میں عورت سے عوض لینے کی کراہت پر صراحت ہے اس لیے عوض لینا مکروہ ہوگا۔

(۳/۱۹۳۰) وَاِنْ کَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهَا کُرِهَ لَهٗ اَنْ یَّاْخُذَ اَکْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهَا فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ جَازَ فِی الْقَضَاءِ.

ترجمہ: اور اگر نافرمانی عورت کی جانب سے ہو تو مکروہ ہے شوہر کے لئے کہ اس سے زیادہ لے جتنا عورت کو دیا ہے اگر اس نے ایسا کر ہی لیا تو قضاءً جائز ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شرارت عورت کی جانب سے ہو تو مقدار مہر تک لینا شوہر کے لئے بلا کراہت جائز ہے مگر مقدار مہر سے زائد لینا مبسوط کی روایت کے مطابق مکروہ ہے اور جامع صغیر کی روایت کے مطابق بلا کراہت جائز ہے آگے فرماتے ہیں کہ مقدار مہر سے زیادہ اگر لے ہی لیا تو قضاءً جائز ہے کیوں کہ اللہ کا فرمان مطلقاً ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ یہ آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے قلیل اور کثیر مہر اور غیر مہر سب کو شامل ہے۔

(۴/۱۹۳۱) وَاِنْ طَلَّقَهَا عَلٰی مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَکَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے مال کے بدلہ اور عورت قبول کرے تو طلاق ہو جائے گی اور مال لازم ہوگا اور طلاق بائن ہوگی۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو مال پر طلاق دی مثلاً یوں کہا تجھے ہزار روپے کے بدلہ طلاق ہے پھر عورت نے اس کو قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے ذمہ مال لازم ہوگا، ورنہ نہیں پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں

کہ مال کے عوض جب طلاق ہوگی تو بائنہ ہوگی، کیوں کہ عورت نے اپنے نفس کو چھٹکارا دلانے کے لئے اپنے شوہر کو مال دینا منظور کیا ہے اور شوہر مال کا مالک ہوگیا اس وجہ سے عورت نفس کی مالک ہو جائے گی تاکہ مساوات پیدا ہو جائے اور عورت اپنے نفس کی مالک طلاق بائن سے ہوسکتی ہے نہ کہ طلاق رجعی سے، پس ثابت ہوگیا کہ طلاق علی مال سے طلاق بائن ہوگی۔

(۱۹۳۲/۵)وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلُ اَنْ يُخَالِعَ الْمَرْأَةُ الْمُسْلِمَةُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ فَلَا شَيْئَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ.

ترجمہ: اور اگر باطل ہو جائے عوض خلع میں مثلاً خلع کرے مسلمان عورت شراب یا خنزیر پر تو شوہر کے لئے کچھ نہ ہوگا اور فرقت بائنہ ہوگی۔

تشریح: اگر خلع میں عوض باطل ہو مثلاً مسلمان مرد اپنی بیوی سے شراب یا خنزیر یا مردار پر خلع کرے تو اس کی وجہ سے طلاق بائنہ ہوگی اور شوہر کو کچھ نہیں ملے گا، کیوں کہ عورت نے کوئی مال متقوم بیان نہیں کیا وہ مرد کو دھوکہ دینے والی شمار ہو پس جب دھوکہ دینے والی نہیں ہے تو اس پر کوئی چیز بھی واجب نہیں ہوگی اور طلاق بائنہ اس لیے ہوگی کہ لفظ خلع کنایہ ہے اور کنایہ سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔ (اللباب ۲/۱۸۹)

(۱۹۳۳/۶) وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا.

ترجمہ: اور اگر باطل ہو عوض طلاق میں تو رجعی ہوگی۔

تشریح: اور اگر مدخول بہا عورت کو عوض پر طلاق دی ہے اور یہ طلاق تیسری طلاق نہیں ہے پھر خنزیر اور شراب ہونے کی وجہ سے عوض باطل ہوگیا تو عورت پر طلاق رجعی واقع ہوگی اور شوہر کے لئے عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا، کیوں کہ یہاں طلاق صریح استعمال کیا ہے اگر اس کے بدلہ مال ہوتا تو طلاق بائنہ واقع ہوتی لیکن عوض باطل ہوگیا اس لیے طلاق صریح باقی رہی تو رجعی واقع ہوگی۔

(۱۹۳۴/۷) وَمَا جَازَ اَنْ يَكُوْنَ مَهْرًا فِي النِّكَاحِ جَازَ اَنْ يَكُوْنَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ.

ترجمہ: اور جس چیز کا مہر ہونا جائز ہے نکاح میں تو جائز ہے کہ وہ خلع میں بدل ہو جائے گا۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ جو چیز عقد نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ بالاتفاق خلع میں بدل خلع بن سکتی ہے، کیوں کہ عقد نکاح کے وقت ملک بضع متقوم ہے اور خلع کے وقت غیر متقوم تو جو چیز بضع متقوم کا عوض بن سکتی ہے وہ بضع غیر متقوم کا عوض بدرجہ اولی ہوسکتی ہے۔

(۱۹۳۵/۸)فَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِيْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ فَخَالَعَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْئٌ فَلَا شَيْئَ لَهٗ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اگر عورت نے کہا مجھ سے خلع کرلے اس کے بدلہ جو میرے ہاتھ میں ہے اس نے خلع کرلیا حالانکہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو شوہر کے لئے عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

تشریح: بیوی نے شوہر سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کرلے حالاں کہ ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا تو عورت پر بدل واجب نہ ہوگا، اور طلاق واقع ہو جائے گی، چوں کہ عورت نے مال کا نام نہیں لیا اور ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت پر کوئی مال لازم نہیں ہوگا۔

(۹/۱۹۳۶) وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِیْ عَلٰی مَافِیْ یَدِیْ مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا وَلَمْ یَكُنْ فِیْ یَدِهَا شَیْءٌ رُدَّتْ عَلَیْهِ مَهْرُهَا.

ترجمہ: اور اگر کہا خلع کرلے مجھ سے اس کے عوض جو میرے ہاتھ میں ہے مال میں سے اس نے خلع کرلیا اور اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت اس کو اپنا مہر واپس دے گی۔

تشریح: عورت نے کہا جو مال میرے ہاتھ میں ہے اس کے بدلہ خلع کرلے عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو لیا ہوا مہر واپس کرے گی کیوں کہ عورت نے مال ذکر کیا ہے اور شوہر سے مال کا وعدہ کیا ہے اس لیے وہ کوئی مال لئے بغیر ملک نکاح زائل کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔

(۱۰/۱۹۳۷) وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِیْ عَلٰی مَافِیْ یَدِیْ مِنْ دَرَاهِمَ اَوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ فَلَمْ یَكُنْ فِیْ یَدِهَا شَیْءٌ فَعَلَیْهَا ثَلٰثَةُ دَرَاهِمَ.

ترجمہ: اور اگر کہا خلع کرلے مجھ سے اس پر جو میرے ہاتھ میں ہیں (عام) درہموں (یا خاص) درہموں سے اس نے ایسا کرلیا (مگر) عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے۔

تشریح: دراہم جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا اطلاق تین پر ہوتا ہے اس لیے الف لام کے بغیر دراہم نکرہ استعمال کرے یا الف لام کے ساتھ معرفہ استعمال کرے دونوں صورتوں میں تین درہم لازم ہوں گے۔

(۱۱/۱۹۳۸) وَاِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِیْ ثَلٰثاً بِاَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَیْهَا ثُلُثُ الْاَلْفِ.

ترجمہ: اور اگر کہا مجھے تین طلاق دے دے ایک ہزار کے بدلہ اس نے ایک طلاق دے دی تو عورت پر ہزار کی تہائی لازم ہوگی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھے تین طلاقیں ایک ہزار کے بدلہ میں دے دے پھر شوہر نے اس کو ایک طلاق دے دی تو یہ ایک ہزار ہر طلاق پر تقسیم ہو جائیں گے اور ہر طلاق کے بدلہ تین سو تینتیس درہم ہوں گے یہاں شوہر نے ایک طلاق دی تو اسے تین سو تینتیس درہم ملیں گے اور چوں کہ رقم کے بدلہ میں طلاق دی ہے

اس لیے طلاق بائنہ ہوگی۔

(۱۲/۱۹۳۹) وَإِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلٰثاً عَلَى الْأَلْفِ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهَا ثُلُثُ الْأَلْفِ.

ترجمہ: اور اگر کہا عورت نے مجھ کو ایک ہزار پر تین طلاقیں دے دے اس نے ایک طلاق دے دی تو عورت پر کچھ لازم نہیں ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا کہ عورت پر ہزار کی تہائی لازم ہوگی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھے تین طلاقیں دے دے ہزار کی شرط پر شوہر نے اس کو ایک طلاق دے دی تو امام صاحب کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں، اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ ایک ہزار کے ایک تہائی کے بدلہ ایک طلاق بائن ہوگی اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں۔

امام صاحب کی دلیل: عبارت میں کلمہ ''علی'' شرط کے لئے ہے اور شرط کے اجزاء مشروط کے اجزاء پر منقسم نہیں ہوتے لہٰذا صرف ایک طلاق دینے سے عورت پر ایک ہزار کا تہائی واجب نہ ہوگا اور عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی، کیوں کہ شوہر نے صریح لفظ سے بلا مال طلاق واقع کی ہے تو شوہر کی یہ طلاق وہ نہیں ہوگی جس کا عورت نے سوال کیا تھا بلکہ یہ شوہر کی جانب سے ابتداءً طلاق ہوگی اور چوں کہ شوہر نے لفظ صریح کے ساتھ طلاق دی ہے اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ جو طلاق صریح لفظ سے دی جائے اور بلا عوض دی جائے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے لہٰذا یہاں بھی طلاق رجعی واقع ہوگی۔

صاحبین کی دلیل: کلمہ علی باء کے معنی میں ہے تو علی الف، بالف کے معنی میں ہو کر وہی مطلب مراد ہوگا جو اس سے پہلے مسئلہ میں تھا، لہٰذا اگر شوہر نے ایک طلاق دی تو شوہر کے لئے عورت پر ایک ہزار کا تہائی واجب ہو جائے گا اور عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی ایک تہائی تو اس لیے واجب ہوگا کہ ایک ہزار تین طلاقوں کا عوض ہے اور عوض کے اجزاء معوض کے اجزاء پر منقسم ہوتے ہیں اور طلاق بائن اس لیے واقع ہوگی کہ یہ طلاق 'علی مال' ہے اور طلاق 'علی مال' سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے لہٰذا یہاں بھی طلاق بائن واقع ہوگی (دیکھئے نور الانوار علی کا بیان)

(۱۳/۱۹۴۰) وَلَوْ قَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلٰثاً بِالْأَلْفِ أَوْ عَلَى الْأَلْفِ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ عَلَيْهَا شَيْءٌ مِنَ الطَّلَاقِ.

ترجمہ: اور اگر کہا شوہر نے خود کو تین طلاقیں دے لے ایک ہزار کے بدلہ یا ایک ہزار پر عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دے لی تو عورت پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

تشریح: شوہر نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے آپ کو ایک ہزار کے بدلہ یا ایک ہزار کی شرط پر تین طلاقیں دے لو عورت نے ایک طلاق دی تو عورت پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور شوہر کو تہائی رقم بھی نہیں ملے گی کیوں کہ شوہر اپنی بیوی کو بائنہ کرنے پر اس صورت میں راضی ہوا ہے جب کہ اس کو پورا ایک ہزار ملے اور وہ تہائی رقم پر عورت کو جدا کرنے پر راضی نہیں ہے اس لیے شرط کے خلاف کرنے پر نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عورت پر کچھ لازم ہوگا۔

(۱۴/۱۹۴۱) وَالْمُبَارَأَةُ كَالْخُلْعِ وَالْخُلْعُ وَالْمُبَارَأَةُ يُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمُبَارَأَةُ تُسْقِطُ وَالْخُلْعُ لَا تُسْقِطُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا تُسْقِطَانِ إِلَّا مَا سَمَّيَاهُ.

حل لغات: خلع: کل مہر کو بدل مقرر کر لینا خلع ہے، مباراۃ: مفاعلة کا مصدر ہے عورت کا شوہر کے ذمہ سے ہر ایسے حق کو ساقط کر دینا جو نکاح کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔

ترجمہ: میاں بیوی کا ایک دوسرے کو بری کرنا خلع کے مانند ہے اور خلع و مباراۃ ساقط کر دیتے ہیں ہر اس حق کو جو میاں بیوی میں سے ہر ایک کا دوسرے پر ہو ان حقوق میں سے جو نکاح کے متعلق ہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا مبارات ساقط کر دیتا ہے اور خلع ساقط نہیں کرتا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نہیں ساقط کریں گے سوائے اس کے جو دونوں بیان کریں۔

خلع اور مبارات سے کون سے حقوق ساقط ہوں گے

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک کا دوسرے کو بری کرنا خلع کے مانند ہے مبارات کی صورت یہ ہے کہ بیوی شوہر سے کہے کہ مجھے اتنے مال پر بری کر دے شوہر کہے کہ میں نے تجھے بری کر دیا صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جتنے حقوق نکاح کی وجہ سے میاں بیوی پر عائد ہوئے ہیں خلع کرنے کی وجہ سے اور ایک دوسرے کو بری کرنے کی وجہ سے سب ساقط ہو جائیں گے جیسے گذشتہ ایام کا خرچہ مہر وغیرہ شوہر پر لازم نہیں ہوگا۔

البتہ خلع اور مبارات میں عدت کا نفقہ اور سکنی ساقط نہیں ہوتا لیکن اگر عورت نے عدت کے نفقہ پر ہی خلع کیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا سکنی ساقط نہیں ہوگا یہ مذکورہ تفصیل امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے، اور امام ابویوسف کا قول خلع کی صورت میں امام محمد کے قول کے مانند ہے اور مبارات کی صورت میں، امام صاحب کے قول کے مانند ہے امام محمدؒ کے نزدیک مبارات اور خلع کے ذریعہ وہی حقوق ساقط ہوں گے جن کی زوجین نے تعیین کر دی ہو اور جن کی تعیین نہیں کی وہ ساقط نہیں ہوں گے ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

☆☆☆

كِتَابُ الظِّهَارِ

(یہ کتاب ظہار کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الظہار اور کتاب الخلع میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں کے وجود کا سبب میاں بیوی کی نا اتفاقی ہے اور خلع کو ظہار پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ خلع کے ذریعہ مکمل درجہ پر تحریم ہو جاتی ہے اور ظہار میں حرمت تو ثابت ہوتی ہے مگر نکاح باقی رہتا ہے اور یہ حرمت کفارہ ادا کر دینے سے ختم ہو جاتی ہے اس لیے اولاً خلع کو بیان کیا ہے پھر ظہار کو بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: ظہار مفاعلت کا مصدر ہے لغوی معنی ہیں (پیٹھ) مرد کا قول اپنی بیوی سے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔

اصطلاحی تعریف: شوہر کا اپنی بیوی کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو خواہ ذات کے ساتھ ہو یا کسی ایسے جزء کے ساتھ ہو جس کو کل سے تعبیر کیا جاتا ہے مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ ظہار کی حقیقت ماں کے ساتھ تشبیہ میں منحصر نہیں ہے بلکہ جو بھی عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو خواہ وہ حرمت رضاعت کی وجہ سے ہو یا مصاہرت کی وجہ سے ہو۔

ظہار کی شرط: مظاہر کا عاقل بالغ مسلمان ہونا اور عورت کا منکوحہ ہونا ہے۔

ضروری نوٹ: زمانہ جاہلیت میں ظہار کرنے سے ہمیشہ کے لئے بیوی حرام ہو جاتی تھی اللہ نے اسلام میں نفس ظہار کو تو باقی رکھا لیکن اس کے حکم میں تبدیلی کر دی اس طرح کہ کفارہ ادا کرنے کے بعد وہ عورت حسب سابق حلال ہو جاتی ہے اسلام میں سب سے پہلے جو ظہار واقع ہوا وہ اوس بن صامتؓ کا ظہار ہے۔

(۱/۱۹۴۲) اِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِامْرَأَتِهِ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْئُهَا وَلَا مَسُّهَا وَلَاتَقْبِيْلُهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهٖ.

ترجمہ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو وہ اس پر حرام ہو گئی نہ اس سے صحبت حلال ہے نہ اس کا چھونا اور نہ اس کا بوسہ لینا یہاں تک کہ کفارہ دے اپنے ظہار کا۔

تشریح: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے 'انت علی کظھر امی' کہا تو وہ مظاہر ہو گیا اور ظہار کا حکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مرد پر اپنی بیوی کے ساتھ جماع حرام ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کفارہ ادا کرے پھر جب ظہار کی وجہ سے وطی کرنا حرام ہوا تو کیا وہ تمام چیزیں بھی حرام ہو جائیں گی جو صحبت پر ابھارنے والی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک دواعی الی الوطی جیسے عورت کو چھونا اس کا بوسہ لینا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہیں تا کہ یہ چیزیں اس کو وطی میں

بتا! نہ کردیں یہی مذہب امام مالک کا ہے اور شافعیہ وحنابلہ کی اس میں دونوں روایتیں ہیں حرمت وعدم حرمت۔

(۲/۱۹۴۳) فَإِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ اِسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ غَيْرُ الْكَفَّارَةِ الْأُوْلٰى وَلَا يُعَاوِدُ حَتّٰى يُكَفِّرَ.

ترجمہ: اگر صحبت کرے کفارہ دینے سے پہلے تو اللہ سے استغفار کرے اور اس پر کچھ نہیں پہلے کفارہ کے علاوہ اور دوبارہ صحبت نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر نے کفارہ دینے سے پہلے اس عورت سے وطی کرلی تو یہ شخص توبہ واستغفار کرے اور اس پر پہلے کفارہ کے علاوہ کوئی اور کفارہ واجب نہ ہوگا اور اب وطی نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دے دے۔

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرے تو ایک ہی کفارہ لازم ہوگا (ترمذی ۱/۱۴۳، باب ماجاء فی المظاهر يواقع ان يكفر)

(۳/۱۹۴۴) وَالْعَوْدُ الَّذِيْ يَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ هُوَ أَنْ يَعْزِمَ عَلٰى وَطْئِهَا.

ترجمہ: اور وہ عود جس سے کفارہ لازم ہوتا ہے یہ ہے کہ ارادہ کرے اس سے وطی کرنے کا۔

تشریح: ظہار کرنے کے بعد اگر بیوی سے جماع کرنے کا پختہ ارادہ کرلے تو اس کو کفارہ دینا ہوگا اور اگر واپس کرنے اور جماع کا ارادہ نہیں ہے تو پھر کفارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ آیت میں ہے ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا یعنی پھر جو کچھ کہا اس سے رجوع کرنا چاہے اس آیت میں ہے کہ لوٹنے کا ارادہ کرے تو صحبت سے پہلے کفارہ ادا کرے۔

(۴/۱۹۴۵) وَإِذَا قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ كَبَطْنِ أُمِّيْ أَوْ كَفَخِذِهَا أَوْ كَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ.

ترجمہ: اگر کہا تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ یا ران یا فرج کے مانند ہے تو وہ ظہار کرنے والا ہوگا۔

تشریح: ظہار، ظہر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پیٹھ لیکن پیٹھ کے بجائے ماں کے پیٹ یا ران یا فرج یا وہ عضو جس کا دیکھنا بیٹے کے لئے حرام ہے اس سے بیوی کو تشبیہ دی تب بھی ظہار ہو جائے گا، دلیل یہ ہے کہ ظہار کہتے ہیں اپنی منکوحہ کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو اور یہ معنی ہر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینے میں متحقق ہو جائیں گے جس کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔

(۵/۱۹۴۶) وَكَذٰلِكَ إِنْ شَبَّهَهَا بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ إِلَيْهَا عَلٰى سَبِيْلِ التَّأْبِيْدِ مِنْ مَحَارِمِهِ مِثْلُ أُخْتِهِ أَوْ عَمَّتِهِ أَوْ أُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر تشبیہ دے ایسی عورت کے ساتھ جس کی طرف دیکھنا اس کے لئے حلال نہیں ہمیشہ کے لئے محارم میں سے جیسے اپنی بہن پھوپھی یا رضاعی ماں کے ساتھ۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اپنے محارم میں سے ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی کہ اس کو شہوت کے ساتھ دیکھنا ہمیشہ حرام ہے مثلاً بہن، پھوپھی وغیرہ تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ یہ عورتیں دائمی حرام ہونے میں ماں کے مانند ہے لہٰذا جو حکم ظہار میں ماں کا ہے وہی ان عورتوں کا ہوگا۔

(۱۹۴۷/۶) وَكَذَالِكَ اِنْ قَالَ رَأْسُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ اَوْ فَرْجُكِ اَوْ وَجْهُكِ اَوْ رَقَبَتُكِ اَوْ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ.

ترجمہ: اور اسی طرح اگر کہے کہ تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کے مانند ہے یا تیری شرمگاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف یا تیرا تہائی۔

تشریح: مذکورہ تمام صورتوں میں ظہار ثابت ہو جائے گا، دلیل یہ ہے کہ ان اعضاء میں سے ہر عضو کے ساتھ پورے بدن کو مراد لیتے ہیں لہٰذا عورت کے ان اعضاء کو تشبیہ دینا ایسا ہے جیسا کہ عورت کو تشبیہ دینا اس وجہ سے یہ شخص ظہار کرنے والا شمار ہوگا۔

(۱۹۴۸/۷) وَاِنْ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ اُمِّيْ يُرْجَعُ اِلَى نِيَّتِهٖ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ بِهِ الْكَرَامَةَ فَهُوَ كَمَا قَالَ.

ترجمہ: اور اگر کہے تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اگر کہے میں نے اس سے عزت کا ارادہ کیا ہے تو ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا۔

تشریح: شوہر نے بیوی سے کہا تو میرے اوپر میری ماں کی طرح ہے ظہار کا لفظ نہیں بولا تو اس شخص کی نیت دریافت کی جائے گی کیوں کہ اس کا کلام تشبیہ کی چند صورتوں کا احتمال رکھتا ہے چناں چہ ایک صورت کو متعین کرنے کے لئے نیت کا پایا جانا ضروری ہے، پس اگر اس نے کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ جس طرح میری ماں میرے لئے محترم ہے تو بھی میرے لئے محترم ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور ظہار واقع نہ ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی اور اس شخص پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۱۹۴۹/۸) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ.

ترجمہ: اور اگر وہ کہے کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو ظہار ہوگا۔

تشریح: اگر شوہر نے بیوی سے کہا تو میرے اوپر میری ماں کی طرح ہے اور میں نے اپنے اس بیان سے ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار ہو جائے گا، کیوں کہ اس کلام سے اپنی بیوی کو اپنی پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دی ہے پس جب ماں

کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار ہو جاتا ہے تو پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے بدرجہ اولیٰ ظہار ہو جائے گا۔

(۹/۱۹۵۰) وَإِنْ قَالَ اَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میرا ارادہ طلاق کا تھا تو طلاق بائن ہوگی۔

تشریح: اور اگر شوہر یوں کہے کہ میں نے اس کلام سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی کیوں کہ 'اَنْتِ عَلَیَّ مِثْلُ اُمِّیْ' حرام ہونے میں تشبیہ ہے تو گویا شوہر نے انتِ عَلَیَّ حَرَامٌ کہا ہے اور یہ طلاق کے الفاظ کنایہ میں سے ہے اور کنایہ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

(۱۰/۱۹۵۱) وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْئٍ.

ترجمہ: اور اگر کچھ نیت نہ ہو تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: اور اگر اس شخص نے کوئی نیت نہیں کی ہے تو یہ کلام شیخین کے نزدیک لغو ہوگا اسی کے قائل اصحاب شافعی ہیں اور امام محمد نے فرمایا کہ عدم نیت کی صورت میں یہ کلام ظہار ہوگا اور اسی کے قائل ائمہ ثلاثہ ہیں۔

(۱۱/۱۹۵۲) وَلَا يَكُوْنُ الظِّهَارُ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِهٖ فَاِنْ ظَاهَرَ مِنْ اَمَتِهٖ لَمْ يَكُنْ مُظَاهِرًا.

ترجمہ: اور نہیں ہوتا ظہار مگر اپنی بیوی سے اگر ظہار کرے اپنی باندی سے تو مظاہر نہ ہوگا۔

تشریح: جامع صغیر میں امام محمدؒ نے فرمایا کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ دوسری عورتوں سے حتی کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ شخص ظہار کرنے والا شمار نہ ہوگا، دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے 'من نسائهم' اور لفظ نساء بیویوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور مملوکہ باندی بیوی نہیں کہلاتی۔

(۱۲/۱۹۵۳) وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِهٖ اَنْتُنَّ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ كَانَ مُظَاهِرًا مِنْ جَمَاعَتِهِنَّ وَعَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ كَفَّارَةٌ.

ترجمہ: کسی نے اپنی بیویوں سے کہا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو یہ ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جائے گا اور شوہر پر ہر ایک کے لئے کفارہ ہے۔

چند بیویوں سے ظہار کرنے والا کتنے کفارے دے؟

تشریح: ایک شخص کے نکاح میں چار بیویاں تھیں ایک ہی جملہ میں چاروں سے کہا تم میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو یہ شخص بالاتفاق ان سب عورتوں سے ظہار کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے تمام عورتوں کی جانب

ظہار منسوب کیا ہے لہٰذا تمام سے ظہار ہوگا، رہی یہ بات کہ شوہر پر تمام کی وجہ سے ایک کفارہ واجب ہوگا یا متعدد اس بارے میں اختلاف ہے، چناں چہ ہمارے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ظہار کے متعدد ہونے کی وجہ سے کفارے متعدد ہوں گے کیوں کہ ظہار کی وجہ سے ہر ایک عورت کے حق میں حرمت ثابت ہوگئی ہے اور کفارہ اس لیے ہوتا ہے کہ حرمت کو ختم کردے لہٰذا جتنی حرمتیں ہوں گی اسی قدر کفارے ہوں گے امام مالکؒ واحمدؒ نے فرمایا ہے کہ سب کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہوجائے گا۔

(۱۳/۱۹۵۴)　وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيناً كُلُّ ذَالِكَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ.

حل لغات: متتابعین: باب تفاعل سے ہے مسلسل پے درپے بلا ناغہ ، المسیس: چھونا، مراد ہے صحبت کرنا۔

ترجمہ: اور ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے پھر اگر غلام نہ پاوے تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے پھر اگر یہ نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ سب وطی سے پہلے ہو۔

کفارۂ ظہار کا بیان

تشریح: امام قدوریؒ نے کفارۂ ظہار کی ترتیب بیان فرمائی ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پے درپے ساٹھ روزے رکھے، اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے اس ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے، پھر فرماتے ہیں کہ ظہار کا کفارہ خواہ غلام آزاد کرنے کی صورت میں ہو یا روزوں کی صورت میں یا کھانا کھلانے کی صورت میں ہو ہر ایک کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

(۱۴/۱۹۵۵)　وَيُجْزِئُ فِيْ ذَالِكَ عِتْقُ الرَّقَبَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالْكَافِرَةِ والذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالكَبِيْرِ.

ترجمہ: اور کافی ہے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا مسلم ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا۔

تشریح: امام قدوریؒ نے فرمایا کہ کفارۂ ظہار میں مطلقاً غلام کو آزاد کرنا کافی ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مذکر ہو یا مؤنث بالغ ہو یا نابالغ یہ احناف کا مذہب ہے، کیوں کہ آیت میں 'تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ' ہے جو عام ہے البتہ مومن غلام کا آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کافر غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ کفارہ قتل میں مومن غلام کا آزاد کرنا شرط ہے اس لیے کفارۂ ظہار میں بھی مومن کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۵/۱۹۵۶) وَلَا يُجْزِئُ الْعَمْيَاءُ وَلَا مَقْطُوْعَةُ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ.

لغت: العمياء: عمی کی جمع ہے اندھا۔

ترجمہ: اور نہیں کافی ہوگا اندھا اور نہ دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹا ہوا۔

تشریح: کفارۂ ظہار میں نابینا غلام یا باندی کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا آزاد کرنا درست ہے جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں یا دونوں پاؤں کٹے ہوں، کیوں کہ ان اعضاء کے معذور ہونے سے غلام کی منفعت ختم ہوگئی اور مکمل غلام باقی نہ رہا اور آیت میں تحریر رقبہ سے مکمل غلام مراد ہے اس لیے کامل غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔

(۱۶/۱۹۵۷) وَيَجُوْزُ الْاَصَمُّ وَمَقْطُوْعُ اِحْدَى الْيَدَيْنِ وَاِحْدَى الرِّجْلَيْنِ مِنْ خِلَافٍ.

حل لغات: الاصم: بہرا

ترجمہ: اور جائز ہے بہرے غلام کو آزاد کرنا اور دونوں ہاتھوں میں سے ایک کے کٹے ہوئے کا دونوں پیروں میں سے ایک کے کٹے ہوئے کا خلاف سے۔

تشریح: غلام بہرا ہو تو کفارے میں آزاد کرنا اس وقت درست ہے جب کہ چلا کر اس سے گفتگو کی جائے تو وہ سن لے، اور اگر ایسی حالت میں ہے کہ وہ بالکل نہیں سن سکتا پیدائشی بہرہ ہے اور گونگا بھی ہے تو ایسے غلام کا آزاد کرنا ناکافی ہوگا۔

آگے فرماتے ہیں کہ غلام کے ایک ہاتھ اور ایک پیر خلاف جانب سے کٹے ہوئے ہوں مثلاً دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کٹا ہوا ہو یا اس کا الٹا ہو تو ایسے غلام کو آزاد کرنا بھی جائز ہے۔

(۱۷/۱۹۵۸) وَلَا يَجُوْزُ مَقْطُوْعُ اِبْهَامَيِ الْيَدَيْنِ.

لغت: ابهامي: ابہام کا تثنیہ ہے انگوٹھا اضافت کی وجہ سے تثنیہ کا نون گر گیا۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں۔

تشریح: اگر کسی غلام یا باندی کے دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں تو کفارۂ ظہار میں اس کا آزاد کرنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹ جانے کی وجہ سے ان کی پکڑ کی قوت زائل ہو جائے گی اب وہ کوئی کام نہیں کر سکتے اس لیے اب وہ غلام انتہائی عیب دار ہوگیا، اس لیے ایسے غلام باندی کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر پیر کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں تو جائز ہے۔

(۱۸/۱۹۵۹) وَلَا يَجُوْزُ الْمَجْنُوْنُ الَّذِىْ لَا يَعْقِلُ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے وہ مجنون جس کو بالکل سمجھ نہ ہو۔

تشریح: جس آدمی کو بالکل سمجھ نہ ہو اس کا ہاتھ پاؤں کام نہیں کرتا ہے گویا کہ اس کی جنس منفعت ختم ہوگئی اس لیے مجنون بھی کافی نہیں ہے، اور اگر مجنون بات سمجھتا ہو اور کبھی کبھی جنون ہوتا ہو تو کچھ نہ کچھ منفعت باقی ہے اس لیے کفارہ کافی ہو جائے گا۔

(۱۹۶۰/۱۹) وَلَا یَجُوْزُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَاُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُکَاتَبِ الَّذِیْ اَدّٰی بَعْضَ الْمَالِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے آزاد کرنا مدبر ام ولد اور اس مکاتب کو جس نے ادا کر دیا ہو کچھ مال۔

تشریح: کفارے میں مدبر، غلام، ام ولد، باندی یا وہ مکاتب جس نے کچھ مال ادا کر دیا ہو آزاد کرنا کافی نہیں ہے، کیوں کہ ان غلاموں میں آزادی کا شائبہ آ گیا ہے اس لیے مکمل غلام نہیں رہے۔

(۱۹۶۱/۲۰) فَاِنْ اَعْتَقَ مُکَاتَباً لَمْ یُؤَدِّ شَیْئاً جَازَ.

ترجمہ: اگر آزاد کرے ایسے مکاتب کو جس نے نہیں ادا کیا کچھ تو جائز ہے۔

تشریح: اگر ظہار کرنے والے نے کفارۂ ظہار میں ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے ابھی تک بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا ہے تو ایسے مکاتب کا آزاد کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے کیوں کہ اس میں آزادی کا شائبہ نہیں ہے اس لیے وہ مکمل غلام ہے۔

(۱۹۶۲/۲۱) فَاِنْ اشْتَرٰی اَبَاهُ اَوِ ابْنَهٗ وَیَنْوِیْ بِالشِّرَاءِ الْکَفَّارَةَ جَازَ عَنْهَا.

ترجمہ: اگر خریدے اپنا باپ یا بیٹا درانحالیکہ نیت کرتا ہے خریدنے سے کفارہ کی تو جائز ہوگا کفارہ کی طرف سے۔

تشریح: اگر کسی شخص پر کفارۂ ظہار واجب ہو اور اس نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے یا ذی رحم محرم کو خریدا اور خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو یہ لوگ خریدتے ہی آزاد ہو جائیں گے لیکن کفارہ بھی ادا ہو جائے گا کیوں کہ یہاں آزاد ہونے کے دو سبب ہیں ایک ذی رحم محرم ہونے کی وجہ سے آزاد ہونا اور دوسرے کفارہ کی وجہ سے آزاد ہونا چوں کہ خریدنے والے کی نیت کفارے کی جانب سے آزاد کرنا ہے اس لیے اس کی رعایت ہوگی اور کفارہ ادا ہو جائے گا۔

(۱۹۶۳/۲۲) وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَکٍ عَنِ الْکَفَّارَةِ وَضَمِنَ قِیْمَةَ بَاقِیْهِ فَاَعْتَقَهٗ لَمْ یَجُزْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یُجْزِیْهِ اِنْ کَانَ الْمُعْتِقُ مُوْسِراً وَاِنْ کَانَ مُعْسِراً لَمْ یَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کر دے مشترک غلام کے آدھے کو کفارہ کی جانب سے اور ضامن ہو جائے باقی کی قیمت کا پھر اس کو آزاد کر دے تو کافی نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا کافی ہوگا اگر آزاد کرنے والا

مالدار ہے اور اگر تنگدست ہے تو کافی نہیں ہوگا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص پر کفارۂ ظہار واجب ہے اس نے ایسے غلام کا نصف آزاد کیا جو اس کے اور اس کے علاوہ دوسرے کے درمیان مشترک ہے درانحالیکہ یہ آزاد کرنے والا مالدار ہے اور یہ اپنے شریک کے لئے باقی غلام کی قیمت کا ضامن ہوگیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس سے کفارۂ ظہار ادا نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ادا ہوجائے گا اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو بالاتفاق کفارہ ادا نہیں ہوگا (دلائل ہدایہ میں)

(۲۳/۱۹۶۴) وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهٗ عَنْهَا جَازَ.

ترجمہ: اگر آزاد کردے اپنے غلام کا آدھا اپنے کفارہ کی طرف سے پھر باقی بھی اسی کی طرف سے آزاد کردے تو جائز ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا آدھا غلام اپنے کفارہ میں آزاد کیا پھر باقی غلام کو بھی آزاد کردیا تو یہ جائز ہے یعنی کفارہ ادا ہوجائے گا، کیوں کہ آدھے غلام کو آزاد کرنے سے جو نقص ہوا وہ اپنی ملکیت میں ہوا اس لئے مکمل غلام آزاد کرنا سمجھا جائے گا اور یہ ایسا ہوگیا کہ ایک کفارہ دو جملوں میں ادا کیا اس لیے کافی ہوگا۔

(۲۴/۱۹۶۵) وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهٗ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کردے اپنا آدھا غلام اپنے کفارہ کی طرف سے پھر صحبت کرے اس عورت سے جس کے ساتھ ظہار کیا تھا پھر آزاد کردے باقی غلام کو تو جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: ایک شخص نے اپنے کفارہ میں آدھا غلام آزاد کیا پھر اس عورت سے وطی کرلی جس کے ساتھ ظہار کیا تھا پھر باقی غلام کو آزاد کردیا تو یہ آزاد کرنا امام صاحب کے نزدیک کافی نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک کافی ہوجائے گا امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت 'فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا' کے اعتبار سے صحبت سے پہلے پورا غلام کفارہ میں ادا کرنا چاہئے امام صاحب کے نزدیک غلام آزاد کرنے میں تجزی (ٹکڑے) ہوسکتی ہے لہٰذا امام صاحب کے نزدیک آزاد کرنا کل کو آزاد کرنا نہیں ہوگا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ چوں کہ اعتاق میں تجزی نہیں ہوتی اس لیے آدھے غلام کو آزاد کرنا پورے کو آزاد کرنا ہے تو صاحبین کے نزدیک پورے غلام کی آزادی جماع سے پہلے پائی گئی اس لیے جائز ہوگا۔

(۲۵/۱۹۶۶) فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا يُعْتِقُهٗ فَكَفَّارَتُهٗ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيْهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَلَا يَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمُ النَّحْرِ وَلَا اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ.

ترجمہ: اور اگر نہ پائے ظہار کرنے والا غلام جس کو آزاد کرے تو اس کا کفارہ دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ہے جن میں نہ رمضان کا مہینہ ہو نہ عید الفطر نہ عید الاضحیٰ اور نہ ہی ایام تشریق۔

تشریح: اگر ظہار کرنے والا غلام آزاد نہ کر سکے یا تو اس لیے کہ غلام ہی دستیاب نہ ہو یا غلام تو دستیاب ہے مگر اس کو خریدنے کے لئے قیمت نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کا کفارہ مسلسل دو ماہ کے روزے ہیں بشرطیکہ ان دو ماہ کے دوران رمضان کا مہینہ نہ ہو اور عید کا دن اور بقرعید کا دن اور اس کے بعد تین دن تشریق کے نہ ہوں دو ماہ کے روزے اگر چاند کے حساب سے رکھتے ہیں تو بہر صورت جائز ہے خواہ مہینہ ۳۰ دن کا ہو یا ۲۹ دن کا، اور اگر درمیان ماہ سے روزہ رکھنا شروع کیا ہے تو ساٹھ روزے پورے کرے اگر انسٹھ روزے رکھنے کے بعد افطار کر دیا تو اس شخص پر از سر نو ساٹھ روزے رکھنے ضروری ہوں گے۔

(۱۹۶۷/۲۶) فَإِنْ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلاً عَامِداً اَوْ نَهَاراً نَاسِياً اِسْتَأْنَفَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ.

ترجمہ: پھر اگر صحبت کر لے اس عورت سے جس سے ظہار کیا تھا دو ماہ کے اندر (خواہ) رات میں جان بوجھ کر یا دن میں بھول کر تو از سر نو رکھے طرفین کے نزدیک۔

مظاہر وطی کر لے تو کیا حکم ہے؟

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ روزوں کے ذریعہ کفارۂ ظہار ادا کرنے والے نے اگر ان دو ماہ کے اندر اس عورت کے ساتھ وطی کی جس سے ظہار کیا تھا خواہ یہ وطی رات میں جان کر ہو یا دن میں بھول کر تو طرفین کے نزدیک از سر نو روزے رکھے اسی کے قائل امام مالک و احمد ہیں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ از سر نو روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں، امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ رات میں جان کر اور دن میں بھول کر صحبت کرنا مفسد صوم نہیں لہٰذا یہ جماع روزوں کے مسلسل ہونے سے مانع نہیں ہے ظہار کے کفارہ میں روزوں کا پے در پے ہونا ہی شرط تھا سو وہ پایا گیا اس لیے دوبارہ شروع سے رکھنے کی ضرورت نہیں مابقیہ کو رکھ لے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح روزوں کا صحبت سے پہلے ہونا نصاً ضروری ہے اسی طرح ان کا وطی سے خالی ہونا بھی شرط ہے اس لیے دوبارہ روزے رکھے۔

تنبیہ: 'لیل' کے ساتھ عمد کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی کیوں کہ معتمد و معتبر کتابوں میں صراحت ہے کہ رات کو صحبت کرنے میں عمد و نسیان برابر ہیں۔

(۱۹۶۸/۲۷) وَاِنْ اَفْطَرَ يَوْماً مِنْهَا بِعُذْرٍ اَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ اِسْتَأْنَفَ.

ترجمہ: اور اگر افطار کرے ان ایام میں سے ایک دن عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تو شروع سے روزے

رکھے۔

تشریح: اگر مظاہر نے ان دو ماہ میں سے ایک دن روزہ چھوڑ دیا عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تو یہ شخص پھر از سر نو روزے رکھے گا، کیوں کہ آیت میں ہے کہ مسلسل دو ماہ روزے رکھے اور مسلسل رکھنا فوت ہو گیا ہے حالانکہ یہ شخص پے در پے روزے رکھنے پر قادر ہے۔

(۱۹۶۹/۲۸) وَاِنْ ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ يُجْزِهٖ فِي الْكَفَّارَةِ اِلَّا الصَّوْمُ.

ترجمہ: اور اگر ظہار کرے غلام تو نہیں جائز ہے کفارہ میں مگر روزہ۔

تشریح: غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو اس کا کفارہ صرف روزوں کے ذریعہ سے ادا ہوگا، کیوں کہ غلام کی ملک میں کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اس لیے وہ مال سے کفارہ ادا کرنے کا اہل نہیں ہوگا۔

(۱۹۷۰/۲۹) فَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰى عَنْهُ اَوْ اَطْعَمَ لَمْ يُجْزِئْهُ.

ترجمہ: پھر اگر آزاد کر دے آقا غلام کی جانب سے یا کھانا کھلا دے تو بھی اس کو کافی نہیں ہے۔

تشریح: مظاہر غلام کی جانب سے آقا نے کفارہ میں غلام آزاد کر دیا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو بھی کافی نہیں ہوگا، کیوں کہ غلام مالک ہونے کا اہل نہیں ہے لہٰذا آقا کے مالک کرنے سے مالک نہیں ہوگا۔

(۱۹۷۱/۳۰) فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ اَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْناً.

ترجمہ: اگر ظہار کرنے والے کو روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو کھلائے ساٹھ مسکینوں کو۔

تشریح: اگر ظہار کرنے والا روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے دے، کیوں کہ آیت میں ہے کہ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو مثلاً بوڑھا ہو یا مجبوری ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اللہ کا فرمان ہے: فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْناً.

(۱۹۷۲/۳۱) وَيُطْعِمُ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعاً مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ قِيْمَةَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور کھلائے ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو یا اس کی قیمت۔

کفارہ میں کتنا غلہ دے؟

تشریح: اس عبارت میں کھانا دینے کی صورت بیان کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر مسکین کو آدھا صاع گندم یا اس کا آٹا یا ستو یا ایک صاع کھجور یا جو دے دے اور یا اس کی قیمت دے دے لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ قیمت میں انہی چیزوں کو دیا جا سکتا ہے جو منصوص نہیں ہیں، مثلاً ایک کلو چاول آدھا صاع گیہوں کی قیمت کے برابر ہے تو آدھا صاع

گندم کی قیمت میں ایک کلو چاول دیا جا سکتا ہے اور وہ چیزیں جن پر نص وارد ہوئی ہے ان کا قیمت میں ادا کرنا جائز نہیں جب کہ وہ مقدار شرع سے کم ہو اگر چہ قیمت میں دوسری چیز سے زیادہ یا اس کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، مثلاً کسی نے عمدہ قسم کی نصف صاع کھجور دیں اور یہ کھجور نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر ہیں یا زائد تو جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نص ایک صاع کھجور پر وارد ہوئی ہے۔

(۳۲/۱۹۷۳) فَإِنْ غَدَّاهُمْ وَ عَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيْلاً كَانَ مَا اَكَلُوْا اَوْ كَثِيْراً.

حل لغات: غداً: تَغدِيَةٌ صبح کا کھانا کھلانا، عشاء: تَعْشِيَةٌ شام کا کھانا کھلانا۔

ترجمہ: اگر کھلا دے مسکینوں کو صبح اور شام تو جائز ہو گیا خواہ انہوں نے کم کھایا ہو یا زیادہ کھایا ہو۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ظہار کرنے والے نے اگر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلا دیا تو کفارۂ ظہار ادا ہو جائے گا خواہ انہوں نے کم کھایا ہو یا زیادہ کیوں کہ قرآن میں لفظ 'اطعام' آیا ہے اور اطعام کے حقیقی معنی ہیں کھانا لینے پر قابو دینا اور یہ بات کھانے کو مباح کرنے میں اسی طرح حاصل ہو جاتی ہے جس طرح مالک کر دینے میں۔

(۳۳/۱۹۷۴) وَاِنْ اَطْعَمَ مِسْكِيْناً وَاحِداً سِتِّيْنَ يَوْماً اَجْزَاهُ وَاِنْ اَعْطَاهُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ لَمْ يَجْزِهِ اِلاَّ عَنْ يَوْمِهِ.

ترجمہ: اور اگر کھلاتا رہا ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تو یہ بھی کافی ہے اور اگر دے دے اس کو ایک ہی دن میں ساٹھ مسکینوں کا کھانا تو کافی نہ ہوگا مگر ایک دن سے۔

تشریح: ساٹھ مسکینوں کو کھلانا چاہئے لیکن ایک ہی مسکین کو ساٹھ دنوں تک کھلاتا رہا تب بھی کافی ہو جائے گا کیوں کہ کفارہ سے مقصود فقیر کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور ضرورت ہر دن نئی پیدا ہوتی ہے پس دوسرے دن اسی مسکین کو دینا ایسا ہو گیا جیسا کہ دوسرے مسکین کو دیا ہو لہٰذا ساٹھ دن تک ایک مسکین کو دینا ساٹھ مسکینوں کو دینے کے مانند ہوگا اس وجہ سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی آدمی کو ایک ہی دن میں ساٹھ مسکینوں کا کھانا دے دیا تو ایک آدمی کا کفارہ ادا ہوگا ابھی انسٹھ کا باقی رہے گا، کیوں کہ آیت کے اعتبار سے ساٹھ کی تعداد پورا کرنا ضروری تھا تو عدد کے اعتبار سے ایک ہی مسکین ہوا۔

(۳۵/۱۹۷۵) وَاِنْ قَرُبَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلاَلِ الْاِطْعَامِ لَمْ يَسْتَأْنِفْ.

ترجمہ: اور اگر قریب (وطی کر لے) ہو جائے اس بیوی سے جس سے ظہار کیا تھا کھانا دینے کے درمیان تو از سر نو کرے۔

تشریح: کفارۂ ظہار ادا کرنے والے نے تیس مسکینوں کو کھانا دے دیا اس درمیان ظہار والی بیوی سے صحبت کرلی تو ایسا کرنا اچھا تو نہیں تھا لیکن پھر بھی شروع سے کھانا دینے کی ضرورت نہیں بقیہ تیس مسکینوں کو کھانا دینے سے کفارہ ادا ہو جائے گا، کیونکہ آیت میں غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے اندر یہ شرط بیان کی گئی ہے کہ صحبت سے پہلے ہو لیکن کھانا کھلانے میں مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا کی قید نہیں ہے۔

(۳۶/۱۹۷۶) وَمَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَاَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَا يَنْوِي لِاَحَدِهِمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا وَكَذَالِكَ اِنْ صَامَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اَوْ اَطْعَمَ مِائَةً وَّعِشْرِيْنَ مِسْكِيناً جَازَ.

ترجمہ: اور جس پر واجب ہو گئے ظہار کے دو کفارے اور اس نے دو غلام آزاد کر دیئے اور کسی ایک کی متعین طور پر نیت نہیں کی تو یہ دونوں کی طرف سے کافی ہو جائیں گے اسی طرح اگر اس نے چار ماہ روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو جائز ہے۔

تشریح: کسی پر دو کفارے ظہار کے تھے اس لیے دو غلام آزاد کرنے تھے اور بہتر یہ تھا کہ ایک غلام آزاد کرتے وقت متعین طور پر ایک کفارۂ ظہار کی نیت کرتا اور دوسرے غلام کو آزاد کرتے وقت دوسرے کفارہ کی نیت کرتا تا کہ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہتا لیکن اس نے دو ظہاروں کی جانب سے دو غلام آزاد کئے اور کسی ایک ظہار کو متعین نہیں کیا ایسے ہی ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا اور کسی ایک ظہار کو متعین نہیں کیا تب بھی دونوں کفاروں کے لئے کافی ہے۔

(۳۷/۱۹۷۷) وَاِنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً وَاحِدَةً عَنْهُمَا اَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ اَنْ يَجْعَلَ ذَالِكَ عَنْ اَيَّتِهِمَا شَاءَ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کرے ایک غلام دو کفاروں کی جانب سے یا دو ماہ کے روزے رکھے تو اسے اختیار ہے کہ جس کی طرف سے چاہے قرار دے لے۔

تشریح: ایک شخص پر ظہار کے دو کفارے واجب تھے اس نے دونوں کی جانب سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ آزاد کئے ہوئے غلام کو کسی ایک کفارہ کے لئے متعین کر دے یا روزوں کو کسی ایک کفارہ کے لئے متعین کر دے جب ایک ظہار کے لیے متعین کر دے گا تو اس ظہار کا کفارہ ادا ہو جائے گا چوں کہ دونوں کفارے ظہار کے ہی ہیں، اور ایک جنس کے ہیں اس لیے آزاد کرنے سے پہلے ایک ظہار کا تعین ضروری نہیں ہے۔

كتابُ اللِّعَانِ

(یہ کتاب احکام لعان کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جب کہ ظہار میں ایک نامعقول اور جھوٹ بات ہے کیوں کہ منکوحہ کو محرم ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینا ہے اور لعان میں پاک دامن عورت کو زنا کی طرف منسوب کرنا ہے اور یہ نامعقول بات کا اقویٰ درجہ ہے اس لیے کتاب الظہار کے بعد کتاب اللعان کو بیان کیا ہے، اور ظہار کو لعان پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ ظہار اباحت کے زیادہ قریب ہے لعان کے مقابلہ میں (رقم الحاشیہ ۹)

لعان کی لغوی تحقیق: لعان، کسرہ کے ساتھ لَاعَنَ يُلَاعِنُ ماخوذ ہے اللعن سے باب مفاعلت لغت میں دھتکارنے اور دور کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: لعان ان چار شہادتوں کا نام ہے جو قسموں کے ساتھ مؤکد ہوں۔

ضروری نوٹ: عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو وہ تہمت لگانے والا گواہوں کے ذریعہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو پھر اس پر حد قذف جاری ہوتی ہے، لیکن زوجین کا حکم یہ نہیں ہے مرد اگر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر حد قذف کے بجائے شوہر پر لعان واجب ہے اور اگر وہ لعان کے لئے تیار نہ ہو تو اس کو قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ لعان کرے یا پھر اپنے نفس کی تکذیب کرے اور تکذیب نفس کی صورت میں عورت کے مطالبہ پر اس پر حد قذف جاری ہوگی تو یہاں حد قذف تکذیب کی صورت میں ہے کہ شوہر خود اپنی تکذیب کر دے بہر حال لعان مرد کے حق میں گویا حد قذف کے قائم مقام ہے اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے (کما فی الہدایہ)

(۱/۱۹۷۸) إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ بِالزِّنَا وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْأَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا أَوْ نَفَى نَسَبَ وَلَدِهَا وَطَالَبَتْهُ الْمَرْأَةُ بِمُوْجَبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ.

ترجمہ: جب تہمت لگائے مرد اپنی بیوی کو زنا کی حالانکہ وہ دونوں شہادت کے لائق ہیں اور عورت بھی ایسی ہے کہ اس کے تہمت لگانے والے کو حد لگائی جاتی ہے یا نفی کر دی اس کے بچہ کے نسب کی اور عورت مطالبہ کرے موجب قذف کا تو اس پر لعان ہوگا۔

شوہر پر لعان واجب ہونے کے لئے کتنی شرطیں ہیں؟

تشریح: اگر چار شرطیں پائی جائیں تو شوہر پر لعان واجب ہے (۱) شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور کہے تو

زانیہ ہے یا میں نے تجھے زنا کراتے ہوئے دیکھا یا کہا اے زانیہ یا بیوی کے بچہ پیدا ہوا اور شوہر کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زنا کر کے لائی ہے (۲) شوہر میں وہ شرطیں موجود ہوں جو گواہی دینے والے میں ہوتی ہیں مثلاً مرد عاقل بالغ آزاد ہو اور اس پر کبھی تہمت کی حد نہ لگی ہو (۳) عورت ان میں سے ہو کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد قذف ماری جاتی ہے مثلاً وہ عاقلہ بالغہ اور آزاد ہو اور اس پر کبھی حد قذف نہ لگی ہو یا اس کے پاس بچہ مجہول النسب نہ ہو تب اس پر تہمت لگانے سے لعان ہوگا (۴) بیوی قاضی سے لعان کرانے کا مطالبہ کرے تب لعان ہوگا، کیوں کہ لعان عورت کا حق ہے اس لیے کہ لعان کی وجہ سے عورت سے زنا کی عار اور ندامت دور ہو جاتی ہے تو جب لعان عورت کا حق ہے تو اس کا طلب کرنا بھی ضروری ہوگا۔

(۲/۱۹۷۹) فَإِنِ امْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يُلَاعِنَ أَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ فَيُحَدُّ.

ترجمہ: اور اگر شوہر رک جائے لعان سے تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے تا کہ اس پر حد لگائی جائے۔

تشریح: شوہر نے تہمت لگائی پھر لعان کرنے کے لئے کہا شوہر نے لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم وقت اس کو قید کرے گا کہ یا تو لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے اگر اپنے آپ کو جھٹلایا تو بالاتفاق اس پر حد قذف جاری کی جائے گی (اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے)۔

(۳/۱۹۸۰) وَإِنْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ فَإِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتّٰى تُلَاعِنَ أَوْ تُصَدِّقَهُ.

ترجمہ: اور اگر وہ لعان کرے تو عورت پر بھی لعان ہوگا اگر وہ لعان سے باز رہے تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے۔

تشریح: اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا اگر عورت نے لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم اس کو قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کر دے، کیوں کہ لعان عورت پر بھی واجب ہے اور وہ اس کو پورا کرنے پر بھی قادر ہے اس وجہ سے اس حق میں اس کو قید کیا جائے گا۔

(۴/۱۹۸۱) وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْداً أَوْ كَافِراً أَوْ مَحْدُوْداً فِيْ قَذْفٍ فَقَذَفَ امْرَأَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ.

ترجمہ: اور اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا وہ کسی کو تہمت دینے میں سزا یافتہ ہو اور وہ اپنی بیوی کو تہمت لگائے تو اس پر حد جاری ہوگی۔

تشریح: اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا شوہر ایسا ہے کہ تہمت لگانے کی وجہ سے اس کو حد قذف ماری گئی ہے ان تینوں صورتوں میں اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگا دی تو اس پر لعان واجب نہیں ہوگا بلکہ حد قذف واجب ہوگی

لعان کا واجب کرنا تو اس لیے ممتنع ہوگیا کہ یہ شخص شہادت کا اہل نہیں رہا حالانکہ لعان کرنے والے کے لئے شہادت کا اہل ہونا ضروری ہے پس جب لعان کرنا ممتنع ہوگیا تو موجب اصلی یعنی حد قذف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(۱۹۸۲/۵)وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِيَ أَمَةٌ أَوْ كَافِرَةٌ أَوْ مَحْدُوْدَةٌ فِي قَذْفٍ أَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَّا يُحَدُّ قَاذِفُهَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ فِيْ قَذْفِهَا وَلَا لِعَانَ.

ترجمہ: اور اگر شوہر تو لائق شہادت ہو اور حال یہ ہے کہ بیوی باندی ہو یا کافرہ یا کسی کو تہمت لگانے میں حد ماری گئی ہو یا ایسی عورت ہو جس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی تو اس پر حد جاری نہ ہوگی تہمت لگانے میں اور نہ لعان ہوگا۔

تشریح: شوہر میں کوئی خاص خامی نہیں ہے بلکہ وہ شہادت کی لیاقت رکھتا ہو لیکن بیوی میں خامی ہے کہ وہ اہل شہادت میں سے نہیں ہے، مثلاً وہ کسی کی باندی ہے یا کافرہ ہے یا تہمت میں سزا یافتہ ہے یا ایسی عورت ہے جس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی مثلاً وہ بچی ہے یا مجنونہ ہے یا زانیہ ہے تو ان تمام صورتوں میں اس کے شوہر پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ لعان، کیوں کہ یہ عورت نہ قابل شہادت ہے اور نہ اس کی جانب میں احصان ہے تو اس عورت کے قابل شہادت نہ ہونے کی وجہ سے لعان واجب نہیں ہوگا اور اس کے محصنہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر پر حد قذف لازم نہیں ہوگی۔

(۱۹۸۷/۶)وَصِفَةُ اللِّعَانِ أَنْ يَبْتَدِئَ الْقَاضِيْ فَيَشْهَدَ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ إِنِّيْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا ثُمَّ يَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةِ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا يُشِيْرُ إِلَيْهَا فِيْ جَمِيْعِ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور لعان کا طریقہ یہ ہے کہ شروع کرے قاضی شوہر سے پس گواہی دے چار مرتبہ کہے ہر مرتبہ میں گواہ بناتا ہوں اللہ کو کہ بے شک میں سچا ہوں اس میں جو میں نے تہمت لگائی ہے اس کو زنا کی پھر کہے پانچویں مرتبہ اللہ کی لعنت ہو مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس کو زنا کی تہمت لگائی اشارہ کرے عورت کی طرف ان تمام میں۔

لعان کی کیفیت کا بیان

تشریح: صاحب قدوریؒ نے اس عبارت میں لعان کی کیفیت بیان کی ہے تفصیل یہ ہے، کہ جب عورت نے قاضی کی عدالت میں تہمت کا مقدمہ پیش کیا تو اولاً قاضی اس عورت کو درگذر کرنے کے لئے آمادہ کرے اس کے باوجود اگر یہ عورت مخاصمہ پر مصر ہی رہی اور شوہر نے تہمت کا انکار کردیا تو عورت پر دو عادل گواہ پیش کرنا لازم ہوگا تا کہ قاضی کے نزدیک اس کا دعویٰ ثابت ہو، اور اگر عورت نے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہی میں پیش کیا تو ان کی گواہی قابل قبول نہ

ہوگی اور اگر عورت نے دو عادل گواہ پیش کر دیئے پھر اس کے شوہر نے ایک مرد اور دو عورتوں کو اس تصدیق کرنے پر گواہ بنایا تو لعان ساقط ہو جائے گا اور اگر شوہر نے زنا کی تہمت لگانے کا اقرار کیا تو اس سے ثبوت زنا پر چار گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر اس کے پاس گواہ نہیں ہے تو لعان واجب ہوگا اور لعان کی صورت یہ ہے کہ قاضی میاں بیوی دونوں کو حاضر کر کے لعان کی ابتداء شوہر سے کرے وہ چار گواہی دے اور ہر بار یہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ جو میں نے اس عورت کو زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں، میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اس نے (میں نے) جو اس عورت کو عیب لگایا اس میں اگر وہ (میں) جھوٹا ہوں تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ان باتوں کو کہتے وقت عورت کی طرف اشارہ کرتا رہے۔

(۱۹۸۸/۷) ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْأَةُ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ تَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَتَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةِ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا.

حل لغات: رمانی: رمیٌ تیر پھینکنا، مراد ہے زنا کی تہمت لگانا۔

ترجمہ: پھر عورت چار گواہی دے ہر مرتبہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ یہ جھوٹا ہے اس میں جس کی تہمت لگائی ہے اس نے مجھ کو اور کہے پانچویں بار کہ اللہ کا غضب ہو اس پر (مجھ پر) اگر یہ سچا ہو اس میں جس کی تہمت لگائی ہے اس نے مجھ کو یعنی زنا کی۔

تشریح: مرد کی گواہی کے بعد پھر اسی طرح چار بار عورت گواہی دے اور ہر بار کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھے زنا کاری کا عیب لگایا اس میں یہ جھوٹا ہے پانچویں بار کہے کہ اس نے جو عیب زنا کاری کا مجھ کو لگایا اگر یہ مرد اس قول میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہے۔

(۱۹۸۹/۸) وَاِذَا الْتَعَنَا فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور جب یہ دونوں لعان کر چکیں تو قاضی ان میں تفریق کر دے۔

تشریح: لعان کا معاملہ ایلاء کے برعکس ہے کہ ایلاء میں احناف کے نزدیک نفس مدت کے گذرنے سے طلاق ہو جاتی ہے اور تفریق قاضی کی ضرورت نہیں ہوتی، جب کہ لعان میں احناف کے نزدیک نفس لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد شوہر کا طلاق دینا یا قاضی کا تفریق کرنا ضروری ہے، جب کہ ائمہ ثلاثہؒ ایلاء میں تو تفریق قاضی کے قائل تھے لیکن لعان میں فرقت کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں سمجھتے اور فرقت کے لئے محض لعان کو کافی قرار دیتے ہیں بلکہ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ محض مرد کے لعان سے فرقت واقع ہو جاتی ہے اگر چہ ابھی تک عورت نے لعان نہ کیا ہو۔

(۱۹۹۰/۹) وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِيقَةً بَائِنَةً عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَكُوْنُ تَحْرِيماً مُؤَبَّداً.

ترجمہ: اور یہ جدائی طلاق بائن ہوگی طرفینؒ کے نزدیک اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ دائمی حرمت ہوگی۔

لعان سے ثابت شدہ حرمت کی کیا حیثیت ہے؟

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدروریؒ نے لعان سے ثابت شدہ حرمت کی حیثیت کو بیان کیا ہے چناں چہ فرمایا کہ حضرات طرفین فرماتے ہیں کہ فرقت لعان طلاق بائن کے درجہ میں ہے البتہ جب تک لعان برقرار ہو اس وقت تک دوبارہ نکاح بھی درست نہیں، لیکن اگر شوہر نے زنا کا الزام لگانے میں اپنے آپ کو جھٹلا دیا اور اس پر حد قذف جاری ہوگئی یا عورت نے شوہر کے الزام کو درست قرار دے کر اپنی تکذیب کردی تو اب ان کے لئے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگیا یہ صورت بدائع الصنائع سے ماخوذ ہے جب کہ فتح القدیر ۴/۱۲۰ باب اللعان میں اس کی مختلف صورتیں آئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر نے لعان اور تفریق کے بعد اپنے آپ کو جھٹلایا تو اس کے لئے دوبارہ اس عورت سے نکاح جائز ہے حد قذف لگی ہو یا نہ لگی ہو، اور اگر شوہر نے اپنی تکذیب لعان کے بعد تفریق سے پہلے کی تو عورت اس کے لئے بغیر تجدید نکاح کے حلال ہے۔

امام ابو یوسف امام زفر اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ لعان بغیر طلاق کے فرقت ہے اور اس فرقت سے ثابت ہونے والی حرمت دائمی اور ابدی ہے جیسے حرمتِ رضاعت اور حرمتِ مصاہرت۔

(۱۹۹۱/۱۰) وَاِنْ كَانَ الْقَذْفُ بِوَلَدٍ نَفَى الْقَاضِيْ نَسَبَهُ وَاَلْحَقَهُ بِاُمِّهِ.

ترجمہ: اور اگر تہمت بچہ کی نفی کرنے کے ذریعہ ہو تو قاضی اس کے نسب کی نفی کرے اور اس کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کرے گا۔

تشریح: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب اس طرح لگایا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے تو لعان کے بعد قاضی بچہ کا نسب باپ سے ساقط کر کے ماں کے ساتھ ملا دے گا اور اب بچہ ماں کے ساتھ پکارا جائے گا باپ کے نام کے ساتھ نہیں، کیوں کہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے بعد بچہ کو ماں کے ساتھ ملحق کردیا۔ (بخاری شریف ۲/۸۰۱ یلحق الولد بالملاعنة)

(۱۹۹۲/۱۱) فَاِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَكَذَّبَ نَفْسَهُ حَدَّهُ الْقَاضِيْ وَحَلَّ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَكَذَالِكَ اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ بِهِ اَوْ زَنَتْ فَحُدَّتْ.

ترجمہ: پھر اگر شوہر لوٹ کر اپنے آپ کی تکذیب کرے تو قاضی اس کو حد لگائے اور اسکے لئے حلال ہے کہ

اس عورت سے شادی کرنے اسی طرح اگر دوسرے کو تہمت لگادے جس کی وجہ سے اس کو حد ماری گئی (تو بھی اس کے لیے جائز ہے کہ اس عورت سے نکاح کرے) یا عورت نے زنا کروایا اور اس کو حد لگ گئی۔

تشریح: شوہر نے بیوی کو زنا کی تہمت لگائی جس کی وجہ سے لعان کیا اور دونوں کے درمیان جدائی ہوگئی بعد میں شوہر نے اپنے آپ کو جھٹلایا تو قاضی اس کو حد قذف اسی کوڑے لگائے اب اس کے لئے حلال ہے کہ اس بیوی سے شادی کرے اسی طرح اگر اس شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو زنا کی تہمت لگائی اور چار گواہوں سے ثابت نہ کرسکا جس کی وجہ سے اس کو حد قذف ماری گئی تو حد لگنے کے بعد اس کے لئے جائز ہے کہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرلے اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ میاں بیوی نے نکاح کے بعد اور دخول سے قبل لعان کیا پھر لعان کے بعد اس عورت نے زنا کیا اور زنا کی وجہ سے اس کو حد زنا ماری گئی، تو اس شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرے۔

(۱۲/۱۹۹۳)وَإِنْ قَذَفَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ أَوْ مَجْنُوْنَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا وَلَا حَدَّ.

ترجمہ: اور اگر تہمت لگائے اپنی بیوی کو حالانکہ وہ بچی ہے یا دیوانی ہے تو ان دونوں کے درمیان لعان نہیں ہے اور نہ حد ہے۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کا عیب لگایا اور یہ عورت ابھی نابالغہ بچی ہے یا دیوانی ہے تو اس تہمت کی وجہ سے نہ تو لعان ہوگا اور نہ شوہر کو حد لگے گی البتہ تعزیر ہوگی، کیوں کہ صغیرہ اور مجنونہ اہل شہادت میں سے نہیں ہیں اس لیے تہمت لگانے سے لعان نہیں ہوگا اور حد بھی نہیں لگے گی۔

(۱۳/۱۹۹۴) وَقَذْفُ الْأَخْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللِّعَانُ.

ترجمہ: اور گونگے کا تہمت لگانا اس کے ساتھ بھی لعان متعلق نہ ہوگا۔

تشریح: اگر گونگے نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب لگایا تو اس سے بھی لعان متعلق نہیں ہوگا، کیوں کہ لعان اصل حد کے درجہ میں ہے اور گونگے کے اقرار سے حد لازم نہیں ہوتی اس لیے اس کی تہمت لگانے سے لعان بھی نہیں ہوگا، کیوں کہ حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

(۱۴/۱۹۹۵)وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّيْ فَلَا لِعَانَ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا نہیں ہے تیرا حمل مجھ سے تو لعان نہ ہوگا۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو اس سے نہ لعان واجب ہوگا اور نہ حد کیوں کہ جس وقت حمل کی نفی کی گئی اس وقت حمل کا ہونا یقینی نہیں ہے، کیوں کہ ممکن ہے کہ بیماری کی وجہ سے پیٹ پھولا ہوا ہو، اس وجہ سے شوہر تہمت لگانے والا شمار نہیں ہوگا۔

(۱۹۹۶/۱۵)وَإِنْ قَالَ زَنَيْتِ وَهٰذَا الْحَمْلُ مِنَ الزِّنَا تَلَاعَنَا وَلَمْ يَنْفِ الْقَاضِيُ الْحَمْلَ مِنْهُ.

ترجمہ: اور اگر کہا تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا ہی سے ہے تو دونوں لعان کریں گے، اور قاضی حمل کی نفی نہ کرے اس سے۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے تو اس صورت میں میاں بیوی دونوں لعان کریں گے، کیوں کہ صراحتاً لفظ 'زنا' مذکور ہونے کی وجہ سے زنا کا عیب لگانا پایا گیا البتہ قاضی اس حمل کے نسب کی نفی نہیں کرے گا۔

(۱۹۹۷/۱۶) وَإِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَأَتِهِ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ أَوْ فِي الْحَالِ الَّتِيْ تُقْبَلُ التَّهْنِيَةُ فِيْهَا وَتُبْتَاعُ آلَةُ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَلَاعَنَ بِهٖ وَإِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذَالِكَ لَاعَنَ وَيَثْبُتُ النَّسَبُ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهِ تَعَالٰى يَصِحُّ نَفْيُهُ فِيْ مُدَّةِ النِّفَاسِ.

ترجمہ: اور جب نفی کر دے شوہر اپنی بیوی کے بچہ کی پیدائش کے بعد ہی یا اس حالت میں جس میں مبارکبادی قبول کی جاتی ہے اور پیدائش کی چیزیں خریدی جاتی ہیں تو اس کی نفی صحیح ہوگی اور لعان کرے گا اور اگر نفی کرے اس کے بعد تو لعان کرے گا اور نسب ثابت ہوگا، اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کا نفی کرنا مدت نفاس میں صحیح ہے۔

تشریح: اس عبارت میں بچہ کی نفی کی چند صورتیں بیان کی گئی ہیں (۱) پیدا ہوتے ہی اپنی بیوی کے بچہ کی نفی کردی (۲) اس حالت میں نفی کی جب بچہ پیدا ہونے پر لوگ مبارک بادی دے رہے تھے (۳) اس حالت میں نفی کی جب کہ ولادت کا سامان خریدا جاتا ہے ان تینوں صورتوں میں نفی کرنا صحیح ہے اور اس نفی کرنے کی وجہ سے شوہر لعان کرے گا اور بچہ کا نسب باپ سے منقطع کر دیا جائے گا، اور اگر بچہ کی نفی ان اوقات کے بعد کی تو لعان کرے گا اور بچہ کا نسب باپ سے ہی ثابت کیا جائے گا یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ مدت نفاس کے ختم ہونے تک ولادت کا اثر ہے اس لیے اس زمانہ سے پہلے پہلے بچہ کا انکار کرے تو لعان بھی ہوگا اور بچہ کا نسب بھی باپ سے منقطع کر دیا جائے گا۔

(۱۹۹۸/۱۷) وَإِنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بَطْنٍ وَاحِدَةٍ فَنَفَى الْأَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِيْ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَحُدَّ الزَّوْجُ.

ترجمہ: اور اگر جنا بیوی نے دو بچوں کو ایک ہی پیٹ سے پس شوہر نے پہلے بچہ کی نفی کی اور اقرار کرلیا دوسرے کا تو دونوں کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور شوہر کو حد لگے گی۔

تشریح: اگر ایک عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہے اس

عورت کے شوہر نے پہلے بچہ کے بارے میں کہا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے اور دوسرے کے بارے میں کہا کہ یہ میرا بچہ ہے تو نسب تو دونوں کا باپ ہی سے ثابت ہوگا لیکن باپ پر حد بھی لگے گی، کیوں کہ دونوں بچے جڑواں ہیں ایک ہی منی سے پیدا ہوئے ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بچہ اس کا ہو اور دوسرا اس کا نہ ہو لہٰذا دونوں کا نسب اسی سے ثابت ہوگا اور شوہر پر حد اس لیے ماری جائے گی کہ پہلے بچہ کا انکار کرکے بیوی پر تہمت لگائی ہے، اور بعد میں دوسرے بچہ کا اقرار کرکے اپنے آپ کو جھوٹا بتلایا ہے۔

(۱۸/۱۹۹۹) وَإِنِ اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِي ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَلَاعَنَ.

ترجمہ: اور اگر اقرار کرے پہلے بچہ کا اور انکار کرے دوسرے کا تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا اور لعان کریگا۔

تشریح: شوہر نے پہلے بچہ کا اقرار کیا کہ یہ میرا ہے اور دوسرے بچہ کا انکار کیا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو دونوں بچوں کا نسب باپ سے ثابت ہوگا، اور لعان بھی کرنا پڑے گا، نسب اسی دلیل کی وجہ سے ثابت ہوگا جو ماقبل کے مسئلہ میں ذکر کی گئی ہے اور لعان اس لیے ہوگا کہ شوہر نے تہمت لگائی مگر اس سے رجوع نہیں کیا۔

☆☆☆

كِتَابُ الْعِدَّةِ

(یہ کتاب عدت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: چوں کہ عدت فرقت کا اثر ہے اور اثر مؤثر کے بعد ہوتا ہے اس لیے پہلے مؤثر (فرقت) کی وجوہ، طلاق خلع لعان وغیرہ کو بیان کیا ہے اب یہاں سے اثر یعنی عدت کا بیان ہے۔

عدت کی لغوی تحقیق: عورت کا ایام حیض شمار کرنا۔

اصطلاحی تعریف: شریعت میں عدت ان ایام کو کہتے ہیں جو عورت کے اوپر سے شوہر کی ملک متعہ زائل ہونے کے بعد اس کو انتظار میں گذارنے لازم ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ عورت مدخولہ ہوگئی یا خلوت ہوگئی یا شوہر مرا ہو۔

(۱/۲۰۰۰) إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا أَوْ رَجْعِيًّا أَوْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ وَالْأَقْرَاءُ الْحَيْضُ.

ترجمہ: جب طلاق دے دی شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا رجعی یا واقع ہوگئی جدائیگی ان دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے حالانکہ یہ آزاد عورت ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور (آیت میں) قروء کا مطلب حیض ہے۔

قروء کی مراد میں اختلاف

تشریح: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دے دی یا ان دونوں میں بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوگئی اور یہ عورت آزاد ہے اور ذوات الحیض میں سے ہے تو اس کی عدت تین حیض ہوں گے، کیوں کہ آیت میں ہے وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (آیت ۲۲۸ سورۃ البقرہ) طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکیں، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ 'قروء' سے ہمارے نزدیک حیض مراد ہے، کیوں کہ اگر عدت طہر سے گزاریں تو عدت یا تو ڈھائی طہر ہوگی یا ساڑھے تین طہر ہو جائے گی کیوں کہ سنت کے طریقہ پر طلاق طہر میں دے گا اب اگر اس طہر کو عدت میں شمار کریں تو کچھ نہ کچھ طہر کی مدت گزر چکی ہوگی تو ڈھائی طہر ہوئے اور اگر طلاق دیئے ہوئے طہر کو عدت میں شمار نہ کریں تو ساڑھے تین طہر ہوں گے اور اگر قروء سے حیض مراد لیں تو ہر حال میں طہر میں طلاق کے بعد حیض سے عدت شروع ہو جائے گی اور تین حیض مکمل ہوں گے، اس لیے آیت میں قروء سے مراد حیض ہے۔

(۲/۲۰۰۱) وَاِنْ كَانَتْ لَاتَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ.

ترجمہ: اور اگر بیوی ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض نہیں آتا کم سنی کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔

تشریح: اگر عورت ایسی ہو کہ اس کو کم عمری یا بڑی عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو ایسی صورت میں اس کی عدت تین ماہ ہے، کیوں کہ آیت میں ہے وَالّٰئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَالّٰئِيْ لَمْ يَحِضْنَ (آیت ۴ سورۃ الطلاق)

حل لغات: یئسن: سے مراد بوڑھی عورت ہے، لم یحضن: سے مراد چھوٹی لڑکی ہے۔

ترجمہ: جو عورتیں حیض سے مایوس ہوگئیں ہیں اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان عورتوں کی جن کو حیض نہیں آتا۔

(۳/۲۰۰۲) وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمہ: اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ حمل جن دے۔

تشریح: عورت حمل سے تھی کہ شوہر نے طلاق دے دی تو ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے جیسے ہی بچہ جنے گی عدت پوری ہو جائے گی، کیوں کہ آیت میں ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ یعنی حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ بچہ جن دے۔

(۴/۲۰۰۳) وَاِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

ترجمه: اوراگر باندی ہوتو اس کی عدت دوحیض ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مطلقہ باندی ہوتو اس کی عدت دو حیض ہوں گے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

(۲۰۰۴/۵) وَاِنْ كَانَتْ لَاتَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَّنِصْفٌ.

ترجمه: اوراگر باندی ایسی ہو کہ اس کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

تشریح: اگر مطلقہ باندی غیر ذوات الحیض میں سے ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی قال عمرؓ شهر ونصف (مصنف عبدالرزاق ۷/۲۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

(۲۰۰۵/۶) وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ عَنِ امْرَأَتِهِ الْحُرَّةِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرَةُ اَيَّامٍ.

ترجمه: اور جب مرجائے آزاد بیوی کا شوہر تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

تشریح: اگر آزاد عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں خواہ یہ عورت ذوات الحیض ہو یا غیر ذوات الحیض مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ صغیرہ ہو یا کبیرہ مسلمہ ہو یا کتابیہ۔

(۲۰۰۶/۷) وَاِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ اَيَّامٍ.

ترجمه: اوراگر باندی ہوتو اس کی عدت دو ماہ پانچ روز ہے۔

تشریح: اوراگر متوفی عنہا زوجہا باندی ہے تو اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے کیوں کہ رقیت تنصیف کردیتی ہے اس وجہ سے متوفی عنہا زوجہا باندی کی عدت دو ماہ پانچ دن ہوگی۔

(۲۰۰۷/۸) وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمه: اوراگر حاملہ ہوتو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

تشریح: عورت چاہے آزاد ہو یا باندی ہو اگر شوہر کی موت کے وقت وہ حاملہ ہوتو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

(۲۰۰۸/۹) وَاِذَا وَرِثَتِ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا اَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

لغت: اجلین: اجل کا تثنیہ ہے مدت۔

ترجمه: اور جب وارث ہوئی مطلقہ مرض الموت میں تو اس کی عدت دو مدتوں میں سے دراز ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

عدت ابعد الاجلین کا بیان

تشریح: ایک شخص نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں بیوی کی رضا کے بغیر طلاق دے دی وہ عدت گذار رہی تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے وہ شوہر کے مال کی وارث ہوگی تو اس کی عدت ابعد الاجلین ہوگی، یعنی اس عورت پر طلاق کی وجہ سے تین حیض گذارنا واجب ہے اور شوہر کے انتقال کی وجہ سے چار ماہ دس دن گذارنے واجب ہوں گے۔ اس کی ترکیب یہ ہوگی کہ جس وقت شوہر کا انتقال ہوا ہے اس وقت سے چار ماہ دس دن کی عدت پوری کرے اور انہیں ایام میں شروع طلاق سے تین حیض بھی گذر جائیں یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے، امام ابو یوسفؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہے مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے جب کہ شوہر نے طلاق بائن یا تین طلاقیں دی ہوں اور اگر طلاق رجعی دی ہو تو بالاتفاق اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی جن میں تین حیض ہوں یا نہ ہوں۔

(۲۰۰۹/۱۰) وَاِنْ اُعْتِقَتِ الْاَمَةُ فِيْ عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ اِنْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کر دی جائے باندی اپنی طلاق رجعی کی عدت میں تو اس کی عدت منتقل ہو جائے گی آزاد عورتوں کی عدت کی طرف۔

تشریح: منکوحہ باندی کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی جس کی وہ عدت گذار رہی تھی اسی درمیان میں آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی، یعنی اگر وہ ذوات الحیض میں سے ہے تو تین حیض گذارے گی اور اگر غیر ذوات الحیض میں سے ہے تو تین ماہ شمار کرے گی۔

(۲۰۱۰/۱۱) وَاِنْ اُعْتِقَتْ وَهِيَ مَبْتُوْتَةٌ اَوْ مُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ.

حل لغت: مبتوتة: وہ عورت جس کو طلاق بائن دی گئی ہو۔

ترجمہ: اور اگر آزاد کی گئی ایسی حالت میں کہ وہ بائنہ تھی یا اس کا شوہر مر گیا تو منتقل نہ ہوگی اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف۔

تشریح: باندی کو طلاق بائنہ دی تھی اور وہ طلاق بائنہ کی عدت گذار رہی تھی اسی درمیان آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو وہ باندی کی عدت دو حیض ہی گزارے گی آزاد عورت کی عدت تین حیض نہیں گزارے گی ایسے ہی شوہر کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے باندی کی عدت دو ماہ پانچ دن گزار رہی تھی اس حال میں آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو وہ آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی، دلیل یہ ہے کہ طلاق بائن یا موت کی وجہ سے نکاح زائل ہو گیا ہے گویا کہ آقا نے اس کو غیر منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کیا ہے۔

(۲۰۱۱/۱۲) وَاِنْ كَانَتْ اٰيِسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُوْرِ ثُمَّ رَأَتِ الدَّمَ اِنْتَقَضَ مَا مَضٰى مِنْ عِدَّتِهَا وَكَانَ عَلَيْهَا

اَنْ تَسْتَأنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ.

حل لغات: ایسة: وہ عورت جو حیض سے ناامید ہوگئی ہو اس کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، تستانف: شروع سے کرے۔

ترجمه: اور اگر آئسہ تھی جو عدت گزار رہی تھی مہینوں سے پھر دیکھا اس نے خون تو ٹوٹ جائے گی وہ عدت جو گزر چکی ہے اور اس پر از سرِ نو عدت گزارنا ہوگا حیضوں سے۔

تشریح: اگر مطلقہ عورت حیض سے مایوس ہوگئی جس کی وجہ سے وہ مہینوں سے عدت گزار رہی تھی پھر خون آنے لگا تو حکم یہ ہے کہ جو کچھ عدت مہینوں کے ساتھ گذر گئی وہ باطل ہوگئی، اور اب یہ عورت از سرِ نو حیض کے ساتھ عدت گزارے مثلاً دو ماہ گزرانے کے بعد اس کو حیض کا خون آنا شروع ہوگیا تو پہلے دو ماہ عدت گزارے ہوئے بیکار ہوگئے اب شروع سے حیض کے ذریعہ تین حیض عدت گذارنی ہوگی کیوں کہ مہینوں سے عدت گزارنا فرع تھا عدت بالحیض اصل ہے جب وہ اصل پر قادر ہوگئی تو اب اصل ہی سے گزارنی ہوگی۔

(۲۰۱۲/۱۳) وَالْمَنْكُوْحَةُ نِكَاحاً فَاسِداً وَالْمَوْطُوْئَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ.

ترجمه: جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا اور جس عورت سے شبہ میں وطی کی گئی ان دونوں کی عدت حیض ہے فرقت اور موت کی شکل میں۔

تشریح: اگر کسی عورت سے نکاح فاسد کیا گیا مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا کسی عورت سے شبہ میں وطی کر لی مثلاً یہ سمجھ کر کہ بیوی ہے رات میں وطی کر لی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اجنبیہ ہے تو ان دونوں صورتوں میں عورت پر عدت واجب ہوگی خواہ واطی مر گیا ہو یا دونوں میں تفریق کر دی گئی ہو، اب اگر یہ عورت ذوات الحیض میں سے ہے اور آزاد ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر باندی ہے تو اسکی عدت دو حیض ہے، اور اگر یہ عورت غیر ذوات الحیض میں سے ہے اور آزاد ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر باندی ہے تو اکی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ واطی مر گیا تب بھی اس کی عدت حیض کے ساتھ ہوگی اور حیض نہ آنے کی صورت میں مہینہ اس کے قائم مقام ہوگا اور عدت وفات واجب نہ ہوگی، کیوں کہ ان دونوں عورتوں کی عدت رحم کے پاک ہونے کو معلوم کرنے کے لئے ہوتی ہے نہ کہ حق نکاح ادا کرنے کے لئے اور رحم کے پاک ہونے کا علم حیض سے ہوتا ہے اس لیے عدت حیض سے ہوگی۔

(۲۰۱۳/۱۴) وَاِذَا مَاتَ مَوْلَى اُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا اَوْ اَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلٰثُ حِيَضٍ.

ترجمه: اور جب ام ولد کا آقا (ام ولد کو چھوڑ کر) مر گیا یا اس نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہے۔

تشریح: اگر ام ولد کے آقا کا انتقال ہوگیا یا آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہے، کیوں کہ ام ولد کا آقا اس کا شوہر نہیں ہے اس لیے اس کے مرنے پر شوہر کی عدت وفات چار ماہ دس روز نہیں گزارے گی لیکن چوں کہ آقا سے صحبت کروائی تھی اس لیے تین حیض عدت گذارے تاکہ رحم مکمل طور پر صاف ہو جائے۔

(۲۰۱۴/۱۵) وَإِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنِ امْرَأَتِهٖ وَبِهَا حَبَلٌ فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمہ: اور جب مر گیا بچہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر اور حال یہ ہے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

تشریح: ایک نابالغ لڑکے کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی حاملہ تھی اس کی عدت طرفین ؒ کے نزدیک وضع حمل ہے ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

دلیل: اس حمل کا نسب بچہ سے ثابت نہیں ہے یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ بچہ کی موت کے بعد حمل ظاہر ہوا ہو اور اس صورت میں بالاتفاق عدت وفات ہوتی ہے پس اسی طرح مسئلہ مذکورہ میں بھی چار ماہ دس دن پورے کرنا ضروری ہے۔

طرفین کی دلیل: یہ تو طے ہے کہ شوہر کے بچہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو جو حمل ہے وہ شوہر کا نہیں ہے کسی دوسرے کا ہے لیکن چوں کہ یہ بچہ شوہر ہے اس لیے اس کا احترام کرتے ہوئے بیوی کی عدت وضع حمل ہوگی کیوں کہ آیت میں حاملہ کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

(۲۰۱۵/۱۶) فَاِنْ حَدَثَ الْحَبَلُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشَرَةُ اَيَّامٍ.

حل لغت: حبل: حمل

ترجمہ: پھر اگر ظاہر ہوا حمل موت کے بعد تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

تشریح: جس وقت بچہ شوہر مرا اس وقت حمل کا پتہ نہیں تھا تو شرعی اعتبار سے چار ماہ دس دن عدت لازم ہوگی، اب وہ لازم ہونے کے بعد تبدیل نہ ہوگی۔

(۲۰۱۶/۱۷) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ فِيْ حَالَةِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِيْ وَقَعَ فِيْهَا الطَّلَاقُ.

ترجمہ: اور اگر طلاق دی مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں تو شمار نہ کرے گی اس حیض کو جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔

تشریح: حالت حیض میں طلاق نہیں دینی چاہئے لیکن مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا جس میں طلاق واقع ہوئی ہے بلکہ عدت میں پورے تین حیض گذارنا ضروری ہے اس لیے اس سے کمی نہیں کی جائے گی۔

(۲۰۱۷/۱۸) وَإِذَا وُطِئَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرىٰ وَتَدَاخَلَتِ الْعِدَّتَانِ فَيَكُوْنُ مَاتَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسِباً مِنْهُمَا جَمِيْعاً وَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ الْأُوْلىٰ وَلَمْ تَكْمُلِ الثَّانِيَةُ فَعَلَيْهَا اِتْمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ.

ترجمہ: اور جب وطی کر لی گئی عدت گزارنے والی عورت سے شبہ میں تو اس عورت پر دوسری عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی پس جو دیکھے گی حیض میں سے وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور جب پہلی عدت پوری ہو چکی حالانکہ دوسری عدت پوری نہیں ہوئی ہے تو اس پر دوسری عدت پوری کرنی واجب ہے۔

تشریح: شوہر نے بیوی کو طلاق بائنہ دی تھی جس کی وجہ سے وہ عدت گزار رہی تھی مثلاً ایک حیض گزار چکی تھی کہ شوہر نے شبہ میں وطی کر لی مثلاً عورت بستر پر تھی کسی نے کہہ دیا کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے اس سے وطی کر لی تو اس عورت پر دوسری عدت بھی واجب ہوگی اور دونوں عدتوں میں تداخل ہو جائے گا اور عورت جو بھی حیض دیکھے گی وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا، مثلاً مثال مذکور میں ایک حیض گزرنے کے بعد وطی بالشبہ ہوئی تو اس عورت پر تین حیض واجب ہوں گے اور دو حیض چار کے قائم مقام ہوں گے اس طرح پر کہ دو حیض پہلی عدت میں اور دو حیض دوسری عدت میں شمار ہوں گے اور تیسرا حیض صرف دوسری عدت میں شمار ہوگا یعنی تین حیض گزارنے میں پہلی عدت کے بھی دو حیض گزر جائیں گے اور دونوں عدتیں متداخل ہو جائیں گے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر پہلی عدت پوری ہوگئی اور دوسری پوری نہیں ہوئی تو اس پر دوسری عدت کا پورا کرنا واجب ہے۔

(۲۰۱۸/۱۹) وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيْبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاةِ عَقِيْبَ الْوَفَاةِ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ اَوِ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا.

ترجمہ: اور عدت کی ابتداء طلاق میں طلاق کے بعد ہے اور وفات میں وفات کے بعد ہے پھر اگر علم نہیں ہوا طلاق کا یا وفات کا یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہوگئی۔

تشریح: طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق دینے کے بعد ہوگی اور وفات کی صورت میں شوہر کی وفات کے بعد عدت کی ابتداء ہوگی چناں چہ اگر شوہر نے طلاق دی اور عورت کا علم نہیں ہو سکا یا شوہر کی وفات ہوگئی اور بیوی کو علم نہیں ہوا یہاں تک کہ عدت کا زمانہ گذر گیا تو حکم یہ ہے کہ اس کی عدت پوری ہو چکی اور معلوم ہو جانے کے بعد عدت کا اعادہ نہیں ہوگا، کیوں کہ عدت کے اسباب طلاق اور وفات ہیں اس لیے یہ دونوں ہوں تو عدت شروع ہو جائے گی کیوں کہ سبب پایا گیا۔

(۲۰۱۹/۲۰) وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيْبَ التَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا اَوْ عَزْمِ الْوَاطِئِ عَلٰى تَرْكِ وَطْيِهَا.

ترجمہ: اور عدت نکاح فاسد میں دونوں کے درمیان تفریق کے بعد یا وطی کرنے والے کے ترک وطی پر پختہ ارادہ کر لینے سے شروع ہوگی۔

تشریح: نکاح فاسد کی صورت میں عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جب کہ حاکم زوجین کے درمیان تفریق کردے، کیوں کہ تفریق کرانا ہی طلاق کے درجہ میں ہے اس لیے تفریق کے بعد ہی عدت شروع ہو جائے گی یا شوہر پختہ ارادہ کرلے کہ آج سے اس عورت سے وطی نہیں کرنی ہے، تو جس تاریخ سے وطی نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا اس تاریخ سے عدت شروع ہو جائے گی، کیوں کہ نکاح تو صحیح ہے نہیں کہ طلاق دینے کی ضرورت پڑے اس لیے وطی نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے میں تفریق کا شائبہ ہے۔

(۲۱/۲۰۲۰) وَعَلَى الْمَبْتُوْتَةِ وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اِذَا كَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً الْإِحْدَادُ.

حل لغات: مبتوۃ: ایسی عورت جس کو بالکل جدائیگی ہوگئی ہو، إحداد: عورت کا شوہر کے مرنے پر سوگ منانا۔

ترجمہ: معتدہ بائنہ اور وہ عورت جس کا شوہر مر گیا ہو جب کہ وہ بالغہ اور مسلمہ ہو تو سوگ منانا ہے۔

شوہر کے مرنے پر عورت کے سوگ منانے کا بیان

تشریح: معتدہ بائنہ یعنی وہ عورت جس سے حق رجعت منقطع ہوگیا ہو خواہ تین طلاقیں دی گئی ہوں یا ایک طلاق بائنہ واقع کی گئی ہو یا خلع کیا گیا ہو اور وہ عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اگر یہ مسلمان بالغہ ہے تو ان پر سوگ منانا واجب ہے (بیوی شوہر کی موت پر چار ماہ دس روز سوگ منائے گی)

پھر جاننا چاہئے کہ متوفی عنہا زوجہا پر زمانہ عدت میں سوگ منانا واجب ہے **عندالجمھور ومنھم الائمة الاربعة** اور حسن بصریؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان کے نزدیک واجب نہیں اور مطلقہ بائنہ کے بارے میں جمہور کا مذہب تو یہی ہے لیکن اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اس پر سوگ منانا واجب ہے۔

فوائد قیود: مبتوتة کی قید سے مطلقہ رجعیہ بالغة کی قید سے صغیرہ اور مسلمة کی قید سے کافرہ نکل گئی۔

(۲۲/۲۰۲۱) وَالْإِحْدَادُ اَنْ تَتْرُكَ الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ وَالدُّهْنَ وَالْكُحْلَ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ.

حل لغات: الطیب: خوشبو جمع اَطیابٌ، دھن: تیل الکحل: سرمہ۔

ترجمہ: اور سوگ منانا یہ ہے کہ چھوڑ دے خوشبو، زینت، تیل اور سرمہ مگر عذر کی وجہ سے۔

تشریح: احداد باب افعال سے ہے اور اس میں دوسری لغت حداد بھی ہے مجرد سے از باب نصر وضرب سوگ

منانا، یعنی جتنی چیزیں زینت کی ہیں ان کو چھوڑ دے عورت کا سوگ یہ ہے کہ وہ خوشبو لگانا اور بناؤ سنگار اور سرمہ اور تیل لگانا خواہ خوشبودار ہو یا بغیر خوشبو کا سب چھوڑ دے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو استعمال کر سکتی ہے۔

حالت عذر میں معتدہ کے لئے سرمہ وغیرہ لگانے کا حکم

اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) ظاہریہ کہتے ہیں کہ معتدہ کے لئے سرمہ وغیرہ لگانا جائز نہیں اگر چہ آنکھوں میں کوئی تکلیف ہی کیوں نہ ہو (۲) جمہور کے نزدیک بغیر عذر کے سرمہ وغیرہ لگانا اگر چہ جائز نہیں لیکن عذر کی صورت میں رات کو سرمہ وغیرہ لگانے میں کوئی حرج نہیں جہاں تک دن کا تعلق ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عذر کی صورت میں دن میں بھی سرمہ لگانے کی اجازت ہے، جب کہ امام شافعیؒ دن میں باوجود عذر کے اجازت نہیں دیتے۔

(۲۳/۲۰۲۲) وَلَا تَخْتَضِبُ بِالْحِنَاءِ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبُوْغاً بِوَرْسٍ وَلَا زَعْفَرَانٍ.

حل لغات: تختضب: مضارع باب افتعال سے رنگ چڑھانا خضاب لگانا، الحناء: مہندی، مصبوغ: رنگ لگا ہوا، ورس: ایک قسم کی گھاس تل کے مانند ہے جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں جو یمن میں پیدا ہوتی ہے۔

ترجمہ: اور نہ لگائے مہندی اور نہ پہنے ورس اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا۔

تشریح: عدت کے زمانہ میں کن کن چیزوں سے بچنا ضروری ہے اس عبارت میں وہ چیزیں بیان کی ہیں چوں کہ مہندی لگانا یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا پہننا زینت ہے اس لیے سوگ میں یہ نہ پہنے۔

(۲۴/۲۰۲۳) وَلَا اِحْدَادَ عَلٰی كَافِرَةٍ وَلَا صَغِيْرَةٍ.

ترجمہ: اور نہیں ہے سوگ منانا کافرہ پر اور نہ بچی پر۔

کیا کتابیہ پر سوگ منانا واجب ہے؟

تشریح: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوا ہے وہ اگر ذمیہ یعنی کتابیہ ہو تو اس پر سوگ واجب ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک واجب نہیں دوسرا مذہب اس میں جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کا ہے ان کے نزدیک کتابیہ پر سوگ منانا واجب ہے۔

دلیل: اس کی وجہ بطور قیاس و دلیل عقلی کے یہ بیان کرتے ہیں کہ نکاح میں جو حقوق مسلمہ کے لیے حاصل ہیں وہی کتابیہ کے لئے بھی حاصل ہیں اسی طرح جو حقوق مسلمہ پر واجب ہوں گے وہی کتابیہ پر بھی واجب ہوں گے اور یہاں دوسرا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ وہ بیوہ لڑکی جس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے اگر صغیرہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس پر سوگ منانا واجب نہیں اس کے غیر مکلف ہونے کی وجہ سے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کے حق میں بھی سوگ ہے لہٰذا اس کا جو

ولی ہواس پر واجب ہوگا کہ اس صغیرہ سے سوگ منوائے۔

حنفیہ کی دلیل: عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ تُحَدَّ فَوْقَ ثَلَاثٍ الخ (بخاری ۲/۸۰۴ باب تلبس الحادة) آپ نے فرمایا نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ کہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے، اس حدیث میں 'لامرة' سے مراد بالغہ عورت ہے اور تومن باللّٰہ والیوم الاخر سے مومنہ عورت مراد ہے۔

(۲۵/۲۰۲۴) وَعَلَى الْاَمَةِ الْاِحْدَادُ.

ترجمہ: اور باندی پر سوگ ہے۔

تشریح: باندی بھی مومنہ ہے اور مخاطبہ ہے اس لیے اس پر بھی سوگ ہے۔

(۲۶/۲۰۲۵) وَلَيْسَ فِي عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدَةِ وَلَا فِي عِدَّةِ اُمِّ الْوَلَدِ اِحْدَادٌ.

ترجمہ: اور نہیں ہے نکاح فاسد کی عدت میں اور نہ ام ولد کی عدت میں سوگ منانا۔

تشریح: نکاح فاسد کی وجہ سے تفریق ہوئی جس کی عدت گزار رہی ہو تو اس میں سوگ نہیں ہے، کیوں کہ سوگ ہوتا ہے نعمت نکاح زائل ہونے کی وجہ سے اور یہاں شرعاً نکاح فاسد کو ختم کرنے کا حکم ہے اس لیے اچھا ہوا کہ ختم ہوگیا تو افسوس کیسا؟ اسی طرح ام ولد کا آقا اس کا شوہر نہیں ہے اس لیے اچھا ہوا کہ آقا سے آزاد ہوگئی اس لیے اس پر سوگ نہیں ہے۔

(۲۷/۲۰۲۶) وَلَا يَنْبَغِي اَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا بَاسَ بِالتَّعْرِيْضِ فِي الْخِطْبَةِ.

حل لغات: تخطب: پیغام نکاح دے، التعریض چھیڑنا اشارہ اشارہ میں کوئی بات کہنا، الخطبة پیغام۔

ترجمہ: اور مناسب نہیں ہے معتدہ کو نکاح کا پیغام دینا اور کوئی حرج نہیں ہے کنایہ پیغام دینے میں۔

معتدہ کو دوران عدت پیغام نکاح دینا حرام ہے

تشریح: جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کو کوئی اجنبی آدمی نکاح کا پیغام دے تو یہ مناسب نہیں ہے بلکہ حرام البتہ اشارہ اور کنایہ میں کہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد آپ سے شادی کروں گا تو اس کی گنجائش ہے، مثلاً یوں کہے کہ آپ جیسی عورت پسند ہے۔

وجہ: آیت میں ان دونوں مسئلوں کی تصریح ہے وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ

یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے جو (ان مذکورہ) عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو، آگے فرماتے ہیں وَلَاتَعْزِمُوْا عُقْدَۃَ النِّکَاحِ ، یعنی معتدہ عورتوں کے ساتھ عقد نکاح کا ارادہ مت کرو۔

(۲۸/۲۰۲۷) وَلَا یَجُوْزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِیَّةِ وَالْمَبْتُوْتَةِ الْخُرُوْجُ مِنْ بَیْتِهَا لَیْلاً وَلَا نَهَاراً وَالْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَاراً وَبَعْضَ اللَّیْلِ وَلَاتَبِیْتُ فِیْ غَیْرِ مَنْزِلِهَا.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے مطلقہ رجعیہ اور مطلقہ بائنہ کیلئے گھر سے نکلنا نہ رات میں اور نہ دن میں اور متوفی عنہا زوجہا نکل سکتی ہے دن میں اور رات کے کچھ حصہ میں اور رات نہ گذارے اپنے گھر کے علاوہ میں۔

مطلقہ رجعیہ بائنہ اور متوفی عنہا زوجہا گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟

تشریح: جو عورت عدت گذار رہی ہو چاہے طلاق رجعی کی عدت ہو یا طلاق بائنہ کی اور چاہے اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو ان تمام عورتوں کے لئے حکم یہ ہے کہ اس گھر میں رہنا چاہئے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے یا وفات ہوئی ہے البتہ عدت وفات والی عورت روزی روٹی کمانے کے لئے نکل سکتی ہے اسی طرح رات کے کچھ حصہ میں باہر رہ سکتی ہے البتہ سونے کا انتظام اس گھر میں کرنا چاہئے جس میں عورت عدت گذار رہی ہے، اس کے بعد یہاں ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک مطلقہ رجعیہ ہو یا بائنہ اس کے لئے اپنی ضروریات کے لئے نکلنا جائز نہیں نہ دن میں اور نہ رات میں اور مالکیہ کے نزدیک مطلقاً خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا بائنہ نکلنا جائز ہے، اور شافعیہ کے نزدیک مطلقہ بائنہ کے لئے جائز ہے اور مطلقہ رجعیہ کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے اور حنابلہ کا مذہب مطلقہ کے نکلنے کے جواز کا ہے لیکن رجعیہ یا بائنہ کی کوئی تصریح اور تفصیل کسی کتاب میں نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۹/۲۰۲۸) وَعَلَی الْمُعْتَدَّةِ اَنْ تَعْتَدَّ فِی الْمَنْزِلِ الَّذِیْ یُضَافُ اِلَیْهَا بِالسُّکْنٰی حَالَ وُقُوْعِ الْفُرْقَةِ.

ترجمہ: اور معتدہ پر لازم ہے عدت گزارنا اس گھر میں جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کے رہنے کو جدائی کے وقت۔

تشریح: طلاق واقع ہوتے وقت یا وفات کے وقت عورت جس گھر میں رہتی تھی اس گھر میں عدت گزارنا ضروری ہے دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا لَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ معتدہ عورت کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور عورت کا بیت وہ کہلائے گا جس میں وہ رہتی تھی۔

(۳۰/۲۰۲۹) فَاِنْ کَانَ نَصِیْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَیِّتِ لَا یَکْفِیْهَا وَاَخْرَجَ الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِیْبِهِمْ اِنْتَقَلَتْ.

ترجمہ: اگر ہو اس کا حصہ میت کے مکان سے جو اس کے واسطے ناکافی ہے اور نکالدیں ورثا اس کو اپنے حصہ

سے تو یہ عورت منتقل ہو جائے۔

تشریح: شوہر کا انتقال ہو گیا اور ورثہ نے اس کا مال تقسیم کر لیا اور جس مکان میں میاں بیوی رہتے تھے اس کو بھی تقسیم کر لیا اب عورت کے حصہ اتنا مکان آیا کہ وہ اس میں نہیں رہ سکتی اور ورثہ اپنے حصہ میں رکھنے کے لئے تیار نہیں ہے تو وہ عورت دوسری جگہ منتقل ہو کر عدت گزار سکتی ہے، کیوں کہ اس کا منتقل ہونا عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں عذر معتبر ہوتا ہے اس وجہ سے یہاں بھی عذر معتبر ہوگا۔

(۳۱/۲۰۳۰) وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُسَافِرَ الزَّوْجُ بِالْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَةِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے کہ شوہر سفر کرے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ۔

تشریح: اگر مطلقہ رجعیہ کے ساتھ سفر کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ غیر اختیاری طور پر رجعت ہو جائے حالانکہ وہ رجعت نہیں کرنا چاہتا تھا اس کے بعد پھر طلاق دے گا اور عدت لمبی ہو جائے گی اس لیے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ شوہر سفر نہ کرے۔

(۳۲/۲۰۳۱) فَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِيْ عِدَّتِهَا وَطَلَّقَهَا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَعَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقْبِلَةٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهَا تَمَامُ الْعِدَّةِ الْاُوْلٰى.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے دے مرد اپنی بیوی کو طلاق بائن پھر اسی سے نکاح کر لے اس کی عدت میں اور پھر اس کو طلاق دے دے صحبت سے پہلے تو شوہر پر پورا مہر ہے اور عورت پر اگلی عدت ہے اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ اس کے لئے آدھا مہر ہے اور اس پر پہلی عدت کو پورا کرنا ہے۔

تشریح: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دے دی پھر اس عورت کی عدت ہی میں اس سے نکاح کر لیا اور صحبت سے قبل اس کو طلاق دے دی تو شیخین کے نزدیک شوہر پر پورا مہر لازم ہوگا اور اس طلاق کی مستقل عدت گزارنی ہوگی۔

دلیل: اگر چہ اس نکاح میں صحبت نہیں کی ہے اس لیے عدت لازم نہیں ہونی چاہئے اور مہر بھی آدھا لازم ہونا چاہئے لیکن یہاں مہر بھی پورا لازم ہوگا اور مستقل طور پر عدت بھی گزارنی ہوگی، کیوں کہ پہلے نکاح میں جو صحبت ہوئی ہے وہی اس نکاح میں شمار کر لی جائے گی تو گویا اس نے صحبت کے بعد ہی طلاق دی اس لیے مہر بھی پورا لازم ہوگا اور عدت بھی پوری لازم ہوگی۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو آدھا مہر ملے گا اور مستقل عدت لازم نہیں ہوگی بلکہ پہلی عدت جو باقی رہ گئی ہے اسی کو پوری کرے۔

(۳۳/۲۰۳۲) وَيَثْبُتَ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَةِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسَنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مَالَمْ تُقِرُّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا.

ثبوت نسب کا بیان

ترجمہ: اور ثابت ہو جاتا ہے مطلقہ رجعیہ کے بچہ کا نسب جب کہ وہ جنے دو سال یا زیادہ میں جب تک وہ عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے۔

تشریح: ایک عورت جس کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی ہے اس نے طلاق کے وقت سے دو سال پر یا دو سال سے زیادہ پر بچہ جنا تو شوہر سے اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو کیوں کہ ممکن ہے شوہر نے عدت کے زمانہ میں وطی کر لی ہو اس لئے کہ معتدہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے تو اس وطی سے رجعت بھی ثابت ہو گی اور بچہ کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا۔

(۳۴/۲۰۳۳) وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا.

ترجمہ: اور اگر دو سال سے کم میں جنے تو وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی۔

تشریح: طلاق کے بعد دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہوا ہے تو اس بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہو گا اور عورت کی عدت گزر جائے گی جس کی وجہ سے یہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی، بائنہ تو اس لیے ہو گی کہ وضع حمل کی وجہ سے بائنہ ہو جاتی ہے اور ثبوت نسب کی وجہ یہ ہے کہ اگر صحبت حالت نکاح میں کی گئی ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر عدت میں کی گئی تب بھی نسب ثابت ہو جائے گا کیوں کہ معتدہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا شرعاً حلال ہے۔

(۳۵/۲۰۳۴) وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ ثَبَتَ نَسَبُهُ وَكَانَتْ رَجْعَةً.

ترجمہ: اور اگر جنے دو سال سے زیادہ میں تو اس کا نسب ثابت ہو گا اور رجعت ہو گی۔

تشریح: اور اگر بچہ طلاق کے وقت سے دو سال سے زیادہ میں پیدا ہو تو بلا شبہ رجعت ثابت ہو جائے گی اور بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہو گا، کیوں کہ دو سال سے زیادہ میں بچہ جننے کا مطلب یہ ہوا کہ طلاق کے بعد شوہر نے عورت سے صحبت کی ہے اور مطلقہ رجعیہ سے عدت میں وطی کرے تو رجعت ہو جائے گی اور چوں کہ شوہر کی وطی سے بچہ ہوا ہے اس لیے شوہر سے نسب ثابت ہو گا۔

(۳۶/۲۰۳۵) وَالْمَبْتُوتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ.

ترجمہ: اور بائنہ طلاق والی عورت کے بچہ کا نسب ثابت ہو گا جب کہ بچہ جنے دو سال سے کم میں۔

تشریح: اگر کسی عورت کو ایک طلاق بائن یا تین طلاقیں دی گئی ہوں اور پھر جدائیگی کے وقت سے دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب اس مطلقہ بائنہ کے شوہر سے ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ ممکن ہے کہ طلاق کے وقت بچہ کا نطفہ قرار پاچکا ہو تو اب یہ کہا جائے گا کہ طلاق کے وقت عورت حاملہ تھی اس لیے دو سال کے اندر اندر جب بھی یہ عورت بچہ جنے گی تو باپ سے نسب ثابت کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

(۲۰۳۶/۳۷) وَاِذَا جَاءَتْ بِهٖ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ يَوْمِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهٗ اِلَّا اَنْ يَّدَّعِيَهُ الزَّوْجُ.

ترجمہ: اور جب پورے دو سال میں جنے فرقت کے دن سے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کا شوہر دعوی کرے۔

تشریح: اور اگر فرقت کے وقت سے پورے دو سال پر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں حمل بالیقین طلاق کے بعد پیدا ہوا ہے پس جب حمل بعد الطلاق پیدا ہوا ہے اور بائنہ ہونے کی وجہ سے طلاق کے بعد شوہر کا وطی کرنا حرام ہے تو ثابت ہو گیا کہ یہ حمل اس مرد کے نطفہ سے نہیں ہے لہٰذا اس سے نسب بھی ثابت نہیں ہوگا ہاں اگر شوہر دعویٰ کرے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا اور یوں تاویل کی جائے گی کہ عدت کے زمانہ میں شوہر نے حلال سمجھ کر اس معتدہ بائنہ کے ساتھ وطی کر لی اور ثبوت نسب میں احتیاط کی جاتی ہے اس لیے اس صورت میں نسب ثابت ہو جائے گا۔

(۲۰۳۷/۳۸) وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا مَابَيْنَ الْوَفَاةِ وَبَيْنَ سَنَتَيْنِ.

ترجمہ: اور ثابت ہو جائے گا متوفی عنہا زوجہا کے بچہ کا نسب وفات اور دو سال کے درمیان تک۔

تشریح: شوہر کے انتقال کے دن سے دو سال کے اندر اندر بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا اور اس کے بعد ہوا تو باپ سے نسب ثابت نہ ہوگا، کیوں کہ دو سال کے اندر ہوا اس لئے یہ سمجھا جائے گا کہ وفات کے وقت عورت حاملہ تھی اور یہ حمل شوہر ہی کا ہے اور اگر دو سال کے بعد بچہ ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وفات کے وقت عورت حاملہ نہ تھی اس لیے اس سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

(۲۰۳۸/۳۹) وَاِذَا اعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهٗ.

ترجمہ: اور جب اقرار کیا معتدہ نے اپنی عدت کے ختم ہونے کا پھر اس نے بچہ جنا چھ ماہ سے کم میں تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، اور اگر بچہ جنا چھ ماہ میں تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

تشریح: معتدہ نے اپنی عدت گزر جانے کا اقرار کیا پھر چھ ماہ کے اندر اندر بچہ ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ

اقرار کرتے وقت وہ یقیناً حاملہ تھی اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہوتی ہے اس لیے عدت گزرنے کا جو اقرار کیا ہے وہ جھوٹ تھا لہٰذا یہ اقرار باطل ہوگیا اور بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر چھ ماہ یا اس سے زائد میں ہو تو اس بچہ کا نسب اس لیے ثابت نہیں کیا جائے گا کہ ہوسکتا ہے عدت ختم ہونے کے بعد کسی اور کے ذریعہ حمل ٹھہرا ہو اور اسی کا بچہ ہو۔

(۲۰۳۹/۴۰) وَاِذَا وَلَدَتِ الْمُعْتَدَّةُ وَلَداً لَمْ یَثْبُتْ نَسَبُهٗ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ یَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَ امْرَأَتَانِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ هُنَاكَ حَبَلٌ ظَاهِرٌ اَوِاعْتِرَافٌ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَیَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَیْرِ شَهَادَةٍ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یَثْبُتُ فِی الْجَمِیْعِ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: اور جب معتدہ نے بچہ جنا تو نہیں ثابت ہوگا اس کا نسب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ گواہی دیں اس کی پیدائش کی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مگر یہ کہ وہاں حمل ظاہر ہو یا شوہر کی طرف سے اقرار ہو تو اسکا نسب ثابت ہو جائے گا گواہی کے بغیر بھی اور صاحبینؒ نے فرمایا ثابت ہوگا ہر صورت میں ایک عورت کی گواہی سے۔

ثبوت نسب سے متعلق بعض اختلافی صورتیں

تشریح: اگر معتدہ عورت نے بچہ جنا اور شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو تین باتوں میں سے اگر ایک بات ہو تو نسب ثابت کیا جائے گا ورنہ نہیں (۱) بچہ پیدا ہونے پر دو مرد گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں (۲) حمل پہلے سے ظاہر ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ کسی بھی وقت بچہ کی پیدائش ہوسکتی ہے اس صورت میں بھی ولادت ہونے پر بغیر گواہی کے نسب ثابت ہو جائے گا (۳) شوہر اعتراف کرے کہ یہ حمل میرا ہے تو پھر بچہ پیدا ہونے پر گواہی کے بغیر بھی اس کا نسب باپ سے ثابت کیا جائے گا تاہم ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا تفصیل امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، صاحبین کی رائے یہ ہے کہ عورت کے تمام پوشیدہ معاملات میں جن پر مرد کا مطلع ہونا مشکل ہے ایک عورت کی گواہی مقبول ہے اور اسی سے فیصلہ کیا جائے گا، مثلاً ولادت کے سلسلہ میں ایک دائی کی گواہی کافی ہے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عدت موجود ہونے کی وجہ سے عورت اپنے شوہر کی فراش ہے تو نسب تو خود ہی ثابت ہوگیا اب صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ بچہ کا اس عورت سے ہونا متعین ہو جائے اور یہ بات ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب عورت نے بچہ پیدا ہونے کا اقرار کیا تو اس کی عدت گزر گئی اور جو چیز گذر گئی وہ حجت نہیں ہوتی بلکہ حجت وہ ہوتی ہے جو موجود ہو لہٰذا نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کے لئے شہادت تامہ کا ہونا ضروری ہے اور شہادت تامہ تشریح کے تحت آچکی ہے۔

(۲۰۴۰/۴۱) وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اِمْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ یَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ یَثْبُتْ

نَسَبُہٗ.

ترجمه: اور اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اس نے بچہ جنا چھ ماہ سے کم میں جس دن سے اس کی شادی ہوئی ہے تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔

تشریح: اگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور شادی کے دن سے چھ ماہ کے اندر اندر بچہ ہوا تو اس بچہ کا نسب موجودہ شوہر سے ثابت نہ ہوگا، کیوں کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور یہاں چھ ماہ سے قبل بچہ ہوگیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت شادی سے پہلے کسی اور مرد سے حاملہ ہو چکی تھی اور یہ حمل اس شوہر کا نہیں ہے اس لیے اس بچہ کا نسب موجودہ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا۔

(۴۲/۲۰۴۱) وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِداً يَثْبُتُ نَسَبُهٗ اِنِ اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ اَوْ سَكَتَ.

ترجمه: اور اگر بچہ جنا چھ ماہ یا زیادہ میں تو اس کا نسب ثابت ہوگا جب شوہر اس کا اقرار کرے یا چپ رہے۔

تشریح: اگر نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا زائد میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا خواہ شوہر اس بچہ کا اقرار کرے یا خاموش رہے اگر شوہر اقرار کرتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو واضح ہے اور اگر چپ رہتا ہے تب بھی نسب ثابت کیا جائے گا، کیوں کہ عورت اس کا فراش ہے اور فراش والے سے نسب ثابت کیا جائے گا۔

(۴۳/۲۰۴۲) وَاِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ.

ترجمه: اور اگر انکار کرے پیدائش کا تو ثابت ہو جائے گا نسب ایک عورت کی گواہی سے جو گواہی دے ولادت کی۔

تشریح: شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو یہاں دو مرد کی گواہی کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ صرف ایک عورت بچہ پیدا ہونے کی گواہی دے اسی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا، کیوں کہ یہاں اختلاف ثبوت نسب میں نہیں ہے صرف بچہ پیدا ہونے اور نہ ہونے میں ہے اور اسکا ثبوت صرف ایک عورت کی گواہی سے ہو سکتا ہے۔

(۴۴/۲۰۴۳) وَاَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ وَاَقَلُّهٗ سِتَّةُ اَشْهُرٍ.

ترجمه: اور حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اور کم سے کم چھ ماہ ہے۔

حمل کی اکثر مدت واقل مدت میں اختلاف

تشریح: ہمارے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک چار سال ہے ہماری دلیل حضرت عائشہؓ کا قول ہے انھوں نے نے فرمایا عورت کا حمل دو سال سے زیادہ نہیں رہ سکتا اگر چہ

نکلے کے سایہ بھر ہو (سنن بیہقی ۷/۷۲۸) یہ اثر دونوں اماموں کے مذہب کے خلاف ہے، اور کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ہے۔

(۴۵/۲۰۴۴) وَإِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا.

ترجمه: اور جب طلاق دی ذمی نے ذمیہ کو تو اس پر عدت نہیں ہے۔

تشریح: اگر کسی ذمی نے ذمیہ عورت کو طلاق دے دی تو امام صاحب کے نزدیک ذمیہ کے اوپر کوئی عدت واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ عدت ایک قسم کی عبادت ہے جس کی مخاطب مسلمان عورت ہے اس لیے ذمیہ عورت پر عدت نہیں ہے۔

(۴۶/۲۰۴۵) وَإِنْ تَزَوَّجَتِ الْحَامِلُ مِنَ الزِّنَا جَازَ النِّكَاحُ وَلَا يَطَأُهَا حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمه: اور اگر شادی کرے ایسی عورت سے جو زنا سے حاملہ ہے تو نکاح جائز ہے اور اس سے وطی نہ کرے بچہ پیدا ہونے تک۔

زنا سے حاملہ کا نکاح

تشریح: اگر کوئی عورت زنا کرانے کی وجہ سے حاملہ ہوگئی ہے تو ایسی عورت سے شادی کرنا درست ہے البتہ بچہ پیدا ہونے تک شوہر اس سے جماع نہ کرے، کیوں کہ حدیث میں ہے مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْقِيْ مَاءَهُ وَلَدَ غَيْرِهِ (ترمذی ۱/۱۳۴) جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنا پانی دوسرے کے بچہ کو نہ پلائے، ہاں اگر زانی نے خود ہی اس عورت سے شادی کر لی ہو تو وہ وطی کر سکتا ہے۔

كِتَابُ النَّفَقَاتِ

(یہ کتاب نفقات کے احکام کے بیان میں ہے)

اس باب میں نفقہ کے احکام اور جن پر نفقہ واجب ہے ان کو بیان کریں گے۔

لغوی تحقیق اور مناسبت: نفقات نفقہ کی جمع ہے خرچ کرنا، نکاح اور اس کے علاوہ چند اسباب وعلل ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص پر دوسروں کا نفقہ واجب ہوتا ہے ان کو بیان کر دینے کے بعد اب اہل وعیال کو خرچ دینے کے احکامات اور اس کے متعلقات کو بیان کریں گے جب کہ نفقہ کی متعدد اقسام ہیں (منکوحہ کا نفقہ مطلقہ کا نفقہ ذوی الارحام وغیرہ کا نفقہ) اس لیے جمع کا صیغہ مصنف نے ذکر کیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: وہ روزینہ ہے جو زندگی باقی رکھنے کے واسطے برابر جاری رہے اس کی شرعی حیثیت

امر واجب کی ہے چناں چہ نفقہ کا مہیا کرنا خاوند باپ یا آقا پر واجب ہوتا ہے۔

(۲۰۴۶/۱) اَلنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا فِىْ مَنْزِلِهٖ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا.

ترجمہ: نفقہ واجب ہے بیوی کے لئے اس کے شوہر پر خواہ وہ بیوی مسلمہ ہو یا کافرہ جب کہ وہ سپرد کردے اپنی ذات کو شوہر کے گھر میں تو اس پر اس کا نفقہ اس کا لباس اور اس کی رہائش ہے۔

نفقۂ زوجیت کی قسمیں

تشریح: بیوی مسلمان ہو یا اہل کتاب ہو جب اس نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کردیا تو شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے نفقۂ زوجیت تین اقسام پر مشتمل ہے (۱) بیوی کو نان ونمک اور اس کے لوازمات آٹا چولہا اور پانی وغیرہ کا مہیا کرنا (۲) بیوی کا کپڑا (۳) گھر، اس مقام پر مختصراً اتنا سمجھ لیجئے کہ خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو کام کی نوعیت کے مطابق ضروری سامان مہیا کرے چناں چہ اگر ایسی جگہ رہائش ہو جہاں چکی کے سوا اور کوئی ذریعہ آٹا پیسنے کا نہیں ہے تو لازم ہے کہ خاوند چکی کا بندوبست کرے یا پسائی کی اجرت دے یا خود آٹا پسوا کر لائے، اور جب غلہ لائے تو یہ بھی لازم ہے کہ چھلنی چھاج اور کنڈا وغیرہ جس میں آٹا گوندھا جاتا ہے لا کردے اسی طرح پکانے کا سامان مثلاً انگیٹھی، ڈوئی، اور چمچہ وغیرہ بھی حسب ضرورت مہیا کرے لباس کے بارے میں خاوند پر فرض ہے کہ ہر چھ ماہ میں ایک بار لباس دے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ لباس کی تیاری میں موسم کو ملحوظ رکھا جائے لہٰذا موسم سرما میں زیادہ کپڑا دینا لازم ہے تاکہ سردی سے بچاؤ ہو اور موسم گرما میں ایسا لباس ہو جو گرمی کی شدت سے بچائے مکان کی بابت خاوند پر لازم ہے کہ اسے ایسے گھر میں رکھے جو میاں بیوی کے مناسب حال ہو اور جہاں خاندان کے دوسرے لوگ نہ ہوں ہاں اگر بیوی خاوند کے کنبہ کے ساتھ رہنا پسند کرے اور ان کے ساتھ رہے تو یہ بھی درست ہے، گھر کی بابت شرط یہ ہے کہ اس میں تمام ضروری اور کارآمد اشیاء موجود ہوں، مزید تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۱۰۱۸)

(۲۰۴۷/۲) يُعْتَبَرُ ذٰلِكَ بِحَالِهِمَا جَمِيْعاً مُوْسِراً كَانَ الزَّوْجُ اَوْ مُعْسِراً.

ترجمہ: نفقہ کا اعتبار کیا جائے گا دونوں کی حالتوں سے مالدار ہو شوہر یا تنگدست۔

نفقہ اور اس کی مقدار میں کس کا حال معتبر ہے؟

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے کہ نفقہ اور اس کی مقدار میں میاں بیوی میں سے کس کا حال معتبر ہوگا، چناں چہ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ نفقہ میں میاں بیوی دونوں کا حال معتبر ہوگا

امام خصاف کا مذہب مختار یہی ہے اور اسی پر فتوی ہے عقلی طور پر مذکورہ مسئلہ کی چار صورتیں ہیں اگر میاں بیوی مالدار ہیں تو امیرانہ نفقہ مقرر کیا جائے گا، اور اگر دونوں محتاج ہیں تو غریبانہ نفقہ ہوگا، لیکن اگر شوہر خوش حال اور بیوی تنگدست ہے تو عورت کے لئے اوسط درجہ کا نفقہ ہوگا یعنی مالدار عورتوں کے نفقہ سے کمتر اور غریب عورتوں کے نفقہ سے بڑھ کر ہوگا اس میں کوئی دشواری نہیں ہے، اگر بیوی مالدار اور خاوند تنگدست ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ شوہر اپنی حیثیت سے زیادہ نفقہ دینے سے عاجز ہے اس کا جواب یہ ہے کہ گو خاوند کو اوسط درجہ کا نفقہ دینا واجب ہوگا تاہم اس پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا اس سے (خاوند کی حیثیت کے مطابق) غریبانہ نفقہ کا مطالبہ کیا جائے گا باقی اس کے ذمہ بطور قرض واجب الادا رہے گا۔

(۲۰۴۸/۳) فَإِنِ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِيمِ نَفْسِهَا حَتّٰى يُعْطِيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ.

ترجمہ: اگر عورت باز رہے اپنے آپ کو سپرد کرنے سے یہاں تک کہ دے دے وہ اس کا مہر تو اس کے لئے نفقہ ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کرنے سے روک لیا یہاں تک کہ شوہر اس کا مہر معجل دے دے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ شوہر پر واجب ہے، کیوں کہ عورت اپنے حق کی وجہ سے سپرد نہیں کر رہی ہے۔

(۲۰۴۹/۴) وَإِنْ نَشَزَتْ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتّٰى تَعُوْدَ إِلٰى مَنْزِلِهِ.

حل لغات: نشزت: نافرمانی کرنا، تعود: واپس لوٹنا۔

ترجمہ: اور اگر نافرمانی کرے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے یہاں تک کہ اس کے گھر لوٹ آئے۔

وجوب نفقہ کی شرائط کا بیان

تشریح: وجوب نفقہ کی جو شرطیں خاوند پر عائد ہوتی ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ بیوی خود سپردگی پر آمادہ ہو بصورت دیگر وہ ناشزہ متصور ہوگی اور نفقہ واجب نہ ہوگا ناشزہ وہ عورت ہے جو خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر اور ناحق یا بلا سبب چلی جائے یا خاوند کے پاس نہ آئے اور اس کے گھر میں داخل نہ ہو لیکن اگر عورت مباشرت سے انکار کرے تو اگرچہ ایسا کرنا حرام ہے لیکن اس سے نفقہ ساقط نہ ہوگا، کیوں کہ وہ امر جس سے بیوی نفقہ کی حق دار ہوتی ہے وہ خاوند کے گھر کی پابندی ہے جو موجود ہے اگر بیوی اپنے ذاتی مکان میں ہو اور خاوند کو وہاں آنے سے منع کرے تو اسے ناشزہ قرار دیا جائے، اگر بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے چلی جائے یا اس کی اجازت کے بغیر سفر اختیار کرے اور دوبارہ پھر واپس آ جائے تو پھر نفقہ کی حق دار ہو جائے گی اور ناحق یا بلا سبب گھر سے باہر جانے کا جو اوپر ذکر آیا ہے اس سے ایسی صورت خارج ہو گئی جب کہ بیوی کو گھر سے نکلنے یا اپنے نفس کو خاوند سے باز رکھنے کا حق رہا ہو، اور اس کی صورت یہ

ہے کہ بیوی نے اپنا پورا حق مہر (جو واجب الوصول ہے) نہ لیا ہو یا اپنے ماں باپ کو دیکھنے کے لئے گئی ہو۔

(۲۰۵۰/۵) وَاِنْ كَانَتْ صَغِيْرَةً لَا يُسْتَمْتَعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَاِنْ سَلَّمَتْ اِلَيْهِ نَفْسَهَا.

ترجمہ: اور اگر اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے اگر چہ اس نے خود کو شوہر کے حوالہ کر دیا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں نفقہ واجب ہونے کی دوسری شرط کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ بیوی قابل جماع ہو اگر ایسی چھوٹی ہے کہ اس کے ساتھ جماع نہیں کیا جاسکتا تو اس کے لئے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا خواہ یہ شوہر کے مکان میں ہو یا نہ ہو یہاں تک کہ جماع کے قابل ہو جائے، کیوں کہ حوالہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو جب اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا تو گویا احتباس نہیں ہوا اس وجہ سے اس کے لئے نفقہ نہ ہوگا۔

(۲۰۵۱/۶) وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْراً لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْئِ وَالْمَرْأَةُ كَبِيْرَةٌ فَلَهَا النَّفَقَةُ مِنْ مَالِهِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر اتنا چھوٹا ہو جو جماع پر قادر نہ ہو حال یہ کہ عورت بڑی ہو تو اس کے لئے نفقہ ہوگا شوہر کے مال میں سے۔

تشریح: اگر شوہر نابالغ ہے جماع پر قدرت نہیں رکھتا اور اس کی بیوی بالغہ ہے تو شوہر کے مال میں سے اس کے لئے نفقہ واجب ہوگا کیوں کہ عورت کی جانب سے اپنے آپ کو سپرد کرنا پایا گیا اب عاجزی صرف شوہر کی جانب سے ہے۔

(۲۰۵۲/۷) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى فِيْ عِدَّتِهَا رَجْعِياً كَانَ اَوْ بَائِناً.

ترجمہ: اور جب طلاق دے دی شوہر نے اپنی بیوی کو تو اس کے لئے نفقہ اور رہائش ہے اس کی عدت میں طلاق رجعی دی ہو یا بائنہ۔

مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ حاملہ کی طرح غیر حاملہ کو دوران عدت نفقہ و سکنیٰ دیا جائے گا یا نہیں؟

تشریح: مطلقہ رجعیہ کے لئے عدت میں نفقہ اور سکنیٰ (رہائش) دونوں بالاتفاق واجب ہیں کیوں کہ نکاح بھی برقرار ہے اور عورت سے نفع اٹھانا بھی جائز ہے اور مطلقہ بائنہ کی دو قسمیں ہیں حاملہ، وغیر حاملہ، حاملہ کیلئے دونوں واجب ہیں بالاتفاق لقوله تعالىٰ: وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. (آیت ۶ سورة الطلاق) اور اگر وہ مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو، اب اس بارے

میں اختلاف ہے کہ مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کو دوران عدت نفقہ وسکنی دیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں تین مذاہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کا نفقہ اور سکنی دونوں چیزیں شوہر پر واجب ہیں۔

(۲) امام احمد اور ظاہریہ کے نزدیک نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی۔

(۳) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں۔

امام احمد کی دلیل: حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث ہے کہ جب ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تو وہ حضور کی خدمت میں پہنچیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا لَا سُکْنٰی لَکِ وَلَا نَفَقَۃَ کہ تیرے لئے نہ سکنی ہے اور نہ نفقہ ہے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام احمدؒ نے فرمایا کہ مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کو نہ نفقہ دیا جائے گا اور نہ سکنی۔

امام مالکؒ وشافعیؒ کی دلیل: سکنی دینے کے سلسلہ میں یہ حضرات باری تعالیٰ کے قول وَاَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ الخ سے استدلال کرتے ہیں جس میں سکنی دینے کا حکم کیا گیا ہے اور نفقہ نہ دینے کے سلسلہ میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نفقہ دینے سے انکار فرمایا ہے چوں کہ یہ آیت سکنیٰ کے بارے میں حضرت فاطمہ کی روایت کے معارض ہے لہٰذا روایت کو ترک کر دیا اور کتاب اللہ کو اختیار کیا۔

جواب: حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں (۱) وہ اپنے شوہر اور ان کے گھر والوں کے خلاف زبان درازی کیا کرتی تھیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شوہر کے گھر سے ہٹا دیا اور سکنی دینے سے انکار کیا، (شرح نووی علی صحیح مسلم ۱/۴۸۳)

دوسرا جواب: یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں تنہاء ہونے کی وجہ سے وحشت محسوس کرتی تھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے گھر میں عدت گزارنیکی اجازت دی اور نفقہ نہ دینے کا جواب یہ ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کے گھر ہی نہیں رہیں تو ان کا نفقہ بھی ساقط ہو گیا اسلئے کہ نفقہ احتباس کا بدلہ ہے اور احتباس فوت ہو گیا۔

احناف کی دلیل: اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے اس کے بارے تکلیف مت پہنچاؤ۔

اس آیت سے امام جصاصؒ نے تین طریقوں سے مسلک احناف کو ثابت کیا ہے (۱) جس طرح سکنی ایک مالی حق ہے اور اس آیت کی رو سے واجب ہے اسی طرح نفقہ بھی مالی حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا (۲) ولا تضاروھن سے مطلقات کو نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے اور نقصان جس طرح عدم سکنی سے لاحق ہوتا ہے اسی طرح عدم نفقہ سے

بھی لاحق ہوتا ہے (۳) لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ تنگی جس طرح عدم سکنی میں ہے اسی طرح عدم نفقہ میں بھی ہے۔ (درس ترمذی ۳/۴۸۵)

(۲۰۵۳/۸) وَلَا نَفَقَةَ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا.

ترجمہ: اور نفقہ نہیں متوفی عنہا زوجہا کے لئے۔

کن عورتوں کو نفقہ نہیں ملے گا ان کا بیان

تشریح: جس عورت کا شوہر مر گیا ہو اور وہ عدت گزار رہی ہو اس کا کوئی نفقہ نہیں ہے خواہ وہ حمل سے ہو یا نہ ہو نفقہ اس لیے نہیں ہے کہ عورت کا عدت گزارنا شوہر کے حق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرعی حق کی وجہ سے ہے جس کو عبادت میں شمار کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت حیض سے نہیں بلکہ ایام کی گنتی سے چار ماہ اور دس دن ہیں خواہ اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

(۲۰۵۴/۹) وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْأَةِ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا .

ترجمہ: اور ہر وہ جدائی جو عورت کی جانب سے آئے معصیت کی وجہ سے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

تشریح: اگر فرقت معصیت کی وجہ سے عورت کی جانب سے پیدا ہو تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا کیوں کہ عورت کی نافرمانی کی وجہ سے فرقت ہوئی ہے، مصنف کی عبارت میں نفقہ کا ذکر ہے اس لیے کہ سکنی اس معتدہ کے واسطے بھی واجب ہوگا کیوں کہ معتدہ کے واسطے گھر میں ٹھہرے رہنا واجب ہے، لہٰذا عورت کی معصیت سے سکنی ساقط نہیں ہوگا۔

(۲۰۵۵/۱۰) وَاِنْ طَلَّقَهَا ثُمَّ ارْتَدَّتْ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا.

ترجمہ: اور اگر عورت کو طلاق دے دے پھر وہ مرتد ہو جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: وجوب نفقہ کی ایک شرط یہ ہے کہ بیوی مرتد نہ ہوگئی ہو (ترک اسلام نہ کیا ہو) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اس کے بعد عورت العیاذ باللہ مرتد ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ جو عورت مرتد ہوگئی وہ قید کی جاتی ہے یہاں تک کہ توبہ کرلے اور ایسی قیدی عورت کے واسطے نفقہ نہیں ہوتا ہے۔

(۲۰۵۶/۱۱) وَاِنْ مَكَّنَتِ ابْنَ زَوْجِهَا مِنْ نَفْسِهَا فَاِنْ كَانَ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَاِنْ كَانَ قَبْلَ الطَّلَاقِ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا.

ترجمہ: اگر قدرت دیدے اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنی ذات پر اگر طلاق کے بعد ہو تو عورت کے لئے نفقہ ہوگا

اور اگر طلاق سے پہلے ہے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

تشریح: وجوب نفقہ کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ بیوی سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے چناں چہ اگر اس نے اپنے شوہر کے بیٹے یا اس کے باپ (سوتیلے بیٹے یا خسر) سے ناجائز رابطہ رکھا یا اپنے نفس پر اسے قابو دے دیا تو خاوند سے رشتہ زوجیت منقطع ہو جائے گا اور اس کے خاوند پر اس کا نفقہ واجب نہ رہے گا مذکورہ تفصیل اس وقت میں ہے جب کہ طلاق بائنہ واقع ہونے سے قبل صحبت کرائی جس کی وجہ سے تفریق ہوئی تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ طلاق سے پہلے سوتیلے بیٹے سے صحبت کرائی اس لیے صحبت کی وجہ سے نکاح ٹوٹا اور وہ تفریق کا سبب بنی اور یہ عورت کی نافرمانی اور معصیت کی وجہ سے ہے اس لیے عورت کو عدت میں نفقہ نہیں ملے گا، اور اگر طلاق کے بعد صحبت کرائی تو صحبت کرانے سے تفریق نہیں ہوئی بلکہ طلاق بائنہ واقع ہونے سے تفریق ہو چکی ہے اور وہ عدت گزار رہی ہے اس لیے سوتیلے بیٹے سے زنا کرانا گناہ ضرور ہے لیکن چوں کہ یہ تفریق کا سبب نہیں ہے اس لیے نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

(۲۰۵۷/۱۲) وَإِذَا حُبِسَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَيْنٍ أَوْ غَصَبَهَا رَجُلٌ كَرْهاً فَذَهَبَ بِهَا أَوْ حَجَّتْ مَعَ مَحْرَمٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا.

ترجمہ: اگر قید کرلی گئی عورت قرض میں یا غصب کر لیا اس کو کسی نے زبردستی اور اس کو لے گیا یا حج کے لئے گئی محرم کے ساتھ تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت دین اور قرض کی وجہ سے قید کرلی گئی تو اس کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ عورت ہی کی غلطی کی وجہ سے احتباس ختم ہوا کہ اس نے قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کی جس کی وجہ سے اس کو قید کیا گیا اس لیے اس کو قانونی طور پر نفقہ نہیں ملے گا ایسے ہی مغصوبہ عورت یعنی وہ بیوی جس پر کسی اور شخص نے ناجائز قبضہ کرلیا ہو از روئے تحقیق اس کا نفقہ بھی خاوند پر واجب نہ ہوگا، ایسے ہی وہ عورت جو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے کسی محرم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئی تو یہ عورت حج کر سکتی ہے اگر چہ خاوند کی اجازت کے بغیر روانہ ہوئی ہو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں بھی عورت کی جانب سے احتباس ختم ہو گیا۔

(۲۰۵۸/۱۳) وَإِذَا مَرِضَتْ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النَّفَقَةُ.

ترجمہ: اور اگر بیمار ہو جائے شوہر کے گھر میں تو اس کے واسطے نفقہ واجب ہوگا۔

اگر عورت شوہر کے گھر بیمار ہو جائے تو کیا نفقہ ملے گا؟

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عورت اگر اپنے شوہر کے گھر رہتے ہوئے بیمار ہو گئی تو اس کے واسطے نفقہ واجب ہے

مرض خواہ مانع جماع ہو یا مانع جماع نہ ہو، کیوں کہ عورت شوہر کے گھر میں ہے اور شوہر مریضہ عورت کے ساتھ انس پاتا ہے اور اس کو چھو کر اس سے لطف اندوز ہوتا ہے اور وہ اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے اس لیے احتباس ختم نہیں ہوا اس لیے اس کو نفقہ ملے گا، علاوہ ازیں اگر عورت بیمار ہو جائے تو قانوناً شوہر کے ذمہ اس کا علاج کرانا یا علاج کے لئے خرچہ دینا ضروری نہیں یہ قانون کی بات تھی لیکن حسن سلوک یہ ہے کہ اس پر خرچ کرے۔

(۲۰۵۹/۱۴) وَتُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ نَفَقَةُ خَادِمِهَا اِذَا كَانَ مُوْسِراً وَلَا تُفْرَضُ لِاَكْثَرَ مِنْ خَادِمٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ: اور مقرر کیا جائے گا شوہر پر اس کے خادم کا نفقہ جب کہ وہ مالدار ہو اور نہیں مقرر کیا جائے گا ایک خادم سے زائد کا۔

بیوی کے خادم کے نفقہ کا بیان

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مالدار ہو تو اس پر اس کی بیوی کے خادم کا نفقہ واجب ہوگا کیوں کہ شوہر پر عورت کی کفایت واجب ہے اور عورت کی پوری کفایت ہوگی خادمہ کا نفقہ فرض کرنے سے اس لئے عورت کے واسطے خادمہ کا نفقہ ضروری ہے، صاحب کتاب کے قول 'اذا کان موسراً' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر شوہر تنگدست ہو تو اس پر خادم کا نفقہ واجب نہیں ہوگا یہی روایت امام صاحب سے حسن بن زیاد نے کی ہے اور یہی روایت زیادہ صحیح ہے یہاں مالدار شوہر سے مراد یہ ہے کہ اسکے پاس اتنا مال ہو کہ جس سے اس پر صدقہ حرام ہے اتنے مال کا ہونا ضروری نہیں ہے کہ جس سے اس پر زکوۃ واجب ہوئی ہو، اس کے بعد صاحب قدوریؒ بیان کرتے ہیں کہ شوہر پر بیوی کے ایک خادم سے زائد کا نفقہ واجب نہیں ہوگا یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے اور یہی قول جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

ضروری نوٹ: عورتوں کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ عورت جو اپنے گھر میں اپنے میکے میں بھی کام کیا کرتی تھیں (۲) وہ عورتیں جو اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتی تھیں بلکہ نوکر چاکر تھے وہ کھانا پکاتے تھے اگر دوسری قسم کی عورت شادی کے بعد شوہر کے گھر آجائے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا کسی طرح بھی واجب نہیں ہے نہ دیانۃً نہ قضاءً نہ اخلاقاً نہ شرعاً، اور اگر پہلی قسم کی عورت ہے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا قضاءً واجب نہیں ہے لیکن دیانۃً واجب ہے یعنی اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا کھانا خود پکائے اس صورت میں شوہر کے ذمہ یہ ہے کہ وہ کھانا پکانے کا سامان لا کر دے دے اور یہ جو میں نے کہا کہ عورت کے ذمہ کھانا پکانا نہیں ہے یہ ایک قانون کی بات ہے اور قانون کے خشک تعلق کی بنیاد پر زندگی بسر ہونی شروع ہو جائے گی تو دونوں کا گھر برباد ہو جائے گا بات جب چلتی ہے جب دونوں قانون کی بات سے آگے بڑھ کر سنت نبوی کی اتباع کریں اور ہر ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔

(۲۰۶۰/۱۵) وَعَلَيْهِ اَنْ يُسْكِنَهَا فِيْ دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِهِ اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو علیحدہ مکان میں رکھے جس میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو مگر یہ کہ عورت ان کے ساتھ رہنے پر راضی ہو۔

سکنی کا کیا حکم ہے

تشریح: اس عبارت میں امام قدروری نے سکنی کے حکم کو بیان کیا ہے چناں چہ فرمایا کہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو علیحدہ مکان میں آباد کرے جس میں شوہر کے گھر والوں میں سے کوئی نہ رہتا ہو ہاں اگر عورت ہی شوہر کے گھر والوں کے ساتھ رہنا پسند کرے تو اس کو اختیار ہے، دلیل یہ ہے کہ غیر کی شرم کیوجہ سے شوہر کے ساتھ بے تکلف نہیں رہ سکتی دوسرے یہ کہ جماع اور متلعقات جماع سے روک ہوگی لیکن اگر عورت خود ہی اس بات پر راضی ہو کہ سسرال والوں کے ساتھ رہے تو یہ اس کے لئے جائز ہے، کیوں کہ وہ اپنے حق کی کمی پر خود راضی ہوئی۔

(۲۰۶۱/۱۶) وَلِلزَّوْجِ اَنْ يَمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَوَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهٖ وَاَهْلَهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا..

ترجمہ: اور شوہر کو حق ہے کہ روکے اس کے والدین کو اور دوسرے شوہر کی اولاد کو اور بیوی کے عزیز واقارب کو اس کے پاس آنے سے۔

کیا شوہر کو حق ہے کہ بیوی کے والدین وغیرہ کو اپنے گھر آنے سے روک دے

تشریح: شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس اس کے ماں باپ اور اس کا لڑکا جو پہلے شوہر سے ہے اس کو اور دوسرے رشتہ داروں کو آنے سے روک دے، دلیل یہ ہے کہ یہ گھر تو شوہر کی ذاتی ملک ہے لہٰذا اس کو اپنی ملک میں آنے سے منع کرنے کا اختیار حاصل ہے، قانوناً شوہر کے ذمہ یہ بھی نہیں ہے کہ وہ عورت کو اس کے والدین کے گھر ملاقات کے لئے لے جایا کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ جب عورت کے ماں باپ اپنی بیٹی سے ملاقات کے لئے آئیں تو ان کو گھر میں بیٹھائے بلکہ فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ ہفتہ میں صرف ایک دن عورت کے ماں باپ آئیں اور دور سے ملاقات اور زیارت کر کے چلے جائیں گھر میں بیٹھا کر ملاقات کرانا شوہر کے ذمہ ضروری نہیں لیکن اس قانون کے خشک تعلق سے زندگی نہیں گزر سکتی، بلکہ دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں۔

(۲۰۶۲/۱۷) وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظْرِ اِلَيْهَا وَلَا مِنْ كَلَامِهِمْ مَعَهَا فِىْ اَىِّ وَقْتٍ اِخْتَارُوْا.

ترجمہ: اور نہ روکے ان کو بیوی کی طرف دیکھنے سے اور اس کے ساتھ بات کرنے سے جس وقت بھی وہ

چاہیں۔

تشریح: اگر بیوی کے والدین وغیرہ اس کو دیکھنا چاہیں یا باتیں کرنا چاہیں تو شوہر اس عورت کی طرف دیکھنے اور باتیں کرنے سے منع نہیں کرسکتا، کیوں کہ بات کرنے سے روکنے میں قطع رحمی ہے جس کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے اس لیے بات چیت سے نہیں روک سکتا۔

(۲۰۶۳/۱۸) وَمَنْ اَعْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَأَتِهِ لَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهَا اسْتَدِيْنِي عَلَيْهِ.

حل لغات: اعسر: تنگدست ہو گیا عاجز ہو گیا، استدینی: امر حاضر مونث ہے قرض لیتی رہ۔

ترجمه: اور جو شخص تنگدست ہو جائے اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے تو ان دونوں میں جدائی نہیں کی جائے گی بلکہ بیوی سے کہا جائے گا کہ تو اس کے ذمہ قرض لیتی رہ۔

تشریح: اگر شوہر اپنی بیوی کے نفقہ سے عاجز ہو گیا تو اس کی وجہ سے ان دونوں میں تفریق نہ کی جائے بلکہ قاضی عورت کو کہے گا کہ اپنے شوہر کے ذمہ پر قرضہ لے لے یعنی اس شرط پر کھانے کا سامان خرید لے کہ اس کی قیمت اس کا شوہر ادا کرے گا یا شوہر کے مالدار ہونے پر اس کے مال سے یہ قرضہ ادا کر دیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

(۲۰۶۴/۱۹) وَاِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهُ مَالٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهِ وَبِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِيْ فِي ذَالِكَ الْمَالِ نَفَقَةَ زَوْجَةِ الْغَائِبِ وَاَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَوَالِدَيْهِ.

ترجمه: اگر مرد غائب ہو گیا اور اس کا مال کسی آدمی کے قبضہ میں ہے جو اس کا اقرار کرتا ہے اور (یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ عورت اس غائب شخص کی) بیوی ہے تو مقرر کر دے قاضی اس مال میں (سے) اس غائب شخص کی بیوی کا اس کی نابالغ اولاد کا اور اس کے والدین کا نفقہ۔

خاوند کی غیر موجودگی میں نفقہ عائد ہونے کا بیان

تشریح: اب یہاں سے خاوند کی غیر موجودگی میں اس پر نفقہ عائد ہونے اور نفقہ کا ضامن ہونے کا بیان شروع کرتے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر سفر میں چلا گیا تو اس پر نفقہ واجب ہو گا لیکن اس کی چند شرطیں ہیں:

(۱) اس عورت کے شوہر کا مال کسی شخص کی تحویل میں ہو یا اس سے قرض واجب الوصول ہو اس حالت میں اس مال سے بیوی کو نفقہ دیا جائے گا۔

(۲) وہ شخص تسلیم کرے کہ اس عورت کے خاوند کا قرض اس کے ذمہ ہے یا اس کا مال اس شخص کی تحویل میں ہے۔

(۳) وہ شخص مانتا ہو کہ وہ عورت غیر موجود فلاں خاوند کی بیوی ہے اگر وہ شخص مال کی موجودگی سے یا زوجیت کے

تسلیم کرنے سے گریز کرے تو اس بارے میں کوئی گواہی بیوی کے حق میں تسلیم نہ کی جائے گی۔
اب اگر مذکورہ تین شرطیں پائی جائیں تو قاضی غائب کے مال میں بیوی کا نفقہ اس کے چھوٹے بچوں کا نفقہ اور والدین کا نفقہ مقرر کرے گا اور ان کو دلوائے گا اگلی عبارت میں نفقہ کے ضامن ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔

(۲۰/۲۰۶۵) وَيَاخُذُ مِنهَا كَفِيلاً بِهَا.

ترجمہ: اور لے لے عورت سے ایک ضامن اس خرچہ کا۔
تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی اس عورت سے کفیل لے لیگا تا کہ مال زیادہ خرچ نہ کردے اور خورد برد نہ کرے اس کے لئے ایک کفیل متعین کرے جو اس پر نگرانی اور دیکھ بھال کرتا رہے امام سرخسیؒ نے فرمایا کہ عورت سے کفیل لینا بہتر ہے اور اگر نہیں لیا تو بھی جائز ہے۔

(۲۱/۲۰۶۶) وَلَا يُقضىٰ بِنَفقَةٍ فِي مَالِ الغَائِبِ اِلَّا لِهٰؤُلَاءِ.

ترجمہ: اور نہیں فیصلہ کیا جائے گا غائب کے مال میں نفقہ کا مگر انہیں لوگوں کے لئے۔
تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ قاضی غائب کے مال میں صرف ان مذکورہ لوگوں کے واسطے نفقہ کا حکم دے سکتا ہے یعنی بیوی چھوٹی اولاد اور والدین کے واسطے یا جو ان کے حکم میں ہوں جیسے بالغ اولاد لنجے اور اپاہج ہوں یا عورتیں ہوں اور ان کے علاوہ دوسرے محارم جیسے بھائی چچا اور دوسرے رشتہ داروں کے واسطے قاضی غائب کے مال میں سے نفقہ کا حکم نہیں دے سکتا ہے ان دونوں صورتوں میں فرق اس وجہ سے ہے کہ بیوی وغیرہ کا نفقہ فیصلہ سے پہلے ہی شریعت کی بنیاد پر واجب ہے فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ فیصلہ کرنے سے تائید ہو جائے گی رہے دوسرے محارم جن کا نفقہ محتاجی کی وجہ سے اس شخص کے ذمہ ہوتا ہے تو ان کا نفقہ جب ہی واجب ہوگا جب کہ قاضی حکم دے دے۔

(۲۲/۲۰۶۷) وَاِذَا قَضَى القَاضِيْ لَهَا بِنَفَقَةِ الاِعْسَارِ ثُمَّ اَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةَ المُوْسِرِ.

حل لغات: الاعسار: تنگدستی، الموسر: مالدار۔
ترجمہ: اگر فیصلہ کردیا قاضی نے بیوی کے لئے غربت کے نفقہ کا پھر وہ مالدار ہو گیا اس پر بیوی نے شوہر کے خلاف (قاضی کی عدالت میں خوشحالی کا) دعویٰ کیا تو قاضی اس عورت کے لئے مالداری (خوشحالی) کا نفقہ پورا کرے گا (مقرر کرے گا)

اولاً شوہر غریب تھا پھر مالدار ہو گیا اب کونسا نفقہ دینا پڑے گا

تشریح: شوہر پہلے غریب تھا جس کی وجہ سے قاضی نے تنگی اور غربت کا نفقہ عورت کے لئے مقرر کردیا پھر اس

کا شوہر خوشحال ہوگیا اور عورت نے قاضی کے پاس خوشحالی کے نفقہ کا دعوی دائر کردیا اور مالداری کو ثابت بھی کردیا تو قاضی اس عورت کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کرے گا، کیوں کہ خوشحالی اور تنگی کے موافق نفقہ بدلتا رہتا ہے نفقہ پوری زندگی کے لئے ایک بار واجب نہیں ہوتا بلکہ ہر دن تھوڑا تھوڑا واجب ہوتا ہے اس لیے ہر دن بیوی اور شوہر کے حال کا اعتبار ہوگا۔

(۲۳/۲۰۶۸) وَاِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَمْ يُنْفِقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَطَالَبَتْهُ بِذَالِكَ فَلَا شَيْ لَهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْقَاضِيْ فَرَضَ لَهَا نَفَقَةً اَوْ صَالَحَتِ الزَّوْجَ عَلٰى مِقْدَارِهَا فَيُقْضٰى لَهَا بِنَفَقَةِ مَا مَضٰى.

ترجمہ: اور جب گزر گئی ایک مدت اور نہیں خرچ کیا شوہر نے اس پر اور بیوی اس کا مطالبہ کرے تو اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا مگر یہ کہ قاضی نے اس کے لئے نفقہ مقرر کیا ہو یا بیوی نے شوہر سے کسی مقدار پر صلح کر لی ہو تو اب فیصلہ ہوگا اس کے لئے گذشتہ نفقہ کا۔

گذشتہ ایام کا نفقہ

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مدت گزر گئی شوہر نے اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیا پھر اس نے اپنے شوہر سے اس مدت کے نفقہ کا مطالبہ کیا تو بیوی کو کچھ نہیں ملے گا، کیوں کہ مدت گزر جانے کی وجہ سے نفقہ شوہر کے ذمہ قرضہ نہیں ہوتا ہاں دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں (۱) قاضی نے عورت کے واسطے نفقہ کی کوئی مقدار مقرر کر رکھی تھی تو وہ ان مہینوں کا نفقہ وصول کر سکتی ہے، (۲) شوہر نے کسی مقدار پر صلح کر لی تھی تو وہ مقدار وصول کر سکتی ہے، دلیل یہ ہے کہ نفقہ صلہ رحمی ہے اور صلہ رحمی میں فیصلہ یا صلح کے بغیر لزوم نہیں ہے اس لیے قانونی طور پر گذشتہ مہینوں کا نفقہ وصول نہیں کر سکتی البتہ شوہر دے دے تو بہتر ہے۔

(۲۴/۲۰۶۹) فَاِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَ مَاقُضِيَ عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَمَضَتْ شُهُوْرٌ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ.

ترجمہ: (۲۰۵۲)(۲۳) پھر اگر مر جائے شوہر اس پر نفقہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اور گزر گئے چند ماہ تو ساقط ہو جائے گا نفقہ۔

تشریح: قاضی نے نفقہ کا فیصلہ کیا اس کے بعد شوہر پانچ ماہ زندہ رہا لیکن اس مدت کا نفقہ ادا نہیں کیا اور مر گیا تو اب ان پانچ ماہ کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اسی طرح اگر عورت مر گئی تو بھی ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ نفقہ صلہ ہے اور صلہ پر قبضہ نہ کرے تو وہ اس کا نہیں ہوتا اس لیے ساقط ہو جائے گا۔

(۲۵/۲۰۷۰) وَاِنْ اَسْلَفَهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ ثُمَّ مَاتَ لَمْ يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا بِشَيْئٍ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ

يُحْتَسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضٰى وَمَا بَقِيَ لِلزَّوْجِ.

حل لغات: اسلفها: پیشگی دیدیا۔

ترجمہ: اور اگر پیشگی دے دے ایک سال کا نفقہ پھر شوہر مرجائے تو واپس نہ لیا جائے گا بیوی سے کچھ اور امام محمدؒ نے فرمایا حساب کر کے دیا جائے گا عورت کو اتنا نفقہ جتنا زمانہ گذر گیا اور باقی شوہر کا ہوگا۔

پیشگی نفقہ دینے کا بیان

تشریح: شوہر نے ایک سال کا نفقہ بیوی کو دے دیا پھر پانچ ماہ بعد مرگیا یا اس کی یہ بیوی مرگئی تو اس عورت سے یا اس کے ترکہ سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا یہ شیخین کا مذہب ہے، کیوں کہ بیوی کا نفقہ صلہ اور ہدیہ ہے اور ہدیہ دینے کے بعد وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے اس لیے واپس نہیں لے گا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جتنا زمانہ گزرا اس کا نفقہ حساب کر کے عورت کے پاس چھوڑ دیا جائے اور باقی شوہر کو واپس کردیا جائے گا مثلاً سال بھر کا نفقہ دیا اور چھ ماہ کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا تو باقی چھ ماہ کا نفقہ واپس لے گا، کیوں کہ نفقہ احتباس کا بدلہ ہے اس لیے جتنے دنوں تک احتباس رہا اتنے ہی دنوں کا نفقہ ساقط ہوجائے گا اور جتنے دنوں احتباس نہیں رہا اتنے دنوں کا نفقہ واپس لیا جائے گا فتح القدیر میں شیخین کے قول پر فتوی نقل کیا ہے۔

(۲۰۷۱/۲۶) وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيْهَا.

ترجمہ: اور اگر شادی کرے غلام آزاد عورت سے تو اس کا نفقہ غلام کے ذمہ ہوگا کہ وہ نفقہ میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس عورت کا نفقہ غلام پر قرض ہوگا لیکن چوں کہ اس کے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ آقا کا مال ہے اس لیے نفقہ اس کے ذمہ دین ہوگا اور اگر ادا نہ کرسکا تو وہ اس میں بیچا جائے گا۔

(۲۰۷۲/۲۷) وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اَمَةً فَبَوَّأَهَا مَوْلَاهَا مَعَهُ مَنْزِلًا فَعَلَيْهِ النَّفَقَةُ وَإِنْ لَّمْ يُبَوِّأْهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا عَلَيْهِ.

حل لغات: بوأ: ماضی مصدر تبوئۃ ٹھہرنا شوہر کے یہاں قیام کروانا۔

ترجمہ: اور اگر کسی نے شادی کی (کسی شخص کی) باندی سے اور آقا نے اسکے ساتھ اپنی باندی کو رات گزارنے کے لئے بھیج دیا تو اس پر نفقہ واجب ہوگا، اور اگر اس کو شوہر کے گھر نہیں بھیجا تو اس کے لئے اس پر نفقہ نہیں ہے۔

تشریح: اگر آزاد مرد نے کسی شخص کی باندی سے نکاح کیا اور آقا نے اس کو شوہر کے گھر رات گذارنے کے لئے بھیج دیا تو اس کا نفقہ شوہر پر لازم ہوگا اور اگر آقا نے الگ ٹھکانہ نہیں دیا تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

(۲۸/۲۰۷۳) وَنَفَقَةُ الْاَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَى الْاَبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيْهَا اَحَدٌ كَمَا لَايُشَارِكُهُ فِيْ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ اَحَدٌ.

ترجمہ: اور چھوٹی اولاد کا نفقہ باپ پر ہے اس میں کوئی شریک نہ ہوگا جیسا کہ شوہر کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا بیوی کے نفقہ میں۔

اولاد کے نفقہ کا بیان

تشریح: اس عبارت میں اولاد کے نفقہ کو بیان کر رہے ہیں چناں چہ فرمایا کہ نابالغ اولاد کا نفقہ صرف ان کے باپ پر واجب ہوگا اس میں باپ کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا جیسے اس کی بیوی کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں ہوتا، یہ حکم ظاہر الروایت کے مطابق ہے اور اس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔

(۲۹/۲۰۷۴) فَاِنْ كَانَ الصَّغِيْرُ رَضِيْعاً فَلَيْسَ عَلٰى اُمِّهٖ اَنْ تُرْضِعَهٗ وَيَسْتَأْجِرُ لَهُ الْاَبُ مَنْ تُرْضِعُهٗ عِنْدَهَا.

ترجمہ: اگر بچہ دودھ پینے والا ہو تو ماں پر واجب نہیں ہے اس کو دودھ پلانا بلکہ اجرت پر لے گا اس کے لئے باپ ایسی عورت کو جو اسے دودھ پلائے اس کی ماں کے پاس۔

ماں پر قضاءً دودھ پلانا واجب نہیں

تشریح: اگر بچہ دودھ پیتا ہو تو قضاءً ماں پر اس بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے کیوں کہ بچہ کی کفایت باپ پر واجب ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے اور دودھ پلائی کی اجرت نفقہ کے مانند ہے تو نفقہ کی طرح دودھ پلائی کی اجرت باپ پر واجب ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ باپ دودھ پلانے کے واسطے ایسی عورت کو اجرت پر لے جو بچہ کی ماں کے پاس رہ کر دودھ پلائے یعنی جب ماں ایسا چاہے تو دودھ پلانے والی کو اس کے پاس رہ کر پلانا لازم ہوگا۔

(۳۰/۲۰۷۵) فَاِنِ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ زَوْجَتُهٗ اَوْ مُعْتَدَّتُهٗ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: پھر اگر اجرت پر لے اسی کو درانحالیکہ وہ اس کی بیوی ہے یا اس کی معتدہ ہے تا کہ اس کے بچہ کو دودھ پلائے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: اگر شوہر نے عورت کو اجرت پر رکھا تا کہ بچہ کو دودھ پلائے حالانکہ وہ اس کی بیوی ہے یعنی نکاح میں

موجود ہے یا اس کی طلاق کی عدت میں ہے تو اس کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ بچہ کی ماں ہے اور دیانۃً اس عورت پر دودھ پلانا خود بھی واجب ہے قضاءً جو اس کے ذمہ لازم نہیں وہ صرف اس لیے، کہ ممکن ہے اسے کوئی مجبوری ہو اور جب وہ اجرت لے کر دودھ پلانے پر تیار ہوگئی تو اس کا عاجز نہ ہونا ظاہر ہو گیا اس لیے اس کو اجرت لینا جائز نہ ہوگا۔

(۲۰۷۶/۳۱) وَاِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَاْجَرَهَا عَلٰى اِرْضَاعِهٖ جَازَ.

ترجمہ: اور اگر اسکی عدت گزر گئی پھر اجرت پر لیا اس عورت کو اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے واسطے تو جائز ہے۔

تشریح: بیوی عدت گزار رہی تھی اب عدت ختم ہوگئی اس کے بعد شوہر نے اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے واسطے جو اسی عورت سے ہے اس کو اجرت پر لیا تو یہ اجارہ جائز ہے، کیوں کہ جب عدت گزر گئی تو اب یہ بیوی نہیں رہی بلکہ اجنبیہ بن گئی اس لیے اس کو اجرت پر لینا جائز ہے۔

(۲۰۷۷/۳۲) وَاِنْ قَالَ الْاَبُ لَااَسْتَاْجِرُهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتِ الْاُمُّ بِمِثْلِ اُجْرَةِ الْاَجْنَبِيَّةِ كَانَتِ الْاُمُّ اَحَقَّ بِهٖ وَاِنِ الْتَمَسَتْ زِيَادَةً لَمْ يُجْبَرِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا.

حل لغات: التمس: مانگنا، تلاش کرنا۔

ترجمہ: اور اگر باپ کہے نہیں اجرت پر لوں گا بچہ کی ماں کو اور کسی دوسری عورت کو لے آئے پھر ماں راضی ہوگئی اتنی ہی اجرت پر جتنی اجنبیہ کی ہے تو ماں اس کی زیادہ حقدار ہوگی اور اگر وہ اجرت زیادہ طلب کرے تو شوہر کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: بچہ کی والدہ عدت گزار کر اجنبیہ ہو چکی تھی اب باپ نے کہا کہ میں بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اس کی ماں کو اجرت پر نہیں لاؤں گا بلکہ اس کے علاوہ دودھ پلانے والی کو لے آیا اب اگر بچہ کی ماں اتنی ہی اجرت پر راضی ہوجاتی ہے، جتنی اجنبیہ مانگتی تھی تو بچہ کی ماں دودھ پلانے اور اجرت پر لینے کی زیادہ حق دار ہے کیوں کہ والدہ کو بچہ سے زیادہ محبت ہے اس لیے وہ زیادہ حق دار ہوگی اور اگر بچہ کی ماں نے اجنبیہ کی اجرت سے زیادہ مانگی تو شوہر یعنی بچے کے باپ کو زیادہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تا کہ نقصان دور ہو اور آیت میں والد کو نقصان دینے سے منع فرمایا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ اور باپ بچہ کی وجہ سے نقصان نہ اٹھائے۔

(۲۰۷۸/۳۳) وَنَفَقَةُ الصَّغِيْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى اَبِيْهِ وَاِنْ خَالَفَهٗ فِيْ دِيْنِهٖ كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَاِنْ خَالَفَتْهُ فِيْ دِيْنِهٖ.

ترجمہ: اور بچہ کا نفقہ واجب ہے اس کے باپ پر اگر چہ باپ اس کے ساتھ دین میں مخالف ہو جیسے واجب ہوتا ہے بیوی کا نفقہ شوہر پر اگر چہ بیوی شوہر سے دین میں مخالف ہو۔

تشریح: نابالغ بچہ کا نفقہ باپ پر واجب ہے اگرچہ ایک دوسرے کے دین میں مخالف ہو مثلاً باپ مسلمان ہے اور اولاد عیسائی ہے پھر بھی جب تک نابالغ ہیں ان کا نفقہ باپ پر واجب ہے جیسے شوہر مسلمان ہو اور بیوی عیسائی ہو پھر بھی اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، اگر بچہ کا نفقہ باپ پر واجب نہ کریں تو بچہ ضائع ہو جائے گا اس لیے چھوٹی اولاد کا نفقہ باپ پر لازم ہے۔

(۲۰۷۹/۳۴) وَإِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَالْأُمُّ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ.

ترجمہ: اور جب واقع ہو جائے جدائی میاں بیوی کے درمیان تو ماں زیادہ حقدار ہے بچہ کی۔

مستحقین پرورش کی تفصیل

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ بچہ کی پرورش کرنے یا پالنے کا کام قرابت داروں کے لئے ثابت ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تمام اشخاص میں سب سے زیادہ پرورش کا حق ماں کو ہے خواہ ماں، باپ کی زوجیت میں ہو یا طلاق یافتہ ہو، یعنی اگر میاں بیوی میں جو کہ اس بچہ کے والدین ہیں کسی وجہ سے فرقت ہو جائے تو اب وہ بچہ کس کی پرورش میں رہے گا؟ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ چھوٹے بچہ کی پرورش کا استحقاق باپ کو نہیں بلکہ ماں کو ہے جب تک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔

(۲۰۸۰/۳۵) فَإِنْ لَّمْ تَكُنِ الْأُمُّ فَأُمُّ الْأُمِّ أَوْلٰى مِنْ أُمِّ الْأَبِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ أُمُّ الْأُمِّ فَأُمُّ الْأَبِ أَوْلٰى مِنَ الْأَخَوَاتِ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ جَدَّةٌ فَالْأَخَوَاتُ أَوْلٰى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ.

ترجمہ: اگر ماں نہ ہو تو نانی زیادہ حقدار ہے دادی سے اور اگر نانی نہ ہو تو دادی زیادہ بہتر ہے بہنوں سے اور اگر دادی بھی نہ ہو تو بہنیں زیادہ حق دار ہیں پھوپھیوں اور خالاؤں سے۔

تشریح: بچوں سے محبت کا تعلق ماں کی طرف ہے اور ماں کے رشتہ داروں کی طرف ہے اور باپ کے رشتہ داروں کی طرف کم ہے اس لیے پرورش کا حق بھی ماں کے رشتہ داروں کو پہلے ہے اور باپ کے رشتہ داروں کو بعد میں ہے اس لیے ماں کے رشتہ دار نہ ہوں یا ہوں لیکن نہ لینا چاہتے ہوں تب باپ کے رشتہ داروں کو ملے گا اس کے بعد آپ سمجھیں کہ اگر بچہ کی ماں نہ ہو بایں طور کہ وہ مر گئی یا کسی اجنبی شخص سے نکاح کر لیا تو نانی بچہ کی زیادہ حق دار ہوگی بہ نسبت دادی کے، نانی خواہ اوپر کے درجہ کی ہو یعنی پر نانی یا اس کے بعد اور اگر بچہ کی نانی پر نانی بھی نہیں ہے تو بہنوں کے مقابلہ میں بچہ کی زیادہ حق دار دادی ہوگی، کیوں کہ دادی بھی ماں ہی ہے نیز دادی کی شفقت پیدائشی قرابت کی وجہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے اگر بچہ کی دادی نہ ہو تو پھوپھیوں اور خالاؤں کی بہ نسبت بہنیں زیادہ حق دار ہیں کیوں کہ وہ اس کے ماں باپ کی لڑکیاں ہیں اور بہنیں زیادہ محبت رکھتی ہیں اس لیے خالہ اور پھوپھی سے وہ زیادہ حقدار ہوں گی۔

(۳۶/۲۰۸۱) وَتُقَدَّمُ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ وَالْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ.

ترجمہ: اور مقدم ہوگی حقیقی بہن پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ جس عورت کے ساتھ دوطرح کی قرابت ہو وہ ایک قرابت والی سے زیادہ حقدار ہے چناں چہ فرمایا کہ حقیقی بہن یعنی جو ماں اور باپ دونوں جانب سے رشتہ دار ہوئی وہ دوسری بہنوں یعنی فقط ماں شریک (جس کو اخیافی کہتے ہیں) اور فقط باپ شریک (جس کو علاتی کہتے ہیں) پر مقدم ہوگی، کیوں کہ حقیقی بہن کی شفقت دوسری بہنوں سے زیادہ ہے پھر ماں شریک بہن کو باپ شریک بہن پر ترجیح ہوگی کیوں کہ اس کو محبت زیادہ ہوتی ہے۔

(۳۷/۲۰۸۲) ثُمَّ الْخَالَاتُ اَوْلٰی مِنَ الْعَمَّاتِ.

ترجمہ: پھر خالائیں مقدم ہیں پھوپھیوں سے۔

تشریح: کیوں کہ خالہ کو ماں کے ساتھ قرابت حاصل ہے نہ کہ پھوپھی کو اور پرورش کرنے میں ماں کے رشتہ داروں کو سبقت حاصل ہے نہ کہ پدری قرابت کو۔

(۳۸/۲۰۸۳) وَيَنْزِلْنَ كَمَا نَزَلَتِ الْاَخَوَاتُ ثُمَّ الْعَمَّاتُ يَنْزِلْنَ كَذَالِكَ.

ترجمہ: اور ان میں وہی ترتیب ہوگی جو ترتیب بہنوں میں ہے پھر پھوپھیاں ترتیب وار ہوں گی اس طرح۔

تشریح: جس طرح بہنوں میں یہ ترتیب تھی کہ حقیقی بہن زیادہ حق دار تھی پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن اسی طرح خالہ میں بھی حقیقی خالہ یعنی ماں باپ دونوں شریک خالہ زیادہ حقدار ہوگی پھر ماں شریک خالہ پھر باپ شریک خالہ اسی طرح حقیقی پھوپھی پھر ماں شریک پھوپھی پھر باپ شریک پھوپھی۔ ینزلن کا یہی مطلب ہے۔

(۳۹/۲۰۸۴) وَكُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ هٰؤُلَاءِ سَقَطَ حَقُّهَا فِي الْحَضَانَةِ اِلَّا الْجدَّةَ اِذَا كَانَ زَوْجُهَا الْجَدَّ.

حل لغات: الحضانة: حاء کے زیر اور زبر کے ساتھ دونوں طرح درست ہے لیکن بالفتح زیادہ مشہور ہے لغت کی رو سے یہ فعل حَضَنَتِ الصَّغِيْرَ حَضَانَةً (یعنی اس نے بچہ کا خرچ اور پرورش کا بوجھ بار برداشت کیا) کا مصدر ہے اس کا مادہ حضن بکسر 'حا' ہے جس کے معنی آغوش کے ہیں اور حاضنہ پرورش کرنے والی کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس کے معنی ہیں چھوٹے بچے، عاجز، مجنون، کو حتی المقدور مضرتوں سے بچانا اور اس کی اصلاح وتربیت مثلاً صاف ستھرا رکھنا کھلانا پلانا اور ضروریات راحت کا خیال رکھنا ہے۔

ترجمہ: جس نے شادی کرلی ان عورتوں میں سے تو ساقط ہوجائے گا اس کا حق پرورش میں مگر نانی جب کہ اس کا شوہر بچہ کا دادا ہو۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جن عورتوں کو بچہ کی پرورش کرنے کا حق ہے ان میں سے اگر کسی نے نکاح کرلیا تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ اس بچہ کی ماں کا شوہر جب اجنبی مرد ہے تو وہ اس بچہ کو تھوڑی چیز دے گا اور گھور کر دیکھے گا اس سے بچہ کو تکلیف ہوگی اس لیے مذکورہ عورت کا حق ساقط ہو جائے گا ہاں اگر اس بچہ کی نانی نے اپنا نکاح اس بچہ کے دادا سے کیا یا اس کی دادی نے اپنا نکاح اس بچہ کے نانا سے کیا تو اس نانی یا دادی کا حق پرورش ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ نانا اور دادا اس بچہ کے باپ کے قائم مقام ہے لہٰذا شفقت باقی رہے گی۔

(۲۰۸۵/۴۰) فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ اِمْرَأَةٌ مِنْ اَهْلِهٖ فَاخْتَصَمَ فِيْهِ الرِّجَالُ فَاَوْلَاهُمْ بِهٖ اَقْرَبُهُمْ تَعْصِيْبًا.

ترجمہ: اگر نہ ہو بچہ کے لئے کوئی عورت اس کے رشتہ داروں میں سے اور جھگڑیں اس کے سلسلہ میں مرد تو ان میں سے زیادہ حق دار قریبی عصبہ ہوگا۔

تشریح: اگر بچہ کی پرورش کرنے والی اس کے خاندان اور کنبہ میں کوئی عورت نہ ہو اور مردوں میں اس بچہ کی پرورش کی بابت اختلاف پیدا ہو گیا تو ان مردوں میں بچہ کی پرورش کرنے کا زیادہ حق دار وہ شخص ہوگا جس کو عصبہ ہونے کے اعتبار سے پہلے میراث ملتی ہے وہ نہ ہو تو اس کے بعد جس کو ملتی ہے علی ہذا القیاس، اور عصبہ کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے بیٹے کو وراثت ملتی ہے پھر باپ پھر دادا پھر چچا پھر بھائی پھر چچا زاد بھائی کو اسی ترتیب سے بچہ پرورش کے لئے ملے گا۔

(۲۰۸۶/۴۱) وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتّٰى يَاْكُلَ وَحْدَهٗ وَيَشْرَبَ وَحْدَهٗ وَيَلْبَسَ وَحْدَهٗ وَيَسْتَنْجِيْ وَحْدَهٗ.

ترجمہ: ماں اور نانی لڑکے کی زیادہ حق دار ہیں اس وقت تک کہ وہ خود کھانے لگے اور خود پینے لگے اور خود استنجاء کرنے لگے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ماں اور نانی لڑکے کی پرورش زیادہ حقدار اس وقت تک ہیں جب تک بچہ اکیلا کھانا نہ کھانے لگے اور اکیلا نہ پینے لگے اور اکیلا نہ پہننے لگے اور تنہا استنجا نہ کرنے لگے اور یہ عام طور سے سات سال کی عمر میں ہوتا ہے اس کے بعد لڑکا باپ کی نگرانی میں چلا جائے گا تاکہ مردانہ کام کاج سیکھ سکے اور زندگی گزار سکے۔

(۲۰۸۷/۴۲) وَبِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَحِيْضَ.

ترجمہ: اور (ماں اور نانی) لڑکی کی (زیادہ مستحق ہیں) اس کے حیض آنے تک۔

لڑکا اور لڑکی میں حق پرورش کب تک ہے؟

تشریح: جب تک لڑکی کو حیض نہ آجائے اور بالغ نہ ہو جائے ماں اور نانی اس کی پرورش کرنے کی حق دار ہیں

کیوں کہ سات آٹھ سال میں وہ بے نیاز ہوگی اس کے بعد عورتوں سے کچھ کام کاج سیکھنے کے لئے وقت درکا ہے جو ماں اورنانی کے پاس سیکھے گی اس لیے بالغ ہونے تک ان کے پاس رہے گی اور بالغ ہونے کے بعد اس کی نگرانی کی ضرورت ہے اور شادی کرانے کی ضرورت ہے جو باپ اچھی طرح کرسکتا ہے اس لیے بالغ ہونے کے بعد باپ لڑکی کا زیادہ حقدار ہے لڑکا اور لڑکی سے متعلق مذکورہ تفصیل احناف کے مذہب کے مطابق ہے، اس کے علاوہ یہاں تین مذہب اور ہیں (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک خواہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو عقل وشعور آنے تک پرورش کا حق ماں کے لئے ہے اور پھر اس کے بعد دونوں کو اختیار ہوگا والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہئے (۲) امام احمد کے نزدیک لڑکے میں تو اسی طرح ہے کما قال الشافعی، اورلڑکی عقل وسمجھ آنے تک ماں کے پاس رہے گی اس کے بعد باپ کے پاس رہے گی۔ (۳) امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ لڑکی میں پرورش کا حق ماں کے لئے ہے اگر چہ بالغ ہوجائے جب تک نکاح نہ کرے، اورلڑکے میں ماں کے لئے پرورش کا حق اس کے بلوغ تک ہے۔

(۲۰۸۸/۴۳) وَمَنْ سِوَى الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ اَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ حَدًّا تَشْتَهِيْ.

حل لغات: تشتهي: شہوت ہونے لگے۔

ترجمہ: ماں اورنانی کے علاوہ عورتیں حقدار ہیں لڑکی کے قابل شہوت ہونے تک۔

تشریح: ماں اوردادی کے علاوہ اور پرورش کرنے والی عورتیں جیسے خالہ پھوپھی وغیرہ لڑکی کی پرورش کی مستحق اس وقت تک ہیں جب تک کہ اس کو شہوت نہ ہونے لگے اور جب شہوت ورغبت کے لائق ہوجائے تو باپ کے پاس واپس کردے، کیوں کہ یہ عورتیں اتنے اچھے انداز میں نہ کام سکھائیں گی اور نہ تربیت کرسکیں گی اس لیے بے نیاز ہونے تک لڑکی کو اپنے پاس رکھ سکتی ہیں۔

(۲۰۸۹/۴۴) وَالْاَمَةُ اِذَا اَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَاُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ فَهِيَ فِيْ الْوَلَدِ كَالْحُرَّةِ.

ترجمہ: اور باندی کو جب اس کے آقا نے آزاد کردیا اور ام ولد جب آزاد کردی گئی تو وہ بچہ کے حق میں آزاد عورت کے مانند ہے۔

تشریح: آقا نے اپنی باندی کا کسی سے نکاح کیا اس سے بچہ پیدا ہوا یا ام ولد کا نکاح کردیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا پھر آقا نے ان کو آزاد کردیا تو اس بچہ کی پرورش کی حقدار (آزاد کی طرح) اس کی یہ ماں ہوگی۔

(۲۰۹۰/۴۵) وَلَيْسَ لِلْاَمَةِ وَاُمِّ الْوَلَدِ قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِيْ الْوَلَدِ.

ترجمہ: اورنہیں ہے باندی کے لئے اور ام ولد کے لئے آزادی سے پہلے بچہ میں کوئی حق۔

تشریح: آزاد ہونے سے پہلے باندی اور ام ولد کا بچہ کی پرورش میں کوئی حق نہیں ہے، کیوں کہ یہ دونوں آقا

کی خدمت میں مشغول رہیں گی اس لیے صحیح طور پر بچہ کی پرورش کا موقع نہیں ملے گا البتہ باپ پرورش کے لئے دے تو بہتر ہے کیوں کہ ماں ہے۔

(۲۰۹۱/۴۶) وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَالَمْ يَعْقِلِ الْاَدْيَانَ لَوْيَخَافُ عَلَيْهِ اَنْ يَاْلَفَ الْكُفْرَ.

حل لغات: ادیان: دین کی جمع ہے، یالف: مضارع باب (س) الفاً مانوس ہونا۔

ترجمہ: ذمیہ عورت زیادہ حقدار ہے اپنے مسلمان بچہ کی جب تک کہ وہ دین نہ سمجھنے لگے اگر خوف ہو اس پر کہ وہ کفر سے مانوس ہو جائے گا۔

تشریح: اگر کسی مسلمان مرد نے کسی ذمیہ کتابیہ عورت سے نکاح کیا پھر اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ مسلمان باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا مگر اس کی پرورش کرنے کی زیادہ مستحق اس کی ذمیہ ماں ہوگی اور ذمیہ کی پرورش میں اس وقت تک رہے گا جب تک کہ بچہ میں دین کی سمجھ نہ ہو اور بچہ کے کفر سے مانوس ہونے کا ڈر نہ ہو، اور جب بچہ دین ومذہب سمجھنے لگے تو ایسی حالت میں بچہ کی پرورش کرنے کی مستحق ذمیہ ماں نہیں ہوگی، کیوں کہ اس کے بعد اس کے پاس رہنے میں بچہ کا نقصان ہے کیوں کہ ماں اس کو اخلاق کفر کا خوگر بنا دے گی۔

(۲۰۹۲/۴۷) وَاِذَا اَرَادَ الْمُطَلَّقَةُ اَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمَصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذَالِكَ اِلَّا اَنْ تُخْرِجَهٗ اِلٰى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيْهِ.

ترجمہ: اور جب چاہے مطلقہ لے جانا اپنے بچہ کو شہر سے باہر تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اس کو اپنے وطن کی طرف لے جائے جہاں شوہر نے اس سے نکاح کیا تھا۔

زیر پرورش بچہ کے ساتھ سفر کرنے کا بیان

تشریح: مطلقہ عورت کے پاس بچہ پرورش میں تاعدت پوری ہونے کے بعد بچہ کو شوہر کی اجازت کے بغیر شہر سے باہر لیجانا چاہتی ہے تو نہیں لے جا سکتی کیوں کہ ایسا کرنے میں باپ کو اپنے بچہ کی جدائی سے صدمہ ہوگا، ہاں اگر عورت اس بچہ کو اپنے وطن لے جانا چاہے جہاں شوہر نے بیوی سے شادی کی تھی وہ عورت کا میکہ ہے وہاں عورت کا خاندان ہے وہاں عورت جائے گی تو بچہ کو بھی ساتھ لے جانے کا حق رکھے گی ورنہ ماں کو تکلیف ہوگی۔

(۲۰۹۳/۴۸) وَعَلَى الرَّجُلِ اَنْ يُنْفِقَ عَلٰى اَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَجَدَّاتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ وَاِنْ خَالَفُوْهُ فِيْ دِيْنِهٖ.

ترجمہ: اور آدمی پر لازم ہے کہ وہ خرچ کرے اپنے والدین دادا اور دادیوں پر جب کہ وہ فقیر ہوں اگر چہ وہ

اس کے دین کے خلاف ہوں۔

تشریح: حنفیہ کہتے ہیں کہ باپ دادا گو اوپر کی نسل میں ہوں تو ان کا خرچہ ان کی اولاد پر واجب ہے پس لازم ہے کہ بیٹا اپنے باپ دادا اور پڑدادا پر خرچ کرے اور نانا پر بھی دراں حالانکہ وہ محتاج ہوں اس حکم میں ماں بھی باپ کے مانند ہے، یہ لوگ خواہ مسلمان ہوں یا کافر ہر صورت میں یہی حکم ہے، کیوں کہ آیت میں ہے وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفاً یعنی دنیا میں والدین کے ساتھ خیر خواہی کے ساتھ رہو اس آیت میں ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور چوں کہ اتحاد دین کی قید نہیں ہے اس لیے والدین کافر بھی ہوں تو بھی ان کے ساتھ اعتدال کا برتاؤ رکھو۔

(۴۹/۲۰۹۴) وَلَا تَجِبُ النَّفَقَةُ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ اِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْاَبَوَيْنِ وَالْاَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْوَلَدِ.

ترجمہ: اور نہیں واجب ہوگا نفقہ اختلاف دین کے باوجود مگر بیوی کا والدین کا دادا نانا کا دادی نانی کا لڑکے کا اور پوتے کا۔

تشریح: اگر دین اور مذہب الگ الگ ہوں پھر بھی مذکورہ لوگوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے ان کے علاوہ کا نفقہ اختلاف دین کے ساتھ لازم نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ وجوب نفقہ کا دارومدار وراثت پر ہے اور مسلم و کافر کے درمیان وراثت نہیں برخلاف زوجہ کے کہ اس کا نفقہ احتباس کی مزدوری ہے اس لیے اگر بیوی یہودیہ یا نصرانیہ ہو پھر بھی اگر شوہر کے گھر میں رہتی ہو تو اس کا نفقہ ہوگا اور بیوی کے علاوہ باقی لوگوں کا نفقہ اس وجہ سے لازم ہوتا ہے، کہ جزء ہونا ثابت ہے اور آدمی کا جز اس کی ذات کے حکم میں ہوتا ہے جس طرح آدمی اپنی ذات کا نفقہ اپنے کافر ہونے کی وجہ سے نہیں روکتا ایسے ہی جن کے ساتھ جزئیت کا علاقہ ہے ان کا نفقہ بھی نہیں روک سکتا لہٰذا اگر یہ محتاج ہوں تو ان سب کا نفقہ واجب ہوگا۔

(۵۰/۲۰۹۵) وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدَ فِيْ نَفَقَةِ اَبَوَيْهِ اَحَدٌ.

ترجمہ: اور شریک نہیں ہوگا بچہ کے ساتھ والدین کے نفقہ میں کوئی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر والدین تنگدست ہوں اور ان کا بچہ مالدار ہو تو ان کا نفقہ خاص طور سے اسی پر واجب ہوگا اس کے ساتھ نفقہ دینے میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، کیوں کہ نفقہ ایک عطیہ ہے جو قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے لہٰذا جو والدین سے زیادہ قریب ہوگا وہی ان کو نفقہ دینے کا زیادہ مستحق ہوگا اور لڑکا اپنے والدین سے زیادہ قرابت رکھتا ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے۔

(۵۱/۲۰۹۶) وَالنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِكُلِّ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ اِذَا كَانَ صَغِيْراً فَقِيْراً اَوْ كَانَتِ امْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيْرَةً اَوْ كَانَ ذَكَراً زَمِناً اَوْ اَعْمٰى فَقِيْراً يَجِبُ ذٰلِكَ عَلٰى مِقْدَارِ الْمِيْرَاثِ.

حل لغات: زمن: اپاہج لنجا، اعمٰی: اندھا۔

ترجمہ: اور نفقہ واجب ہے ہر ذی رحم محرم کے لئے جب کہ وہ چھوٹے ہوں اور محتاج ہوں یا عورت بالغہ محتاج ہو یا اپاہج مرد ہو یا اندھا فقیر ہو واجب ہوگا یہ نفقہ بقدر میراث۔

تشریح: اولاً آپ یہ سمجھیں کہ ذی رحم محرم وہ ہے جس کے ساتھ ہمیشہ نکاح حرام ہو، اور ذی رحم محرم کی قید اس لیے لگائی کہ اگر رحم پایا جائے محرم نہ پایا جائے جیسے چچازاد بھائی یا محرم ہوں اور رحم نہ ہو جیسے رضائی بھائی یا بہن یا رحم اور محرم دونوں ہوں مگر بغیر قرابت کے جیسے چچازاد بھائی جو رضائی بھائی بھی ہے ان کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوگا، اب صورت مسئلہ سمجھیں قریب کے رشتہ داروں کا نفقہ تین شرطوں پر واجب ہے ایک تو یہ کہ نفقہ دینے والے کے پاس مال ہو دوسرے یہ کہ ذی رحم محرم کے پاس نفقہ کی مقدار مال نہ ہو اور تیسرے یہ کہ آدمی کی ایسی مجبوری ہو کہ خود کام کر کے نفقہ حاصل کرنے پر قادر نہ ہو مثلاً ذی رحم محرم چھوٹا ہو اور فقیر ہو یا عورت بالغہ ہو لیکن فقیر ہو یا مرد ہو لیکن اپاہج ہو یا نابینا ہو اور فقیر ہو ان لوگوں کا نفقہ رشتہ داروں پر واجب ہوگا میراث کی مقدار مثلاً دو بھائی ہیں تو دونوں پر آدھا آدھا نفقہ ہوگا، کیوں کہ دونوں کو اس ذی رحم محرم کی آدھی آدھی میراث ملے گی۔

(۲۰۹۷/۵۲) وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْإِبْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالْإِبْنِ الزَّمِنِ عَلٰى اَبَوَيْهِ اَثْلَاثًا عَلَى الْاَبِ الثُّلُثَانِ وَعَلَى الْاُمِّ الثُّلُثُ.

ترجمہ: اور واجب ہے بالغہ بیٹی اور اپاہج بیٹے کا نفقہ والدین پر تین حصہ کر کے دو حصہ باپ پر اور ایک حصہ ماں پر۔

تشریح: بالغہ بیٹی کے پاس مال نہیں ہے تو اس کا نفقہ ماں اور باپ دونوں پر ہے اسی طرح بالغ لڑکا ہے جو اپاہج ہے کام نہیں کر سکتا تو اس کا نفقہ بھی والدین پر واجب ہے باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی واجب ہوگا، دلیل یہ ہے کہ اگر والدین اپنے لڑکے یا لڑکی کے وارث ہوں تو ان کو اسی حساب سے میراث ملتی ہے لہٰذا ان پر نفقہ بھی اسی مقدار کے مطابق واجب ہوگا۔

(۲۰۹۸/۵۳) وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اِخْتِلَافِ الدِّيْنِ.

ترجمہ: اور واجب نہیں ان کا نفقہ اختلاف دین کے ساتھ۔

تشریح: والدین اولاد اور بیوی کے علاوہ جو لوگ ایسے ہیں جن سے ہمیشہ نکاح حرام ہے اگر وہ دین میں مختلف ہوں مثلاً یہودی یا عیسائی یا کافر ہوں تو ان کا نفقہ مسلمان ذی رحم محرم پر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ آیت میں۔ ہے 'وعلی الوارث مثل ذالك' اس کا مطلب یہ ہے کہ جو وارث ہوں ان پر ذی رحم محرم کا نفقہ لازم ہوگا اور اختلاف دین کی وجہ سے ان کا وارث نہیں ہو سکے گا اس لیے ان کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

(۲۰۹۹/۵۴) وَلَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيْرِ.

ترجمہ: اور نفقہ نہیں واجب ہوگا فقیر پر۔

تشریح: آدمی خود فقیر ہو تو بیوی اور نابالغ اولاد کے علاوہ کا نفقہ اس پر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ خود فقیر ہے تو اس کا نفقہ دوسرے رشتہ داروں پر لازم ہوگا اس لیے اس پر کیسے لازم کیا جا سکتا ہے؟ البتہ بیوی اور چھوٹی اولاد کا نفقہ فقیر ہونے کے باوجود لازم ہوگا، کیوں کہ شادی پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے یا مال کما کر لائے گا اس لیے ان کا نفقہ فقیر ہونے کی حالت میں بھی لازم ہوگا۔

(۲۱۰۰/۵۵) وَاِذَا کَانَ لِلِابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ عَلَيْهِ بِنَفَقَةِ اَبَوَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر غائب بیٹے کے پاس مال ہے تو فیصلہ کیا جائے گا اس پر اس کے والدین کے نفقہ کا۔

تشریح: والدین کے پاس مال نہ ہو اور غائب بیٹے کا مال کسی کے پاس امانت ہو یا کسی پر قرض ہو تو والدین بیوی اور چھوٹی اولاد کے لئے قاضی نفقہ کا فیصلہ کر سکتا ہے اصل قاعدہ یہ ہے کہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، لیکن یہ حقیقت میں فیصلہ نہیں ہے کیوں کہ ان کا نفقہ تو پہلے ہی سے واجب ہے یہ تو صرف نفقہ لینے کا حکم کرنا ہے۔

(۲۱۰۱/۵۶) وَاِنْ بَاعَ اَبَوَاهُ مَتَاعَهُ فِيْ نَفَقَتِهِمَا جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر بیچ دے والدین بیٹے کا سامان اپنے نفقہ میں تو جائز ہے امام صاحب کے نزدیک اور اگر زمین کو بیچ دے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: غائب لڑکے کے مال میں اناج چاول دال وغیرہ نہیں ہے کہ ان کو خرچ میں لا سکے البتہ کچھ منقول چیزیں ہیں والدین نے ان کو بیچ دیا اور خرچہ چلایا تو امام صاحب کے نزدیک فروخت کرنا جائز ہے البتہ زمین وغیرہ غیر منقولی چیزوں کو بیچنا درست نہیں ہے، کیوں کہ زمین اہم چیز ہے ایک مرتبہ بیچنے کے بعد دوبارہ ہاتھ آنا مشکل ہے اس لیے بیچنا درست نہیں ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے کے بعد والدین کی جائداد الگ ہوگئی اور بچہ کی جائداد الگ ہوگئی اس لیے والدین دوسرے کی جائداد نہیں بیچ سکتے خواہ جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔

(۲۱۰۲/۵۷) وَاِنْ کَانَ لِلِابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِيْ يَدِ اَبَوَيْهِ فَاَنْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمَنَا.

ترجمہ: اور اگر غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضہ میں ہو اور انہوں نے اس میں سے خرچ کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح: غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضہ میں تھا اور محتاج والدین نے اس میں سے اپنا نفقہ لے لیا تو اس

مال کے ضامن نہ ہوں گے کیوں کہ قاضی کے فیصلہ سے پہلے بھی والدین کا نفقہ لڑکے کے مال میں واجب تھا اس لیے جو مال ان کے ہاتھ میں تھا اس میں سے خرچ کر لیا تو گویا کہ اپنا حق وصول کر لیا، اس لیے وہ ضامن نہ ہوں گے۔

(۲۱۰۳/۵۸) وَاِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فِيْ يَدِ اَجْنَبِيٍّ فَانْفَقَ عَلَيْهِمَا بِغَيْرِ اِذْنِ الْقَاضِيْ ضَمِنَ.

ترجمہ: اور اگر غائب کا مال اجنبی کے پاس ہو اور وہ ان پر خرچ کر دے بغیر قاضی کی اجازت کے تو وہ ضامن ہوگا۔

تشریح: غائب بیٹے کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں تھا اس اجنبی نے اس کے والدین پر بغیر قاضی کی اجازت کے خرچ کر دیا تو وہ اجنبی اس مال کا ضامن ہوگا، کیوں کہ جو مال اجنبی کے پاس ہے وہ اس کا محافظ ہے اس کو کسی پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے چاہے غائب کے والدین ہی کیوں نہ ہوں اس لیے ان پر خرچ کرنے سے ضامن ہوگا ہاں اگر قاضی نے حکم دیا تو اب خرچ کرنے سے ضامن نہ ہوگا، کیوں کہ قاضی کے لئے اذن عام ہے۔

(۲۱۰۴/۵۹) وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَلِذَوِي الْاَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهُمُ الْقَاضِيْ فِي الْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ.

حل لغات: الاستدانة: مصدر ہے قرض لینا۔

ترجمہ: اور اگر فیصلہ کر دیا قاضی نے اولاد والدین اور ذی رحم محرم کے لئے نفقہ کا اور ایک مدت گزر گئی تو ساقط ہو جائے گا مگر یہ کہ اجازت دے دے قاضی ان کو اس کے ذمہ قرض لیتے رہنے کی۔

تشریح: اگر قاضی نے کسی آدمی پر اس کے بیٹے والدین اور ذی رحم محرم کا نفقہ مقرر کیا اور بغیر نفقہ کے ایک مدت گزر گئی تو اس مدت کا نفقہ ساقط ہو گیا کیوں کہ ان لوگوں کا نفقہ ضرورت پوری کرنے کے واسطے واجب ہوتا ہے اور اتنی مدت گزرنے سے اس مدت کی کفایت ہو چکی اس لیے اس مدت کا نفقہ ساقط ہو گیا آگے فرماتے ہیں کہ اگر قاضی نے مرد غائب پر قرضہ لینے کا حکم دیا ہے تو مدت گزرنے سے ان کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ قاضی کو ولادیت عامہ حاصل ہے۔

(۲۱۰۵/۶۰) وَعَلَى الْمَوْلٰى اَنْ يُّنْفِقَ عَلٰى عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ فَاِنِ امْتَنَعَ مِنْ ذَالِكَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اِكْتَسَبَا وَاَنْفَقَا مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمَا كَسْبٌ اُجْبِرَ الْمَوْلٰى عَلٰى بَيْعِهِمَا.

ترجمہ: اور آقا پر واجب ہے کہ وہ خرچ کرے اپنے غلام اور باندی پر اگر وہ اس سے رک گیا اور ان کا کمایا ہوا کچھ مال ہو تو وہ اس میں سے اپنے اوپر خرچ کر لیں اور اگر ان کی کوئی کمائی نہ ہو تو مجبور کیا جائیگا آقا پر ان کے بیچ دینے کا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ آقا پر واجب ہے کہ وہ اپنے غلام اور باندی کو نفقہ دے اب اگر آقا نے ان کو نفقہ دینے

سے انکار کیا تو دیکھا جائے گا کہ غلام اور باندی کمانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں اگر وہ کما سکتے ہیں تو کما کر اپنا گذارا کریں اور اگر دونوں کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے مثلاً غلام اپاہج ہے یا باندی ایسی ہے جس کو لوگ اجرت پر نہیں لیتے تو اس صورت میں آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ ان کو فروخت کردے تا کہ دوسرا آقا ان کا نفقہ ادا کر سکے اور ان کی جان جانے سے بچا سکے۔

كِتَابُ العِتَاقِ

(یہ کتاب آزادی کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب النفقات اور کتاب العتاق کے درمیان مناسبت احیاء (زندہ کرنا) کے مفہوم کے اعتبار سے ہے عتاق میں احیاء کا مفہوم اس لیے ہے کہ کفر حکماً موت ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے اَوَ مَنْ كَانَ مَيتاً فَاَحْيَيْنَاهُ یعنی وہ کافر تھے ہم نے ان کو ہدایت دی اور غلامی کفر کا اثر ہے لہٰذا غلامی کو دور کرنا ایک طرح کا زندہ کرنا اور زندگی بخشنا ہے مثلاً آزادی کے بعد اس کی گواہی قبول ہوگی انفاق میں بھی زندگی بخشنا موجود ہے (رقم الحاشیہ ۸)

عتاق کی لغوی تحقیق: عتاق عتاقہ عتق عین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح منقول ہیں فتح کی صورت میں مصدر ہے یعنی آزاد کرنا اور کسرہ کی صورت میں اسم مصدر ہے یعنی آزادی، عتق کے لغوی معنی قوت کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: عتق شریعت میں اس قوت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان شہادت ولایت اور قضاء کا اہل ہوگا۔

آزاد کرنے کا ثبوت اور فضیلت قرآن کریم میں ہے

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی سے کیا مراد ہے وہ کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے۔

اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی آدمی مسلمان کو آزاد کرے تو اللہ اس کے ہر عضو کے بدلہ آگ سے اس کے عضو کو آزاد کریں گے۔ (بخاری شریف ۱/ ۳۴۲)

(۱/۲۰۶) اَلعِتقُ تَقَعُ مِنَ الحُرِّ البَالِغِ العَاقِلِ فِيْ مِلْكِهِ.

ترجمہ: آزادی واقع ہو جاتی ہے آزاد بالغ عاقل سے اپنی ملک میں۔

تشریح: عبارت میں عتق سے مراد اعتاق (آزاد کرنا) ہے صاحب کتاب نے اس عبارت میں صحت اعتاق

کے واسطے چار شرطیں بیان کی ہیں (۱) آزاد کرنے والا خود آزاد ہو (۲) آزاد کرنے والا بالغ ہو (۳) آزاد کرنے والا عاقل ہو (۴) غلام آزاد کرنے والے کی ملک میں ہو۔

(۲/۲۱۰۷) فَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهٖ اَوْ اَمَتِهٖ اَنْتَ حُرٌّ اَوْ مُعْتَقٌ اَوْ عَتِيْقٌ اَوْ مُحَرَّرٌ اَوْ حَرَّرْتُكَ اَوْ اَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَى الْمَوْلٰى الْعِتْقَ اَوْ لَمْ يَنْوِ.

حل لغات: حر: آزاد، معتق: عتق سے اسم مفعول ہے آزاد کیا ہوا ہے، عتیق: فعیل کے وزن پر اسم مفعول ہے آزاد کیا ہوا، محرر: آزاد کیا ہوا یہ بھی اسم مفعول ہے، حررت: میں نے آزاد کیا، اعتقتك: میں نے تجھے آزاد کیا۔

ترجمہ: اگر کہا اپنے غلام یا باندی سے تو آزاد ہے یا آزاد کیا ہوا ہے یا معتق ہے یا عتیق ہے یا میں نے تجھ کو آزاد کیا تو وہ آزاد ہو گیا آقا نے آزادی کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

کن الفاظ سے آزادی ہوگی اور کن سے نہیں ان کا بیان

تشریح: عربی زبان میں آزاد کرنے کے یہ سب جملے ہیں کہ ان سب جملوں کو استعمال کرنے سے آزادی واقع ہو جائے گی اور چوں کہ یہ الفاظ صریح ہیں اس لیے نیت کرے یا نہ کرے ہر حال میں آزادی واقع ہو جائے گی۔

(۳/۲۱۰۸) وَكَذَالِكَ اِذَا قَالَ رَأْسُكَ حُرٌّ اَوْ رَقَبَتُكَ اَوْ بَدَنُكَ اَوْ قَالَ لِاَمَتِهٖ فَرْجُكِ حُرٌّ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر کہا تیرا سر آزاد ہے یا تیری گردن یا تیرا بدن یا کہا اپنی باندی سے تیری شرمگاہ آزاد ہے۔

تشریح: مذکورہ تمام الفاظ سے مملوک آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ یہ تمام الفاظ ایسے ہیں جن سے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے پورا غلام باندی آزاد ہو جائیں گے باقی تفصیل کتاب الطلاق مسئلہ (۱۸۳۴)(۲۶) میں دیکھ لیں۔

(۴/۲۱۰۹) وَاِنْ قَالَ لَا مِلْكَ لِيْ عَلَيْكَ وَنَوٰى بِذَالِكَ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَاِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يَعْتِقْ وَكَذَالِكَ جَمِيْعُ كِنَايَاتِ الْعِتْقِ.

ترجمہ: اور اگر کہا نہیں ہے میری ملک تجھ پر اور نیت کی اس سے آزادی کی تو آزاد ہو جائے گا اور اگر نیت نہیں کی تو آزاد نہیں ہوگا اسی طرح عتق کے تمام کنائی الفاظ ہیں۔

تشریح: آزاد کرنے کے لئے الفاظ کنایہ استعمال کئے اگر ان سے آزاد کرنے کی نیت ہو تو آزاد ہو جائے گا

اوراگر آزاد کرنے کی نیت نہ ہو تو آزاد نہ ہوگا یہاں عبارت میں کنائی الفاظ کی مثال بیان کی ہے، مثلاً کسی نے اپنے مملوک سے کہا میری تم پر ملکیت نہیں ہے، اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک معنی تو یہ ہے کہ تم کو بیچ دیا اس لیے میری تم پر ملکیت نہیں ہے اس سے آزادی نہیں ہوگی اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ میں نے تم کو آزاد کردیا اس لیے میری تم پر ملکیت نہیں ہے اس دوسرے معنی کے لینے سے آزاد ہو جائے گا لیکن اس معنی کے لینے کے لئے نیت کرنی ہوگی۔

(۲۱۱۰/۵) وَاِنْ قَالَ لَاسُلْطَانَ لِیْ عَلَیْكَ وَنَوٰی بِهِ الْعِتْقَ لَمْ یَعْتِقْ.

ترجمہ: اوراگر کہا میرا تم پر کوئی غلبہ نہیں ہے اوراس سے آزادی کی نیت کی تو آزاد نہیں ہوگا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مالک نے اپنے مملوک سے کہا 'لاسلطان لی علیك' اور ازادی کی نیت کی تو مملوک آزاد نہ ہوگا، کیوں کہ سلطان سے مراد صاحب قبضہ ہے اور ملک وقبضہ کے درمیان تلازم نہیں ہے بلکہ کبھی ملکیت باقی رہتی ہے اور قبضہ نہیں رہتا جیسے مکاتب میں ہے اس لیے اس جملہ سے آزاد ہونا متیقن نہیں ہے لہٰذا نیت کرنے کے باوجود آزادی واقع نہیں ہوگی۔

(۲۱۱۱/۶) وَاِذَا قَالَ هٰذَا اِبْنِیْ وَثَبَتَ عَلٰی ذَالِكَ اَوْ قَالَ هٰذَا مَوْلَایَ اَوْ یَا مَوْلَایَ عَتَقَ.

ترجمہ: اوراگر کہا یہ میرا بیٹا ہے اوراسی بات پر جما رہا یا کہا یہ میرا مولیٰ ہے یا پکار کر کہا اے مولیٰ تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: آقا سے غلام کی عمر اتنی کم ہے کہ اس جیسا غلام آقا کا بیٹا بن سکتا ہے اور غلام کا نسب بھی مشہور نہیں ہے ایسے غلام سے آقا نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور یہ بات مذاق میں نہیں کہہ رہا ہے بلکہ حقیقت میں کہہ رہا ہے تو اس سے غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ جب آقا سے نسب ثابت ہو گیا اور اس کا بیٹا ہو گیا تو من ملك ذی رحم محرم منه عتق کی وجہ سے غلام آزاد ہو جائے گا اور هذا مولای کے دو معنی ہیں ایک معنی ہیں میرا آقا اور دوسرا معنی ہے میرا آزاد کیا ہوا غلام اور یہ چوں کہ پہلے سے غلام ہے اس لیے میرا آزاد کیا ہوا غلام والا معنی متعین ہے اس لیے اس لفظ سے آزاد ہو جائے گا اسی طرح 'یا مولای' میں بھی میرا آزاد کردہ غلام والے معنی لئے جائیں گے، اور غلام آزاد ہو جائے گا فرق اتنا ہے کہ اس میں یا حرف ندا کے ساتھ کہا اے میرے مولیٰ اور پہلے میں اشارہ کرکے کہا کہ یہ میرا مولیٰ ہے۔

(۲۱۱۲/۷) وَاِنْ قَالَ یَا اِبْنِیْ یَا اَخِیْ لَمْ یَعْتِقْ.

ترجمہ: اوراگر کہا اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی تو آزاد نہ ہوگا۔

تشریح: یہ الفاظ پیار کے طور پر کہتے ہیں اور کبھی احترام کے لئے بھی کہتے ہیں اس لئے ان الفاظ کے کہنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا (رقم الحاشیہ ۴) اللباب ۳/۷۔

(۸/۲۱۱۳) وَاِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَایُوْلَدُ مِثْلُهٗ لِمِثْلِهٖ ھٰذَا اِبْنِیْ عَتَقَ عَلَیْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعِنْدَهُمَا لَایَعْتِقُ.

ترجمه: اور اگر کہا ایسے غلام کو کہ جس کے مانند اس سے پیدا نہیں ہوسکتا یہ میرا بیٹا ہے تو آزاد ہوجائے گا امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک آزاد نہ ہوگا۔

تشریح: اگر آقا نے اپنے غلام کو کہا 'ہذا ابنی' جب کہ یہ غلام عمر میں اپنے آقا سے بڑا ہے یعنی اس جیسے غلام کا اس جیسے آقا سے پیدا ہونا ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں امام صاحب کے نزدیک یہ غلام آزاد ہوجائے گا، کیوں کہ اس صورت میں عمر بڑی ہونے کی وجہ سے غلام حقیقت میں بیٹا تو نہیں بن پائے گا البتہ مجاز پر محمول کیا جائے گا اور یوں کہا جائے گا کہ بیٹا بول کر آزادی مراد لی ہے جس کی وجہ سے غلام آزاد ہوجائے گا، صاحبین فرماتے ہیں کہ حقیقت میں تو بیٹا بن نہیں سکتا اس لیے آقا سے نسب ثابت نہیں ہوگا اور جب بیٹا نہیں بن سکتا تو آزاد بھی نہیں ہوگا اور کلام کو لغو قرار دیا جائیگا۔

(۹/۲۱۱۴) وَاِنْ قَالَ لِاَمَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ وَنَوٰی بِهِ الْحُرِّیَّةَ لَمْ تَعْتِقْ.

ترجمه: اور اگر کہا اپنی باندی سے کہ تجھے طلاق ہے اور نیت کی اس سے آزادی کی تو آزاد نہ ہوگی۔

تشریح: نکاح میں صرف ملک بضعہ ہوتی ہے جو جزوی ملک ہے اور طلاق کے ذریعہ اس ملک کو ختم کرنا ہے اور عتاق کے ذریعہ پورے جسم کی ملکیت ختم کرتے ہیں جو کل ہے اس لیے جز یعنی طلاق بول کر کل یعنی عتاق مراد لینا مشکل ہے، نیز ملک رقبہ اقوی ہے تو اس کو ساقط کرنا بھی اقوی ہوگا اور لفظ اپنی حقیقت سے کمتر کے لئے مجاز ہوسکتا ہے مگر اپنی حقیقت سے برتر کے لئے مجاز نہیں ہوسکتا پس ثابت ہوگیا کہ انت طالق بول کر مجازاً آزادی مراد نہیں لی جاسکتی ہے البتہ اس کا برعکس جائز ہے یعنی بیوی کو انت حرة کہہ کر مجازاً طلاق مراد لی جاسکتی ہے واللہ اعلم۔

(۱۰/۲۱۱۵) وَاِنْ قَالَ لِعَبْدِهٖ اَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّ لَمْ یَعْتِقْ.

ترجمه: اور اگر کہے اپنے غلام سے تم آزاد کی طرح ہو تو آزاد نہ ہوگا۔

تشریح: تم آزاد کی طرح ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم شرافت، تعظیم اور بزرگی میں آزاد کی طرح ہو اس جملہ سے آزاد کرنا مقصود نہیں ہے اور محشی فرماتے ہیں کہ 'انت مثل الحر' میں 'مثل' عرف عام میں بعض اوصاف میں مشترک ہونے کے واسطے آتا ہے پس معلوم نہیں کہ غلام کو آزاد کے ساتھ کس وصف میں تشبیہ دی گئی ہے اس وجہ سے آزاد ہونے میں شک ہوگیا اور شک کی وجہ سے آزادی واقع نہیں ہوتی اس وجہ سے اس کلام سے غلام آزاد نہیں ہوگا (تم الحاشیہ ۶)

(۱۱/۲۱۱۶) وَاِنْ قَالَ مَا اَنْتَ اِلَّا حُرٌّ عَتَقَ عَلَیْهِ.

ترجمه: اور اگر کہے نہیں ہے تو مگر آزاد تو آزاد ہوجائے گا۔

تشریح: نفی سے استثناء کرنا تاکید کے طور پر اثبات ہے تو 'ما انت الا حر' کے معنی ہیں کہ تو ضرور آزاد ہے۔

(۱۲/۲۱۱۷) وَاِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ عَنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ .

ترجمہ: اور اگر مالک ہو جائے آدمی اپنے ذی رحم محرم کا تو وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے۔

تشریح: صاحب کتاب کی یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے چناں چہ آپ نے فرمایا **من ملك ذا رحم محرم منه فهو حر** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم آزاد ہو جائے گا۔

(۱۳/۲۱۱۸) وَاِذَا اَعْتَقَ الْمَوْلٰى بَعْضَ عَبْدِهٖ عَتَقَ عَلَيْهِ ذَالِكَ الْبَعْضُ وَيَسْعٰى فِيْ بَقِيَّةِ قِيْمَتِهٖ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا يَعْتِقُ كُلُّهٗ.

ترجمہ: (۱۴/۲۱۱۹) اور اگر آزاد کیا آقا نے اپنے غلام کا کچھ حصہ تو آزاد ہو جائے گا اسی قدر حصہ اور کمائی کرے گا باقی قیمت میں اپنے آقا کے لئے امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ کل آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: اس سے قبل پورے غلام کو آزاد کرنے کا بیان تھا اب یہاں سے چند صورتیں ایسی بیان کرتے ہیں کہ جن میں غلام کے کچھ حصہ کو آزاد کیا، صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کے کچھ حصہ کو آزاد کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا نہ کہ کل اب غلام باقی حصہ کی قیمت کما کر اپنے آقا کو دے گا اور پھر پورا آزاد ہو جائے گا صاحبین کے نزدیک پورا غلام آزاد ہو جائے گا اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اس لیے جتنا آزاد کیا اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا باقی حصہ غلام رہے گا اور صاحبین کے نزدیک آزادی میں تجزی نہیں ہے اس لیے پورا غلام آزاد ہوگا۔

(۱۵/۲۱۲۰) وَاِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَاَعْتَقَ اَحَدُهُمَا نَصِيْبَهٗ عَتَقَ فَاِنْ كَانَ مُوْسِرًا فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِيْكَهٗ قِيْمَةَ نَصِيْبِهٖ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَاِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا فَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ نَصِيْبَهٗ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى لَيْسَ لَهٗ اِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْيَسَارِ وَالسِّعَايَةُ مَعَ الْاِعْسَارِ.

ترجمہ: اور اگر غلام دو شریکوں کا ہو پھر آزاد کرے ان میں سے ایک اپنا حصہ تو آزاد ہو جائے گا پھر اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو آزاد کرے اور اگر چاہے ضامن بنائے اپنے شریک کو اپنے حصہ کی قیمت کا اور اگر چاہے تو غلام سے سعایت کرالے، اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو شریک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اپنا حصہ آزاد کرے اور اگر چاہے تو غلام سے سعایت کرائے یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا نہیں ہے اس کے لئے مگر تاوان مالداری کی صورت میں اور سعایت تنگدستی کی صورت میں۔

تشریح: غلام دو شریکوں کے درمیان مثلاً آدھا آدھا تھا ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور آزاد کرنے والا مالدار ہے تو دوسرے شریک کو تین اختیارات ہیں ایک تو یہ کہ اپنا حصہ آزاد کر دے، کیوں کہ اس پر اس کی ملکیت ہے، دوسرا اختیار یہ ہے کہ شریک کو اپنے حصہ کی قیمت کا ضامن بنائے اور اس سے کہے کہ تم میرے حصہ کی قیمت مجھے ادا کرو اور باقی غلام کو بھی آزاد کر دو کیوں کہ وہ مالدار ہے اور اس نے آزاد کر کے غلام میں کمی پیدا کر دی اور تیسرا اختیار یہ ہے کہ خود غلام سے اپنے حصہ کی سعایت کروا لے اور غلام سے کام کروا کر اپنے حصہ کی قیمت وصول کر لے اور اس سے کہے کہ جب تم رقم ادا کر دو گے تو میرا حصہ بھی آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے آزاد کرنے سے پورا غلام آزاد نہیں ہوا ہے اور غلام کو آزاد ہونا ہے تو وہ اپنی قیمت کما کر ادا کرے، آگے فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو اس سے اپنے حصہ کی قیمت نہیں لے سکے گا اس لیے دوسرے شریک کو اب صرف دو اختیارات رہیں گے ایک یہ کہ اپنا حصہ آزاد کرے دوسرا یہ کہ غلام سے اپنے حصہ کی سعایت کرائے کیوں کہ آزاد کرنے والے کے پاس رقم نہیں ہے اس لیے شریک کے حصہ کی قیمت اس پر ڈالنا بے فائدہ ہے اس لیے غلام اپنی قیمت کا نصف کما کر دے گا یہ پوری تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو شریک کو ایک ہی اختیار ہے کہ مالدار سے اپنے حصہ کی قیمت لے لے غلام سے سعایت کرانے کی ضرورت نہیں ہے صاحبین کے نزدیک آزادی میں تجزی اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا نہیں گویا کہ پورا غلام آزاد کرانے والے کی جانب سے آزاد ہو گیا اس لیے شریک کو ایک ہی اختیار ہوگا اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو غلام سے سعایت کرائے گا۔

(۲۱۲۱/۱۶) وَإِذَا اشْتَرىٰ رَجُلَانِ ابْنَ اَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيْبُ الْاَبِ وَلَاضَمَانَ عَلَيْهِ وَكَذٰلِكَ اذا وَرِثَاهُ وَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ نَصِيْبَهُ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ.

ترجمہ: اور اگر خرید لیں دو آدمی (ایسا غلام کہ) وہ ان دونوں میں سے ایک کا بیٹا ہے تو آزاد ہو جائے گا باپ کا حصہ اور تاوان نہ ہوگا اس پر اور اسی طرح اگر یہ دو غلام کے وارث ہوئے ہوں تو شریک کو اختیار ہے چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے تو غلام سے سعایت کرالے۔

تشریح: دو آدمیوں نے مل کر ایک غلام خریدا جو ان دونوں میں سے ایک کا بیٹا تھا چوں کہ وہ اپنے بیٹے کے آدھے حصہ کا مالک بنا اس لیے باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور اس صورت میں دوسرا شریک باپ سے اپنے حصہ کا تاوان نہیں لے سکتا خواہ شریک جانتا ہو کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا نہ جانتا ہو، اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ ان دونوں نے یہ غلام میراث میں پایا ہو یعنی باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا اس کی صورت یہ ہوگی ایک عورت نے اپنے شوہر کے بیٹے کو خریدا پھر یہ عورت مر گئی اور اس نے اپنا شوہر اور بھائی چھوڑا تو اس غلام کا نصف شوہر کے لئے ہوگا اور وہ اس پر آزاد ہو جائے گا پھر باپ کے علاوہ دوسرے شریک کو یہ اختیار ہے کہ چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے غلام سے کمائی کرا کے اپنی

قیمت لے لے یہ حضرت امام صاحب کا قول ہے، اور صاحبین نے فرمایا کہ میراث کی صورت میں تو یہی حکم ہے لیکن خرید نے کی صورت میں اگر باپ مالدار ہے تو بیٹے کی آدھی قیمت کا شریک کے لئے ضامن ہوگا اور اگر باپ مفلس ہو تو بیٹا آدھی قیمت کما کر اس شخص کو دے دے۔

(۲۱۲۲/۱۷) وَإِذَا شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيكَيْنِ عَلَى الْآخَرِ بِالْحُرِّيَّةِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِهِ مُوسِرَيْنِ كَانَا أَوْ مُعْسِرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَقَالَا إِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعٰى لَهُمَا وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُوسِراً وَالْآخَرُ مُعْسِراً سَعٰى لِلْمُوسِرِ وَلَمْ يَسْعَ لِلْمُعْسِرِ.

ترجمہ: اور جب گواہی دی دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے دوسرے پر آزاد کرنے کی تو کمائی کرے غلام ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے حصہ میں خواہ دونوں خوشحال ہوں یا مفلس ہوں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا اگر دونوں تنگدست ہوں تو دونوں کے لئے سعایت کرے گا اور اگر دونوں میں سے ایک مالدار ہو اور دوسرا تنگدست ہو تو سعایت کرے مالدار کے لئے اور نہ سعایت کرے تنگدست کے لئے۔

تشریح: ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان تھا دونوں میں سے ہر ایک نے گواہی دی کہ اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس صورت میں غلام پر واجب ہے کہ ہر ایک کے حصہ کی قیمت کما کر ادا کرے چاہے دونوں مالدار ہوں یا تنگدست ہوں یہ حضرت امام صاحب کا مذہب ہے، اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ دونوں میں سے ایک مالدار اور دوسرا مفلس ہو، دلیل یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہے کہ اس کے دوسرے شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے لہٰذا اس کے خیال کے مطابق یہ غلام مکاتب ہو گیا اور مکاتب غلام کا آقا مالدار ہو یا تنگدست دونوں صورتوں میں غلام مکاتب مال کتابت کما کر دیتا ہے اس لیے یہاں بھی یہی حکم ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر دونوں مالدار ہوں اور گواہی دیں کہ دوسرے نے آزاد کیا تو گویا کہ یہ کہا کہ غلام پر سعایت نہیں ہے، کیوں کہ صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس پر تاوان ہوتا ہے غلام پر سعایت لازم نہیں ہوتی اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو دونوں کے لئے سعایت لازم ہے، کیوں کہ تنگدست ہونے کی صورت میں آزاد کرنے والے پر تاوان لازم نہیں ہے بلکہ غلام پر سعایت لازم ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگر ایک مالدار ہو اور دوسرا تنگدست ہو تو مالدار کے لئے سعی کرے گا اور تنگدست کے لئے نہیں کرے گا، کیوں کہ مالدار نے جب کہا کہ تنگدست نے آزاد کیا تو گویا کہ اس نے کہا کہ غلام پر سعایت ہے کیوں کہ تنگدست آزاد کرے تو غلام پر سعایت ہے تنگدست پر ضمان نہیں ہے اس لیے خود مالدار کے لئے سعایت کرے گا اور تنگدست نے جب کہا کہ مالدار نے آزاد کیا تو گویا کہ کہا غلام پر سعایت نہیں ہے، کیوں کہ صاحبین کے نزدیک مالدار آزاد کرے تو مالدار پر ضمان ہے غلام پر سعایت نہیں ہے اس لیے خود تنگدست کے لئے سعایت نہیں کرے گا اور چوں کہ شریک آزاد کرنے کا انکار کر رہا ہے اس لیے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

(۲۱۲۳/۱۸) وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَهٗ لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَوْ لِلشَّیْطَانِ اَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ.

ترجمہ: اور جس نے آزاد کیا اپنے غلام کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے واسطے یا شیطان کے واسطے یا بت کے واسطے تو غلام (بہر صورت) آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: جس آدمی نے اپنے غلام کو اللہ کے واسطے آزاد کیا یا شیطان کے واسطے یا بت کے واسطے آزاد کیا تو ہر صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ لفظ اعتاق اس کے اہل سے صادر اور اس کے محل میں پایا گیا، کیوں کہ آزاد کرنے والا خود آزاد عاقل بالغ اور غلام کا مالک ہے اور غلام اس کا مملوک ہے لیکن آخری دو صورتوں میں آزاد کرنے والا گنہگار ہوگا اگر چہ غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ شیطان اور بت کی صورت میں ثواب کی نفی ہے اس لیے گناہ گار ہوگا۔

(۲۱۲۴/۱۹) وَعِتْقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ.

ترجمہ: اور زبردستی کئے گئے اور نشہ میں مست کا آزاد کرنا واقع ہو جاتا ہے۔

اعتاق کے باقی احکام

تشریح: اگر کسی شخص کو اپنا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اس نے قتل یا مار سے مجبور ہو کر غلام کو آزاد کر دیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اسی طرح آدمی نشہ میں مست تھا اس نے اپنا غلام آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ حدیث میں ہے ثَلٰثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ الطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ وَالنِّكَاحُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں حقیقت میں بھی حقیقت ہیں اور ان کا مذاق بھی حقیقت ہے طلاق آزادی اور نکاح، اور زبردستی کیا گیا اور نشہ میں مست کا بھی درجہ مذاق والے کی طرح ہے۔

(۲۱۲۵/۲۰) وَاِذَا اَضَافَ الْعِتْقَ اِلٰی مِلْكٍ اَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا يَصِحُّ فِي الطَّلَاقِ.

ترجمہ: اور اگر منسوب کیا آزادی کو ملک یا شرط کی طرف تو صحیح ہے جیسے طلاق میں صحیح ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے آزادی کو ملکیت کی طرف منسوب کیا مثلاً کہا اگر میں تیرا مالک بنوں تو تو آزاد ہے یا شرط کی طرف نسبت کی مثلاً کہا اگر تو گھر میں داخل ہوا تو تو آزاد ہے تو اول صورت میں مالک ہونے کے بعد آزاد ہو جائے گا اور ثانی صورت میں جب گھر میں داخل ہوگا تو آزاد ہو جائے گا، مزید تفصیل مع اختلاف مذاہب کتاب الطلاق مسئلہ (۱۸۴۱) (۳۴) میں دیکھیں۔

(۲۱۲۶/۲۱) وَاِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ اِلَيْنَا مُسْلِماً عَتَقَ.

ترجمہ: اور جب نکل آئے حربی کا غلام دار الحرب سے ہمارے یہاں مسلمان ہو کر تو وہ آزاد ہو گیا۔

تشریح: اگر حربی کافر کا غلام مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آ گیا تو وہ آزاد ہوگا کیوں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے کچھ غلام مکہ مکرمہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ** وہ اللہ کے لئے آزاد ہیں۔

(۲۲/۲۱۲۷) وَاِذَا اَعْتَقَ جَارِيَةً حَامِلاً عَتَقَتْ وَعَتَقَ حَمْلُهَا.

ترجمہ: اور جب آزاد کیا حاملہ باندی کو تو آزاد ہو جائے گی اور اس کا حمل بھی آزاد ہوگا۔

تشریح: اگر مالک نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو باندی کے تابع ہوکر اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا کیوں کہ حمل باندی کے عضو کی طرح ہے جس طرح باندی آزاد کرنے سے اس کے دوسرے تمام اعضاء آزاد ہو جاتے ہیں اسی طرح اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا۔

(۲۳/۲۱۲۸) وَاِنْ اَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ وَلَمْ تَعْتِقِ الْاُمُّ.

ترجمہ: اور اگر صرف حمل کو آزاد کرے تو وہ آزاد ہوگا اور ماں آزاد نہ ہوگی۔

تشریح: کیوں کہ باندی اصل ہے اس لیے وہ حمل کے تابع نہ ہوگی لہٰذا آزاد بھی نہ ہوگی۔

(۲۴/۲۱۲۹) وَاِذَا اَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلٰى مَالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ عَتَقَ فَاِذَا قَبِلَ صَارَ حُرًّا وَلَزِمَهُ الْمَالُ.

ترجمہ: اگر آزاد کرے اپنے غلام کو مال کے بدلہ اور غلام قبول کرلے تو آزاد ہو جائیگا اور اس پر مال لازم ہوگا۔

تشریح: اگر مالک نے اپنے غلام کو مال کی شرط پر آزاد کر دیا اور غلام نے اس شرط کو قبول بھی کرلیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور غلام پر مال لازم ہوگا آزاد تو اس لیے ہوگا کہ آقا نے مال کے بدلہ آزاد کیا اور مال اس لیے لازم ہوگا کہ آزاد ہونے کی یہ شرط تھی اور غلام نے اس کو قبول کیا ہے۔

(۲۵/۲۱۳۰) وَلَوْ قَالَ اِنْ اَدَّيْتَ اِلَيَّ اَلْفاً فَاَنْتَ حُرٌّ صَحَّ وَلَزِمَهُ الْمَالُ وَصَارَ مَاذُوْناً.

ترجمہ: اور اگر کہا اگر دے دے تو مجھ کو ایک ہزار تو تو آزاد ہے تو یہ صحیح ہے اور مال لازم ہوگا اور وہ ماذون ہوگا۔

تشریح: اگر آقا نے غلام کی آزادی کو مال پر معلق کیا اور یوں کہا کہ اگر تو مجھے ہزار دے دے تو تو آزاد ہے تو جب تک مال ادا نہیں کرے گا اس وقت تک غلام آزاد نہ ہوگا لیکن مال کی ادائیگی تجارت کے بغیر نہیں ہوسکتی تو گویا مالک نے تجارت کی اجازت دی ہے پس جب کما کر آقا کو دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔

(۲۶/۲۱۳۱) فَاِنْ اَحْضَرَ الْمَالَ اَجْبَرَ الْحَاكِمُ الْمَوْلٰى عَلٰى قَبْضِهٖ وَعَتَقَ الْعَبْدُ.

ترجمہ: اب اگر غلام مال پیش کردے تو مجبور کرے گا حاکم آقا کو مال کے لینے پر اور غلام آزاد ہو جائے گا۔
تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر غلام نے مال کما کر حاضر کر دیا تو حاکم مالک کو اس بات پر مجبور کرے گا کہ اس پر قبضہ کرے اور اس کے بعد غلام آزاد ہو جائے گا۔

(۲۷/۲۱۳۲) وَوَلَدُ الْاَمَۃِ مِنْ مَوْلَاھَا حُرٌّ.

ترجمہ: اور باندی کا بچہ جو آقا سے ہو وہ آزاد ہے۔
تشریح: باندی کی اولاد جو اس کے مالک سے پیدا ہوئی وہ آزاد ہوگی، کیوں کہ یہ بچہ آقا کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور جو بچہ آقا کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے اس لیے یہ بچہ آزاد ہوگا۔

(۲۸/۲۱۳۳) وَوَلَدُھَا مِنْ زَوْجِھَا مَمْلُوْکٌ لِسَیِّدِھَا.

ترجمہ: اور باندی کا بچہ جو اس کے شوہر سے ہو باندی کے مالک کا مملوک ہوگا۔
تشریح: آقا نے اپنی باندی کی شادی کسی آدمی سے کردی، چاہے وہ آدمی آزاد ہو یا غلام اس سے باندی کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ باندی کے تابع ہو کر آقا کا غلام ہوگا۔

(۲۹/۲۱۳۴) وَوَلَدُ الْحُرَّۃِ مِنَ الْعَبْدِ حُرٌّ.

ترجمہ: اور آزاد عورت کا بچہ جو غلام سے ہو وہ آزاد ہوگا۔
تشریح: آزاد عورت کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام چوں کہ ماں آزاد ہے اس لیے بچہ بھی آزاد ہوگا، جیسا کہ ماں کے مملوک ہونے کی صورت میں بچہ بھی مملوک ہوتا ہے۔

باب التدبیر

(یہ باب مدبر بنانے کے احکام کے بیان میں ہے)

تدبیر کی لغوی تحقیق: تدبیر باب تفعیل کا مصدر ہے کسی کام کے انجام پر غور کرنا۔
اصطلاحی تعریف: آقا اپنے غلام سے کہے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔

(۱/۲۱۳۵) اِذَا قَالَ الْمَوْلٰی لِمَمْلُوْکِہٖ اِذَا مِتُّ فَاَنْتَ حُرٌّ اَوْ اَنْتَ حُرٌّ عَنْ دُبُرٍ مِّنِّیْ اَوْ اَنْتَ مُدَبَّرٌ اَوْ قَدْ دَبَّرْتُکَ فَقَدْ صَارَ مُدَبَّرًا.

ترجمہ: جب کہا اپنے غلام سے کہ جب میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے یا تو آزاد ہے میرے بعد (مرنے کے بعد) یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھکو مدبر بنادیا تو وہ مدبر ہو گیا۔

تشریح: عبارت میں مذکور تمام الفاظ صریح طور پر مدبر بنانے کے لئے ہیں اس لیے ان تمام الفاظ سے غلام مدبر ہو جائے گا۔

(۲/۲۱۳۶) لَایَجُوزُ بَیعُهٗ وَلَا هِبَتُهٗ.

ترجمہ: نہیں جائز ہے اس کو بیچنا اور نہ اس کو ہدیہ کرنا۔

مدبر کی اقسام کا بیان

تشریح: مدبر کی دو قسمیں ہیں (۱) مدبر مطلق (۲) مدبر مقید۔

مدبر مطلق اس کو کہتے ہیں جس کو آقا مطلقاً یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے مدبر مقید اسے کہتے ہیں جس میں آقا غلام کی آزادی کو کسی خاص مدت یا کسی خاص حادثہ میں مرنے کے ساتھ مشروط کر دے مثلاً آقا کہے اگر میں اس بیماری میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے، یا یہ کہے کہ اگر میں اس ماہ میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے، مدبر مقید کی بیع تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے البتہ مدبر مطلق کی بیع میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

اختلاف الائمۃ.

اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے (۲) حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ مدبر مطلق یقینی طور پر آقا کے انتقال پر آزادی کا مستحق ہو جاتا ہے لہٰذا اب آقا کا اس غلام سے اتنا حق وابستہ رہ گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی تک اس سے خدمت لیتا رہے لیکن اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق باقی نہیں رہا اس لیے مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں اور مدبر مقید کی آزادی یقینی نہیں اس لیے کہ جس وقت یا جس حادثہ میں موت آنے پر آزادی کو مقید کیا تھا اگر اس مدت یا اس حادثہ میں آقا کا انتقال نہیں ہوا تو وہ غلام جوں کا توں غلام ہی رہے گا۔

شافعیہ وحنابلہ کا استدلال:

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر بنایا اس کے بعد مالک کا انتقال ہو گیا اور انتقال کے وقت مالک نے سوائے اس غلام کے کوئی اور مال نہیں چھوڑا چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدبر غلام کو فروخت کر دیا۔ (ترمذی باب ماجاء فی بیع المدبر) اس حدیث میں ہے کہ مدبر کو بیچا اس لیے مدبر کو بیچنا جائز ہے۔

جواب: اس حدیث کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں (۱) علامہ ابن الہمام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے جس میں آزادیت کی بیع بھی جائز تھی (فتح القدیر)

(۲) حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع المدبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو اپنی ولایت عامہ کے تحت وہ اختیارات حاصل تھے جو امت کے دوسرے افراد کو حاصل نہیں تھے اس ولایت عامہ کے تحت آپ نے اس کی تدبیر کو منسوخ فرما کر اس کی بیع کر دی۔

(۳) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدبر کی ذات کو فروخت نہیں کیا تھا بلکہ اس کی خدمت فروخت کی تھی لیکن راوی نے اس کو بیع سے تعبیر کر دیا لہٰذا حدیث جابر کی بنیاد پر مدبر کی بیع کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

حنفیہ و مالکیہ کی دلیل

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دار قطنی میں مروی ہے اِن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَلْمُدَبَّرُ لاَ یُبَاعُ وَلاَ یُوْهَبُ وَهُوَ حُرٌّ مِنَ الثُّلُثِ (دار قطنی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدبر نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے وہ تہائی مال میں سے آزاد ہے، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مدبر آزاد ہے نہ اس کو بیچ سکتے ہیں نہ ہبہ کر سکتے ہیں۔

(۳/۲۱۳۷) وَلِلْمَوْلٰی اَنْ یَسْتَخْدِمَهٗ وَیُوَاجِرَهٗ وَاِنْ کَانَتْ اَمَةً فَلَهٗ اَنْ یَطَأَهَا وَلَهٗ اَنْ یُزَوِّجَهَا.

ترجمہ: اور آقا کو حق ہے کہ اس سے خدمت لے اور اس کو مزدوری پر دے اور اگر باندی ہو تو اس سے وطی کرے اور اس کے لئے جائز ہے کہ اس کی شادی کر دے۔

تشریح: چوں کہ مدبر میں ملکیت باقی ہے اس لیے آقا کو مدبر سے خدمت لینے اور دوسرے کے یہاں مزدوری کرنے کے لئے بھیجنے کی اجازت ہے اور اگر باندی ہے تو اس سے صحبت کرنا بھی درست ہے اور اس کی شادی کسی دوسرے کے ساتھ کرنے کی بھی اجازت ہے۔

(۴/۲۱۳۸) وَاِذَا مَاتَ الْمَوْلٰی عَتَقَ الْمُدَبَّرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهٖ اِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَه مَالٌ غَیْرُهٗ یَسْعٰی فِیْ ثُلُثَیْ قِیْمَتِهٖ.

ترجمہ: اور جب آقا مر جائے تو مدبر آزاد ہو جائے گا اس کے تہائی مال سے اگر وہ تہائی سے نکل سکے پھر اگر نہ ہو اس کے پاس مال مدبر کے علاوہ تو سعی کرے اپنی قیمت کے دو تہائی میں۔

تشریح: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ آقا کے مرنے کے بعد مدبر آزاد ہوگا مثلاً مدبر سمیت آقا نے اٹھارہ سو روپے چھوڑے مدبر کی قیمت چھ سو روپے ہیں تو اٹھارہ سو کی ایک تہائی چھ سو ہوئے تو اس صورت میں پورا مدبر آزاد ہو جائے گا اور اگر آقا نے صرف مدبر غلام چھوڑا اور کوئی مالیت نہیں تو اس مدبر کی ایک تہائی آزاد ہوگی اور باقی دو تہائی قیمت سعایت کر کے آقا کے ورثہ کو دے گا تاکہ وہ وراثت میں تقسیم کر سکیں مثال مذکور میں چار سو روپے کما کر دے گا۔

(۵/۲۱۳۹) فَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلٰى دَيْنٌ يَسْعٰى فِيْ جَمِيْعِ قِيْمَتِهٖ لِغُرَمَائِهٖ.

ترجمہ: اگر آقا پر قرضہ ہو تو سعی کرے گا اپنی پوری قیمت میں قرضخواہوں کے لئے۔

تشریح: آقا نے اپنے غلام کو مدبر بنایا لیکن آقا پر قرض تھا اور اس مدبر کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا تو آقا کے انتقال کے بعد مدبر آزاد ہوگا لیکن اپنی پوری قیمت کما کر قرضخواہوں کو دے گا تا کہ آقا کا قرض ادا ہو جائے کیوں کہ مدبر کو آزاد کرنا وصیت کو نافذ کرنے کے درجہ میں ہے اس لیے قرض کی ادائیگی کے بعد آزادی ہوگی۔

(۶/۲۱۴۰) وَوَلَدُ الْمُدَبَّرَةِ مُدَبَّرٌ.

ترجمہ: اور مدبرہ کا بچہ بھی مدبر ہوگا۔

تشریح: مدبرہ باندی کی اولاد بھی مدبر ہوتی ہے کیوں کہ اولاد ماں کے تابع ہوتی ہے اسی وجہ سے مدبرہ باندی کی اولاد اس کے آزاد ہونے سے آزاد ہوگی اور اس کے باندی ہونے سے باندی ہوگی۔

(۷/۲۱۴۱) فَإِنْ عَلَّقَ التَّدْبِيْرَ بِمَوْتِهٖ عَلٰى صِفَةٍ مِثْلُ أَنْ يَّقُوْلَ إِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِيْ هٰذَا أَوْ فِيْ سَفَرِيْ هٰذَا أَوْ مِنْ مَرَضٍ كَذَا فَلَيْسَ بِمُدَبَّرٍ وَيَجُوْزُ بَيْعُهٗ.

ترجمہ: اگر معلق کر دے مدبر بنانے کو اپنی موت کے ساتھ کسی صفت پر مثلاً کہے اگر میں مرجاؤں اپنی اس بیماری میں یا اپنے اس سفر میں یا فلاں بیماری میں تو وہ غلام مدبر نہیں ہے اس کا بیچنا جائز ہے۔

تشریح: اگر آقا نے غلام کی تدبیر کو اپنی موت پر معلق کر دیا اور اس میں کوئی زائد وصف ذکر کر دیا مثلاً کہا کہ اگر میں اس بیماری کی وجہ سے مر گیا تو تم آزاد ہو تو غلام فی الحال آزاد نہ ہوگا بلکہ اس کا بیچنا جائز ہوگا، باقی تفصیل مسئلہ (۲۱۱۸) (۲) کے تحت دیکھ لیں۔

(۸/۲۱۴۲) فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى عَلَى الصِّفَةِ الَّتِيْ ذَكَرَهَا عَتَقَ كَمَا يَعْتِقُ الْمُدَبَّرُ.

ترجمہ: پھر اگر آقا مرجائے اسی صفت پر جو اس نے ذکر کی تھی تو غلام آزاد ہو جائے گا جیسے آزاد ہو جاتا ہے مدبر۔

تشریح: اگر آقا اسی سبب کے تحت مر گیا جس سبب پر غلام کو مرنے کے بعد آزادی کا پروانہ دیا تھا تو یہ غلام مالک کے تہائی مال سے آزاد ہوگا جس طرح مدبر مطلق آزاد ہوتا ہے جسکی تفصیل مسئلہ (۲۱۲۰) (۲) کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆

باب الاستیلاد

(یہ باب ام ولد بنانے کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: باب التدبیر کے بعد باب الاستیلاد کو بیان کر رہے ہیں، کیوں کہ دونوں میں آزادی کا حق دار ہونا موت کے بعد پایا جاتا ہے اس لیے ایک ساتھ بیان کیا ہے پھر چوں کہ باب التدبیر میں ایجاب عتق الفاظ کے ساتھ ہے اس لیے اس کو مقدم کر دیا ہے۔

استیلاد کے لغوی معنی: اولاد کی خواہش خواہ بیوی سے ہو یا باندی سے۔

اصطلاحی تعریف: آقا اپنی باندی سے صحبت کرے جس کی وجہ سے بچہ پیدا ہو جائے اور آقا اقرار کرے کہ بچہ میرا ہے تو وہ باندی بچہ کی ماں ہونے کی وجہ سے ام ولد بن گئی اس کا حکم یہ ہے کہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائیگی۔

(۱/۲۱۴۳) اِذَا وَلَدَتِ الْاَمَۃُ مِنْ مَوْلَاھَا فَقَدْصَارَتْ اُمُّ وَلَدٍ لَہٗ لَایَجُوْزُ لَہٗ بَیْعُھَا وَلَاتَمْلِیْکُھَا.

ترجمہ: جب بچہ جنے باندی اپنے آقا سے تو وہ اس کی ام ولد ہوگئی اب نہ اس کا بیچنا جائز ہے اور نہ اس کا مالک بنانا۔

تشریح: جب آقا کے نطفہ سے باندی کو بچہ پیدا ہو جائے تو اب یہ باندی آقا کی ام ولد بن جائے گی اب نہ اس کا بیچنا جائز ہوگا اور نہ ہدیہ کر کے دوسرے کی ملکیت میں دینا جائز ہوگا، کیوں کہ امہات الاولاد کی بیع سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

(۲/۲۱۴۴) وَلَہٗ وَطْئُھَا وَاسْتِخْدَامُھَا وَاِجَارَتُھَا وَتَزْوِیْجُھَا.

ترجمہ: اور جائز ہے آقا کے لئے اس سے صحبت کرنا اس سے خدمت لینا اور اس کو مزدوری پر دینا اور اس کا نکاح کرنا۔

تشریح: چوں کہ ام ولد میں ابھی ملکیت باقی ہے لہٰذا یہ مدبرہ کے مشابہ ہوگی یعنی جس طرح مدبرہ سے خدمت لینا اور صحبت وغیرہ کرنا سب درست ہے اسی طرح آقا کے لئے ام ولد سے اپنے مرنے تک سارے معاملات کرنا درست ہے۔

(۳/۲۱۴۵) وَلَا یَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِھَا اِلَّا اَنْ یَعْتَرِفَ بِہٖ الْمَوْلٰی.

ترجمہ: اور نہیں ثابت ہوگا اس کے بچہ کا نسب مگر یہ کہ اقرار کرے آقا اس کا۔

تشریح: ام ولد کے بچہ کا نسب آقا سے آقا کے اقرار پر ہی ثابت ہو سکتا ہے چناں چہ اگر پہلی مرتبہ بچہ ہوا تو

آقا اقرار کرے کہ یہ میرا بچہ ہے تب اس بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہوگا اور اگر اقرار نہ کرے تو نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ ولادت کے لئے باندی کا رشتہ آقاء سے اتنا مضبوط نہیں ہے جتنا نکاح کی وجہ سے بیوی کا شوہر سے ہوتا ہے، اس لیے آقا کے اقرار کی ضرورت پڑے گی۔

(۴/۲۱۴۶) فَاِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ بَعْدَ ذَالِكَ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ بِغَيْرِ اِقْرَارٍ فَاِنْ نَفَاهُ اِنْتَفٰى بِقَوْلِهٖ.

ترجمہ: پھر اگر بچہ جنے اس کے بعد تو ثابت ہو جائے گا اس کا نسب آقا سے بغیر اقرار کے اور اگر وہ اس کی نفی کر دے تو نفی ہو جائے گی اس کے بیان کی بنیاد پر۔

تشریح: آقا نے ایک مرتبہ اقرار کرلیا کہ یہ بچہ میرا ہے پھر دوسری مرتبہ بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب خود بخود آقا سے ثابت ہو جائے گا اس کے لئے دوبارہ اقرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ جب ایک مرتبہ نسب ثابت ہو گیا اور ام ولد بن گئی تو اب آقا سے ولادت کا رشتہ مضبوط ہو گیا اس لیے دوبارہ اقرار کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر آقا نے ام ولد کے دوسرے بچہ کی بھی نفی کر دی تو صرف اس کے قول سے ہی نفی ہو جائے گی۔

(۵/۲۱۴۷) وَاِنْ زَوَّجَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَهُوَ فِيْ حُكْمِ اُمِّهٖ.

ترجمہ: اور اگر اس کی شادی کر دے اور پھر بچہ ہو تو وہ ماں کے حکم میں ہوگا۔

تشریح: آقا نے ام ولد کی کسی سے شادی کر دی اس شوہر سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ ماں کی طرح ابھی غلام رہے گا اور آقا کے مرنے کے بعد جب ماں آزاد ہوگی تو اس وقت بچہ بھی آزاد ہوگا۔

(۶/۲۱۴۸) وَاِذَا مَاتَ الْمَوْلٰى عَتَقَتْ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ وَلَا تَلْزَمُهَا السِّعَايَةُ لِلْغُرَمَاءِ اِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلٰى دَيْنٌ.

ترجمہ: اور جب آقا مر جائے تو باندی آزاد ہو جائے گی تمام مال سے اور لازم نہیں ہوگی اس پر سعایت قرضخواہوں کے لئے اگر چہ آقا پر قرض ہو۔

تشریح: اگر آقا کا انتقال ہو جاتا ہے تو ام ولد کل مال کے حساب سے آزاد ہو جائے گی، یعنی مدبرہ کی طرح تہائی مال کا حساب اس میں جاری نہ ہوگا اگر آقا کے ذمہ کسی کا قرض بھی ہو تب بھی وہ کما کر نہیں دے گی جس طرح مدبرہ پر کما کر دینا لازم ہوتا ہے، دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے امہات الاولاد کو آزاد کیا جب ان کے آقا مر گئے ان میں سے ایک عورت حضرت علیؓ کے پاس آئی کہ اس کا آقا اپنے قرض میں بیچنا چاہتا ہے تو حضرت علیؓ نے فرمایا جاؤ تم کو حضرت عمرؓ نے آزاد کیا (مصنف عبدالرزاق ۷/۲۹۳)

(۷/۲۱۴۹) وَ اِذَا وَطِئَ الرَّجُلُ اَمَةَ غَيْرِهٖ بِنِكَاحٍ فَوَلَدَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَلَكَهَا صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهٗ.

ترجمہ: اگر صحبت کرلی کسی نے دوسرے کی باندی سے نکاح کے بعد پھر اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد شوہر باندی بیوی کا مالک ہو گیا تو وہ اس کی ام ولد ہو گئی۔

تشریح: کسی نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا پھر اس سے صحبت کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد اس نے اس باندی کو خرید لیا تو یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی، کیوں کہ بچہ کا نسب اسی سے ثابت ہے تو ام ولد ہونا بھی ثابت ہو جائے گا، اور اس آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ام ولد نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ بچہ جنتے وقت اس کی باندی نہیں تھی اس کی بیوی تھی اور جب باندی ہونے کی حالت میں بچہ آزاد پیدا کرے تب باندی ام ولد بنے گی، اور یہاں بیوی ہونے کی حالت میں بچہ مملوک پیدا ہوا اس لیے باندی ام ولد نہیں بنے گی۔

(۲۱۵۰/۸) وَاِذَا وَطِئَ الْاَبُ جَارِيَةَ ابْنِهٖ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَ صَارَتْ اُمَّ وَلَدِهٖ وَعَلَيْهِ قِيْمَتُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ عُقْرُهَا وَلَا قِيْمَةُ وَلَدِهَا.

حل لغات: عُقر مہر، صحبت کرنے کی قیمت

ترجمہ: اگر صحبت کرلے باپ اپنے بیٹے کی باندی سے اور اس سے بچہ پیدا ہوا اور باپ نے اس کا دعویٰ کیا تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی اور باپ پر اس کی قیمت ہوگی نہ کہ اس کا مہر اور نہ اس کے بچہ کی قیمت۔

تشریح: باپ نے بیٹے کی باندی سے وطی کرلی اور اس سے بچہ پیدا ہوا باپ نے اس کا دعویٰ کیا تو اس کا نسب اس سے ثابت کیا جائے گا اور باپ پر باندی کی قیمت لازم ہوگی جو بیٹے کو دلوائی جائے گی البتہ باندی کا مہر اور بچہ کی قیمت باپ پر لازم نہیں ہوگی، قاعدہ یہ ہے کہ بیٹے کا مال ضرورت کے وقت باپ کا مال ہے اس قاعدہ کی وجہ سے جب باندی باپ کی ہو گئی تو اس نے صحبت اپنی ملکیت میں کی ہے اس لیے مہر دینے کی ضرورت نہیں ہے اور جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی اپنی باندی سے پیدا ہوا اس لیے بچہ آزاد ہوگا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی لیکن چوں کہ باندی حقیقت میں بیٹے کی ہے اس لیے بیٹے کو اس کی قیمت دلوائی جائے گی اور یوں سمجھا جائے گا کہ صحبت سے پہلے ہی باپ نے باندی خرید لی اور بعد میں صحبت کی ورنہ لازم آئے گا کہ دوسرے کی باندی سے صحبت کی ہے جو زنا کے درجہ میں ہے۔

(۲۱۵۱/۹) وَاِنْ وَطِئَ اَبُ الْاَبِ مَعَ بَقَاءِ الْاَبِ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ مِنْهُ فَاِنْ كَانَ الْاَبُ مَيِّتًا يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنَ الْجَدِّ كَمَا يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنَ الْاَبِ.

ترجمہ: اور اگر صحبت کرلے دادا باپ کے موجود ہوتے ہوئے تو ثابت نہیں ہوگا اس کا نسب دادا سے البتہ اگر

باپ مرگیا ہوتو ثابت ہوجائے گا نسب دادا سے جیسا کہ ثابت ہوجاتا ہے نسب باپ سے۔

تشریح: باپ زندہ ہے ایسی صورت میں دادا نے پوتے کی باندی سے وطی کرلی اور اس سے بچہ ہوگیا تو اس بچہ کا نسب دادا سے ثابت نہیں ہوگا اور نہ وہ باندی اس کی ام ولد بنے گی، اور اگر باپ کا انتقال ہوچکا ہے تو اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا اور باندی ام ولد بنے گی البتہ باندی کی قیمت دادا پر لازم ہوگی تاکہ پوتے کا مال مفت دادا کے ہاتھ میں نہ جائے، یہ مسئلہ اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کا حق نہیں ہے اور باپ موجود نہ ہوتو دادا کا حق پوتے کے مال میں ہوتا ہے۔

(۲۱۵۲/۱۰) وَإِنْ كَانَتِ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ أَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَ صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَ عَلَيْهِ نِصْفُ عُقْرِهَا وَ نِصْفُ قِيمَتِهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ قِيمَةِ وَلَدِهَا.

ترجمہ: اور اگر باندی دو شریکوں میں مشترک ہو اور اس کے بچہ پیدا ہوجائے اور ان میں سے ایک دعویٰ کرے اس کا تو اس سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اور وہ اس کی ام ولد بنے گی اور اس پر اس کا آدھا مہر اور اس کی آدھی قیمت لازم ہوگی اور اس کے بچہ کی کچھ قیمت واجب نہ ہوگی۔

تشریح: ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک تھی باندی کے بچہ پیدا ہوا ایک شریک کہنے لگا کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے تو بچہ کا نسب اسی سے ثابت کردیا جائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہوجائے گی اور اس پر شریک کی آدھی قیمت لازم ہوگی اور آدھا مہر بھی لازم ہوگا لیکن اس پر بچے کی کوئی قیمت لازم نہ ہوگی، باندی کی آدھی قیمت اس لیے لازم ہوگی کہ آدھی اس کی ہے اور آدھی شریک کی ہے، اور آدھا مہر بھی اسی لیے لازم ہوگا البتہ آدھی قیمت ادا کرنے کے بعد پوری باندی اس کی ہوجائے گی اور اب یوں سمجھا جائے گا کہ بچہ بھی اس کی ملکیت میں پیدا ہوا اس لیے بچہ کی کوئی قیمت لازم نہیں ہوگی۔

(۲۱۵۳/۱۱) فَإِنِ ادَّعَيَاهُ مَعاً ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُمَا وَ كَانَتِ الْأَمَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُمَا وَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الْعُقْرِ تَقَاصًّا بِمَا لَهُ عَلَى الْآخَرِ وَ يَرِثُ الْإِبْنُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِيرَاثَ ابْنٍ كَامِلٍ وَهُمَا يَرِثَانِ مِنْهُ مِيرَاثَ أَبٍ وَاحِدٍ.

حل لغات: تَقَاصًّا: ماضی، کہا جاتا ہے تقاصَّ القوم، ایک کا دوسرے سے بدلہ لینا۔

ترجمہ: پھر اگر دعویٰ کریں دونوں شریک ایک ساتھ تو ثابت ہوجائے گا اس کا نسب دونوں سے اور باندی دونوں کی ام ولد بنے گی اور ان میں سے ہر ایک پر آدھا آدھا مہر ہوگا اور مقاصہ ہوگا ایک کے مال کا دوسرے پر اور وارث ہوگا بچہ دونوں میں سے ہر ایک کا بیٹے کی پوری میراث کا اور وہ دونوں وارث ہوں گے اس بچہ کے ایک باپ کی میراث کے۔

تشریح: ایک باندی دوشریکوں کے درمیان تھی اس سے بچہ ہوا اب دونوں شریکوں نے بیک وقت دعویٰ کیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو امام صاحب کے نزدیک یہ بچہ دونوں کا ہوگا اور یہ باندی دونوں کی ام ولد بنے گی اور دونوں پر آدھا آدھا مہر لازم ہوگا لیکن دینے کی ضرورت نہیں ہے مقاصہ ہوجائے گا چوں کہ دونوں شریکوں کے دعوے برابر درجے کے ہیں اور کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں ہے اس لئے بچہ دونوں کا ہوگا اور باندی بھی دونوں کی ام ولد بنے گی، آگے فرماتے ہیں کہ یہ لڑکا ان دونوں میں سے ہر ایک سے پورے بیٹے کی میراث کا وارث ہوگا کیوں کہ جب دونوں کا بیٹا قرار دیا تو دونوں کا پورا پورا بیٹا قرار دیا جائے گا اور پورے ایک ایک بیٹے کی وراثت دونوں باپ سے ملے گی اور جب بیٹا مرے گا تو دونوں باپ کو ایک بیٹے کی وراثت ملے گی دونوں آدھی آدھی تقسیم کرلیں گے، کیوں کہ بیٹا تو ایک ہی ہے خواہ اُس کا ہو یا اِس کا۔

(۱۲/۲۱۵۴) وَاِذَا وَطِئَ الْمَوْلٰی جَارِيَةَ مُکَاتَبِهٖ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍفَادَّعَاهُ فَاِنْ صَدَّقَهُ الْمُكَاتَبُ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَكَانَ عَلَيْهِ عَقْرُهَا وَ قِيْمَةُ وَلَدِهَا وَلَا تَصِيْرُ اُمَّ وَلَدٍ لَهٗ.

ترجمہ: اور اگر وطی کرلے آقا اپنے مکاتب کی باندی سے اور اس کے بچہ ہوا اور آقا اس کا دعویٰ کردے سو اگر مکاتب اس کی تصدیق کردے تو بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہوجائے گا اور آقا پر اس کا مہر اور اس کے بچہ کی قیمت لازم ہوگی اور باندی اس کی ام ولد نہیں بنے گی۔

تشریح: آقا نے اپنے مکاتب کی باندی سے صحبت کی اس سے بچہ ہوگیا آقا نے بچہ کا دعویٰ کیا مکاتب نے تصدیق کردی کہ آقا ہی کا بیٹا ہے تو اس بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہوجائے گا، اور چوں کہ دوسرے کی باندی سے صحبت کی اس لیے وہ اس کی ام ولد نہیں بنے گی مگر بچہ کی قیمت آقا پر لازم ہوگی، کیوں کہ یہ بچہ حقیقت میں مکاتب کا مملوک ہے اس لیے جب اس کی قیمت دے گا تو آقا کی ملک ہوگا۔

(۱۳/۲۱۵۵) وَاِنْ كَذَّبَهُ الْمُكَاتَبُ فِي النَّسَبِ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهٗ مِنْهُ

ترجمہ: اور اگر تکذیب کردے اس (آقا کے دعویٰ) کی مکاتب نسب کے بارے میں تو اس بچہ کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا۔

تشریح: آقا نے مکاتب کی باندی سے وطی کی اس سے بچہ پیدا ہوا آقا نے نسب کا دعویٰ کیا لیکن مکاتب نے آقا کا دعویٰ رد کردیا تو بچہ کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا کیوں کہ آقا کو مکاتب کی کمائی میں تصرف کا حق نہیں اس لیے مکاتب کی تصدیق ضروری ہے۔

☆☆☆

كِتَابُ الْمُكَاتَبِ

(یہ کتاب مکاتب کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: باب الاستیلاء اور کتاب المکاتب کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں کے لئے آزادی کا حق ہے اور مکاتب کے احکام کو عتاق کے احکام کے تحت اس لیے بیان کر دیا گیا ہے کہ مکاتب کے لئے ولاء نہیں ہے اور یہ بھی عتاق کے احکام میں سے ہے۔

لغوی تحقیق: مکاتب: مفاعلة کے وزن پر اسم مفعول ہے اور کتابة باب (ن) کا مصدر ہے جمع کرنا، ملانا۔

اصطلاحی تحقیق: آقا اپنے غلام سے کہے کہ تم اتنے روپے کما کر مجھے دے دو اور آزاد ہو جاؤ غلام اس کو قبول کر لے تو اب وہ مکاتب بن گیا اب یہ مکاتب بعض احکام میں آزاد کے مانند ہے کہ کتابت کے دوران مکمل طریقہ سے غلام نہیں اور نہ آزاد۔

(۲۱۵۶/۱) وَاِذَا كَاتَبَ الْمَوْلٰى عَبْدَهُ اَوْ اَمَتَهُ عَلٰى مَالٍ شَرَطَهُ عَلَيْهِ وَقَبِلَ الْعَبْدُ ذَالِكَ الْعَقْدَ صَارَ مُكَاتَبًا.

ترجمہ: اور جب مکاتب بنا دے آقا اپنے غلام یا باندی کو کسی مال پر جس سے اس نے شرط کی ہو اور غلام اس عقد کو قبول کر لے تو وہ مکاتب ہو جائے گا۔

تشریح: اگر آقا نے اپنے غلام یا باندی کو مال کی ادائیگی کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور اس عقد کو غلام یا باندی نے قبول کر لیا تو یہ غلام مکاتب ہو جائے گا۔

(۲۱۵۷/۲) وَ يَجُوْزُ اَنْ يَشْتَرِطَ الْمَالَ حَالًّا وَ يَجُوْزُ مُؤَجَّلًا وَ مُنَجَّمًا.

حل لغات: منجما: قسط وار

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ شرط کر لے مال کی فی الفور دینے کی اور جائز ہے یہ کہ ایک مقررہ میعاد کے ساتھ دینے کی اور قسط وار دینے کی یا قسط وار دینے کی۔

تشریح: عقد کتابت میں نقد مال کی ادائیگی کی شرط لگانا جائز ہے ایسے ہی ایک مقررہ مدت تک کی شرط لگانا اور قسط وار ادائیگی کی شرط لگا دینا بھی جائز ہے شوافع کے نزدیک قسط وار ہونا جواز کے لئے ضروری ہے۔

(۲۱۵۸/۳) وَيَجُوْزُ كِتَابَةُ الْعَبْدِ الصَّغِيْرِ اِذَا كَانَ يَعْقِلُ الشِّرَاءَ وَالْبَيْعَ.

ترجمہ: اور جائز ہے چھوٹے غلام کی کتابت بھی جب کہ وہ سمجھتا ہو خرید وفروخت کو۔

تشریح: نابالغ غلام اور باندی جو خرید وفروخت سمجھتے ہوں ان کو مکاتب بنانا درست ہے، کیوں کہ وہ خرید وفروخت کر کے مال کتابت کما سکتے ہیں، لہٰذا مکاتب بنانا درست ہے۔

(۲۱۵۹/۴) وَاِذَا صَحَّتِ الْكِتَابَةُ خَرَجَ الْمُكَاتَبُ عَنْ يَدِ الْمَوْلٰى وَلَمْ يَخْرُجْ مِنْ مِلْكِهٖ.

ترجمہ: اور جب صحیح ہو جائے کتابت تو نکل جائے گا مکاتب آقا کے قبضہ سے اور نہیں نکلے گا اس کی ملک سے۔

تشریح: عقد کتابت کے درست ہونے کے بعد مکاتب آقا کے قبضہ سے نکل جائے گا یعنی تجارت کرنے اور سفر وغیرہ کرنے میں تو آزاد ہو جاتا ہے لیکن جب تک کتابت کی پوری رقم ادا نہیں کرے گا وہ آقا ہی کا غلام رہے گا۔

(۲۱۶۰/۵) فَيَجُوْزُ لَهُ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ وَالسَّفَرُ وَلَا يَجُوْزُ لَهُ التَّزَوُّجُ اِلَّا اَنْ يَاْذَنَ لَهُ الْمَوْلٰى وَلَايَهَبُ وَلَا يَتَصَدَّقُ اِلَّا بِالشَّيْءِ الْيَسِيْرِ وَلَايَتَكَفَّلُ.

ترجمہ: اور جائز ہے اس کے لئے بیچنا خریدنا سفر کرنا اور جائز نہیں اس کے لئے نکاح کرنا مگر یہ کہ آقا اس کی اجازت دے اور وہ نہ ہبہ کرے نہ صدقہ کرے مگر تھوڑی سی چیز اور نہ کفیل بنے۔

تشریح: مکاتب وہ سارے کام کر سکتا ہے جن سے تجارت میں فائدہ ہوتا ہے اور جن کاموں سے خواہ مخواہ رقم خرچ ہوتی ہے وہ نہیں کر سکتا لہٰذا خرید وفروخت اور سفر کرنے کی اجازت ہے اور اپنی شادی کرنا مال ہدیہ کرنا صدقہ کرنا ان سے مال خرچ ہوگا اس لیے یہ بھی نہیں کر سکتا اور کفیل بننے سے بھی مال خرچ ہوگا اس لیے یہ بھی نہیں کر سکتا البتہ تھوڑا بہت جو تجارت کا اخلاقی فرض ہے اور جس سے گاہک آئیں گے اتنا خرچ کر سکتا ہے۔

(۲۱۶۱/۶) فَاِنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ اَمَةٍ لَهُ دَخَلَ فِيْ كِتَابَتِهٖ وَكَانَ حُكْمُهُ مِثْلَ حُكْمِ اَبِيْهِ وَكَسْبُهُ لَهُ.

ترجمہ: اگر اس کی باندی کے بچہ ہو تو اس کی کتابت میں داخل ہو جائے گا اور اس کا حکم اس کے باپ کے حکم کے مانند ہوگا اور اس کی کمائی مکاتب کے لئے ہوگی۔

تشریح: غلام مکاتب تھا اس نے باندی خریدی اور اس سے صحبت کی جس سے بچہ پیدا ہوا اور مکاتب نے اس کے نسب کا دعویٰ کر دیا تو وہ بچہ کتابت میں داخل ہو جائے گا اور بچہ کی کمائی مکاتب کی ہوگی جیسے دعویٰ نسب سے پہلے اس کی کمائی مکاتب کے لئے ہے ایسے ہی دعویٰ نسب کے بعد بھی اسی کی ہوگی۔

(۲۱۶۲/۷) فَاِنْ زَوَّجَ الْمَوْلٰى عَبْدَهُ مِنْ اَمَتِهٖ ثُمَّ كَاتَبَهُمَا فَوَلَدَتْ مِنْهُ وَلَدًا دَخَلَ فِيْ كِتَابَتِهَا وَكَانَ كَسْبُهُ لَهَا.

ترجمہ: اگر شادی کردی آقا نے اپنے غلام کی اپنی باندی سے پھران دونوں کو مکاتب بنادیا اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوگا اور اس کی کمائی ماں کے لئے ہوگی۔

تشریح: آقا نے اپنے غلام کی شادی اپنی باندی سے کردی پھر دونوں کو مکاتب کردیا اس کے بعد ان سے بچہ ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوگا، کیوں کہ وہ آزادی اور غلامی میں ماں کا تابع ہے، اور اس بچہ کی کمائی بھی ماں کے لئے ہوگی کیوں کہ باپ کے مقابلہ میں وہی زیادہ مستحق ہے۔

(۲۱۶۳/۸) وَاِنْ وَطِئَ الْمَوْلٰى مُكَاتَبَتَهٗ لَزِمَهُ الْعُقْرُ وَاِنْ جَنٰى عَلَيْهَا اَوْ عَلٰى وَلَدِهَا لَزِمَتْهُ الْجِنَايَةُ وَاِنْ اَتْلَفَ مَالاً لَهَا غَرِمَهٗ.

حل لغات: العقر: صحبت کرنے کا مہر۔ جنٰی عَلَيْهَا: اس پر جنایت کی، اتلف: نقصان کیا۔

ترجمہ: اور اگر وطی کرلے آقا اپنی مکاتبہ باندی سے تو اس پر مہر لازم ہوگا اور اگر اس پر یا اس کے بچہ پر کوئی جنایت (قصور) کرے تو اس کا تاوان لازم ہوگا اور اگر اس کا مال تلف کرے تو تاوان دے گا۔

تشریح: اگر آقا اپنی مکاتبہ باندی سے صحبت کرلے تو مہر لازم ہوگا یا اس پر یا اس کے بچہ پر جنایت کرے تو جنایت نفس کی صورت میں دیت اور جنایت مال کی صورت میں مثل مال یا اس کی قیمت لازم ہوگی، کیوں کہ مکاتب ذات اور منافع کے تصرف کے لحاظ سے آقا کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور جان و مال کے بارے میں آقا سے اجنبی بن جاتا ہے اس لیے آقا مکاتبہ کا کوئی بھی نقصان کرے گا تو آقا پر اس کا تاوان لازم ہوجائے گا۔

(۲۱۶۴/۹) وَاِذَا اشْتَرَى الْمُكَاتَبُ اَبَاهُ اَوِ ابْنَهٗ دَخَلَ فِيْ كِتَابَتِهٖ وَ اِنِ اشْتَرٰى اُمَّ وَلَدِهٖ مَعَ وَلَدِهَا دَخَلَ وَلَدُهَا فِي الْكِتَابَةِ وَلَمْ يَجُزْ لَهٗ بَيْعُهَا.

ترجمہ: اور جب خرید لے مکاتب اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو تو وہ بھی داخل ہوجائیں گی اس کی کتابت میں اور اگر خرید لے اپنی ام ولد کو اس کے بچہ کے ساتھ تو اس کا بچہ داخل ہوجائے گا کتابت میں اور جائز نہیں ہوگا آقا کے لئے اس کا بیچنا۔

تشریح: اگر مکاتب نے اپنے باپ بیٹے (اصول وفروع) کو خرید لیا تو مکاتب کی طرح اس کا باپ اور بیٹا بھی کتابت میں داخل ہوجائیں گے، کیوں کہ مکاتب اگر آزاد کرنے کا اہل نہیں تو کم از کم مکاتب کرنے کا اہل تو ہے لہٰذا حتی الامکان صلہ رحمی کا تقاضہ یہ ہے کہ اصول وفروع بھی مکاتب ہوجائیں گے، ایسے ہی اگر مکاتب نے اپنی ام ولد کو اس کے بچہ کے ساتھ خرید لیا تو اس کا بچہ بھی کتابت میں داخل ہوجائے گا، اور چوں کہ بیٹے میں آزادی کا شائبہ آچکا ہے اس لیے بیٹے کی وجہ سے اس کی ماں میں بھی آزادی کا شائبہ آچکا ہے لہٰذا اب ام ولد کو فروخت نہیں کرسکتا۔

(۲۱۶۵/۱۰) وَاِنِ اشْتَرٰى ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَا وِلَادَ لَهٗ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ كِتَابَتِهٖ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

تَعَالٰی.

ترجمہ: اور اگر خرید لے اپنے کسی ذی رحم محرم کو جس سے پیدائش کا رشتہ نہیں ہے تو وہ اس کی کتابت میں داخل نہ ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: اگر مکاتب نے ایسے ذی رحم محرم کو خریدا جس کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں ہے جیسے بھائی بہن پھوپھی چچا وغیرہ تو امام صاحب کے نزدیک یہ لوگ مکاتب کی کتابت میں داخل نہ ہوں گے، کیوں کہ مکاتب کے لئے ملک حقیقی نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف کمائی پر قادر ہوتا ہے اور یہ قدرت ان لوگوں کے لئے ناکافی ہے جن کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں ہے، اس بارے میں صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ اصول وفروع کی طرح دوسرے رشتہ دار بھی کتابت میں داخل ہو جائیں گے، کیوں کہ صلہ رحمی دونوں طرح کے لوگوں کو شامل ہے، خواہ ان کے ساتھ ولادت کا رشتہ ہو یا نہ ہو۔

(۲۱۶۶/۱۱) وَإِذَا عَجَزَ الْمُكَاتَبُ عَنْ نَجْمٍ نَظَرَ الْحَاكِمُ فِي حَالِهِ فَإِنْ كَانَ لَهُ دَيْنٌ يَقْبِضُهُ أَوْمَالٌ يَقْدِمُ عَلَيْهِ لَمْ يُعَجِّلْ بِتَعْجِيزِهِ وَانْتَظَرَ عَلَيْهِ الْيَوْمَيْنِ أَوِ الثَّلٰثَةَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَجْهٌ وَطَلَبَ الْمَوْلٰى تَعْجِيْزَهُ عَجَزَهُ الْحَاكِمُ وَفَسَخَ الْكِتَابَةَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ لَا تَعْجِزُهُ حَتّٰى يَتَوَالٰى عَلَيْهِ نَجْمَانِ.

ترجمہ: اور جب عاجز آجائے مکاتب قسط کے ادا کرنے سے تو غور کرے قاضی وقت اس کی حالت (اس کے معاملہ) کے بارے میں سو اگر اس کا کچھ قرض ہو جس کو وہ وصول کرے گا یا کچھ مال آنے والا ہو اس کے پاس تو جلدی نہ کرے اس کو عاجز قرار دینے میں بلکہ مہلت دے اس کو دو دن یا تین دن اور اگر اس کے پاس کوئی راستہ نہ ہو اور آقا مطالبہ کرے اس کو عاجز قرار دینے کا تو قاضی وقت اس کو عاجز قرار دے اور کتابت فسخ کردے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کو عاجز قرار نہ دے یہاں تک کہ اس پر دو قسطیں چڑھ جائیں۔

مکاتب کا بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جانا

تشریح: آقا نے اپنے غلام سے یوں کہا کہ ہر ماہ پانچسو روپے ادا کرتے رہو اب مکاتب کسی قسط کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو اس صورت میں حاکم وقت کا فرض ہے کہ اس کے معاملات کے بارے میں غور و فکر کرے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذمہ اس کا قرض ہو جو اسے مل جائے اور وہ قسط ادا کردے یا اس کا مال غائب ہو اور ملنے والا ہو اور ملنے کے بعد وہ قسط ادا کردے ان دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ حاکم اس کو عاجز قرار دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ دو تین دن کی مہلت دے اور اگر مال ملنے کی امید نہ ہو اور آقا عاجز قرار دینے کا مطالبہ کرے تو حاکم اس کو عاجز قرار دے گا اور کتابت فسخ کردے گا یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب تک اس پر دو قسطیں نہ چڑھ جائیں اس وقت تک عجز کا فیصلہ نہ کرے اور کتابت فسخ نہ کرے، امام ابو یوسف کی دلیل حضرت علیؓ سے منقول ایک اثر ہے، آپؓ نے

فرمایا کہ مکاتب پر دو قسطیں چڑھ جائیں اور اگلے سال میں داخل ہو جائے اور اپنی قسط ادا نہ کرے تو غلامیت میں واپس لوٹ جائے گا، طرفین فرماتے ہیں کہ مکاتب کا عاجز ہونا متحقق ہو چکا اس لیے کہ جب وہ ایک قسط سے عاجز ہے تو دو قسطوں کی ادائیگی سے کہیں زیادہ عاجز ہوگا اس لیے قسط ادا نہ کر سکے تو غلامیت کی طرف واپس لوٹ آئے گا۔

(۱۲/۲۱۶۷) وَإِذَا عَجَزَ الْمُكَاتَبُ عَادَ إِلَى حُكْمِ الرِّقِّ وَكَانَ مَا فِي يَدِهِ مِنَ الْاِكْتِسَابِ لِمَوْلَاهُ.

ترجمہ: اور جب عاجز آجائے مکاتب تو وہ لوٹ آئے گا غلامی کے حکم کی طرف اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں کمائی ہے وہ اس کے آقا کی ہوگی۔

تشریح: مکاتب جب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو غلامیت کی طرف واپس لوٹ آئے گا اور مکاتب جب غلام بن گیا تو غلام کا سارا مال آقا کا ہوتا ہے اس لیے مکاتب نے جو کچھ ادا کیا وہ آقا کے لئے حلال ہے۔

(۱۳/۲۱۶۸) فَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَلَهُ مَالٌ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ وَقُضِيَ مَا عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ وَحُكِمَ بِعِتْقِهِ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ اَجْزَاءِ حَيَاتِهِ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ مِيرَاثٌ لِوَرَثَتِهِ وَيَعْتِقُ اَوْلَادُهُ.

ترجمہ: اگر مر جائے مکاتب اور ہو اس کے پاس مال تو فسخ نہیں ہوگی کتابت اور ادا کیا جائے گا جو کچھ اس کے ذمہ ہے اس کے مال سے اور حکم کیا جائے گا اس کی آزادی کا اس کی زندگی کے آخری حصہ میں اور جو باقی رہ جائے وہ میراث ہوگی اس کے ورثہ کی اور آزاد ہو جائے گی اس کی اولاد۔

تشریح: اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے قبل اتنا ترکہ چھوڑ کر انتقال کر جائے کہ جس سے پورا مال کتابت ادا کیا جا سکتا ہو تو کتابت فسخ نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے مال میں سے کتابت ادا کر دی جائے گی اور اس کی زندگی کے آخری حصہ میں اس کی آزادی کا حکم کر دیا جائے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ موت سے کچھ دیر پہلے مال کتابت ادا کر کے آزاد ہوا اور اس کے بعد انتقال ہوا چوں کہ مکاتب آزاد ہو کر مرا ہے اس لیے اس کی اولاد بھی آزاد ہو جائے گی اور مال کتابت ادا کرنے کے بعد ترکہ میں سے جو مال بچے گا وہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

(۱۴/۲۱۶۹) وَإِنْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً وَتَرَكَ وَلَدًا مَوْلُودًا فِي الْكِتَابَةِ سَعٰى فِي كِتَابَةِ اَبِيهِ عَلٰى نُجُومِهِ فَإِذَا اَدّٰى حَكَمْنَا بِعِتْقِ اَبِيهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَعَتَقَ الْوَلَدُ.

ترجمہ: اور اگر اس نے مال نہیں چھوڑا (مال کتابت پورا کرنے کے لئے) بلکہ ایک بچہ چھوڑا جو پیدا ہوا تھا کتابت کے زمانہ میں تو وہ کوشش کرے اپنے باپ کی کتابت میں قسط وار جب وہ ادا کر چکے تو فیصلہ کر دیں گے ہم اس کے باپ کی آزادی کا اس کی موت سے پہلے اور بچہ بھی آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: مکاتب کا انتقال ہوا مال تو کچھ نہیں چھوڑا البتہ ایک لڑکا چھوڑا جو کتابت کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا تو وہ

لڑکا اپنے باپ کی قسطوں کے مطابق بدل کتابت ادا کرے گا جب وہ ادا کر چکے تو باپ کو مرنے سے پہلے آزاد شمار کیا جائے گا، اور اس پر آزادی کے احکام نافذ کریں گے، اور اس کی وجہ سے یہ بچہ بھی آزاد شمار کیا جائے گا۔

(۱۵/۲۱۷۰) وَاِنْ تَرَكَ وَلَداً مُشْتَرىً فِي الْكِتَابَةِ قِيلَ لَهُ اِمَّا اَنْ تُؤَدِّيَ الْكِتَابَةَ حَالاً وَاِلاَّ رُدِدْتَ فِي الرِّقِّ.

ترجمہ: اور اگر ایسا لڑکا چھوڑا جو خریدا گیا تھا کتابت کے زمانہ میں تو اس سے کہا جائے گا یا تو ادا کر بدل کتابت فوراً ورنہ لوٹا دیا جائے گا تو غلامیت کی طرف۔

تشریح: مکاتب نے اتنا مال نہیں چھوڑا کہ مال کتابت ادا کیا جا سکے البتہ ایسا لڑکا چھوڑا جو کتابت کے زمانہ میں خریدا تھا تو وہ لڑکا باپ کی طرح مکاتب بن جائے گا اور اس لڑکے سے کہا جائے گا کہ یا تو فوراً بدل کتابت ادا کرو ورنہ غلام ہو جاؤ، صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا (یہ لڑکا بھی قسط وار بدل کتابت ادا کریگا) امام صاحب فرماتے ہیں کہ ماقبل کے مسئلہ اور اس مسئلہ میں فرق ہے۔

وجہ فرق: ماقبل کے مسئلہ میں آقا نے باپ سے قسط وار مال کتابت ادا کرنے کی شرط کی تھی اور بیٹے کے پیدا ہونے کی وجہ سے بنیادی طور پر بیٹا باپ کی طرح مکاتب بن گیا اس لیے جب باپ پر قسط وار ادا کرنا لازم تھا تو بیٹے پر بھی قسط وار ادا کرنا لازم ہوگا اور جو بیٹا خریدا وہ بنیادی طور پر باپ کی طرح نہیں ہوا یہ بیٹا مکاتب تو بنا لیکن اس پر قسط وار ادا کرنا لازم نہیں ہوگا بلکہ بیک وقت ادا کرنا لازم ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ تاجیل اس وقت ثابت ہوتی ہے، جب عقد میں اس کی شرط ہو اور اس کے حق میں ثابت ہوئی ہے جو عقد کے تحت داخل ہو اور خرید کردہ اولاد عقد کے تحت نہیں۔ (اللباب فی شرح الکتاب ص: ۲۰ ج: ۳)

(۱۶/۲۱۷۱) وَاِذَا كَاتَبَ الْمُسْلِمُ عَبْدَهُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ اَوْ عَلٰى قِيْمَةِ نَفْسِهٖ فَالْكِتَابَةُ فَاسِدَةٌ فَاِنْ اَدَّى الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيْرَ عَتَقَ وَلَزِمَهٗ اَنْ يَّسْعٰى فِيْ قِيْمَتِهٖ لاَ يُنْقَصُ مِنَ الْمُسَمّٰى وَيُزَادُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب مکاتب بنایا مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر پر یا خود غلام کی قیمت پر تو کتابت فاسد ہے پھر اگر دے دے وہ شراب یا خنزیر ہی تو آزاد ہو جائے گا اور لازم ہوگا اس پر سعی کرنا اپنی قیمت میں جو مقررہ مقدار سے کم نہ ہوگی بلکہ زائد ہو سکتی ہے۔

تشریح: کسی مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر کے بدلہ مکاتب بنایا تو یہ کتابت فاسد ہے، اسی طرح خود غلام کی قیمت پر مکاتب بنایا اور اس کی قیمت کتنی ہے متعین نہیں کیا تو یہ کتابت بھی فاسد ہوگی کیوں کہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال نہ ہونیکی وجہ سے بدل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کے باوجود بھی غلام شراب یا خنزیر ہی

دے دے تو آزاد ہو جائے گا کیوں شرط پائی گئی لیکن چوں کہ وہ مال نہیں ہے اس لیے مکاتب اپنی قیمت کی سعایت کرکے آقا کو دے گا یہ قیمت خنزیر اور شراب کی قیمت سے کم نہ ہو اس سے زیادہ ہوسکتی ہے تا کہ مکاتب ادا کرکے جلدی آزاد ہو جائے اگر کم دے گا تو ہوسکتا ہے کہ آقا مکاتب بنانے اور آزاد کرنے پر راضی نہ ہو اسلئے زیادہ دے تو جائز ہے، اور اگر آقا نے غلام کو اس کی قیمت کے عوض مکاتب کیا تو یہ بھی فاسد ہے کیوں کہ غلام کی قیمت دو اعتبار سے مجہول ہے۔

(۲۱۷۲/۱۷) وَاِنْ كَاتَبَهٗ عَلٰى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنادے اپنے غلام کو ایسے جانور کے بدلہ جس کی صفت بیان نہ کی گئی ہو تو کتابت جائز ہے۔

تشریح: اگر غلام کو کسی جانور کے عوض مکاتب کیا اور جانور کی صرف جنس متعین کی مثلاً یوں کہا کہ گھوڑے پر مکاتب بناتا ہوں لیکن صفت متعین نہیں کی کہ کس قسم کا گھوڑا ہے اعلیٰ یا ادنیٰ یا نوع متعین نہیں کی کہ فارسی ہے یا عربی تب بھی کتابت درست ہے اور درمیانی درجہ کا جانور لازم ہوگا یا درمیانی جانور کی قیمت لازم ہوگی کیوں کہ جنس متعین کرنے سے اتنی جہالت نہیں رہی جو جھگڑے کی جانب پہنچائے باقی تفصیل کتاب النکاح (۱۷۲۹)(۱۷) کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۱۷۳/۱۸) وَاِنْ كَاتَبَهٗ عَلٰى ثَوْبٍ لَمْ يُسَمِّ جِنْسَهٗ لَمْ يَجُزْ وَ اِنْ اَدَّاهُ لَمْ يَعْتِقْ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنادے اس کو ایسے کپڑے پر جس کی جنس بیان نہ کی گئی ہو تو کتابت جائز نہیں ہے اور اگر وہ کپڑا ادے دے تب بھی آزاد نہ ہوگا۔

تشریح: کسی نے کپڑے پر مکاتب بنایا اور اس کی جنس متعین نہیں کی کہ سوتی ہے یا کوٹن پولیسٹر ہے یا ٹیریکاٹ تو یہ کتابت جائز نہیں ہے، کیوں کہ دو قسم کا کپڑا الگ الگ جنس ہے تو مکمل مجہول ہونے کی وجہ سے کتابت صحیح نہیں ہوگی اگر کسی قسم کا کپڑا دے بھی دیا تو بھی آزادی نہ ہوگی۔

(۲۱۷۴/۱۹) وَاِنْ كَاتَبَ عَبْدَيْهِ كِتَابَةً وَاحِدَةً بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اِنْ اَدَّيَا عَتَقَا وَ اِنْ عَجَزَا رُدَّا اِلَى الرِّقِّ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنادے اپنے دو غلاموں کو ایک ہی کتابت میں ایک ہزار درہم کے بدلہ اگر ان دونوں نے ہزار دے دیئے تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر دونوں عاجز ہو گئے تو غلامی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔

تشریح: کسی نے اپنے دو غلاموں کو ایک ہی کتابت میں ایک ہزار روپے پر مکاتب کر دیا اور ان دونوں نے اس کو قبول کر لیا تو کتابت صحیح ہوگی اور اگر کسی ایک نے قبول کیا تو کتابت باطل ہوگی کیوں کہ دونوں غلاموں کو ایک ساتھ مکاتب بنایا اس لیے دونوں رقم کے ذمہ دار ہیں تو دونوں کا قبول کرنا ضروری ہے، اب اگر دونوں بدل کتابت ادا کر دیں تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر دونوں عاجز ہو جائیں تو دونوں غلامی کی طرف لوٹ آئیں گے۔

(۲۱۷۵/۲۰) وَاِنْ كَاتَبَهُمَا عَلٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ضَامِنٌ عَنِ الآخَرِ جَازَتِ الْكِتَابَةُ وَاَيُّهُمَا اَدّٰى عَتَقَا وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِنِصْفِ مَا اَدّٰى.

ترجمہ: اور اگر دونوں کو مکاتب بنایا اس شرط پر کہ ان میں سے ہر ایک ضامن ہے دوسرے کا تو کتابت جائز ہے اور دونوں میں سے جو بھی ادا کرے دونوں آزاد ہو جائیں گے اور لے لیگا اپنے شریک سے اس کا آدھا جو کچھ ادا کیا۔

تشریح: اگر دونوں غلاموں میں سے کوئی ایک عاجز ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اگر دوسرا ادا کر دے تو دونوں آزاد ہو جائیں گے کیوں کہ دونوں ضامن ہیں اور چوں کہ ادا کرنے والے نے آدھا اپنی جانب سے اور آدھا دوسرے کی جانب سے ادا کیا ہے اس لیے ادا کرنے والا دوسرے سے نصف وصول کر لے گا۔

(۲۱۷۶/۲۱) وَاِذَا اَعْتَقَ الْمَوْلٰى مُكَاتَبَهٗ عَتَقَ بِعِتْقِهٖ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ.

ترجمہ: اور جب آزاد کر دے آقا اپنے مکاتب کو تو آزاد ہو جائے گا اس کے آزاد کرنے سے اور ساقط ہو جائے گا اس سے مال کتابت۔

تشریح: چوں کہ مکاتب ابھی بھی آقا کی ملکیت میں ہے اس لیے وہ مکاتب کو آزاد کر سکتا ہے اور جب آزاد ہو گیا تو مال کتابت ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے مال کتابت ساقط ہو جائے گا۔

(۲۱۷۷/۲۲) وَاِذَا مَاتَ مَوْلَى الْمُكَاتَبِ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ وَ قِيْلَ لَهٗ اَدِّ الْمَالَ اِلٰى وَرَثَةِ الْمَوْلٰى عَلٰى نُجُوْمِهٖ.

ترجمہ: اور جب مر جائے مکاتب کا آقا تو فسخ نہ ہوگی کتابت اور کہا جائے گا اس سے کہ ادا کر مال آقا کے وارثین کی طرف اس کی قسطوں کے مطابق۔

تشریح: آقا کے مرنے سے کتابت ساقط نہیں ہوتی بلکہ کتابت باقی رہتی ہے تاکہ مکاتب کا حق باطل نہ ہونے پائے اس لیے کہ کتابت آزادی کا سبب ہے اب مال کتابت کا حق دار وارث ہوگا آزاد کیوں کہ وارث میت کا قائم مقام ہے اس لیے جن شرائط کے ساتھ آقا کو قسط وار روپے دیتا انہیں شرائط کے ساتھ وارث کو قسط وار ادا کریگا اور آزاد ہو جائے گا۔

(۲۱۷۸/۲۳) فَاِنْ اَعْتَقَهٗ اَحَدُ الْوَرَثَةِ لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهٗ وَ اِنْ اَعْتَقُوْهُ جَمِيْعاً عَتَقَ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ.

ترجمہ: پھر اگر آزاد کر دے اس کو کوئی ایک وارث تو اس کی آزادی نافذ نہ ہوگی اور اگر سب آزاد کر دیں تو آزاد ہو جائے گا اور ساقط ہو جائے گا اس سے بدل کتابت۔

تشریح: ورثہ میں سے ایک نے آزاد کیا تو مکاتب کی آزادی نافذ نہ ہوگی، کیوں کہ مکاتب ورثہ کی طرف بذریعہ ارث منتقل نہیں ہوتا بلکہ مکاتب کے ذمہ جو قرض ہے وہ منتقل ہوتا ہے ہاں اگر سبھی وارثوں نے مل کر آزاد کر دیا تو اب وہ میت کی طرف سے آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ ان کا آزاد کرنا کتابت کو مکمل کرنا ہے اور جب آزاد ہو گیا تو اب بدل کتابت کی ضرورت نہیں رہی اس لیے بدل کتابت ساقط ہو جائے گا پس یہ ادائیگی اور بری کرنے کے درجہ میں ہو گیا۔

(۲۱۷۹/۲۴) وَإِذَا كَاتَبَ الْمَوْلٰى أُمَّ وَلَدِهٖ جَازَ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى سَقَطَ عَنْهَا مَالُ الْكِتَابَةِ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنادیا آقا نے اپنی ام ولد کو تو جائز ہے پھر اگر مر جائے آقا تو ساقط ہو جائے گا اس سے مال کتابت۔

تشریح: آقا نے اپنی ام ولد کو مکاتب کر دیا تو کتابت صحیح ہے، کیوں کہ ام ولد اگرچہ آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہونے والی ہے مگر اس سے پہلے آزاد ہونے کی بھی ضرورت ہے مکاتبہ بنانے کے بعد اگر آقا کا انتقال ہو گیا تو ام ولد مفت آزاد ہو جائے گی کیوں کہ اس کی آزادی آقا کے انتقال کے ساتھ متعلق ہو چکی تھی۔

(۲۱۸۰/۲۵) وَإِنْ وَلَدَتْ مُكَاتَبَتُهٗ مِنْهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَ إِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَ صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهٗ.

ترجمہ: اور اگر بچہ جنا مکاتبہ نے آقا سے تو اسے اختیار ہے اگر چاہے برقرار رہے کتابت پر اور اگر چاہے تو اپنے آپ کو عاجز کرے اور آقا کی ام ولد ہو جائے۔

تشریح: باندی مکاتبہ تھی اس سے آقا نے صحبت کی اور بچہ پیدا ہوا تو یہ آقا کی ام ولد بن گئی اب اسے دو اختیار ہیں یا تو عقد کتابت پر باقی رہے اور مال کتابت ادا کر کے آقا کی زندگی میں آزاد ہو جائے اور یا اپنے آپ کو بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز قرار دے کر خالص ام ولد بن جائے اور آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے، یہ باندی مکاتبہ بھی ہے اور ام ولد بھی تو اسے دو جہتوں سے آزادی کا حق حاصل ہے اس لیے دونوں اختیار ہیں۔

(۲۱۸۱/۲۶) وَإِنْ كَاتَبَ مُدَبَّرَتَهٗ جَازَ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى وَلَا مَالَ لَهٗ غَيْرُهَا كَانَتْ بِالْخِيَارِ بَيْنَ أَنْ تَسْعٰى فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهَا أَوْ جَمِيْعِ مَالِ الْكِتَابَةِ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنا دے اپنی مدبرہ کو تو جائز ہے پھر اگر مر جائے آقا اور کچھ مال نہ ہو مدبرہ کے علاوہ تو اسے اختیار ہے اس بات کا کہ سعی کرے اپنی قیمت کی دو تہائی کی یا پورے مال کتابت کی۔

تشریح: آقا نے اپنی باندی سے یوں کہا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو تو یہ باندی مدبرہ ہو گئی اس مدبرہ کو آقا نے یوں کہا کہ ایک ہزار روپے مجھے دے دو اور تم آزاد ہو یہ باندی اب مکاتبہ بن گئی اب آقا کا انتقال ہو جاتا

ہے اور اس مدبرہ کے علاوہ آقا کے پاس کوئی اور مال نہیں ہے تو وصیت کی طرح اس باندی کی ایک تہائی آزاد ہوگی اور دو تہائی ورثہ میں تقسیم ہوگی اس لیے اپنی قیمت کی دو تہائی کما کر ورثہ کو دے اور آزاد ہو جائے اور دوسرا اختیار ہے یہ کہ جتنا مال کتابت ہے وہ سب ادا کرے اور آزاد ہو جائے جس میں سہولت ہو وہ کر سکتی ہے یہ تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے۔

(۲۱۸۲/۲۷) وَإِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَتَهُ صَحَّ التَّدْبِيْرُ وَلَهَا الْخِيَارُ إِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَإِنْ شَاءَتْ عَجَزَتْ نَفْسَهَا وَصَارَتْ مُدَبَّرَةً فَإِنْ مَضَتْ عَلَى كِتَابَتِهَا فَمَاتَ الْمَوْلَى وَلَا مَالَ لَهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِيْ ثُلُثَيْ مَالِ الْكِتَابَةِ أَوْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: اور اگر مدبرہ بنا دے اپنی مکاتبہ کو تو مدبر بنانا صحیح ہے اور اس کو اختیار ہے اگر چاہے کتابت پر رہے اور اگر چاہے اپنے آپ کو عاجز کرے اور مدبرہ بن جائے اب اگر وہ کتابت پر رہے پھر آقا مر جائے اور آقا کے پاس کوئی مال نہ ہو تو اسے اختیار ہے اگر چاہے دو تہائی مال کتابت میں سعایت (قیمت کما کر دے) کرے یا اپنی قیمت کی دو تہائی کی سعایت کرے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: اگر آقا نے اپنی مکاتبہ باندی کو مدبر کر دیا تو یہ بھی درست ہے اور اس کو اختیار ہے چاہے کتابت پر باقی رہے اور چاہے خود کو عاجز قرار دے کر مدبرہ ہو جائے اب اگر وہ کتابت پر رہنا چاہے اور آقا مر جائے اور مدبرہ کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو تو اسے دو اختیار ہیں (۱) مال کتابت کی دو تہائی کما کر ورثہ کو دے یا اپنی قیمت کی دو تہائی کما کر ورثہ کو دے، صاحبین فرماتے ہیں کہ مدبرہ کی قیمت کی دو تہائی اور مال کتابت کی دو تہائی میں سے جو کم ہو وہ کما کر ورثہ کو دے گی۔

قوله فی ثلثی مال الکتابة الخ امام صاحب یہاں مال کتابت کی دو تہائی میں سعایت کے قائل ہیں بخلاف پہلے مسئلہ کے کہ اس میں کل بدل کتابت میں سعایت کے قائل ہیں اس واسطے کہ مدبر بنانا کتابت سے بری کرنا ہے اور بیماری کی حالت میں بری کرنا تہائی سے متجاوز نہیں ہوتا۔

(۲۱۸۳/۲۸) وَإِذَا أَعْتَقَ الْمُكَاتَبُ عَبْدَهُ عَلَى مَالٍ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور جب آزاد کر دے مکاتب اپنا غلام مال کے عوض تو جائز نہ ہوگا۔

تشریح: مکاتب اپنے غلام کو آزاد نہیں کر سکتا اگرچہ آزادی مال کے عوض ہو کیوں کہ مکاتب کو وہ کام کرنے کی اجازت ہے جو تجارت ہو یا تجارت کے توابع ہوں اور غلام کو مال کے بدلہ آزاد کرنا تجارت یا توابع تجارت میں سے نہیں ہے اس لیے مکاتب اپنے غلام کو مال کے بدلہ بھی آزاد نہیں کر سکتا۔

(۲۱۸۴/۲۹) وَإِذَا وَهَبَ عَلَى عِوَضٍ لَمْ يَصِحَّ.

ترجمہ: اور اگر ہبہ کرے عوض کے بدلہ تو صحیح نہیں ہے۔

تشریح: اگر مکاتب اپنے غلام کو بالعوض ہبہ کرنا چاہے تو ہبہ کرنا بھی درست نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ ابتداء احسان ہے اور وہ احسان کرنے کا اہل نہیں ہے۔

(۳۰/۲۱۸۵) وَإِنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ جَازَ فَإِنْ أَدَّى الثَّانِي قَبْلَ أَنْ يَعْتِقَ الْأَوَّلُ فَوَلَاؤُهُ لِلْمَوْلَى الْأَوَّلِ وَإِنْ أَدَّى الثَّانِي بَعْدَ عِتْقِ الْمُكَاتَبِ الْأَوَّلِ فَوَلَاؤُهُ لَهُ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب کرے اپنے غلام کو تو جائز ہے پھر اگر ادا کردے دوسرا پہلے کے آزاد ہونے سے قبل تو اس کی ولاء پہلے آقا کے لئے ہوگی اور اگر ادا کرے دوسرا پہلے مکاتب کے ازاد ہونے کے بعد تو اس کی ولاء مکاتب اول کو ملے گی۔

تشریح: اگر مکاتب نے اپنے غلام کو مکاتب کیا تو ایسا کرنا جائز ہے اب اگر اس دوسرے غلام نے پہلے غلام (مکاتب) سے پہلے کتابت کی رقم ادا کردی تو اس کی ولاء (کوئی آدمی غلام کو آزاد کرے پھر غلام کا انتقال ہو اور وراثت آزاد کرنے والے آقا کو ملے اس وراثت کو ولاء کہتے ہیں) مکاتب اول کے آقا کو ملے گی، کیوں کہ جس وقت دوسرا مکاتب آزاد ہوا اس وقت پہلا مکاتب آزاد نہیں تھا بلکہ غلام تھا اور پہلا آقا آزاد تھا اور ولاء آزاد کے لئے ہوتی ہے غلام کے لئے نہیں ہوتی اس لئے ولاء پہلے آقا کو ملے گی، اور اگر مکاتب ثانی نے مکاتب اول کی آزادی کے بعد بدل کتابت ادا کیا تو مکاتب ثانی کی ولاء مکاتب اول کو ملے گی، کیوں کہ دوسرے مکاتب کے ادا کرتے وقت اور اس کے آزاد ہوتے وقت پہلا مکاتب آزاد ہو چکا ہے اس لیے دوسرے مکاتب کی ولاء اسی کو ملے گی۔

كِتَابُ الْوَلَاءِ

(یہ کتاب ولاء کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: ولاء آثار کتابت میں سے ہے کیوں کہ بدل کتابت کی ادائیگی کے بعد ملک رقبہ زائل ہو جاتی ہے اس لیے کتاب المکاتب کے بعد کتاب الولاء کو بیان کررہے ہیں۔

ولاء کی لغوی تحقیق: ولاء لغۃً وَلْیٌ سے مشتق ہے بمعنی قرب ونزدیکی یا پھر موالاۃ سے مشتق ہے جو ولایۃ سے مفاعلہ ہے بمعنی نصرت ومحبت۔

ولاء کی دو قسمیں ہیں: (۱) ولاء عتاقہ، (۲) ولاء موالاۃ۔

ولاء عتاقہ کی تعریف: ولاء عتاقہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک غلام خرید کر آزاد کردیا تو یہ شخص اس غلام کا عصبہ بن جاتا ہے، جب غلام کا انتقال ہوگا اور اس غلام کے دوسرے ورثہ اور عصبات موجود نہ ہوں گے تو اس صورت میں اس غلام کی میراث اس آزاد کرنے والے شخص کو ملے گی اور اس آزاد کرنے والے کو 'مولی العتاقہ' کہا

جاتا ہے اور یہ آخر العصبات ہوتا ہے لہٰذا میراث لینے کا جو حق اس کو حاصل ہورہا ہے اس کو 'حق ولاء العتاقہ' کہتے ہیں۔

ولاء موالاۃ کی تعریف: ایک شخص مسلمان ہوا اور مسلمانوں میں اس کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں تو وہ مسلمان ہونے کے بعد دوسرے کسی مسلمان کے ساتھ ایک معاملہ طے کرلیتا ہے اور یہ دونوں آپس میں یہ معاہدہ کرلیتے ہیں کہ اگر پہلے میں مرگیا تو تم وارث ہوگے اور اگر تم پہلے مرگئے تو میں وارث ہوں گا، اسی طرح اگر مجھ سے کوئی جنایت سرزد ہوئی مثلاً میں نے کسی کو قتل کردیا کسی کا کوئی عضو تلف کردیا تو تم میری طرف سے دیت ادا کروگے اور اگر تم سے کوئی جنایت سرزد ہوئی مثلاً تم نے کسی کو قتل کردیا یا کوئی عضو تلف کردیا تو میں تمہاری طرف سے دیت ادا کردوں گا اس عقد کو عقد موالاۃ کہتے ہیں اور جس شخص کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے اس کو مولی الموالاۃ کہا جاتا ہے اور ان میں سے کسی کے مرنے پر دوسرے کو ملنے والی میراث کو ولاء موالاۃ کہتے ہیں۔

ولاء کا ثبوت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: الولاء لمن اعتق (بخاری ۲/۱۰۰۰)
ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا، اس حدیث سے ولاء عتاقہ کا ثبوت ہوا اور ولاء موالاۃ کا ثبوت اس اثر میں ہے حضرت تمیم داریؓ سے مرفوعاً یہ بات منقول ہے: قَالَ هُوَ اَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ (بخاری ۲/۱۰۰۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مولی الموالاۃ لوگوں میں سے بہتر ہے موالاۃ والے کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی۔

(۱/۲۱۸۶) اِذَا اَعْتَقَ الرَّجُلُ مَمْلُوْكَهُ فَوَلَاءُهُ لَهُ وَكَذٰلِكَ الْمَرْاَةُ تَعْتِقُ فَاِنْ شَرَطَ اَنَّهُ سَائِبَةٌ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَالْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ.

حل لغات: سائبة: غلام آزادی کے بعد کسی کی ولاء میں نہیں ہوگا بلکہ خود مختار ہوگا۔

ترجمہ: اگر آزاد کرے آدمی اپنا غلام تو اس کی ولاء اسی کے لئے ہے اور ایسے ہی عورت آزاد کرے (تو اس کی ولاء اسی کے لئے ہوگی) پھر اگر یہ شرط کرے کہ وہ بغیر ولاء کے ہے تو شرط باطل ہے اور ولاء اس کے لئے ہوگی جس نے آزاد کیا۔

تشریح: اگر آزاد کردہ غلام مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کا ترکہ آزاد کرنے والے کو ملے گا خواہ آزادی مدبر یا مکاتب یا ام ولد کرنے سے ہو یا رشتہ دار کے مالک ہونے سے ہو کیوں کہ حدیث گذر چکی ہے ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا اب اگر کوئی آزاد کرتے وقت یہ شرط کرے کہ آزاد کرنے والے کو ولاء نہ ملے گی تو یہ شرط باطل ہوگی، کیوں کہ یہ شرط 'الولاء لمن اعتق' کے خلاف ہے۔

(۲/۲۱۸۷) وَاِذَا اَدَّى الْمُكَاتَبُ عَتَقَ وَوَلَاؤُهُ لِلْمَوْلٰى.

ترجمہ: اور جب ادا کردے مکاتب (مال کتابت) تو وہ آزاد ہوگیا اور اس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: مکاتب نے اگرچہ مال کتابت ادا کرکے آزادی حاصل کی ہے مگر پھر بھی وہ آقا سے آزاد ہوا ہے اس

لیےاس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

(۳/۲۱۸۸)وَاِنْ عَتَقَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْلٰى فَوَلَاؤُهٗ لِوَرَثَةِ الْمَوْلٰى.

ترجمہ: اور اگر آزاد ہوا آقا کے انتقال کے بعد تو اس کی ولاء آقا کے ورثہ کے لئے ہوگی۔

تشریح: آقا نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا لیکن غلام آقا کی زندگی میں مال کتابت ادا کر کے آزاد نہ ہوسکا آقا کے انتقال کے بعد مال کتابت ادا کیا اور آزاد ہوا تو اس کی ولاء آقا کے ورثہ کے لئے ہوگی۔

(۴/۲۱۸۹) وَاِذَا مَاتَ الْمَوْلٰى عَتَقَ مُدَبَّرُوْهُ وَ اُمَّهَاتُ اَوْلَادِهٖ وَوَلَاؤُهُمْ لَهٗ.

ترجمہ: اور جب مرجائے آقا تو آزاد ہوجائیں گے اس کے مدبر اور امہات اولاد اور ان سب کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: اگر آقا مرجائے تو اس کے مدبر غلام اور امہات الاولاد آزاد ہوجائیں گی اور ہر ایک کی ولاء اسی میت آقا کے لئے ہوگی۔

سوال: مدبر اور ام ولد آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہوتے ہیں تو آقا کو ان کی ولاء ملنے کی کونسی شکل ہے؟

جواب: اس کی شکل یہ ہے کہ آقا مرتد ہوکر دار الحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کی موت کا حکم کر کے اس کے مدبر اور ام ولد کی آزادی کا فیصلہ کردیا، پھر آقا مسلمان ہوکر دار الاسلام چلا آیا اور مدبر یا ام ولد مرگئی تو ولاء آقا کو ملے گی۔ (اشرف النوری ۲/۱۹۹)

(۵/۲۱۹۰) وَمَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ عَتَقَ عَلَيْهِ وَوَلَاؤُهٗ لَهٗ

ترجمہ: اور جو مالک ہوجائے ذی رحم محرم کا تو وہ اس پر آزاد ہوجائے گا اور اس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: یہاں اگرچہ ذی رحم محرم ہونے کی وجہ سے آزاد ہوا ہے آقا نے خود آزاد نہیں کیا ہے لیکن سبب آقا ہی بنا ہے اس لیے اس کی ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گی۔

(۶/۲۱۹۱) وَاِذَا تَزَوَّجَ عَبْدُ رَجُلٍ اَمَةَ الْآخَرِ فَاَعْتَقَ مَوْلَى الْاَمَةِ الْاَمَةَ وَهِيَ حَامِلٌ مِنَ الْعَبْدِ عَتَقَتْ وَعَتَقَ حَمْلُهَا وَوَلَاءُ الْحَمْلِ لِمَوْلَى الْاُمِّ لَا يَنْتَقِلُ عَنْهُ اَبَدًا.

ترجمہ: اور اگر شادی کرلی ایک کے غلام نے دوسرے کی باندی سے پھر باندی کے آقا نے باندی کو آزاد کردیا اس حال میں کہ وہ حاملہ ہے غلام سے تو باندی اور اس کا حمل آزاد ہوگا اور حمل کی ولاء ماں کے آقا کی ہوگی جو اس سے کبھی منتقل نہیں ہوگی۔

تشریح: غلام نے دوسرے کی باندی سے شادی کی پھر وہ اس غلام سے حاملہ ہوئی اس حمل کی حالت میں اس کے آقا نے آزاد کر دیا جس کی وجہ سے حمل بھی ماں کے تحت میں ہوکر آزاد ہو گیا چوں کہ حمل کا آزاد کرنے والا ماں کا آقا ہے اس لیے حمل کی ولاء ماں کے آقا کو ملے گی، اور یہ ولاء آقا سے کبھی منتقل نہیں ہوگی۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بچہ کی ولاء ماں کے آقا کو اس وقت ملے گی جبْ باندی کی آزادی کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ ہوا ہو۔

(۲۱۹۲/۷) فَإِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَلَداً فَوَلَاؤُهُ لِمَوْلَى الْاُمِّ.

ترجمہ: پھر اگر جنے اپنی آزادی کے بعد چھ ماہ سے زائد میں کوئی بچہ تو اس کی ولاء ماں کے آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: اگر باندی نے اپنی آزادی کے بعد چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ جنا تب بھی بچہ کی ولاء اس کی ماں کے آقا کو ملے گی بشرطیکہ باپ آزاد نہ ہوا ہو چوں کہ باپ غلام ہے اس لیے ولاء باپ یا اس کے آقا کی جانب نہیں جائے گی۔

(۲۱۹۳/۸) فَإِنْ اُعْتِقَ الْاَبُ جَرَّ وَلَاءَ ابْنِهِ وَانْتَقَلَ عَنْ مَوْلَى الْاُمِّ اِلَى مَوْلَى الْاَبِ.

حل لغات: جر: ماضی مصدر جرًا کھینچنا۔

ترجمہ: پھر اگر باپ آزاد کر دیا گیا تو کھینچ لے گا وہ اپنے بیٹے کی ولاء اور منتقل ہو جائے گی ماں کے آقا سے باپ کے آقا کی طرف۔

تشریح: بچہ ماں کی آزادی کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا تو ممکن ہے کہ ماں کی آزادی کے وقت حمل نہ ہو بلکہ بعد میں ٹھہرا ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ماں کے آقا نے حمل کو آزاد کیا ہو لیکن چوں کہ باپ غلام تھا اس مجبوری کی وجہ سے ماں کے آقا کی جانب ولاء دے دی گئی لیکن جب باپ آزاد ہو گیا تو جس طرح نسب باپ کے ساتھ ثابت ہے اسی طرح ولاء بھی باپ کے آقا کی طرف منتقل ہو جائے گی، یعنی اگر بچہ مر جائے تو اس کی ولاء باپ کے آقا کو ملے گی۔

(۲۱۹۴/۹) وَمَنْ تَزَوَّجَ مِنَ الْعَجَمِ بِمُعْتَقَةِ الْعَرَبِ فَوَلَدَتْ لَهُ اَوْلَاداً فَوَلَاءُ وَلَدِهَا لِمَوَالِيْهَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَكُوْنُ وَلَاءُ اَوْلَادِهَا لِاَبِيْهِمْ لِاَنَّ النَّسَبَ اِلَى الْآبَاءِ.

ترجمہ: اور جس عجمی نے شادی کی عرب کی آزاد کردہ سے اس سے کئی اولاد ہوئی تو اس کی اولاد کی ولاء ماں کے آقا کے لئے ہے طرفینؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس اولاد کی ولاء ان کے باپ دادا کے لئے ہوگی کیوں کہ نسب باپ دادا کے لئے ہے۔

تشریح: ایک آزاد عجمی شخص نے ایک عورت سے شادی کی جو کسی عرب کی آزاد کردہ تھی اس سے کئی اولاد ہوئی تو طرفین کے نزدیک اولاد کی ولاء عورت کے آقا کے لئے ہوگی اگر چہ اس کے عجمی شوہر نے کسی سے عقد موالاۃ کرلیا ہو، کیوں کہ ترکہ پانے میں موالی عتاقہ موالی الموالاۃ پر مقدم ہوتے ہیں، امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں اس کی اولاد کا حکم اس کے باپ کا حکم ہے تو اس کی ولاء باپ کے آقا کو ملے گی، کیوں کہ ولاء نسب کی طرح ہے اور جس سے نسب ثابت ہوتا ہے ولاء بھی اسی کو ملے گی، طرفین فرماتے ہیں کہ ولاء عتاقہ قوی اور معتبر ہے اور عجمیوں کے حق میں نسب کمزور ہے کیوں کہ انہوں نے انساب کو برباد کردیا لہٰذا ضعیف قوی کا مقابل نہیں ہوسکتا۔

(۲۱۹۵/۱۰) وَوَلَاءُ الْعَتَاقَةِ تَعْصِيبٌ.

ترجمہ: اور آزاد شدہ کی ولاء عصبہ کے اعتبار سے ہے۔

تشریح: عَصَبَةٌ جمع عَصَبَاتٌ اور عَصَبَة عاصب کی جمع ہے جیسے کَتَبَة کاتب کی جمع اور ظَلَمَة ظالم کی جمع ہے اس کے معنی بدن کے اندر پٹھے کے ہیں اور چوں کہ بدن کے پٹھے کا تعلق حیوان کے سر سے پیر تک ہوتا ہے اسی طرح کچھ وارث ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق میت کے پورے ترکہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اس مناسبت سے ایسے ورثہ کو عصبہ کہا جاتا ہے، اب اصل مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ جو غلام یا باندی آزاد ہوگئے ہوں وہ مرجائیں تو ان کی میراث اور ولاء پہلے غلام اور باندی کے اصحاب فروض (جن کا حق قرآن میں متعین ہے) اور حصہ والوں کو ملے گی حصہ والوں کے لینے کے بعد ان کے عصبات کو ملے گی عصبات کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے بیٹا، پھر باپ، پھر پوتا، پھر دادا، پھر چچا، پھر چچا زاد بھائی اور اگر یہ لوگ نہ ہوں تو اب آزاد کرنے والے آقا کو ملے گی اور آقا بھی زندہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو ملے گی اور وارثوں میں مرد کو ملے گی جو مقدم ہے مثلاً بیٹا زندہ ہے تو پوتے کو نہیں ملے گی اور اگر آزاد کرنے والے یا ان کے خاندان کے لوگ نہیں ہیں تو پھر ذوی الارحام، خالہ، پھوپھی، ماموں، نانا، نانی کو ملے گی، اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو ولاء بیت المال میں داخل کردی جائے گی، مصنف کی عبارت: **ولاء العتاقه تعصیب**' کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب فروض کا حق مقدم ہے ان کے لینے کے بعد جو بچے وہ عصبات کے لوگ لیں گے۔

(۲۱۹۶/۱۱) فَإِنْ كَانَ لِلْمُعْتَقِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَهُوَ أَوْلَى مِنْهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهُ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَمِيرَاثُهُ لِلْمُعْتِقِ.

ترجمہ: پھر اگر آزاد کئے ہوئے کا کوئی نسبی عصبہ ہو تو ولاء کا وہی زیادہ حقدار ہے آقا سے اور اگر نہ ہو اس کا کوئی نسبی عصبہ تو اس کی میراث آزاد کرنے والے آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: **عصبہ نسبی**: ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو میت کے ساتھ قرابت کا تعلق رکھتے ہیں اور ان کی تین قسمیں ہیں (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ۔ ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عصبہ بنفسہ: صرف مرد مرد ہوسکتا ہے عورت نہیں ہوسکتی اور ان کے چار درجات ہیں (۱) میت کا جزء مذکر جیسا کہ لڑکے پوتے پڑپوتے وغیرہ۔

(۲) میت کے اصول مذکر جیسا کہ باپ دادا پردادا وغیرہ۔

(۳) میت کے اصول قریب کے فروع مذکر اور اصول قریب باپ ہے باپ کے فروع مذکر بھائی اور بھائی کی اولاد ہے۔

(۴) میت کے اصول بعید کے فروع مذکر اصول بعید میں دادا پردادا وغیرہ اور ان کی اولاد مذکر چچا اور چچا کی مذکر اولاد ہیں، ان میں دو اصول جاری ہوں گے (۱) قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہوں گے (۲) قوت قرابت کو ترجیح دی جائے گی لہٰذا حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی محروم اور حقیقی چچا کی موجودگی میں علاتی چچا محروم ہوگا۔

عصبہ لغیرہ: ان عورتوں کو کہتے ہیں جو اپنے حقیقی بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں مثلاً بیٹی بیٹے کے ساتھ مل کر۔

عصبہ مع غیرہ: ان عورتوں کو کہتے ہیں جس میں مؤنث مؤنث کے ساتھ مل کر عصبہ بنتی ہیں مثلاً حقیقی بہن لڑکیوں و پوتیوں کے ساتھ مل کر۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ آزاد شدہ غلام کی میراث پہلے اس کے نسب کے اصحاب فروض کو ملے گی اور پھر بقیہ مال عصبہ کو ملے گا ذوی الفروض اور عصبہ کی عدم موجودگی میں ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم کردیا جاتا ہے اور ذوی الفروض عصبات اور ذوی الارحام کی عدم موجودگی میں ترکہ مولی الموالاۃ میں تقسیم ہوگا۔

نوٹ: مولی العتاقہ اور مولی الموالاۃ میں فرق یہ ہے کہ مولی العتاقہ عصبات میں داخل ہوتا ہے اور آخری عصبہ ہوتا ہے لہٰذا اگر آزاد ہونے کے بعد غلام مرجائے اور غلام کے ذوی الفروض اور دوسرے عصبات نہ ہوں تو اس صورت میں یہ مولی العتاقہ وارث ہوگا اور ذوی الارحام پر یہ مقدم ہوگا اور مولی الموالاۃ ذوی الارحام سے مؤخر ہوتا ہے۔

(۱۲/۲۱۹۷) فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتَقُ فَمِيْرَاثُهٗ لِبَنِي الْمَوْلٰى دُوْنَ بَنَاتِهٖ.

ترجمہ: اگر مرجائے آقا پھر مرجائے آزاد شدہ تو اس کی میراث آقا کے بیٹوں کے لئے ہوگی نہ کہ اس کی بیٹیوں کے لئے۔

تشریح: عصبہ کی دوسری قسم عصبہ سببی ہے یعنی وہ لوگ جن کا میت کے ساتھ آزادی کا تعلق ہے، یعنی آزاد کرنے والے آقا اور اس کی اولاد یہ سب عصبہ سببی میں داخل ہیں ان کو مولی العتاقہ و مولی النعامہ بھی کہا جاتا ہے، عصبہ سببی میں وراثت پانے والے صرف مذکر مذکر ہوسکتے ہیں مؤنث وراثت کی حق دار نہیں ہوسکتیں اس تمہید کے بعد صورت مسئلہ یہ ہے کہ آزاد کردہ غلام کا آقا مرگیا اس کے بعد آزاد کردہ غلام بھی مرگیا تو ایسی صورت میں غلام کی میراث آقا کے لڑکوں کو ملے گی لڑکیوں کو نہیں ملے گی۔

(۱۳/۲۱۹۸) وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ إِلَّا مَا أَعْتَقْنَ أَوْ أَعْتَقَ مَنْ أَعْتَقْنَ أَوْ كَاتَبْنَ أَوْ كَاتَبَ مَنْ كَاتَبْنَ أَوْ دَبَّرْنَ أَوْ دَبَّرَ مَنْ دَبَّرْنَ أَوْ جَرَّ وَلَاءَ مُعْتَقِهِنَّ أَوْ مُعْتَقِ مُعْتَقِهِنَّ.

ترجمہ: اور نہیں ہے عورتوں کے لئے ولاء مگر ان کے آزاد کردہ کی یا ان کے آزاد کردہ کے آزاد کردہ کی یا ان کے مکاتب کی یا ان کے مکاتب کے مکاتب کی یا ان کے مدبر کی یا ان کے مدبر کے مدبر کی یا کھینچ لے ولاء ان کے آزاد کردہ کی یا ان کے آزاد کرنے والے کے آزاد کردہ کی۔

تشریح: ماقبل کے مسئلہ میں یہ بات آ چکی ہے کہ عصبہ سببی میں وراثت پانے والے صرف مذکر ہو سکتے ہیں مؤنث وراثت کی حق دار نہیں ہو سکتی مگر چار امور میں مؤنث بھی حق دار ہو سکتیں ہیں، جنکو اس عبارت میں بیان کیا ہے۔

(۱) مؤنث نے خود آزاد کیا یا اس کے آزاد کردہ نے آزاد کیا تو ایسی صورت میں اگر آزاد کردہ غلام لاوارث ہو کر کے مرتا ہے تو یہ آزاد کرنے والی عورت اس کی عصبہ سببی بن جائے گی اور اس کو میراث ملے گی۔

(۲) مؤنث نے اپنے غلام کو مکاتب بنا دیا یا مؤنث کے مکاتب نے مکاتب بنایا ہے تو ایسی صورت میں اگر مکاتب یا مکاتب کا مکاتب لاوارث ہو کر مرتا ہے تو مکاتب بنانے والی عورت مرنے والے کی عصبہ سببی بن جائے گی۔

(۳) عورت نے اپنے غلام کو مدبر بنا دیا یا عورت کے مدبر نے اپنے غلام کو مدبر بنا دیا تو ایسی صورت میں وہ مدبر اگر لاوارث ہو کر مرتا ہے تو مدبر بنانے والی عورت اس کی عصبہ سببی بن جائے گی۔

(۴) عورت نے اپنے غلام کو آزاد کیا تو اس آزاد کردہ غلام نے ولاء کو کھینچ کر عورت تک پہنچا دیا ہے یا عورت کے آزاد کردہ کے آزاد کردہ نے ولد کو کھینچ کر عورت تک پہنچا دیا ہے، یعنی جر ولاء کے طور پر عورت کو ولاء حاصل ہو جائے گی ولاء کا مطلب میراث کا حقدار بن جانا ہے تو ایسی صورت میں بھی اگر آزاد کردہ لاوارث ہو کر مر جائے تو عورت اس کی عصبہ بن جائے گی یہ چار امور ہیں جن میں مونث کو عصبہ سببی ہونے کی وجہ سے وراثت مل جاتی ہے جن کو حضورؐ نے حدیث میں بیان فرمایا ہے اور وہ حدیث بعینہ عبارت میں موجود ہے۔

جرولاء کا مطلب کیا ھے:؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے اندر غلام اور باندی کا حکم جانوروں جیسا ہے اور جانوروں میں اولاد ماں کے تابع ہوتی ہے اسی وجہ سے جانوروں میں جو ماں کا مالک ہوتا ہے وہی اولاد کا بھی مالک ہوتا ہے اور باپ کے مالک کو اولاد کا پتہ بھی نہیں ہوتا اسی طرح باندی کی اولاد ماں کے تابع ہو کر ماں کے آقا کی ملکیت ہوتی ہے لہٰذا جب ماں آزاد ہو جائے گی تو اولاد بھی آزاد ہو جائے گی اور ماں کی ولاء کے ساتھ ساتھ اس اولاد کی ولاء بھی ماں کے آقا کو حاصل ہوگی لیکن اس درمیان میں اگر باپ کے آقا نے باپ کو آزاد کر دیا ہے تو ماں باپ دونوں آزاد انسان ہو جائیں گے اور آزاد انسانوں میں اولاد باپ کے تابع ہوا کرتی ہے اب اس اولاد کی ولاء جو ماں کے آقا کو مل رہی تھی باپ کے آزاد ہونے کی وجہ سے اس واء کو کھینچ کر کے اپنے آقا کو پہنچا دیتا ہے جو حسب ذیل نقشہ سے واضح ہو سکتا ہے۔

خالدہ　　　　حارث

غلام　　　　باندی

اولاد

اس نقشہ میں خالدہ کے پاس غلام ہے اور حارث کے پاس باندی ہے اس نقشہ میں ماں کے آزاد ہونے کی وجہ سے اولاد کا ولاء حارث کو مل رہا تھا لیکن باپ نے آزاد ہو کر اس ولاء کو کھینچ کر خالدہ تک پہنچا دیا اسی کو جر ولاء کہتے ہیں۔

(۱۴/۲۱۹۹) وَاِذَا تَرَكَ الْمَوْلٰی اِبْنًا وَاَوْلَادَ ابْنٍ آخَرَ فَمِيْرَاثُ الْمُعْتَقِ لِلْاِبْنِ دُوْنَ بَنِی الْاِبْنِ لِاَنَّ الْوَلَاءَ لِلْكَبِيْرِ.

ترجمہ: اور جب چھوڑا آقا نے بیٹا اور دوسرے بیٹے کی اولاد تو آزاد شدہ کی میراث بیٹے کے لئے ہوگی نہ کہ بیٹے کی اولاد (پوتے) کے لئے کیوں کہ ولاء بڑے کے لئے ہوتی ہے۔

تشریح: اگر آقا نے انتقال کے بعد ایک بیٹا چھوڑا اور دوسرے بیٹے کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اس لیے اس کے بیٹے یعنی پوتے کو چھوڑا تو میراث بیٹے کے لئے ہوگی پوتے کے لئے نہیں ہوگی کیوں کہ ولاء بڑے کے لئے ہوتی ہے، یہ طرفین کا مذہب ہے یہاں تک ولاء عتاقہ کا بیان تھا اب آگے ولاء موالاۃ کا بیان ہے۔

(۱۵/۲۲۰۰) وَاِذَا اَسْلَمَ رَجُلٌ عَلٰی يَدِ رَجُلٍ وَوَالَاهُ عَلٰی اَنْ يَرِثَهُ وَ يَعْقِلَ عَنْهُ اِذَا جَنٰی اَوْ اَسْلَمَ عَلٰی يَدِ غَيْرِهٖ وَوَالَاهُ فَالْوَلَاءُ صَحِيْحٌ وَ عَقْلُهُ عَلٰی مَوْلَاهُ.

حل لغات: یعقل: مضارع باب (ن،ض) مصدر عقلاً کسی کی جانب سے تاوان یا دیت ادا کرنا۔ عَقَلَ دیت جمع عقول ۔ والاہ: ماضی مصدر موالاۃ کسی کو ولی بنانا۔

ترجمہ: اگر اسلام لے آئے کوئی آدمی کسی کے ہاتھ پر اور اس سے موالات کرلے اس بات پر کہ وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے تاوان دے گا اگر وہ جنایت کرے یا کسی دوسرے کے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور اسی سے موالات کرے تو ولاء صحیح ہے اور اس کا تاوان اس کے آقا پر ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں مولی الموالاۃ کا بیان ہے ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لے آئے اور اس نو مسلم نے اس شخص سے اس شرط پر موالاۃ کی کہ میرے مرنے کے بعد وہ شخص میرے تمام مال کا وارث ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوجائے تو وہ اس کے جرم کی طرف سے تاوان ادا کرے گا یا اسلام تو کسی اور کے ہاتھ پر لایا لیکن اس آدمی سے موالات کا عہد و پیمان کیا تو یہ موالات احناف کے نزدیک درست ہے۔

(۱۶/۲۲۰۱) فَاِنْ مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهٗ فَمِيْرَاثُهٗ لِلْمَوْلٰی وَاِنْ كَانَ لَهٗ وَارِثٌ فَهُوَ اَوْلٰی مِنْهُ.

ترجمہ: اب اگر وہ شخص مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کی میراث مولی الموالاۃ کے لئے ہوگی اور اگر اس کا کوئی وارث ہو تو وہ مولی الموالاۃ سے مقدم ہوگا۔

تشریح: جس شخص نے دوسرے سے موالات کی ہے اگر یہ انتقال کرجاتا ہے اور اسکا کوئی وارث بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی میراث مولی الموالات کے لئے ہوگی لیکن اگر اس کا کوئی وارث ہو تو یہ وارث مولی الموالاۃ سے مقدم ہوگا۔

(۲۲۰۲/۱۷) وَلِلْمَوْلٰی اَنْ یَنْتَقِلَ عَنْهُ بِوَلَائِهٖ اِلٰی غَیْرِهٖ مَالَمْ یَعْقِلْ عَنْهُ فَاِذَا عَقَلَ عَنْهُ لَمْ یَکُنْ لَهٗ اَنْ یَتَحَوَّلَ بِوَلَائِهٖ عَنْهُ اِلٰی غَیْرِهٖ.

ترجمہ: اور مولی کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف منتقل کردے جب تک کہ اس کی طرف سے جرمانہ نہ بھرا ہو پھر جب اس کی جانب سے جرمانہ بھر دے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ منتقل کرے اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف۔

تشریح: نومسلم موالات کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ جس مولی سے موالات کی ہے اس سے ہٹ کر دوسرے شخص سے موالات کرلے بشرطیکہ پہلے مولی الموالات نے اس کی جانب سے جرمانہ نہ دیا ہو اور یہ رجوع مولی الموالات کی موجودگی میں ہونا ضروری ہے، لیکن اگر مولی الموالات نے اس نومسلم کی جانب سے جرمانہ ادا کردیا تو اس پر اس کا حق ہوگیا تو اب اس نومسلم کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف منتقل کرے۔

(۲۲۰۳/۱۸) وَلَیْسَ لِمَوْلَی الْعَتَاقَةِ اَنْ یُوَالِیَ اَحَدًا.

ترجمہ: اور آزادشدہ کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو والی بنائے۔

تشریح: مولی العتاقہ کے بارے میں صاحب قدروی فرماتے ہیں کہ اس کیلئے دوسرے سے موالات کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً عمر نے خالد کو آزاد کردیا اب خالد کی ولاء عمر کے ساتھ لازمی ہے پھر اگر خالد نے ساجد سے موالات کرلی تو یہ ولاء موالات ہے جو ولاء عتاقہ کے مقابلہ میں کمزور ہے اس لیے ولاء عتاقہ کے مقابلہ میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔

هٰذا آخر کتاب العتاق وبه قد تم الجزء الثانی من أنوار القدروی علی المختصر للقدوری
اللّٰهم اجعله خالصاً بوجهك الکریم.

والحمد للّٰه أولاً وآخراً والصلوٰة والسلام علی نبیه سرمدا ودائماً ویلیه انشاء اللّٰه تعالیٰ الجزء الثالث اوله کتاب الجنایات .

نوٹ: اس کتاب کو پڑھنے والے تمام احباب اور رب ذوالجلال کے نیک بندوں سے احقر الوریٰ راقم الحروف کی درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں کے ساتھ ناکارہ اور اس کے والدین کی فلاح دارین کے لئے بھی دعاء کریں۔